حالاتِ زندگی

اصحابِ امیرالمومنین حضرت علیؑ

تالیف

علامہ ڈاکٹر سید ضمیر اختر نقوی
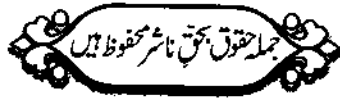
نام کتاب : حالاتِ زندگی اصحابِ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام

تالیف : علامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی

سالِ اشاعت : ۲۰۱۴ء

تعداد : ایک ہزار

کمپوزنگ : ریحان احمد

قیمت : ۸۰۰ روپے

ناشر : محسنہ میموریل فاؤنڈیشن
فلیٹ نمبر 102، مصطفی آرکیڈ،
سندھی مسلم کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی،
کراچی، فون: 02134306686

website: www.allamazameerakhtar.com

----{ کتاب ملنے کا پتہ }----

MUSTAFA ARCADE Flat #102, Plot 119-A S.M.C.H.S, KARACHI PAKISTAN Ph# 02134306686	IMAM BARGAH DUA-E-ZEHRA 2 Lorne Road NN 1 3RN U.K. Ph# 07989344151	Community News & Views 11 Amesbury Court Robbinsville N.J. 08691 U.S.A Ph# 0016093360015
H.NO.22-3-145, DarabJang Lane, Yakutpura, Hyderabad A.P. INDIA Ph# 00918099247402	6 Edwards Mews Islington London N1 1SG Ph# 00447958344614 00442072269057	Abbas Book Agency Rustam Nagar Dargah Hz. Abbas Lucknow-3 U.P. INDIA Ph# 00919369444864
Alamdar Book Depot Imam Bargah Shuhda-e-Karbal Ancholi Society Karachi Ph# 02136804345	Iftikhar Book Depot 43-Main Bazar Islampura, Lahore Ph# 042-37223686	Ahmed Book Depot Phatak Imam Bargah Shah-e-Karbala Rizvia Society Karachi

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

شمار صفحہ نمبر

حُجر بن عدی الکندی

﴿صفحہ نمبر۔۔ ۹۷﴾

عمرو بن الحُمق الخزاعی

﴿صفحہ نمبر ۱۷۱﴾

شریح بن ہانی

﴿صفحہ نمبر ۱۸۰﴾

ابو عاصم رفاعہ بن شداد البجلّی

﴿صفحہ نمبر ۱۹۶﴾

صعصعہ بن صوحان العبدی

صفحہ نمبر ۲۲۷

ابوالطفیل عامر بن واثلہ الکنانی

﴿صفحہ نمبر ۲۷۲﴾

الحارث بن عبداللہ الاعور الہمدانی

﴿صفحہ نمبر ۲۹۲﴾

عبداللہ بن شداد بن الہاد اللیثی

﴿صفحہ نمبر ۳۰۶﴾

زید بن صوحان العبدی

﴿صفحہ نمبر ۳۲۲﴾

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ الفقیہ الانصاری

﴿صفحہ نمبر ۳۳۴﴾

عبیدۃ السلمانی المراوی

﴿صفحہ نمبر ۳۴۲﴾

جنابِ قنبر

﴿صفحہ نمبر ۳۵۲﴾

جنابِ مالکِ اشتر

﴿صفحہ نمبر ۳۹۸﴾

جناب رشید ہُجری

﴿صفحہ نمبر ۴۳۶﴾

جناب میثمِ تمّار

﴿صفحہ نمبر ۴۴۹﴾

جناب کمیل بن زیاد

﴿صفحہ نمبر ۵۲۷﴾

محمد بن ابی بکر

﴿صفحہ نمبر ۵۶۴﴾

سلمان فارسی

﴿صفحہ نمبر ۵۸۱﴾

حضرت مقداد

﴿صفحہ نمبر ۵۸۸﴾

جناب عبداللہ بن عباس

﴿صفحہ نمبر ۶۴۶﴾

جناب قیس بن سعد انصاری

﴿صفحہ نمبر ۶۵۸﴾

جناب ابوذر غفاری

﴿صفحہ نمبر ۷۰۰﴾

حضرت ابوالاسود دوئلی

﴿صفحہ نمبر ۷۱۴﴾

جناب عمارِ یاسر

﴿صفحہ نمبر ۷۲۸﴾

حذیفہ بنت حلیمہ سعدیہ

امیر المومنین حضرت علیؑ کے کمالات کی ایک شیدائی

﴿صفحہ نمبر ۷۷۸﴾

صحابیات امیر المومنینؑ

﴿صفحہ نمبر ۷۸۷﴾

پیش لفظ

ادارۂ علومِ اسلامیہ کی جانب سے اصحابِ امیر المومنین علیہ السلام حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام کے حالاتِ زندگی اور اُن کی دینی خدمت افرادِ قوم کے مطالعے کے لئے پیش کئے جا رہے ہیں۔

اصحابِ علیؑ کا سب سے عظیم کارنامہ یہ ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کے پردہ فرمانے کے بعد زمانے کے مظالم کی پروانہ کرتے ہوئے اُنھوں نے محبتِ علیؑ پر قائم رہنے کی قسم کھائی اور ایک لمحے کے لئے بھی مودّت میں شرک نہیں کیا۔

مناظرے بھی فتح کئے، علمی خدمات بھی انجام دیتے رہے، جمل، صفّین اور نہروان میں تلوار کے جوہر بھی دکھائے، مولا علیؑ کے پیغام کو ہر حال پہنچاتے رہے، اُن کی کاوشوں سے دینِ حقّہ آج بھی باقی ہے، قربانیاں آج بھی پیش کی جارہی ہیں، شہادتیں آج بھی محبتِ علیؑ میں روزانہ ہو رہی ہیں، پاکستان کا چپّہ چپّہ محبتِ علیؑ کے خون سے لالہ زار بنا ہوا ہے، دنیا کے بین الاقوامی حقوقِ انسانی کے بڑے بڑے ادارے خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔

دنیا کے کئی ممالک محبتِ علیؑ کا لہو بہانے کے لئے اپنی دولت پانی کی طرح بہا رہے ہیں۔

ماضی میں علیؑ والوں کو کس طرح شہید کرتے تھے چند مناظر دیکھئے۔۔۔۔!

عبداللہ بن خباب بن الارت حضرت علیؑ کے صحابی تھے، نہروان کے خارجی جنگِ نہروان کے لئے روانہ ہو چکے تھے خارجیوں کا لشکر ایک نخلستان اور چشمے پر پہنچا۔ خارجیوں نے دیکھا عبداللہ بن خُباب گلے میں قرآن حمائل کئے ہوئے

گھوڑے پر سوار جا رہے ہیں، اُن کے بچّے بھی ساتھ ہیں اور بیوی بھی ساتھ ہیں، عبداللہ بن خُباب کی بیوی حاملہ ہیں بطن میں بچّہ ہے۔ خارجیوں نے عبداللہ بن خُباب سے پوچھا تحکیم کے بعد علیؑ کے متعلق کیا کہتے ہو، عبداللہ بن خباب صحابیٔ علیؑ نے کہا کہ علیؑ سے زیادہ دنیا میں کوئی بھی علمِ توحید نہیں جانتا، اللہ کے بارے میں وہ سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔

''خارجیوں نے کہا یہ قرآن جو تیرے گلے میں لٹکا ہے یہ ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم تجھے قتل کردیں، خارجیوں نے پہلے عبداللہ بن خُباب کی بیوی کا پیٹ چاک کیا اور تلوار کی نوک سے بچّہ پیٹ سے نکال کر ٹکڑے ٹکڑے کردیا بیوی کو قتل کرکے قافلے کی تمام عورتوں کو مار ڈالا پھر بچّوں کو ذبحہ کیا پھر عبداللہ ابنِ خُباب کو چشمے کے کنارے لاکر لٹایا اور جانور کی طرح اُن کا گلا کاٹا، نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ جہاں ان شہیدوں کا لہو بہہ رہا تھا وہاں باغ کی کھجوریں پھیلی پڑی تھیں، خارجیوں نے خون میں پڑی کھجوریں چُن چُن کر کھائیں، سامنے سے ایک خنزیر (سُور) آگیا ایک خارجی نے اُسے مار ڈالا تو دوسرے نے کہا تم نے خنزیر کو مار کر زمین پر فساد پھیلایا ہے، اُسے نہیں مارنا تھا۔

دوسرا منظر دیکھئے:۔

عمرو بن حُمق صحابیِ رسولؐ اور صحابیٔ علیؑ تھے، ایک مرتبہ رسولؐ اللہ کو پانی پلایا تو آپ نے اُن کے لئے دعا کی خدایا اس کی جوانی کو برقرار رکھ، ۸۰ سال کی زندگی ملی لیکن سر اور ڈاڑھی کا ایک بھی بال سفید نہیں ہوا تھا۔

زیاد نے نہایت بے دردی سے انھیں قتل کیا اور اُن کا سر نیزے پر بلند کرکے کوفے سے شام بھیجا گیا یہ پہلا سر ہے اسلام میں جو نیزے پر بلند کیا گیا۔ امام حسینؑ نے حاکمِ شام کو بہت سخت خط لکھا کہ تُو نے صحابیٔ رسولؐ کو بے دردی سے

شہید کیا اور متقی و صالح اللہ کے نیک بندے کا سر نیزے پر بلند کیا، اللہ تیری گھات میں ہے۔ عمرو بن حُمق کی زوجہ معاویہ کے قید خانے میں قید تھی، شوہر کا سر قید خانے میں بھیجا گیا، زوجہ نے سر کو دیکھا تو سکتہ ہو گیا، ہوش میں آئیں تو سر کو اُٹھا کر گود میں رکھا اور کہا تم کو مجھ سے غائب رکھا گیا اب مقتول کی صورت میں میرے پاس تحفہ بھیجا ہے۔

تیسرا منظر دیکھئے:۔

اویس قرنی حضرت علیؑ کی محبت میں کوفے سے میدانِ صفین پہنچے تھے، علیؑ کی محبت میں جہاد کیا، میدانِ جنگ میں معاویہ کے سپاہیوں نے اُن پر چاروں طرف سے پتھر برسائے پھر نیزے کے وار کر کے انھیں زمین پر گرا دیا گیا، لشکر کے ظالموں نے تلوار سے انھیں ٹکڑے ٹکڑے کیا اور اُن کے جسم کے اعضا قطع کئے۔

اُسی شام میں اویسِ قرنی کے مزار کو دہشت گردوں نے بم کے دھماکے سے اُڑا دیا ہے یہ ۱۴۳۵ ہجری ہے چودہ سو برس کے بعد بھی علیؑ والوں سے دشمنی اُسی طرح باقی ہے۔

چوتھا منظر دیکھئے:۔

یہ حجر بن عدی کندی صحابئ رسولؐ اور صحابئ علیؑ ہیں شام کے دیہات عذرا میں معاویہ نے قیدی بنا کر مع اُن کے ساتھیوں کے قبر کھود کر اس کے کنارے بٹھا دیا ہے، علیؑ سے بیزاری کرو تو معاف کر دیا جائے، محبتِ علیؑ میں سرشار حُجر بن عدی نے پانی طلب کیا مگر پانی نہیں دیا گیا، حجر بن عدی نے دعا کی آسمان سے جھما جھم پانی برسنے لگا، پھر انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے گہرے کنویں میں پھینک دیا گیا، عذرا میں اُن کی قبر قرار پائی، چودہ سو برس کے بعد اُسی عذرا میں اُن کے مزار کو آگ لگا کر منہدم کر دیا گیا، ضریح کو آگ لگانے والے دہشت گرد مسلسل نعرۂ

تکبیر بلند کررہے تھے، بغضِ علیؑ کا تسلسل ابھی باقی ہے۔

پانچواں منظر دیکھئے:-

علیؑ کا مایۂ ناز غلام قنبر حجاج بن یوسف کے سامنے گرفتار کر کے لایا گیا ہے، پوچھا کہ علیؑ کی خدمت میں کیا کرتا تھا۔ قنبر نے کہا مولا کے لئے وضو کا پانی لاکر رکھتا تھا۔ حجاج نے کہا۔ جب علیؑ وضو سے فارغ ہوتے تھے تو کیا کہتے تھے، قنبر نے کہا کہ اس آیت کی تلاوت فرماتے تھے

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ط حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ○ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ط وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(سورۂ انعام، آیت ۴۴ اور ۴۵)

''شیطان کے بچاری ہوگئے وہ لوگ اللہ کی نصیحت کو بھول گئے جو انھیں کی گئی تھی، تو پھر ہم نے اُن پر تمام چیزوں اور نعمتوں کے دروازے کھول دیئے حتّٰی کہ جب وہ اُس میں جو انھیں عطا کیا گیا تھا خوب مگن و مسرور ہوگئے تو ہم نے اچانک اُن کی گرفت کرلی پھر تو وہ مایوس ہوکر رہ گئے، پس جس نے ظلم کیا اُس قوم کی جڑ اور نسل کاٹ دی گئی''۔ سب تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو عالمین کا رب ہے''۔

حجاج کہنے لگا، میرا گمان ہے کہ اِس آیت کی تاویل ہم پر کرتے تھے، قنبر نے کہاہاں ایسا ہی ہے، حجاج نے کہا اگر تمہارا سر کاٹ دوں تو کیا کروگے، قنبر نے کہا میں سعادت مند ہوجاؤں گا اور تو شقی ہوجائے گا، حجاج نے حکم دیا قنبر کی گردن اُڑا دی گئی، قنبر کا سر دارالامارہ کے صدر دروازے پر لٹکا دیا گیا۔

کچھ ایسے ہی مناظر آپ کو روز کراچی، لاہور اور کوئٹہ میں نظر آتے ہوں گے، حجاج کا دور دوبارہ آگیا ہے، علیؑ والوں کے لہو سے رنگین داستانیں پڑھیئے تاکہ کچھ دل کو تسلّی ہوجائے۔ (ادارہ)

تقریر (علّامہ سیّد ضمیر اختر نقوی)

حضرت قنبرؑ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ساری تعریف اللہ کے لیے درود و سلام محمدؐ و آلِ محمدؐ پر

مجالسِ تفسیرِ قرآن کی اٹھارویں مجلس آپ حضرات سماعت فرما رہے ہیں، عزائے مولا علیؑ کی پہلی مجلس موضوع مجلس کا کوئی بھی ہو اور کہیں سے بھی بات شروع کی جائے مقصد صرف ایک ہی ہے وہ ہے ولائے علیؑ، محبتِ علیؑ اور مصائبِ حسینؑ یہ ہے صرف مجلس کا مقصد، بلکہ ہر مومن کا مقصدِ زندگی، جو اس سے دُور ہے ظاہر ہے کہ اس کے پاس مقصدِ زندگی نہیں ہے اور اللہ سب کو توفیق عطا کرے کہ وہ ولائے علیؑ کی معرفتوں کی منزلوں کو طے کریں اس لیے کہ کہیں تھک کر بیٹھنا نہیں ہے، رُکنا نہیں ہے ہر آن، ہر لحہ، ہر سانس محبتِ علیؑ کی تلاش رہنی چاہیے۔ وہ کون سا گوشہ، وہ کون سا نکتہ، کون سا جملہ تلاش کر کے لایا جائے کہ روح کو ایسی غذا ملے۔ جسم کی غذائیں تو بہت ہیں نعمتیں اللہ نے دیں ہیں لیکن روح کے لیے بہترین نعمت ہے چہاردہ معصومین کا تذکرہ۔ دنیا جن ہستیوں اور شخصیتوں کی بات کر سکتی ہے ان کا نام لینا یا ذکر کرنا آسان ہے لیکن اس سے روح کو سکون نہیں ملتا اور یہ بات انہیں خود معلوم ہے اس لیے کہ دنیاوی سیاست الگ ہے اور دین الگ ہے، دین کا تقاضہ یہ ہے کہ رسولؐ اور آلِ رسولؐ کا ذکر ہو اور سیاست کا تقاضہ بھی ضرور یہ ہی لیکن مجبوری کے تحت تا کہ اکثریت ہم زبان ہو جائے کسی چیز

پر، تو وہ ان کی مجبوری ہے ہمارے لیے مجبوری نہیں ہے کیونکہ ہم کسی دور، کسی عہد میں اس بات سے متاثر نہیں ہوئے کہ اکثریت کیا کہہ رہی ہے ہمارا یہی سب سے بڑا کارنامہ ہے، جہاد ہے اور ہمارے نمایاں ہونے کی وجہ، ہماری نسلوں کی بقا صرف یہی ہے کہ ہم اکثریت سے متاثر نہیں ہوتے اور مصلحت پسندی کا شکار نہیں ہیں یہ ضرور ہے کہ ہم کو اکثریت حیرت سے دیکھتی ہے کہ یہ ہمارے رنگ میں کیوں نہیں رنگتے، یہ متاثر کیوں نہیں ہوتے تو ظاہر ہے کہ اپنے لوگوں کو سمجھانے کے لیے کہ، کہیں یہ بھی وہی نہ کرنے لگیں جو ہم کر رہے ہیں تو سمجھانے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ بھائی یہ گمراہ لوگ ہیں، یہ گمراہ ہو گئے ہیں، یہ بدعتی ہو گئے ہیں، یہ مذہب سے خارج ہو چکے ہیں، یہ کافر ہیں، ڈرا دیا کہ تم یہ سب اختیار نہ کرنا، کلمے پہ رہنا، مسلمان رہنا ایسا نہ کرنا بات سمجھ میں ان بچاروں کے آجاتی ہے اور وہ چپ ہو جاتے ہیں، عقلیں ہوتیں تو سوچتے کہ اصل مذہب تو چودہ سو برس چل سکتا ہے نقل کفر اور بدعتیں چودہ سو سال تک نہیں چلتیں۔ کس نے ہمیں عشقِ علیؑ کی راہ دکھا کر اور وہیں سے ہاتھ ہلا کر تاکید کر دی کہ یہ راستہ نہ چھوڑنا تو ہم نے اس کے اشارے کو دیکھا اور ہم حیران ہو گئے کہ وہ کون تھا ہمارے اور علیؑ کے بیچ میں کہ جس کا اشارہ ہمارے کام آیا اس کا نام ہے قنبرؓ جس سے ہم نے آدابِ عشقِ علیؑ سیکھے، ہم نے اس کا عشق دیکھا ہم نہ مانتے اس کو کہ غلام ہے غلام کی کیا تقلید کرنا تقلید تو آقا کی ہوتی ہے غلام کی راہ پر کیوں چلیں ہم اور قنبرؓ کو دیکھ کر ہم عشقِ علیؑ کیوں کر رہے ہیں لیکن ہم نے پلٹ کر دیکھا کہ غلام کس کا ہے تو ہم نے قنبرؓ سے پوچھا کہ تم تو مولا کے لیے مرے جا رہے ہو اُدھر سے کیا جواب ہے کہا علیؑ سے پوچھو ہم نے تو عشقِ علیؑ کیا علیؑ سے پوچھو وہ ہم سے کتنی محبت کرتے ہیں تو پھر ہم نے علیؑ سے پوچھا آپ ایک غلام سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ جب

ہمیں ثبوت مل گیا کہ علیؑ اپنے غلام سے محبت کرتے ہیں تو ہم نے کہا قنبرؓ ہمیں وہ آداب تو سکھا دو کہ ہمیں مولا کی محبت حاصل ہو جائے، وہ باتیں تو بتا دو تو قنبرؓ نے کہا بیٹھو آؤ اور ہم سے سیکھو ہم تمہیں عشقِ علیؑ کے اسکول میں داخل کرتے ہیں ہم تمہیں سکھائیں گے، تم نے عشقِ علیؑ مانگا ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم تمہیں نہ سکھائیں آؤ سنو بیٹھو وہ خوبصورت لوگ تھے وہ حَسین لوگ تھے حَسین حَسینوں کو پسند کرتے ہیں لیکن ہم حیران ہو گئے کہ ہم کالوں کے ملک سے آئے تھے انہوں نے رنگ و نسل کی بات نہیں کی اور میں یوں حیران ہو گیا کہ دنیا میں کالوں سے کسی نے محبت نہیں کی انہیں غلام بنا کر بیچا جاتا تھا نظریں دیکھ کر میں حیران ہو گیا بیٹھو میں تمہیں عشقِ علیؑ کے آداب سکھاؤں بیٹھو۔

آپ تقریر سننے کے لیے تیار ہیں، میں نے اعلان کیا تھا کہ تقریر قنبرؓ پر کروں گا آج موقع ہے اس لیے میں چاہتا ہوں یہ اعلان وغیرہ ہوتے رہیں گے چونکہ آج شبِ قدر بھی ہے اعمال وغیرہ ہوں گے تو وہ آپ کو بلائیں گے تو ظاہر ہے ہمیں جانا ہے ایک عمل عشقِ علیؑ ہے اور دوسرا عمل وہ ہے لیکن پہلے مجلس کر لیں سرِ شام اعمال نہیں ہوتے، جتنی رات بیتتی ہے اعمال کا مزہ پھر آتا ہے بارہ بجے کے بعد تنہائی میں سناٹے میں اس لیے کہ یہ اجتماعی عمل وہ ہے کہ عشقِ علیؑ کے عمل کا مظاہرہ ہو جائے پھر اللہ کی بارگاہ میں جا کر وہاں کوئی اللہ سے باتیں نہیں کرتا کوئی اللہ سے باتیں نہیں کرنی سر پر قرآن رکھ کر یہی کہنا ہے بعلیٍ، بعلیٍ، وہاں بھی علیؑ، علیؑ ہے بس فرق یہ ہے کہ یہاں ہم اور آپ علیؑ علیؑ کر رہے ہیں وہاں سر پر قرآن رکھ کر علیؑ علیؑ کہنا ہے، وہ بلا رہے ہیں آپ کو جانا ہے گا ابھی ارے سر پر قرآن رکھ کر عشقِ علیؑ کیا ہے قرآن کو حاضر و ناظر رکھ کر کیا ہے کلامِ الٰہی ہے قرآن تو ایک ہے نہ جو سا قرآن کہو اس کو سر پر رکھ لیں ارے ہم تو قرآن سر پر رکھ کر کہہ سکتے ہیں اللہ کے گھر میں علیؑ علیؑ۔

قنبرؓ نے ہم سب کو بٹھالیا اور کہنے لگے آؤ سنو عشقِ علیؑ کے اصول سنو ہم محو ہو گئے قنبرؓ کی باتوں میں، قنبرؓ کہنے لگے کہ ہم تو کالے دیس کے رہنے والے تھے لیکن اے میرے بھائیوں علیؑ کے عشق میں مبتلا لوگو! ہم کوئی عام آدمی نہیں تھے کہ تم اگر یہ سمجھ رہے ہو کہ تمہارے عہد میں جیسے کالے جینز پہن کر آ جاتے ہیں ہم ایسے ملک کے کالے نہیں تھے ہم کوئی عام آدمی نہیں تھے ہم بادشاہ کے بیٹے تھے، ہماری اسٹیٹ تھی، ہمارے پاس حکومت تھی ہاں ہم چھوٹے سے تھے بڑے ناز و نعم میں پالے گئے، شاہی آداب میں ہماری پرورش ہوئی دولت کی کمی نہیں تھی ہمارے بھی نوکر چاکر تھے، ہمارے بھی غلام تھے، ہم ریشمی کمخواب کے بستر پر سونے والے، سونے کی زنجیروں کے جھولے میں جھولنے والے لیکن ہم ابھی بہت چھوٹے تھے بچپن تھا ہمارا کہ ہمارا باپ مر گیا چونکہ ہم چھوٹے تھے، کمسن تھے میری ایک چھوٹی بہن تھی اس کا نام میمونہ تھا تو میں اپنی بہن کی خبر گیری کرتا اس لیے کہ باپ مر گیا تھا اور ہم یتیم ہو گئے تھے، میرے باپ نے مرنے سے پہلے میرے چچا کو حکومت سپرد کر دی میرے چچا کا نام اشکبوس تھا تو میرے باپ نے میرے چچا سے کہا تھا کہ جب میرا بیٹا فتاح جوان ہو جائے تو اپنی بیٹی کی شادی فتاح سے کر دینا اور اسٹیٹ اسے واپس کر کے اس کی تاجپوشی کر دینا اور اس کو حبش کا بادشاہ بنا دینا، وصیت نامہ پاس تھا جب میں بڑا ہوا تو میری ماں نے وہ وصیت نامہ مجھے دے دیا پھر ایک دن چچا کی خدمت میں حاضر ہوا اور بادشاہِ حبش اپنے عم اشکبوس سے تقاضہ کیا کہ آپ میرے باپ کی وصیت پر عمل کیجئے، مجھے دامادی میں قبول کیجئے اور اسٹیٹ میرے حوالے کیجئے، چچا نے مجھے ٹالنا شروع کیا میں نے بہت تقاضے کیے لیکن میرے چچا نے مجھے ٹال دیا ایک دن میں اپنے جوان ساتھیوں کے ساتھ کمر میں تلوار لگائے ہوئے اپنے چچا کے دربار میں داخل ہوا اور

پھر میں نے ان کو دھمکی دی کہ اگر آپ میرے باپ کی وصیت پر عمل نہ کریں گے تو خوں ریزی ہوگی، میرے چچا نے بھانپ لیا کہ یہ نوجوان ہے اپنے ساتھیوں کے ساتھ آیا ہے ایسا نہ ہو کہ خوں ریزی شروع ہو جائے اس لیے میرے چچا نے اس دن مجھ سے بڑے پیار سے باتیں کیں اور کہنے لگے فتاح بیٹھو ہمیں کوئی تکلف نہیں ہے تمہیں حکومت واپس کرنے میں اور ہم اپنی بیٹی بھی تمہیں بیاہ دیں گے لیکن دراصل ہمارا ایک بہت بڑا دشمن ہے اور وہ ہم سے زیادہ ہمارے بتوں کا دشمن ہے، ہمارے دین کا دشمن ہے اگر تم اس کا سر کاٹ کر لے آؤ تو ہم تمہیں حکومت بھی دے دیں گے اور بیٹی بھی دے دیں گے تو میں نے اپنے چچا سے پوچھا کہ کون ہے چچا نے کہا عرب میں رہتا ہے تمہیں سفر اختیار کرنا پڑے گا میں نے پوچھا نام کیا ہے چچا نے کہا اس کا نام علیؑ ہے وہ تمام بت خانوں کو مسمار کرتا پھر رہا ہے اگر ہمارے یہاں آ گیا تو ہمارے بت خانے بھی ٹوٹ جائیں گے ہمیں اس سے خوف ہے اس سے پہلے کہ وہ حبش تک آئے اس کا سر کاٹ کر لے آؤ میں نے کہا ٹھیک ہے ہم اس کا سر کاٹ لائیں گے لیکن ہمیں مدد کے لیے کچھ سپاہی درکار ہیں چچا نے کہا ہم تمہیں سات ہزار سپاہی دیتے ہیں اچھے لڑنے والے اور میرا بیٹا فضل بھی تمہارے ساتھ جائے گا دونوں بھائی جاؤ فضل تمہاری مدد کرے گا سر لے کر آؤ گے تو ہم تمہیں تخت پر بٹھا دیں گے اور تمہاری تاج پوشی کر دیں گے۔ تخت و تاج کی شرط ہے علیؑ کا سر جملہ لیں گے آپ یہاں تخت و تاج کی شرط ہے کہ علیؑ کا سر اور مُلک عشقِ علیؑ کی شرط ہے اپنا سر دے دینا اب دو ملک آمنے سامنے ہیں، ہم نے یہ جو کہا تو قنبرؑ بولے کہ بھئی تم بعد میں بول لینا پوری کہانی تو سن لو، قنبرؑ ہم سے کہنے لگے کہ، تمہیں ظاہر ہے کہ نعرے سننے کا شوق ہے انچولی والوں سے اس لیے تم بیچ میں بول رہے ہو پہلے میری باتیں تو سن لو، پہلے مجھے تو نعرہ

حیدری اپنی باتوں پہ لگانے دو پھر تم بھی لگا لینا تو ہم چپ ہو گئے کہانی سنتے
ہم نے کہا اچھا آپ ہی بولیے آپ ہی سنایئے تو پھر قنبرؑ نے کہنا شروع کیا کہنے
لگے تو ہم چپ ہو گئے ورنہ عشقِ علیؑ میں کہاں چپ رہا جاتا ہے ہم چپ اس لیے
ہو گئے کہ عشقِ علیؑ میں قنبرؑ ہم سے سینئر ہیں اور ہم جونیئر تو جونیئر کو چپ رہنا چاہئے
سینئر کے سامنے، قنبرؑ نے ہم کو ڈانٹا نہیں غصہ نہیں کیا بلکہ کہنے لگے کہ جو عشق
کرتے ہیں علیؑ سے ان پر غصہ نہیں کرتے بس یہ کہہ رہے ہیں پوری بات تو سن لو تو
ہم چپ ہو گئے ہم نے کہا سنایئے پھر کیا ہوا کہا ہم لشکر لے کر چلے پتہ لگا کہ
مدینے پہنچ گئے، ہم جب مدینے کی سرحد پر پہنچے تو صبح ہو رہی تھی، ابھی ابھی لوگ
گھروں سے نکل کر باغات اور کھیتوں کی طرف جا رہے تھے، میرے بھائی فضل
نے لشکر وہیں بیرونِ مدینہ رکوا دیا کہا اگر ایک دم سے لشکر آگے جائے گا مدینے شہر
میں تو خبر نہ ہو جائے اس کو جس کا نام علیؑ ہے تو دشمن کو ہوشیار نہیں کرنا تو ہم نے فضل
سے کہا ہم خود جائیں گے پہلے ہم پوچھیں گے ہم یہ پتہ لگائیں گے کہ علیؑ کیسا ہے
پھر ہم آکر اسے بتائیں گے، اسے ڈھونڈ لیں گے، فضل نے کہا اچھا جاؤ، قنبرؑ
کہنے لگے کہ ہم شہر میں داخل ہوئے کیوں کہ سورج نے ابھی سر نکالا تھا اوپر سے
روشنی ہلکی ہلکی پھیل رہی تھی میں نے دیکھا ایک خوبصورت انسان سامنے سے آ رہا
ہے اس کے کاندھے پر ایک بیلچہ رکھا ہوا ہے اور خاموشی سے سر جھکائے ایک
سمت جا رہا ہے مجھے ایک ہی آدمی نظر آیا تو میں آگے بڑھا میں نے اس سے کہا
کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو تو اس نے کہا یہیں شہرِ مدینہ کا تو میں نے اس سے
کہا کہ اے بھائی تم علیؑ کو جانتے ہو تو اس نے کہا ہاں میں علیؑ کو بہت اچھی طرح
جانتا ہوں، جس طرح میں اپنے کو جانتا ہوں اسی طرح علیؑ کو جانتا ہوں علیؑ مجھ سے
بہت مانوس ہیں میں علیؑ سے بہت مانوس ہوں تو میں نے کہا کہ آپ میری طرف

دیکھ نہیں رہے جیسے ہی میں نے کہا آپ میرے چہرے کی طرف نہیں دیکھ رہے ہیں تو انھوں نے میری طرف نظر اٹھائی اور جیسے ہی میرے چہرے کی طرف نظر پڑی بے اختیار پکار کر کہا "صدقتا یارسول اللہ"... یارسولؐ اللہ آپ نے سچ فرمایا میں حیران تھا کہ یہ اس نے کیا کلمہ کہا چونکہ میری سمجھ میں بات نہیں آئی تو میں نے اس سے پوچھا علیؑ کیسا ہے، کہا اس کا چہرہ میرے چہرے جیسا ہے، بس اس کی رنگت میری رنگت جیسی ہے، اس کی قامت میری قامت جیسی ہے، اس کے بازو میرے بازو جیسے ہیں کہا اچھا تمہیں تو میں دیکھ رہا ہوں، تم تو بہت طاقتور لگتے ہو، کہا ہاں تو وہ میری طرح طاقتور ہے لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو کہا ہمیں اس کا سر کاٹنا ہے، اس کا سر اتارنا ہے کہا یہ بہت مشکل کام ہے کہا کیوں، کہا اس لیے کہ تم اس سے لڑ ہی نہیں پاؤ گے، کہا کیوں، کہا اس لیے کہ پہلے مجھ سے لڑ لو اگر تم نے میرا سر کاٹ لیا تو تم اس کا بھی سر کاٹ سکتے ہو ابھی یہ کہا تھا کہ میں نے تلوار کھینچی اور حملہ کیا، کہا تم کیا سمجھتے ہو ہم بہادر نہیں ہیں لڑائی شروع ہوئی میں نے وار کیا آنے والے خوبصورت انسان نے بیلچہ اٹھا کر سامنے کیا بیلچے پہ ضرب پڑی تلوار ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی، کہا ہم انتظار کرتے ہیں اگر کوئی دوسرا ہتھیار ہو تو نکالو، میں نے گرز اٹھایا اُنھوں نے بیلچے سے اس کو بھی دو ٹکڑے کر دیا، کہا بھئی دو وار تو تم کر چکے ہو اب ہماری باری ہے یہ کہہ کر آگے بڑھے اور کمر کے پٹکے سے پکڑ کر ایک بار ہاتھ سے مجھے بلند کرنا شروع کیا اور سر سے اوپر اٹھایا کہا اگر پٹک دوں تو ہڈیاں تیری چُورا چُورا ہو جائیں گی لے یہ بیلچہ میں نے پھینک دیا یہ کہہ کر اُنھوں نے مجھ کو زمین پر آہستہ سے اتار دیا تو میں نے پوچھا کیا علیؑ بھی اتنا ہی بہادر ہے تو اس نے کہا میں ہی تو علیؑ ہوں اب بھی نہیں تو نے پہچانا میں ہی تو علیؑ ہوں تو میں قدموں پر گر پڑا کہا میں نے تو ایسا انسان ہی نہیں دیکھا، آپ نے

مجھے جان بخشی، میں تو دشمن تھا آپ کا آپ نے مجھے ختم نہیں کیا لیکن یہ بتائیں کہ ابھی آپ نے یہ کیا کہا تھا "صدقتا یا رسول اللہ" کہا ابھی صبح جب میں گھر سے نکلا تو رسولؐ اللہ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور کہنے لگے علیؑ آج تمہیں ایسا ایک غلام ملے گا جو ساری زندگی تمہارا وفادار رہے گا تو تیرا چہرہ دیکھ کر میں نے کہا "صدقتا یا رسول اللہ" آپ نے سچ فرمایا تھا اب جملہ سُن لو اب کہیں قنبرؓ ناراض نہ ہو جائیں، بیچ میں قنبرؓ میرے بھی تو جملے سنیں گے، جملہ سن لو ارے بھئی غلام محفل سجا کر آقا کا انتظار کرتے ہیں آج پتہ چلا کہ آقا غلام کا انتظار کر رہے ہیں غلام بھی تو ایسا ہو، رسولؐ اللہ کو بھی آمد کا پتہ ہے، مجھے غلامی میں لے لیجئے قنبرؓ کہنے لگے، میں مولا کے قدموں سے لپٹ گیا میں آپ سے جدا نہیں ہوں گا، پھر میں نے اپنے بھائی فضل کو بلوایا اور لشکر کو بھی بلوایا پھر میں نے کھڑے ہو کر اپنے لشکر کے سامنے تقریر کی اور اپنے بھائی کو میں نے بتایا کہ بھئی اشکبوس تو جانے کیسی باتیں کرتا ہے یہ تو آسمانی لوگ ہیں اب ہم اپنی اسٹیٹ میں واپس نہیں جائیں گے، ہاں فضل ہم نے اپنی حکومت تمہارے نام لکھ دی اگر تمہارا باپ علیؑ کے دین کو قبول کرے تو تخت پر بیٹھے اگر وہ بات نہ مانے تو اسے ہٹا کر فضل تم تخت پر بیٹھ جانا لیکن میری بہن کو مدینے واپس کر دینا، اس کو مجھ تک پہنچا دینا اب میں یہاں سے نہیں جاؤں گا، علیؑ آگے آگے قنبر کہتا ہے میں پیچھے پیچھے مجھے کچھ کام تو بتائیں تو علیؑ نے کہا ہمارے یہاں کے کچھ آداب ہیں کام بتانے سے پہلے ہم نام بتاتے ہیں کتنا ہلکا جملہ لے گئے ارے کام بڑا نہیں ہے نام بڑا ہوتا ہے آج کس کو معلوم کہ میرا نام فتاح تھا بس اتنا کہا تھا کہ چکور بولا، عربی میں چکور کو کہتے ہیں قنبر، کہا آج سے تجھے یہی کہہ کر پکاروں گا آج سے تو قنبرؓ ہو گیا، پہلے نام دیا پھر کام دیا، حیدرؑ کی غلامی میں آ گیا مجھے قنبرؓ کہہ کر پکارتے۔ اکیلے میں، تنہائی میں سوچتا تھا

کہ عربوں میں نام رکھنے کے طریقے ہیں، کتوں کے نام پر نام رکھے جاتے ہیں، شیروں کے نام پر نام رکھے جاتے ہیں، لومڑی کے نام پر نام رکھے جاتے ہیں، پتھروں کے نام پر نام رکھے جاتے ہیں، یہ علیؑ نے پرندے کے نام پر میرا نام کیوں رکھا، جب معرفتِ علیؑ مجھے حاصل ہوئی تو میں بات سمجھ گیا۔ چونکہ میں غلامی میں آیا تھا اور اسلام غلامی کے خلاف ہے اس لیے پرندے کا نام دے کر بتایا کہ پرندہ کھلی فضا میں پرواز کرتا ہے کسی کا غلام نہیں ہوتا، علیؑ نے بتایا کھلی فضا میں سانس لو تم غلام نہیں ہو پرندے کی طرح سیر کرو فضا میں جاؤ، میں کام پوچھتا تو یہی کہتے جب چلیں گے تو یہ تلوار لے کر چلنا ہاں مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے ذوالفقار کو اٹھایا ہے۔ میرے دوستو! تفصیل سننے والو سنو آج تم علیؑ کے گھوڑے کی شبیہ دیکھتے ہو تو چومنے کے لیے دوڑتے ہو، بارہا میں نے علیؑ کے دُلدل کو، علیؑ کے ذوالجناح کو سجایا ہے، لجام ڈالی ہے، رکاب رکھی ہے، زین رکھی ہے اور جب میرا مولا سوار ہوتا تھا رکاب کو میں تھامتا تھا قنبرؓ اور تم برابر ہو آج شبیہ آئے تو قنبرؓ کی تقلید کرتے ہوئے علیؑ علیؑ کہتے ہوئے علیؑ کے ذوالجناح کی طرف بڑھ جاتے ہیں لیکن گھوڑا اور تلوار اور اس کی محافظت لیکن جو سب سے بڑی خدمت تمہارے اور میرے مولا علیؑ نے مجھ کو عطا کی جو کسی کو نہیں ملی وہ یہ کہ علیؑ کے وضو کا پانی میں لاتا تھا، سات ہجری خیبر کی لڑائی ہو چکی تھی جب میں آیا فضل حاکم ہوا حبش کا اور اشکیوس میرا چچا مارا گیا اس لیے کہ اس نے رسولؐ اللہ کا دین قبول نہیں کیا چونکہ میرے چچازاد بھائی فضل نے مجھ سے وعدہ کیا تھا تو اس نے میری چھوٹی بہن کو حبش سے بھجوا دیا اس کا نام میمونہ تھا میں بہت خوش قسمت تھا کہ میں باہر علیؑ کی خدمت انجام دیتا تھا وہ میری بہن شہزادی سیدہؑ کی خدمت انجام دیتی تھی، علیؑ نے میرا نام قنبرؓ رکھا اور میری بہن کا نام فضہ رکھا میں ہمیشہ مولا

کے ساتھ تھا ہر لڑائی میں ساتھ ہوتا تھا، میرے مولا نے بہت سی لڑائیاں لڑیں خیبر کے بعد جب حاکم غشام سے لڑائی ہوئی تو دولت مند بادشاہ اس پہ جب میرے مولا نے فتح پائی اور اس کی بیٹی سے اپنے دوسرے غلام علقمہ کی شادی کروائی میں اس دن بھی ساتھ تھا اور غشام کی ساری دولت جو ستر اونٹوں پہ بار ہوئی تھی اس قطار کی مہار بھی میرے ہاتھ میں تھی اور شاید تم نے یہ واقعہ سنا ہو کہ ستّر اونٹوں کی قطار میرے مولا نے ایک فقیر کو دے دی وہ اندھا تھا اس کو میں نے رسی کا ایک سرا دے دیا اور میں دور تھا کہ فقیر کہنے لگا علیؑ کا غلام مذاق کرتا ہے، میں نے روٹی مانگی اس نے سانپ پکڑا دیا، سانپ تشبیہ ہے دولت کے لیے، لوگوں نے کہا بھائی ستر اونٹوں پر دولت ملی ہے تجھے یہ اونٹوں کی مہار ہے سانپ نہیں کہنے لگا ایسی دولت کس کام کی جسے میں دیکھ نہیں سکتا کاش آنکھیں ہوتیں تو اس دولت کو دیکھتا، قنبرؒ کہتا ہے کہ میں تو دور بھاگ گیا تھا میں نے دیکھا علیؑ فقیر کے قریب آئے اور میرے مولا نے اس فقیر کی آنکھ پہ ہاتھ پھیرا اس کی آنکھیں روشن ہوئیں علیؑ نے کہا اب دیکھ دولت دیکھ جیسے ہی اس فقیر نے دولت کو دیکھا کہا اب آنکھوں سے بڑھ کر کون سی دولت ہے مجھے نہیں چاہیے، میں نے دنیا دیکھ لی جو کبھی نہیں دیکھ سکتا تھا تو اب یہ دولت کس کام کی جب میں نے فقیر کا یہ کلمہ سنا پھر میں قریب آیا تو میں نے سوچا کہ علیؑ کے چاہنے والے کیسے کیسے ہیں اور کہاں کہاں ہیں، تم کیا سمجھے کہ ہم آتے بھلا کہانی سنانے جب ہمیں پتہ چلا کہ انچولی میں ہمارے جیسے بھی بیٹھے ہوئے ہیں تبھی تو ہم آئے ہیں، زبان ضمیر اختر کی ہے کہانی قنبرؒ کی ہے، پھر قنبر کہنے لگے ذوالفقار لے کر میں چلتا ذوالجناح چلتا، کہتے تھے علیؑ دوسرا گھوڑا تو لے لو تو میں کہتا یہ آدابِ غلامی کے خلاف ہے میں تو دُلدل کے پیچھے پیچھے چلوں گا اب علیؑ کو کہاں یہ برداشت کے غلام دوڑے تو قنبرؒ کہتا ہے

کہ کبھی مجھے ڈوڑنا ہی نہ پڑا اس لیے کہ علیؑ کا گھوڑا تو ہوا سے باتیں کرتا ہے اِدھر علیؑ کا گھوڑا اُڑا اور میں نے محسوس کیا کہ اب میرے قدم زمین پر نہیں ہیں اور اس دن تو میں حیرت زدہ ہو گیا کہ جب وادیٔ رمل کی لڑائی میں آیتیں اتری تھیں گھوڑا تیز چلا...... ہوا کے گھوڑے پہ علیؑ سوار تھے، ذوالجناح ہوا بن گیا تھا میں نے کہا مجھے نہیں لے جائیں گے تو کہا رکاب تھام لے آنکھیں بند کر میں نے آنکھیں بند کیں اب جو آنکھ کھلی تو میں وادیٔ عابس میں تھا کہاں ایسا آقا کسی کو ملا اور مجھ سے سنو میرے آقا کے فضائل میں تمہیں ہر لمحہ سناؤں میں نے علیؑ کو لڑتے بھی دیکھا ہے، میں نے علیؑ کو جَو کی روٹی کھاتے بھی دیکھا ہے، میں نے علیؑ کو زمانے کی سیر کرتے بھی دیکھا ہے، میں نے علیؑ کی سخاوت بھی دیکھی ہے، میں نے علیؑ کی عبادت بھی دیکھی ہے، میں نے علیؑ کی شرافت بھی دیکھی ہے، میں نے علیؑ کی نجابت بھی دیکھی ہے اگر میں فضائل بیان کرنے پر آؤں تو صدیاں گزر جائیں قنبرؓ تمہیں فضائلِ علیؑ نہیں سنا سکتا، بیٹھے ہوئے تھے ہم ایک دن مولا کے ساتھ کہ ہم نے دیکھا ایک کبوتر اڑتا ہوا آیا اور آتے ہی سیدھے علیؑ کی قباء کی آستین میں اندر گیا اور آستین سے نکل کر ہاتھ پر بیٹھ گیا علیؑ نے اُسے جُھک کر دیکھا، کہا بہت گھبرایا ہوا تھا کہ میرے سینے سے گزر کر یہاں تک آیا کیا پریشانی ہے تجھے کہ اتنی دیر میں علیؑ کے سامنے ایک باز آ کر بیٹھ گیا کبوتر نے کہا مولا یہ میرے پیچھے لگا ہوا ہے میں ابھی دانہ چگ کر ویرانے سے آیا تھا میرے دو بچے ہیں آشیانے میں، مَیں ان کو دانہ کھلانے گیا تھا وہ بھوکے ہیں یہ میرے پیچھے لگ گیا مجھے کھانے کے لیے میں کہاں جاتا، میری نظر میرے مولا پر پڑی وقت نہیں تھا کہ ادب سے اجازت لیتا میں آپ کے سینے کی طرف آیا کیوں کہ سینہ محبت کا مرکز ہوتا ہے، میں آپ کے سینے سے لپٹا پہلے پھر میں آستین تک آیا آستین تک اس لیے آیا

کہ زمانے کو بتاؤں کہ آستین کے کچھ اور لوگ بھی ہوتے ہیں تو اس جگہ آؤں اور یہ بتاؤں کہ بعض آستین کے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں تاکہ تاریخ میں رہ جائے، اس سے میری جان بچایئے، مولا نے باز سے کہا، قنبرؑ کہہ رہا ہے میں بیٹھا دیکھ رہا تھا، میرا مولا پرندوں سے باتیں کر رہا ہے ہم سب علیؑ کے سامنے بیٹھے ہیں، باز نے کہا میں بھوکا ہوں میں نے بھی کئی دن سے کھانا نہیں کھایا مولا یہ میری غذا ہے مجھے دے دیجئے، اس کبوتر کو دے دیجئے، مولا میری طرف مڑے، کہا قنبرؑ ذرا ذوالفقار تو لانا میں گیا ذوالفقار لایا علیؑ نے اپنی قبا ہٹائی ذوالفقار نیام سے نکالی کہا جتنا وزن اس کبوتر کا ہے میں یہاں کا گوشت کاٹ کر تجھے دیتا ہوں کھالے قنبرؑ کہتا ہے یہ سنتے ہی باز یہ کہتا ہوا اُڑ گیا زمین کی عدالت آپ سے باقی ہے، ہر زمانے میں جو اخباروں میں عادل مشہور ہے وہ ادب سے آ کر میرے مولا کے سامنے بیٹھتے تھے اور کہتے تھے یہ فیصلہ تو آپ ہی کیجئے اور جب میرا مولا فیصلہ کر دیتا تو وہ وہاں کی مٹی اٹھا کر اپنے سر پر ڈال کر کہتے اگر آپ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا، میں ان کے چہرے پہچانتا ہوں، میں اخبار والوں کو قنبرؑ کا پیغام پہنچا دوں قنبرؑ سب کے چہرے پہچانتا ہے ان کی حقیقت کیا ہے اس لیے کہ جب میں ان کو دیکھتا تھا تو میں سوچتا تھا کہ یہ کہاں بیٹھے ہیں اور قنبرؑ کہاں بیٹھا ہے، قنبرؑ کی معرفت بے مثال ہے، قنبر کی معرفت خود اُن کی زبانی سنیئے ایک دن امامِ حسنؑ نے آواز دی پہلی آواز پر میں آیا تو کہا جاؤ میرے بھائی محمد حنفیہ کو بلا لاؤ، قنبرؑ یہ بتاؤ اس وقت دروازے پر کون کون ہے، کہا آپ امام ہیں آپ سے بہتر کون جانتا ہے ارے ایک جملہ ہے حسنؑ نے قنبرؑ کو آزمایا معرفت کا جواب پایا، کہا محمد حنفیہ کو بلاؤ، گئے اور کہا چلیے آپ کے بڑے بھائی دین و دنیا کے بادشاہ نے بلایا ہے، جب پیغام پہنچاتے تھے تو بڑے بڑے القاب کہتے تھے پھر مولا کا ذکر کرتے تھے اسی طرح جب

امامِ حسنؑ کا ذکر کرتے تھے تو پہلے القابات وخطابات، اسی طرح امامِ حسینؑ کا ذکر کرتے یہ معرفت کی منزلیں قنبرؓ کی تھیں تو قنبرؓ کہتے ہیں فیصلے تو روز ہی علیؑ کے دربار میں آتے تھے، ایک دن ایک عجیب فیصلہ آیا، عجیب مسئلہ آیا لڑکی تھی کنواری الزام عدالت میں لگا دیا گیا کہ اس کے شکم میں بچہ ہے، وہ کہتی تھی کہ میں پاکیزہ اور طاہرہ ہوں لیکن آثار سارے موجود فیصلہ ہو تو کیسے ہو اب جب آپ قنبرؓ کی اس بات کی صداقت چاہتے ہیں تو کتاب میں سے ڈھونڈ لیجئے گا لیکن جب زیارت کے لیے جایئے گا مسجدِ کوفہ تو ایک جگہ زیارت کرائی جاتی ہے مقامِ طشتیہ وہ مقام جہاں علیؑ نے طشت رکھوایا تھا، یہ مسجدِ کوفہ کا واقعہ ہے اب قنبرؓ سناتے ہیں کہ لڑکی کو لایا گیا علیؑ نے طشت منگایا طشت میں برف کی ایک سِل رکھوائی لڑکی سے کہا اس کو وہاں بچھوا دو تھوڑی دیر برف پر وہ بیٹھی تھی کہ کئی سیر کی ایک جونک برآمد ہوئی اس برف کی ٹھنڈک سے اب بتانے والا تو علیؑ ہے کہ یہ تالاب میں نہا رہی تھی جونک نے اپنی غذا پائی شکم کے اندر بڑھتی گئی یہ پاک و پاکیزہ ہے، ماں باپ کی آنکھ میں آنسو چھلک آئے، فیصلہ علیؑ کے علاوہ کون کر سکتا تھا، معاشرہ یہی تھا معاشرہ کوئی آسمانی نہیں تھا اگر آسمانی ہوتا تو خلیفہ سقیفہ میں نہ ہوتا اب جملہ لے لو، ارے معاشرہ تو یہی تھا، حکومتیں بھی اسی طرح کی تھیں آسمانی تو علیؑ نے اپنے فیصلوں سے بنائیں اور حکومت کو معلوم تھا علیؑ سے اچھا فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے لیکن علیؑ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں جسٹس ہوں اس لیے کہ علیؑ کو معلوم تھا کہ اگر میں حکومت سے جسٹس کی نوکری مانگوں گا تو معزول بھی کیا جا سکتا ہوں اور جب معزول کیا جاؤں گا تو در در پھرنا پڑے گا علیؑ وہ جسٹس ہے جملہ لے لو، علیؑ وہ جسٹس ہے کہ جدھر جدھر علیؑ جاتے تھے اُدھر اُدھر عدل جاتا تھا ارے افتخار چودھری علیؑ کی طرف جاتا کہ عدل تجھے مل جائے تجھے انصاف نہیں

ل رہا ارے افتخار چودھری پورے ملک کو بتا کہ جب عمر علیؑ کی طرف فیصلہ کرانے
جا سکتا ہے تو تُو کیوں نہیں جا سکتا جب وہ جا رہے ہیں تو تم کیوں نہیں جا رہے آؤ علیؑ
کی طرف، قنبرؑ آپ پریشان تو نہیں ہوئے یہ ہمارے ملک کی کچھ باتیں تھیں ہم
نے آپ کو سنائیں مولا کو بتا دیجئے گا یہاں یہ سب ہو رہا ہے، قنبرؑ پلٹے میں نے
آنکھیں دیکھیں تو میں قنبرؑ سے ڈر گیا، کیا تمہیں معلوم نہیں انہیں سب معلوم ہے
میں نے کہا مولا کو سب معلوم ہے کہا ہاں سب معلوم ہے اپنے بارے میں سوچ لو
تمہیں معلوم ہو جائے گا مولا کو ساری خبریں معلوم ہیں سب دیکھ رہے ہوتے ہیں
لیکن سب دیکھنے میں چپ اس لیے ہیں کہ وہاں بیٹھے بیٹھے ساری بلاؤں سے تم کو
بچا رہے ہوتے ہیں اب تو سمجھو علیؑ تم سے عشق کرتے ہیں صرف تم ان سے عشق
نہیں کرتے ہو تو کیا ہوا، قنبرؑ آپ بتائیے کون سا فیصلہ آیا تھا علیؑ کے پاس جو آپ
بتا رہے تھے ایک مقدمہ آیا وہ واقعہ عجیب ہوا تھا کہ ایک بہت امیر آدمی اپنا مال
لادے اونٹ پر جاتا تھا وہ کسی ضرورت سے گیا اس کے غلام نے اس کے مال پر
قبضہ کر لیا، غلام کہنے لگا میں آقا ہوں تُو میرا غلام تو چونکہ میں خود ہی غلام ہوں مولا
کا لیکن میں نے سوچا کہ میں بھی کبھی آقا تھا اور میں علیؑ جیسے آقا کا غلام ہوں تو
چونکہ آقا اور غلامی میری زندگی کا حصہ تھا اس لیے فیصلہ مجھے زیادہ دلچسپ لگا کہ
آج کیا ہوگا دیکھیں مولا میرے سپرد آج کیا خدمت کرتے ہیں بس جوں ہی
مقدمہ پیش ہوا وہ کہتا میں آقا یہ غلام وہ کہتا میں آقا یہ غلام وہ کہتا یہ غلام میں آقا۔
اب سمجھ میں میرے نہیں آیا کہ کون آقا کون غلام مولا میری طرف مڑے باغ تو
تھا ہی مجھ سے کہنے لگے قنبرؑ ذرا مٹی کا گارا بنا لو اور تھوڑا سا گارا بنا کر ایک کچی
دیوار کھڑی کر دو میں نے آناً فاناً مٹی کی ایک دیوار بنا دی دیوار بنا کر میں نے مولا
کی طرف دیکھا میں نے کہا مولا دیوار بن گئی تو میرے مولا نے کہا اس میں دو

سوراخ دائرے بناؤ روشن دان جیسے، میں نے کچی دیوار کاٹ کر اس میں دو دائرے بنا دیئے مولا نے کہا قنبرؓ ادھر آؤ میری ذوالفقار اٹھاؤ اب میرے چاہنے والو میں تمہیں کیا بتاؤں نیام میں رکھی ہوئی ذوالفقار تو میں نے ہمیشہ اٹھائی تھی آج پہلی بار ایسا ہوا کہ اذنِ مولا ہوا تو اب سوچو میں تو ہواؤں کے بازو پر اڑنے لگا مولا نے کہا ذوالفقار نکالو پہلے تو میں ڈرا لیکن کچھ کچھ ایک واقعہ میرے سامنے ہو چکا تھا تو پھر میرا خوف دور ہوا اور وہ یہ تھا کہ مسجدِ کوفہ میں میرا مولا درس دے رہا تھا ایسے میں ایک اژدہا آ گیا اژدہا منبر کی طرف چڑھ گیا چونکہ میں اپنے مولا کی حفاظت کرتا تھا تو میں نے دوڑ کر اس اژدہے کو پکڑ لیا کہ اس کو میں مولا کی طرف نہیں جانے دوں گا مولا منبر سے دیکھ رہے تھے میں نے اژدہے کو پکڑا وہ میری گردن میں کمر میں لپٹنے لگا میری ہڈیاں توڑنے لگا جب میری آنکھوں میں مولا نے بے بسی دیکھی کہا قنبرؓ گھبراؤ نہ یہ اژدہا نہیں ہے دیکھو تو کیا ہے اب جو میں نے دیکھا لکڑی کا عصا تھا تو پکار کر کہا علیؑ نے ارے قنبرؓ کیا تو اپنے کو غلام سمجھتا ہے ہم پلہ موسیٰؑ ہے عصا کو چھوڑ دے میں نے اس عصا کو چھوڑ دیا عصا پھر اژدہا بن گیا کہنے لگے مولا یہ مجھ سے کچھ کہنے آتا ہے اسے آنے دے یہ ایک جنّ ہے اپنے قبیلے کا سردار ہے یہ کچھ کہنے آتا ہے تو مجھے بڑی ہمت ہوئی میں نے ذوالفقار کو نیام سے کھینچا علیؑ نے کہا قنبرؓ ذوالفقار لے کر دیوار کے اس طرف کھڑے ہو میں ذوالفقار لے کر رُک گیا دیوار کے سامنے، مولا نے حکم دیا آقا اور غلام دونوں کو کہ ادھر آؤ اور اپنا سر اس سوراخ سے باہر نکالو آقا نے بھی اپنا سر باہر نکالا غلام نے بھی اور اِدھر مولا علیؑ گھوم کر آئے دیوار کے بیچ میں کھڑے ہوئے ادھر دونوں کو بھی نظر میں لیے تھے میری طرف بھی نظر تھی اور ایک بار مجھ سے کہا کہ قنبرؓ جب میں حکم دوں تو ذوالفقار چلے میں نے ذوالفقار کو اٹھایا اور دونوں کے

سر پہ لایا ایک بار علیؑ نے کہا قنبر اس میں جو غلام ہے اس کا سر اُڑا دو اُن میں جو غلام تھا اس نے گھبرا کر سر پیچھے کیا وہ بھاگا تو میں نے سوچا کہ یہ غلام بھگوڑا ہے ارے میں علیؑ کو چھوڑ کر نہیں بھاگا علیؑ نے کہا جو سر کو رکھے رہا یہ آقا ہے تلوار کی چمک اس کو بھاگنے پر مجبور نہیں کرتی علیؑ نے قنبرؓ سے کہا فیصلے تو دو ہو گئے یہ فیصلہ تو آج کا ہے ان کا لایا ہوا جاؤ پکڑ لو وہ غلام ہے یہ آقا ہے لیکن صدیوں کا فیصلہ ہوا کہ غلام تلوار دیکھ کر بھاگتا ہے آقا سر کو زیرِ تیغ رکھ دیتا ہے بدر، اُحد، خندق، خیبر اب یہ فیصلہ چلتا رہے گا یہ فیصلہ صدیوں چلے گا پھر قنبرؓ مجھ سے کہنے لگے رات گزر رہی ہے اعمال کرنے نہیں جاؤ گے اب تم بتاؤ ہم قنبرؓ کو کیا جواب دیں میں مولا کے ساتھ جا رہا تھا اوپر سے مرغابیاں اڑتی ہوئی چلیں، مرغابیاں چلتی ہیں تو اپنی صفیں بنا کے وی V کی شکل میں چلتی ہیں کبھی ڈبلیو W کی شکل میں اور بولتی ہوئی جاتیں ہیں جب واپس شام کو ہوتی ہیں تو مولا نے پلٹ کر مجھ سے کہا قنبرؓ یہ مرغابیاں اُڑ کر جا رہی ہیں نا ہمارے سروں پہ سے یہ جھک جھک کر کہتی جا رہی ہیں کہ علیؑ بھی سلامت رہیں ان کے چاہنے والے بھی سلامت رہیں تو کچھ منافق بھی ساتھ تھے انہوں نے دل میں سوچا کب تک ایسے دعوے علیؑ کرتے رہیں گے انہوں نے کہہ دیا اور ہم یقین کر لیں گے ابھی انہوں نے سوچا تھا کہ علیؑ نے مڑ کر قنبرؓ سے کہا قنبرؓ زور سے کہو کہ میرا مولا علیؑ تمہیں بلا رہا ہے، غلام قنبرؓ کہتا ہے میں نے آواز دی امیر المومنین علی ابنِ ابی طالبؑ تمہیں صدا دیتے ہیں اُڑتی ہوئی مرغابیاں واپس ہوئیں ایک ایک کر کے، علیؑ کو مرغابیوں نے گھیر لیا اور انہوں نے علیؑ سے باتیں کرنا شروع کیں تو قنبرؓ کہتے ہیں میرے مولا نے مرغابیوں سے کہا تمہاری زبان تو ہم سمجھ رہے ہیں اور تمہاری زبان میں ہم جواب بھی دے سکتے ہیں لیکن کچھ لوگ ہیں جنہیں یہ یقین نہیں کہ تم کیا کہتی ہو تو فصیح عربی میں بول کر

بتاؤ کہ تم کیا کہتی ہو تو ساری مرغابیوں نے عربی میں کہا لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ علیؑ ولی اللہ مولا نے اشارہ کیا قنبرؒ کہتے ہیں کہ مرغابیاں پھر پرواز کر گئیں، یہ مرغابیاں پرواز کر گئیں قنبرؒ نے بلایا تھا پھر واپس چلی گئیں لیکن وہ علیؑ کا کوئی چاہنے والا تھا اس نے کہا کہ حسنؑ اور حسینؑ کے لیے کیا تحفہ لے جاؤں تو چونکہ سندھ سے گیا تھا تو ساتھ میں کچھ مرغابیاں لے گیا اور کہا یہ بچوں کے لیے تحفہ ہے، شہزادوں کے لیے، علیؑ کے گھر میں وہ مرغابیاں رہیں، ان کی نسل بڑھتی رہی بڑھتی رہی علیؑ نے بڑا پیار دیا، اپنے ہاتھ سے دانہ دیتے صرف اس لیے کہ بچوں سے منسوب ہو گئیں، مرغابیاں حسنینؑ سے منسوب ہو جائیں تو علیؑ ان کی خدمت کریں دانہ اور پانی دیں، آستین ان کے سروں پر پھیرتے ہائے ذوالجناح تو زخمی ہوا محبتِ علیؑ میں، کہتے ہیں کہ اٹھارہ کا دن گزرا شبِ انیس آئی تو مرغابیوں نے بڑا شور مچایا آج تک علیؑ کے صحن میں اتنا نہیں بولیں تھیں مرغابیاں جتنا شبِ انیس چیخ رہی تھیں، علیؑ عبادت میں مصروف تھے اس لیے کہ روزہ زینبؑ اور امِ کلثوم کے ساتھ کھولا تھا، بیٹیوں نے دعوت کی تھی کہا تھا آج کا روزہ میرے گھر افطار کیجیے، علیؑ مہمان تھے الگ الگ گھر نہیں تھے گھر ایک تھا حجرے سب کے الگ تھے جب بیٹیاں کہتیں میرے ساتھ روزہ کھولیں تو علیؑ اپنے حجرے سے بیٹیوں کے حجرے میں آتے دستر خوان وہاں لگتا آج زینبؑ نے افطاری بابا کی کی تھی، آج امِ کلثوم نے اپنے بابا کی افطاری کی تھی، اٹھارواں روزہ زینبؑ کے بابا نے رکھا تھا افطار کر کے مصلّے پر آئے کچھ دیر عبادت کی کہ مرغابیوں کا شور بلند ہوا، آئے دیکھنے کے لیے کہ کیوں چیختی ہیں یہ مرغابیاں، آستین سب کے سروں پہ پھیرا مولا کو پا کر سب چپ ہو گئیں اور اپنے پروں کو پھیلا کر مولا کے قدموں سے لپٹ گئیں رخصتی سلام ہو رہا ہے پروں کو نچھاور کیے

دیتی ہیں مولا کے قدموں پہ تو علیؑ کی آنکھ میں آنسو آ گئے، زینبؑ در پر کھڑی تھیں مُڑ کر کہا زینبؑ یہ بے زبان پرندے ہیں، ہمیشہ ان کے کھانے کا خیال رکھنا، ان کے پانی کا خیال رکھنا کبھی یہ پرندے پیاسے نہ رہیں کیا زینبؑ اپنے بابا کا یہ جملہ کبھی بھولیں ہوں گی کہ زینبؑ پرندے پیاسے نہ رہیں، جب اصغرؑ جھولے میں پیاسا ہوا تو زینبؑ کو بابا کا جملہ یاد آیا ہوگا جیو سلامت رہو مولا کا ماتم کرنے والو شبِ ضربت آ گئی، رات گزرے گی صبح آئے گی تو جب صبح کی نماز پڑھنا تو مصلّے پہ مولا کو یاد کر کے بہت رونا، ماتم کا تو وہی وقت ہوتا ہے میں نے اپنے بچپن میں دیکھا ہے بچپن کی نیند تو تمہیں معلوم ہے ظاہر ہے کہ سو رہے ہیں کوئی کام تو نہیں لیکن انیس کی شب آنکھ اس وقت کھلتی جب کانوں میں چوڑیوں کے ٹوٹنے کی آواز آتی اور پھر چوڑیوں کے ٹوٹنے کی آواز میں ایک صدا گھر کی بیبیوں کی آتی ''عالم میں شبِ ضربت اے مومنو آئی ہے'' اور دوسرا نوحہ جب شروع ہو جاتا ''حیدرؑ نے تیغ کھائی ہے تاروں کی چھاؤں میں'' تو پتہ چل جاتا کہ مولا علیؑ کی شہادت کے دن آ گئے، آج اٹھارہ کا دن گزر کے انیس کی صبح آئی ہے شہادتِ علیؑ کی مجلسیں شروع ہو گئیں، اُنیس رمضان کی شب کوفے میں بہت اندھیری ہو گئی تھی اس لیے کہ شام سے بادل چھا گئے تھے بدلی ہو جانے کے سبب نہ ستارے نظر آ رہے تھے نہ چاند نظر آ رہا تھا اندھیرا بہت تھا علیؑ گھر میں تھے اچانک اپنے حجرے سے باہر آئے تو بیٹیاں سوئیں نہیں تھیں اس لیے کہ بار بار دیکھتی تھیں کہ بابا کبھی صحن میں آتے تھے کبھی حجرے میں جاتے تھے زینبؑ نے دیکھا کہ بابا باہر آ کر کہتے آسمان کو دیکھ کر علیؑ وہ رات آ گئی جس رات کی خبر رسولؐ اللہ دے گئے ہیں اپنی کمر کو کس لو اور تیار ہو جاؤ بیٹیاں دیکھ رہی ہیں ایک بار علیؑ باہر آئے زینبؑ کہتی ہیں، صدر دروازے کو کھولا جو گلی کے سامنے دروازہ کھلتا تھا تو

پکار کر کہا: یہ ہتھیاروں کی جھنکار کی آواز کیوں ہے کہاں سے آ رہی ہے، آواز آئی
میں ابنِ حذیفہ ہوں ساتھ میرے قنبرؓ بھی ہیں محمد حنفیہ بھی ہیں، علیؑ نے پوچھا
کیوں آئے ہو، اُدھر سے جواب آیا ہم نے آپ کے گھر کے چاروں طرف لشکر کا
پہرا لگایا ہے، علیؑ نے کہا اس کی کیا ضرورت ہے کیوں پہرے پر لشکر لگایا ہے
کیوں لشکر کو تھکاتے ہو، آواز آئی بات یہ ہے کہ آج دن میں کوفے کے بازار
میں کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا گیا ہے جو کسی خطرناک معاملے میں مُلوّث ہوتے
ہیں، چہرے سے ان کے دہشت ٹپکتی ہے اور اس میں کا ایک آدمی کوفے کے
بازار میں اپنی تلوار پر دھار رکھوا رہا تھا اور وہ کوفے کا نہیں معلوم ہوتا تو ہم سب
نے فیصلہ کیا ہے کہ اس خطرناک رات میں مولا کی حفاظت کریں گے، علیؑ نے کہا
سنو اگر کسی کی موت آئی ہے تو تم کیا روک لوگے اور اگر کسی کی موت نہیں آئی تو کوئی
اس کی موت کو بلا سکتا ہے جاؤ موت خود محافظ ہوتی ہے لشکر کو واپس لے جاؤ علیؑ کو
اس لشکر کی ضرورت نہیں لشکر واپس چلا گیا لیکن حذیفہ کے دل میں محبت تھی، قنبرؓ
کے دل میں محبت تھی قنبرؓ تو جا کے مسجد کی ڈیوڑھی سے لپٹ کر بیٹھ گئے کہ مولا نماز
پڑھانے آئیں گے تو یہیں سے ساتھ آئیں گے جس در سے داخل ہوتے تھے اس
در پہ قنبرؓ وہیں زمین پر بیٹھ گئے ابنِ حذیفہ کہتے ہیں میں گھر واپس آیا لیکن چونکہ
میں فوجی لباس پہنے ہوئے تھا تھک گیا تھا پورے کوفے کا گشت کیا تھا دن بھر
حفاظتِ علیؑ میں اس لیے میں تھک گیا تھا اتنا تھکا تھا کہ میں نہ زرہ اتار سکا نہ خود
اتار سکا تلوار کمر سے اتار کر پہلو میں رکھ لی اور دیوار سے ٹیک لگا کے بیٹھا اور ایسے
میں مجھے نیند آ گئی، ابنِ حذیفہ کہتے ہیں میں سو گیا میری آنکھ لگ گئی لیکن آنکھ
اس وقت کھلی جب میری بیوی مجھے جھنجوڑ رہی تھی میرے شانے کو میری بیوی نے
ہلایا اور کہا ابنِ حذیفہ تیری نیند پہ خاک ہو ارے اٹھ کے تو دیکھ مسجد سے رونے

کی آوازیں آ رہی ہیں دیکھو تو سہی یہ مسجد میں کیا ہوا کہا کیسی آوازیں ہیں کہتی ہے میں نہیں جانتی کیسی آوازیں ہیں لیکن آوازوں میں نمازی بار بار میرے مولا علیؑ کا نام لے رہے ہیں، ابنِ حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے تلوار اٹھالی اور میں دوڑتا ہوا مسجدِ کوفہ کی طرف چلا کوفے کی مسجد اور میرے گھر کے درمیان میں میدانی فاصلہ تھا اندھیرا بہت تھا میں دوڑتا چلا ایک بار میں نے محسوس کیا سامنے سے کوئی بھاگتا چلا آ رہا ہے میں نے اندھیرے میں آواز دی اے شیخ کیا تو مسجد کی طرف سے آ رہا ہے ذرا بتا تو مسجد میں کیا ہوا، اس نے کہا مجھے کچھ نہیں معلوم کہ مسجد میں کیا ہوا، اس نے ایک طرف بھاگنا چاہا کہ ایسے میں بادلوں میں بجلی چمکی میری نظر اس پر گئی میں نے دیکھا اس نے قباء کے دامن میں تلوار چھپائی تھی اس کی تلوار سے تازہ لہو بہہ رہا تھا میں سمجھ گیا میں نے دوڑ کر دونوں بانہیں اس کے گلے میں ڈالیں اس کو گرایا پیچھے سے ایک مجمع ایک غول دوڑتا ہوا آیا انہوں نے آواز دی اے ابنِ حذیفہ یہ ابنِ ملجم ہے پکڑ لو یہ میرے مولا علیؑ کا قاتل ہے اسے پکڑ لو پورے مجمع نے ابنِ ملجم کو گھیر لیا، میں نے اس کے بازوؤں کو باندھ دیا اب راوی تو ابنِ حذیفہ ہیں کہتے ہیں سب قاتل کو پکڑ کر مسجد کی طرف چلے لیکن مسجد میں پہنچ کر ہم ہوش کھو بیٹھے اس لیے کہ ہم نے دیکھا کہ صفوں کی ترتیب میں لرزہ تھا اور ایسے میں مَیں نے دیکھا کہ مسجد میں میرا شہزادہ حسنِ مجتبیٰؑ داخل ہوا بس میں نے منظر یہ دیکھا کہ محرابِ عبادت میں میرے مولا بیٹھے ہیں اور سر سے لہو کا فوارہ تھا اور مٹی کو اٹھا کر سر میں ڈالتے جاتے اور کہتے ربِّ کعبہ کی قسم آج علیؑ کامیاب ہو گیا، (تم سلامت رہو، لو ہو گئی تقریر آج تک کہ مصائب ختم ہوئے، اور دو جملے) جیسے ہی حسنِ مجتبیٰؑ آئے دیکھ کر بیٹے کو علیؑ نے کہا بیٹا تم نماز پوری کراؤ تم نماز پڑھاؤ، حسنؑ میں اپنے مقام پر بیٹھے بیٹھے نماز پڑھوں گا، حسنِ مجتبیٰؑ نے نماز پوری کروائی، جب

نماز کامل ہوگئی تو سارے نمازی علیؑ کی طرف دوڑے، ایک بار اٹھارہ بیٹوں نے علیؑ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور علیؑ نے کہا ایک کمبل لاؤ گلیم لاؤ گلیم لائی گئی علیؑ نے کہا اس پر مجھے لٹاؤ اور میرے بیٹے مجھے اٹھائیں بیٹوں نے علیؑ کو اٹھایا ابھی صحنِ مسجد تک آئے تھے ایک بار دیکھا سورج طلوع ہو رہا تھا سورج کو دیکھ کر کہا اے آفتاب تجھ کو قسم ہے اپنے ربّ کی بتا جب بھی تو نکلا ہے اس وقت کبھی تو نے علیؑ کو سوتے ہوئے دیکھا ہمیشہ تو نے علیؑ کو عبادتِ الٰہی اور سجدے میں دیکھا اور اس کے بعد ایک بار آسمان کو دیکھ کر کہا پروردگار قیامت کے دن جب تیرے انبیاء اوصیاء جمع ہو جائیں تو تُو گواہی دینا کہ علیؑ نے کبھی تیری عبادت میں کوتاہی نہیں کی، پروردگار کو علیؑ نے گواہ بنایا اور اس کے بعد کہا میری سواری کو اٹھاؤ بیٹے سلیمانِ امامت کی سواری کو لے کر چلے (لو تقریر کا آخری جملہ) ابھی مسجدِ کوفہ کے صدر دروازے تک علیؑ کی سواری نہیں پہنچی تھی کہ بہت سی کنیزیں سیاہ چادر میں اور عورتیں کوفے کی بھاگتی ہوئی در پر آئیں اور آکر پکار کر کہا حسن مجتبیٰؑ زینبؑ کہہ رہی ہے بابا کو جلدی لاؤ، میرے بابا کو لاؤ ورنہ زینبؑ ابھی گھر سے نکل کر صحنِ مسجد میں آجائے گی، ایک بار علیؑ مڑے کہا زینبؑ سے کہو یہ کربلا نہیں یہ حسینؑ کا لاشہ نہیں تیرا بابا آ رہا ہے۔ یا علیؑ مولا، حیدرؑ مولا، ماتمِ حسینؑ۔

تقریر (علّامہ سیّد ضمیر اختر نقوی)

حضرت میثم تمّارؑ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ساری تعریف اللہ کے لئے درود وسلام محمدؐ وآلِ محمدؐ پر

مجالسِ تفسیرِ قرآن کی انیسویں تقریر آپ حضرات سماعت فرمارہے ہیں، سلسلۂ عزائے مولا کی دوسری تقریر آپ حضرات سماعت فرمارہے ہیں ذکر تھا کل کہ عشقِ علیؑ کی معرفتیں، عشقِ علیؑ کی طلب، عشقِ علیؑ کی ضرورت، عشقِ علیؑ کے فوائد، عشقِ علیؑ کیوں، عشقِ علیؑ کس لیے، ہمیں آدابِ عشقِ علیؑ کس نے سکھائے، عشقِ علیؑ کے اصول کیسے مضبوط ہوگئے، اب تک ہم دعوے دار ہیں عشقِ علیؑ کے، محبتِ علیؑ کے حالاں کہ یہ دعویٰ آسان نہیں ہے لیکن چونکہ دل چاہتا ہے یہ دعویٰ کیا جائے تو ہم بھی لہو لگا کے شہیدوں میں شامل ہوتے ہیں لیکن پھر شرم سی آنے لگتی ہے کہ کیا واقعی ہم عشقِ علیؑ کرتے ہیں تو جب جواب مکمل نہیں آتا تو دل گھبراتا ہے جب دل گھبراتا ہے تو پھر کہیں دل نہیں لگتا پھر یہی دل چاہتا ہے کہ کہیں دور نکل جائیں جہاں کوئی نہ ہو اور اگر کوئی ملے بھی تو وہ جو عشقِ علیؑ میں ڈوبا ہوا ہو، کچھ دل چاہا بھی کہ اتنے لوگ مولا علیؑ کا ذکر سننے آئیں گے چہاردہ معصومین میں تو کیا سنائیں گے

ان کو، ہم کیا بتائیں گے عشقِ علیؑ بس اس پر جو دل گھبرایا تو ہم صحرا میں نکل گئے جانے وہ عشقِ علیؑ کی طاقت تھی چلتے چلتے چلتے اب جو محسوس کیا کہ کہاں آ گئے تو کسی سے پوچھا کہ یہ کون سی جگہ ہے اس نے کہا کہ کیوں کہاں سے آئے ہو، ہم نے کہا ہم تو کراچی سے آئے ہیں، انچولی سے آئے ہیں وہاں مجمع بیٹھا ہوا ہے مجلس سننے، ہم ادھر نکل آئے، کہا تو مجمع چھوڑ کر کیوں آئے، میں نے کہا کسی کی تلاش میں ہوں اور چاہتا ہوں کہ کوئی ایسا ملے جس کو لے کر میں چہاردہ معصومین جاؤں اور وہ پورے مجمعے کو عشقِ علیؑ سنائے، کہا تو اتنی دور تم آ گئے انچولی سے، میں نے کہا کیوں یہ کون سی جگہ ہے، کہا تم تو کوفے کے بازار میں کھڑے ہو، ارے بھائی یہ کوفے کی گلیاں ہیں تو میں بڑا حیران ہوا میں نے کہا کوفے تک آ گئے ہم کو یقین نہیں آ رہا ہے اس نے کہا نہیں نہیں تم کوفے میں ہو تو میں نے اس آدمی سے کہا راستہ چلنے والے سے یہ بتاؤ کوفے کا بازار کہاں ہے اس نے مجھے اشارہ کیا کہا کہ ایسے جانا ایسے مُڑ جانا پھر وہاں تمہیں کوفے کا بازار نظر آئے گا، چلتے چلتے میں کوفے کے بازار میں پہنچ گیا دیکھا تو بہت سے دکاندار اپنی دُکانوں میں بیٹھے تھے ایک دکان دار سے میں نے پوچھا میثمؑ کی دکان کون سی ہے (واہ، واہ کا شور بلند ہے، مجمع بے خود ہو گیا ہے نعرے لگ رہے ہیں) تم سلامت رہو تم سے یہ رونقیں ہیں تو ایک دکاندار نے مجھ سے کہا کہ میثمؑ کی دکان یہاں نہیں ہے، میں نے کہا میں نے تو یہی سنا تھا کہ بازار میں ان کی دکان ہے کہا تم غلط آ گئے کھجوروں کا بازار الگ ہے وہاں صرف کھجوریں بکتی ہیں میثمؑ کی دکان کھجوروں کے بازار میں ہے، کدھر سے جاؤں انہوں نے کہا ایسے جاؤ بس جب بازار ختم ہو گا تو کھجوروں کا بازار آ جائے گا تم وہاں کسی سے بھی میثمؑ کی دکان پوچھ لینا، میں کھجوروں کے بازار میں پہنچا، میں نے پوچھا میثمؑ کی دکان کہاں ہے دکاندار نے کہا یہ کیا ہے ان کی

دکان تو میں نے کہا یہ تو خالی ہے یہاں کوئی بیٹھا نہیں ہے، کہا نہیں ابھی تو بیٹھے تھے جانے کسی ضروری کام سے گئے ہوں گے روزانہ کہیں تھوڑی دیر کے لیے جاتے ہیں پھر آ جاتے ہیں، میں نے کہا کیا انتظار کروں، کہا کہہ نہیں سکتے کتنی دیر میں آئیں گے اور ویسے تم کسی اور سے پوچھ لو کوئی ان کا قریبی دوست ہوگا وہ بتا دے گا کہ اس وقت وہ کہاں ملیں گے، دل تھا بے قرار میں نے کہا انتظار کون کرے جس کا انتظار کر رہے ہیں وہ تو آ نہیں رہے ہیں تو میثمؑ کا انتظار کون کرے تو میں نے سوچا کہ میں اگر انتظار کروں گا تو لوگ کہیں گے بھائی امام کا انتظار کیا جاتا ہے صحابی کا انتظار نہیں کیا جاتا۔ ہلکا ہے کیا جملہ، نہیں ہم انتظار نہیں کریں گے ہم جاتے ہیں میثمؑ کو ڈھونڈیں گے چلتے چلتے میں نے ایک آدمی سے پوچھا اس وقت میثمؑ کہاں ملیں گے اس نے کہا تم نے ابنِ حریث کا گھر دیکھا ہے، میں نے کہا بھائی میں کیا جانو ابنِ حریث کا گھر اور کون ابنِ حریث میں تو کراچی سندھ سے آیا ہوں مجھے تو اس شہر کا نقشہ ہی بدلا بدلا لگ رہا ہے میری سمجھ میں یہ گلیاں نہیں آ رہی ہیں میں نے تو کھارادر کی گلیاں دیکھی ہیں میں کہاں جاؤں کیا کروں کہنے لگے اچھا آؤ میرے ساتھ یہ میدان پار ہوگا تو حُریث کا گھر آئے گا وہاں تمہیں میثمؑ مل جائیں گے اس آدمی نے ایک میدان میں مجھے پہنچا دیا رک کر کہنے لگا وہ کھجور کا درخت جو لگا ہوا ہے نا، یہ آدمی جو تمہیں دکھائی دے رہا ہے جاؤ یہ ہیں میثمؑ، میں پہنچ گیا تو میثمؑ کھڑے ہوئے اس درخت کو پانی دے رہے تھے تو میں نے اپنے کراچی میں تو دیکھا تھا کہ پھلواری کو پانی دیتے ہیں بیلے میں، چنبیلی میں، میں نے پہلی بار کھجور کے اتنے بڑے درخت کو پانی دیتے جو دیکھا تو میں نے کہا یہ تو سرسبز وشاداب درخت ہے یہ میثمؑ اسے پانی کیوں دے رہے ہیں تو میں نے سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا، کہا کیا چاہتے ہو میں نے کہا میں آپ کی دکان پر گیا

تھا تو دیکھا دکان تو خالی پڑی ہے، کہا اب دکان میں دل نہیں لگتا پہلے دل لگتا تھا دکان پہ بہت دن ہو گئے اب دکان پہ بیٹھنے کو دل نہیں چاہتا تو یہاں آ جاتا ہوں اس درخت کی سینچائی کرتا ہوں تو میں نے کہا بھئی دیکھئے بات دراصل یہ ہے کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ آپ فضائل بہت اچھے پڑھتے ہیں مولا علیؑ کے اب انہوں نے پانی کا وہ برتن رکھ دیا کہا تم نے کس سے سنا، میں نے کہا بھئی میں نے تو کتابوں میں پڑھا ہے تو ہم آئیں ہیں آپ کے پاس دراصل ایک مجمع انتظار میں ہے، مَیں اسے چھوڑ کر آیا ہوں اگر آپ زحمت کریں تو میرے ساتھ چہاردہ معصومین چلیں وہاں سب بیٹھے ہیں انتظار میں تو میثمؓ کہنے لگے بھئی اگر علیؑ والے بیٹھے ہیں تو ہم انکار کیسے کر سکتے ہیں بھئی سواری آئی کہ نہیں آئی چلو، چلو مڑ کر کہنے لگے میثمؓ دیکھو میرے لیے تو کوئی مسئلہ ہے نہیں مجھے نہیں معلوم کہ تم عشقِ علیؑ میں کس منزل پر ہو اس لیے کہ مجھے تو طے ارض کا معجزہ علیؑ نے دیا ہے میں پلک جھپکتے میں کہیں بھی پہنچ جاؤں اور مجھے پتہ ہے کہ چہاردہ معصومین کہاں ہے اس لیے کہ بھئی روئے زمین پر جہاں جہاں علیؑ کے فضائل پڑھے جاتے ہیں میثمؓ وہاں ہوتا ہے پلک بھی تو نہیں جھپکی تھی کہ آپ بھی تھے اور ہم بھی اور پھر ہوئی میثمؓ کی زیارت تو ہم نے میثمؓ سے پوچھا آپ کا عشقِ علیؑ کتنا پرانا تھا، آپ نے علیؑ کو کب دیکھا، کہا کہ جاؤ سلمانؑ سے پوچھو، ابوذرؓ سے پوچھو برسہا برس ہو گئے انہیں عشقِ علیؑ کرتے ارے میرا عشق تو چار برس کا تھا، میں چار برس تو مولا علیؑ کے ساتھ رہا چار برس میں آپ کو اتنا عشق ہو گیا، کیا آپ کوفے میں ہی رہتے تھے شروع سے، کہا نہیں اب ہم تمہیں کیا سنائیں بچپن تھا ہمارا ہم چھوٹے سے تھے ہم کچھ بھی نہیں جانتے تھے کہ کیا میدانِ جنگ ہے کیا لڑائی ہے کم سنی کا زمانہ تھا دجلہ کے کنارے ہمارا گاؤں تھا بہت خوبصورت جگہ تھی ہماری پوری برادری کھجور کا کاروبار کرتی تھی اس لیے رُتب

کو تمر کہتے ہیں کھجور بیچنے والے کو بھی سب تمار کہتے تھے، ہمارے باپ کا نام یحییٰ
تھا ہم اپنے باپ کے گھر سب کے ساتھ رہتے تھے کچھ بھائی تھے کچھ بہنیں تھیں،
ہمارے گاؤں کی طرف سے ایک بڑا لشکر گزرا ہم نے پوچھا یہ کس کا لشکر ہے کہا یہ
تو مسلمانوں کا لشکر ہے پوچھا یہ کہاں جاتا ہے کہا یہ ایران عراق پہ حملہ کرنے جارہا
ہے، حملہ ہوا لڑائی ہوئی پہلی بار میں نے جنگ دیکھی اپنی سرحد پہ کیوں کہ سرحدی
گاؤں تھا، ہم کبھی ایران جاتے کبھی عرب جاتے ہمیں عربی بھی آتی تھی فارسی بھی
آتی تھی اس لیے کہ عجم کے کنارے کنارے نہروان ہے اور ہم دریائے نہروان
کے کنارے رہتے تھے دریا سے کچھ دور پر، ایک دن ہم نے دیکھا کہ لڑائی کے
درمیان ایک بوڑھا تقریر کرنے لگا تو ہم بھی بیٹھ کر سننے لگے اب جو تقریر سنی تو
چونکہ کبھی میں نے ایسا بیان نہیں سنا تھا مجھے بڑی عجیب عجیب باتیں معلوم ہوئیں
جب تقریر ان کی ختم ہوئی تو میں قریب گیا میں نے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے
انہوں نے کہا مجھے سلمانِ فارسیؓ کہتے ہیں چونکہ ہمارے عرب کے لوگوں کو فارسی
نہیں آتی اس لیے ہم کو لایا گیا ہے کہ ہم ایرانیوں کو کچھ باتیں سمجھائیں، اسلام
سمجھائیں تو ہم نے بھی پوچھ لیا کہ اسلام کیا ہے سلمانِ فارسیؓ نے ہم کو بتا دیا، ہم
نے کہا ہم کلمہ پڑھتے ہیں پھر ہم بھی مسلمان ہو گئے ہمارے باپ بھی مسلمان ہو
گئے یہ فتحِ ایران کی بات ہے ہمارا لڑکپن تھا لیکن عجیب بات ہوئی جب قافلہ
واپس ہوا تو اس نے ہمارے گاؤں پہ حملہ کیا اور اس کو اتنا لوٹا حالاں کہ ہماری
برادری کے لوگ چیختے رہے کہ ہم نے کلمہ پڑھ لیا ہم مسلمان ہو گئے لیکن اس لشکر
نے ہماری بات نہیں سنی تو بس لگتا تھا لُٹیرے آئے ہیں اور لوٹ کر چلے گئے جب
بستی ہماری اجڑ گئی تو ہم کوفے کے قریب آ کر آباد ہو گئے پھر اس کے بعد کچھ
اطمینان ہوا میرے والد نے کھجوروں کا کاروبار شروع کیا ایک دکان کھجور کی کھول

لی میں اس دکان پر بیٹھنے لگا یہاں تک کہ میری جوانی آ گئی ابھی شباب میرا مکمل ہوا تھا کہ کوفے میں شور ہوا کہ بادشاہِ وقت آنے والا ہے اگر سواری کی شان دیکھنا ہے تو چلو، محلہ کُناسہ سے سواری داخل ہو گی لشکر اِدھر سے آئے گا ہم بھی جا کے راہ میں بیٹھ گئے لشکر آیا اور بادشاہ بھی آیا اعلان ہوا مسجدِ کوفہ میں اتریں گے منبر پہ تقریر کریں گے ہم بھاگتے ہوئے مسجدِ کوفہ میں آئے منبر کو ہم نے دیکھا اور جب منبر پہ ایک ایسے انسان کو دیکھا کہ اس شان کا آدمی ہم نے کبھی دیکھا ہی نہ تھا اور جب بیان سنا تو ہم حیران رہ گئے ابھی بیان ختم نہیں ہوا تھا کہ میں دوڑ کر اُن کے پیروں کو چومنے لگا پھر میں نے دیکھا دائیں اور بائیں دو خوبصورت شہزادے تھے پھر ایک شخص سے میں نے پوچھا یہ کون ہیں یہ حسنؑ ہیں یہ حسینؑ ہیں چونکہ میں عرب میں کسی عورت کے یہاں کام کرتا تھا ملازمت تھی تو اُس کی غلامی میں تھا دکان پہ بھی بیٹھتا تھا، گزارا ہوتا نہیں تھا جیسے ہی مجھ کو دیکھا علیؑ نے میرے چہرے کو دیکھ کر فوراً کہا...... سچ کہا تھا رسولؐ نے کہ مسجدِ کوفہ کے منبر پہ ہو گے تو میثمؒ آئیں گے تمہارے پیروں کو بوسے دینے کے لیے، منبر سے جو اُترے تو میرے ہاتھ کو تھام لیا کہا تیری مالکہ قبیلۂ بنی اسد کی ہے میں نے کہا آپ کو کیسے معلوم، کہا رسولؐ اللہ نے بتایا تھا بس مجھے لیے ہوئے اُس کے دروازے پر پہنچے کہا بھئی یہ کتنے میں بیچیں گی غلام، اُس نے رقم بتائی مولا علیؑ نے جیب سے رقم نکالی اور اُسے دے دی اور مجھے لے کر آگے بڑھے، کہا جاؤ میثمؒ تمہیں آزاد کیا اللہ کی راہ میں مَیں نے کہا ابھی ابھی تو آپ نے غلامی میں لیا اور ابھی آزاد کر دیا آپ نے ہم سے خدمت نہیں لی اور آزاد کر دیا، کہا میثمؒ آزاد اس لیے کیا ہے کل سے تم میرے پہلو میں بیٹھو گے روزانہ بس یہی خدمت ہے میثمؒ کہنے لگے کہ میں نے تو ایسا آقا ہی نہیں دیکھا میں جاتا تھا تو مسند کے پاس بٹھا لیتے اور پھر جو باتیں

کرتے تو پہلے یہ کہتے میثمؑ ہماری حدیث بڑی سخت ہے اے میثمؑ ہماری حدیث کا وزن ہر آدمی نہیں اٹھا سکتا اور یہ میں نہیں کہہ رہا رسولؐ اللہ نے مجھ سے کہا کہ ہماری حدیث کا وزن یا مَلَکِ مقرّب اٹھائے یا صادقین، اولیاء یا اوصیاء اور انبیاء اٹھا سکتے ہیں یا میثمؑ تم وہ وزن اٹھا سکتے ہو، مجھے رسولؐ اللہ نے یہ خبر دی ہے تو جو اس حدیث کی گہرائی کو نہیں سمجھے گا تو وہ بے تکی باتیں ہی تو کرے گا ٹی وی پہ بیٹھ کر کہ علیؑ نے کوفے کو دارالحکومت کیوں بنا لیا، میثمؑ کو پڑھو معرفت حاصل کرو، معرفت حاصل ہی نہیں کرنا ہے مسلمانوں کو تو مجھے تو حاصل کرنے دو، اس مجمعے کو تو حاصل کرنے دو بھئی معرفت ہے بلند جبھی تو میثمؑ کو لے کر آئے ہیں اب میثمؑ کی باتیں ہیں ہر ایک میری حدیث کا بار نہیں اٹھا سکتا، میں چلا جاتا رات ہوتی آدھی رات تو صحرا کی طرف چلے جاتے پھر تنہائیوں میں مَیں ہوتا اور علیؑ ہوتے حالاں کہ میں سمجھتا تھا کہ میں تنہا ہوں لیکن کم از کم چودہ آدمی ایسے تھے جو مجھ جیسے تھے ان میں رشیدِ ہجری، حُجر ابن عدی، کمیل بنِ زیاد بھی تھے اصبغ بن نباتہ بھی تھے زید بن صوحان بھی تھے صعصعہ بن صوحان بھی تھے یہ چودہ افراد تھے جو علیؑ کو صحرا میں ڈھونڈتے تھے محل میں نہیں، اِدھر سے آئیں گے اور پھر معرفت کی باتیں سنائیں گے جن کا پتہ دوسروں کو نہیں اور جب ہم نہ جا پاتے، ہم نہ پہنچ پاتے تو عجیب مولا تھا میرا ڈھونڈتے ڈھونڈتے کھجوروں کے بازار میں آتا میثمؑ کہاں ہو ارے میثمؑ کہاں ہے تو میں حیران ہو جاتا عرب اور عجم کا بادشاہ کھجور والے کو ڈھونڈنے بازار میں آرہا ہے، سیدھے میری دکان پر آجاتے، میں ترازو میں کھجوریں تول رہا ہوتا آتے ہی بیٹھ جاتے میری دکان پر اب تمام دکاندار اپنا کاروبار چھوڑ دیتے خلیفۂ وقت میثمؑ کی دکان پر تشریف فرما ہیں پھر میرا ہاتھ تھام کر کہتے میثمؑ تھک گئے ہو گے، بچے چھوٹے ہیں یاد آتے ہوں گے گھر پہ کچھ کام ہوگا جاؤ ہو کے آجاؤ، کہنے

لگے مولا تو کیا دکان خالی رہے گی، کہا ہم بیٹھے ہیں، بتاؤ کہیں ایسا حاکم تم نے دیکھا کیوں کہ حکم تھا تو ہم گھر چلے جاتے میرے چھ بیٹے تھے صالح، شعیب، سب سے چھوٹا مجھے بہت پیارا تھا تو مولا کے نام پہ میں نے اس کا نام علی رکھا تھا اس کو میں علی کہتا تھا پیار سے، بچے چھوٹے تھے اس لیے میں گھر آ جاتا ایک دن عجیب بات ہوئی بعد میں مجھے بازار میں پتہ چلا تمہیں پتہ ہے تم چلے جاتے ہو بعد میں جب گاہک آتے ہیں تو تمہارے مولا ترازو میں کھجور بیچتے ہیں یعنی میری روزی کو موقوف نہیں کیا مولا نے، ایک دن جو میں آیا تو درہم و دینار پہ نظر گئی کہ مولا سے پوچھوں کہ کوئی گاہک آیا تھا، میں نے دیکھا کہ سامنے ایک سکّہ پڑا ہوا تھا میں سمجھ گیا کہ کوئی گاہک آیا تھا اور مولا نے کھجوریں بیچی ہیں، میں نے جلدی سے وہ سکّہ اٹھایا اب جو میں نے دونوں طرف پلٹ کر دیکھا تو میں نے کہا مولا یہ تو کھوٹا ہے تو مولا نے کہا یہ کھوٹا ہے اگر تو کھجوریں بھی کڑوی ہیں، میثمؒ کہتے ہیں کہ ابھی مولا نے کہا ہی تھا ایک آدمی ہاتھ میں کھجوریں لیے اور تھُوتھُو کرتا ہوا آیا کہ یہ کڑوی کھجوریں دے دیں تو مولا نے کہا یہ کھوٹا سکہ بھی تو لے جاؤ لے جاؤ یہ سکّہ، میں نے کہا میثمؒ سے کہ تم تو بہت قریب ہو گئے میرے مولا کے اب کون اتنے قریب ہوگا میثمؒ یہ بتاؤ عشقِ علیؑ کیا اتنا آسان ہے کہ چار برس میں سیکھ لیا جائے، میثمؒ کہنے لگے آسان نہیں ہے عمر گزری ہے سلمانِ فارسیؓ، ابوذرؓ و مقدادؓ اور عمارؓ کی نوّے نوّے برس گزارے ان لوگوں نے تو میں نے کہا کہ پھر چار برس میں تم نے وہ عشق کیسے سیکھ لیا جو نوّے اور اسّی برس میں ان بڈھوں نے سیکھا، کہنے لگے تم کیا ہمارے سارے راز آج امام بارگاہ چہاردہ معصومینؑ میں پوچھ لوگے تو میں نے کہا کہ میں لایا کیوں ہوں آپ کو امام بارگاہ چہاردہ معصومینؑ میں، یہ سب بیٹھے کیوں ہیں کچھ راز تو بتائیں یہ محبت میں ڈوبے لوگ محبت ہی سننا چاہتے ہیں تو کہا سنو کسی سے علم

اگر سیکھنا ہے تو صرف علم سیکھنا آسان ہے میں نے کہا پھر، کہنے لگے دیکھو علم اگر آ بھی جائے تو کام نہیں آئے گا اس کے لیے ایک چیز کی ضرورت ہے میں نے کہا کیا چیز علم کے ساتھ کیا ہو، کہا جب تک علم کے ساتھ بصیرت نہیں ہے کام نہیں آتا اور میں نے کہا بصیرت کیسے آتی ہے، میثمؒ نے کہا اس کے لیے عقل کامل ہو جائے میں نے کہا کچھ اور بھی سمجھایئے اس لیے کہ آپ کیا سمجھ رہے ہیں کہ سب عربی بیٹھے ہیں، عجمی بیٹھے ہیں ارے ذرا میثمؒ دیکھئے تو چہرے تو دیکھئے یہ سارے مہاجر بھی نہیں ہیں بھئی اگر لکھنؤ میں پیدا ہوئے ہوتے تو بھی صحیح ہے بات سمجھ میں آجاتی سب کراچی میں پیدا ہوئے انہوں نے آنکھ کھول کر سندھی سُنی پنجابی سنی پشتو سنی بلوچی سنی اردو تو بس پڑھ لی اور عربی یہ لوگ پڑھتے نہیں کسی ایک مولوی کو نجف بھیج دیتے ہیں تم پڑھ کے آؤ سب کے حصے کا اور جب وہ پڑھ کے آجاتا ہے تو یہ بڑے خوش ہوتے ہیں، میثمؒ یہ صرف اسی پہ خوش ہوتے ہیں قرآن سے پڑھ رہا ہے، قرآن سے پڑھ رہا ہے اسی پہ خوش ہیں کہ قرآن سے پڑھ رہا ہے وہ کیا پڑھ رہا ہے بس قرآن سے پڑھ رہا ہے ارے میثمؒ کہنے لگے کیا باتیں کرتے ہو قرآن ہم نے مولا علیؑ سے پڑھا، چار سال میں آپ نے قرآن بھی پڑھ لیا کہا قرآن تھوڑی تفسیر بھی پڑھی بھئی چار سال میں آپ نے تفسیر بھی پڑھ لی، کہا ہاں بھئی تم سن چکے ہو نہ کہ بہت اچھے راج دلارے شاگرد عبداللہ ابنِ عباس تھے مولا علیؑ کے برسہا برس کے مدینے میں مَیں نے کہا ہاں جی ہاں تھے کہنے لگے وہ تو تم نے سنا ہوگا نا کہ انہوں نے سورۂ الحمد کی تفسیر پوچھ لی تھی پوری رات گزر گئی اور بائے بسم اللہ کے نقطے کی شرح ہوتی رہی صبح ہوگئی اتنے پائے کے مفسرؔ تھے، میں نے کہا جی کہنے لگے ایک دن وہ شہادتِ مولا علیؑ کے بعد میرے آخری دور میں کوفے آ گئے کوفے میں شور ہوا کہ عبداللہ ابنِ عباس مولا علیؑ کے شاگرد ہیں میں پہنچ گیا

انہوں نے کہا کہ کون، میں نے کہا میثمؒ، کہا آؤ آؤ بڑی تعریفیں کرتے تھے میرے استاد علیؑ، میں نے کہا دیکھئے میرے استاد علیؑ میرے چچا زاد بھائی میثمؒ کہنے لگے رشتہ داریاں نہ جتایئے وقت کم ہے اگر تفسیر لکھوانی ہے میں بولتا ہوں آپ لکھیے وقت کم ہے میرے پاس، عبداللہ ابنِ عباس نے قلم اٹھایا کہا میثمؒ، کہا کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے قرآن میں نے علیؑ سے سیکھا ہے، میں نے اس کے اسرار اس کے رموز علیؑ سے سیکھے ہیں جلدی لکھیے میں بولتا گیا عبداللہ ابنؓ عباس لکھتے گئے ذرا سا وہ دیر لگاتے قلم رُکتا تو میں اِدھر اُدھر دیکھ کر ایک جملہ کہتا وہ چونکتے لیکن وہ لکھنے میں منہمک تھے ایک بار مجھے پسینہ جو آیا میں نے اپنا عمامہ اتارا میں نے کہا آپ اس وقت بیٹھے ہوئے تفسیر قرآن لکھ رہے ہیں آپ کا کیا حال ہو گا جب آپ سنیں گے کہ میثمؒ کو کھجور کے درخت پر سولی پہ لٹکایا گیا، عبداللہ قلم رکھ کر کہنے لگے تم تو کاہنوں کی جیسی باتیں کرتے ہو کہا ایک بات سن کر آپ نے مجھے کاہن کہہ دیا قیامت تک میں جتنی بلائیں اور مصیبتیں آئیں گی کہیئے تو سناؤں سب مولا نے بتایا تھا آپ تو ابھی تفسیر کا علم ہی جانتے ہیں علم منایا یہ علم بلایا میں نے علیؑ سے سیکھا وہ حدیثیں میں نے علیؑ سے لی ہیں جن کا وزن صرف فرشتہ اٹھا سکتا ہے یا انبیاء اٹھا سکتے ہیں اگر آپ وزن اٹھا سکیں تو پتہ چلا اس کا وزن میثمؒ اٹھا سکتے تھے عبداللہ ابنِ عباس نہ اٹھا پائے اس لیے علیؑ نے ان کو نہیں بتایا اب ذرا اپنے دل کو تم ٹٹولو کہ آج تم کیسے سُن لیتے ہو وہ حدیثیں، آج تم کیسے سُن لیتے ہو تو اگر نہ ہوتے میثمؒ، نہ ہوتے قنبرؓ اور ہمیں معرفت کی راہ نہ بتاتے تو ہم بھی نہیں سن سکتے تھے سُن کر پاگل ہوتے، کپڑے پھاڑ کر کہتے غلط (معاذ اللہ) اس لیے تو ہم نے آپ کو زحمت دی ہے ہم آپ سے حدیثیں تھوڑی سننا چاہتے ہیں حدیثیں تو ہم نے سب پڑھ لیں سُلیم بن قیس کی کتاب میں نے پڑھ لی ہم نے آپ کو

اس لیے بلایا ہے کہ آپ نے حدیثوں کا وزن کیسے اٹھایا وہ بتا دیجیے، تو تم جب حدیثیں سن چکے ہو تو یہ کیوں پوچھ رہے ہو مجھ سے، میں نے کہا اس لیے کہ کوئی نیا فارمولا ہمیں بتا دیجیے کچھ لوگ انکار کرتے ہیں ہماری باتوں کو ہم سے سنتے ہیں باہر جا کر پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ ہم ضمیر اختر کے علم کے تو قائل ہیں لیکن ان کے عقائد ہمیں پسند نہیں ہیں ان کو سنانا ہے، کہنے لگے ایسے بھی بدتمیز لوگ یہاں رہتے ہیں، ایسے کمینے لوگ بھی یہاں رہتے ہیں میں نے کہا جی ہاں رہتے ہیں ہمیں بتایئے تا کہ ہم ان تک کچھ پہنچائیں، کہنے لگے تو سنو علم لینے کے لیے ظرف کا وسیع ہونا ضروری ہے اگر کسی کے پاس ظرف نہیں تو چاہے جتنا لکھ پڑھ لے، سیکھ لے شاعری، کرے خطابت اگر ظرف نہیں تو سب بے کار تو ایسے کم ظرف اگر تمہیں ملیں تو ان کے سامنے کچھ نہ بتانا انہیں کچھ نہ سکھانا پہلے ان کا ظرف آزماؤ کہ عشقِ علیؑ ان کے ظرف میں سماتا ہے یا نہیں اور ظرف بڑا اس کے پاس ہوگا جو سخی ہوگا، کنجوسوں کے پاس ظرف نہیں ہوتا یہ کہا مجھ سے میثمؒ نے تو میں نے میثمؒ سے کہا آپ کو کتنے علوم علیؑ نے دیئے، کہا ہمیں علمِ اموات دیا یعنی ہم چہرہ دیکھ کر بتا دیں گے کہ کب مرنے والا ہے، کیسے مرے گا اپنی موت مرے گا یا مارا جائے گا یہ علم مولا نے ہمیں دے دیا، کوئی بلا پہلے سے آنے والی ہے ہمیں پہلے سے پتہ ہے کہ یہ بلا آنے والی ہے آگے کیا گزرے گا ہمیں معلوم ہے یہ علم مولا نے ہمیں دیا اور کیا بتایا آپ کو کہا بھئی ہم تمہیں کیا کیا بتائیں کہ کیا کیا بتایا یہ سمجھ لو کہ ایک دن حبیب ابنِ مظاہر ہمیں مل گئے تھے بازار میں تو وہ ذرا گورے رنگ کے تھے حبیب اور بال ان کے ذرا بھورے بھورے تھے تو وہ خضاب خرید رہے تھے، میں نے کہا اے حبیب کیا دن ہوگا وہ جب تمہاری داڑھی اور تمہارے سر کے بال خون سے خضاب ہو جائیں گے تو حبیب پلٹے اور کہنے لگے اچھا واقعۂ کربلا تمہیں

بھی معلوم ہے، میثمؒ نے کہا صرف معلوم نہیں ہے میرے مولا نے پورا واقعہ سنایا
ہے کہا اچھا سچ کہا تم نے لیکن مجھے بھی تو مولا نے کچھ بتایا ہے اور تمہارا اس دن کیا
حال ہوگا جب حریث کے گھر کے سامنے کھجور کے درخت پر لٹکایا جائے گا، پھانسی
دی جائے گی تو پھر میں نے پلٹ کر کہا کہ حبیب تمہارا سر تو نیزے پہ رکھا جائے گا
بھرے بازار میں تماشہ بنا کر پھرایا جائے گا تو حبیب مجھے دیکھنے لگے اور پھر
حبیب سمجھ گئے کہ کتنا علم میں نے مولا سے لیا ہے حبیب اپنی راہ چلے گئے میں
اپنی راہ چلا گیا بعد میں مجھے پتہ چلا رشیدِ ہُجری آئے وہ کہنے لگے کہ یہاں کیا کوئی
دو اشخاص آئے تھے دکاندار کہنے لگا اشخاص کیا دو دیوانے تھے، کیا کہتے تھے، کہا
وہ عجیب باتیں کر رہے تھے ایک دوسرے کو موت کی خبر دے رہے تھے،
رشید ہُجری نے کہا مجھے بتاؤ تو کیا جملے کہے تھے، کہا ایک نے دوسرے سے کہا کہ
تمہارا سر نیزے پہ پھرایا جائے گا تو رشیدِ ہُجری کہنے لگے خدا رحمت نازل کرے میثمؒ
پہ بتانا بھول گئے کہ جو نیزے پہ سر لائے گا اسے سو روپے انعام ملے گا تو میں نے
میثمؒ سے کہا کہ کیا آپ یہ جملہ بھول گئے تھے واقعۂ کربلا آپ کہہ رہے ہیں کہ میں
نے مولا سے سنا تھا یہ جو حبیب کے سر کو اٹھانے والا ہے نیزہ لے کے آئے گا اس
کی تنخواہ میں سو روپے اضافہ ہوا یہ بات کیا آپ بھول گئے تھے، کہا نہیں بھولے
تھوڑی جو ہمیں معلوم تھا وہ حبیب کو بھی معلوم تھا جو حبیب کو معلوم تھا وہ رشیدِ ہُجری
کو بھی معلوم تھا یہ کیوں انہوں نے کہا کہ بھول گئے، کہا نہیں ان سے سہو ہوا بتایا
سب کو تھا لیکن کچھ حصوں کے بتانے کی اجازت تھی کچھ کی اجازت نہیں تھی جہاں
تک مجھے اجازت تھی میں نے بتایا جہاں تک رشیدِ ہُجری کو اجازت تھی وہاں تک
انہوں نے بتایا اچھا یہ ہے ظرف کی بات ورنہ اگر کوئی کچھ سن لے تو چاہتا ہے کہ
سب پیٹ سے نکال کر رکھ دے بات کہنا آسان ہے روکنا مشکل ہے لیکن جب

سب کہہ جاتا ہے آدمی تو بڑا پیٹ ہلکا ہے نہیں رو کی نہ پیٹ میں بات یہ تھی مشکل منزل کیا کہنا ہے اور کیا نہیں کہنا معلوم تو سب ہے تو میں نے کہا کہ عشق میں آپ بڑھتے چلے گئے کہ مصیبتوں کے بارے میں آپ کو سب کچھ معلوم ہو گیا تو کیا اپنے بارے میں بھی آپ کو معلوم ہوا، کہا ہاں وہ تو ہر وقت جب کوئی اچھا کام میں کرتا تو مولا یہی کہتے کیا حال ہو گا تیرا میثمؓ جب تجھے سولی پہ لٹکا یا جائے گا سنتے سنتے میں عادی ہو گیا مولا ہمیشہ کہتے بھئی کیا حال ہو گا تیرا میثمؓ کہتے کہ ہر بار کوئی نیا جملہ کہتے تو پھر میں رُک جاتا اس لیے کہ یہ جملہ تو میں سن چکا تھا ایک دن کہنے لگے کہ دیکھو وہ حاکم تمہیں بلائے گا اور تم سے کہے گا کہ علیؑ سے بیزاری کرو، علیؑ پہ تبرّہ کرو تو میثمؓ ایسا کرنا نہ مجھے گالی دے لینا مگر تبرّہ نہیں کرنا اس لیے کہ میں مسلمان پیدا ہوا ہوں اگر گالی دینے سے تمہاری جان بچ جائے تو گالی دے لینا، کہا نہیں جان نہیں بچانی اب بتایئے، کہا تو پھر پھانسی چڑھو گے، کہا یہ میرے لیے کچھ نہیں ہے ارے کہاں سمجھ میں بات آئی ابراہیمؑ نے اسماعیلؑ سے کہا میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں کہا میں صبر کروں گا، میثمؓ نے یہ نہیں کہا کہ میرے لیے یہ بہت کم ہے......

مولا کہتے ہی رہتے میں سنتا ہی رہتا تو میں کہتا میں یہ تو نہیں کہہ سکتا، نہ میں گالی دوں گا نہ ہی آپ کو بُرا بھلا کہوں گا میں نے تو عشق کیا ہے مولا نے کہا، ہاں کناسہ کے میدان میں کھجور کا درخت ہے وہ کاٹا جائے گا اس کے ایک ٹکڑے پہ تمہیں سولی پر چڑھایا جائے گا ایک دن میں نے پوچھا کہ یہ کون کرے گا کہا کمینہ بدکار عورت کا بیٹا زنِ زانیہ کا بیٹا ابنِ زیاد آج مجھے میرے مولا نے قاتل کا نام بتا دیا اور جگہ بھی بتا دی میں نے جگہ کی رکھوالی شروع کر دی اور میں سرحدِ کوفہ پر قاتل کا انتظار کرنے لگا کب آئے گا ابنِ زیادہ آج لوگ قاتل سے دور بھاگتے ہیں علیؑ والے قاتل کا انتظار کرتے ہیں یہ ہے عشقِ علیؑ، میں نے کہا میثمؓ یہ آپ کیسی باتیں

کر رہے ہیں ہم انچولی والے ہیں، بہت ڈرتے ہیں، بم دھماکے وغیرہ سے آپ تو ہمیں خوف دلا رہے ہیں، کہنے لگے میثمؒ کہ اگر میں ایسا نہ کرتا تو آج تمہارے دل مضبوط نہ ہوتے تو آج تم عشقِ علیؑ پر جمے نہ رہتے تم بھی بھاگ رہے ہوتے اِدھر اُدھر، میں نے کہا میثمؒ سے کہ میرے مولا کے عقیدے میں تقیہ بھی تو ہے آپ نے تقیہ کیوں نہیں کر لیا، میثمؒ کہنے لگے سنو ہم تمہاری کسی بات پہ غصہ نہیں کریں گے اس لیے کہ ہم اعلیٰ فطرت ہیں، ہمیں معلوم ہے کہ تمہارا علم کم ہے ہم تمہیں سکھائیں گے تم ہم سے پوچھ رہے ہو تقیہّ کیوں نہیں کیا ارے تقیہّ کر کے بھاگ جاتے عشقِ علیؑ تم تک کیسے پہنچتا، میں نے کہا میثمؒ آپ تو بلیغ باتیں کرتے ہیں ذرا تشریح تو کر دیں، میثمِ تمارؒ کہنے لگے نہیں ہم نے مولا سے یہ سیکھا ہے کہ ہم جھنجھلاتے نہیں ہیں، جاہل بار بار پوچھیں ہم بتائیں گے پوچھو، بس یہ بتا دیجئے میثمؒ کہ آپ نے تقیہّ کیوں نہیں کیا، کہا ابھی تو تم نے پوچھا میں نے کہا ایک بار اور بتا دیجئے کچھ اور شرح کر دیجئے، سنو تقیہّ وہاں ہوتا ہے جہاں یہ یقین ہو کہ جان بچ جائے گی، جب موت سامنے آ جائے تو تقیہ کرنا بزدلی ہے تو پھر تقیہّ نہیں اب تو جان جائے، میں نے کہا کہ کوئی مثال، کربلا میں حسینؑ کو معلوم تھا کہ کہیں بھی جائیں بنی امیہّ چھوڑیں گے نہیں تو حسینؑ نے تقیہّ نہیں کیا میں تقیہّ کیوں کرتا اور اگر میں تقیہ کر کے چلا جاتا تو بنی امیہ کو دربار میں گالیاں کون دیتا، میثمؒ کہنے لگے تم امام بارگاہ چہاردہ معصومین میں اتنا سا مجمع لے کر بیٹھ جاتے ہو تم سمجھتے ہو بڑا مجمع ہے ارے ہم کوفے کی ایک گلی میں اس سے دس گنا زیادہ مجمع جمع کر کے کہتے ہیں آؤ فضائلِ علیؑ سنو مجمعے لگ جاتے لیکن اگلا جملہ بہت سے لوگ کمزور دل کے برداشت نہیں کر پائیں گے میثمؒ نے مجھ سے کہا کہ میں صرف یہ نہیں کہتا تھا کہ آؤ فضائلِ علیؑ سنو اس لیے کہ یہ جابر بھی کہتے تھے، یہ عمّار بھی کہتے تھے، یہ ابوذر بھی

کہتے تھے اگلا جملہ کہتا تھا آؤ فضائلِ علیؑ سنو اور بنی امیہ کے عیب سنو آؤ میں بتاؤں کہ کیا ہیں بنی امیہ تو میں تولیٰ اور تبرّہ دونوں اپنی تقریر میں رکھتا تھا، میثمؑ اچھا ہوا تم نے بتا دیا ہم تمہاری سیرت پر چلنا چاہتے ہیں تم مدد دو گے، کہا ہم ساتھ ہیں، میثمؑ نے کہا ہم ساتھ ہیں اب کیا ڈر ہے میثمؑ تمہارے ساتھ ہیں ابنِ حریث دشمنِ اہلِ بیتؑ تھا لیکن کھجور کے درخت کے سامنے اس کا مکان کناسہ میں تھا جب بھی نکلتا میں پکار کر کہتا ابنِ حریث ہم تمہارے پڑوس میں آنے والے ہیں وہ کہتے میں سمجھتا کہ مکان یہاں نیا لینے والے ہیں، اپنا محلہ چھوڑ دیں گے میں ابنِ زیاد سے جا کر میثمؑ کی شکایت کرتا یہ ابنِ حریث نے بیان کیا میثمؑ کو معلوم تھا میثمؑ نے بیان کیا اسی نے جا کہ بتایا اس نے کہا کہ میثمؑ بنی امیہ کے عیب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ کوفے والوں کو بنی امیہ سے نفرت ہو جائے گی اور پھر تختہ الٹ جائے گا تم لوگوں کا میثمؑ کے بیانات سے کچھ کرو، جب سے میثمؑ کی شکایتیں ابنِ زیادہ نے سنی پریشان رہنے لگا پریشان اس پہ نہیں تھا کہ فضائلِ علیؑ پڑھ رہے ہیں پہلا ٹکرایا تھا جو کُھلے عام کوفے کی گلیوں میں ان کے کالے کرتوت سنا رہا تھا، اسے معلوم تھا شام تک خبر جائے گی اور ہم سے سوال طلب ہوگا غصے میں تو رہتا ہی تھا ایک دن جو نکلا تو پرچم والا پرچم لیے ہوئے تھا ابنِ حریث کے گھر کے سامنے جو شاہراہ تھی ادھر ہی سے نکلا جاتا تھا کناسہ، پرچم جو ہوا سے لہرایا تو کھجور کے درخت میں اٹک گیا پرچم پھٹ گیا وہیں رُکا اور رُک کر کہنے لگا درخت کاٹ کر پھینک دو، منحوس ہے یہ درخت اس میں الجھ کر ہمارا پرچم پھٹ گیا آرے لے کر بڑھئی آئے پورے درخت کے تنے کے چار ٹکڑے کیے اور وہاں ڈال کر چلے گئے کوئی دوڑا دوڑ آیا کہا میثمؑ وہ جس درخت کو تم پانی دیتے تھے کٹ گیا سنا تم نے مجھے پتہ چلا تھا کہ درخت کاٹ ڈالا گیا، میثمؑ نے اپنے بڑے بیٹے عمران کو بلایا میں نے کہا

عمران ایک کیل لے لو اور جلدی سے جاؤ ان چاروں ٹکڑوں میں جو سب سے چھوٹا ٹکڑا ہے اس پہ کیل سے میرا نام لکھنا، میثمؒ ابنِ یحییٰ میرے باپ کا نام اور کیل اسی میں ٹھونک دینا، عمران ابنِ میثمؒ کہتا ہے کہ بعد میں مَیں نے جا کر دیکھا تو یہ وہی تنا تھا اب میں نے بہت پوچھا میثمؒ سے کہ کیا مولا نے چاروں ٹکڑوں میں پہچان کوئی بتائی تھی کہ یہ والا ٹکڑا آپ کا ہے کہا ہاں تو میں نے کہا کہ لکڑی میں کیسے پہچان ہو گی تو یہ چاروں ٹکڑوں کا ہوا کیا میثمؒ نے یہ کہا تھا کہ ایک ٹکڑے پر محمد بن اکثم کو پھانسی دی جائے گی ایک پہ رشید ہجری کو ایک پہ خالد بن مسعود کو اور ایک پہ تم کو تو میں نے کہا کہ ٹکڑا آپ اپنا خود دیکھتے تو پہچانتے بیٹے کو آپ نے کیسے بتا دیا کہ کیل لگا کر آ جاؤ بولے یہی تو علمِ معرفت ہے جو مولا کے پاس بیٹھ کر سیکھا جاتا ہے یا جو مولا سے معرفت کرتا ہے وہ سکھا سکتا ہے اس کی شرح نہیں ہو سکتی میں نے کہا نہ بتایئے مگر اتنا تو بتایئے کہ آگے کیا ہوا، میثمؒ کہنے لگے میں اس دن کا انتظار کرنے لگا تین ٹکڑے وہاں سے غائب ہو گئے ایک پڑا رہا، ذی الحج کا مہینہ آیا تو میں سوچنے لگا کہ میرا آخری سال ہے چلو حج کر آئیں میں حج کے لیے گیا حج کرنے کے بعد میں یہ سوچنے لگا کہ مدینے بھی ہو آؤں قبرِ نبیؐ کی زیارت کے لیے میں نے قبرِ نبیؐ کی زیارت کی اور میں اُم المومنین حضرت اُمِ سلمیٰؑ کے پاس گیا جیسے ہی اُمّ المومنین اُمِ سلمیٰؑ کو پتہ چلا کہ میثمؒ آئے ہیں اپنے غلام کو آواز دی کہا کہ عطر کی شیشی لاؤ اور اُن کی ریش میں، بالوں میں، زلفوں میں عطر لگاؤ میثمؒ کہنے لگے آپ اتنا اہتمام کیوں کرتی ہیں کہا کہ بس اس لیے یہ اہتمام کیا کہ بہت جلد تمہاری یہ ریش خون میں تر ہونے والی ہے، میثمؒ نے کہا کہ کیا آپ کو بھی یہ راز معلوم ہے تو امِ سلمیٰؑ نے کہا کہ رات کو جب میرے حجرے میں سناٹے میں علیؑ کو کچھ رسولؐ بتاتے تو کچھ کچھ میں نے بھی سنا، تو میں نے کہا کہ کیا میرے آقا حسینؑ یہاں نہیں

کہا ہاں وہ بیرونِ مدینہ گئے ہیں لیکن میثمؓ جتنا حسینؑ تمہیں یاد کرتے ہیں اتنا کوئی مدینے میں تم کو یادنہیں کرتا بار بار آ کر مجھ سے تعریف کرتے ہیں کہتے ہیں نانی میثمؓ کا جواب نہیں، اتنا بڑا دل میرا ہو گیا میثمؓ کہنے لگے کہ میرا شہزادہ میری تعریفیں کرتا ہے تقریر ختم ہو گئی میثمؓ کو کوفے جانا ہے لیکن ہم سب میثمؓ کے ساتھ آج کوفے چلیں گے میثمؓ کو اکیلے نہیں جانے دیں گے آج تو کوفے جانا ہے میثمؓ کہتے ہیں کہ میں مدینے سے واپس ہوا جیسے ہی کوفے میں داخل ہوا دو سو آدمی کوتوالِ شہر کے ساتھ موجود تھے مجھے دیکھتے ہی داروغہ نے کہا میثمؓ تم آ گئے ابنِ زیاد کا حکم ہے کہ تمہیں گرفتار کر لیا جائے ابنِ زیاد نے حکم دیا ہے کہ جلد از جلد میثمؓ کو لا کے سامنے پیش کیا جائے قید کر کے، میثمؓ کہتے ہیں میں سمجھ گیا کہ وہ دن آ گئے ہیں تمہارا آخری حج ہو گا مجھے ابنِ زیاد کے سامنے پیش کیا گیا ابنِ زیاد نے مجھ سے کہا کہ سنا ہے کہ تم علیؑ کے بہت دُلارے تھے، کہا ہاں وہ آقا ہمارے تھے ہم ان کے غلام تھے وہ اپنے ہر غلام سے محبت کرتے تھے، کہا تم ان کی جھوٹی حدیثیں سناتے ہو، کہا تجھ سے کس نے کہا، کہا حریث نے کہا جھوٹ بولتا ہے میں سچی حدیثیں سناتا ہوں وہ جھوٹا ہے ابنِ زیاد نے کہا میں تمہیں قتل کر دوں گا ورنہ علیؑ سے بیزاری کرو تو میثمؓ نے کہا کہ یہ بات مجھے معلوم ہے کہ تو مجھے قتل کرے گا لیکن میں علیؑ سے بیزاری نہیں کروں گا ابنِ زیاد نے کہا کہ کیا معلوم ہے تمہیں کیا معلوم ہے، کہا ہاں میرے مولا نے بتایا ہے کہ بدکار عورت کا بیٹا زنازادہ کمینہ خصلت ابنِ زیاد تمہیں قتل کرے گا چوٹ کھایا ہوا سانپ دیکھیں یہ منزل کیا ہے یعنی میثمؓ کو معلوم ہے کہ میں قتل کیا جاؤں گا تو بھائی موقعہ کیوں چھوڑ دیں نہیں سمجھے بھئی قتل تو ہونا ہے تو کیا دب کے زبان بندی کر کے جائیں ارے وہ تو بتاتے جائیں جو اس کی حقیقت ہے، کیا بتایا ہے علیؑ نے میں تمہارے ہاتھ پیر کاٹ دوں گا اب غصے

میں اٹا ہوا ہے اور تازیانہ ہاتھ میں ہے میثمؓ نے کہا یہ بھی مولا علیؑ نے بتایا ہے کہ تو میرے ہاتھ کاٹے گا تو میرے پیر کاٹے گا، کہا اور کیا علیؑ نے بتایا ہے، کہا کہ علیؑ نے بتایا کہ تمہیں قتل کرنے سے پہلے تیرے پیٹ میں خنجر ڈالا جائے گا، پیٹ کو چاک کیا جائے گا، زبان کو کاٹا جائے گا، کہا تو آج میں کوفے والوں کو دکھاؤں گا کہ تیرا مولا علیؑ (نعوذ باللہ) جھوٹا تھا، میں نہیں کاٹوں گا تیری زبان تاکہ ساری دنیا تجھ پہ بھی ہنسے کہ تو بھی جھوٹ بولتا ہے تیرا مولا بھی، جلّاد سے کہا اس کے ہاتھ پیر کاٹ دے، کناسہ کے درخت کی لکڑی پہ گاڑ دو اس کو کیلوں سے لے جاؤ، میثمؓ کہتے ہیں مجھے زخمی حالت میں کناسہ کی لکڑی پہ کیلوں سے میرے ہاتھ پاؤں ٹھونک دیئے ایسے میں مَیں نے آواز دی ابنِ حریث میں کہتا تھا پڑوس میں آ رہا ہوں آ گیا نا اب اگر انسانیت ہے تو میرا ایک کام کرو تم تو دشمنِ اہلِ بیت ہو لیکن مرنے والے کی وصیت پوری کی جاتی ہے کہا تھوڑا سا پانی لاؤ حریث نے اپنے بیٹے کے ہاتھ پانی بھیجا میثمؓ نے کہا یہاں پانی چھڑکو، زمین کو صاف کرو خاک کو ہٹا کر پانی چھڑکو پھر میں نے کہا لاؤ تھوڑی سی لوبان اور اگر بتی لا کر یہاں سلگاؤ اگر بتی اور لوبان سلگائی گئی کہا میں نے محفل سجائی ہے ذکرِ علیؑ کی یہ دار نہیں ہے یہ میثمؓ کا منبر ہے کوفے والو آؤ وہ حدیثیں سناؤں جو تم نے اب تک فضائلِ علیؑ میں نہیں سُنیں اور وہ لعنتیں بنی امیہ کی بتاؤں جو تم نے نہیں سُنیں ذرا سی دیر میں ہزاروں کا مجمع ہوا اور سب قلم کاغذ لائے تھے میثمؓ کہہ رہے تھے جلدی جلدی لکھو میں سناتا ہوں لکھتے جاؤ دار کو منبر بنانے والے ذکرِ علیؑ کا منبر بنانے والے اے میثمؓ تجھ پر ان سارے ماتم داروں کا سلام، حریث بھاگا ہوا گیا، کہا ابنِ زیاد تجھ کو پتہ ہے کہ انقلاب آ جائے گا ہزاروں کا مجمع میثمؓ کو سن رہا ہے اور وہ فضائل سنا رہے ہیں اور جھوم جھوم کر سنا رہے ہیں ہاتھ پیروں سے لہو بہہ رہا ہے مگر زبان ہے کہ

فصاحت اور بلاغت سے چل رہی ہے اور بنی امیہ کو گالیاں دے رہے ہیں اگر تو نہیں روکے گا تو سمجھ لے تیری پشتیں تباہ ہوگئیں اور لکھوا رہے ہیں میثمؒ، جلاد کو حکم دیا میثمؒ کی زبان کاٹ کر میرے پاس لے آ جلاد خنجر لے کر چلا جاتے ہی غصے میں پیٹ پر کوکھ پر ناف کے نیچے خنجر مارا خنجر کھینچا میثمؒ نے کہا کیوں آیا، کہا ابنِ زیاد نے کہا ہے کہ زبان کاٹ لو کہا ذرا قریب آ جلاد قریب آیا منہ میں تھوک جمع کیا تھوک جمع کر کے سارا تھوک جلاد کے منہ پر تھوک دیا اور پھینک کر کہا کہ جس طرح میں نے تھوکا ہے تو ابنِ زیاد کے منہ پر تھوک اور کہہ دے ابنِ زیاد سے میرا مولا سچا ہے، لے میرا مولا سچا ہے میثمؒ نے زبان نکالی کہا لے زبان کاٹ لے خنجر سے زبان کٹی لیکن جیسے ہی زبان کٹی پکار کر زبان کو تالو میں اڑا کے زور سے کہا یا علیؑ، ہوگئی تقریر میثمؒ ہم بھی پکار رہے ہیں یا علیؑ آج تو پورا کوفہ پکار رہا ہے یا علیؑ جب بھی پکارا وہ مدد کو آئے آج تو مولا زخمی ہیں تم جیو سلامت رہو کل کی مجلس کے بعد شبیہ تابوت ہے، پرسوں بھی شبیہ تابوت ہے شبِ ضربت گزر چکی آج دن ہے انیس رمضان کا مصائب یہاں پر ختم ہوئے تھے علیؑ کے بیٹے علیؑ کو لے کر چلے درِ مسجدِ کوفہ تک آئے تھے کہ کنیزیں دوڑتی ہوئی آئیں شہزادۂ حسنؑ ہماری شہزادی زینبؑ اور اُمِ کلثومؑ بہت پریشان ہیں کہتی ہیں بابا کو جلدی لاؤ ورنہ ہم گھر سے نکل پڑیں گے علیؑ نے پکار کر کہا زینبؑ سے کہو بابا تمہارا آ رہا ہے آتا ہے آ رہا ہے مسجدِ کوفہ سے سواری علیؑ کی گھر پہنچی گلی میں ابھی سلطانِ امامت کی سواری پہنچی تھی کہ مڑ کر حسنؑ سے کہا بیٹا چاہنے والوں سے کہو واپس جائیں ایسا نہ ہو کہ میری بیٹیاں روئیں تو ان کی آوازیں سب کے کانوں تک جائیں ان کو واپس بھیجو میرے گھر کے افراد رک کر مجھے لے چلیں چاہنے والے واپس ہوئے بیٹے علیؑ کو لیے ہوئے ابھی صدر دروازے تک پہنچے تھے اور ابھی دروازے میں داخل ہو رہے تھے کہ

پردہ ہٹا اور بیٹی آ کر باپ سے لپٹ گئی کہا بابا کیا ہم یتیم ہو گئے جلدی جلدی بستر لایا گیا بستر بچھایا گیا تکیے رکھے گئے دونوں پہلوؤں میں علیؑ کو آرام سے بٹھایا گیا اژدہام بڑھتا چلا گیا، مسجد بھری، مسجد کے باہر میدان بھرا سب سے عظیم مملکت کا خلیفہ ہے اس وقت پورا دارالحکومت ٹوٹا ہوا ہے خبر پا کر دروازے پہ ہیں سب کہتے ہیں ہزاروں کے مجمعے میں جگہ جگہ لوگوں نے دیکھا چھوٹے چھوٹے بچے اور سب رو رہے ہیں سر پیٹ رہے ہیں راوی کہتا ہم بڑے حیران ہوئے ایک طرف ساری عورتوں کے غول ایک طرف چھوٹے چھوٹے بچے رو رہے تھے تو میں نے پوچھا یہ بچوں کو کیسے خبر ہوگئی یہ بچے کون ہیں تو قنبرؓ نے بتایا کہ صفین، جمل، نہروان میں جو لوگ مارے گئے یہ ان کے یتیم بچے ہیں، شہیدوں کے بچے علیؑ روز ان کے گھر جاتے ہیں اپنے ہاتھ سے روٹی تنور میں لگا کر کھلاتے ہیں پانی پلاتے، بچوں کو گود میں بٹھاتے ان بچوں کو خبر ہوگئی ان کا مولا زخمی ہو گیا یہ سب یتیم بچے رو رہے ہیں، یہ بیوہ عورتیں ہیں جن کی مدد علیؑ کرتے ہیں، گریہ کا شور تھا علیؑ کے گھر کے باہر جس نے زیارت کی ہے اس نے علیؑ کا گھر دیکھا ہے ساتھ ہی فاصلہ ہے شاہراہ سے علیؑ کے گھر تک وہ سب بھرا ہوا ہے مسجدِ کوفہ کے سامنے میثمؒ تمار کا مزار بیچ میں ایک میدان وہ پورا میدان بھی بھرا ہوا ہے اژدہام لوگوں کا مجمع ایسے میں کوفے کے حکیم، جراح، طبیب سبھی آ گئے سب کی تمنا ہے کہ میں مولا کو دیکھوں کچھ ہو سکے تو کروں اس لیے کہ ہمارا بادشاہِ وقت ہے، ہمارا سلطان ہے، ہمارا خلیفہ ہمارا امام، طبیب آیا اس نے زخم کو دیکھا کہا زخم گہرا ہے تلوار زہر میں بجھائی گئی ہے زہر اثر کر رہا ہے خون بہت زیادہ بہہ گیا ہے اور مڑ کر ایک بار طبیب نے امامِ حسنؑ سے کہا اگر آپ کی اجازت ہو تو ایک دوا بناؤں مولا کے لیے اور وہ پلا دیں امامِ حسنؑ تو چپ رہے لیکن سب نے پکار کر طبیب سے کہا ہاں ہاں پلا دو،

طبیب نے کہا اس دوا کے لیے ہمیں تھوڑا سا بکری کا دودھ چاہیے کوئی جائے اور لا دے بادشاہِ وقت تھا بات گھر سے دروازے تک آ گئی بس ابھی کسی نے پکار کر کہا تھا ذرا سا دودھ چند لحموں میں کئی ہزار کوزے دودھ سے بھرے ہوئے اور ہر ایک کہہ رہا تھا یہ میرے مولا کو پہنچا دو تو میں نے مڑ کر کہا میثمؑ تمار، قنبرؑ تمہارے مولا کے لیے اتنا دودھ کربلا میں علی اصغرؑ حسینؑ کے ہاتھ پر، حسینؑ پکار رہے تھے تھوڑا سا پانی جزاک اللہ جیو سلامت رہو، بہت گریہ کرتے ہو بڑا ماتم کرتے ہو میں کہتا ہوں ہر مجلس میں جواب نہیں تمہارا ماتم میں اور گریہ میں جیسے لگ رہا ہے کہ آج ہی یہ واقعہ ہوا ہے، دن گزرا شام آئی تمہاری شہزادی زینبؑ ایک جام شربت بنا کر لائیں کہا بابا روزہ تو آپ نے نہیں توڑا لیکن افطار کا وقت ہو گیا بابا یہ شربت پی لیجئے مڑ کر کہا حسنؑ بیٹا ادھر آؤ دیکھو کل سے ابنِ ملجم بھوکا اور پیاسا ہے پتہ نہیں اس کو کسی نے کھانے اور پینے کو دیا یا نہیں جاؤ یہ شربت لے جا کر پلا دو کچھ سنا تم نے شربت لائی ہیں زینبؑ حسنؑ سے علیؑ نے کہا ہے کہ یہ شربت قاتل کو پلا دو زینبؑ نے یہ منظر دیکھا ہے نا اب جملہ سننا ایک بار زینبؑ نے حملۂ زینبیہ پہ کھڑے ہو کر کہا ابنِ سعد اتنا کام کر دے کہ میں اپنے بھائی کو تھوڑا سا پانی لا کر پلا دوں میرا بھائی پیاسا ہے میرا حسینؑ پیاسا ہے ایک بار کربلا میں آندھی چلی طوفان آیا زمین کانپی شور ہوا قتل الحسین بکربلا، ایک بار بھگدڑ مچی اِدھر کے لوگ اُدھر، اُدھر کے لوگ اِدھر بس سب یہی کہتے تھے حسینؑ مارے گئے، میری طرف دیکھنا جیسے ہی یہ آواز آئی حسینؑ مارے گئے ایک بار اُمِ ربابؑ نے خیمے کا پردہ اٹھایا اور ایک بار کہا بھائی ذرا رک تیرا نام کیا ہے کہا میں قبیلۂ بنی کلب سے ہوں کہا یہ تو میرا قبیلہ ہے تُو میرا بھائی ہے، کہا تم کون ہو، کہا میں غم کی ماری ربابؑ ہوں زوجۂ حسینؑ ہوں کہا کیا پوچھنا ہے کہا بس اتنا بتا دے میرے والی کو جس وقت گلا

کاٹا گیا پانی ملا یا نہیں، کسی نے پانی دیا یا نہیں، میرے آقا کو پانی ملا یا نہیں اللہ اکبر یہ ہے پیاس اب سمجھ میں آیا کہ جب مجلس ہو جلوس ہو تو سبیلیں کیوں لگتی ہیں اس لیے کہ سب سے بڑا مسئلہ پیاس ہے جب پانی جیسی شے اور اس کے لیے حسینؑ کے بچوں کو ترسایا گیا اللہ، اللہ علیؑ زخمی ہوئے حسینؑ نہیں تھے صفین کا لشکر آیا ہوا تھا حسینؑ کو علیؑ نے کوفے سے باہر بھیجا تھا علیؑ انتظار کر رہے ہیں اب حسینؑ آنے والے ہیں شام ہوتے ہوتے گھر کا دروازہ کھلا اور حسینؑ داخل ہوئے تو سر پر پٹی دیکھی دوڑ کر بابا سے لپٹ گئے کہا بابا یہ کیا ہو گیا، کہا میرے حسینؑ صبر کرو اور شام تو ہو ہی چکی تھی زینبؑ، اُمِ کلثومؑ نے کہا بابا بھائی حسنؑ بھی روزے سے ہیں میں نے دستر خوان لگا دیا آپ بھی آیئے سب کو لایئے علیؑ نے کہا جتنے میرے بیٹے ہیں سب کو بلا لو سب بیٹیوں کو بھی بلا لو میں آخری بار اپنے بھرے گھر کو دستر خوان پر دیکھ لوں، بیچ میں علیؑ بیٹھے سامنے ساری بیٹیاں اور بیٹے ایک بار اشارہ کر کے کہا حسینؑ تم میرے پاس آؤ حسینؑ علیؑ کے قریب آئے ابھی افطار شروع نہیں ہوا تھا کہ ایک بار علیؑ نے اپنے کانپتے ہاتھ سے ایک کوزہ پانی کا بھرا ایک ہاتھ حسینؑ کے گلے میں ڈالا اور کوزے کو حسینؑ کے لب سے لگا کر کہا حسینؑ کربلا کے پیاسے علیؑ کے ہاتھ سے آخری بار پانی پی لے حسینؑ ماتمِ حسینؑ۔

تقریر (علاّمہ سیّد ضمیر اختر نقوی)

حضرت مالکِ اشترؑ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ساری تعریف اللہ کے لئے درود وسلام محمدؐ وآلِ محمدؐ پر

مجالسِ تفسیرِ قرآن کی بیسویں تقریر آپ حضرات سماعت فرما رہے ہیں گویا آج ہم نے دوعشرے تمام کیے کل سے تیسرا عشرہ شروع ہوگا جس کا اختتام انتیس رمضان کو ہوگا، عزائے مولائے کائنات کے سلسلے کی تیسری تقریر آپ حضرات سماعت فرما رہے ہیں شہادت اکیس کو، جنازہ اٹھنا اور دفنِ مولا اکیس رمضان کو پڑھتا ہوں آج مجلس شبِ اکیس پر ہی رکے گی اور ختم ہوگی آپ کی معرفت، محبت، محبت علیؑ عشقِ علیؑ نے مجھے مجبور کیا کہ میں کچھ ہستیوں سے خصوصی ملاقات آپ کی کرواؤں اور اس بات کی خوشی ہوئی کہ سامعین اس منزل تک آئے کہ انہوں نے مجبور کر دیا کہ کان سے تو بہت کچھ سن چکے آنکھوں سے بھی تو دکھاؤ تو ہم نے سوچا کہ معرفتوں میں ہماری اور آپ کی اضافہ ہو، قرآن کی آیت ہے زمین پر چلو پھرو اور سیر کرو ہمارے عجائبات دیکھو، جب آیت نہیں بھی پڑھی تھی اس سے پہلے سے زمین کی سیر بہت ہی کم عمری سے میں نے شروع کر دی تھی چونکہ دس سال کی عمر سے مجلسیں پڑھنا شروع کیں اور پچاس برس ہوگئے پڑھتے ہوئے تو ذکرِ مولا کی وجہ سے ملکوں ملکوں کے سفر ہوئے جانے کہاں کہاں مولا نے

پہنچایا اور بھیجا پھر کم عمری میں ہی حج کے لیے بلایا گیا، لوگ بڑھاپے میں حج کرتے ہیں، جوانی میں حج کیا، زیارتیں کیں ایک بار نہیں کئی کئی بار تجسّس بڑھتا گیا عشرے پڑھنے امریکہ کی مختلف اسٹیٹس میں گئے، یورپ کی تمام ریاستوں، اسٹیٹس میں گئے، بارہا انگلینڈ جانا ہوا، ترکی تک کا سفر، اردن بھی گئے، شام بھی گئے، ایران، عراق بھی گئے، یونان بھی گئے تو میں نے سوچا کہ جن ملکوں میں نہیں گئے تصور میں اگر وہاں پہنچا جائے تو کیسا ہے تو چلتے چلتے میں مصر پہنچ گیا، مصر پہنچا تو وہاں دو تین زیارتیں تھیں کبھی میں مصر گیا نہیں تھا تصور میں مصر پہنچ گیا راس الحسینؑ کی زیارت کی، زید شہید کی صاحبزادی زینبؑ کا روضہ دیکھا روضے کی زیارت کی اس کے بعد میں باہر نکلا تو میں نے پوچھا کہ مصر سے شہرِ قلزم کتنی دور ہے کسی نے کہا زیادہ دور تو نہیں ہے لیکن وہاں جا کر کیا کرو گے، کہا وہاں ایک ہستی سے مجھے ملنا ہے اور ان کو اپنے ساتھ انچولی لے جانا ہے اور ہم ان سے فضائلِ علیؑ سنیں گے وہاں ایک مجمع انتظار میں بیٹھا ہے ہم ان سے فضائلِ علیؑ اپنے مجمعے کو سنوانا چاہتے ہیں تو انہوں نے گھبرا کر کہا کہ کیا تم مالکِ اشترؓ کی بات کر رہے ہو، جانے کیا سوچ کر گھر سے نکل رہے تھے کہ دروازے تک نہ پہنچے تھے کہ میرے بیٹے حسین رضا نے مجھ سے کہا کہ آج مالک اشترؓ پر پڑھ دو، میں نے کہا کیسے پڑھ دوں یہ تو بڑا مشکل کام ہے تو انہوں نے کہا نہیں بھیّا پڑھ دو تمہارے لیے کیا مشکل کام ہے، میں نے کہا بھئی بہت مشکل ہے اب انہوں نے اتنا اصرار کیا دو تین بار پھر شہریار صاحب نے بھی اور بھی کئی لوگوں نے چلتے پھرتے کہا کہ مالکِ اشترؓ پر تقریر کر دو، بھئی ڈر لگتا ہے مالکِ اشترؓ سے اس لیے ڈر لگتا ہے کہ ان کی ہیبت موسیٰؑ کی ہیبت سے کم نہیں ہے ایسا قد و قامت، ایسا چہرہ اور ایسا سینہ اور ایسی چہرے پہ رعب و جلال کی کیفیت ہم تو انہیں دیکھ کر قریب تھا کہ بے ہوش ہو

جائیں تو ہم نے ان سے کہا کہ رحم کیجئے ہم بھی مولا کے چاہنے والے ہیں اس طرح گھور کر جلال سے تو نہ دیکھئے ہم تو مر کر رہ جائیں گے، ہم آپ کی نگاہوں کی تاب نہیں لا سکتے تو وہ کہنے لگے کہ جب تم ہماری نگاہوں کی تاب نہیں لا سکتے تو میرے مولا علیؑ سے کیسے ملاقات کرو گے (مجمعے میں نعرے لگائے جا رہے ہیں۔ علامہ صاحب دعائیں دے رہے ہیں۔۔۔تم جیو سلامت رہو) میں نے مالکِ اشترؒ سے کہا کہ آپ چونکہ مولا علیؑ کے بہت قریب رہے ہیں اور بے پناہ محبت مولا علیؑ سے کی ہے اور مولا علیؑ کا قول آپ کے لیے یہ ہے کہ مالک اشترؒ میرے لیے ایسے تھے کہ جیسے میں رسولؐ اللہ کے لیے تو آپ کی عظمت کا تو زمانہ قائل ہے پھر میں نے ان سے کہا کہ میں نے یہ بھی حدیث پڑھی ہے آپ کے بارے میں کہ اگر میرے لشکر میں مالک اشترؒ جیسے دو ہوتے تو میں پوری دنیا کو فتح کر کے رکھ دیتا تو وہ نگاہیں مالکِ اشترؒ کی جو مجھ پر بجلیاں گرا رہیں تھیں میں نے دو حدیثیں جو پڑھیں تو ان کی پلکیں جھکیں مجھ کو ملی پناہ میں نے کہا چلیں گے انچولی، انہوں نے کہا چلو چہاردہ معصومین چلیں گے انہوں نے کہا بھائی جب تمہیں ایسے مودّت کی حدیثیں یاد ہیں تو جو تمہارے ساتھی ہوں گے ضرور وہ معرفت سمجھتے ہوں گے تو آ ہی گئے مالک اشترؒ تو ہم نے کہا چلو سوال و جواب ہو جائیں موقع اچھا ہے سننے والے بھی ہیں تو ہم نے مالکِ اشترؒ سے کہا کہ آپ کا نام تو ہم بچپن سے سنتے آئے ہیں مالکِ اشترؒ ہمیں یہ نہیں پتہ کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں آپ کہاں سے آئے تھے، آپ کی قوم قبیلہ آپ کے باپ دادا یہ کون لوگ ہیں، کہنے لگے ہاں اس میں ذرا مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ دیکھو مولا علیؑ کے دشمن بہت زیادہ تھے مالکِ اشترؒ نے بات سمجھانا شروع کی کہ بھئی دشمن بہت تھے کیوں کہ میں مولا سے بہت قریب تھا اس لیے دشمنوں نے فضائل لکھتے وقت جہاں مولا کے فضائل

چھپائے اسی طرح انہوں نے چاہا تھا کہ میرا نام بھی تاریخ میں دفن کر دیں لیکن میرا نام اس طرح رہ گیا کہ بھئی دیکھو بات یہ ہوئی کہ ایک خط مولا علیؑ نے مجھ کو لکھا کہ حکومت کیسے کرنا چاہیے، اب مولا علیؑ کے خطوط جب جمع کیے ابن ابی الحدید نے مصر میں تو میرا وہ خط بھی ایک کتب خانے میں مل گیا اس طرح لوگوں کو تلاش ہوئی کہ مالکِ اشترؒ کون ہیں جن کو علیؑ خط لکھ رہے ہیں تو میرا نام رہ گیا ''نہج البلاغہ'' کی وجہ سے، (خدا آپ کو نظرِ بد سے بچائے منٹوں میں کمپیوٹر کے ذریعے یہ مجالس دوسرے ملکوں میں پہنچ جاتی ہیں تو اس وقت آپ پورے ورلڈ کے سامنے ہیں)

اس لیے ہم اپنے بچوں اپنے جوانوں کو معرفت کی اس منزل پر لائے کہ یہ بیٹھے ہوئے مالک اشترؒ کی باتیں سُن رہے ہیں، مالکِ اشترؒ کو جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں یہ معرفت والے لوگ ہیں، ایسے میں مَیں نے مالکِ اشتر سے کہا کہ آپ کے والد کا کیا نام تھا تو مالکِ اشترؒ نے کہا میرے والد کا نام حُریث تھا ہم یمن کے رہنے والے ہیں اور نخعیؑ (قبیلہ مُذحج) قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں مُذحج کے معنی ہیں سرخ جھاڑیاں کیونکہ ہمارے اجداد یمن میں پیدا ہوئے تھے جہاں سرخ جھاڑیاں اُگتی تھیں اس لیے ان کا نام مذحج رکھا گیا ہم یمن میں ہی پیدا ہوئے لیکن جب یرموک کی جنگ ہوئی تو ہم لشکر میں شامل ہوئے اور ہم نے یرموک کی لڑائی لڑی، یرموک کی لڑائی میں ہم پر رومیوں نے حملہ کیا تھا اور اس وقت جب کہ میرا نام مالک تھا میرے دشمن نے مجھ پر جو تلوار کا وار کیا تو میری بھوں کٹ گئی تھی چونکہ عربی میں ابرو، بھوں کے کٹنے کو اشتر کہتے ہیں تو اس دن سے میرا نام مالک کے ساتھ اشتر بھی پڑ گیا اب تم تو جانتے ہو کہ میں مالکِ اشترؒ کیوں مشہور ہوا تو سمجھ لو کہ اشتر میرا خطاب ہو گیا میرا نام مالک ہے لیکن میں مشہور اشتر کے نام سے ہو گیا، چونکہ دشمن زیادہ تھے علیؑ کے اس لیے چاہنے

والوں کا شجرہ کون لکھتا، حالات کون لکھتا لیکن ہم لوگوں کو اس کی پروا نہیں تھی ہم سب علیؑ کے عشق میں ڈوبے ہوئے تھے، ہم چاہتے تھے کہ ہماری معرفت بڑھتی چلی جائے ہم نے کبھی علیؑ کو دیکھا ہی نہیں تھا صرف نام سنا تھا، یرموک کی لڑائی سے واپس ہوئے تو ہم نے سوچا کہ بجائے اس کے کہ ہم یمن جائیں کوفے چلے جائیں کوفہ جو نیا نیا شہر آباد ہوا تھا اور ہمارے قبیلے والے سب کوفے میں آباد ہو گئے چونکہ میں سردار کا بیٹا تھا اس لیے پورے قبیلے والوں نے مجھے سردار مان لیا اور میرے رعب اور دبدبے کو سب تسلیم کرتے تھے اور جب بھی کوفے میں کوئی حاکم آتا تھا اس وقت تک فیصلہ نہیں ہوتا تھا جب تک مجھ کو نہ بلایا جائے اور میرے قبیلے کی رائے نہ لی جائے، دیکھتے ہی دیکھتے زمانے گزرتے رہے، خلافت کے ادوار گزرتے رہے یہاں تک کہ تیسری خلافت کا دور آیا میں بہت ہی گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا تھا جب کبھی میدانِ جنگ کی ضرورت پڑتی تو میں اپنے قبیلے والوں کو لے کر جاتا اس لیے کہ مجھے تو اسلام سے محبت تھی اور پھر میں ابھی معرفت کی اس منزل پر پہنچا بھی نہیں تھا ابھی عشقِ علیؑ سے میں واقف بھی نہیں تھا میں اسلام کو ہی سب کچھ سمجھتا تھا لا الہ کہنے کے بعد یہی دین کی خوشنودی ہے مجھے کیا پتہ تھا کہ علیؑ ولی اللہ کا نشہ کیا ہے ابھی تو میں اسلام کو ہی سب کچھ سمجھتا تھا لیکن قدرت چاہتی تھی کہ میں واقف ہو جاؤں کہ اصل حقیقت کیا ہے اصل دین کیا ہے ایسے میں پتہ چلا کہ حضرتِ عثمان جو خلیفہ ہیں انہوں نے اپنے سوتیلے بھائی کو کوفے کا گورنر بنا کر بھیج دیا یہ اطلاع بھی آئی کہ وہ بہت زیادہ شراب پیتا ہے، ہر وقت شراب کے نشے میں رہتا ہے ہم کو یقین نہیں آیا کہ اسلامی نظام میں کوئی گورنر شراب پیتا ہو اس لیے کہ ہم نے کبھی بھی شراب نہیں پی ہمیں شراب سے نفرت تھی، ہمیں جھوٹ سے نفرت تھی اس لیے کہ ہم نے قرآن میں سارے

سبق اسلام کے پڑھے تھے اور جو قرآن پڑھ رہا ہو بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ شراب پیتا ہو، جو قرآن کی تلاوت کرے گا وہ شراب کیسے پیئے گا کیوں کہ قرآن کی تلاوت کرنے والا تو جھوٹا الزام بھی شراب پینے کا کسی پہ نہیں لگا سکتا پتہ چلا کہ اگر بولے گا تو جھوٹ بولے گا تو وہ قرآن بھی ظاہری طور پر پڑھ رہا ہے اور الزام بھی جھوٹ لگا رہا ہے ہم تو نہیں جانتے تھے کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسے میں ہمیں اطلاع دی گئی کہ شراب کے نشے میں نماز پڑھا رہا ہے، میں پہنچ گیا مسجدِ کوفہ میں تو وہ سجدے میں تھا میں بھی رُک گیا وہاں کہ یہ کیا بات ہے کہ ایسے میں سجدے میں ولید کی آواز میں صاف سن رہا تھا کہ وہ یہ کہہ رہا تھا فصیح عربی میں کہ شراب پیو اور پلاؤ پیو اور پلاؤ اور سب پیچھے نماز پڑھ رہے تھے لیکن جب نماز ختم ہوئی تو لوگوں نے ولید پر حملہ کر دیا اس کو بچا کر اس کے سپاہی لے گئے، لوگ اتنے ناراض تھے اور اسے دارالامارہ لے گئے دیکھا تو وہ بستر پر پڑا تھا اور قے پہ قے کر رہا تھا ایسے میں کوفے والوں نے ایک وفد بنایا اس وفد میں مجھ کو بھی شامل کیا کہ خلیفہ وقت سے گورنر کی شکایت کی جائے کہ وہ بہت شراب پیتا ہے اور شراب پی کر اس نے نماز پڑھائی ہے۔ (ڈاکٹر اسرار کو ایسے شرابی نظر نہیں آتے)

میں جنگِ جمل میں مولا علیؑ کی نصرت میں جنگ کر رہا تھا، میدانِ جنگ میں اچانک میرے مقابل عبداللہ بن زبیر آ گئے، تھوڑی دیر تک وہ تلوار چلاتے رہے اور میرا مقابلہ کرتے رہے، میں نے اُن کے سر پر تلوار کا بھرپور وار کیا اُن کے سر پر کاری زخم آیا۔ پھر تو وہ مجھ سے لپٹ پڑے اور مجھے لے کر زمین پر ڈھیر ہو گئے، ہم دونوں میں کُشتی شروع ہو گئی، یہاں تک کہ میں نے انھیں زیر کر دیا اور اُن کے سینے پر چڑھ بیٹھا، عبداللہ بن زبیر نے چیخنا چلّانا شروع کیا کہ مجھے بھی مار ڈالو اور مالک کو بھی قتل کر دو، عبداللہ بن زبیر کے ساتھی اُن کا مطلب نہیں سمجھے

انھیں پتہ ہی نہیں چلا کہ مالک کون ہے؟ میں تو اشتر کے نام سے زیادہ مشہور تھا۔

مالکِ اشترؒ کہنے لگے اس دن اس لیے بچ گیا کہ مالک میرا نام کوئی جانتا ہی نہیں تھا میں اشتر کے نام سے مشہور تھا عبداللہ ابنِ زبیر اگر کہتے کہ اشتر کو مار ڈالو تو سب مجھے مار ڈالتے وہ مالک مالک کہتے رہے کسی کو پتہ ہی نہیں چلا یہ تو ہو گیا......

لیکن مسئلہ یہ تھا کہ میں یہ سوچتا رہا کہ اگر اس دن میں بھی مارا جاتا اور وہ بھی مارے جاتے تو ان کو فائدہ کیا ہوتا اگر وہ بھی مارے جاتے میں بھی مارا جاتا تو ان کو فائدہ کیا ہوتا وہ بھی مر جاتے میں بھی مر جاتا، مالکِ اشترؒ جب یہ سوچنے لگے تو میں نے ان سے اجازت طلب کی کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ کہوں، کہنے لگے ہاں بھئی تم علیؑ والے ہو تم بھی کچھ بولو تو پھر میں بولنے لگا اور کہا میں مختصر سی بات کہتا ہوں بات اصل میں یہ تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ یہ مجھے مار ڈالیں گے مالک اشترؒ مجھے مار ڈالیں گے لیکن اس سے پہلے کے میں مر جاؤں یہ بھی مر جائیں اس لیے کہ دشمن یہ چاہتا ہے کہ اگر میں مر گیا تو ان کا مشن قائم رہے گا میرا مشن ختم ہو جائے گا تو دشمن یہ چاہتا ہے کہ اگر ان کا مشن مٹ رہا ہے تو ان کا مشن بھی ختم ہو جائے تو اب یہ بات سمجھ میں آئی کہ مرتے مرتے بھی شیطان نے یہ کیوں کہا کہ ہمیں مہلت دے دے وہ یہ چاہتا تھا کہ اگر آدمؑ کا سلسلہ چلے تو میرا بھی چلے، اللہ نے کہا گھبراؤ نہیں سلسلہ تو چلے گا اور اس سلسلے کا تم کچھ بگاڑ نہیں سکتے اگر اللہ کو خطرہ ہوتا کہ ایسا ہو جائے گا تو نہ معاویہ کو پیدا کرتا نہ یزید کو۔ پھر مالکِ اشتر کہنے لگے ابھی جمل تمام نہ ہوئی تھی کہ صفین کی لڑائی کا آغاز ہوا مولا علیؑ کا لشکر میرے مولا کا لشکر ڈیڑھ لاکھ کا روانہ ہوا میں بھی اس لشکر میں تھا لشکر آگے بڑھ رہا تھا یہاں تک کہ ایسے مقام پر پہنچے کہ لشکر پیاسا ہوا، مالکِ اشترؒ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم پیاسے قریبِ ہلاکت پہنچے تو اب مولا ایک جگہ رُکے اور پھر ایک سمت آگے

بڑھے دو قدم پیچھے ہٹے اور اس کے بعد کہا مالکؓ یہاں سے کھودنا شروع کرو
میرے مولا کا حکم تھا میں نے زمین کو کھودنا شروع کیا اور تھوڑی سی دیر میں زمین کو
کھود ڈالا ایک سیاہ رنگ کا پتھر نظر آیا مٹی ہٹاتے گئے اور پتھر کی لمبائی چوڑائی
پھیلتی جا رہی تھی یہاں تک کہ دو سو آدمیوں نے مل کر چاہا کہ اس پتھر کو ہٹا دیں
اس لیے کہ حکمِ مولا تھا کہ پتھر ہٹے گا تو پانی ملے گا اس لیے ہم نے یہ طے کیا کہ
پتھر کو ہٹائیں گے لیکن پتھر اس جگہ سے نہیں ہلا جب بہت دیر ہوگئی اور ہم پسینہ
پسینہ ہوگئے تو مالکِ اشترؓ کہتے ہیں کہ مولا آگے بڑھے اور ہم نہیں جانتے کہ کون
سی زبان مولا نے استعمال کرنا شروع کی نہ وہ عربی تھی نہ فارسی تھی لیکن ہم نے
دیکھا کہ بار بار ورد کرتے کچھ پڑھ کر کہتے کہ طاب طاب اور ایک بار انگلی سے
اشارہ کیا پتھر ہٹا اور چالیس گز دُور جا کر گرا اِدھر پتھر ہٹا اور ایک چشمہ ابلا تو ہم
سب اس کی پھوار میں نہا گئے اور تیز چشمہ ابلنے لگا اور ایسا میٹھا پانی، ایسا سفید پانی
ہم نے زندگی میں نہیں دیکھا تھا پورا لشکر ڈیڑھ لاکھ آدمی اس چشمے پر ٹوٹ پڑے
اور خوب سیر ہو کر ہم سب نے پانی پیا بعد میں پتہ چلا کہ سامنے جو گرجا ہے اس کا
نام بَراثا ہے ہم نے تو ادھر نہیں دیکھا ہم سب تو پیاسے تھے یہاں تک کہ پانی
پینے کے بعد مولا نے کہا مالکِ اشترؓ بند کر دو اس چشمے کو اب قیامت تک اس چشمے
کو کوئی نہیں پائے گا مٹی ڈال دو اب یہ مہدیؑ کے لیے ہے وہ آئے گا ٹھوکر مارے
گا چشمہ پھر ابل پڑے گا بند کر دو پتھر اسی طرح رکھ دو مٹی ڈال دی گئی لشکر چلا،
جب لشکر آگے بڑھا تو علیؑ نے کہا کہ واپس چلو لشکر پھر واپس ہوا علیؑ نے کہا مالکؓ
اب وہ جگہ تو تلاش کرو جہاں سے چشمہ نکلا تھا مالکؓ اشتر کہتے ہیں کہ پورے لشکر
نے مل کر پورے صحرا میں ڈھونڈا کہ کہاں ابلا تھا چشمہ لیکن نام و نشان نہ ملا ایسے
میں جو راہب گرجا کے دروازے پہ کھڑا تھا وہ اتر کر آیا، مالکِ اشترؓ کہتے ہیں کہ وہ

میرے پاس آیا اس نے آ کر کہا کہ یہ بتاؤ تمہارے ساتھ یہ جو تمہارے رہنما ہیں کوئی نبی ہیں یہ کوئی پیغمبر ہیں مالکِ اشترؒ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ تو نے کیسے سمجھا کہ یہ پیغمبر ہیں اس نے کہا اس لیے کہ ہماری انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ یہاں پر ایک چشمہ ہے اس چشمے کا پتہ صرف پیغمبروں کو ہے اور کسی کو نہیں ہے اور اس چشمے سے تین ہزار پیغمبروں نے پانی پیا ہے اور انجیل میں یہ لکھا ہے کہ آخری بار جو آئے وہ تیری زندگی میں آئے گا تو یہ میری زندگی میں آیا ہے یہ کون سا پیغمبر ہے، علیؑ آگے بڑھے، کہا پیغمبر نہیں پیغمبر کا وصی علیؑ ہوں (سلامت رہو، خدا نظرِ بد سے بچائے تم سب کو، جیو) مالک اشترؒ کہتے ہیں کہ میدان سجا صفین کا اِدھر بھی لشکر اُدھر بھی لشکر تھا سال بھر وہ لڑائی چلی میں حکمِ علیؑ سے لشکر کا سپہ سالار تھا، میں جب صفین کے میدان میں پہنچا تو میرا مولا اس وقت باسٹھ سال کی عمر تک پہنچ چکا تھا لیکن مولا میں مَیں دیکھتا تھا کہ شان وہی ہے لیکن ایک دن اتفاق سے میں اپنے مولا کے خیمے میں چلا گیا اس وقت گیا جو مولا کے کھانا کھانے کا وقت تھا، میں نے دیکھا کہ مولا نے ایک رومال کھول دیا ایک جَو کی روٹی نکالی اس کے چار ٹکڑے کیے اور ایک چھوٹا سا ٹکڑا لے کر پانی میں بھگو کر کھا گئے دوسرے دن بھی دیکھا تیسرے دن بھی دیکھا میں پریشان ہو گیا دیکھو تم لوگ عشق تو کرتے ہو نا علیؑ سے اگر تم خود دیکھتے اپنی آنکھ سے تو تمہارا کیا عالم ہوتا، تم افطاری کرتے ہو دل بھر کر کھانا کھاتے ہو تو تمہیں غذا اور نعمتوں کا پتہ ہے تم وہاں ہوتے تو کیا کرتے، تمہیں عشق ہے نا علیؑ سے، مالک اشترؒ کہتے ہیں جب میں پریشان ہو گیا تو خیمے سے پردہ ہٹا کر باہر نکلا میں نے اپنے پورے لشکر کو پکار کر کہا سب میری بات سنو اگر مولا علیؑ کی غذا اتنی تھوڑی رہ گئی میرے بھائیوں یہ بتاؤ کہ ہم جنگ کیسے جیتیں گے ہم کیسے لڑیں گے اس لیے کہ مولا علیؑ میں طاقت ہی نہ رہے گی تو ہم کو کون لڑائے گا

خدا کے لیے تم سب جاؤ باری باری اور مولا علیؑ سے کہو میرے مولا سے کہو اپنی غذا بڑھائیں مجھ کو نہیں معلوم کہ یہ آواز میری میرے مولا تک پہنچ رہی تھی جب میری تقریر ختم ہوئی پردے کو ہٹا کر میرا مولا خیمے سے برآمد ہوا میں سمجھا آفتاب طلوع ہوا اور ایک بار میرے مولا نے نیزے کو پکڑ کر زمین میں گاڑا اور اس کے بعد پورے لشکر سے کہا سنو ہم نے مالکِ اشترؓ کی تقریر سن لی اب چند جملے میرے سنو، میرے لشکر والو اور یہ کہہ کر مالکِ اشترؓ کو مخاطب کیا کہا سنو! باسٹھ سال کی عمر میں ابوطالبؑ کے بیٹے سے پورا عرب مل کر لڑنے آئے تو علیؑ فاتح رہے گا اکیلے اور یقین کرو جیسا میرے مولا نے کہا تھا میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا اس لیے کہ رات و دن کی جنگ تھی نگرانی میری تھی میمنہ اور میسرہ میرے پاس تھا کبھی میں قلبِ لشکر میں آتا میں لڑتے ہوئے بڑھتا جاتا اور میری تلوار کی تیزی کی دشمن پہ دھاک بیٹھی تھی کہ اگر مالکِ اشترؓ رہ گیا تو ملکِ شام فتح ہو جائے گا اور بنی امیہ کا نام ونشان نہ رہے گا، کتوں کی طرح مخالف لشکر راتوں کو چلاّتا تھا اس لیے اس لڑائی کا نام لیلۃ الحریر پڑ گیا، حریر کہتے ہیں کتوں کے بھونکنے کی آواز کو وہ راتیں جن میں دشمن بھونک رہا تھا بھونکنے کو عربی میں حریر کہتے ہیں لیلۃ الحریر کی لڑائیاں دشمن چیخ رہا تھا سردی پڑ رہی تھی میری تلوار چل رہی تھی ابھی میں تلوار چلاتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا میں نے دیکھا اب میرے مولا نے آ کر میسرے کو سنبھال لیا جب میں نے دیکھا مولا آ گئے تو میں میمنہ کی طرف بڑھا میسرے کی طرف مولا علیؑ بڑھ رہے تھے لیکن اس طرح بڑھ رہے تھے کہ مجھ سے قربت رکھ کر بڑھ رہے تھے یہ نہیں چاہتے تھے کہ فاصلہ ہو جائے بلکہ کاٹتے چھانٹتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، مولا علیؑ کی ذوالفقار چلتی جاتی تھی جنگ کرتے جاتے تھے میں آگے بڑھتا جاتا تھا میرے سامنے جو بھی آتا میں اس کا

سر اڑا دیتا تھا ایک وقت میں پانچ پانچ کے سر اڑ جاتے میرے سامنے جو آتا تلوار چلتی جاتی لیکن میں مڑ کر دیکھتا تو میں عجیب شان مولا کی دیکھ رہا تھا مولا یہ کر رہے تھے ایک کو مارا پھر رُک گئے واپس آ گئے پھر ایک کو مارا آگے بڑھ گئے پھر اِدھر دیکھا ایک کو مارا، دس کو چھوڑا آگے بڑھ گئے بیس کو چھوڑا ایک کو مارا آگے بڑھ گئے بیس کو چھوڑا دس کو مارا ایک کو چھوڑا پچاس کو مارا آگے بڑھ گئے، میں نے کہا مولا یہ کیا، ایسے میں مَیں مولا کے کچھ قریب ہوا اور مڑ کر میں نے مولا سے کہا مولا حدِّ ادب دیکھئے تو میں نے لاشوں کا ڈھیر لگا دیا، کہا ہاں مالکؑ مڑ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے مجھے پتہ ہے کہ تم نے لاشوں کا ڈھیر لگا دیا، میں نے کہا مولا آپ کی طرف تو لاشے کم ہیں آپ رُک رُک کر کیوں لڑ رہے ہیں، علیؑ تلوار چلاتے جاتے تھے اور جواب دیتے جاتے تھے مالکؑ تم تو اندھے بن کر مار رہے ہو میں شجرے دیکھ کر مار رہا ہوں، جس کی نسل میں مومن آنے والا ہے اس کو چھوڑ دیا جہاں کفر ہے اسے مار دیا میرے دوستو مالک اشترؑ کہنے لگے میرے انچولی کے دوستو دیکھیے لقب انہوں نے آپ کو کتنا اچھا دے دیا چہاردہ معصوم کے دوستو کہنے لگے اب بتاؤ میری معرفت کس منزل پر آ گئی، دیکھو جب تک معرفت کی کمی ہوتی ہے تو لوگ مولا کو کسی اور نظر سے دیکھتے ہیں تم لوگ مجھ سے سبق لے لو، مولا پہ تنقید وہی کرتا ہے جس کے دل میں معرفت نہیں ہوتی قریب آؤ مولا کو قریب سے سمجھو پھر کبھی یہ اعتراض پیدا نہیں ہوگا ارے میں بھی یمن سے آیا تھا میں نے مولا کی پوری زندگی کہاں دیکھی تھی میں نے مولا کو دیکھا تو میں دیکھتا ہی رہ گیا میں زرہ پہنے تھا میں خود پہنے تھا میں چار آئینہ پہنے تھا لوہے کے دستانے پہنے تھا اب جو میں نے مُڑ کر دیکھا تو مولا علیؑ ایک باریک کرتا پہنے تھے ہوا میں وہ کرتا علیؑ کا اڑتا تھا نہ زرہ تھی نہ بکتر میں نے کہا مولا ارے یہ قیامت کی لڑائی زرہ تو پہن لیجیے تو

میرے مولا نے کہا مالکِ اشترؒ زرہ پہن کر کیا کروں کسی کی مجال ہے کہ میرے سامنے سے آ کر حملہ کرے تو میں نے کہا مولا سامنے سے تو آپ کے کوئی نہیں آئے گا اگر پشت سے آ کر کسی نے نیزہ مار دیا تو کیا ہوگا، کہا تو اس دن کے لیے اللہ مجھے زندہ نہ رکھے کہ جب پشت پر سے کوئی آ جائے، علیؑ جیسے سامنے دیکھتا ہے ویسے ہی پیچھے دیکھتا ہے مالک اشتر کہتے ہیں صفّین میں مولا علیؑ کی جنگ یادگار تھی، آخری دن تھا صفین کا دشمن شکست کھا گیا میں نے میدان فتح کر لیا مولا علیؑ خیمے میں تھے یہاں تک کہ دشمن ہتھیار چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگا اور میں معاویہ کے خیمے تک پہنچا قریب تھا کہ میں خیمے میں داخل ہو کر اس کا سر اڑا دوں کہ پیچھے سے آ کر قاصد نے کہا مالکِ اشترؒ تلوار روکو، تلوار تو میری معاویہ کے سر پر تھی یہ میری امتحان کی گھڑی تھی تلوار چلے اور سر کٹ جائے اور قصہ ختم ہو جائے شر اور فتنہ ختم ہو جائے اب بتاؤ میں کہاں تھا ایک طرف مولا کا حکم تھا دوسری طرف دشمن کا خاتمہ تھا بتاؤ میں کدھر جاؤں علیؑ کے دشمن کو مار ڈالوں یا امام کا حکم مانوں، اِدھر امام کا حکم تھا، اُدھر دشمن کا قتل تھا، بتاؤ مالکؒ کہاں ہے تم ہی بتاؤ میں کیا کرتا میں نے کہا چند لمحے فتح قریب ہے مجھے نہ روکا جائے تمہیں معلوم ہے کیا ہوا تھا خیمے میں خیمے میں یہ ہوا تھا ہم تو لڑنے میں لگے تھے عَمرِ عاص سے معاویہ نے کہا تھا مجھے بچاؤ ورنہ لشکر کا خاتمہ ہو جائے گا عمرِ عاص عیار تھا مکار اس نے کہا نیزوں پہ قرآن چڑھا دو اور علیؑ سے پکار کر کہو ہمارے تمہارے درمیان قرآن ہے، قرآن پر فیصلہ کر لیں، علیؑ کا لشکر بگڑ جائے گا قرآن دیکھ کر تو قرآن کا احترام کریں گے ایسے میں معاویہ نے کہا قرآن کہاں سے آئیں گے، کہا قرآن کی کیا ضرورت ہے اینٹیں جزدان میں لپیٹ کر اس کو قرآن کہہ دو کون انکار کرے گا کہ یہ قرآن نہیں ہے، کوئی پڑھنے آ رہا ہے، کوئی کھول کر دیکھنے آ رہا ہے، کپڑے میں اینٹیں باندھ کر نیزوں

میں باندھی گئیں، لشکر نے پکار پکار کر کہا علیؑ والو قرآن اس میں ہے چھوڑ دو ہماری جان، ہم مسلمان ہیں قرآن ہے بیچ میں، بیس ہزار کا لشکر الگ ہوا تلوار کھینچ کر علیؑ کے خیمے میں آ کر علیؑ کو گھیر لیا، تلواریں علیؑ کے چہرے کے سامنے نچا نچا کر کہا ہم تم کو اس طرح ماریں گے جیسے ہم نے عثمان کو مارا ہے لشکر کو واپس بلایئے ورنہ ہم آپ کو قتل کر دیں گے، (سُنی ہے صفین کبھی مالکِ اشترؑ سنا رہے ہیں واقعات چشم دید ہیں) مالکِ اشتر کہتے ہیں بھئی تم بتاؤ میں کیا کرتا میں نے سوچا اگر تلوار میں نے چھوڑی تو لوگ کہیں گے کہ تم نے فتح ہوتے ہوتے علیؑ کے ساتھ غداری کی لیکن میں نے سوچا کہ امام کی خوشنودی امام کے حکم کے خلاف کیا تو میری آخرت خراب ہو جائے گی دنیا نہیں ملتی تو نہ ملے میرا امام تو راضی رہے، میرا امام بلا رہا ہے کہ جا کر تو دیکھو کیا ہوا میں نے تلوار روکی لیکن سپاہیوں سے کہا لڑتے رہنا جب تک میں دوبارہ نہ آ جاؤں وہ لڑتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے میں واپس آیا علیؑ کے خیمے میں آیا تم سوچ سکتے ہو میں نے کیا منظر دیکھا مالکِ اشترؑ کا چہرہ تو دیکھو اس لیے کہ اس لمحے کو ان کی آنکھوں نے وہ منظر محفوظ کیا تم سن سکو گے ذرا دل مضبوط کرو پھر مالکِ اشترؑ کے جملے سنو مالکؑ کہتے ہیں میں خیمے میں آیا تو میں نے بیس ہزار آدمی دیکھے جن کی لمبی داڑھیاں تھیں، پیشانیاں سجدے سے سیاہ ہو رہی تھیں میں ان کو پہچان گیا یہ کون تھے جو علیؑ کو قتل کر دینے پہ تیار تھے جن کو معاویہ نے رشوت بھیجی تھی کہ جاؤ علیؑ کو قتل کر دو ہم قرآن کو نہیں مانتے، لڑائی تو رک گئی وہ لوگ پہچانے گئے تاریخ میں لمبی داڑھی اور سجدے کے نشان والوں کو تاریخ نے کہا خارجی تھے اور یہ جو صفین سے نکلے تو بغل میں قرآن لٹکا کے تبلیغ کرتے ہوئے نکلے پہچان گئے مالکؑ کہتے ہیں کہ اگر میں واپس نہ آتا تو یہ دشمن کیسے پہچانا جاتا جانے میرے مولا پر حملہ کر دیتے اور کہا جاتا کہ بلوے میں سب

کچھ ہو گیا لیکن ضروری تھا کہ یہ ٹوٹ کر الگ ہوں اور پھر کسی میدان میں یہ ٹکرائیں اور پھر وہ ٹکرائے اور میں نے دیکھا کہ مولا نے نہروان میں خطبہ دیا خطبہ دے کر کہا ہم تمہیں پہچانتے ہیں ہم تمہیں جانتے ہیں تمہارا نطفہ کہاں ٹھہرا تم کس شجرے کے ہو اور آؤ تمہاری ولدیتیں بتائیں تو ایسے میں مالک اشترؓ کہتے ہیں کہ دریا پار کرتے کرتے سب کو کشتیوں سے اتارتے اتارتے کسی نے کہا شام ہو جائے گی یہ تازہ دم ہیں ہم ان سے لڑیں گے کیسے رات کو لڑائی کیسے ہوگی دن تو چڑھا ہوا تھا پورا دن کشتیوں پر ڈھوتے ڈھوتے لشکر کو ہو جائے گا علیؑ نے کہا مالکؓ ابھی سورج چڑھے گا اور لشکر دریا کے پار ہو جائے گا لشکر ابھی اُترے گا بھی نہیں کہ علیؑ فتح پائے گا لڑائی ہوگی فتح ہوگی مالک اشترؓ کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر علیؑ آگے بڑھے خطبہ دیا اور خطبہ دے کر کہا گھبرانا نہیں یہ تیرہ ہزار ہیں ان تیرہ ہزار میں سے کل تیرہ بچیں گے ہمارے لشکر سے کل تیرہ مارے جائیں گے جو لشکر والے ان کے مارے جائیں گے ان کے نام یہ ہیں یہ ہیں یہ ہیں ان کی ولدیتیں یہ ہیں یہ ہیں، مالک اشترؓ کہتے ہیں یہ کہہ کر علیؑ نے تلوار کھینچی اور میں بھی علیؑ کے ساتھ تھا سورج نہیں ڈوبا تھا کہ لڑائی ختم ہوگئی میدان میں لاشے ہی لاشے تھے اور پھر ہم نے دیکھا کچھ لوگ بھاگ رہے تھے علیؑ نے کہا انہیں پکڑو جو بھاگ رہے ہیں سب مارے گئے علیؑ نے کہا ان کو شمار کرو، گنتی کرو، مالک اشترؓ کہتے ہیں میں نے گِنا تیرہ آدمی تھے اچھا نام پوچھو نام پوچھا گیا ان کی ولدیتیں پوچھو قبیلہ پوچھو عبداللہ ابنِ عباس کہتے ہیں کہ میں حیران ہو گیا میں نے تو نام لکھ لیے تھے ولدیتیں لکھ لی تھیں سب کچھ صحیح بتایا انہوں نے پھر مولا نے کہا ہمارے جو مارے گئے ہیں بارہ تیرہ آدمی ان کی لاشیں لاؤ دیکھو جو نام میں نے بتائے تھے وہی مارے گئے نا، مالک اشتر کہتے ہیں پھر ابنِ عباسؓ نے بیان کیا کہ حنین کی لڑائی تھی اسلام کی آخری لڑائی

حضورؐ کی زندگی میں لڑائی ختم ہوئی سارے مسلمان آئے مالِ غنیمت لینے رسولؐ اللہ نے مالِ غنیمت تقسیم کرنا شروع کیا جھگڑے شروع ہوئے اس کو زیادہ دیا اس کو کم دیا ایسے میں ایک شخص آ کر رسولؐ اللہ سے بدتمیزی کرنے لگا یہ مکے والوں کو اتنا کیوں دیا اور ہمیں کیوں نہیں دیا رسولؐ اللہ نے چہرہ اٹھا کر اسے سر سے پیر تک دیکھا کہا عمار علیؑ کو بلاؤ مولا آئے کہا علیؑ ذرا اس کی آستین کو کھولو، کہا بازو تک اس کی آستین ہٹاؤ اب جو آستین ہٹی تو سب نے دیکھا عجیب سے عجیب تر ایک تھیلی نما الگ سے جیسے گائے کا تھن ایک ٹکڑا لٹکا ہوا تھا، کہا اس کو باہر نکالو علیؑ نے اُسے باہر نکال دیا، پھر رسولؐ اللہ نے علیؑ سے کہا علیؑ ایک لشکر نہروان کے کنارے تم سے لڑنے آئے گا اس لشکر کے باطل ہونے کی پہچان یہ ہوگی یہ اس لشکر میں مارا جائے گا اس وقت تم حق پر ہو گے، نہروان کی لڑائی ختم ہوگئی تیرہ پکڑے گئے جو بچے تھے اور سارے مارے گئے ایک بار علیؑ نے کہا مالک اشترؒ لاشوں کو الٹتے جاؤ الٹتے جاؤ اور دیکھنا جس کا گائے کے تھن کی طرح گوشت کا لوتھڑا بازو پر لٹکا ہوا اس کی لاش لاؤ، (تقریر ختم ہوگئی) مالک اشترؒ سب جگہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر آئے علیؑ نے کہا ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ نہ ملے رسولؐ اللہ نے کہا ہے علیؑ تیر لے کر ہاتھ میں چلے اور ایک ایک لاش کو پیر سے الٹتے جاتے تھے اور تیر سے ہٹا ہٹا کر کپڑا دیکھتے جاتے تھے چلتے چلتے ایک جگہ ایک لاش کو الٹا آستین سے اس کے گوشت کا ٹکڑا باہر آیا علیؑ نے پکار کر کہا یا رسولؐ اللہ آپ نے سچ فرمایا تھا، رسولؐ اللہ نے خدا کی قسم جو کہا تھا تصدیق ہوگئی، رسولؐ کی سچائی کا سب سے بڑا معجزہ علیؑ ہیں جگہ جگہ علیؑ رسولؐ اللہ کی پیشین گوئیوں کو بیان کر کے صداقتِ رسولؐ پر علیؑ ولی اللہ کی مہریں لگاتے گئے (کچھ کہا میں نے تقریر ہوگئی) جس پر علیؑ ولی اللہ کی مہر نہ لگے وہ صداقت محمد کا ثبوت کا کاغذ نہیں ہے کہاں ہیں کس کے پاس ہے علیؑ ولی

اللہ کی مہر رسولؐ اللہ کی سچائی رسالت کی سچائی نبوت کی سچائی تو شبِ ۱۹ رمضان کی خبر بھی رسولؐ اللہ دے گئے تھے، علیؑ نے وہ رات بھی دیکھی، علیؑ نے مسجدِ کوفہ میں منبرِ سلونی سے امام حسنؑ کو مخاطب کر کے پوچھا رمضان کی کتنی راتیں گزر چکیں بے اختیار کہتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے کہ کہاں ہے قبیلہ بنی مراد کا وہ بد بخت انسان ابنِ ملجم کہ جو میری داڑھی کو محرابِ مسجد میں خون سے لال کرے گا اور وہ دن آ گیا علیؑ زخمی حالت میں اپنے گھر میں لائے گئے، تمہارے لیے دعائیں، تم سلامت رہو، تمہارے گھر آباد رہیں ظاہر ہے کہ شبِ شہادت ہے تفصیلی دعا نہیں ہو سکتی یہی دعا ہے کہ تابوت کو کاندھا دینا شبیہ تابوت کا سایہ تمہارے سر پر ہو جائے گا یہی ہیں برکتیں ہم تو ان ہی چیزوں سے برکتیں لیتے ہیں اور صدیاں گزر گئیں ان ہی چیزوں کا احترام کرتے ہیں، عزاداری ہے یہی عزائے مولا اُنیس کا دن گزر گیا بیس کا دن گزر گیا شام آئی تو کہا بار بار حسنِ مجتبیٰؑ سے جتنے بھی لوگ باہر ہیں اگر وہ آنا چاہیں تو آہستہ آہستہ کچھ لوگوں کو آنے دو جو میرا چہرہ دیکھنا چاہتے ہیں باہر اصبغ ابنِ نباتہ تڑپ رہے تھے مجھے ایک بار مولا سے بات کرا دیجئے شہزادے اصبغ ابنِ نباتہ کو امام حسنؑ لائے، کہا آپ سے فضائل سننا چاہتا ہوں کہا اصبغ ابنِ نباتہ اس وقت بھی علیؑ تمہیں اپنے فضائل سنائے گا اصبغ بنِ نباتہ نے پوچھا آپ انبیاء سے افضل کس طرح ہیں علیؑ نے آیت پڑھ کر بتایا میں آدمؑ سے افضل ہوں، میں ابراہیمؑ سے موسیٰؑ، عیسیٰؑ سے افضل ہوں یہ زخمی علیؑ کچھ دیر کے بعد رات کافی ہو چکی تھی کانوں میں رونے کی آواز آئی کہا حسنِ مجتبیٰؑ یہ باہر کون روتا ہے کہا تین دن سے قنبرؓ ڈیوڑھی سے لپٹے ہوئے ہیں، کہا قنبرؓ کو بلاؤ بیٹا حسنؑ قنبرؓ کو بلاؤ، قنبرؓ آئے سر سے پیر تک قنبرؓ کو دیکھا کہا قنبرؓ میرے بعد میری محبت میں حجاج بن یوسف تیرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرے

گا کیا حال ہوگا تیرا، کہا مولا ستّر بار مار کے دوبارہ پھر جلایا جائے اور خاک کو ہوا میں اڑایا جائے اور پھر جلایا جائے مجھ سے کہا جائے محبتِ علیؑ چھوڑ دو قنبرؒ کبھی محبتِ علیؑ نہیں چھوڑ سکتا، رو رہے ہیں دھاڑیں مار کر، کیا عشق کیا ہے ان لوگوں نے علیؑ سے، کیا محبتیں کیں ہیں اور ہمیں سبق دے گئے کہ معرفت کی محبت کیا ہے، بیٹوں کو آواز دی سب بیٹے آئے حسنِ مجتبیٰؑ کو پہلو میں بٹھایا سب بیٹوں کے ہاتھ حسنؑ کے ہاتھ میں دیئے، کہا احترام کرنا یہ تمہارا بڑا بھائی بھی ہے تمہارا امام بھی ہے میں نے حسنؑ کو اپنا جانشین، اپنا امام، اپنا خلیفہ بنایا ہمیشہ ان کی اطاعت کرنا، ایک ایک بھائی نے ادب کے ساتھ مولا کو سلامی دی، علیؑ کے سب بیٹے الگ ہٹے ایسے میں بھیگتی رات میں کسی بی بی کے رونے کی آواز آئی چونک کر کہنے لگے زینبؑ یہ تو گھر میں کوئی روتا ہے کون ہے زینبؑ نے ادب سے کہا مادرِ گرامی ام البنینؑ رو رہی ہیں کہا بلاؤ ام البنینؑ کو علیؑ کے پاس لاؤ، بالوں کو بکھرائے ہوئے سر پہ خاک پڑی ہوئی ام البنینؑ آئیں، علیؑ نے کہا ام البنینؑ میں ابھی زندہ ہوں رونے کا کیا سبب، کہا میرے والی، میرے سرتاج سب بیٹوں کو آپ نے حسنِ مجتبیٰؑ کے حوالے کیا میرے عباسؑ سے کیا خطا ہوئی، کہا ٹھہر جاؤ میرے پاس آؤ حسینؑ کو بلاؤ حسینؑ آئے پہلو میں حسینؑ کو بٹھایا اب میرے بیٹے عباسؑ کو بلاؤ، عباسؑ آئے عباسؑ کا ہاتھ لے کر حسینؑ کے ہاتھ میں دیا کہا عباسؑ خیال رکھنا یہ تمہارا امام ہے اس کی حفاظت کرنا بس یہ منظر جو دیکھا تو ام البنینؑ چپ ہوگئیں لیکن زینبؑ کی آنکھ میں آنسو آئے، ایک بار کہا زینبؑ میرا علَم لاؤ علَم آیا کہا زینبؑ علَم سجاؤ، زینبؑ نے علَم سجایا کہا یہ اپنے ہاتھ سے عباسؑ کے ہاتھ میں دو، زینبؑ آگے بڑھیں علَم عباسؑ کو دیا مولا علیؑ نے فرمایا دیکھا ام البنینؑ تیرا بیٹا کربلا کا علَم دار بن گیا، ماتمِ حسینؑ، یا علیؑ مولا، حیدرؑ مولا

حضرت رسالتمآبؐ کے
وہ جلیل القدر اصحاب جنھوں نے
امیر المومنینؑ کی معیّت میں صفّین میں جنگ کی

ہم ذیل میں پیغمبرؐ کے اُن جلیل القدر اصحاب کے اسما گرامی درج کرتے ہیں جنھوں نے جنگ صفّین میں امیر المومنینؑ کی حمایت میں معاویہ سے جنگ کی ان اصحاب میں ستّر یا اسّی وہ عظیم المرتبت صحابہ کبار بھی تھے جنھیں جنگِ بدر میں شرکت کا شرف حاصل تھا اور جن کے متعلق جمہور اسلام کا عقیدہ ہے وہ سب کے سب جنّتی ہیں شاہ محمد علی حیدر کاکوروی لکھتے ہیں:-

''اصحاب بدر وہ عظیم المرتبت گروہ ہے جس کے علوئے مرتبت کی اطلاع خود آنحضرت کو دی گئی حدیث صحیح ہے:-

اِنّ اللہ اطلع علی اھل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم

نیز کلام مجید خود بایں الفاظ ناطق ہے۔

فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم وما رمیت ولکن اللہ رمیٰ

حضرت عمر تو ان لوگوں کو حقدارِ خلافت بھی سمجھتے تھے۔عبد الرحمان ابن انبری

حضرت عمر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ امر خلافت اہلِ بدر کا حق ہے جب تک کہ ایک بھی اُن میں باقی ہے دوسرا حقدار نہیں پھر اہلِ اُحد اس منصب کے لائق ہیں تاوقتیکہ ان میں سے ایک بھی رہے دوسرے کو نہ ملنا چاہیئے۔ پھر دیگر مہاجرین و انصار ہیں۔ لیکن طلیق بن طلیق اور مسلمانانِ فتح مکہ کا اس خلافت میں کوئی حق نہیں''۔ (اسد الغابہ ذکر معاویہ، ۳۷۶ و ۳۷۷)

۱۔ اسید بن ثعلبۃ الانصاری (بدری)

۲۔ ثابت بن عبید الانصاری (بدری) آپ جنگِ صفین میں شہید ہوئے۔

۳۔ ثعلبہ بن قیظی بن صخر الانصاری (بدری)

۴۔ جبر بن انس بن ابی زریق (بدری)

۵۔ جبلہ بن ثعلبہ انصاری خزرجی (بدری)

۶۔ حارث بن حاطب بن عمرو الانصاری الاوسی (بدری)

۷۔ حارث بن نعمان بن اُمیہ الانصاری الاوسی (بدری)

۸۔ حصین بن حارث بن مطلب قریشی (بدری)

۹۔ خالد بن زید بن کلیب ابوایوب انصاری (بدری)

۱۰۔ خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین انصاری اوسی (بدری) (جنگِ صفین میں شہید ہوئے)

۱۱۔ خلیفہ یا علیفہ بن عمرو البیاضی (بدری)

۱۲۔ خویلد بن عمرو الانصاری اسلمی (بدری)

۱۳۔ ربعی بن عمرو انصاری (بدری)

۱۴۔ رفاعہ بن رافع بن مالک انصاری خزرجی (بدری)

۱۵۔ زید بن اسلم بن ثعلبہ بن عدی البلوی (بدری)

۱۶۔ جابر بن عبداللہ بن عمرو الانصاری السلمی (بدری)

۱۷۔ خباب بن الارت ابوعبداللہ التمیمی (بدری)

۱۸۔ سہل بن حنیف بن واہب الانصاری الاوسی (بدری)

۱۹۔ سماک بن اوس بن خرشۃ الانصاری الخزرجی (بدری)

۲۰۔ صالح الانصاری (بدری)

۲۱۔ عبداللہ بن عتیک الانصاری (بدری)

۲۲۔ عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ ابومسعود الانصاری (بدری)

۲۳۔ عمار یاسر (بدری) (آپ صفین میں شہید ہوئے۔

۲۴۔ عمرو بن انس الانصاری الخزرجی (بدری)

۲۵۔ عمرو بن حمق الخزاعی الکعبی (بدری)

۲۶۔ قیس بن سعد بن عبادہ الانصاری الخزرجی (بدری)

۲۷۔ کعب بن عامر السعدی (بدری)

۲۸۔ مسعود بن اوس بن اصرم الانصاری (بدری)

۲۹۔ ابوالہیثم مالک بن تیہان بلوی (بدری) آپ صفین میں شہید ہوئے۔

۳۰۔ ابوحبہ عمرو بن غزیہ (بدری)

۳۱۔ ابوعمرہ بشر بن عمرو بن محصن الانصاری (بدری) آپ صفین میں شہید ہوئے۔

۳۲۔ ابوفضالۃ الانصاری (بدری)، جنگِ صفین میں شہید ہوئے۔

۳۳۔ ابومحمد الانصاری (بدری)

۳۴۔ ابوبردہ ہانی بن نیار یا نمر (بدری)

۳۵۔ ابوالسیر کعب بن عمرو بن عباد الانصاری اسلمی (بدری)

۳۶۔ اسود بن عیسیٰ تمیمی

۳۷۔ اشعث بن قیس کندی (جنگِ صفین میں میمنہ کا سردار)

۳۸۔ انس بن مدرک ابوسفیان الخثعمی۔

۳۹۔ احنف بن قیس ابو بحر تمیمی سعدی۔

۴۰۔ اعین بن ضبیعۃ الحنظلی (جنگ صفین میں ایک رسالہ کے افسر تھے)

۴۱۔ برید الاسلمی (جنگِ صفین میں شہید ہوئے) ان کے متعلق امیر المومنینؑ نے یہ اشعار فرمائے تھے:-

جزى الله خيراً عصبة اسلمية

حسان الوجوه صرعوا حول هاشم

بريد و عبدالله منهم و منقذ

و عروة ابنا مالك فى الاكارم

(خداوندا عالم اسلمی جماعت کو جزائے خیر عنایت فرمائے جو خوبصورت چہروں والے ہیں جو ہاشم کے اِردگرد عروسِ شہادت سے ہمکنار ہوئے۔ برید اور عبداللہ اور انھیں میں سے منقذ اور عروہ مالک کے دونوں فرزند بھی ہیں جن کا شمار معززین و شرفا میں ہوتا ہے۔

۴۲۔ براء بن عازب انصاری خزرجی

۴۳۔ بشر یا بشیر بن ابی زید الانصاری

۴۴۔ بشر بن ابی مسعود الانصاری۔

۴۵۔ ثابت بن قیس بن الخطیم الانصاری۔

۴۶۔ جاریہ بن زید (جنگِ صفین میں شہید ہوئے)

۴۷۔ جاریہ بن قدامہ بن مالک تمیمی سعدی۔

۴۸۔ جبلہ بن عمرو بن ثعلبہ الانصاری۔

۴۹۔ جبیر بن حباب بن منذر انصاری۔

۵۰۔ جندب بن زہیر الازدی الغامدی (یہ امیر المومنینؑ کے افسر فوج تھے)

۵۱۔ جندب بن کعب عبدی ابو عبداللہ الازدی الغامدی۔

۵۲۔ حارث بن عمرو بن حزام الانصاری الخزرجی۔

۵۳۔ حازم بن ابی حازم الاحمسی (جنگ صفین میں شہید ہوئے)

۵۴۔ حبشی بن جنادۃ بن نصر سلولی۔

۵۵۔حجاج بن عمرو بن عزیہ الانصاری۔

۵۶۔حجر بن عدی کندی جو حجر الخیر کے نام سے مشہور ہیں۔(جنگِ صفین میں افسرِ فوج تھے)۔

۵۷۔ حجر بن یزید بن سلمہ الکندی۔

۵۸۔ حنظلہ بن نعمان الانصاری۔

۵۹۔ حیان بن ابجر کنانی۔

۶۰۔ خالد بن ابی خالد الانصاری۔

۶۱۔ خالد بن ابی دجانہ انصاری۔

۶۲۔ خالد بن معمر بن سلیمان السدوسی۔

۶۳۔ خالد بن ولید الانصاری۔

۶۴۔ خوشہ بن مالک بن جریر الاودی۔

۶۵۔ رافع بن خدیج بن رافع الانصاری الخزرجی الحارثی۔

۶۶۔ ربیعہ بن قیس العدوانی۔

۶۷۔ ربیعہ بن مالک بن وہیل النخعی۔

۶۸۔ زبید بن عبد خولانی۔(یہ جنگِ صفین میں پہلے معاویہ کے ساتھ تھے

اور اُس کی فوج کے علمدار تھے جب جناب عمار شہید ہو گئے تو پیغمبر کی حدیث عمار ''تقتله الفئة الباغیه'' عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا کے پیشِ نظر امیر المومنینؑ کے لشکر میں چلے آئے۔

۶۹۔ زیاد بن ارقم بن زید بن قیس کعبی خزرجی۔

۷۰۔ زید بن جاریۃ الانصاری۔

۷۱۔ زیاد بن حنظلہ تمیمی۔

۷۲۔ زید بن جبلہ یا حبلہ۔

۷۳۔ سعد بن حارث بن صمۃ الانصاری (جنگِ صفین میں شہید ہوئے)۔

۷۴۔ سعد بن مسعود الثقفی جناب مختار کے چچا تھے۔

۷۵۔ سلیمان بن صرد بن ابی الجون ابوالمطرف الخزاعی۔

۷۶۔سلیمان بن صرد بن ابی الجون ابوالمطرف الخزاعی۔

۷۷۔ سہیل بن عمرو الانصاری (جنگِ صفین میں شہید ہوئے)

۷۸۔ شبث بن ربعی تمیمی یربوعی ابوعبدالقدوس۔

۷۹۔ شبیب بن عبداللہ بن شکل مذحجی۔

۸۰۔ شریح بن ہانی بن یزید بن نہیک ابوالمقدام الحارثی۔

۸۱۔ شیبان بن محرث۔

۸۲۔ صدی بن عجلان بن الحارث ابوامامہ باہلی۔

۸۳۔ صعصعہ بن صوحان عبدی۔

۸۴۔ صفر بن عمرو بن محصن (جنگِ صفین میں شہید ہوئے)

۸۵۔ صیفی بن ربعی بن اوس۔

۸۶۔عائذ بن سعید بن زید بن جندب المحاربی الجسری (صفین میں شہید ہوئے)

۸۷۔ عائذ بن عمرو الانصاری۔

۸۸۔ عامر بن واثلہ بن عبداللہ ابوالطفیل اللیثی۔

۸۹۔ عبداللہ الاسلمی (جنگِ صفین میں شہید ہوئے) یہ منجملہ ان لوگوں کے ہیں جن کی امیر المومنینؑ نے مدح فرمائی ہے۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں حضرت کے اشعار ہم نے ذکر کیے ہیں۔

۹۰۔ عبداللہ بن بدیل ورقاء خزاعی۔ (جنگِ صفین میں شہید ہوئے)

۹۱۔ عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب (صفین میں امیر المومنینؑ کے میسرۂ لشکر کے افسر تھے)۔

۹۲۔ عبداللہ بن خراش ابویعلی الانصاری۔

۹۳۔ عبداللہ بن خلیفۃ بولانی طائی۔

۹۴۔ عبداللہ بن ذیاب بن الحارث المذحجی۔

۹۵۔ عبداللہ بن طفیل بن ثور بن معاویہ بکائی۔

۹۶۔ عبداللہ بن کعب مرادی (جنگِ صفین میں شہید ہوئے)، یہ بزرگوار امیر المومنینؑ کے اکابر اصحاب سے تھے۔

۹۷۔ عبداللہ بن یزید الخطمی الانصاری الاوسی۔

۹۸۔ عبدالرحمٰن بن بدیل بن ورقاء خزاعی (جنگِ صفین میں)

۹۹۔ عبدالرحمٰن بن حسل الجمعی (جنگِ صفین میں شہید ہوئے)

۱۰۰۔ عبید بن خالد السلمی۔

۱۰۱۔ عبداللہ بن سہیل الانصاری۔

۱۰۲۔ عبید بن عازب، براء بن عازب کے بھائی۔

۱۰۳۔ عبید بن عمرو السلمانی۔

۱۰۴۔ عبد خیر بن یزید بن محمد الہمدانی (امیرالمومنینؑ کے اکابر صحابہ میں سے تھے)۔

۱۰۵۔ عدی بن حاتم بن عبداللہ بن سعد الطائی

۱۰۶۔ عروہ بن زید الخیل الطائی۔

۱۰۷۔ عروہ بن مالک اسلمی (جنگِ صفین میں شہید ہوئے) یہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جن کی امیرالمومنینؑ نے اپنے اشعار میں مدح فرمائی ہے۔

۱۰۸۔ عقبہ بن عامر سلمی۔

۱۰۹۔ علاء بن عمرو الانصاری۔

۱۱۰۔ علیم بن سلمۃ الفہمی۔

۱۱۱۔ عمرو بن بلال۔ یہ بزرگ مہاجر بھی تھے۔

۱۱۲۔ عمیر بن حارثۃ اللیثی۔

۱۱۳۔ عمیر بن قرہ سلمی۔

۱۱۴۔ عمار بن ابی سلامۃ بن عبداللہ بن عمران۔

۱۱۵۔ عوف بن عبداللہ بن احمر ازدی۔

۱۱۶۔ فاکہ بن سعد بن جبیر الانصاری الاوسی الخطمی (جنگِ صفین میں شہید ہوئے)

۱۱۷۔ قیس بن ابی قیس انصاری۔

۱۱۸۔ قیس بن مکشوح ابوشداد المرادی (جنگِ صفین میں شہید ہوئے)

۱۱۹۔ قرظہ بن کعب بن ثعلبہ بن عمرو انصاری خزرجی۔

۱۲۰۔ کرامہ بن ثابت الانصاری۔

۱۲۱۔ کعب بن عمر ابوزعنہ۔

۱۲۲۔ کمیل بن زیاد نخعی (کہا جاتا ہے کہ پیغمبرؐ کی زندگی کے ۱۸ سال انھوں

نے دیکھے یہ بہت معزز و محترم اور ثقہ بزرگ تھے)۔ اصابہ جلد ۳، ص ۳۱۸۔

۱۲۳۔ مالک بن حارث بن عبد یغوث نخعی مشہور بہ اشتر۔

۱۲۴۔ مالک بن عامر بن ہانی بن خفاف الاشعری۔

۱۲۵۔ محمد بن بدیل بن ورقاء خزاعی (جنگِ صفین میں شہید ہوئے)

۱۲۶۔ محمد بن جعفر بن ابی طالب الہاشمی (جنگِ صفین میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے)۔

۱۲۷۔ مخنف بن سلیم بن حرث بن عوف بن ثعلبہ ازدی غامدی۔ (جنگِ صفین میں قبیلہ ازد کے علمدار تھے)۔

۱۲۸۔ معقل بن قیس ریاحی تمیمی یربوعی۔

۱۲۹۔ مغیرہ بن نوفل بن حرث بن عبد المطلب ہاشمی۔

۱۳۰۔ منقذ بن مالک اسلمی، عروہ بن مالک کے بھائی (جنگِ صفین میں شہید ہوئے)۔

۱۳۱۔ مہاجرین خالد بن ولید مخزومی (جنگِ صفین میں شہید ہوئے)۔

۱۳۲۔ نضلہ بن عبید الاسلمی ابو بریزہ۔

۱۳۳۔ نعمان بن عجلان بن نعمان الانصاری الرزقی۔

۱۳۴۔ ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص المرقال (امیر المومنینؑ کے علمدارِ لشکر تھے، جنگِ صفین میں شہید ہوئے)۔

۱۳۵۔ ہبیرہ بن نعمان بن قیس بن مالک بن معاویہ جعفی۔ (امیر المومنینؑ کے سردارِ لشکر تھے)۔

۱۳۶۔ وداعہ بن ابی زید الانصاری۔

۱۳۷۔ یزید بن حویرث الانصاری۔

۱۳۸۔ یزید بن طعمۃ بن جاریہ بن لوذان الانصاری الخطمی۔

۱۳۹۔ یعلی بن اُمیہ بن ابی عبیدہ بن ہمام بن حرث تمیمی حنظلی۔

۱۴۰۔ یعلی بن عمیر بن یعمر حارثہ بن عبید نہدی۔

۱۴۱۔ ابوشمر بن ابرہۃ بن شرجیل بن ابرہۃ بن الصباح الحمیری (جنگِ صفین میں شہید ہوئے)۔

۱۴۲۔ ابولیلی الانصاری، عبدالرحمٰن کے والد۔

۱۴۳۔ ابوجحیفہ السوائی۔

۱۴۴۔ ابوعثمان الانصاری۔

۱۴۵۔ ابوالورد بن قیس بن فہر الانصاری۔

اِس فہرست کے دیکھنے سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ گروہِ صحابہ حضرت علی علیہ السلام کی طرف تھا۔ معاویہ کو لوگ باغی سمجھتے تھے۔ اصحابِ بدر کے اجماع سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ (الغدیر جلد نہم، ص ۳۶۲ تا ۳۶۸۔ وسیرۃ علویہ شاہ محمد علی حیدر کاکوروی صفحہ ۳۷۴ تا ۳۷۶)

حالاتِ زندگی اصحابِ امیر المومنین
حضرت علی علیہ السّلام

حُجر بن عدی

حُجر بن عدی الکندی:

حُجر نام، کنیت ابوعبدالرحمن، کندہ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے:-

"عمر بن عدی بن معاویہ بن حیلہ بن عدی بن ربیعہ بن معاویہ الاکرین الحارث بن معاویہ بن الحارث بن معاویہ بن ثور بن برزخ بن معاویہ بن کندہ الکندی"۔

کوفے کے سر برآوردہ اصحاب اور روٴسا میں آپ کا شمار ہے، تاریخ میں حجر الخیر کے نام سے مشہور ہیں، حجر الادیر بھی آپ کو کہا جاتا ہے جس کی وجہ موٴرخین لکھتے ہیں کہ ان کے والد عدی نے ایک مرتبہ پشت پھیرتے ہوئے نیزے کا وار کیا تھا اس وقت سے ان کا لقب الادیر ہو گیا۔

اسلام:

حُجر بن عدی کے زمانہ اسلام کی تعین میں تاریخ خاموش ہے صرف اتنا ملتا ہے کہ آپ اپنے بھائی ہانی بن عدی کے ہمراہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ موٴلف ''سیر الصحابہ'' لکھتے ہیں۔

''اغلب یہ ہو کہ ۹ ھ میں اسلام کے شرف سے مشرّف ہوئے ہوں گے کیونکہ اسی سنہ میں کندہ کا وفد مدینے آیا تھا اس میں حجر بھی تھے''

(سیر الصحابہ حصہ ۷ صفحہ ۴۶)

حُجر بن عدی کی اسلامی عظمت:

حجر بن عدیؓ کا شمار ان اصحاب میں ہے جو اپنے علم و تقویٰ اور زہد و تقدس میں نمایاں مقام رکھتے ہیں ان کے صحابیِ رسولؐ ہونے پر تمام اربابِ سیر و رجال کا اتفاق ہے۔ علامہ ابنِ اثیر جزری لکھتے ہیں۔

حُجر بن عدی اپنے بھائی ہانی بن عدی کے ہمراہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور جنگِ قادسیہ میں شریک تھے۔ فضلا و صحابہ میں سے تھے۔

(اسد الغابہ، جلد اوّل ۲۸۵، اصابہ ۱/۳۹۴)

(۲) علامہ ابنِ کثیر اپنی مشہور کتاب ''البدایہ والنہایہ'' میں لکھتے ہیں:-

محمد بن سعد نے صحابہ کے طبقہ رابعہ میں آپ کا ذکر کیا ہے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ نیز طبقہ اول میں ان کو تابعینِ اہلِ کوفہ

سے لکھا ہے۔ (البدایہ والنہایۃ ۸ / ۵۰)

علامہ ابن عبد البر مکی لکھتے ہیں:-

کان حجر من فضلاء الصحابة و صغر من عن کبارهم

''حُجر بن عدی فضلاءِ صحابہ میں سے تھے اگرچہ سن کے لحاظ سے وہ کبار صحابہ سے کم تھے''۔ (استیعات ۱/۱۳۱)

آگے چل کر یہی مؤلف ایک دوسری روایت میں لکھتے ہیں:-

احمد کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن سلیمان سے کہا کیا آپ کو یہ بات پہنچی ہے کہ حجر مستجاب الدعواۃ تھے۔ انھوں نے کہا بیشک اور افاضل اصحابِ رسولؐ میں تھے۔

(استیعات ۱/۱۳۴)

آپ کا مستجاب الدعواۃ ہونا اتنا مشہور تھا کہ آپ کا خصوصی لقب قرار دیا گیا جس کا قریب قریب تمام علمائے رجال نے ذکر کیا ہے۔ علامہ ابنِ حجر العسقلانی نے ''کتاب الاولیا'' کے حوالے سے ایک روایت درج کی ہے جس سے ان کی روحانی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ابراہیم بن جنید نے ''کتاب الاولیا'' میں سندِ منقطع کے ساتھ روایت کی ہے کہ حجر بن عدی کو (اپنے زمانہ نظر بندی) میں ایک مرتبہ نہانے کی ضرورت ہوگئی۔ آپ نے اپنے نگراں اور موکل سے کہا کہ میرے پینے کے لیے جو پانی تمہارے پاس ہے وہ مجھے دے دو تاکہ میں غسل کرلوں اور کل مجھ کو بالکل نہ دینا موکل نے جواب دیا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ آپ پیاس سے ہلاک ہوجائیں گے اور اگر معاویہ کو اس کی خبر ہوگئی تو وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ حجر نے اسی وقت اللہ سے دعا کی ابھی وہ تمام نہ ہوئی تھی کہ بادل چھا گیا اور پانی برسنے لگا، حجر نے اپنی ضروریات کے مطابق اس میں سے پانی لے لیا، یہ دیکھ کر

ان کے ساتھیوں نے کہا کہ آپ ہماری رہائی کے لیے بھی اللہ سے دعا کریں حجر نے اس وقت ان الفاظ کے ساتھ دعا کی اللّٰھم خر لنا "بارِ الٰہا ہمارے لیے جو تیری نظر میں بہتر ہو وہی اختیار فرما اس کے بعد حجر معہ اپنے اصحاب کے قتل کر دیئے گئے۔

(اصابہ ۱/۲۲۹)

علامہ ابنِ عبد البر مکی لکھتے ہیں۔

(مشہور تابعی) محمد بن سرین سے جب قتل سے پہلے نفل پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا یہ دو رکعتیں خبیب اور حجر نے پڑھی میں اور یہ دونوں فاضل تھے۔

علامہ ابنِ کثیر حجر بن عدی کے تذکرے کے ضمن میں لکھتے ہیں:-

مرزبانی کا قول ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ حجر بن عدی اپنے بھائی ہانی بن عدیؓ کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب سے زیادہ عبادت گزار اور زاہد لوگوں میں تھے اور اپنی ماں کے ساتھ بہت نیکی کرنے والے تھے نیز نماز روزے میں بہت زیادہ شغف رکھتے تھے اور ہر حدث کے بعد وضو ضرور کرتے اور جب بھی وضو کرتے تھے تو دو رکعت نماز بجا لاتے تھے، اسی طرح اور دوسرے لوگوں کا بھی بیان ہے۔ امام احمد کا قول ہے کہ ہم سے یعلی بن عبید نے اور ان سے اعمش نے اور انھوں نے ابو اسحق سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سلمانؓ نے ایک مرتبہ حجر سے کہا اے ماں کے بیٹے اگر کثرتِ عبادت سے تمہارے اعضا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں تب بھی ایماں کا حق نہیں ادا ہوگا۔ (البدایہ والنہایہ ۸/۵۰)

حُجر بن عدی کے بارے میں امام حسینؑ کا ارشاد:

حجر بن عدی کے قتل کے بعد امام حسینؑ نے معاویہ کو جو خط لکھا ہے اس میں حجر

بن عدی اور ان کے اصحاب کے متعلق آپ نے جو الفاظ لکھے ہیں ان سے حجر بن عدی کی حقیقی عظمت سامنے آجاتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

(اے معاویہ) کیا تم حجر بن عدی کندی اور ان کے عبادت گزار اور نمازی اصحاب کے قاتل نہیں ہو جو ظلم سے انکار کرتے تھے اور بدعتوں کے مخالف تھے اور منکرات سے روکتے تھے۔ (کتاب الامامت والسیاست، صفحہ ۱۶۸)

ابو معشر کا قول ہے کہ حجر عبادت گزار تھے اور جب بھی کوئی حدث صادر ہوتا تھا تو فوراً وضو کرتے تھے اور جب وضو کرتے تھے تو نماز پڑھتے تھے اور اپنی ماں کا فرش اپنے ہاتھ سے جھاڑتے تھے اس کے بعد خود لیٹ کر دیکھتے تھے۔ جب یقین ہو جاتا تھا کہ بستر پر کوئی تکلیف دہ چیز نہیں ہے تب اُن کی ماں اس پر سوتی تھیں۔

(ابنِ عساکر ۵/۴)

روایت حدیث:

حجر بن عدی نے امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ، حضرت عمارِ یاسر اور شرجیل بن مرہ سے احادیث کو سنا ہے اور ان سے غلام ابو لیلی نیز عبدالرحمن بن العباس اور ابوالبختری طائی نے روایت کی ہے۔

مؤلف طبقات ان کے تذکرے کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ "**وکان ثقة معروفاً ولم یرو عن غیر علی شئیا**"، حجر بن عدی ثقہ اور معروف تھے اور بجز علیؑ کے اُنھوں نے کسی دوسرے سے روایت حدیث نہیں کی۔

(البدایہ والنہایہ، ۸۵۰/۸)

مؤرخ ابنِ عساکر نے اس ذیل میں دو حدیثیں بھی لکھی ہیں جو حجر بن عدی سے مروی ہیں۔

حافظ نے اپنی سندوں کے ساتھ جو حجر بن عدی تک پہنچی ہیں روایت کی ہے،

وہ کہتے ہیں کہ میں نے شرجیل بن مرہ سے سنا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علیؑ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اے علیؑ میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ تمھاری زندگی اور موت میرے ساتھ ہے۔

(۲) روی عن حجر انہ قال سمعت علی بن ابی طالب علیہ السلام یقول الوفیو نصف الایمان (ابنِ عساکر ۸۵/۴)

جنگی خدمات:

حجر بن عدی کا تذکرہ تاریخ میں عموماً ایک عابد و زاہد صحابیِ رسولؐ کی حیثیت سے کیا جاتا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ ایک جنگ جو سپاہی اور فاتح کی حیثیت سے کسی سے کم نہیں۔ افسوس ہے کہ ان کے ابتدائی حالات سے تاریخ بالکل خاموش ہے ورنہ ان کی زندگی کا یہ پہلو بھی تشنہ نہ رہتا۔ بظاہر اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ آپ بہت آخر میں ایمان لائے اس لیے عہدِ رسالتؐ کے کسی غزوے میں شرکت نہ کرسکے لیکن تعجب یہ ہے کہ اس کے بعد بھی خلافتِ ثانیہ کے ابتدائی زمانے تک ان کا کوئی حال نہیں ملتا البتہ حضرت عمر کے عہدِ خلافت سے جستہ جستہ ان کا تذکرہ ملتا ہے۔ جس سے بہت کچھ ان کے جنگی کارناموں پر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ جنگِ قادسیہ میں باتفاقِ مورخین آپ کی موجودگی پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد شام میں اس لشکر کے ہمراہ جنگ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جس نے عذرا کو فتح کیا۔ (البدایہ والنہایہ ۵۰/۸)

قادسیہ کے بعد مدائن کی فتح میں بھی ان کا ذکر ملتا ہے۔ مدائن فتح ہونے کے بعد جب یزدجرد نے جلولا میں فوجیں جمع کیں تو سعد بن وقاص نے اس کے مقابلے کے لیے ہاشم بن عتبہ کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ کی حجر اس فوج کے

میمنہ کے افسر تھے۔ (فتوح البلدان)

اسی طرح حلوان کی فتح میں حجر نے بیش قیمت خدمات انجام دیں جیسا کہ بلاذری کی حسبِ ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

مجھ سے محمد بن سعد نے، ان سے داقدی نے، ان سے محمد بن نجاد نے، ان سے عائشہ بنتِ سعد بن ابی وقاص نے بیان کیا کہ جب معاویہ نے حجر بن عدی کو قتل کیا تو میرے والد (سعد بن ابی وقاص) نے کہا۔ اگر معاویہ نے دیکھا ہوتا کہ فتحِ حلوان میں حجر کے کیا کارنامے تھے تو اسے معلوم ہوجاتا کہ اسلام میں ان کی کیا منزلت ہے۔

عہدِ امیر المومنینؑ:

حجر بن عدی کا شمار امیر المومنین حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے مخصوص اصحاب اور فداکاروں میں ہے۔ آپ نے ابتداً ان کو اشعث بن قیس کی جگہ کندہ کی گورنری دینی چاہی تھی لیکن حجؔر نے اس سے نسبی قرابت ہونے کی بنا پر معذرت کر دی۔ بہرحال اس دور کی شخصیتوں میں وہ ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے عہدِ خلافت میں جتنے معرکے پیش آئے ان سب میں نہایت سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا۔ (اخبار الطوال صفحہ ۲۴۸)

جنگِ جملؔ کی تیاری کے دوران میں جب امیر المومنینؑ نے حضرت امام حسنؑ اور حضرت عمار یاسر کو اہلِ کوفہ کی مدد حاصل کرنے کی غرض سے بھیجا تو حجر وہاں پہلے سے موجود تھے چنانچہ انھیں کی تحریک پر کوفے والے حضرت علیؑ کی حمایت پر آمادہ ہوئے۔ ابوحنیفہؔ دینوری لکھتے ہیں کہ اس موقعے پر حجر بن عدی مجمعے میں کھڑے ہو گئے اور کہا لوگو! ''امیر المومنینؑ کی دعوت قبول کرو اور جس طرح ممکن ہو سامان کے ساتھ یا غیر سامان کے حاضرِ خدمت ہو، مجمعے نے ہر طرف سے ان

کی دعوت پر لبیک کہی اور کہا کہ ہم ہر حالت میں مدد کے لیے تیار ہیں۔ دوسرے روز صبح کو جب امام حسنؑ نے شمار کیا تو وہ تعداد میں ۹۶۵۰ تھے۔ (اخبار الطوال، صفحہ ۱۵۴)

علامہ ابنِ اثیر لکھتے ہیں کہ ان لوگوں پر جو کوفے سے حسن بن علیؑ کے ہمراہ روانہ ہوئے حسبِ تفصیل ذیل سردار تھے۔

کنانہ و اسد و تمیم و رباب و مزینہ پر معقل بن یسار ریاحی اور قبائل قیس پر سعد بن مسعود ثقفی عم مختار اور بکر و تغلب و علیہ پر محدوج ذہلی اور مذحج اور شعرئین پر حجر بن عدی اور بجیلہ و انمار و خثعم ورزد پر مخنف بن سلیم ازدی یہ سب لوگ حضرت علیؑ سے مقامِ ذی قار میں ملاقی ہوئے۔ (ابن خلدون ۲/۱۶۰)

اس کے بعد جب جنگ شروع ہوئی تو حضرت علیؑ نے حجر کو کندہ حضرموت قضاعہ اور مہرہ کا افسر بنایا۔ (اخبار الطوال صفحہ ۱۵۵)

جنگِ صفّین:

جنگِ صفّین میں قبیلہ کندہ کے سپہ سالار تھے، اس معرکے میں انھوں نے نہایت بہادری سے جنگ کی۔ علامہ مجلسی نصر بن مزاحم کی ''کتاب الصفین'' کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

عمرو بن شمر نے جابر سے اُنھوں نے شعبی سے روایت کی ہے کہ صفّین کے ساتویں روز جو انتہائی سخت دن تھا سب سے پہلے دو بہادر جو نبرد آزما ہوئے وہ حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے حجر بن عدی اور معاویہ کے اصحاب میں سے ابن عم حجر تھے، دونوں میں دیر تک نیزہ بازی ہوتی رہی، اسی اثنا میں خزیمہ اسدی معاویہ کے لشکر سے برآمد ہوا حجر نے اس پر نیزہ کا وار کیا، یہ دیکھ کر حضرت علیؑ کے اور اصحاب بھی اُس پر حملہ آور ہوئے اور اس کو قتل کر دیا۔ اس ہنگامہ میں حجر کا ابنِ

عم جان بچا کر نکل گیا۔

اس روز حجر بن عدی نے معاویہ کے بہت سے آدمیوں کو قتل کیا۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ اس کے بعد ادہم بن لام قضاعی اور حکم بن ازہر رجز پڑھتے ہوئے مقابلے کے لیے نکلے حجر نے دونوں کو یکے بعد دیگرے قتل کر دیا۔

(بحار الانوار جلد ۸، صفحہ ۴۸۹)

یہ دیکھ کر مالک بن مُسہر قضاعی جو حکم بن ازہر کا ابن عم تھا، شیر کی طرح بپھر کر حجر کے مقابلہ کو نکلا اس وقت یہ رجز اُس کی زبان پر تھا۔

انا بن مالك بن مسهر

اقدم اذا شئت ولا توخر

تھوڑی دیر تک دونوں میں مقابلہ ہوتا رہا، بالآخر حجر نے موقع پا کر اُس کو بھی قتل کر دیا۔ (بحار الانوار ۸/۵۱۲)

ابو حنیفہ دینوری لکھتے ہیں۔ صفین کے میدان میں ایک شامی جوان حجر الشر نے جب مبارز طلبی کی ہے تو حجر بن عدی ہی اس کے مقابلے کو گئے ہیں۔ دونوں میں دیر تک نیزہ بازی ہوتی رہی بالآخر حجر نے موقع پا کر اس پر ایسا وار کیا کہ شامی اپنے گھوڑے پر نہ سنبھل سکا اور زمین پر آ گیا۔ (اخبار الطوال، صفحہ ۱۸۷)

حجر بن عدی نے اس جنگ میں بڑی بیش قیمت خدمات انجام دیں۔ اور شروع سے آخر تک برابر امیر المومنینؑ کے ساتھ رہے۔

اس کے بعد تحکیم کے موقع پر بھی حجر کی موجودگی ملتی ہے۔ چنانچہ جب اقرار نامہ لکھا گیا ہے تو حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے گواہی دینے والوں میں آپ کا نام بھی ہے۔

مورخ طبری لکھتے ہیں۔

حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے گواہوں میں اشعث بن قیس کندی، عبداللہ بن عباس، سعید بن قیس ہمدانی، ورقاء بن سمی البجلی، عبداللہ بن محل عجلی، حجر بن عدی کندی، عبداللہ بن طفیل عامری، عقبہ بن زیاد حضرمی، یزید بن حجیہ، تیمی اور مالک بن کعب ہمدانی تھے۔ (طبری ۶:۳۰)

صفّین سے فارغ ہونے پر امیر المومنینؑ نے جب دوبارہ اہلِ شام سے جنگ کرنا چاہی تو آپ نے رؤسا و اکابرِ اہلِ کوفہ کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا۔

''تم لوگ میرے معاون و مددگار ہو، مناسب ہے کہ ہر سردار اپنے اپنے گروہ کی ایک فہرست تیار کرے تاکہ لڑنے والوں کی تعداد کا صحیح اندازہ ہو جائے، حجر بن عدی اور دیگر سرداروں نے بسر و چشم اس حکم کی تعمیل کی۔ حجر نے اپنے لڑکوں اور غلاموں کو لڑائی کے لئے آمادہ کیا اور کسی متنفس کو جو جنگ کے قابل تھا نہ چھوڑا۔ فہرست تیار ہونے پر معلوم ہوا کہ چالیس ہزار نبرد آزما تجربہ کار، سترہ ہزار نوعمر، آٹھ ہزار خادم جنگ میں جا سکتے ہیں لیکن امیر المومنینؑ اپنے اصحاب کے اختلاف کی وجہ سے اقدام نہ فرما سکے۔ (کامل ۳/۱۴۷، ابن خلدون ۲:۱۷۹)

اس کے بعد نہروان میں جب خارجیوں سے مقابلہ ہوا تو وہاں بھی حجر میمنہ کی قیادت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں (اخبار الطوال صفحہ ۲۲۳، الامامۃ والسیاسۃ، ص ۱۴۱)

جنگِ تدمر:

۳۹ھ میں معاویہ نے ضحاک بن قیس کو ہزار سواروں کے ہمراہ اسفل واقصہ پر روانہ کیا۔ یہ لشکر جابجا لوٹ مار کرتا ہوا ثعلبیہ تک پہنچ گیا۔ امیر المومنینؑ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ نے حجر بن عدی کو چار ہزار سواروں کے ساتھ مقابلے کے لئے بھیجا، ان سپاہیوں کو آپ نے فی کس پچاس پچاس درہم پہلے دے دیے

تھے، غرضیکہ تدمر کے مقام پر دونوں میں مڈبھیڑ ہوئی۔ ضحاک کے ۱۹ آدمی اور عراق کے ۲ آدمی مارے گئے، جب رات ہوئی تو لڑائی موقوف ہوگئی۔ ضحاک معہ اپنے لشکر کے بھاگ گیا، حجر بن عدی واپس آگئے (طبری ۷۸/۶ و کامل ۱۶۳/۳)

۴۰ھ میں بسر بن ارطاۃ نے حجاز و یمن کے علاقوں میں قتل و غارت شروع کیا تو اُس وقت امیر المومنینؑ نے کوفے کی جامع مسجد میں نہایت پُرجوش خطبے دے کر اپنے اصحاب کو حدودِ عراق سے شامی فوج کے نکال دینے پر اُبھارا۔ ان تقریروں سے تمام اہلِ کوفہ آمادہ ہوگئے لیکن جب کوچ کا وقت آیا تو صرف ۳۰۰ آدمی رہ گئے۔ جنابِ امیرؑ کو اس بے حسی کا بہت صدمہ ہوا۔ اس موقعے پر امیر المومنینؑ کی تقریر کے بعد حجر بن عدی اور سعید بن قیس الہمدانی کھڑے ہوگئے ان دونوں نے عرض کی کہ ان لوگوں کو چلنے کے لیے مجبور کیا جائے اور ان میں منادی کرادی جائے اس کے بعد جو تخلف کرے اس کو سزا دی جائے۔ چنانچہ امیر المومنینؑ نے ایسا ہی کیا۔ (اخبار الطوال ۲۲۷)

عہدِ امام حسنؑ:

امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد بھی خانوادۂ رسالت سے آپ کی وابستگی بدستور رہی اور جس طرح امیر المومنینؑ کی حمایت کرتے تھے اُسی طرح اُن کے فرزند جناب امام حسنؑ کی نصرت و حمایت میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔

خلفائے ثلاثہ کے بارے میں حجر بن عدی کے خیالات:

تمام اربابِ سیر و رجال کا اس پر اتفاق ہے کہ حجر بن عدی حضرت امیر المومنینؑ کے مخصوص اصحاب اور اُن کے مخلص شیعوں میں تھے، اس بنا پر ظاہر ہے کہ خلفائے ثلاثہ اور اُن کے ہم خیال افراد سے اُن کو مذہبی طور پر عقیدت نہیں

ہوسکتی پھر بھی جہاں تک شیخین، حضرات ِابوبکر و عمر کا تعلق ہے، ان کے بارے میں کوئی ایسی تصریح تاریخ میں نہیں ملتی جس سے حجر بن عدی کے خیالات کا اندازہ کیا جاسکے البتہ حضرت عثمان اور معاویہ وغیرہ کے متعلق بکثرت روایات ایسی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حجر بن عدی اُن کو حق پر نہیں سمجھتے تھے۔

علامہ ابنِ کثیر لکھتے ہیں:-

ابنِ جریر نیز دیگر مؤرخین نے حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کے بارے میں بیان کیا ہے کہ یہ لوگ حضرت عثمان پر شدت سے نکتہ چینی کرتے تھے اور اُن کو ظالم سمجھتے تھے نیز امرا پر تنقید کرتے تھے اور ان کے احکام کے منکر تھے اور اس بارے میں بہت مبالغہ کرتے تھے اور شیعہ علیؑ کو دوست رکھتے تھے اور دین میں بہت شدید تھے۔ (البدایہ والنہایہ ۵۴/۸)

مغیرہ بن شعبہ اور دیگر حکّام سے اُن کو اختلاف صرف اِسی بنا پر رہا کہ وہ حضرت عثمان کی مدح اور امیر المومنینؑ کی مذمت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا خصوصاً معاویہ اور اہلِ شام سے وہ علی الاعلان برأت کرتے تھے، اس میں ان کی سختی اس حد تک تھی کہ خود امیر المومنینؑ کو فہمائش کی ضرورت پڑی۔ ابنِ ابی الحدید ''کتاب الصفّین نصر بن مزاحم'' کے حوالے سے لکھتا ہے۔

نصر نے عبداللہ بن شریک سے روایت کیا ہے کہ حجر بن عدی اور عمرو بن حمق کے متعلق امیر المومنینؑ کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ اہلِ شام سے اظہارِ برأت کرتے ہیں تو آپ نے کسی شخص کو اُن کے پاس بھیج کر اس امر سے باز رہنے کو کہا، یہ سن کر وہ دونوں امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا! ''کیا ہم حق پر نہیں ہیں!'' فرمایا ''بیشک تم حق پر ہو'' پھر کہا! ''کیا ہمارے مخالف باطل پر نہیں ہیں؟'' آپ نے فرمایا ''ضرور وہ باطل پر ہیں'' یہ سن کر ان دونوں نے کہا ''پھر آپ ہم کو

ان پر سب وشتم کرنے سے کیوں منع فرماتے ہیں'' امیر المومنینؑ نے جواب دیا کہ ''میں تمہارے لئے اس امر کو پسند نہیں کرتا کہ تم لعّان اور شتّام کہلائے جاؤ اور اسی کو اپنا شعار بنالو لیکن اگر تم ان کے مساوی اعمال بیان کرو اور اُن کی سیرت اور اُن کے عمل کی برائیاں کرو تو یہ زیادہ بہتر ہوگا اور اس حد تک تم معذور قرار دیے جاؤ گے نیز اُن پر لعن اور برأت یہی ہے کہ تم یوں کہو! اے اللہ! ہمارے اور اُن کے خون کو بہانے سے بچا'' اور ہمارے اور ان کے درمیان اصلاح کر اور گمراہی سے اُن کو ہدایت کی طرف لا تاکہ جو حق سے ناواقف ہو وہ حق کو پہچان لے اور جو گمراہی اور سرکشی میں مبتلا ہے وہ اس سے نکل جائے یقیناً یہ امر میرے لئے بھی زیادہ محبوب ہے اور تمہارے لئے بھی اسی میں بہتری ہے'' یہ سن کر ان دونوں حضرات نے کہا اے امیر المومنینؑ! ہم آپ کی نصیحت کو قبول کرتے ہیں۔

(شرح ابنِ ابی الحدید ۱:۱۵۵)

حجر بن عدی اور اموی دورِ حکومت:

امام حسنؑ کی صلح کے بعد معاویہ تمام اسلامی قلمرو کا خودمختار فرماں روا تھا۔ یہ پورا دور حجر بن عدی کے لئے سخت صبر آزما تھا اس لئے کہ حکومت کی طرف سے تمام عمال کے نام یہ احکام نافذ کردیے گئے تھے کہ منبروں پر علی الاعلان علیؑ اور آلِ علیؑ پر سب وشتم کیا جائے اور شیعیانِ علیؑ کی کوئی مراعاۃ نہ کی جائے۔ چنانچہ ۴۱ھ میں معاویہ نے مغیرہ بن شعبہ کو جب کوفے کی امارت پر مقرر کیا ہے تو اس کو بُلا کر حسبِ ذیل گفتگو کی

> ''میرا ارادہ تھا کہ بہت سی باتیں تم کو سمجھاؤں مگر میں صرف اس غرض سے ان کو نظر انداز کرتا ہوں کہ تمہاری بصیرت و دانائی پر مجھے اعتماد ہے۔ تم جانتے ہو کہ کن اُمور میں میری خوشنودی ہے،

میری حکومت کی ترقی اور میری رعایا کی بہتری ہے البتہ ایک امر کا ذکر کیے بغیر میں نہ رہوں گا۔ وہ یہ کہ علیؑ پر سب وشتم اور ان کی مذمت کرنے نیز عثمان کے لئے طلبِ مغفرت و رحمت کرنے میں کوئی کمی نہ کی جائے ساتھ ہی اصحاب علیؑ کی عیب جوئی اور اُن کو اپنے سے دور رکھنے میں، ان کی بات نہ سننے میں اس کے برخلاف شیعیانِ عثمان کی ستائش گیری اور اُن کے ساتھ مل کر رہنے اور ان کی بات مان لینے میں کبھی دریغ نہ کرنا''۔

(کامل ۳: ۲۰۲، طبری ۶/۱۴۱)

اس کے بعد معاویہ نے مغیرہ کو ایک خط لکھا جس میں یہ تاکید کی کہ زیاد حجر بن عدی، سلیمان بن صرد، شیث بن ربعی، ابن الکوا اور عمرو بن حمق کو بالالتزام نماز جماعت میں اپنے ساتھ رکھا کرو چنانچہ یہ سب بحالتِ تقیہ مغیرہ کے ساتھ با جماعت نماز ادا کیا کرتے تھے۔ (تاریخ ابنِ خلدون ۳: ۶)

علامہ ابنِ اثیر لکھتے ہیں کہ معاویہ نے یہ شرط اس لئے لگائی تھی کہ یہ لوگ شیعیانِ علیؑ میں سے تھے۔ (تاریخ کامل ۳: ۱۸۳)

مذکورہ بالا گفتگو سے ہر شخص آسانی کے ساتھ یہ اندازہ کرسکتا ہے کہ ابتدا ہی سے علیؑ اور اصحابِ علیؑ کے بارے میں معاویہ کی کیا پالیسی تھی۔ حجر بن عدی ان لوگوں میں تھے جن کو امیر المومنینؑ کے ساتھ گہری عقیدت تھی، جنگِ جمل اور صفین میں علیؑ کی حمایت میں ان کی سرگرمی اور فداکاری نیز صلح کے موقعے پر معاویہ کی شدید مخالفت، یہ تمام وہ چیزیں تھیں جو حکومت کی نظر میں ان کو واجب القتل قرار دینے کے لئے کافی تھیں اس لئے اُن کی زندگی کا یہ پورا دور نہایت مصائب میں گزرا۔ مغیرہ نے جب تک حکومت کی اپنے امیر کی اسی پالیسی پر عمل

پیرارہا جیسا کہ شعبی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، ان کا بیان ہے کہ مغیرہ کے بعد ایسا کوئی حاکم ہمارا نہیں ہوا۔ اُنھوں نے سات برس اور چند ماہ معاویہ کی طرف سے کوفے میں حکومت کی.......... وہ عافیت کے دل سے خواہش مند تھے مگر علیؑ کو بُرا کہنے، ان کی مذمّت کرنے، قاتلانِ عثمان پر لعنت بھیجنے، اُن کی عیب جوئی کرنے نیز عثمان کے لئے دعائے مغفرت اور اُن کے اصحاب کی تعریف کو اُس نے کبھی ترک نہیں کیا۔ (طبری ۶: ۱۴۲)

حجر ابنِ عدی اپنے جذبۂ ارادت کے تحت ان امور کی تاب نہ لاسکتے تھے اس لئے وہ برملا مغیرہؔ کو ٹوک دیا کرتے تھے کہ خدائے عزّوجل فرماتا ہے۔ ''کونوا قوامین بالقسط'' میں گواہی دیتا ہوں کہ جن لوگوں کی تم مذمّت کرتے ہو اور جن کو عیب لگاتے ہو وہی فضیلت اور بزرگی کے سزاوار ہیں اور جن کا بے لوث ہونا تم ثابت کررہے ہو اور تعریف کرتے ہو وہی مذمّت اور نفرین کے قابل ہیں۔

مغیرہ بن شعبہ ایک ہوشیار حاکم تھا، وہ حجر بن عدی کی شخصیت اور اہلِ کوفہ پر اُن کا جو اثر تھا اس سے بخوبی واقف تھا اس لئے زیادہ تعرض کرنا اس نے اپنے سیاسی مصالح کے خلاف سمجھا اور وقت کا منتظر رہا، ساتھ ہی اُس نے اپنے رویے کو ترک نہیں کیا اور سختی کے ساتھ اس پر عامل رہا چنانچہ اپنی امارت کے آخری زمانے میں جو تقریر اس نے کی ہے اس میں علیؑ و عثمان کے بارے میں جو ہمیشہ کہا کرتا تھا وہی کہا ہے۔ طبری نے حسبِ ذیل الفاظ نقل کئے ہیں:-

''خداوندا! عثمان بن عفان پر رحم کر اور ان سے درگزر کر اور عملِ صالح کی اُن کو جزا دے، اُنھوں نے تیری کتاب پر عمل کیا، تیرے پیغمبرؐ کی سنت کا اتباع کیا، اُنھوں نے ہم لوگوں میں اتفاق قائم رکھا، ہم کو خونریزی سے بچایا۔ وہ ناحق قتل کئے گئے۔ خداوندا! ان کے انصار، ان کے دوستوں و محبّوں پر اور اُن کے خون کا

قصاص لینے والوں پر رحم فرما"۔

اس کے بعد عثمان کے قاتلوں پر بد دعا کی، حجر بن عدی اس مجمعے میں موجود تھے۔ مغیرہ کی یہ تقریر سن کر کھڑے ہو گئے اور ایسا نعرہ کیا کہ مسجد میں جتنے لوگ بیٹھے تھے اور جتنے باہر تھے سب نے سنا اور کہنے لگے "کس شخص کے دھوکے میں تم آئے ہو، تم نہیں سمجھتے کہ بڑھاپے کے سبب اس کی عقل جاتی رہی ہے، اے شخص ہماری تنخواہوں اور عطیات کے جاری کیے جانے کا حکم دے، تُو نے ہمارے رزق کو بند کر رکھا ہے، اس کا تجھے کیا اختیار ہے تجھ سے پہلے جو حکام گزرے ہیں اُنھوں نے کبھی اس بات کی طمع نہیں کی۔ اس کے علاوہ تو نے امیر المومنینؑ کی مذمت اور مجرموں کی ستائش کا شیوہ اختیار کر رکھا ہے"۔

حجر کی یہ تقریر سن کر مسجد میں تقریباً دو ثلث سے زائد آدمی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے "قسم بخدا! حجر نے سچ کہا اور نیکی کی، ہماری تنخواہوں اور عطیات کے جاری کرنے کا حکم دو، صرف کہہ دینے سے ہم کو کوئی نفع حاصل نہیں ہو سکتا"۔ اسی طرح اور بہت سی باتیں لوگ کہتے رہے۔ مغیرہ منبر سے اُتر کر اندر چلا گیا اور حجر کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا۔ (طبری ۱۴۲/۶)

ابو حنیفہ دینوری لکھتے ہیں کہ اس کے بعد مغیرہ نے پانچ ہزار درہم حجر کو بھیجے تا کہ وہ اس طرح حجر کو دبا سکیں۔ (اخبار الطوال صفحہ ۲۳۴)

مغیرہ کی قوم کے لوگوں نے جب یہ دیکھا تو سب مل کر اس کے پاس آئے اور کہا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ حجر کی ایسی ایسی باتیں آپ سنتے ہیں اور آپ کی حکومت کے اندر وہ اس جرأت کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اس میں دو طرح کے نقصان ہیں ایک تو آپ کا وقار جاتا ہے دوسرے اگر معاویہ کو ان حالات کی خبر پہنچی تو اس شخص کی وجہ سے وہ آپ سے ناراض ہو جائیں گے، ان میں سب سے

زیادہ اصرار حجر کے بارے میں عبداللہ بن ابی عقیل ثقفی نے کیا۔ مغیرہ نے جواب دیا۔
میں نے حجر کو گویا قتل ہی کر دیا کیونکہ میرے بعد جو شخص کوفے کا والی ہو کر آنے والا ہے اس کو بھی یہ میری ہی طرح سمجھیں گے اور جس طرح میرے ساتھ پیش آتے ہیں اسی طرح اس کے ساتھ پیش آئیں گے، وہ پہلے ہی موقعے پر ان کو گرفتار کرے گا اور بہت بُری طرح قتل کرے گا، میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے اور میری حکومت میں ضعف پیدا ہو گیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس شہر کے نیک لوگوں سے قتل کی ابتدا کروں اور ان کا خون بہاؤں، وہ تو سعادتِ اُخروی حاصل کریں اور میں اُن کو قتل کر کے شقاوت میں مبتلا ہو جاؤں۔ معاویہ کو تو دنیا میں عزت ملے اور مغیرہ قیامت کے روز ذلیل اور رسوا ہوں۔ (طبری ۶، ۱۴۲)

ابنِ کثیر نے اس سلسلے میں حسبِ ذیل روایت بھی نقل کی ہے۔

ایک مرتبہ معاویہ نے مغیرہ بن شعبہ والیِ کوفہ کو لکھا کہ کوفے کے بیت المال سے کچھ مال بھیج دیا جائے۔ مغیرہ نے حسب الحکم ایک اونٹ پر مال بار کرا کے روانہ کر دیا، حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کو خبر ہوئی تو وہ مانع ہوئے اور اونٹ کی مہار پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور کہا: ''قسم بخدا! یہ مال اس وقت تک نہیں جا سکتا جب تک صاحبانِ حقوق کو ان کا حق نہ دے دیا جائے''۔ قبیلہ ثقیف کے کچھ نوجوان حجر اور اُن کے اصحاب کی اس جسارت پر برہم ہو گئے اور مغیرہ سے کہا ''اے امیر ہم کو اجازت دے ہم ابھی حجر کا سر کاٹ کر لاتے ہیں'' لیکن مغیرہ نے ان کو روک دیا اور کہا: ''میں نہیں چاہتا کہ حجر کا خون اپنی گردن پر لوں'' اس طرح اس نے معاملے کو رفع دفع کر دیا۔ معاویہ کو جب اس کی اطلاع پہنچی تو اس نے مغیرہ کو کوفے کی امارت سے معزول کر دیا اور اس کی جگہ پر زیاد کو والی مقرر کیا۔

(البدایہ والنہایہ ۵۰)

زیاد کا تقرر:

اب کوفہ اور بصرہ دونوں زیاد کے زیرِ فرمان ہو گئے۔ اس خبر سے شیعیانِ علیؑ بے حد خائف ہوئے اور وہ سب مل کر حجر بن عدی کے پاس آئے۔ زیاد کو معلوم ہوا تو اُس نے منبر پر جا کر حسبِ ذیل خطبہ پڑھا:-

''زمانہ ہمارا تجربہ کر چکا ہے اور ہم زمانے کا، ہم فرماں روائی بھی کر چکے ہیں اور فرمان بری بھی، ہم سمجھ چکے ہیں کہ اس حکومت کے آخر میں بھی وہی بات مناسب ہے جو اوّل میں تھی، آسانی سے اطاعت، وہ بھی ایسی کہ باطن کو ظاہر سے، غائب کو حاضر سے، دل کو زبان سے ہم آہنگی رہے، اور ہم جان چکے ہیں کہ رعایا کی اصلاح اس کے سوا نہیں ہو سکتی، نرمی بغیر کمزوری کے، سختی بغیر زیادتی کے، میں واللہ جو حکم تم لوگوں میں جاری کروں گا اسے قابو کے ساتھ پورا کر کے چھوڑوں گا، حاکم اور منبر پر بیٹھ کر غلط گوئی کرے اس سے بڑھ کر خدا و خلقِ خدا کے سامنے کوئی غلطی نہ ہو گی''۔

اس کے بعد اُس نے حسبِ معمول عثمان اور ان کے اصحاب کی ستائش کی اور ان کے قاتلوں پر نفرین، حجر یہ سن کر کھڑے ہو گئے اور برسرِ منبر اُس کو ملامت کی۔ زیاد نے اُس وقت تو حجر کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا لیکن اُن کی طرف سے اس کو تشویش لاحق ہو گئی اور برابر فکر میں رہنے لگا اس مقصد کے لئے اُس نے یہ اسکیم تیار کی کہ کسی بہانے سے کوفہ چھوڑ کر بصرہ چلا جائے اور حجر کو بھی اپنے ہمراہ لے جائے تا کہ یہاں رہ کر وہ کوئی شورش برپا نہ کر سکیں۔ چنانچہ بیماری کا عذر کر کے وہ بصرہ چلا گیا اور اپنی جگہ عمرو بن حریث کو کوفے میں چھوڑ گیا۔

زیاد کے بصرہ چلے جانے کے بعد حجر بن عدی کے پاس شیعوں کی آمد و رفت

زیادہ بڑھ گئی، مسجد میں بھی ان کے ہمراہ کافی مجمع ہوتا تھا۔ عمرو بن حریث نے حجر کے پاس اپنا آدمی بھیجا اور ان حرکات سے باز رہنے کو کہا۔ حجر نے قاصد کی زبانی کہلا بھیجا کہ ''ان لوگوں کو اس سے انکار ہے جس پر آپ ہیں''۔ یہ جواب پا کر عمرو بن حریث ان کی طرف سے مایوس ہو گیا اور زیاد کو لکھ بھیجا کہ اگر کوفے کی حکومت کو باقی رکھنا ہے تو جلد آ جایئے۔

زیادؔ اس خط پر فوراً کوفہ آ گیا اور منبر پر گیا۔ حجر بھی اس وقت مسجد میں موجود تھے اور آج اُن کے ساتھ مجمع بھی معمول سے زائد تھا۔ علامہ ابنِ کثیر نے تین ہزار کی تعداد لکھی ہے اور لکھا ہے کہ وہ سب کے سب مسلّح اور ہتھیاروں سے آراستہ تھے۔ زیادؔ نے حمد و ثنا کے بعد کہا۔

''تعدی و گمراہی کا انجام بُرا ہے، ان لوگوں کی حمایت کی گئی تو اِترا گئے اور میری طرف سے مطمئن ہوئے تو گستاخ ہو گئے۔ قسم بخدا اگر تم لوگ سیدھے نہ ہوئے تو جو تمہاری دوا ہے اسی سے تمہارا علاج کروں گا۔ اگر حجر کو سرزمینِ کوفہ سے ناپید نہ کر دوں اور دوسروں کے لئے اسے عبرت نہ بنا دوں تو مجھے ہیچ سمجھنا وائے ہو تجھ پر اے حجرؔ تو اب طعمۂ گرگ ہونے والا ہے؟

بعض روایات میں یہ بھی ملتا ہے کہ زیاد نے اپنے اس خطبے میں معاویہ کی تعریف کی اور یہ بتایا کہ اس کے مسلمانوں پر کیا کیا حقوق ہیں۔ حجرؔ نے یہ سن کر مٹھی بھر کنکریاں اس پر ماریں اور کہا ''تو جھوٹا ہے تیرے اوپر خدا کی لعنت''۔ زیاد یہ رنگ دیکھ کر منبر سے اُتر آیا اور قصر میں داخل ہو گیا اس کے بعد حجر کو طلب کیا۔

دوسری روایت اس طرح ہے کہ جمعے کے دن زیاد نے خطبے میں بہت طول دیا یہاں تک کہ نماز میں تاخیر ہو گئی۔ حجر بن عدی نے پکار کر کہا ''الصلوٰۃ'' اس پر بھی

اُس نے خطبے کو جاری رکھا۔ حجر نے جب دیکھا کہ نماز کا وقت ہاتھ سے جا رہا ہے تو مٹھی میں کنکر اُٹھائے اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے ان کے ساتھ اور لوگ بھی اُٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر زیاد منبر سے اُتر آیا اور نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اُس نے امیرِ معاویہ کو ایک خط لکھا جس میں حجر کی بہت شکایتیں تھیں۔ معاویہ نے جواب دیا کہ حجر کو زنجیروں میں جکڑ کر میرے پاس روانہ کر دو۔

(طبری ۱۴۳/۶ او اسد الغابہ: ۳۸۵، البدایہ والنہایہ ۸: ۵۱)

حجر بن عدی کی گرفتاری:

معاویہ کا حکم آنے پر زیادؔ نے حجر بن عدی کی گرفتاری کے لئے اپنے آدمیوں کو روانہ کیا۔ یہ پورا واقعہ مؤرخ طبری نے اپنی کتاب ''تاریخ الامم والملوک'' میں اس طرح لکھا ہے۔

حسین بن عبداللہ سے روایت ہے کہ زیاد نے اہلِ شرطہ کو حکم دیا کہ تم میں سے کوئی شخص جا کر حجر کو بلا لائے۔ شداد بن الہیثم الہلالی (امیرِ شرطہ) نے یہ کام میرے سپرد کر دیا۔ میں یہ حکم پا کر حجر کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ امیر تم کو بلاتے ہیں۔ اصحابِ حجر نے جواب دیا کہ ''حجر کسی طرح زیادؔ کے پاس نہ جائیں گے ہم اس میں اپنی کوئی برتری نہیں سمجھتے''۔ حسین بن عبداللہ یہ جواب پا کر واپس چلا آیا اور امیر کو اصحاب حجر کا یہ جواب پہنچا دیا۔ اب زیاد نے کچھ سپاہیوں کو میرے ہمراہ کر دیا، میں دوبارہ حجر کے پاس آیا اور امیر کے پاس چلنے کو کہا جس پر حجر اور ان کے اصحاب نے ہمیں برا بھلا کہا۔ ہم نے زیادؔ سے آ کر یہ تمام روئداد بیان کر دی۔ اب وہ شرفائے کوفہ کی طرف متوجہ ہوا اور پُر غضب لہجے میں کہنے لگا:-

''اے اہلِ کوفہ! تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم لوگ ایک ہاتھ سے چھری مارتے ہو اور دوسرے ہاتھ سے پٹی باندھتے ہو، تمہارے جسم میرے ساتھ اور قلوب حجرؔ

کے ساتھ ہیں جو ایک بکواسی، احمق اور دیوانہ ہے۔ تم خود تو میرے ساتھ ہو مگر تمہارے بھائی بیٹے اور برادری والے حجر کے ساتھ۔ قسم بخدا! اس بات سے تمہاری فتنہ انگیزی اور منافقت ظاہر ہوتی ہے، اب تم لوگ اپنی برأت کا ثبوت دو ورنہ میں کچھ لوگوں کو بلا کر تمہاری ساری کجی اور بے رخی نکالے دیتا ہوں''۔

یہ سنتے ہی سب لوگ زیاد کی طرف آسمٹے اور کہنے لگے ''معاذ اللہ! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ امیر المومنین یا اپنے حاکم کی اطاعت سے ہم سرِ مو بھی ہٹ جائیں اور آپ کی مرضی کے خلاف کوئی قدم اُٹھائیں آپ ہر طرح سے ہمارے جذبۂ اطاعت اور حجر کے ساتھ مخالفت کو آزما سکتے ہیں''۔ زیاد نے کہا ''تم سب لوگ کھڑے ہو جاؤ اور جو لوگ حجر کو گھیرے ہوئے ہیں ان کے پاس جاؤ تم میں سے ہر شخص کو چاہیئے کہ اپنے بھائیوں، بیٹوں اور قرابت داروں کو اپنی برادری کے لوگوں میں سے جو تمہارا کہا مانے علیحدہ کرلو''۔ یہ سن کر وہ لوگ اس پر تیار ہو گئے اور حجر کے بہت سے ساتھیوں کو ان سے علیحدہ کرلیا۔ زیاد نے جب یہ دیکھا کہ حجر کے ساتھ والے زیادہ تر اُن کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئے تو امیرِ شرطہ سے کہا کہ ''اب تم حجر کے پاس جاؤ اگر وہ آجائے تو میرے پاس لے آنا ورنہ اپنے سپاہیوں کو حکم دینا کہ بازار میں سے ستونوں کو اُکھاڑیں اور انھیں ستونوں سے ان لوگوں پر حملہ کر کے حجر کو میرے پاس لے آئیں اور جو مانع ہو اس کو ماریں''۔ امیرِ شرطہ حجر کے پاس آیا اور کہا کہ ''امیر تم کو بلاتے ہیں'' ان کے اصحاب نے انکار کیا اور کہنے لگے کہ ''یہ کسی طرح نہیں ہوسکتا ہماری نظر میں زیاد کی کوئی حیثیت نہیں''۔ یہ جواب پا کر اس نے اپنے ساتھ والوں کو حکم دے دیا کہ ''بازار کے ستونوں کو اُکھاڑ لو''۔ یہ لوگ دوڑے اور ستون لے آئے۔ اس وقت ''ابو عمرطہ'' نے حجر سے کہا کہ ''تم لوگوں میں سے کسی کے پاس بجز میرے تلوار نہیں ہے اور

ایک تلوار سے کام نہیں چل سکتا"۔ حجرؓ نے کہا" پھر کیا رائے ہے ابو عمرطؓ نے کہا کہ تیزی کے ساتھ یہاں سے نکل کر اپنے ساتھیوں میں چلے جاؤ وہ ضرور تمہاری حمایت کریں گے"۔ زیادؔ اس وقت منبر پر تھا وہیں سے کھڑے ہو کر دیکھنے لگا۔ اس کے آدمی ہاتھوں میں لاٹھیاں لئے ہوئے حجر کے اصحاب پر پل پڑے۔ اس ہنگامے میں عمرو بن حمقؓ کے سر پر بھی ایک لٹھ پڑا جس کے صدمے سے وہ اسی وقت گر پڑے اور دو شخص اُن کو اُٹھا کر لے گئے۔ اس وقت اصحاب حجر بنی کندہ کے دروازوں کی طرف آ گئے۔ ایک شرطی نے عبداللہ بن خلیفہ طائی کو جبکہ وہ رجز کے اشعار پڑھ رہے تھے لاٹھی ماری جس سے وہ زمین پر گر پڑے، عائذ بن جملہ تیمی کے ہاتھ پر لاٹھی پڑی اور دانت ٹوٹ گیا لیکن اُنھوں نے ہمت نہ ہاری اور ایک شرطی کے ہاتھ سے لاٹھی چھین کر لڑنا شروع کر دیا یہاں تک کہ یہ سب لوگ بنی کندہ کے دروازوں سے باہر نکل گئے۔ حجرؔ کا خچّر وہاں موجود تھا ابو عمرؔ طؓ" خچر لے کر آئے اور حجر سے کہا اب سوار ہو جاؤ، حجر نے رکاب میں پاؤں ڈالا مگر چڑھ نہ سکے ابو عمرطؓ نے اُنھیں اُٹھا کر سوار کر دیا اور پھر اُچک کر خود بھی گھوڑے پر سوار ہو گئے، ابھی اچھی طرح سنبھلنے نہ پائے تھے کہ یزید بن طریف مُسلی سر پر آ پہنچا اور اُن کی ران پر لاٹھی ماری ابو عمرطؓ نے تلوار سونت کر اس کے سر پر وار کیا جس سے وہ منھ کے بل گر پڑا لیکن جلد ہی اُٹھ بیٹھا غرضیکہ یہاں سے حجرؔ اور ابو عمر طؔ دونوں روانہ ہوئے اور حجرؔ کے مکان تک آ پہنچے یہاں اُن کے اصحاب میں سے بہت سے لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے اور قیس بن فہدان کندی اپنے خچرّ پر چڑھ کر نکلے اور جہاں جہاں بنی کندہ کا مجمع تھا وہاں پہنچ کر یہ اشعار پڑھنا شروع کیے۔

یا قوم حجر دافعوا وصاولوا　　وعن اخیکم ساعۃ فقاتلوا

لا یلعنیا منکم لحجر خاذل　　الیس فیکم رامح و قابل

وفارس مستلئم وراجل   وضاربٌ بالسّیف لایزال

۱۔ اے حجر کی قوم مدافعت کرو اور حملے کرو، اپنے بھائی کی طرف سے تھوڑی دیر لڑو۔

۲۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کوئی حجر کا ساتھ چھوڑے کیا تم لوگوں میں کوئی نیزہ باز اور تیر انداز نہیں ہے۔

۳۔ کیا تم میں کوئی سوار اور پیادہ نہیں ہے، کیا تم میں کوئی ثابت قدم اور تلوار چلانے والا نہیں ہے؟

مگر بنی کندہ میں کچھ زیادہ لوگ حجر کے پاس نہیں آئے۔ زیادؔ نے منبر پر سے کہا کہ قوم ہمدان تمیمؔ و ہوازنؔ و بنی اعصر و مذحجؔ و اسدؔ اور غطفانؔ اُٹھیں اور سب کندہ کے تکیے کی طرف روانہ ہوں اور حجر کو پکڑ کر میرے پاس لے آئیں، یہ کہہ کر اُسے خیال ہوا کہ طائفۂ مصر کو طائفۂ یمن کے ساتھ روانہ کرنا مناسب نہیں مبادا دونوں میں اختلاف پیدا ہو جائے اور نتیجے میں ان کی حمیت کو نقصان پہنچے یہ سوچ کر اس نے دوبارہ یہ حکم دیا کہ فقط تمیمؔ و ہوازانؔ و بنی اعصرؔ و اسدؔ و غطفانؔ و مذحج و ہمدان کندہ کے تکیے میں جائیں اور حجر کو میرے پاس لے آئیں اور باقی اہل یمن صائدئین کے تکیے کی طرف روانہ ہوں اور جا کر حجر کو گرفتار کر لیں۔ یہ سن کر ازدؔ و بجیلہؔ و خشعمؔ و انصارؔ و خزاعہؔ و قضاءؔ کے لوگ روانہ ہو گئے اور صائدئین کے تکیے میں جا کر اُترے۔ حضرموت والے اہلِ یمن کے ساتھ اس لئے نہیں گئے کہ اُنھیں کندہ سے تعلق تھا اس لئے اُنھیں حجر کے تعاقب میں جانا گوارا نہ ہوا غرضیکہ صائدئین کے تکیے میں رؤسائے اہلِ یمن نے حجر کے باب میں مشورہ کیا۔ عبدالرحمنؔ بن مخنف نے کہا ''میں جو بات کہتا ہوں اگر اس کو مانو تو اُمید ہے کہ تم لوگ ملامت و معصیت سے بچ جاؤ گے۔ میری رائے ہے کہ جلدی نہ کی جائے

ہمدانؔ و مذحجؔ کے نوجوان یہ کام کر گزریں گے اور تم اپنی قوم اور اپنے رئیس کے ساتھ غدّاری کرنے سے بچ جاؤ گے''۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ ابھی کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ خبر ملی کہ ہمدانؔ و مذحجؔ تکیۂ بنی کندہ میں داخل ہو گئے اور بنی جبلہؔ میں جس جس کو پایا گرفتار کر لیا۔ یہ سن کر اہلِ یمن کندہ کے گھروں کی طرف گئے اور اُن سے عذر خواہی کی اس کی خبر زیاد کو پہنچی تو اُس نے مذحجؔ و ہمدانؔ کی اس کارگزاری کو پسند کیا اور تمام اہلِ یمن کی مذمت کی۔

حجرؔ جس وقت اپنے گھر پہنچے اور اُنھوں نے دیکھا کہ ان کی قوم کے لوگ ان کے ساتھ کم رہ گئے ہیں اور ساتھ ہی یہ خبر بھی اُن کو ملی کہ مذحج و ہمدان کندہ کے تکیے میں اور تمام اہلِ یمن کے تکیے میں اُترے ہوئے ہیں تو اُنھوں نے اپنے اصحاب سے کہا ''تم سب چلے جاؤ کیونکہ تمہاری ہی قوم کے لوگ تمہارے مقابلے میں آ کر جمع ہوئے ہیں اور تم اُن سے لڑ نہیں سکتے میں یہ نہیں چاہتا کہ تم کو معرضِ ہلاکت میں ڈالوں''، یہ سن کر وہ لوگ واپس جانا چاہتے تھے کہ مذحج و ہمدان کے سواروں سے جو لوگ اوائلِ فوج میں تھے ان تک آ پہنچے، یہ دیکھ کر حجر کے اصحاب میں سے عمیر بنؔ یزید، قیس بنؔ یزید و عبیدہ بن عمرو بدئی و عبدالرحمن بن محرز طمحی و قیس بن نُمر ان ان سواروں پر پلٹ پڑے اور لڑنا شروع کر دیا۔ ایک گھنٹے تک حجر کی حمایت میں لڑتے رہے بالآخر زخمی ہو گئے اور قیس بن یزید گرفتار ہو گئے باقی سب لوگ بچ کر نکل گئے۔ حجر نے ان سے کہا ''تمہارا بھلا ہو سب متفرق ہو جاؤ اور جنگ نہ کرو۔ میں خود کسی کوچے سے نکلا جاتا ہوں پھر بنی حوت کی طرف چلا جاؤں گا''۔ یہ کہہ کر حجر تیزی سے روانہ ہو گئے چلتے چلتے سلیم بن یزید نامی ایک شخص کے گھر تک پہنچ گئے۔ جیسے ہی یہ گھر کے اندر داخل ہوئے زیاد

کے سپاہی ان کے تعاقب میں آ پہنچے۔ سلیمؒ نے تلوار سونت لی اور ان کے مقابلے کو نکلنا چاہا اس کی بیٹیوں نے جو یہ دیکھا تو رونا شروع کر دیا۔ حجر نے کہا "آخر کیا ارادہ ہے"؟ اُس نے جواب دیا "واللہ میرا ارادہ یہ ہے کہ ان لوگوں سے کہوں کہ ٹل جائیں، اگر مان گئے تو خیر ورنہ اسی تلوار سے جس کے قبضے پر میرا ہاتھ آ چکا ہے تمہاری حمایت میں ان سے جنگ کروں گا، حجر نے کہا "تیرا بھلا ہو میں نے تو تیری بیٹیوں پر مصیبت ڈال دی"۔ سلیمؒ نے جواب دیا کہ "ان کی روزی کا میں متکفل نہیں ہوں نہ میں ان کا رازق ہوں بجز اس حیّ وقیوم کے جس کو موت نہیں، میں کبھی کسی نعمت کے لئے ننگ وعار کا خریدار نہ بنوں گا۔ میری زندگی میں میرے گھر سے تم اسیر ہو کر نہیں جا سکتے۔ ہاں اگر میں تمہاری حمایت میں قتل ہو جاؤں تو پھر جو تمہارے جی میں آئے وہ کرنا"۔ حجر نے پوچھا "کیا تمہارے اس مکان میں کوئی ایسی دیوار نہیں کہ میں اس کو پھاند کر چلا جاؤں یا کوئی ایسا موکھا کہ اس سے نکل جاؤں ممکن ہے کہ اس طرح خدا تمہیں اور مجھے دونوں کو محفوظ رکھے۔ یہ لوگ جب تمہارے گھر سے مجھے نہ پائیں گے تو تم کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا"۔ سلیم نے کہا "ہاں یہ موکھا ہے اس میں سے نکل کر بنی عمیر کے محلے میں اور اس کے سوا اپنی قوم والوں میں بھی تم پہنچ سکتے ہو"۔ حجر اس موکھے سے نکل گئے۔ چلتے چلتے بنی ذہل میں پہنچے۔ ان لوگوں نے بیان کیا۔ ابھی ابھی وہ لوگ تمہیں تلاش کرتے ہوئے ادھر سے گزرے ہیں تمہارا پتہ لگا رہے ہیں۔ حجر وہاں سے بھی بھاگے غرض نکل کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ ساتھ بنی ذہل میں سے کچھ لوگ چلے۔ وہ شاہراہ سے دور گلیوں میں سے انھیں لے کر گزر رہے تھے چلتے چلتے قبیلہ نخع میں پہنچے، یہاں پہنچ کر حجر نے ان جوانوں سے کہا کہ "تم لوگ اب یہاں سے

پلٹ جاؤ اور خود' حجر اشتر نخعی کے بھائی عبداللہ بن حارث کے مکان کی طرف چلے۔ جب گھر میں داخل ہوئے تو عبداللہ بن حارث نے نہایت کشادہ پیشانی سے ملاقات کی، فرش بچھا کر ان کا بستر لگایا۔ یہاں یہی ہو رہا تھا کہ کسی نے آ کر حجر سے کہا کہ اہلِ شرطہ قبیلہ نخع میں تم کو پوچھتے پھرتے ہیں جس کا سبب یہ ہوا کہ ایک سیاہ فام لونڈی جس کو سب ادماء کہہ کر پکارتے ہیں ان لوگوں کو ملی اور پوچھنے لگی کہ تم کسے ڈھونڈ رہے ہو، انھوں نے کہا ہم حجر کو ڈھونڈ رہے ہیں کہنے لگی وہ تو یہیں ہیں، میں نے اُسے قبیلہ نخع میں دیکھا ہے۔ یہ خبر سن کر حجر رات ہی کو عبداللہ کے گھر سے بھیس بدل کر نکل پڑے عبداللہ بن حارث بھی ان کے ساتھ تھے۔ حجر بن عدی محلہ ازد میں پہنچ کر ربیعہ بن ناجد ازدی کے مکان پر آ کر اُترے اور ایک رات دن وہیں قیام کیا۔

محمد بن اشعث کی طلبی:

اہلِ شرطہ جب کسی طرح حجر بن عدی پر قابو نہ پا سکے تو زیاد نے محمد بن اشعث کو بلا کر کہا ''او ابو میثاء! سن حجر کو میرے پاس لے آ ورنہ تیرا ایک ایک درختِ خرما کٹوا دوں گا اور ایک ایک گھر کھدوا کر پھینک دوں گا اور تجھ کو زندہ نہ چھوڑوں گا''، اُس نے کہا کہ ''مجھے ڈھونڈنے کی مہلت دی جائے''۔ زیاد نے کہا ''اچھا تین دن کی مہلت دی جاتی ہے اگر اس عرصے میں تو اُسے گرفتار کر کے لے آیا تو خیر ورنہ اپنے کو زندوں میں نہ شمار کرنا''۔ اس کے بعد زیاد نے حکم دیا کہ ابنِ اشعث کو قید خانے میں ڈال دیا جائے، ظالم سپاہی منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے اُسے لے جا رہے تھے کہ حجر بن یزید کندی نے اس کی سفارش کی اور کہا کہ جس طرح وہ آزاد ہو کر حجر کو ڈھونڈ سکتا ہے قید میں کیونکر ممکن ہے۔ زیاد نے اس کی سفارش سے ابن

اشعث کو چھوڑ دیا۔

قیس بن یزید کی گرفتاری:

اس اثنا میں قیس بن یزید بھی گرفتار ہو کر آ گیا۔ حجر بن یزید نے اس کے لئے بھی زیاد سے گفتگو کی، زیاد نے اس کی سفارش مان لی اور کہہ دیا کہ "قیس کو کچھ خوف نہ کرنا چاہیئے۔ عثمان کے باب میں اس کا جو عقیدہ ہے اور صفّین میں امیر المومنینؑ کی رفاقت میں جو کام اس نے کیا ہے ہم لوگوں کو خوب معلوم ہے"۔ یہ کہہ کر اُس نے قیس بن یزید کو بلایا، جب وہ سامنے آیا تو کہنے لگا "خوب جانتا ہوں کہ حجر کی حمایت میں جو تم نے جنگ کی ہے وہ اس سبب سے نہ تھی کہ تم نے اس کا سا عقیدہ اختیار کر لیا، وہ ایک آن بان کی بات تھی کہ تم نے اس کا ساتھ دیا۔ میں نے تمہارا قصور معاف کر دیا۔ میں جانتا ہوں کہ تم خوش اعتقاد اور جاں نثار ہو لیکن جب تک تم اپنے بھائی عمیر بن یزید کو میرے پاس حاضر نہ کرو گے میں تم کو نہ چھوڑوں گا"۔ قیس نے وعدہ کیا اور کہا "انشاء اللہ ضرور اس کو حاضر کر دوں گا"۔ زیاد نے کہا "تمہارا اس کا ضامن کون ہوگا"۔ کہا، "حجر بن یزید میرا اور اس کا دونوں کا ضامن ہے" اس پر حجر بن یزید نے کہا کہ "میں اس شرط پر ضمانت کرتا ہوں کہ اس کے جان و مال کا اطمینان ہو جائے"۔ زیاد نے اس کو منظور کیا۔ غرضیکہ یہ دونوں جا کر عمیر بن یزید کو لے آئے اُس وقت وہ زخمی تھا لیکن اسی حالت میں اس کو زنجیروں سے جکڑ دیا گیا اور زیاد کے آدمیوں نے اُسے زمین سے اونچا کیا اور ناوہ کے قریب تک لا کر پٹک دیا اسی طرح کئی مرتبہ کیا۔ یہ دیکھ کر حجر بن یزید اُٹھ کھڑا ہوا اور زیاد سے کہنے لگا "اے امیر!" "کیا اس کو جان و مال کی امان نہیں دی گئی ہے جو یہ ظلم اس کے ساتھ کیا جا رہا ہے"۔ قیس کے اس کہنے پر اور جتنے اہلِ یمن وہاں موجود تھے وہ بھی کھڑے ہو گئے اور زیاد کے پاس آ کر

اس کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ زیاد نے کہا! ''اگر تم سب اس کی ضمانت کرتے ہو کہ اگر اس نے کوئی بے جا حرکت کی تو میرے پاس لے آؤ گے اور مسئلی پر جو وار کیا گیا ہے اس کی دیت دو گے سب نے اس کو قبول کیا۔ اس ضمانت پر زیاد نے عمیر کو رہا کر دیا۔

حجر بن عدی کو جب یہ معلوم ہوا تو اُنھوں نے اپنے ایک اصفہانی غلام مسمّٰی رشید کو محمد بن اشعث کے پاس یہ پیام دے کر بھیجا کہ اس ظالم جبار نے جو سلوک کیا ہے اس کی مجھے خبر پہنچی، تم ہرگز نہ گھبراؤ میں خود تمہارے پاس چلا آتا ہوں۔ تم اپنی قوم کے کچھ لوگوں کو جمع کر کے زیاد کے پاس جاؤ اور اس سے میرے بارے میں بس اس قدر امان کے طالب ہو کہ وہ مجھے معاویہ کے پاس بھیج دے وہ جس طرح چاہیں میرے ساتھ پیش آئیں۔ محمد بن اشعث حجر بن یزید اور جریر بن عبداللہ البجلی اور عبداللہ بن حارث اشتر نخعی کے پاس گیا اور ان تینوں کو ہمراہ لے کر زیاد کے پاس گیا، ان لوگوں نے حجر بن عدی کے بارے میں زیاد سے گفتگو کی اور ان کے بارے میں امان کے طالب ہوئے کہ معاویہ کے پاس ان کو بھیج دیا جائے زیاد نے اس کو منظور کیا۔ ان لوگوں نے اطمینان کر کے حجر سے اُنھیں کے قاصد کی زبانی کہلا بھیجا کہ جو بات آپ چاہتے تھے وہ ہم نے زیاد سے طے کر لی ہے۔ اب آپ بے خوف و خطر چلے آئیے۔

حجر بن عدی اور زیاد کا مکالمہ:

حجر بن عدی، محمد بن اشعث کے پیام پر چلے آئے۔ جس وقت زیاد کے سامنے لائے گئے تو زیاد نے اُن سے کہا۔

زیاد: ''عبدالرحمن! مرحبا، زمانۂ جنگ میں بھی لوگوں سے لڑنے کو تیار اور جب لوگوں میں امن ہے جب بھی، وہی مثل ہے کہ اپنے ہی آدمیوں کو کتیا نے

بھونک کر قتل کر دیا''۔

حجر: ''نہ میں نے اطاعت سے سرکشی کی ہے نہ جماعت (حق) سے علیحدگی، میں اپنی بیعت پر قائم ہوں''۔

زیاد: ''اے حجر! کجا یہ دعویٰ اور کجا تُو، ایک ہاتھ سے چُھری مارتا ہے اور دوسرے سے پٹی باندھتا ہے، جب خدا نے تجھ کو ہمارے قابو میں دے دیا تو اب ہمیں خوش کرنا چاہتا ہے واللہ! ہرگز یہ نہ ہوگا''۔

حجر: ''کیا تو نے اپنی امان مجھے نہیں دی ہے کہ میں معاویہ کے پاس چلا جاؤں اور میرے باب میں جس طرح وہ چاہیں عمل کریں''۔

زیاد: ''یہ ہمیں منظور ہے''۔

اس کے بعد زیاد نے ان کو قید خانے بھیج دیا۔ جب جانے لگے تو کہا ''بخدا! اگر میں نے امان نہ دی ہوتی تو یہاں سے وہ ہل نہ سکتا تھا یہاں تک کہ اس کی جان نکال لی جاتی قسم بخدا! اس کی رگِ گردن کاٹنے کو میرا جی تڑپ رہا ہے''۔

زیاد کے روبرو حجر کا اعلانِ بیعت:

زیاد کے پاس سے حجر کو جب زندان کی طرف لے کر چلے ہیں تو اُنھوں نے بلند آواز سے کہا:-

اَللّٰھُمَّ اِنِّی عَلٰی بعیتی لا اقبلھا ولا استقبلھا سماع اللہ والنّاس (اصابہ ۳۲۹ وطبری ۶:۱۴۸)

''بارِ الٰہا میں اپنی بیعت پر قائم ہوں نہ میں اُسے توڑ رہا ہوں نہ توڑنا چاہتا ہوں اللہ اور انسانوں کو سناتے ہوئے یعنی میں اپنے امامِ حقیقی کی بیعت پر قائم ہوں''

موٴرخین لکھتے ہیں کہ حجر اُس وقت سر پر بُرنس (صدرِ اسلام کی ایک وضع کی ٹوپی) پہنے ہوئے تھے، صبح کا وقت تھا اور کافی سردی پڑ رہی تھی۔ یہاں دس دن

وہ قید رہے۔

اصحابِ حجر کی گرفتاری:

اب زیاد کو ان رؤسا کی فکر ہوئی جو حجر کے اصحاب میں تھے۔ عمرو بن حمق اور رفاعہ بن شداد بجلی تو پوشیدہ طور پر کوفے سے نکل گئے اور موصل پہنچ کر ایک جگہ چھپ گئے قبیصہ بن ضبعیہ عیسیٰ کے پاس زیاد نے شداد بن الہیثم الہلالی کو بھیجا، قبیصہ نے زیاد کے آدمیوں کا مقابلہ کرنا چاہا مگر امان دینے کے وعدے پر چلے آئے، زیاد نے ان کو بھی قید کر دیا۔

صیفی بن تفیل پر دوڑ بھیجی اور وہ بھی گرفتار ہو کر آ گئے۔

عبداللہ بن خلیفہ طائی جنھوں نے حجر کے ساتھ زیاد کے آدمیوں سے جنگ کی تھی ان کے تعاقب میں زیاد نے بکیر بن حمران احمری کو ایک مختصر دستے کے ہمراہ روانہ کیا۔ یہ لوگ عبداللہ کی طلب میں نکلے۔ ان کو عدی بن حاتم کی مسجد میں پایا، لوگ مسجد کے باہر اُن کو لے آئے اور چاہا کہ گرفتار کر کے زیاد کے پاس لے جائیں لیکن وہ ایک معزز شخص تھے اُنھوں نے یہ ذلّت گوارا نہ کی اور مقابلے کے لئے تیار ہو گئے۔ زیاد کے آدمیوں نے ان کو زخمی کر دیا اور دور سے پتھر برسانے لگے آخر وہ زمین پر گر پڑے، اُن کی بہن میثاءؔ نے جب یہ دیکھا تو دہائی دینے لگی کہ ''اے بنی طے! کیا عبداللہ بن خلیفہ کو تم حوالے کر دو گے'' تمھاری زبان اور تمھاری سنان کدھر ہے۔ احمری یہ سن کر خوف زدہ ہوا کہ اگر بنی طے جمع ہو گئے تو جان بچانا مشکل ہو گا اس لئے بھاگ کھڑا ہوا۔ ادھر بنی طے کی عورتیں باہر نکل پڑیں اور عبداللہ کو گھر میں لے گئیں۔ احمری نے یہ تمام روئداد زیاد سے جا کر بیان کر دی اور کہا کہ بنی طے نے مجھ پر ہجوم کیا میں مقابلہ نہ کر سکا اس لئے واپس آ گیا۔

عدی بن حاتم:

اب زیاد نے عدی بن حاتم کی گرفتاری کے لئے آدمی روانہ کئے۔ وہ اس وقت مسجد میں تھے۔ زیاد کے سپاہیوں نے وہیں اُن کو گرفتار کرلیا اور زیاد کے پاس لے آئے۔ زیاد نے سب سے پہلے ان سے عبداللہ بن خلیفہ کے لئے کہا، عدی بن حاتم کو عبداللہ کی خبر مل چکی تھی اس لئے انھوں نے جواب دیا کہ ''جو قتل ہو چکا ہو اس کو میں کس طرح تمہارے پاس لاسکتا ہوں''۔ زیاد نے ان سے پھر اصرار کیا لیکن عدی نے اب بھی اپنی لاعلمی ظاہر کی اور کہا میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ اس پر زیاد نے اُن کو قید کر دیا۔

عدی بن حاتم صحابیِ رسولؐ ہونے کے علاوہ اپنی قوم کے سردار بھی تھے اور اس لئے عام مسلمان ان کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے چنانچہ اہلِ شہر میں یمن اور مضر اور ربیعہ کے لوگوں میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو عدی کے لئے بے تاب نہ ہوگیا ہو۔ یہ سب لوگ جمع ہوکر زیاد کے پاس آئے اور عدی کے بارے میں گفتگو کی۔ اس اثنا میں عبداللہ بن حلیفہ کو لوگ نکال کر لے گئے اور وہ بحتر میں جاکر چھپ گئے اور عدی بن حاتم سے کہلا بھیجا کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو میں نکل آؤں اور اپنا ہاتھ زیاد کے ہاتھ میں دے دوں۔ عدی نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا ''واللہ اگر تم میرے دامن کے نیچے بھی چھپے ہوتے تب بھی دامن کو تم پر سے ہٹانا گوارا نہ کرتا''۔

غرضیکہ زیاد نے کچھ دن تو عدی کو اپنی قید میں رکھا لیکن عام مسلمانوں میں اس سے جو غم وغصہ پیدا ہو چلا تھا اس کو دیکھتے ہوئے زیاد نے یہی مناسب سمجھا کہ عدی کو رہا کردیا جائے، پھر بھی اس شرط پر ان کو رہا کیا کہ وہ شہر سے عبداللہ کو نکال دیں۔ عدی نے اس شرط کو قبول کیا اور عبداللہ سے کہلا بھیجا کہ تم پہاڑوں کی

طرف نکل جاؤ۔ اگر زیاد کے غیظ و غضب میں کمی دیکھوں گا تو تمہارے بارے میں اس سے کہوں گا انشاء اللہ پھر تم شہر میں چلے آؤ گے۔

اس کے بعد کریم بن عفیف خشعمی بھی گرفتار ہو کر آ گئے۔ غرضیکہ اِس طرح زیاد نے بارہ آدمی حجر کے اصحاب میں سے قید خانے میں جمع کئے۔

حجر بن عدی کے خلاف شہادتیں:

اب زیاد نے رؤسائے ارباع کو بلا بھیجا اور ان سے کہا کہ حجر کے جو حرکات اور افعال تم نے دیکھے ہیں اُن کی گواہی دو۔ اس وقت حسبِ ذیل چار آدمی رؤسائے ارباع تھے۔

عمر بن حریث، ربع اہلِ مدینہ پر، خالد بن عرفطہ، ربع تمیم و ہمدان پر، قیس بن ولید، ربیعہ و کندہ پر، ابو بردہ بن ابی موسیٰ قبیلہ مذحج و اسد پر۔

ان چاروں رؤسا نے حسبِ ذیل گواہی دی:

''حجر نے اپنے پاس لوگوں کو جمع کیا، خلیفہ کو اعلانیہ 'برا کہا، امیر المومنینؑ سے جنگ کرنے پر لوگوں کو آمادہ کیا اور اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ آلِ ابوتراب کے سوا امر خلافت کسی کے لئے شایاں نہیں ہے، انھوں نے شہر میں خروج کر کے امیر المومنینؑ کے عامل کو نکال دیا اور ابوتراب کی طرف سے عذر اور اُن پر ترحم کیا، ان کے دشمنوں اور اہلِ حرب سے برأت کی اور یہ لوگ، جو ان کے ساتھ ہیں ان کے اصحاب کے سرگردہ ہیں ان ہی کا سا عقیدہ ان کا بھی ہے''۔

دوسری روایت میں شہادت کا حال اس طرح لکھا ہے:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''ابو بردہ بن ابی موسیٰ رضائے الٰہی کے لئے شہادت دیتا ہے کہ حجر بن عدی نے طاعت و جماعت کو ترک کیا اور خلیفہ پر

لعن کی، جنگ و فتنے پر لوگوں کو آمادہ کیا کہ وہ بیعت کو توڑیں اور امیر المومنین معاویہ کو خلافت سے معزول کریں نیز خدائے عزّوجل کے ساتھ اعلانیہ کفر کیا''۔

زیاد نے اس شہادت کو دیکھ کر کہا کہ اسی طرح کی شہادت تم سب لوگ دو۔ چنانچہ باقی رؤسائے ارباع نے بھی اسی کے مثل شہادت دی۔

اب زیاد نے گواہوں کی شہادت پر نظر ڈالی اور کہا کہ ''میں اس شہادت کو قطعی نہیں سمجھتا، چاہتا ہوں کہ چار سے زیادہ گواہ ہوں'' چنانچہ جتنے وابستگانِ دولت تھے ان سب کو بلا کر کہا کہ رؤسائے ارباع کے مثل تم بھی گواہی دو اور یہ عبارت ان کو پڑھ کر سنائی۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ رؤسائے ارباع کے علاوہ کل ستّر نام تھے جو گواہوں میں لکھے گئے۔ طبری نے حسبِ ذیل ناموں کی تصریح کی ہے:-

اسحاق بن طلحہ، موسیٰ بن طلحہ، اسمٰعیل بن طلحہ، منذر بن زبیر، عمارہ بن عقبہ، عبدالرحمان بن منہاد عمر بن سعد بن ابی وقاص، عام بن مسعود، محرز بن جاریہ، عبیداللہ بن مسلم حضرمی، عتاق بن شرجیل، وائل بن حجر حضرمی، کثیر بن شہاب، قطن بن عبداللہ، سائب بن اقرع ثقفی، شیث بن ربعی، عبداللہ بن ابی عقیل ثقفی، مصقلہ بن ہبیر شیبانی، تقعاع بن شور دہلی، حجار بن الجر عجلی، عمرو بن عجلی، عمرو بن حجاج، زبیدی لبید بن عطارد تمیمی، محمد بن عمیر تمیمی، سوید بن عبدالرحمن تمیمی، شمر بن ذی الجوشن عامری، شداد بن الہیثم الہلالی، مروان بن الہیثم الہلالی، محصن بن تغلبہ، عبدالرحمن بن قیس اسدی، حارث بن ازمع ہمدانی، شداد بن

ازمع ہمدانی، کریب بن سلمہ جعفی، عبدالرحمن بن ابی سیرۃ الجعفی،
زمر بن قیس جعفی، قدامہ بن عجلان ازدی، عزرہ احمسی، عمر بن
قیس اللحبہ وادعی، ہانی بن حید وادعی۔

مذکورہ بالا لوگوں کے علاوہ مختار بن ابوعبیدہ ثقفی اور عروہ بن مغیرہ بن شعبہ کو بھی زیاد نے گواہی کے لئے طلب کیا مگر دونوں بچ کر نکل گئے۔

ایک دلچسپ لطیفہ:

مؤرخ طبری لکھتے ہیں کہ شداد بن بزیغہ کا نام جب گواہی کے لئے پیش کیا گیا تو زیاد نے کہا ”کیا اس کا کوئی باپ نہیں ہے جو ماں کی طرف نسبت دی گئی ہے، اُسے گواہوں میں سے نکال ڈالو“ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ وہ حصین کا بھائی ہے جو منذر کا بیٹا ہے، زیاد نے کہا بس اسے بھی اسی کا بیٹا لکھو چنانچہ ابنِ بزیغہ کو ابنِ منذر لکھ دیا گیا۔ شداد بن بزیغہ کو جب یہ خبر پہنچی تو کہنے لگا۔

> ”تف ہے اس پسرِ فاحشہ، پر کیا اس کی ماں اس کے باپ سے نامزد نہ تھی، واللہ! اُسے تو اس کی ماں سمیہ کی طرف ہمیشہ نسبت دی جائے گی“۔

مصنوعی شہادتیں:

مذکورہ بالا گواہوں کے علاوہ حسبِ ذیل وہ لوگ ہیں جن کو بغیر ان کی استرضا کے زبردستی گواہوں میں لکھا گیا۔

۱۔ سری بن وقاص حارثی کے متعلق طبری کا بیان ہے کہ وہ اُس وقت وہاں موجود نہ تھا اور اپنی ڈیوٹی پر گیا ہوا تھا۔

۲۔ اسما بن خارجہ اور ہیثم بن اسود نخعی، یہ دونوں عذر کرتے رہے لیکن ان کا

نام بھی گواہوں میں لکھ دیا گیا۔

۳۔ قاضی شریح کے متعلق علامہ ابنِ کثیر لکھتے ہیں:-

وکتبت شهادة شريح القاضی وانه انكر ذالك وقال انما قلت لزياد انهه كان صواماً قواماً

(قاضی شریح کا نام بھی گواہی میں لکھا گیا حالانکہ اُنھوں نے انکار کیا اور کہا کہ میں نے زیاد سے کہا کہ حجر بن عدی بہت زیادہ روزہ رکھنے والے اور نماز پڑھنے والے ہیں)

۴۔ شریح بن ہانی کا بیان ہے کہ میں نے گواہی دی ہی نہیں جب مجھے خبر ہوئی کہ میرا نام بھی گواہوں میں لکھا گیا ہے تو میں نے زیاد کو ملامت اور اس کی تکذیب کی۔

ان تمام گواہیوں کو دیکھنے کے بعد زیاد نے کہا کہ بجز ان لوگوں کے جو صاحبانِ حَسَب اور دین دار ہیں باقی سب کے نام نکال دیے جائیں۔ اس انتخاب کے بعد بس اتنے لوگ گواہوں میں شامل رہے کہ ان کی گواہیاں ایک کتاب میں لکھی گئیں۔

حجر اور ان کے اصحاب کی دمشق کو روانگی:

اس کارروائی کے بعد زیاد نے وائل بن حجر اور کثیر بن شہاب حارثی کو بُلا کر یہ کتاب اُن کے حوالے کی اور حکم دیا کہ حجر اور ان کے اصحاب کو لے کر روانہ ہوں۔ چنانچہ یہ دونوں رات ہی کو قیدیوں کو لے کر دمشق روانہ ہو گئے۔ حجر کے ساتھ حسبِ ذیل گیارہ آدمی تھے۔

(۱) ارقم بن عبداللہ الکندی (۲) شریک بن شداد الحضرمی۔ (۳) صفی بن فسیل۔ (۴) قبصہ بن ضبیعہ عیسیٰ۔ (۵) کریم بن عفیف خشعمی۔ (۶) عاصم بن

عوف بجلی۔ (۷) ورقا بن سمی بجلی۔ (۸) کرام بن حیان غزی۔ (۹) عبدالرحمن بن حسان غزی۔ (۱۰) محرز بن شہاب تمیمی (۱۱) عبداللہ بن حویہ سعدی۔

عبیداللہ بن الحرا لجعفی کا بیان ہے کہ حجر اور ان کے اصحاب کو جب لے کر چلے ہیں تو میں سری بن وقاص کے دروازے پر کھڑا ہوا تھا، میں نے کہا کیا دس آدمی بھی ایسے نہیں ہیں جو اس وقت میرے شریک ہو جائیں کہ میں ان لوگوں کو چھڑالوں، کیا پانچ آدمی بھی ایسے نہیں ہیں؟ افسوس کسی نے مجھے جواب نہیں دیا۔

شریح بن ہانی کا خط لے کر پہنچنا:

قیدیوں کی یہ جماعت جب غرمین کے مقام پر پہنچی تو شریح بن ہانی ایک خط لئے ہوئے آئے اور کثیر بن شہاب سے کہا کہ میرا یہ خط امیر المومنین کو پہنچا دینا، کثیر نے اس کا مضمون دریافت کیا، شریح نے کہا یہ نہ پوچھو اس میں میری ایک حاجت ہے۔ کثیر نے انکار کر دیا اور کہا میں ایسا خط امیر المومنینؑ کے پاس نہیں لے جا سکتا جس کا مضمون مجھے معلوم نہ ہو مبادا ان کی ناگوارِ خاطر کا باعث ہو۔ شریح نے وائل بن حجر کو جا کر یہ خط دیا اس نے لے لیا۔

غرضیکہ قیدیوں کا یہ قافلہ یہاں سے روانہ ہو کر مرج عذرا میں جا کر ٹھہرا۔ بعد میں زیاد نے عامر بن اسود عجلی کی حراست میں دو آدمیوں کو اور بھیجا۔ عتبہ بن اخنس اور سعد بن نمران ہمدانی، اس طرح کل چودہ شخص تھے۔

حجر جس وقت وہاں پہنچے تو انھوں نے کہا "میں پہلا مسلمان ہوں جو اس مقام پر تکبیر کہتا ہوں" (اسد الغابہ ۱:۳۸۶)

امیر معاویہ کو جب ان قیدیوں کے آنے کی اطلاع ہوئی تو اُنھوں نے وائل و کثیر کو بلایا، ان سے خط لے کر مہر توڑ دی اور اہلِ شام کو پڑھ کر سنایا۔ زیاد کے خط کا مضمون حسبِ ذیل تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زیاد بن ابی سفیان کی طرف سے بندۂ خدا امیر المومنینؑ معاویہ کو امابعد! خدا نے اس بلا کو بڑی خوبی کے ساتھ امیر المومنینؑ سے دُور کر دیا اور باغیوں کے دفع کرنے کی زحمت سے اُنھیں بچالیا، اس فرقہ ترابیہ، سبائیہ کے شیاطین نے جن کا سرگروہ حجر ابن عدی ہے، امیر المومنین سے مخالف اور جماعت مسلمین سے مفارقت کی اور ہم لوگوں سے جنگ کی، خدا نے ہمیں ان پر غلبہ دیا اور ہم ان کے گرفتار کرنے میں کامیاب ہوئے، شہر کے اشراف واخیار اور معمر و دیندار لوگوں کو میں نے بلایا اُنھوں نے جو کچھ دیکھا اس کی گواہی دی میں نے ان کو امیر المومنین کے پاس بھیج دیا ہے اور میرے اسی خط کے تحت میں صلحا اخیار شہر کی گواہیاں مندرج ہیں"۔

معاویہ نے زیاد کا خط اور گواہوں کو پڑھ کر اہلِ دربار سے پوچھا کہ ان لوگوں کے بارے میں جن کے خلاف خود ان ہی کی قوم نے یہ گواہیاں دی ہیں تمہاری کیا رائے ہے، اس وقت یزید بن اسد بجلی کھڑا ہو گیا اور کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ملک شام کے قریوں میں ان کو متفرق کر دیجئے، وہاں کے شورش انگیز لوگ ان کے لئے کافی ہیں، آپ کو سزا دینے کی ضرورت نہ ہوگی۔

وائل نے شریح کا خط بھی معاویہ کو دیا، معاویہ نے اس خط کو پڑھا اس کا مضمون یہ تھا:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بندۂ خدا امیر المومنین کو شریح بن ہانی کی طرف سے اما بعد! مجھے معلوم ہوا ہے کہ زیاد نے حجر بن عدی کے خلاف میری گواہی بھی لکھی ہے حالانکہ میری گواہی حجر بن عدی کے متعلق یہ ہے کہ وہ نماز کو قائم کرنے والے، زکوٰۃ دینے والے، حج و عمرہ بجا لانے والے ہیں۔ وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور منکرات سے منع کرتے ہیں، ان کی جان اور مال حکومت کے لئے حرام ہے اب آپ چاہیں تو ان کو قتل کر دیں اور چاہیں تو چھوڑ دیں۔

معاویہ نے یہ خط وائل اور کثیر کو پڑھ کر سنایا اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے خود کو تم لوگوں کی شہادت سے الگ کر لیا۔

معاویہ کا خط زیاد کے نام:

یہ دونوں خط اور گواہیاں دیکھنے کے بعد معاویہ نے زیاد کو حسبِ ذیل مضمون کا خط لکھا:-

''امّا بعد! تم نے حجر بن عدی اور ان کے اصحاب نیز ان کے خلاف گواہیاں تمہاری جانب سے گزری ہیں اس کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے میں سمجھ گیا۔ میں نے غور کیا تو کبھی یہ رائے ہوئی کہ ان کو چھوڑ دینے سے قتل کرنا بہتر ہے اور کبھی یہ رائے ہوئی کہ چھوڑ دینا بہتر ہے''۔

معاویہ کا یہ خط پڑھ کر زیاد کو بڑی تشویش ہوئی اس لئے اس نے ایک بڑا تنبیہی خط معاویہ کو لکھا جو حسبِ ذیل ہے:-

''امّا بعد! میں نے آپ کے خط کو پڑھا اور آپ کی رائے کو

سمجھا مجھے تعجب ہوتا ہے کہ حجر اور اس کے اصحاب کے بارے
میں آپ کو کیسا اشتباہ ہوا۔ جو لوگ اس کے حالات سے باخبر ہیں
اُنھوں نے تو اس کے خلاف گواہیاں دی ہیں اور آپ سن چکے،
اب اگر آپ اس شہر پر قبضہ رکھنا چاہتے ہیں تو حجر اور اس کے
اصحاب کو ہرگز میرے پاس واپس نہ کریں"۔

یزید بن حجیہؔ تمیمی کی زبانی حجر کا پیغام:

زیاد نے یہ خط لکھ کر یزید بن حجیہؔ تمیمی کے ہاتھ روانہ کیا، جب مرج عذرا پہنچا تو قیدیوں سے کہا" واللہ! تمہارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ میں ایک خط لے کر آیا ہوں جس کا انجام قتل ہے اب جو کچھ تم اپنے حق میں بہتر سمجھتے ہو مجھ سے بیان کرو تا کہ میں اس بارے میں تمہاری کچھ مدد کرسکوں"۔ حجرؓ نے کہا معاویہ کو ہمارا یہ پیغام پہنچادے۔

" ہم لوگ اپنے (امام) کی بیعت پر قائم ہیں نہ چھوڑنا
چاہتے ہیں نہ چھوڑیں گے، جنھوں نے ہمارے خلاف گواہیاں
دی ہیں وہ سب ہمارے دشمن اور بدخواہ ہیں"۔

یزید بن حجیہؔ نے یہ خط معاویہ کو دیا اور ساتھ ہی حجر کا پیغام بھی ان کو پہنچا دیا۔ معاویہ نے اس کا جواب دیا کہ زیاد کو ہم حجر سے زیادہ سچا اور راست باز سمجھتے ہیں اس پر عبدالرحمن بن ام الحکم ثقفی یا عثمان بن عمیر ثقفی اور معاویہ میں کچھ باتیں ہوئیں۔ اہلِ شام وہاں سے اُٹھے اور اُن کی سمجھ میں یہ کچھ نہ آیا کہ معاویہ اور عبدالرحمان میں کیا باتیں ہوئیں البتہ نعمان بن بشیر سے آکر عبدالرحمان کا قول جب اُنھوں نے بیان کیا تو نعمان نے کہا کہ سب لوگ مارے جائیں گے۔

حجر بن عدی کا آخری اتمامِ حجّت:

عامر بن اسود ابھی تک عذرا میں مقیم تھا اس نے معاویہ کے پاس آنے کا ارادہ کیا تا کہ جن دو شخصوں کو زیاد نے بھیجا ہے ان کا ذکر کر دے۔ جب وہ چلنے لگے تو حجر بن عدی زنجیر کھڑکھڑاتے ہوئے اُٹھے اور کہا ''اے عامر! میری ایک بات سن لئے معاویہ سے کہنا کہ ہم لوگوں کا خون بہانا اُس پر حرام ہے ہم لوگوں کو امان دی جا چکی ہے اور ہم صلح کر چکے ہیں خدا سے ڈر اور ہمارے باب میں غور کر''...... حجر نے بار بار عامر سے یہی بات کہی۔ عامر نے کہا میں سمجھ گیا تم بہت دفعہ کہہ چکے۔ حجر نے کہا میرے لئے کسی طرح کی بدنامی نہیں ہوئی، تجھ کو انعام و اکرام ملے گا اور حجر کو کھینچ لے جائیں گے اور قتل کر دیں گے۔ اگر میری بات تجھے گراں گزرے تو جائے شکایت نہیں، اس بات پر عامر کو شرمندگی سی ہوئی اور کہنے لگا واللہ! یہ بات نہیں ہے۔ میں ضرور تمہارا پیغام پہنچا دوں گا۔ اسی کا بیان ہے کہ اُس نے ایسا ہی کیا۔

اصحابِ حجر کی سفارشات:

عامر جب معاویہ کے دربار میں پہنچا اور ان دونوں شخصوں کا ذکر کیا تو یزید بن اسد بجلی کھڑا ہو گیا اور اپنے دونوں ابنِ عم عاصم بن عوف بجلی اور ورقا بن سمّی بجلی کی جاں بخشی چاہی اور دونوں کی سفارش میں جریر بن عبداللہ بجلی پہلے ہی معاویہ کو خط لکھ چکے تھے ''کہ میری قوم کے دو شخص جو اہلِ جماعت سے ہیں اور خوش عقیدہ ہیں، کسی بدخواہ نے زیاد سے ان کی شکایت کی ہے جس پر اُس نے ان دونوں کو ان کوفیوں کے ساتھ بھیج دیا ہے، معلوم ہو کہ ان دونوں نے نہ تو اسلام میں کوئی بدعت کی ہے نہ خلیفہ سے مخالفت اس لئے امیر المومنینؑ سے اس کا نفع ان کو ملنا چاہیئے۔

اب یزید بن اسد نے جو ان دونوں کی سفارش کی تو معاویہ کو جریر کا خط بھی یاد

آ گیا اور یزید سے کہا ''تمہارے ابنِ عم نے بھی ان دونوں کی تعریف مجھ کو لکھی ہے وہ ضرور ایسے شخص ہیں جن کی بات پر یقین کرنا چاہیئے میں نے ان دونوں کو بخش دیا''۔

اب وائل بن حجر نے ارقم بن عبداللہ الکندی کے لئے کہا ان کو بھی اس کی سفارش پر چھوڑ دیا۔ ابواعوء اسلمی نے عتبہ بن اخنس کو مانگا اُن کی بھی جاں بخشی ہوگئی۔ حمزہ بن مالک نے سعد بن نمران ہمدانی کے لئے کہا اُن کو بھی چھوڑ دیا گیا۔ حبیب بن مسلمہ نے عبداللہ بن حوبہ سعدی کے بارے میں گفتگو کی ان کو بھی رہا کر دیا گیا۔

مالک بن ہبیرہ کی حجر کے بارے میں معاویہ سے گفتگو:

مالک بن ہبیرہ سکونی اس وقت دربار میں موجود تھا، اس نے کھڑے ہو کر معاویہ سے کہا ''امیر المومنین! میرے ابنِ عم حجر کو میرے کہنے سے چھوڑ دیجئے'، معاویہ نے جواب دیا ''تمہارا ابنِ عم تو رئیس قوم ہے اگر اسے چھوڑ دوں گا تو مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ سارے شہر کو مجھ سے بدعقیدہ کر دے گا اور کل کو مجبور ہو کر مجھے اس کے مقابلے کے لئے تم ہی کو تمام اصحاب سمیت عراق بھیجنا پڑے گا'' مالک نے کہا ''واللہ! تم نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا اے معاویہ! میں نے تمہارے ساتھ شریک ہو کر تمہارے ابنِ عم سے قتال کیا، مجھے ان لوگوں کا مقابلہ کرنے میں صفین کا جیسا معرکہ پیش آیا آخر تمہارا ہاتھ اونچا رہا اور تمہاری منزلت میں چار چاند لگ گئے جس کے بعد تم کو کوئی خوف نہیں رہا اب میں نے اپنے ابنِ عم کے لئے جو تم سے سوال کیا تو خفا ہو گئے اور بات کو طول دے دیا جس سے مجھے کوئی نفع نہیں پہنچا، مالک یہ کہہ کر چلا گیا اور اپنے گھر جا کر بیٹھ رہا۔

حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کی قسمت کا آخری فیصلہ:

معاویہ نے حجر اور اُن کے اصحاب کے پاس ہدبہ بن فیاض قضاعی (یک چشم) اور حصین بن عبداللہ کلابی اور ابو شریف بدئی کو بھیجا۔ یہ لوگ شام کے وقت مرج عذرا پہنچے۔ کریم بن عفیف خشعمی نے جیسے ہی یک چشم کو آتے دیکھا تو بر سبیلِ تفنن کہنے لگے'' ''ہم میں سے آدھے بچ جائیں گے اور آدھے قتل ہو جائیں گے'' سعد بن نمران نے کہا'' خداوند! مجھے اس صورت میں بچا لینا کہ تو بھی مجھ سے راضی رہے'' عبدالرحمن بن حسان عزی نے کہا'' ان کی ذلت سے مجھے عزت دے اس طرح کہ تو بھی مجھ سے راضی رہے، میں نے تو بہت مرتبہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال ڈال دیا مگر خدا کو وہی منظور ہوا جو اُس کی مشیت تھی۔

معاویہ کے آدمیوں نے حجر اور اُن کے اصحاب سے کہا کہ چھ شخص چھوڑ دیے جائیں گے اور آٹھ قتل ہوں گے۔ ہم لوگوں کو حکم ہے علیؑ سے تبرّا اور اُن پر لعنت کرنے کو تم سے کہیں اگر تم اُس کو منظور کرو تو چھوڑ دیا جائے ورنہ قتل کر دیں۔ امیر المومنینؑ کا خیال ہے کہ خود تمہارے ہی ہم وطنوں کی گواہی سے تمہارا قتل کرنا ان کے لئے جائز ہو چکا ہے لیکن انھوں نے معاف کر دیا ہے۔ اگر تم علیؑ سے تبرّا کرو تو ہم سب کو چھوڑ دیں۔ حجر اور ان کے اصحاب نے جواب دیا'' خداوندا! ہم سے یہ امر کسی طرح سرزد نہیں ہو سکتا''۔

البتہ عبدالرحمن بن حسان عزی اور کریم بن عفیف خشعمی نے کہا کہ ہم دونوں کو معاویہ کے روبرو بھیج دیا جائے اور علیؑ کے بارے میں جو کچھ وہ کہلوانا چاہتے ہیں ہم وہی کہیں گے۔ چنانچہ ان کو معاویہ کے پاس بھیج دیا گیا۔

اس کے بعد ان کی قبریں کھودنے کا حکم دیا گیا اور کفن آ گئے۔

مؤرخین لکھتے ہیں:-

"فبات حجر و اصحابه یصلّون طول اللّیل فلمّا صلّوا الصبح قتلوھم"

یہ رات حجر اور ان کے اصحاب نے نمازیں پڑھنے میں بسر کی، جب صبح نمودار ہوئی تو معاویہ کے اصحاب نے کہا کہ رات تو ہم نے تمہاری طولانی نمازوں اور دعاؤں کو دیکھا اب یہ بتاؤ کہ عثمان کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے، حجر اور ان کے اصحاب نے جواب دیا "ھو اوّل من جار فی الحکم و عمل علی غیر الحق" وہی تو پہلے شخص ہیں جنھوں نے حکم میں جور کیا اور ناحق پر عمل کیا۔
یہ سن کر اصحابِ معاویہ نے کہا امیر المومنینؑ نے تم کو خوب پہچانا تھا یہ کہہ کر قتل کرنے کو تیار ہو گئے اور کہنے لگے علیؑ پر تبرّا کرو سب نے جواب دیا "ہم ان سے تولا رکھتے ہیں اور ان سے تبرا کرنے والے پر تبرّا کرتے ہیں" اب ایک ایک شخص نے ایک ایک کو قتل کرنے کے لئے کھینچا۔ قبیصہ بن ضبیعہ پر ابوشریف بدئی کا ہاتھ پڑا، قبیصہ نے کہا میرے تیرے خاندان میں قرابت ہے اس لیے بہتر ہے کہ مجھے کوئی اور قتل کرے، بدئی نے کہا اس وقت قرابت کا ہونا تیرے لیے کام آیا یہ کہہ کر اس نے شریک بن شداد حضرمی کو اور قبیصہ کو قضاعی نے قتل کیا۔

حجر کی آخری نماز اور شہادت:

جس وقت حجر کو قتل کرنے کے لیے بڑھے تو انھوں نے کہا "مجھے اتنی مہلت دو کہ وضو کر لوں" چنانچہ وضو کی اجازت ملی جب وضو کر چکے تو کہا اتنی مہلت اور چاہتا ہوں کہ دو رکعت نماز پڑھ لوں بخدا میں نے جب بھی وضو کیا ہے دو رکعت نماز ضرور پڑھی ہے" غرضیکہ نماز پڑھی جب نماز پڑھ کر واپس آئے تو کہا "واللہ! اتنی مختصر نماز اپنی زندگی میں میں نے کبھی نہیں پڑھی اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم خیال

کرو گے کہ مجھے موت سے اضطراب ہے تو جی چاہتا تھا کہ ان دو رکعتوں کو طول دوں کیونکہ یہی دو رکعتیں میری تمام زندگی کا ماحصل ہیں پھر کہا:-

"اللّٰھُمَّ انا نستعینك علی اُمّتِنَا فان اھل الکوفة یشھدون علینا واھل الشام یقتلوننا"

(ابنِ خلدون ۳: ۱۳)

بارِ الٰہا! ہم لوگ تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، اس امت کے مقابلے میں بیشک اہلِ کوفہ نے ہمارے خلاف گواہیاں دیں اور اہل شام ہم کو قتل کر رہے ہیں۔

واللہ! تم لوگ اگر مجھ کو قتل کرتے ہو تو سن رکھو کہ مسلمانوں میں پہلا فارس ہوں جو ملک شام میں ہلاک ہوا اور پہلا شخص ہوں جس پر یہاں کے کتے بھونکے''۔

حجر کی زبان سے یہ کلمات پوری طرح نکلنے نہ پائے تھے کہ ہدبہ بن فیاض قضاعی (یک چشم) تلوار کھینچے ہوئے ان کی طرف بڑھا۔ اس وقت حجر کے ہاتھ پاؤں میں تھرتھری پڑگئی۔ ہدبہ نے کہا ''تم تو کہتے تھے کہ مجھے موت سے اضطراب نہیں ہے بہتر ہے کہ اپنے دوست علیؑ سے بیزاری اختیار کر دو تا کہ قتل سے بچ جاؤ''۔ حجر نے جواب دیا مجھے کس طرح اضطراب نہ ہو میں دیکھ رہا ہوں کہ قبر کھدی ہوئی ہے اور کفن پھیلا ہوا ہے تلوار سر پر کھنچی ہوئی ہے، واللہ میں اس اضطراب میں بھی ایسا کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالوں گا جس سے خدا ناراض ہو''۔

اس کے بعد اُنھوں نے حاضرین کو وصیت کی کہ میری بیڑیاں اور ہتھکڑیاں نہ اُتاری جائیں نہ میرا خون دھویا جائے کہ میں کل قیامت میں معاویہ سے اسی حال میں ملوں گا۔ (استیعاب ۵ ۱/۱۳۵، اسد الغابہ ۱: ۳۸۶، اصابہ ۱: ۳۲۹)

ہدبہ نے کہا اچھا اپنی گردن اُٹھاؤ حجر نے کہا میں اپنے نفس کے قتل پر اعانت نہ کروں گا غرض کہ ہدبہ نے تلوار ماری اور حجر کا لاشہ زمین پر تڑپنے لگا۔

اصحابِ حجر:

حجر بن عدی کے اصحاب میں حسبِ ذیل وہ اصحاب ہیں جو اُن کے ساتھ قتل کیے گئے۔

(۱) شریک بن شداد حضرمی۔ (۲) صیفی بن فیسل شیبانی۔ (۳) قبیصہ بن ضبیعہ عیسی۔ (۴) محرز بن شہاب سعدی۔ (۵) کدام بن حیان غزی۔ (۶) عبدالرحمن بن حسان غزی کو معاویہ نے زیاد کے پاس واپس بھیج دیا تھا زیاد نے ان کو قسِ ناطف میں زندہ گڑوا دیا۔

حسبِ ذیل اصحاب سفارشات پر چھوڑ دیے گئے۔

(۱) عاصم بن عوف بجلی۔ (۲) ورقاء بن سمی بجلی۔ (۳) عبداللہ بن حویہ تمیمی۔ (۴) ارقم بن عبداللہ الکندی۔ (۵) عتبہ بن اخنس سعدی۔ (۶) سعید بن نمران ہمدانی۔ (۷) کریم بن عفیف خثعمی۔

مالک بن ہبیرہ سکونی کا واقعہ:

سابق کے بیان میں گزر چکا ہے کہ مالک بن ہبیرہ سکونی نے حجر بن عدی کے لیے معاویہ سے سفارش کی تھی لیکن اُنھوں نے اس پر کوئی توجہ نہ کی، مالک واپس چلا گیا، اس کے بعد اس نے بنی کندہ اور بنی سکون نیز اہلِ یمن کی ایک کثیر جماعت کو اپنے ہمراہ لیا اور کہا ''واللہ ہمیں معاویہ کی اتنی پروا نہیں ہے جتنی ہمیں ان کی ضرورت ہے ہم کو ان ہی کی قوم میں سے ان کا بدل مل جائے گا لیکن اُنھیں ہمارا بدل نہیں مل سکتا چلو حجر کو اس کی قید سے چھڑا لائیں''۔

مالک کی یہ گرم تقریر سن کر سب کے سب تیار ہو گئے، انھیں یقین تھا کہ ابھی سب لوگ عذرا میں ہوں گے اور قتل نہیں ہوئے ہوں گے۔ راستے میں معاویہ

کے آدمیوں سے ملاقات ہوئی جو حجر اور ان کے اصحاب کو قتل کر کے واپس آ رہے تھے۔ اُنھوں نے جو مالک کے ساتھ کثیر جماعت دیکھی تو سمجھ گئے کہ یہ حجر کے چھڑانے کو آ رہا ہے، مالک نے اُن سے پوچھا کیا خبر ہے؟ ایک شخص نے کہا "ان لوگوں نے توبہ کر لی اب ہم معاویہ کے پاس یہی کہنے کو جا رہے ہیں"۔ مالک نے سکوت کیا اور عذرا کی طرف متوجہ ہوا تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص اسی طرف سے آتا ہوا راستہ میں ملا اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ قتل کر دیے گئے۔ مالک نے پکارا کہ ان قاتلوں کو میرے پاس لایا جائے۔

کچھ سوار ان کے تعاقب میں گئے مگر وہ دور نکل گئے تھے، اُنھوں نے معاویہ سے جا کر مالک اور اس کے ساتھیوں کا جو ارادہ تھا سب بیان کر دیا۔ معاویہ نے کہا پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے یہ ایک جوش تھا جو اُسے آ گیا اور شاید اب ٹھنڈا بھی ہو گیا ہو۔ مالک وہاں سے واپس ہوا تو سیدھا اپنے گھر آ کر اُترا اور معاویہ کے پاس نہیں گیا بلکہ ان کے بلانے پر بھی آنے سے انکار کر دیا۔ جب رات ہوئی تو معاویہ نے ایک لاکھ درہم اس کے پاس بھیجے اور یہ کہلا بھیجا کہ امیر المومنینؑ نے حجر کے بارے میں جو تمہاری سفارش قبول نہیں کی وہ محض تمہاری اور تمہارے اصحاب کی بہتری کے لئے تھا مبادا پھر جنگ و جدل کی نوبت آئے کیونکہ حجر بن عدی اگر زندہ رہتا تو اس بات کا اندیشہ تھا کہ کسی وقت تم کو اور تمہارے اصحاب ہی کو اس کے مقابلے کے لیے جانا پڑتا اور اس جنگ سے مسلمانوں کی ایسی تباہی ہوتی جو حجر کے قتل سے کہیں زیادہ ہوتی۔ مالک نے ہدیہ قبول کیا اور خوش ہو گیا اور صبح کو اپنی ساری جمعیت سمیت معاویہ کے پاس آ کر اظہارِ رضامندی کیا۔ (طبری ۶:۱۵۶)

مقبرہ:

حجر بن عدی کی قبر عذرا میں مشہور ہے۔ ابنِ عساکر لکھتے ہیں :-

"مسجد قبرہ بها معروف اقول ذالك المسجد والقبر لم یزالا معروفین الی الآن" (ابن عساکر ۴: ۸۵)

اولاد:

حجر بن عدی کی اولاد کا کوئی تفصیلی ذکر کسی تاریخ میں نہیں ملتا صرف اتنا ملتا ہے کہ ان کے دو بیٹے عبداللہ اور عبدالرحمان تھے جو مختار بن ابو عبیدہ ثقفی کے سرگرم حامیوں میں تھے۔ ۶۷ ھ میں جب مصعب نے مختارؒ پر غلبہ حاصل کیا تو یہ بھی اُن کے ہمراہ قتل کر دیے گئے۔ (اصابہ ۱: ۳۳)

حجر بن عدی کے قتل کی پیشین گوئیاں زبانِ رسولؐ سے:

ابوالاسود سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ معاویہ جب حضرت عائشہ کے پاس آئے تو آپ نے اُن سے کہا "تم کو اہلِ عذرا، حجر اور ان کے اصحاب کے قتل پر کس چیز نے آمادہ کیا" معاویہ نے جواب دیا اے اُم المومنینؑ میں نے "اُن کے قتل میں اُمتِ محمدیہ کی بہتری دیکھی اور ان کے باقی رکھنے میں فساد"، اس پر آپ نے فرمایا کہ "میں نے رسولؐ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے "عنقریب عذرا میں کچھ لوگ قتل کیے جائیں گے جن کے لئے اللہ اور تمام سکانِ سماوات غضب ناک ہوں گے"۔ (کنز العمال کتاب الفضائل)

علامہ ابنِ کثیر نے اس روایت کو اِنھیں الفاظ کے ساتھ اپنی کتاب "البدایۃ والنہایۃ جز ۸ صفحہ ۵۵" پر نقل کیا ہے اس کے بعد لکھتے ہیں :-

اس حدیث کی روایت عبداللہ بن مبارک نے ابولہیعہ سے، اُنھوں نے

ابوالاسود سے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے فرمایا مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ عنقریب عذرا میں کچھ لوگ قتل کئے جائیں گے جن کے لیے اللہ اور تمام ساکنانِ سماوات غضبناک ہوں گے۔ عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ مجھ سے ابولہیعہ نے بیان کیا، ان سے حارث بن زید نے، ان سے عبداللہ بن رزین غافقی نے بیان کیا۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے علیؑ بن ابی طالبؑ کو یہ کہتے ہوئے سنا ''اے اہلِ عراق تم میں سے عنقریب سات آدمی عذرا میں قتل کئے جائیں گے ان کی مثال اصحابِ اخدود کی ہوگی''۔ راوی کہتا ہے کہ اس سے مراد حجر اور ان کے اصحاب ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جز ۸ صفحہ ۵۵)

قاتل کی پشیمانی:

ابن سیرین کا بیان ہے کہ ہم کو یہ روایت پہنچی ہے۔

کہ جب معاویہ کی موت کا وقت ہوا تو کہتے تھے اے حجر! تمہاری وجہ سے میرا روزِ حشر بہت طویل ہے۔ (کامل ۳: ۲۱ و طبری ۶: ۱۵۶)

معاویہ کہا کرتے تھے کہ میں نے جس کو بھی قتل کیا اس کے متعلق یہ جانتا ہوں کہ کس بات پر قتل کیا بجز حجر کے جن کے متعلق میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان کو کس جرم میں میں نے قتل کرایا۔ (ابنِ عساکر ۴: ۸۶)

حجر بن عدی کے قتل پر اجلۂ اصحاب کے تاثرات:

حضرت حجر بن عدی کا دردناک قتل ایسا غیر اہم واقعہ نہ تھا جس سے اس وقت کی اسلامی دنیا متاثر نہ ہوتی، اگرچہ اس سے پیشتر بھی ہزارہا کی تعداد میں شیعیانِ علیؑ کو سفاکانہ طریقے سے قتل کیا جا چکا تھا لیکن مجموعی طور پر ان واقعات سے کوئی ایسا اثر مرتب نہ ہوسکا جس سے عوام کے دلوں میں حکومت کی طرف سے جذبۂ

تنفر پیدا ہوجاتا حجر بن عدی اپنی شخصیت کے لحاظ سے ان لوگوں میں نہ تھے جن کے قتل کو مسلمان آسانی کے ساتھ برداشت کر لیتے اور مذہبی حلقوں کی طرف سے کوئی احتجاجی صدا بلند نہ ہوتی۔ وہ ایک عابد و زاہد بزرگ ہونے کے علاوہ ممتاز صحابیِ رسولؐ بھی تھے جس کی بنا پر لوگ ان کو نہایت احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ دوست اور دشمن دونوں کی نظر میں ان کی نیکی کا گہرا نقش بیٹھا ہوا تھا جس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کو جب حجر کے قتل کا مشورہ دیا گیا ہے تو اُنھوں نے یہ جواب دیا ہے۔

''میں نہیں چاہتا کہ اس شہر کے نیک لوگوں سے قتل کی ابتدا کروں''

(طبری ۶: ۱۴۳)

اس واقعے سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ حجر کا شمار اپنے وقت کے نیک لوگوں میں تھا اور اس حد تک کہ دشمن بھی اس کا اعتراف کرنے پر مجبور تھے چنانچہ واقعات بتاتے ہیں کہ ان کے قتل پر تمام اسلامی دنیا میں عام ہیجان و اضطراب پیدا ہوگیا اور ہر طرف سے احتجاج کی آوازیں بلند ہونا شروع ہوگئیں۔

مؤلف سیر الصحابہ شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں:-

حجر کا قتل معمولی واقعہ نہ تھا، اپنے خاندانی اعزاز اور حضرت علیؑ کی حمایت کی وجہ سے کوفے میں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اس لئے اہلِ کوفہ میں بڑی برہمی پیدا ہوگئی۔ معززینِ کوفہ حضرت حسنؑ کے پاس فریاد لے کر پہنچے آپ بے حد متاثر ہوئے''۔ (سیر الصحابہ، ج ۷، صفحہ ۴۹)

خصوصیت سے حضرت امام حسینؑ پر اس کا سب سے زیادہ اثر ہوا ابو حنیفہ دینوری کا بیان ہے کہ حجر بن عدی اور اُن کے

اصحاب جب قتل ہو گئے تو اہلِ کوفہ نے اس کو ایک مصیبتِ عظیم سمجھا اور کچھ لوگ معززینِ اہلِ کوفہ میں سے آپ کے پاس آئے اور اس واقعے کی اطلاع دی۔ امام حسینؑ نے انّا للہ و انّا الیہ راجعون" پڑھا اور بے حد متاثر ہوئے۔ اس وقت مروان بن حکم مدینے کا گورنر تھا اس کو جب یہ خبر پہنچی تو معاویہ کو اطلاع دی کہ "اہلِ کوفہ میں سخت برہمی کے آثار ہیں اور حسینؑ بن علیؑ کے پاس ان کا اجتماع ہوتا ہے"۔ معاویہ نے اس کے جواب میں لکھا کہ حسینؑ بن علیؑ سے کوئی تعرّض نہ کرو۔ ساتھ ہی امام حسینؑ کو اُس نے حسبِ ذیل خط لکھا:۔

امّا بعد! مجھ کو آپ کی بابت ایسی خبریں پہنچی ہیں جو آپ کی شان کے شایان نہیں اس لیے کہ عہد کرنے کے بعد اس کا ایفا ضروری ہوتا ہے"۔ پس (اللہ آپ پر رحم کرے) یہ جان لیجیے کہ اگر کسی وقت میں آپ کا انکار کروں تو آپ بھی میرا انکار کریں اور جب آپ میرے ساتھ کوئی کید کریں گے تو میں بھی کید سے جواب دوں گا، پس آپ بیوقوف لوگوں کے کہنے میں نہ آئیں جن کا مقصد صرف فتنہ انگیزی ہے"۔ (اخبار الطوال ۲۳۸)

اس خط کے جواب میں امام حسینؑ نے ایک طولانی خط معاویہ کو لکھا ہے جو مختلف کتبِ تواریخ میں ملتا ہے جس سے آپ کے تاثرات کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔

امّا بعد! مجھے تمہارا خط ملا جس میں تم نے لکھا ہے کہ میرے بارے میں تم کو کچھ ایسی خبریں پہنچی ہیں جو تمہاری نظر میں میرے لیے ناپسندیدہ ہیں اور جن کا نہ ہونا زیادہ بہتر تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ نیکی کی طرف ہدایت دینے والا اور اپنی توفیق

شاملِ حال کرنے والا صرف خدا ہے اور تم نے جو یہ لکھا ہے کہ تم تک میرے متعلق کچھ باتیں پہنچی ہیں تو تم کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ باتیں تم تک چغل خور، پھوٹ ڈالنے والے، جھوٹے اور گمراہ لوگوں نے پہنچائی ہیں۔ میرا نہ تم سے کوئی جنگ کا ارادہ ہے نہ تمہارے خلاف کسی اقدام کا حالانکہ ایسا نہ کرنے کی وجہ سے میں خدا سے ڈرتا ہوں کہ میں نے تمہارے مقابلے اور تمہارے ان ستم گار اور لامذہب ساتھیوں کے مقابلے میں جو ظالموں کا جتھا اور شیطان کے پیرو ہیں پوری پوری کوشش کیوں نہیں کی، اے معاویہ! کیا تم حجر بن عدی کندی اور ان کے عبادت گزار اور نمازی اصحاب کے قاتل نہیں ہو جو ظلم سے انکار کرتے تھے اور بدعتوں کے مخالف تھے، اچھی باتوں کا حکم دیتے تھے اور منکرات سے منع کرتے تھے اور خدا کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے پھر تم نے انہیں سخت قسم کے عہد و پیمان کرنے اور ٹھوس وعدے کرنے کے باوجود خدا پر جرأت کر کے اور اس کے عہد کو خفیف سمجھ کر محض از راہِ ظلم و جَور شہید کر ڈالا۔

کیا تم عمرو بن حمق کے قاتل نہیں ہو؟ جو رسولؐ اللہ کے صحابی اور اللہ کے نیکوکار بندے تھے، جن کو عبادت نے اتنا لاغر کر دیا تھا کہ ان کا جسم کاہیدہ اور رنگ زرد ہو گیا، تم نے انہیں امان دینے اور سخت و شدید وعدے کرنے کے بعد کہ اگر وہ وعدے بز کوہی سے بھی کیے جاتے تو وہ بھی پہاڑ چھوڑ کر نیچے اُتر آتے، قتل کیا۔

کیا تم نے زیاد بن سمیہ کو جو ثقیف کے غلام کے گھر پیدا ہوا تھا بھائی نہیں بنایا؟ حالانکہ رسولؐ اللہ کی حدیث ہے کہ لڑکا شوہر کے لیے ہے اور زنا کار کے لئے پتھر، تم نے عمداً شریعتِ پیغمبرؐ سے گریز کیا اور اپنی خواہشات کا اتباع کیا اور اس میں خدا کی طرف سے تم مطلق ہدایت پر نہیں تھے، پھر اسی پر تم نے اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کو (زیاد) تم نے مسلمانوں پر مسلط کر دیا کہ وہ انہیں قتل کرے، ان

کے ہاتھ پیر کاٹے، ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھروائے اور درختِ خرما پر پھانسی چڑھائے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے تم اس اُمت سے ہو ہی نہیں اور نہ یہ اُمتِ محمدی تم سے کوئی سروکار رکھتی ہے۔

کیا تم نے حضرمی جماعت کو قتل نہیں کیا جس کے متعلق زیاد نے تم کو لکھا تھا کہ وہ علیؑ کے دین پر ہے تو تم نے لکھا کہ جو بھی علیؑ کے دین پر ہواُسے قتل کرڈالو اور ان کا مثلہ کیا (ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک کاٹے) حالانکہ علیؑ کا دین بعینہٖ محمد مصطفیٰؐ کا دین ہے، وہ محمد مصطفیٰؐ جن کی وجہ سے آج تم اس جگہ پر بیٹھے ہو، اگر وہ نہ ہوتے تو تمہاری اور تمہارے آباؤ اجداد کی عزت بس پھیریاں لگاتی ہوتی جاڑے کی پھیری اور گرمی کی پھیری اور تم نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ ذرا اپنے اور اپنے مذہبی راویوں کے متعلق خوب غور کرلیں میں نے یقیناً غور کیا، میری نظر میں اپنے لیے اور اپنے مذہبی مفاد اور اُمتِ حضرت محمد مصطفیٰؐ کے لیے اس سے بہتر کچھ نہیں کہ جہاں تک ہو سکے میں تمہارا مقابلہ کروں اب اگر میں نے ایسا کیا تو میرے لیے رضائے الٰہی کا ذریعہ ہوگا اور اگر اسے ترک کیا تو پھر خدا سے مجھے اپنے مذہبی فرض کی بنا پر طالبِ مغفرت ہونا پڑے گا اور اسی سے میری درخواست ہے کہ وہ مجھے صحیح طریقہ کار اختیار کرنے کی توفیق دے اور تم نے جو اپنی تحریر میں مجھے دھمکایا ہے کہ اگر میں تمہاری مخالفت کروں گا تو تم بھی مخالفت سے اس کا جواب دو گے اور میں کوئی فریب کروں گا تو تم بھی فریب کرو گے اچھا تو پھر جیسا چاہے میرے ساتھ فریب کرلو مجھے اُمید ہے کہ تمہارے فریب سے مجھے کوئی ضرر نہ پہنچے گا اور سب سے زیادہ اس کا نقصان تم ہی کو پہنچے گا اس لیے کہ تم جہالت کی سواری پر سوار ہو، اپنے عہد کے توڑنے کی فکر میں ہو اور میں زندگی کی قسم کھا کر کہتا

ہوں کہ تم نے ایک شرط بھی پوری نہیں کی اور تم اپنا عہد توڑ چکے ان لوگوں کو قتل کر کے جو تمہارے ساتھ مصالحت کر چکے تھے اور جن کو امان دینے کی تم نے قسمیں کھائی تھیں اور عہد و پیماں کیے تھے، تم نے بغیر اس کے کہ وہ تمہارے خلاف کوئی اقدام کریں یا کسی کو قتل کریں، انھیں قتل کر ڈالا اور تم نے ان کے ساتھ یہ سلوک صرف اس جُرم میں کیا کہ وہ ہمارے فضائل بیان کرتے تھے اور ہمارے حقوق کا احترام کرتے تھے۔ تم نے انہیں صرف ایسے خطروں کی بنا پر قتل کیا کہ اگر تم انہیں قتل بھی نہ کرتے تو شاید تمہاری زندگی بھر وہ خطرات رونما ہوتے یا ممکن تھا کہ اس قسم کے اقدامات سے پہلے وہ مر جاتے۔ اب تمہیں مبارک ہو کہ ان کا قصاص تم سے ضرور لیا جائے گا اور تمہیں آخرت کی باز پُرس کا یقین رکھنا چاہیئے اور معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ کے پاس ایک کتاب ہے جس میں کوئی چھوٹا بڑا کام ایسا نہیں جو نہ لکھا جاتا ہو اور اللہ تمہارے ان افعال کو بھولنے والا نہیں ہے کہ تم نے دوستانِ خدا کو بے بنیاد الزامات پر قتل کیا اور انہیں ان کے گھروں سے جلاوطن کر کے پردیس میں پہنچا دیا اور لوگوں کو اپنے گمراہ لڑکے کی بیعت کے لیے مجبور کیا جو شراب پیتا ہے اور کتوں سے کھیلتا ہے۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تم نے اپنے کو بڑے خسارے میں مبتلا کر رکھا ہے اور اپنے دین کو تباہ و برباد کر دیا ہے، تم نے اپنی رعایا سے کھوٹ کی اور اپنے امانت داروں کو رسوا کیا اور جاہل احمقوں کی باتوں پر عمل کیا ہے نیز متقی اور پرہیزگار افراد کو خوف و دہشت میں ڈال دیا ہے۔

(کتاب الامامت والسیاست صفحہ ۱۶۸، رجال کشی)

اُمّ المومنین حضرت عائشہ:

استیعاب میں ہے کہ حضرت عائشہ کو جب حجر اور ان کے اصحاب کی گرفتاری

کی خبر معلوم ہوئی تو اُسی وقت اُنھوں نے عبدالرحمن بن حارث بن ہشام کو معاویہ کے پاس بھیجا کہ حجر اور اُن کے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈریں لیکن عبدالرحمن اُس وقت پہنچے جب حجر اور اُن کے پانچ ساتھی قتل ہو چکے تھے۔ عبدالرحمن نے معاویہ سے کہا کہ حجر اور اُن کے اصحاب کے بارے میں ابوسفیان سے ورثے میں ملنے والا حلم کہاں چلا گیا تھا، تم نے ان کو قید کر دیا ہوتا یا کسی وبائی مقام میں بھیج دیا ہوتا۔ معاویہ نے جواب دیا اس وقت میری قوم میں تمہارے ایسے مشورہ دینے والے موجود نہ تھے۔ عبدالرحمن نے کہا خدا کی قسم اب اہلِ عرب نہ تم کو حلیم سمجھیں گے اور نہ صاحبِ عقل، تم نے ایسے لوگوں کو قتل کیا جو مسلمان تھے اور تمہارے پاس قید کر کے بھیجے گئے تھے۔ معاویہ نے جواب دیا میں مجبور تھا، زیاد نے مجھے ان کے بہت سخت حالات لکھے تھے کہ عنقریب یہ لوگ ایسا رخنہ ڈالنا چاہتے ہیں جس میں پیوند نہ لگ سکے گا۔ (استیعاب ۱: ۱۳۴)

اس کے بعد معاویہ مدینے آئے اور اُمّ المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سب سے پہلی گفتگو جو اُن سے ہوئی ہے وہ حجر کے بارے میں تھی۔ اس گفتگو نے یہاں تک طول کھینچا کہ معاویہ نے کہا اچھا پھر چھوڑ دیجئے مجھے اور حجر کو یہاں تک کہ ہم دونوں اپنے رب سے جا ملیں۔ (استیعاب ۱: ۱۳۴، اسد الغابہ ۱/۳۸۶)

مسروق بن اجدع کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ کو جب اس حادثے کی اطلاع ملی تو اُنھوں نے فرمایا "اگر معاویہ کو احساس ہوتا کہ اہلِ کوفہ میں کچھ بھی غیرت اور حمیت ہے تو وہ کبھی حجر اور ان کے اصحاب کو گرفتار کر کے شام بلوانے اور قتل کرنے کی جرأت نہ کرتا لیکن جگر خوارہ کے لڑکے کو معلوم ہے کہ آدمی فنا ہو چکے ہیں، خدا کی قسم یہ لوگ اپنی علمی طاقت اور فقہی قابلیت کے لحاظ سے عرب کے سر اور دماغ سمجھے جا سکتے ہیں۔

اس کے بعد لبید کے دو شعر پڑھے:۔

ذھب الّذین۔ یعُاش فی اکنافھم

وبقیت فی خلف کجلد الاجرب

لا ینفعون ولا یرّجی خیرھم

ویعاب قائلھم وان لم یشغب

گزر گئے وہ لوگ جن کی پناہ میں زندگی بسر کی جاتی تھی اور میں اب ایسے پسماندہ افراد میں رہ گیا ہوں جو خارشتی اونٹ کی کھال کے مثل ہیں نہ تو اُن سے کوئی فائدہ ہے نہ اُن سے کسی چیز کی توقع، جب وہ بات کرتے ہیں تو عیوب سے بھری ہوتی ہے چاہے وہ شور وغل بر پا نہ کریں۔ (استیعاب، ج۱، صفحہ ۱۳۵)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب معاویہ حج کے لیے مدینے آئے تو ام المومنین حضرت عائشہ کے پاس گئے۔ اُمّ المومنین نے اُن سے کہا ''معاویہ! تم کو اس کا خوف نہیں ہوا کہ میں نے کسی آدمی کو اپنے بھائی محمد بن ابی بکر کے خون کا بدلہ لینے کے لیے چھپا دیا ہو عرض ''کیا میں بیت الامان میں آیا ہوں''۔ حضرت عائشہ نے فرمایا ''تم کو حجر اور اُن کے ساتھیوں کے قتل کرنے میں خدا کا خوف نہیں ہوا''۔ معاویہ نے کہا ''ان کو ان لوگوں نے قتل کیا جنھوں نے ان کے خلاف شہادتیں دیں''۔

(استیعاب، ج۱، صفحہ ۱۳۵)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس موقعے پر اُمّ المومنین نے اُن سے پردہ کیا اور فرمایا کہ ''اب کبھی میرے پاس نہ آنا'' لیکن معاویہ برابر تلطف کرتے رہے مجبور ہو کر اُنھوں نے آمد و رفت کی اجازت دے دی اور حجر کے قتل کے بارے میں بہت کچھ اُن کو ملامت کی معاویہ نے عذر خواہی کی یہاں تک کہ اُمّ المومنین نے ان کا عذر قبول کر لیا۔

آپ فرمایا کرتی تھیں کہ ''اگر بے وقوف لوگ ہم پر غالب نہ آجاتے تو میرے اور معاویہ کے مابین قتلِ حجر کی بناء پر عظیم اختلاف کھڑا ہو جاتا''

(البدایہ والنہایہ جز ۸، ص ۵۵)

طبری میں ہے کہ حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں کہ اگر ایسا نہ ہوا ہوتا کہ جب ہم کسی چیز کو متغیر کرتے ہیں تو اس سے زیادہ مشکلات ہم پر اُلٹ پڑتے ہیں جن میں ہم پہلے تھے تو ہم ضرور حجر کے قتل کو متغیر کر دیتے قسم بخدا جہاں تک میرا علم ہے حجر پکے مسلمان اور حج وعمرہ بجالانے والے تھے :-(طبری ۶:۱۵۶)

مؤلف سیر الصحابہ لکھتے ہیں:-

''اہلِ بیتِ نبوی میں حجر کی بڑی وقعت تھی چنانچہ حضرت عائشہ نے جس وقت ان کی گرفتاری کی خبر سنی تھی اسی وقت انھوں نے عبدالرحمان بن حارث کو معاویہ کے پاس دوڑایا تھا کہ وہ حجر اور ان کے رفقا کے بارے میں خدا کا خوف کریں لیکن یہ اُس وقت پہنچے جب حجر قتل ہو چکے تھے پھر بھی انھوں نے معاویہ کو بڑی ملامت کی۔ معاویہ نے جواب دیا میں کیا کرتا زیاد نے ان کی بڑی شکایت لکھی تھیں اور لکھا تھا کہ عنقریب یہ لوگ ایسا رخنہ پیدا کریں گے جس میں پیوند نہ لگ سکے گا''۔

(سیرۃ الصحابہ، ج ۷، ۴۹)

عبداللہ بن عمر:

نافع کی روایت ہے کہ ابنِ عمر بازار میں تھے، جب اُن کو حجر کے قتل کی خبر ملی تو بے چین ہو گئے، اُٹھ کھڑے ہوئے اور چیخیں مار مار کر رونے لگے۔

(اسد الغابہ ۱:۳۸۶، اصابہ ۱:۳۲۹)

حسن بصری:

حسن بصری کے سامنے جب حجر بن عدی کے قتل کا ذکر ہوا تو اُنھوں نے کہا

''وائے ہو اُس پر جس نے حجر اور اُن کے ساتھیوں کو قتل کیا'' (استیعاب ۵ ۱/۱۳)

علّامہ ابنِ اثیر جزری لکھتے ہیں:-

حسن بصری کہا کرتے تھے کہ معاویہ میں چار خصلتیں ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی ہوتی تو ہلاک کرنے کے لیے کافی تھی۔

(۱) اُس اُمت پر تلوار کے زور سے غلبہ حاصل کرنا یہاں تک کہ بغیر مسلمانوں کے مشورے کے خلافت پر قبضہ کرلیا حالانکہ اُس وقت باقی ماندہ صحابہ اور صاحبانِ فضیلت لوگ موجود تھے۔

(۲) اپنے بدمست اور شراب خوار بیٹے کو جو حریر کا لباس پہنتا اور طنبورہ بجاتا تھا اپنا جانشین بنایا۔

(۳) زیاد کو اپنے نَسب میں داخل کرنا حالانکہ حدیثِ نبویؐ الولد للفرش اس کے خلاف نصِّ صریح ہے۔

(۴) حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کو قتل کرنا، پس حجر اور ان کے اصحاب کے قتل سے اس پر حیف ہے اور صد حیف ہے۔ (تاریخ کامل ۳:۲۰۹)

ربیع بن زیاد حارثی:

معاویہ کی طرف سے خراسان کے حاکم تھے، بنی اُمیہ کے ہوا خواہوں میں تھے لیکن حجر بن عدی کے قتل سے بے حد متاثر ہوئے۔

علّامہ ابنِ اثیر جزری لکھتے ہیں:-

ربیع کو جب حجر کے قتل کی خبر ملی تو اُنھوں نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ ''خداوندا! اگر ربیع کے لیے تیرے نزدیک کچھ بہتری ہے تو جلد اس کی روح کو قبض فرمالے'' ابھی اپنی جگہ سے نہ ہٹے تھے کہ روح پرواز کرگئی۔

ابنِ خلدون نے اس روایت کو اس طرح لکھا ہے۔

ربیع کو جس وقت خراسان میں حجر کے قتل کا حال معلوم ہوا تو سکتہ سا ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولے "عرب ہمیشہ حجر کے بعد اسی طرح قتل کیا جائے گا، اگر وہ لوگ حجر کے قتل سے رُک جاتے تو اپنے کو قتلِ عام سے بچا لیتے لیکن اُنھوں نے ایسا نہ کیا اور ذلیل ہو گئے۔" اس کے بعد جمعے کا دن آیا تو لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا "میری عمر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے میں کچھ دعا کروں گا تم سب آمین کہنا چنانچہ بعد نمازِ جمعہ ہاتھ اُٹھا کر دعا کی (ابن خلدون ۳: ۱۴)

"اللّٰھم ان کان لِی عندك خیر فاقبضی عاجلاً۔"

لوگوں نے ہدایت کے مطابق آمین کہا، دعا کر کے مسجد سے باہر نکلے ابھی کپڑے تک نہ سنبھالنے پائے تھے کہ زمین پر گر پڑے ہوش آیا تو اپنے لڑکے عبداللہ کو اپنا نائب کیا اور اُسی روز انتقال کر گئے۔

عام مسلمانوں کے تاثرات:

طبری میں ہے:-

ابومخنف کا بیان ہے کہ مجھ سے زکریا بن ابی زائدہ نے، اُنھوں نے ابواسحاق سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے پایا کہ پہلی ذلت جو کوفے میں داخل ہوئی وہ حسن بن علیؑ کی موت اور حجر بن عدی کا قتل نیز معاویہ کا زیاد کو اپنا بھائی بنانا۔ (طبری ۶: ۱۵۶)

حجر بن عدی کے قتل پر ایک نظر:

حجر بن عدی پر عام طور سے بغاوت کا الزام عائد کیا جاتا ہے کہ اُنھوں نے

حکومت کے خلاف ایک جماعت پیدا کر کے اس کا تختہ اُلٹنا چاہا اس لیے امن و امان قائم کرنے کی غرض سے ان کا قتل ضروری تھا۔

یہ ایک ایسا خیال ہے جس کی کوئی بنیاد تاریخ میں نہیں ملتی اور جو عامۂ اہلِ اسلام کے مسلک کے قطعاً منافی ہے بلکہ اس کے برعکس واقعات یہ بتاتے ہیں کہ حجر بن عدی کا بجز اس کے اور کوئی جرم نہ تھا کہ وہ نیک تھے اور نیکی کو پسند کرتے تھے، خلافِ کتاب وسنّت اُمور کو دیکھ کر ان کو تکلیف ہوتی تھی البتہ خانوادۂ رسالت سے جو ان کی وابستگی تھی اس کی بنا پر علی اور آلِ علی پر سب وشتم سننا ان کی طاقت سے باہر تھا، ادھر حکومت کا رویہ اس معاملے میں اتنا متشددانہ تھا کہ اُس کی تمام تر کوشش یہ تھی کہ منبروں پر علی الاعلان حضرت علیؑ کو گالیاں دی جائیں اور اس غرض سے عموماً کلیدی عہدوں کے لیے ایسے ہی اشخاص کو چنا جاتا تھا جنھیں حکومت کے اس مقصد کو پورا کرنے میں کوئی پس وپیش نہ ہو چنانچہ ۴۱ھ میں مغیرہ بن شعبہ کو جب کوفے کی گورنری دینے کے لیے بلایا گیا ہے تو پہلی ہدایت اس کو یہ کی گئی کہ علیؑ پر سبّ وشتم کرنے اور عثمان کے لیے طلبِ مغفرت و رحمت کرنے میں کوئی کمی نہ کی جائے چنانچہ مؤرخ طبری لکھتے ہیں:-

جمادی ۴۱ھ میں جب معاویہ بن ابی سفیان نے مغیرہ بن شعبہ کو کوفے کا والی بنایا ہے تو اُس کو بلا کر حق تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد کہا:- ''مردِ عاقل بات کو بغیر کہے ہوئے سمجھ لیتا ہے، میرا ارادہ تھا کہ بہت سی باتیں تم کو سمجھاؤں مگر میں ان سب کو اس لیے چھوڑے دیتا ہوں کہ تمہاری بصیرت و دانائی پر مجھے اعتماد ہے'' تم کو معلوم ہے کہ کن باتوں میں میری خوشنودی، میری سلطنت کی ترقی اور میری رعیت کی بہتری ہے البتہ ایک امر کا ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتا وہ یہ ہے کہ علیؑ کو گالیاں دینے، ان کی مذمت کرنے اور عثمان کے لیے طلبِ مغفرت و رحمت

کرنے نیز اصحابِ علی کی عیب جوئی اور ان کو اپنے سے دور رکھنے اور ان کی بات نہ سننے میں اس کے برخلاف شیعیانِ عثمان کی مدح وثنا اور ان کے ساتھ مل کر رہنے اور ان کی بات مان لینے میں تم کو تامّل نہ کرنا چاہیئے۔

حکومت کی اسی پالیسی کا اثر تھا کہ مغیرہ اپنے تمام دورِ حکومت میں اس پر شدّت کے ساتھ عامل رہے جیسا کہ شعبی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے سات برس اور چند ماہ کوفے پر حکومت کی...... امن وعافیت کے دل سے خواہاں تھے مگر علیؑ کو بُرا کہنا اور ان کی مذمت کرنے کو اُنھوں نے کبھی ترک نہیں کیا

یقیناً حکومت کا یہ رویہ آئینی طور سے سراسر غلط تھا، اس کو شیعیانِ علیؑ کے جذبات، ان کے نظریات کا احترام کرنا ضروری تھا جیسا کہ آج بھی ہم ہر جمہوری حکومت میں دیکھتے ہیں۔ اس پر حجر بن عدی کو اپنے حکّام سے اگر اختلاف ہوا تو ان پر کون سا جرم عائد کیا جاسکتا ہے بلکہ آئینی طور سے حکومت کے اربابِ حل وعقد اپنی اس پالیسی میں مجرم قرار پاتے ہیں جو سراسر جمہوری اُصولوں کے خلاف ہے۔

دوسری بات جو اس سلسلے میں ملتی ہے وہ یہ ہے کہ حجر بن عدی اپنے حکّام کے ساتھ جسارت سے پیش آتے تھے اور بات بات پر اُن کو ٹوکتے تھے مثلاً تاخیرِ نماز کی بابت زیاد کو برسرِ منبر ٹوکنا یا عمر بن حریث کو سبِّ علیؑ پر ملامت کرنا۔

تیسرا واقعہ جس سے اس خیال کو کم وبیش تقویت دی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ معاویہ نے کوفے کے بیت المال سے جب کچھ مال منگوایا ہے تو حجر بن عدی اونٹ کی مہار پکڑ کے کھڑے ہوگئے اور مغیرہ سے کہا ''یہ مال اُس وقت تک نہیں جاسکتا جب تک صاحبانِ حقوق کو ان کا حق نہ دے دیا جائے''۔

مذکورہ بالا چند واقعات کے علاوہ تاریخ میں اور کوئی چیز ایسی نہیں ملتی جس کو ان کے اسبابِ قتل میں قرار دیا جائے لیکن یہ تمام وہ باتیں ہیں جن کو ممکن ہے کہ ڈکٹیٹر

شپ تو برداشت نہ کر سکے لیکن ایک وہ حکومت جو اسلامی حکومت ہونے کی مدعی ہو اور جس کی بنیاد جمہوری اصولوں پر ہو اس کو دیکھتے ہوئے عوام کے ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خلافِ کتاب وسنّت اُمور پر اپنے حکّام کو متنبہ کرے۔ آج اس لادینی اور غیر مذہبی حکومت کے اندر بھی ہر شخص کو آزادی کے ساتھ اپنے خیالات کے اظہار کا حق حاصل ہے، معمولی سے معمولی آدمی حکومت پر سخت سے سخت تنقید کرتا ہے لیکن حکومت نہایت فراخ دلی سے اس کو برداشت کرتی ہے اور کوئی قانونی دفعہ اس پر عائد نہیں کرتی، خود زمانۂ خلافتِ ثانیہ میں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں۔

خلیفۂ ثانی عمر بن الخطاب جن کا اقتدار اس وقت کی اسلامی دنیا میں زیادؔ اور معاویہؔ سے کہیں زیادہ تھا، ایک معمولی سی بڑھیا ان کو خلافِ کتاب اللہ ایک حکم دینے پر مجمعِ عام میں ٹوک دیتی ہے اور وہ ان الفاظ میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں "کل النّاس افقه من عمر حتّى العجائز"۔ (تمام لوگ عمر سے زیادہ فقہ جانتے ہیں یہاں تک کہ بوڑھی عورتیں بھی۔)

اسی طرح دوسرا واقعہ جو عام طور پر تاریخ وسیَر میں پایا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ عمر رات کے وقت گشت لگا رہے تھے کہ ایک گھر سے کچھ گانے بجانے کی آواز آئی، عمر درّانہ گھر میں داخل ہو گئے دیکھا کہ ایک شخص ایک عورت کے ساتھ لہو و لعب میں مصروف ہے۔ اُنھوں نے اُس کو لعنت ملامت کی، وہ شخص نہایت ہمت کے ساتھ جواب دیتا ہے کہ میں تو ایک ہی گناہ کا مرتکب ہوا ہوں مگر آپ نے بیک وقت تین گناہوں کا ارتکاب کیا خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ''لا تجسّوا'' لوگوں کے احوال کا تجسّس نہ کرو۔ آپ نے تجسّس فرمایا۔ پھر خدا فرماتا ہے'' وأتوا البیوت من ابوابها'' گھروں میں دروازے کے ذریعے سے داخل

ہو، آپ دیوار پھاند کر آئے۔ خدا فرماتا ہے "لاتدخلو بیوتاً حتّٰی نستانوا وتسلّموا علیٰ اھلھا" گھروں میں جب داخل ہو پہلے گھر والوں کو سلام کرو آپ بغیر سلام کے داخل ہو گئے۔

ان واقعات کی روشنی میں حجر بن عدی کا خلافِ کتاب وسنّت امور پر اپنے حکّام کو ٹوکنا کوئی جرم نہ تھا بلکہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو اپنے ایک مذہبی فریضے کی انجام دہی میں قاصر سمجھے جاتے جو شریعتِ اسلامیہ کی طرف سے ان پر عائد ہوتا تھا اس سے تو ان کے جذبۂ خلوص اور جذبۂ حمایتِ حق کا پتہ چلتا ہے نہ کہ بغاوت اور تمرّد کا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ان اُمور کے باوجود بھی حجر نے کسی وقت جماعت سے علیحدگی کا اعلان نہیں کیا اور نہ کبھی وہ حکومت کے حریف بن کر میدان میں آئے بلکہ آخر وقت تک وہ یہی کہتے رہے کہ میں اپنی بیعت پر قائم ہوں۔ سب سے پہلے جب زیاد کے روبرو ان کو گرفتار کر کے لایا گیا ہے تو انھوں نے ان الفاظ میں اپنی صفائی پیش کی ہے:-

''میں نے نہ اطاعت ترک کی ہے نہ جماعت سے علیحدگی اختیار کی ہے اور میں اپنی بیعت پر قائم ہوں''۔

اس کے بعد جب معاویہ کے پاس پہنچے ہیں تو معاویہ کے قاصد یزید بن حجیہ کی زبانی بھی یہی کہلا کر بھیجا ہے، جب کہ طبری میں ہے:-

حجر نے یزید بن حجیہ سے کہا کہ معاویہ کو ہمارا یہ پیغام پہنچا دینا کہ ہم اپنی بیعت پر قائم ہیں نہ اس کو توڑنا چاہتے ہیں نہ توڑیں گے اور ہمارے دشمنوں نے ہمارے خلاف یہ گواہیاں دی ہیں۔ (طبری ۱: ۵ ۱۴۳)

یزید بن حجیہ نے حجر کا یہ پیغام معاویہ کو پہنچا دیا جس کا جواب اُنھوں نے یہ دیا

کہ ہمارے نزدیک زیاد حجر سے زیادہ سچا ہے۔

اسی بنا پر تمام اکابرِ اسلام بالاتفاق یہ لکھتے ہیں کہ حجر نے بیعت نہیں توڑی تھی۔ تاریخِ کامل میں ہے:

جب معاویہ نے زیاد کو عراق اور دیگر بلاد کا حاکم بنایا تو اس نے سختی اور بدچلنی شروع کر دی، حجر نے اس کی بیعت واپس کر دی لیکن معاویہ کی بیعت واپس نہیں کی۔

اصابہ میں ہے:-

رویانی اور طبرانی نے ابو اسحاق کے طریقے سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حجر بن عدی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے "آگاہ ہو جاؤ کہ میں اپنی بیعت پر قائم ہوں، نہ اُس کو توڑنا چاہتا ہوں نہ توڑوں گا"۔ (البدایہ ۱:۳۲۹)

اس کے بعد زیادہ سے زیادہ معاویہ کی براٗت کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان شہادتوں سے مجبور ہو گئے جو حجر کے خلاف اُن کے سامنے گزریں اور اس طرح ان کے اس اقدام کو اجتہادی غلطی پر محمول کر سکتے ہیں لیکن ذرا بھی غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک خیال ہی خیال ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مقدس صحابیِ رسولؐ کے قتل کا مسئلہ ایسا معمولی نہ تھا جو چند غیر ذمے دار افراد کی گواہیوں پر طے کر لیا جاتا بلکہ اتنا اہم اقدام کرنے کے لیے بہت کچھ غور و فکر کی ضرورت تھی، زیاد جس کی افتادِ طبع اور بدطینتی سے وہ خود بھی واقف تھے، اس کے کہنے پر حجر جیسے نیک سیرت، عابد و زاہد صحابیِ رسولؐ کا قتل کرا دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ جتنی شہادتیں ان کے سامنے گزریں ان سب کے مقابلے میں تنہا قاضی شریح کی گواہی اور حجر کی موافقت میں ان کے یہ الفاظ۔

(میں نے زیاد سے کہہ دیا کہ حجر بہت زیادہ روزہ رکھنے والے اور راتوں کو

عبادت کرنے والے ہیں) (طبری۔ ج۶:۱۵۱)

اپنے مقام پر اتنا وزن رکھتے ہیں جس کے بعد ان تمام شہادتوں کی کوئی قیمت نہیں رہ جاتی اور معاویہ کو پوری طرح مطمئن ہو جانا چاہیئے تھا بلکہ تدین اور انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ ان تمام جھوٹی گواہیاں دینے والوں کو آئینی سزا دی جاتی۔

اس کے علاوہ شریح بن ہانی نے ان کو جو خط لکھا ہے اُس میں اُنھوں نے واضح الفاظ میں یہ بتا دیا ہے کہ زیاد نے حجر بن عدی کے خلاف گواہوں میں میرا نام بھی لکھ دیا ہے حالانکہ حجر کے بارے میں میری گواہی یہ ہے کہ وہ نماز قائم کرنے والے اور زکوٰۃ دینے والے ہیں حج اور عمرے کے سختی سے پابند ہیں، نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں، ان کی جان مال حکومت پر حرام ہے۔ اب آپ چاہیں تو اُن کو قتل کر دیں اور چاہیں تو چھوڑ دیں۔

اس کے بعد یقینی طور پر اُنھیں سمجھ لینا چاہیئے تھا کہ حجر کے خلاف یہ ایک بنایا ہوا کیس ہے اور حقیقت کچھ نہیں لیکن اس کے برخلاف روایات یہ بتاتی ہیں کہ شریح کے اس مکتوب کو دیکھنے کے بعد بھی بجائے اس کے کہ زیاد سے کچھ باز و پرس کریں دوبارہ اسی سے مشورہ کے لیے رجوع کرتے ہیں جس کا جواب زیاد نے جو اُن کو دیا ہے وہ یہ ہے۔

''اگر ملکِ عراق پر قبضہ رکھنا ہے تو حجر کا قتل ہی ضروری ہے''۔

چنانچہ اسی پر اُنھوں نے عمل کیا۔ ان تمام واقعات سے یہ حقیقت بالکل بے نقاب ہو جاتی ہے کہ حجر کا قتل صرف اس احتمال کی بنا پر تھا کہ مبادا ان کے اقتدار کو کوئی صدمہ پہنچے جس کے لیے وہ موقعے کے منتظر تھے۔

حجر بنِ عدی کی شہادت پر مرثیے:

حجر بن عدی کے قتل پر کثرت سے مرثیے کہے گئے ان میں سب سے مشہور مرثیہ ہند بنتِ زید ایک انصاری عورت کا ہے جس کو قریب قریب تمام مورخین نے نقل کیا ہے:-

ترفع ایھّا القمر المنیر　　تبصّر ھل تریٰ حجراً یسیر
یسیر الیٰ معاویۃ بن حرب　　لیقتلہ کما زعم الامیر
تجبّرت الجبابر بعد حجر　　وطاب لھا الخورنق والتسدیر
واصبحت البلاد لھا محولا　　کان لم یحسھا مزن مطیر
الایا حجر حجر بنی عدی　　تلقتک السّلامۃ والسرور
اخاف علیک ما اروی عدیا　　وشیخاً فی دمشق لہ زئیر
یریٰ قتل الخیار علیہ حقاً　　لہٗ من شرامّتہ وزیر
الا یالیت حجر امات موتاً　　ولم ینحر کما نحر البعیر
فان یھلک فکلّ زعیم قوم
من الدنیا الیٰ ھلک یصیر

اے چاند تو بلندی پر چمک رہا ہے ذرا دیکھ کیا تجھ کو حجر بھی کہیں چلتا پھرتا نظر آتا ہے؟

وہ (حجر) معاویہ بن حرب کی طرف جا رہا ہے تا کہ وہ اس کو قتل کرے جیسا کہ امیر کا گمان ہے۔

حجر کے بعد جابر لوگ خوش ہیں اور خورنق وسدیر ان کے لیے باعث مسرت بن گئے۔
ان کے ظلم سے شہر اس طرح ویران ہو گئے جیسے ان پر بارش ہی نہیں ہوئی تھی۔
اے حجر! اے بنی عدی کے حجر تجھ کو خوشی اور سلامتی نصیب ہو۔ قسم بخدا میں

اس بوڑھے سے تجھ پر خوف کرتی ہوں جو دمشق میں ڈکار رہا ہے، جو نیک لوگوں کے قتل کو حق سمجھتا ہے اور جس کا وزیر امت میں بدترین انسان ہے۔

کاش! کہ حجر اپنی موت سے مرتا اور اس طرح ذبح نہ کیا جاتا جس طرح اونٹ کو ذبح کیا جاتا ہے۔

خیر حجر ہلاک ہو گیا تو کیا ہر قوم کا زعیم ایک دن موت سے دوچار ہونے والا ہے۔

حسبِ ذیل دو شعر ایک کندی شاعر کے ہیں بعض لوگوں نے ان کو بھی اسی انصاریہ عورت کی طرف منسوب کیا ہے۔

دموع عینی دیمة تقطر تبکی علی حجر و ما تفتر

لو کانت القوم علی اسره ما حمّل السیف له الاعور

میری آنکھ کے آنسو ایک جھڑی ہیں جو لگی ہوئی ہے حجر پر رونے میں، میری آنکھ بُخل نہیں کرتی۔ افسوس قوم اگر اس کی پیروی کرتی تو یک چشم اس پر تلوار نہ اٹھا سکتا۔

حسبِ ذیل تین شعر عبیدہ کندی کے ہیں جن میں اس نے محمد بن اشعث کو حجر کے چھوڑ دینے پر عار دلایا ہے۔

اسلمت عمك لم تقاتل دونه فرقاً ولولا انت كان متيعاً

وقتلت واخذال بيت محمد وسليت سيا فاله وزروعا

لو كنت من اسد عرفت كرامتى ورايت لى بيت الحساب شفيعا

مرثیہ (عبداللہ بن خلیفہ):

عدی بن حاتم صحابیِ رسولؐ کو زیاد نے اس شرط پر رہا کیا تھا کہ وہ اپنے ابنِ عم عبداللہ بن خلیفہ کو شہر سے نکال دیں اور جب تک کوفے میں میری حکومت ہے وہ یہاں نہ آنے پائیں۔ عدی نے ان کو پہاڑوں میں بھیج دیا وہاں سے وہ ان کو

برابر لکھا کرتے تھے کہ مجھے بلوا لیجئے۔ حجر بن عدی کے قتل کی خبر جب ان کو پہنچی تو حسب ذیل مرثیہ لکھ کر بھیجا۔

تذکّرت لیلیٰ ولشبیبة اعصُرا ۱ وذکر الصبی برح علیٰ من تذکرا
وولّی الشبابُ فاقتقدت غضونه ۲ فیالك من وجدبه حین ادبرا
فدع عنك وتذکار الشباب وفقده ۳ واساره اذبان منك فا قصرا
وبَكّ علی الخُلّانِ لما تخرّموا ۴ ولم یجدوا عن منهل الموت مصدرا
دعتهم منا یاهم ومن حان یومه ۵ من النّاس فا علم انه لن یوخرّا
اولئك كانوا شیعةً لِی وموئلا ۶ اذا الیوم القی ذا احتدام مذ کّرا
وما کنت اهویٰ بعدهم متحلّلا ۷ یشّی من الدنیا ولا ان اعمراً
اقول ولا والله النسی ادکارهم ۸ سجیس اللیالی واموت فاقبرا
علی اهل عذراء السلام مضاعفا ۹ من الله ولیسقَ الغمام الکنهورا
ولاقی بهاحجر من الله رحمة ۱۰ فقد کان ارضی الله حجروا عذرا
ولا وال تمطال ملّث ودیمةٌ ۱۱ علیٰ قبر حجرا وینادوی فحشرا
فیاحجر من للخیل تدحی تحورها ۱۲ وللملكِ المغزِی اذا ما تغشمرا
ومن صادع بالحق بعدك فاطق ۱۳ بتقویٰ ومن ان قیل بالجور غیرا
فنعم لغو الاسلام کنت اوننی ۱۴ لا طمع ان توتی الخلود وتجُرا
وقد کنت تعطی السیف فی الحرب حقه ۱۵ وتعرف معروفا وتنکر منکرا
فیا اخوینا من همیم عصمتما ۱۶ ویُسّر تما للصالحات فأبشرا
ویا اخوی الخنة فدّن إلبشرا ۱۷ فقد کنتما حیتیما ان تبَشّرا
ویا اخوتا من حضرت موو غالب ۱۸ وشیبان لقِلتم حسابا میسّرا
سعدتم فلم اسمع باصوب منکم ۱۹ حجاجاً لدی الموت لجلیل واصبرا

سابکیکم مالاح نجم و غرّواك ۲۰ حمام بطبن الوادیین و قرقرا

فقلت ولم اظلم أغوث بن طیئٍ ۲۱ متّی کنت اخشی بینکم ان أصیّرا

کهبلتم الاقاتلتم عن اخیکم ۲۲ وقدذب حتّی مال ثم تجوّرا

نفرّجتم عنّی فغودرت مُسلماً ۲۳ کانی غریب فی ایادٍ واعصرا

فمن لکم مثلی لدی کل غارةٍ ۲۴ ومن لکم مثلی اذا لباس اصحرا

فمن لکم مثلی اذالحرب قلّصتٌ ۲۵ واوضع فیهاالسمیت وشمّرا

فمن لکم مثلی لدی کل غارةٍ ۲۶ ومن لکم مثلی اذا لباس اصحرا

وها انازاداری بأجبال طیسیٍ ۲۷ طرید اولوشاء الا له لغیّرا

نفاقی عددی ظالماً عن مهاجری ۲۸ رضیت بما شاء الا لهٗ وقدّرا

واسلمنی قومی لغیر جنایة ۲۹ کان لم یکونوالی قبیلّا وسِشرا

فان الف فی واربا جبال طیئ ۳۰ وکانا معانا من عُصَیرٍ و محضَرا

فما کنت اخشی ان ارئی متغرّبا ۳۱ لحا الله من لامی علیه و کثرا

لحا الله قتل الحضر مین واثلاً ۳۲ ولاتی الفناء من الشاق المرقدا

ولاتی الردّی القوم الّذین تخربوا ۳۳ علینا وقالوا قیل زور و منکرا

فلا یدعنی قوم الغوث بن طیئٍ ۳۴ لان دهرهم اشقی بهم وتغیّرا

فلم اغزهم فی العلمین ولم اثر ۳۵ علیهم عجاجا بالکویفة اکدرا

فبلغ خلیلی ان رحلت مشرقاً ۳۶ جدیلة والحسین معناً ویجلوا

وبنمان والا فناء من جنُطیئ ۳۷ ولم اك فیکم ذاالجناء العشورا

الم تذکروایوم العذیب التی ۳۸ امامکم ان لا اری الدهر مدبرا

وکری علی مهران والجمع هاسر ۳۹ وقتلی العمام المستمیت المسورا

ویوم جلولاء الوقیعه لم الم ۴۰ ویوم نهاوندا الفتح وتسترا

وتنسوننی یوم الشریعة والقنا ۴۱ بصفین فی اکتافهم قد تکسّرا
جزی ربه عنی عدی بن حاتم ۴۲ برفضی وخدلا فی جزاءً مؤقرا
اتنسی بلائی سادرا یابن حاتم ۴۳ عشیه ما اغنت عدبك خدمرا
فدا فعت عنك القوم حتی تنابوا ۴۴ وکنت انا الخصم الا لدّالعذورّا
فولو اوما قامو مقامی کانّما ۴۵ رأونی لیثا بالاباء مخدرا
فصرتکم اذخام القریب والعط ۴۶ السبعیُن قد افرِدت نصرا موذّرا
فکان جزائیَ ان اجرّدبینکم ۴۷ سجیناء ان اولی الهوان اوسرا
وکم عدّه لی منك انك راجعی ۴۸ فلم لعن بالمیعاد عنی جترا
فاصبحت ارعی انسیب طورا وتارة ۴۹ اهم هران داعی الشویهات هوهرا
کانّی لم ارکب جواد الغارةٍ ۵۰ ولم اَتُركِ القِرنَ لکّمی مقطّرا
ولم اعترض بالسیف خلاً مغیرة ۵۱ اذا لنکّس مثّی القهقری ثم جوجرا
ولم استحث الرکض فی اثر عصبة ۵۲ مُیمَمّةٍ علیا سبهاس وا بهررا
ولم اذعر الا بلام مثّی بغارة ۵۳ کورُدِ القطائم الحدرت مظفرا
ولم ارفی خلیل تطاعن بالقنا ۵۴ بقرمرین اوشردین او اغزکندرا
فذلك رهرزال عنی حمیده ۵۵ واصبح لی معروفه قد تنکّرا
زلا یعبدن قومی وان کنت غائباً ۵۶ وکنت المضاع فیهم والمکفرا
ولاحیر فی الدنیا ولا العیش بعدهم ۵۷ وکنت عنهم فانی الدار محصل

(طبری ۶:۱۵۸)

۱۔ میں نے لیلیٰ اور جوانی کی راتوں کو مدتوں تک یاد کیا اور جوانی کی یاد، یاد کرنے والے کے لیے سخت ہوتی ہے۔

۲۔ جوانی گزر گئی اور میں نے اس کی شاخوں کو گم کر دیا، اُف اُس کے گزر

جانے کا بھی کتنا رنج ہوتا ہے۔

۳۔ جوانی کی یاد اور اس کے فقدان کے خیال اور اس کے جلد جلد گزرنے کے ذکر کو چھوڑو۔

۴۔ رویئے ان دوستوں کو جو تباہ کردیے گئے اور موت کے گھاٹ سے نکلنے کا اُنھوں نے کوئی راستہ نہ پایا۔

۵۔ موت نے انھیں بلالیا اور جس کا وقت آجاتا ہے سمجھ لو کہ پھر تاخیر نہیں ہوسکتی۔

۶۔ یہی لوگ میرے مددگار اور مصیبت میں میری سپر بن جاتے تھے جب کبھی جنگ کے شعلے بھڑکتے تھے۔

۷۔ ان کے بعد مجھے دنیا کی کسی شے کی خواہش نہیں ہے نہ اب زندگی کی پروا ہے۔

۸۔ میں کہتا ہوں اور قسم بخدا میں کبھی ان کو نہیں بھلا سکتا بجز اس کے کہ میں مرجاؤں اور قبر میں چلا جاؤں۔

۹۔ اہلِ عذرا پر اللہ کا سلام ہو اور بارانِ رحمت ان پر ٹوٹ ٹوٹ کر برسے۔

۱۰۔ اسی مقام پر حجر رحمتِ خدا سے واصل ہوا پس حجر نے اللہ کو راضی کیا اور اس کا عذر قبول کیا گیا۔

۱۱۔ حجر کی قبر پر باران رحمت کے دوٹکڑے ہمیشہ ہمیشہ سایہ فگن رہیں اور جھڑی لگی رہے روز ندا اور روزِ محشر تک۔

۱۲۔ اے حجر! اب خون آلود گھوڑوں اور غازی بادشاہ کا کون ضامن ہوگا جب کہ وہ خشمناک ہو۔

۱۳۔ اے حجر تیرے بعد کون بمقتضائے تقویٰ حق پر زبان کھولنے والا ہے اور کون ایسا ہے کہ اگر ظلم کا تذکرہ سُنے تو اُس کے مٹانے پر آمادہ ہوجائے۔

۱۴۔ اے حجر تم کتنے اچھے برادرِ ایمانی تھے۔ مجھے اُمید ہے کہ تم کو خلد میں وہ

جگہ دی جائے گی کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔

۱۵۔ تم جہاد میں شمشیر زنی کا حق ادا کرتے تھے، نیکی کو اچھا اور بدی کو برا سمجھتے تھے۔

۱۶۔ اے میرے دو بھائیو! تم باران رحمت میں محفوظ و مامون ہو، تم کو تمہارے نیک اعمال کی خوشخبری دی گئی ہے پس اسی سے خوشی حاصل کرو۔

۱۷۔ اے میرے دونوں خندقی بھائیو! جو کچھ ہمارے پاس ہے خوش ہو خدا کرے تم ہلاک نہ ہو۔

۱۸۔ اے میرے بھائیو حضرموت و غالب وشیبان میں سے خدا تم پر حساب کو آسان کرے۔

۱۹۔ تم لوگوں نے سعادت حاصل کی مرتے مرتے صائب الرّائے اور ثابت قدم تم سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں پایا۔

۲۰۔ میں تم پر ہمیشہ رویا کروں گا جب تک آسمان پر تارہ چمکے اور باغ میں فاختہ چہچہائے اور قہقہے لگائے۔

۲۱۔ اے بنی طے! یہ میرا قول ہے اور غلط نہیں مجھے اس کا خطرہ نہ تھا کہ تمہارے ہوتے ہوئے میں گرفتار کرلیا جاؤں گا۔

۲۲۔ تمہارا بُرا ہو تم نے اپنے بھائی کی طرف سے جنگ نہ کی، وہ دفاع کرتے کرتے خود کو نہ سنبھال سکا اور بالآخر گر گیا۔

۲۳۔ تم لوگ مجھے چھوڑ کر اس طرح منتشر ہو گئے کہ گویا قبیلہ ایادؔ و اعصرؔ میں مَیں ایک اجنبی شخص تھا کہ مجھے گرفتار کرا دیا۔

۲۴۔ اب ہر ایک مہم میں میرا سا شخص تم کو کون ملے گا جب کبھی رن پڑے گا۔

۲۵۔ جب جنگ آستین چڑھائے گی اور حریفِ جاں باز ترکتازی کرے گا تو مجھ سا کون شخص تمہاری نصرت کو آئے گا۔

۲۶۔ پس ہر غارت کے وقت تمہارے لیے مجھ جیسا کون ہے اور سختی کے وقت میری مثل کون ہے؟

۲۷۔ میں اس حالت میں ہوں کہ شہر سے نکالا ہوا بنی طے کے پہاڑوں میں پڑا ہوا ہوں اگر اللہ چاہتا تو اس حالت کو بدل دیتا۔

۲۸۔ میرے دشمن نے میرے دار الہجرۃ سے مجھے نکال دیا میں اللہ کی مشیت اور اس کی تقدیر پر راضی ہوں۔

۲۹۔ میری قوم نے بے گناہ مجھ کو دشمن کے حوالے کر دیا کہ وہ میری برادری اور میرے خاندان ہی کے نہ تھے۔

۳۰۔ اگر میں طے کے پہاڑوں میں کسی مکان میں ہوں اور وہاں شراب اور ہالی موالی سب کچھ ہو۔

۳۱۔ تب بھی اس سے میں نہیں ڈرتا کہ وہاں سے دور چلا جاؤں، خدا کی بے شمار لعنتیں ہوں اس پر جو اس بارے میں مجھ سے خصومت کرے۔

۳۲۔ خدا لعنت کرے اہلِ حضرت موت کے سردار بنو وائل پر اور خدا کرے قنانی کو تیز نیزے سے واسطہ پڑے۔

۳۳۔ خدا کرے وہ لوگ ہلاک ہوں جو ہمارے خلاف جمع ہوئے ہیں اور جنھوں نے ہمارے بارے میں غلط بیانی اور دروغ بافی کی۔

۳۴۔ ابنِ طے کی قوم سے اگر زمانہ خلاف ہو کر بدل جائے تو مجھ کو مدد کے لیے نہ پکارے۔

۳۵۔ میں نے ان کے ساتھ جنگ نہیں کی، سپاہیوں کو لے کر اور کوفے میں ان پر تیرہ و تار گرد و غبار کو بلند نہیں کیا۔

۳۶، ۳۷۔ اے ہمدم اگر تو مشرق کی طرف سفر کرے تو میرا پیام قوم جدیلہ

اور معن اور بحتر کو پہنچا دے اور قومِ نبہان کو اور طے کے لوگوں کو کیا میں تم لوگوں میں مستغنی المزاج اور زبردست شخص نہ تھا؟

۳۸۔ کیا تم بھول گئے کہ جنگِ عذیب میں تم لوگوں کے سامنے میں نے قسم کھائی تھی کہ میں کبھی بھٹے نہ پھیروں گا۔

۳۹۔ وہ کہ ان پر میرا حملہ کرنا جب کہ میرے ساتھ والے زرہ پہنے ہوئے بھی نہ تھے اور وہ میرا قتل کرنا اس بہادر مرد کو جو کنگن پہنے ہوئے تھا۔

۴۰۔ وہ جلولا کا واقعہ جس میں مجھ پر حرف نہیں آنے پایا اور وہ نہاوند اور شوستر کی فتح۔

۴۱۔ وہ میرا لبِ آبِ صفّین میں جنگ کرنا کہ برچھی میرے دشمنوں کی پشت میں ٹوٹ کر رہ گئی۔

۴۲۔ خدا بھلا کرے عدی بن حاتم کا اور جزا دے کہ اُنھوں نے مجھ کو چھوڑ دیا اور نصرت نہ کی۔

۴۳۔ اے ابنِ حاتم کیا تم بھول گئے جس رات بنی عدی سے ذرا بھی تمہارا کام نہ نکل سکا اس وقت بیسا کانہ میں ہی تمہاری نصرت کے لیے نکلا تھا۔

۴۴۔ میں نے دشمنوں کے ہجوم کو تم پر سے منتشر کر دیا یہاں تک کہ وہ رسوا ہو گئے اور میں نے ثابت کر دیا کہ میں ایک درشت اور سخت حریف ہوں۔

۴۵۔ انھوں نے پیٹھ دکھلا دی اور کوئی میرے سامنے نہ ٹھہر سکا گویا کہ وہ لوگ یہ سمجھے کہ شیرِ نیستاں کا سامنا ہے۔

۴۶۔ میں نے ایسے وقت میں تم لوگوں کی مدد کی کہ جو قریب تھا وہ بددل ہو چکا تھا اور جو دور تھا وہ اور دور نکل گیا تھا، میں تنہا فتح مند ہوا۔

۴۷۔ اس کا صلہ مجھ کو یہ ملا کہ تم لوگوں کے سامنے مجھے گھسیٹتے ہوئے لے

جائیں اور میں ذلیل اور قید کیا جاؤں۔

۴۸۔ تم نے کتنے ہی وعدے مجھ سے کئے کہ مجھ کو بلا لو گے لیکن مجھے ان وعدوں سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔

۴۹۔ اب میری یہ حالت ہے کہ کبھی اونٹنیوں کو چرا رہا ہوں کبھی چرواہے کے ساتھ ساتھ بکریوں کے پیچھے ہر ہر کرتا پھرتا ہوں۔

۵۰۔ گویا میں تاخت و تاراج کرنے کو کبھی گھوڑے پر سوار ہی نہ ہوا تھا نہ میں نے کسی پہلوان کو قتل کیا تھا۔

۵۱۔ نہ میں نے کبھی سواروں کی ترکتاز کو تلوار کھینچ کر روکا تھا جبکہ بزدل اُلٹے پاؤں بھاگ کر چلا اُٹھا تھا۔

۵۲۔ نہ میں شہر نے سجاس والہر کی چڑھائی پر جانے والی فوج کا تعاقب بھی گھوڑے کو ڈپٹا کر کیا تھا۔

۵۳۔ میں نے ایلام کی بستی والوں کو ایک ایسی فوج سے جو مثل طیور کے تھی اضطراب میں بھی نہیں ڈالا تھا اور فتح مند ہو کر واپس بھی نہیں ہوا تھا۔

۵۴۔ کیا قزوین یا شروین میں شہسواروں کے ساتھ برچھیاں مارتے مجھے کسی نے نہیں دیکھا اور کیا میں نے کندر سے جنگ نہیں کی۔

۵۵۔ دنیا کی خوبیوں نے مجھ سے کنارہ کیا اور جو شے اس کی مجھے خوشگوار تھی وہ اب میرے لیے ناگوار ہو گئی۔

۵۶۔ میری قوم والوں کا خدا بھلا کرے اگرچہ میں اب ان میں نہیں ہوں اگرچہ اُنھوں نے مجھے ضائع کر دیا اور ناسپاسی کی۔

۵۷۔ اگرچہ میں ان سے دور ہوں، محصور ہوں، ان کے بعد دنیا اور زندگانیِ دنیا کا کوئی لطف نہیں۔

عمرو بن الحُمق الخزاعی

نام و نَسَب :

عمرو نام، قبیلۂ خزاعہ کے ایک معزز فرد ہیں، سلسلۂ نَسَب اس طرح ہے "عمرو بن الحمق بن الکاہن بن حبیب بن عمرو بن القین بن زراح بن عمرو بن سعد بن کعب بن عمرو الخزاعی الکعبی (اصابہ ۲۹۴/۴)

صحابیت :

آپ کے صحابیِ رسولؐ ہونے پر تمام اربابِ سیر و رجال کا اتفاق ہے۔ علامہ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں:-

ابنِ سکن کا قول ہے: آپ کو صحابیتِ رسولؐ کا شرف حاصل ہے اور ابو عمرو کہتے ہیں کہ آپ نے حدیبیہ کے بعد ہجرت کی ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ حجۃ الوداع کے بعد اسلام لائے لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے"۔ (اصابہ ۲۹۴/۴)

اس کے بعد لکھتے ہیں۔

ابو احمد حاکم نے اپنی کتاب "الکنی" میں ابوداؤد مازنی کے تذکرہ کے ذیل میں اموی طریق سے ابو اسحٰق سے ایک روایت درج کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن الحمق جنگِ بدر میں شریک تھے اور آپ نے ایک مرتبہ رسولؐ اللہ کی

خدمت میں پینے کے لیے دودھ حاضر کیا تھا جس پر آپ نے یہ دعا دی تھی خداوندا اس کو جوانی سے متمتع رکھ'' اسی دعا کا اثر تھا کہ آپ ۸۰ سال زندہ رہے لیکن کوئی بال سفید نہیں ہوا۔'' (اصابہ ۲۹۴/۴)

استیعاب میں ہے۔

آپ آنحضرتؐ کی صحبت میں رہے اور ان سے احادیث کو حفظ کیا۔

(استیعاب ۴۴۰/۲)

آپ نہایت عبادت گزار اور مقدس صحابیِ رسولؐ تھے۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے ایک مکتوب میں جو انھوں نے معاویہ کو تحریر کیا ہے فرماتے ہیں۔

اے معاویہ کیا تم عمرو بن الحمق کے قاتل نہیں ہو جو ایسے صالح بندوں میں تھے جن کے چہرے کو کثرت عبادت نے بے رونق کر دیا تھا اور گھلا دیا تھا، تو نے ان کو وعدۂ امن دینے کے بعد قتل کیا۔

روایتِ حدیث:

آپ نے براہِ راست آنحضرتؐ سے احادیث کی روایت کی ہے اور آپ سے رفاعہ بن شداد بجلی، عبداللہ بن عامر المعاذی، جبیر بن نفیر الحضرمی، ابو منصور مولی الانصار نیز دیگر صحابہ و تابعین نے روایت کی ہے (تہذیب التہذیب ۲۴/۸)

امام نسائی اور ابنِ ماجہ نے رفاعہ بن شداد کی سند سے ان سے حسبِ ذیل حدیث لکھی ہے۔

من امّن رجلا علی دمه فقتله فانا بری من القاتل وان کان المقتول کافرا (اصابہ حجر عسقلانی ۴: ۲۹۴)

عمرو بن الحمق کی سیاسی زندگی:

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے انتقال کے بعد آپ شام چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی البتہ حضرت عثمان کے زمانۂ خلافت میں کچھ نامعلوم اسباب کی بنا پر پھر کوفے آ گئے۔ چنانچہ سعیدؔ بن العاص جب کوفے کا گورنر ہو کر آیا ہے اور اُس نے روسا شہر اور اہلِ قادسیہ سے اپنے مراسم بڑھانا شروع کئے تو ان لوگوں میں جو اس کی صحبت میں حاضر ہوتے تھے عمروؔ بن الحمق کا نام بھی ملتا ہے ابنِ خلدون نے اس کے شرکا مجلس کی حسبِ ذیل فہرست دی ہے۔

"مالک بن کعب ارحی، اسود بن یزید، علقمہ بن قیس نخعی، ثابت بن قیس ہمدانی، جندب بن زہیر عابدی، جناب بن کعب ازدی، عروہ بن الجعد، عمرو بن الحمق خزاعی، صعصعہ و زید پسرانِ صوحان، ابنِ الکو، کمیل بن زیاد، عمیر بن ضعبائی، طلیحہ بن خویلد وغیرہم"۔

یہ لوگ ہر روز رات کو اس کی مجلس میں لوگوں کے انساب و ایامِ عرب اور اسلام کے اخبار بیان کیا کرتے تھے، اسی میں بیشتر طعن و تشنیع تک نوبت پہنچ جاتی تھی، لیکن بعد کے واقعات بتاتے ہیں کہ یہ صحبتیں زیادہ دن تک قائم نہ رہ سکیں اور سعید کی آمرانہ ذہنیت اور اقتدار پسندی کی بنا پر جلد ہی اختلافات رونما ہو گئے۔

اس کے بعد مدینہ میں جب حضرت عثمان کے خلاف انقلاب ہوا ہے تو اس مخالف گروہ میں آپ کا نام بھی تاریخوں میں ملتا ہے۔

استیعاب میں ہے:

(عمرو بن حمق) ان لوگوں میں تھے جو حضرت عثمان کی طرف بڑھے اور یہ اُن

چار آدمیوں میں تھے جو ان کے گھر میں داخل ہوئے جیسا کہ مورخین کا بیان ہے، اس کے بعد وہ علیؑ کے شیعوں میں ہو گئے۔ (استیعاب ۲:۴۴)

اصابہ میں ہے۔

پھر آپ (عمرو بن حمق) حضرت عثمان کے مخالف گروہ میں ہو گئے اور علیؑ کے ہمراہ ان کی تمام جنگوں میں حاضر رہے۔ (اصابہ ۴:۲۹۴)

ابن خلدون کا بیان ہے۔

''بیان کیا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس نے عثمان کے قتل کا بیڑہ اُٹھایا تھا وہ کنانہ بن بشر تجیبی ہیں۔ انھوں نے تلوار چلائی تھی اور عمرو بن حمق نے نیزے کے چند زخم پہنچائے تھے (ابن خلدون ۲:۱۵)

مذکورہ بالا روایت کامل اور طبری نے بھی اپنی اپنی تاریخوں میں قدرے تفصیل کے ساتھ نقل کی ہے:

لیکن عمرو بن حمق پس انھوں نے عثمان پر حملہ کیا اور ان کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ اس وقت ان میں صرف رمقِ جان باقی تھی، عمرو نے نیزے کے نو وار کئے اور کہا ان میں سے تین نیزے تو میں نے اللہ کے لئے مارے ہیں اور چھ اپنی تسکینِ نفس کے لیے۔ (تاریخِ کامل ۳:۷۵)

عہدِ امیر المومنینؑ:

عمرو بن حمق، حضرت علیؑ کے پُرجوش حامیوں میں تھے چنانچہ باتفاق مورخین آپ ان کے ہمراہ تمام مشاہد، جمل وصفین اور نہروان وغیرہ میں شریک رہے ہیں۔ (استیعاب ۲:۴۴۰)

جنگِ جمل میں اتنی بہادری کے ساتھ جنگ کی کہ مخالفین کے دانت کھٹے ہو گئے۔

اس کے بعد امیر المومنینؑ نے جب شام کی طرف جانے کا ارادہ کیا ہے اور

مہاجرین وانصار کو اپنی ہمراہی کے لیے دعوت دی ہے تو اس وقت بھی عمرو بن حمق آپ کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ اس موقعے پر انھوں نے جو تقریر کی ہے اس سے ان کے جوش اور اخلاص کا پورا پورا پتہ چلتا ہے۔

(قسم بخدا، اے امیر المومنینؑ! میں آپ کو دوست رکھتا ہوں اور آپ کی بیعت کی ہے، وہ اس بنا پر نہیں کہ میرے اور آپ کے درمیان میں قرابت ہے نہ اس ارادے سے کہ آپ مجھے مال اور جاہ ومنصب عطا کریں جس کے ذریعے سے میرا ذکر بلند ہو، لیکن صرف پانچ خصلتوں کی بنا پر میں آپ کو دوست رکھتا ہوں۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا کے بیٹے اور ان کے وصی ہیں اور ان کی اس ذرّیت کے باپ ہیں جو آج ہم میں باقی ہے اور اسلام کی طرف لوگوں میں سبقت کرنے والے اور مہاجرین میں، جہاد میں سب سے زیادہ حصہ پانے والے ہیں، پس اگر مجھ کو اپنے وہ حالات پیدا کرنے میں کہ جن کے ذریعے سے میں آپ کے دوست کو طاقتور اور دشمن کو کمزور بنا سکوں، اتنی تکلیف کرنا پڑے جتنی کہ بلند پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹنے اور متلاطم سمندروں کو خشک کرنے میں ہوتی ہے تب بھی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے آپ کا وہ حق ادا کر دیا ہے جو مجھ پر عائد ہوتا ہے)۔

اس پر امیر المومنینؑ نے ان کو دعا دی اور فرمایا:

بارِ الٰہا! اس کے قلب کو تقویٰ سے نورانی کر اور سیدھے راستے کی طرف اس کی رہنمائی کر! کاش تمہاری مثل میرے لشکر میں سو آدمی ہی ہوتے۔

(شرح ابنِ ابی الحدید ا:۱۵۵)

اس کے بعد جنگِ صفّین کے درمیانی التوا کے زمانے میں جب دوبارہ جنگ کی تیاریاں شروع ہوئیں تو امیر المومنینؑ نے ان کو بنو خزاعہ کے دستے کا افسر مقرر کیا۔

(اخبار الطوال صفحہ ۱۸۳)

اس کے بعد ۴۳ھ تک تاریخ ان کے ذکر سے خاموش ہے جس کی بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ مصر چلے گئے تھے۔ اس سلسلے میں علاّمہ ابنِ حجر عسقلانی نے حسبِ ذیل روایت لکھی ہے:-

طبرانی اور قانع وغیرہ نے عمیرہ ابنِ عبداللہ مفاخری کی طرف سے روایت کی ہے کہ میرے باپ نے عمرو بن الحمق سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے رسولؐ اللہ سے سنا ہے کہ ایک ایسا فتنہ آنے والا ہے جن میں سب سے سالم تر یا سب سے اچھا جند غربی ہوگا۔

عمرو کہتے ہیں کہ میں اسی وجہ سے تمہارے پاس مصر چلا آیا۔

اس کے بعد ۴۱ھ میں جب مغیرہ بن شیبہ کوفے کا گورنر ہو کر آیا ہے تو اس وقت پھر آپ کا وجود کوفے میں ملتا ہے چنانچہ معاویہ نے مغیرہ کو خصوصیت کے ساتھ یہ ہدایت لکھ کر بھیجی تھی کہ زیادؔ، حجر بنؔ عدی، سلیمانؔ بن صرو، سیف بن ربعی، ابن الکواء اور ابنِ الحمق کو بالالتزام نمازِ جماعت میں شریک کیا کرو۔

(ابن خلدون ۳:۶)

مغیرؔہ کے بعد جب زیاد کوفے کا گورنر ہو کر آیا ہے تو عمارہ بن عقبہ نے اس سے عمرو کی شکایت کی کہ ان کے پاس شیعیانِ علیؑ کا مجمع رہتا ہے مبادا کوئی شورش برپا ہو۔ زیادؔ نے ان کو بلایا اور کہا کہ یہ مجمع تمہارے پاس کیوں رہتا ہے جس شخص سے تم کو کلام کرنا ہو مسجد میں کیا کرو۔

دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ یزیدؔ بن رویم نے یہ شکایت کی تھی جس کے جواب میں اس نے یہ کہا کہ میں نے اسے چھوڑ دیا اور اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اس کی پنڈلی کا مغزِ استخوان میرے بغض کی وجہ سے بہ گیا ہے تو بھی میں اس پر غصہ نہ ہوتا حتی کہ وہ مجھ پر حملہ کرتا۔

اس کے بعد ۵۱ھ میں آپ حجر بن عدی کے رفقا میں ملتے ہیں۔ چنانچہ جب زیادؔ کے آدمیوں سے حُجر اوران کے اصحاب کا مقابلہ ہوا ہے اس وقت انھوں نے حُجر کی حمایت میں جنگ کی۔ طبری کا بیان ہے کہ اثنائے جنگ میں بکر بن عبید نے ان کے سر پر لٹھ مارا جس سے یہ اسی وقت گر پڑے۔ ابوسفیان بن عویمر اور عجلان بن ربیعہ ان کو اُٹھا کر عبداللہ بن مالک کے گھر میں لے گئے یہ تینوں شخص ازدیؔ تھے۔ عمرو بن حمق اپنے نکلنے کے وقت تک اسی گھر میں پوشیدہ رہے۔ اس سلسلے میں مؤرخین نے عبداللہ بن عوف کی زبانی ایک روایت لکھی ہے ان کا بیان ہے کہ مصعبؔ کے قتل کے ایک سال پیشتر جب ہم لوگ غزوہ باجمیرہ سے واپس ہوئے ہیں تو میں نے بکرؔ بن عبید کو دیکھا کہ راہ میں میرے ساتھ چل رہا ہے۔ عبداللہ بن عوف کہتے ہیں کہ جب سے اس نے عمرو کے سر پر لٹھ مارا تھا اس دن سے میں نے اس کو کہیں دیکھا ہی نہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ اب اسے دیکھوں گا تو پہچان ہی نہ سکوں گا۔ اب جب میں نے اسے دیکھا تو گمان ہوا کہ شاید یہ وہی شخص ہے۔ کوفے کی عمارتیں سامنے سے دکھائی دے رہی تھیں۔ مجھے صاف طور سے یہ کہتے ہوئے کراہت معلوم ہوئی کہ تو نے ہی عمرو کو لٹھ مارا تھا۔ مبادا وہ مجھے جھٹلا دے اس لیے میں نے اس انداز میں کہا کہ ''جس دن سے تو نے عمرو کے سر پر لٹھ مارا تھا جب سے آج تک میں نے تجھے دیکھا ہی نہ تھا آج دیکھتے ہی پہچان لیا''۔ کہنے لگا ''خدا ان آنکھوں کو روشن رکھے تیری نظر کس قدر صحیح ہے، وہ ایک شیطانی حرکت تھی اب مجھے معلوم ہوا کہ عمرو صلحا میں سے ہیں، مجھے اپنی اس ضرب پر بہت ندامت ہے اور خدا سے استغفار کرتا ہوں'' میں نے کہا: ''جس طرح تو نے عمرو بن حمق کو مارا تھا اسی طرح کی ضرب جب تک تیرے سر پر نہ لگالوں گا واللہ چھوڑوں گا نہیں اس میں خواہ میری جان جائے یا تیری''۔ یہ سن کر وہ خدا کا

واسطہ دینے لگا لیکن میں نے ایک نہ مانی۔ اس وقت ایک اصفہانی غلام رشیدؔ میرے پاس تھا، اس کے نیزے کی ڈانڈ بہت سخت تھی میں نے اسے پکارا اور نیزہ اس سے لے لیا۔ بکر بن عبید یہ دیکھ کر سواری سے نیچے اُترنے لگا ابھی دونوں پاؤں زمین تک نہ پہنچے تھے کہ میں جا پہنچا اور اس کے دماغ پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ منھ کے بل گر پڑا، میں اسی حالت میں اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ کچھ دنوں بعد وہ اچھا ہو گیا، اس مدت میں دو مرتبہ اور وہ مجھے ملا، ہر دفعہ وہ مجھ سے یہی کہتا تھا کہ میرا تیرا انصاف خدا کے سامنے ہوگا۔ (طبری ۶: ۱۴۴۔۱۴۵)

بہر حال عمرو بن حمق کچھ دن تک عبداللہ بن مالک کے گھر میں پناہ گزیں رہے اس کے بعد جب زیاد نے اصحاب حجر کی گرفتاری شروع کی ہے تو آپ رفاعہ بن شدّاد کے ساتھ موصل چلے گئے اس کی تائید ابن جان کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے اصابہ میں نقل کیا ہے۔ وہاں کے عامل نے آپ کو گرفتار کر لیا، جب یہ گرفتار ہو کر آئے ہیں تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو، عمرو نے کہا "میں وہ شخص ہوں جس کو چھوڑ دو گے تو تمہارے حق میں اچھا ہوگا اور قتل کر دو گے تو بُرا ہوگا"۔ ان لوگوں نے بہت پوچھا مگر عمرو نے اپنا تعارف نہ کرایا۔ عبداللہ بن ابی بلیجعہ نے انھیں موصلؔ کے عامل عبدالرحمن ثقفی کے پاس بھیج دیا اس نے دیکھتے ہی عمرو کو پہچان لیا اور معاویہؔ کے پاس اُن کا حال لکھ بھیجا۔ معاویہ نے جواب میں لکھا کہ عمرو نے عثمان پر تیر کی بھال سے نَو طعن کئے تھے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ اس پر زیادتی کی جائے اس لیے تم بھی اس پر نو طعن کرو، یہ حکم پا کر عمرو کو نکال کر باہر لے آئے اور نَو طعن ان پر کئے گئے۔ پہلے یا دوسرے طعن میں اس مقدس صحابیِ رسولؐ کی روح پرواز کر گئی۔

(اصابہ ۴/۲۹۴)

موصل کے عامل نے آپ کا سر کاٹ کر زیادؔ کے پاس بھیج دیا۔ زیادؔ نے وہ سر

معاویہ کے پاس روانہ کردیا یہ واقعہ ۵۰ھ کا ہے۔ (طبری ۱۴۸/۶)

ابنِ سکن کی روایت ہے کہ معاویہ نے آپ کی تلاش میں کچھ لوگوں کو روانہ کیا تھا، جب معاویہ کے آدمیوں نے ان کو گرفتار کیا تو ان کی موت واقع ہوگئی جس سے ان لوگوں کو یہ خطرہ ہوا کہ معاویہ ضرور ہم لوگوں کو متہم کریں گے اس لیے انھوں نے ان کا سر کاٹ لیا اور معاویہ کے پاس لے گئے۔ اسلام میں یہ پہلا سر ہے جو نیزے پر بلند کیا گیا اور ہدیے کے طور پر بھیجا گیا۔ (اسد الغابہ ۴:۱۰۱)

علّامہ ابنِ اثیر نے اس موقعے پر ایک روایت لکھی ہے کہ عمرو بن الحمق کی ایک زوجہ آمنہ بنتِ شرید تھیں جن کو امیرِ معاویہ نے قید کرلیا تھا اور ایک زمانے سے وہ دمشق کے قید خانے میں محبوس تھیں۔ جس وقت عمرو کا سر ان کے پاس پہنچا تو انھوں نے اس کو ان کی زوجہ کے پاس بھیجا۔ اس مخدرہ نے جب اس سر کو دیکھا تو تھوڑی دیر کے لیے سکتے کا عالم طاری ہوگیا، جب ہوش آیا تو بیتابانہ اس کو اپنی گود میں رکھا اور اپنا ہاتھ ان کی پیشانی پر رکھ کر منھ کے بوسے دیے، اس کے بعد کہا: ''تم نے ایک زمانے تک مجھ کو ان سے غائب رکھا اور اب مقتول کی صورت میں تم نے میرے پاس ان کو ہدیے کے طور پر بھیجا''۔

مقبرہ:

۳۳۶ھ میں مصر کے مشہور حکمراں سیف الدّولہ کے چچازاد بھائی ابو عبداللہ سعید بن حمدان نے ان کے مزار پر مقبرہ تعمیر کرایا۔ یہ مقبرہ مدتوں تک مرجعِ خلائق رہا، اس کی وجہ سے سنّیوں اور شیعوں میں بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں (اسد الغابہ ۴:۲۹۴)

شریح بن ہانی

نام ونَسَب :

شریح نام،کنیت ابوالمقدام،ان کے سلسلہ نَسَب میں ناموں کا کہیں کہیں اختلاف ملتا ہے۔ایک روایت کی بنا پر سلسلہ نَسَب اس طرح ہے ''شریح بن ہانی بن یزید بن نہیک'' دوسری روایت کی رُو سے ''شریح بن ہانی بن یزید بن الحارث بن کعب الحارثی'' ہے۔(اصابہ ۲۲۳/۳)

علاّمہ ابنِ عبدالبر مکی نے ان کا سلسلہ نَسَب حسبِ ذیل طریقوں سے لکھا ہے:-

۱۔ شریح بن ہانی بن یزید بن نہیک

۲۔شریح بن ہانی بن یزید بن کعب المذحجی الحارثی،

۳۔شریح بن ہانی بن یزید بن نہیک بن درید بن سفیان بن الضباب وھو سلمہ بن الحارث بن ربیعہ بن الحارث بن کعب الضبابی المذحجی الحارثی

(استیعاب ص ۵۹۶،مطبوعہ دائرہ المعارف حیدرآباد دکن)

بہرحال آباؤ اجداد کے ناموں کا یہ اختلاف ان کی شخصیت کے تعین پر کوئی اثر نہیں ڈالتا کیونکہ کتبِ رجال وانساب میں بیشتر اس قسم کا اختلاف ملتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ناموں کے ضبط وحفظ میں عموماً حافظہ غلطی کر جاتا ہے۔عرب میں اس وقت

تک چونکہ کتابت کا عام رواج نہ تھا اور واقعات کی بنیاد زیادہ تر روایت و بیان پر رکھی جاتی تھی اس لیے ایسے اختلافات کا ہونا کچھ مستبعد نہیں۔

شریح کے والد ہانی بن یزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں تھے اور زمانۂ جاہلیت میں ابوالحکم کی کنیت سے مشہور تھے۔ آنحضرتؐ کی خدمت میں ان کے آنے کا واقعہ اس طرح ہے کہ یہ اپنی قوم کے ہمراہ آنحضرتؐ کی خدمت میں گئے، آپ کو جب ان کی کنیت معلوم ہوئی تو فرمایا "یہ کنیت تم نے کس لیے رکھی ہے"۔ ہانی نے جواب دیا "میں اپنی قوم کے باہمی اُمور میں فیصلہ کرتا ہوں اور میرا فیصلہ ان کے لیے قطعی ہوتا ہے اس لیے میں نے اپنی کنیت ابوالحکم رکھی ہے نہ اس وجہ سے کہ حکم نام کا میرا کوئی بیٹا ہے"۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "کیا تمہارے کوئی بیٹا ہے" ہانی نے کہا ہاں! فرمایا "سب سے بڑے بیٹے کا نام کیا ہے" کہا "شریح" یہ سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا پس آج سے تمہاری کُنیت "ابوشریح" ہے۔ (ابنِ عساکر ۳۱۷/۶)

علّامہ ابنِ حجر عسقلانی نے معاویہ بن صالح کی روایت سے یہ روایت اس طرح لکھی ہے۔ "وقد ابوہ واخبر النبی باسم ولدہ (اصابہ ۲۲۳/۳)

یعنی شریح کے والد آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے آپ نے ان کے بیٹے کے نام (شریح) سے خبر دی۔

تمام رجالیین کا اس پر اتفاق ہے کہ ہانی تمام مشاہد میں آنحضرتؐ کے ہمراہ رہے (استیعاب صفحہ ۵۶۶)

صحابیت:

شریح کے صحابیِ رسولؐ ہونے میں محدثین میں اختلاف ہے۔ اصابہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے آنحضرتؐ کا ادراک کیا لیکن ان کے ساتھ

ہجرت نہیں کی بلکہ مدینے میں آ گئے تھے۔ استیعابؔ میں ہے کہ آپ نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے۔ حافظ ابنِ عساکر نے اس سلسلے میں تین روایتیں لکھی ہیں۔

پہلی یہ کہ شریح نے آنحضرتؐ کا ادراک کیا لیکن ان کو دیکھا نہیں۔

دوسری روایت جو مسلم بن حجاج سے مروی ہے وہ یہ ہے کہ شریح نے جاہلیت کا زمانہ پایا لیکن آنحضرتؐ سے ملاقات نہ کر سکے۔

تیسری سلیمان بن ابی شیخ سے یہ ہے کہ آپ نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے۔ (ابنِ عساکر ۳۱۶/۶)

ان تمام روایات کو دیکھ کر اتنا تو یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے اپنے سن رشد و بلوغ میں آنحضرتؐ کے عہدِ مبارک کو دیکھا لیکن ملاقات نہ کر سکے۔ بظاہر یہ امر تعجب انگیز ہے کیونکہ باتفاقِ مورخین آپ کا انتقال ۷۸ھ میں ہوا ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۱۰ سال کی تھی اس بنا پر ہجرت کے وقت آپ کی عمر ۳۲ سال قرار پاتی ہے۔

ہجرت کے بعد ۱۱ سال تک آنحضرتؐ بقیدِ حیات رہے اس لیے یہ ناممکن ہے کہ اتنے طویل زمانے تک شریح کے دل میں کسی وقت بھی اپنے پیغمبر کو دیکھنے کا ولولہ پیدا نہ ہوا ہو یا ایسی کوئی ضرورت داعی نہ ہوئی ہو شریح پیغمبرِ اسلام کی خدمت میں حاضر ہوتے، جبکہ دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ شریح کے باپ بھی صحابیِ رسولؐ تھے اور اس بنا پر ان کے کان بچپن سے اسلام سے آشنا تھے۔ لہٰذا استیعابؔ کی وہ روایت بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے جو انھوں نے عبداللہ بن شریح بن ہانی بن یزید الحارثی کے ذیل میں لکھی ہے:-

قدم ابولا علی النبی فسائله عن ولده
لحدیث ذکرہ ابو عمرو فی باب ابیہ

ترجمہ: عبداللہ بن شریح کے والد (شریح بن ہانی) آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور آپ سے اپنے بیٹے کی بابت ایک حدیث کے لیے سوال کیا جس کا ذکر ابوعمرو نے عبداللہ کے باپ (شریح بن ہانی) کے باب میں کیا ہے۔

(استیعاب ۱/۳۸۶)

بہرحال ان تمام روایات و درایات کو سامنے رکھتے ہوئے شریح کے متعلق زیادہ رجحان یہی ہے کہ وہ صحابیِ رسولؐ تھے۔

علم و فضل:

سوادِ اعظم میں شریح کا شمار اجلہ تابعین میں ہے۔ علامہ ابنِ عبدالبر المکی ہانی بن عروہ کے تذکرے کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

اُن کے بیٹے شریح اجلہ تابعین اور علی ابنِ ابی طالبؑ کے کبار اصحاب میں تھے، اُن اصحاب میں جو آپ کے ہمراہ تمام مشاہد میں رہے ہیں۔

(استیعاب صفحہ ۵۹۶)

شریح نے اپنے والد ہانی، حضرت علیؑ، حضرت عمر، بلال، سعد بن ابی وقاص، ابوہریرہ، ام المومنین حضرت عائشہ نیز دیگر صحابہٴ رسولؐ سے احادیث روایت کی ہیں اور ان سے ان کے دونوں بیٹوں محمد و مقدام، شعبی، حکم بن عتیبہ، مقاتل بن بشیر، یونس بن ابی اسحق اور دیگر تابعین نے روایت کی ہے (تہذیب التہذیب ۴: ۳۳۰)

علامہ ابنِ حجر عسقلانی ان کے تذکرے کے تحت لکھتے ہیں:۔

ابنِ سعد نے ان کا ذکر طبقہٴ اولیٰ کے تابعینِ اہلِ کوفہ میں کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ حضرت علیؑ کے اصحاب میں تھے اور ان کے ساتھ تمام مشاہد میں موجود رہے

اور وہ ثقہ تھے۔ ان سے احادیث مروی ہیں۔

حسن بن حر نے قاسم بن مخیمرہ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ میں نے شریح سے افضل کسی کو نہیں پایا اور وہ ان کی بے حد تعریف کیا کرتے تھے نیز اثرم کا بیان ہے کہ احمد سے شریح کے متعلق دریافت کیا گیا کہ کیا وہ صحیح الحدیث ہیں؟ انھوں نے کہا ہاں اور یہ بہت متقدم ہے نیز مروی نے احمد کے حوالے سے ان کو ثقہ کہا ہے اسی طرح ابنِ معین اور نسائی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ ابنِ خراش نے ان کو صدوق کہا ہے نیز ابنِ حیان نے بھی اُن کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ۳/ ۲۳۰)

''مسلم نے مختصر میں ان کا ذکر کیا ہے اور اپنی صحیح میں ان سے روایتیں لی ہیں''

علاّمہ ابنِ عساکر نے اس ذیل میں دو حدیثیں بھی لکھی ہیں جو شریح سے مروی ہیں:-

ترجمہ: حاکم نے شریح سے اخراج کیا ہے، ان کا بیان ہے، کہ ایک مرتبہ میں نے مسح علی الخفین کے متعلق ام المومنین حضرت عائشہؓ سے سوال کیا، آپ نے فرمایا: ''علیؑ کے پاس جاؤ کیونکہ وہ اس مسئلے کو زیادہ جانتے ہیں''۔ شریح حضرت علیؑ کے پاس آئے اور ان سے مسئلہ مذکورہ کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ''رسولؐ اللہ ہم کو یہ حکم دیا کرتے تھے کہ مقیم ایک دن اور ایک رات مسح علی الخفین کر سکتا ہے اور مسافر کے لیے تین دن کی اجازت ہے''۔ اس حدیث کو مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔

حافظ نے شریح سے اخراج کیا ہے، ان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے کہا کہ آنحضرتؐ کا کیا معمول تھا آپ نے فرمایا کہ'' آپ فجر سے قبل دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس کے بعد گھر سے نکل جاتے تھے اور مسجد میں جا کر نماز پڑھتے تھے پھر جب گھر میں داخل ہوتے تو مسواک کیا کرتے تھے''۔

دوسری جگہ یہ روایت اس طرح ہے:-

ترجمہ: شریح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے کہا "آپ ذرا یہ بتایئے کہ آنحضرتؐ جب مسجد سے لوٹ کر آپ کے پاس آتے تھے تو کس کام سے ابتدا کرتے تھے" آپ نے کہا "مسواک سے" (تاریخِ ابن عساکر ۶:۳۱۶)

شریح کے جنگی کارنامے:

اس میں کوئی شک نہیں کہ شریحؒ جس طرح ایک ممتاز عابد و زاہد اور راوی حدیث تھے اُسی طرح وہ ایک نبرد آزما اور جنگجو سپاہی بھی تھے لیکن پہلی تین خلافتوں سے چونکہ ان کو اختلاف رہا اس بپ پر اس پورے دور میں وہ کہیں نظر نہیں آتے البتہ امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ کے زمانۂ خلافت میں ان کے کارنامے سامنے آتے ہیں۔ جتنے معرکے پیش آئے ان سب میں فتح کا سہرا صرف دو آدمیوں کے سر رہا ہے ایک مالکؒ اشتر دوسرے شریحؒ بن ہانی۔

جنگِ جمل:

اس معرکے میں شریح کا کوئی کارنامہ نہیں ملتا۔ مؤرخین نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ جنگِ جمل میں آپ امیر المومنینؑ کے امر الشکر میں تھے۔ (اصابہ، ۳:۲۲۳)

جنگِ صفّین:

اس جنگ میں شریح اوّل سے آخر تک امیر المومنینؑ کے ہمراہ نظر آتے ہیں۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ امیر المومنینؑ جب معاویہ کی طرف سے مایوس ہو گئے تو آپ نے کوفہ میں ابو مسعود انصاری کو اپنا نائب بنایا اور خود نخیلہ پہنچ کر لشکر کی ترتیب میں مصروف ہو گئے اس موقعے پر آپ نے زیاد بن النضر اور شریح بن ہانی کو بلایا اور بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ان کو اپنے مقدمہ لشکر پر روانہ کیا اور یہ

نصیحت کردی کہ دونوں ایک ہی راستے سے روانہ ہوں اور آپس میں کسی قسم کا اختلاف نہ کریں لیکن شریح کچھ دور چل کر اپنے اصحاب سمیت زیادؔ سے علیحدہ ہو گئے اور امیر المومنینؑ کو حسبِ ذیل خط تحریر کیا۔

شریح بن ہانی کی طرف سے بندۂ خدا علیؑ امیر المومنینؑ کو، آپ پر سلام ہو، میں آپ کی طرف اس اللہ کی حمد کرتا ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، امّا بعد: زیاد بن النضر نے جس کو آپ نے، اپنے امرا میں شریک کیا ہے اور اپنے لشکر کی سرداری دی ہے، طغیان اور سرکشی پر کمر باندھ لی ہے اور غرور اور پندار نے اس کو ایسی باتوں اور ایسے کاموں کی طرف مائل کر دیا ہے جو اللہ کو کسی طرح پسندیدہ نہیں ہو سکتے، پس اگر امیر المومنینؑ کی رائے ہو تو اس کو معزول کر کے اس کی جگہ کسی دوسرے کو بھیج دیں اس لیے کہ ہم لوگ اس سے کراہت کرتے ہیں۔

والسّلام۔

اس سے پہلے زیاد بھی شریح کی شکایت کا خطِ امیر المومنینؑ کو لکھ چکا تھا، اب شریح کا خط جب آپ کو ملا تو ان دونوں خطوں کے جواب میں آپ نے حسب ِ ذیل خط لکھا:

''میں نے اپنے مقدمہ لشکر پر زیاد بن النضر کو امیر بنا کر بھیجا ہے اور شریح بن ہانی کو اس کے ایک حصے پر سردار مقرر کیا ہے، پس اگر تم دونوں کے لشکر کسی ایک مقام پر جمع ہو جائیں تو زیاد بن النضر پورے لشکر کی قیادت کریں گے اور اگر الگ الگ رہیں تو تم میں سے ہر ایک اسی حصے کا امیر ہے جس پر ہم نے اس کو افسر مقرر کیا ہے''۔

غرض کہ اس کے بعد آپ نخلیہ سے کوچ کر کے مائن میں آئے، یہاں سعد بن مسعودِ ثقفی (عمِّ مختار) کو اپنا نائب مقرر کیا اور فرات کی طرف روانہ ہو گئے۔

فرات پر جب پہنچے تو یہاں زیاد بن النضر اور شریح بن ہانی آپ سے آ کر ملاقی ہوئے، امیر المومنینؑ نے ان کو پھر آگے بڑھنے کا حکم دیا، جب یہ لوگ حدود روم میں پہنچے تو ابوالاعور السلمی ایک لشکر لیے ہوئے ملا، زیاد اور شریح نے امیر المومنینؑ کو اس سے مطلع کیا، آپ نے مالکِ اشتر کو جانے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ جس وقت تم زیاد اور شریح کے پاس جاؤ تو ان کو میمنہ ومیسرہ پر مامور کرنا اور تم خود پورے لشکر کی قیادت کرنا لیکن خبردار جنگ کرنے میں اپنی طرف سے ابتدا نہ ہو جب تک فریقِ مقابل حملہ نہ کرے، چنانچہ مالکِ اشتر کے بعد زیاد اور شریح نے لشکر کا چارج ان کو دے دیا اور خود میمنے ومیسرے پر رہے۔ (تاریخ ابن خلدون ۲:۱۶۹ و شرح ابن ابی الحدید ۱:۱۵۷)

امیر المومنینؑ کی وصیت شریح بن ہانی کو:

جس وقت امیر المومنینؑ نے شریح کو اپنے مقدمۂ لشکر کا امیر بنا کر شام کی طرف روانہ کیا تو ان کو حسبِ ذیل وصیت فرمائی۔

صبح وشام اللہ سے ڈرتے رہو اور اس بات سے خوف کرو کہ دنیا کہیں تمہارے نفس کو فریب میں مبتلا نہ کر دے اور اس سے کسی حال میں بے خوف نہ رہو اور جان لو! اگر تم اپنے نفس کو بہت سی ان چیزوں سے باز نہ رکھو گے جن کے نقصان کے خوف کو تم عزیز رکھتے ہو تو خواہشات تم کو نقصانِ کثیر کی طرف لے جائیں گی، پس اپنے نفس پر پورا پورا قابو رکھو اور ہیجانِ غضب کے وقت اس کو توڑ مروڑ کر رکھ دو۔ (نہج البلاغہ ۲:۶۲ و ابن ابی الحدید ۱:۱۵۷)

ابنِ ابی الحدید نے اپنی شرح میں اس وصیت کا مخاطب زیاد بن النضر کو لکھا ہے، واللہ اعلم (ابنِ ابی الحدید ۱:۱۵۷)

واقعۂ تحکیم:

جنگِ صفین کے بعد تحکیم کے وقت بھی شریح کی موجودگی ملتی ہے، اس موقعے پر جب حضرت علیؑ نے ابوموسیٰ اشعری کو چار سو آدمی دے کر بھیجا ہے تو ان پر شریح بن ہانی ہی کو افسر مقرر فرمایا تھا اور عبداللہ بن عباس کو امامت کے لیے مامور فرمایا تھا۔
(ابنِ خلدون ۲: ۱۷۷)

شریح اور عمرو العاص:

ابنِ خلدون میں ہے کہ روانگی کے وقت حضرت علیؑ نے شریح بن ہانی سے ارشاد کیا کہ عمرو بن العاص سے میری طرف سے کہہ دینا کہ "راستی کو اختیار کرو، ایک دن تم کو مرنا ہے اور احکم الحاکمین کے روبرو جانا ہے"۔ شریح نے جب امیر المومنینؑ کا پیغام پہنچایا تو عمرو العاص غصے سے سُرخ ہو کر بولا "تم کو مجھے مشورہ دینے کا کیا حق ہے" شریح نے جواب دیا "تم کو کون امر سیّد المسلمین امیر المومنینؑ کی نصیحت قبول کرنے سے روک رہا ہے" عمرو العاص نے اس کا جواب درشتی سے دیا اور ان کی نصیحت پر مطلق توجہ نہ کی۔ (ابنِ خلدون ۲: ۱۷۷)

مؤرخ طبری نے اس واقعے کو زیادہ تفصیل سے لکھا ہے جو خود شریح کی زبانی ہے۔

ابو مخنف کا بیان ہے کہ مجھ سے نضر بن صالح عیسیٰ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ سجستان کی لڑائی میں میں شریح بن ہانی کے ہمراہ تھا تو انھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت علیؑ نے مجھ کو کچھ کلمات کی وصیت کی تھی کہ وہ میں عمرو العاص تک پہنچا دوں آپ نے فرمایا کہ "اے شریح جب تم اس سے ملو تو میری طرف سے یہ کہہ دینا یقیناً اللہ کے نزدیک افضل الناس وہ شخص ہے جس کو حق پر عمل کرنا محبوب ہے اگرچہ بمقتضائے بشریت باطل اس عمل کی عزّت وقدر میں کمی بیشی کر دے نیز

یہ بھی فرمایا کہ اے عمر قسم بخدا! تم خوب جانتے ہو کہ حق کا مقام کہاں ہے۔ تم ذرا سی لالچ میں جان بوجھ کر جاہل بن رہے ہو اور اس کی وجہ سے اللہ اور اس کے دوستوں کے دشمن بن رہے ہو قسم بخدا جو کچھ تمہیں دیا جا رہا ہے وہ جلد ہی زائل ہونے والا ہے۔ خبردار ظالم و خائن کے مددگار نہ ہونا'' (طبری ۹/۶ ۳ و کامل ۳: ۱۴۲)

آگاہ ہو جاؤ کہ میں تمہارے اس آنے والے دن سے اچھی طرح واقف ہوں کہ جس دن تم نادم ہو گے اور وہ تمہاری موت کا دن ہے۔ اس روز تم یہ کہو گے کہ کاش میں نے کسی مسلمان کی دشمنی کو اپنا شیوہ نہ بنایا ہوتا اور فیصلے پر رشوت نہ لی ہوتی۔

شریح ابنِ ہانی نے جنابِ امیرالمومنینؑ کا یہ پیغام عمرو عاص کو پہنچا دیا جس پر وہ غصے سے سرخ ہو گئے اور نہایت تیزی سے بولے ''میں نے کب علیؑ کا مشورہ قبول کیا اور کب ان کے حکم کو مانا اور ان کی رائے پر اعتماد کیا''۔ شریح نے کہا ''اے نابغہ کے بیٹے تم کو اپنے مولیٰ اور مسلمانوں کے سردار کی نصیحت قبول کرنے سے کون سا امر مانع ہے یہ وہ شخص ہیں جن کی رائے پر حضرت ابوبکر و عمر جو تم سے کہیں بہتر و افضل تھے عمل کرتے رہے'' عمرو العاص نے کہا کہ ''تم مجھ سے بات کرنے کی لیاقت نہیں رکھتے''۔ شریح نے جواب دیا۔

''تم کس بات پر اتنا تنتے ہو، تم کو اپنے باپ پر فخر ہے یا ماں پر، باپ تمہارے کمینے لوگوں میں تھے''۔

شریح کی وصیت ابوموسیٰ اشعری کو:

ابنِ قتیبہ لکھتا ہے: جس وقت ابوموسیٰ مجلسِ حکمین کے لیے روانہ ہوئے تو شریح بن ہانی نے ان کا ہاتھ پکڑ کر حسبِ ذیل وصیت کی:-

اے ابوموسیٰ! آپ ایک ایسے عظیم امر کے لیے مقرر کیے گئے ہیں جس کے بگڑ جانے پر کوئی تدارک نہیں ہو سکتا اور جس کو بغیر سوچے سمجھے طے نہیں کیا

جا سکتا۔ آپ جو بات بھی کہیں خواہ اپنے خلاف ہو یا موافق! اس کی سچائی ثابت ہو اور اس کی درستی پر غور کر لیا گیا ہو، اگر چہ وہ باطل ہی کیوں نہ ہو اور یہ سمجھ لیجئے کہ اگر معاویہ کا تسلّط ہو گیا تو اہلِ عراق باقی نہیں رہ سکتے برخلاف اس کے اگر علیؑ حاکم ہو گئے تو اہلِ شام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور جیسی کہ کوفہ اور جمل کے ایام میں آپ کی طرف سے تعویق عمل میں آئی اگر اب بھی یہی صورت ہوئی تو جس خطرے کا گمان ہے وہ یقین بن جائے گا اور امید کی جو ایک جھلک نظر آتی ہے وہ نا امیدی سے بدل جائے گی۔

اس کے بعد یہ اشعار پڑھے:-

ابا موسیٰ ، رُضیت بشّر خصم
فلا تضع العراق (فدتك نفسی)
واعط الحق شأمهم وخُذه
فانّ الیوم فی جهل كأمس
وانّ عذاًیخی بما علیه
كذالك الدّهر من سعد و نحس
ولا یخدعك عمرو ، انّ عمرا
محمدوالله مطلع كلّ شمس
له خدع یحار العقل منها
مموهة مزخرفة بلبس
فلا تجعل معاوية بن حرب
كشیخ فی الحوادث غیرنكس
هذه الله للاسلام فرداً

سوئ عرس النّبی ، وائی عرس

(شرح ابن ابی الحدید ۱: ۱۰۷، کتاب الامامۃ والسیاست ۱۲۷)

اس کے علاوہ امیر المومنینؑ کے دیگر اصحاب نے بھی ان کو سمجھایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے عین مجلسِ حکمین میں ان کو رائے دی کہ پہلے عمرو العاص کو اپنا فیصلہ سنانے دیجئے لیکن انھوں نے نہ مانا اور بالآخر عمرو عاص کے دھوکے میں آ گئے!

(ابنِ خلدون ۲: ۱۷۲)

مؤرّخین کا بیان ہے کہ جس وقت عمرو العاص نے اپنا فیصلہ سنایا ہے تو عبداللہ بن عباس اور سعد، ابو موسیٰ کو ملامت کرنے لگے۔ ابو موسیٰ نے معذرت کی کہ میں کیا کرتا مجھ سے عمرو بن العاص نے ایک امر پر اتفاق کیا لیکن اس سے بدعہدی کر گیا، پھر عمرو العاص سے مخاطب ہو کر کہا: ''اللہ تجھے ہدایت دے تو نے مجھ سے ایک بات طے کی اور پھر اس کے خلاف کیا، تیری مثال بعینہٖ اس کتّے کی ہے جو ایک بار کسی چیز کو پکڑ لیتا ہے اور دوبارہ اس کو چھوڑ دیتا ہے'' عمرو العاص نے جواب دیا، ''تیری مثال گدھے کی ہے جو بار برداری کرتا ہے'' شریح نے عمرو بن العاص پر تلوار اٹھائی۔ عمرو نے ترکی بہ ترکی جواب دیا لیکن لوگ درمیان میں پڑ گئے اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ (ابنِ خلدون ۲: ۱۷۲)

طبریؔ میں یہ روایت اس طرح ہے کہ شریح نے عمرو عاص کے کوڑا مارا جس کے جواب میں ان کے بیٹے نے بھی شریح کے کوڑا مارا لیکن لوگوں نے درمیان میں پڑ کر معاملے کو رفع دفع کرا دیا۔ شریحؔ اس کے بعد کہا کرتے تھے: ''مجھے اب تک اس کی ملامت ہے کہ میں نے بجائے کوڑے کے تلوار کا وار کیوں نہیں کیا کہ ایک ہی ہاتھ میں خاتمہ کر دیتا''۔ (طبری ۶: ۴۰ و کامل ۳: ۱۴۴)

غرض کہ ابو موسیٰ مجلسِ حکمین سے نکل کر مکہ چلے گئے اور عمرو بن العاص مع اہل

شام کے شام کی طرف واپس ہوئے۔ ابنِ عباس اور شریح امیر المومنینؑ کی خدمت میں آئے اور کُل ماجرا بیان کیا۔ (ابنِ خلدون ۲: ۱۷۸)

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد سے امیر المومنینؑ جب نمازِ فجر پڑھتے تھے تو کہا کرتے تھے:

بارالہا! معاویہ، عمرو العاص، حبیب، عبدالرحمن بن مخلد اور ضحاک بن قیس اور ولید اور ابوالاعور پر لعنت کر۔ (ابنِ خلدون ۲: ۱۷۸)

ابومریم سعدی:

۳۸ھ میں ابومریم سعدی تیمی کوفے پر چڑھائی کرنے کی غرض سے روانہ ہوا، امیر المومنینؑ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے شریح ہی کو سات سو سواروں کے ہمراہ اس کے مقابلے کو روانہ کیا تھا۔ یہ لوگ اگرچہ تعداد میں بہت تھے مگر بھاگ کھڑے ہوئے اور صرف "۲۰۰" آدمی رہ گئے، شریح نے ان ہی کو ساتھ لے کر مقابلہ کیا۔ (طبری ۶: ۱۵۱)

حجر بن عدی اور شریح بن ہانی:

مغیرہ بن شعبہ کے بعد زیاد کوفے کا گورنر ہو کر آیا تو اس وقت شریح کوفے ہی میں موجود تھے چنانچہ حجر بن عدی کے خلاف جب گواہیاں لکھی گئی ہیں تو شریح کو بھی بُلا کر گواہی دینے کے لیے مجبور کیا گیا۔ شریح نے اس موقعے پر ہمت کے ساتھ انکار کر دیا لیکن اس انکار کے باوجود بھی فرضی طور پر ان کا نام لکھ لیا گیا۔ شریح کو جب یہ معلوم ہوا، تو سرِ دربار انھوں نے زیاد کو ملامت کی اور کاذب کہا۔ انھوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ نجی طور پر معاویہ کو ایک خط بھی لکھا جس میں انھوں نے پوری طرح حقیقتِ حال کا اظہار کر دیا تھا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ

جب وائل بن حجر اور کثیر بن شہاب، حجر اور ان کے ساتھیوں کو لے کر چلے ہیں تو غریین کے مقام پر شریح بن ہانی نے وائل کو ایک خط دیا اور کہا کہ یہ خط اپنے امیر کو پہنچا دینا۔ خط کی عبارت یہ ہے:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم، بندۂ خدا معاویہ امیر المومنین کو شریح بن ہانی کی طرف سے، امّا بعد مجھے معلوم ہوا ہے کہ زیاد نے حجر بن عدی کے خلاف گواہوں میں میرا نام بھی لکھا ہے حالانکہ حجر کے بارے میں میری شہادت یہ ہے کہ وہ نماز گزار ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، حج اور عمرہ بجالاتے ہیں، نیکی کا حکم کرتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں، ان کا مال اور جان حکومت کے لیے حرام ہے۔ اب خواہ آپ انھیں چھوڑ دیں یا قتل کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ شریح کا یہ خطِ معاویہ پر اتمامِ حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ خط اگر معاویہ کو نہ ملتا تو ایک قانونی عذر ان کی طرف سے یہ پیش کیا جا سکتا تھا کہ ان کے سامنے جو شہادتیں گزریں ان سے وہ اس قتل پر مجبور ہوئے جیسا کہ بعد میں انھوں نے حضرت عائشہ سے یہی عذر کیا ہے کہ میں نے حجر کو قتل نہیں کیا بلکہ جنھوں نے ان کے خلاف گواہیاں دیں وہ اس کے ذمے دار ہیں لیکن یہ صرف ایک ہارے کا ہتھیار ہے۔ اصل حقیقت کا علم انھیں شریح کے خط سے ہو چکا تھا۔

غزوۂ سجستان:

جب ۷۸ھ یا ۷۹ھ میں حجاج نے عبید اللہ بن ابی بکرہ (عامل سجستان) کو رتبیل کی مہم پر بھیجا تو شریح اس کے ہمراہ پائے جاتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ رتبیل سے مسلمانوں کی صلح تھی لیکن کچھ دنوں سے اس نے خراج دینا بند کر دیا تھا جس پر حجاج نے عبید اللہ بن ابی بکرہ کو حکم دیا کہ تمہارے پاس جتنی فوج ہے اسے لے کر رتبیل کی سرکوبی کے لیے جاؤ۔ عبید اللہ کوفے اور بصرے کے تمام مسلمانوں کو

لے کر روانہ ہوگیا۔ شریح بن ہانی اہلِ کوفہ کے سردار تھے اور عبید اللہ بن ابی بکرہ بصرہ والوں کا اس لیے ان دونوں فوجوں کے سر عسکر یہی تھے۔

عبید اللہ اس مہم کے لیے روانہ ہوگیا اور رتبیل کے اکثر علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ وہاں کی فوج نے جس میں ترک تھے یہ طرزِ عمل اختیار کیا کہ مسلمانوں کے مقابلے میں مسلسل پیچھے ہٹتے چلے گئے اور علاقوں پر علاقے خالی کر دیے۔ اس طرح مسلمانوں کی فوج بہت دور تک چلی گئی جہاں سے ترکوں کا دار الخلافہ صرف ۱۸ فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ اب ترکوں نے مسلمانوں کو پہاڑوں کے درّوں اور پُر پیچ گھاٹیوں میں گھیر لیا اور تمام تجارتی منڈیاں اور قصبات مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیے۔ اس سے مسلمانوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ہم ان پہاڑوں میں گھر چکے ہیں اور ہلاکت یقینی ہے۔ اس خطرے کو محسوس کر کے عبید اللہ نے شریح بن ہانی سے کہلا بھیجا کہ میں ترکوں سے اس شرط پر صلح کیے لیتا ہوں کہ انھیں کچھ روپیہ دے دیا جائے اور وہ ہمیں اس حصار سے نکل جانے دیں۔ چنانچہ عبید اللہ نے سات لاکھ درہم تاوان دے کر صلح کر لی۔ اس کے بعد شریح سے جب اس کی ملاقات ہوئی تو انھوں نے کہا۔ کہ جس قدر تاوان تم نے دیا ہے۔ امیر اسے تم لوگوں کی تنخواہ سے وضع کر لیں گے۔

شہادت:

اب شریح نے کہا کہ ”میری عمر پوری ہو چکی ہے، میرے لیے زندگی کا کوئی مزہ باقی نہیں رہا۔ جو گھڑی پیش آتی ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہی میری عمر کا آخری لمحہ ہے۔ میں ایک مدت سے شہادت کا آرزومند ہوں اور اگر آج بھی مجھے شہادت نصیب نہ ہوئی تو میں سمجھوں گا کہ پھر یہ درجہ مجھے کبھی حاصل نہ ہوگا۔ اس کے بعد شریح نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے للکارا کہ دشمن پر حملہ کرو“۔

عبیداللہ نے کہا کہ ''تم بوڑھے ہو کر سٹھیا گئے ہو'' شرع نے جواب دیا کہ ''اب تم میرے درمیان میں نہ بولو، تم کو یہ پسند ہے کہ لوگ تذکرہ کریں کہ یہ عبیداللہ کا باغ ہے اور یہ ان کا حمام ہے''۔ اس کے بعد شریح نے تمام مسلمانوں کو متوجہ کر کے کہا کہ ''تم میں سے جو شخص درجۂ شہادت حاصل کرنا چاہے وہ میری طرف آجائے'' اس جنگ میں تقریباً تمام مسلمان کام آگئے۔ شریح بھی نہایت بہادری کے ساتھ دیر تک لڑتے رہے اور آخر میں شہید ہوئے۔

اولاد:

شریح کی اولاد کا تفصیلی تذکرہ کسی تاریخ میں نہیں ملتا البتہ کتبِ رجال میں صرف تین بیٹوں کا پتہ چلتا ہے محمدؒ، مقدامؒ، عبداللہؒ...... ان میں مقدام مشہور راوی حدیث ہیں۔ تہذیب التہذیب میں ہے۔

مقدام بن شریح بن ہانی بن یزید حارثی کوفی، انھوں نے اپنے باپ اور قمیر مسروق کی زوجہ سے روایت حدیث کی ہے اور ان سے ان کے بیٹے یزید اور اعمش اور اسرائیل اور شعبہ اور ثوری اور عبدالملک بن ابی سلیمان نیز قیس بن ربیع اور مسعر اور شریک نے احمد اور ابو حاتم اور نسائی نے ان کو ثقہ کہا ہے نیز ابو حاتم نے ثقہ کے ساتھ صالح بھی کہا ہے۔ ابن حبان نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے اور یعقوب بن سفیان نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے۔

ابو عاصم رفاعہ بن شداد البجلّی

نام ونَسَب:

رفاعہ نام، ابو عاصم کنیت، کوفے کے رہنے والے تھے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے "رفاعہ بن شداد بن عبداللہ بن القیس الفتیانی البجلی"۔

روایتِ حدیث:

رفاعہ کا تذکرہ تاریخ میں اگرچہ ایک بہادر جنگ جُو سپاہی کی حیثیت سے آتا ہے لیکن بہ حیثیت راویِ حدیث ہونے کے بھی ان کا درجہ کافی بلند ہے۔ علاّمہ ابنِ حجر عسقلانی ان کے تذکرے کے ذیل میں لکھتے ہیں:-

رفاعہ نے عمرو بن الحمق سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے عبدالملک بن عمیر نے اور اسمٰعیل بن عبدالرحمن السدی اور بیان بن بشر و ابو عکاشہ ہمدانی وغیرہ نے۔ نسائی ان کو ثقہ کہتے ہیں نیز ابن حبان نے بھی ان کا شمار ثقات میں کیا ہے۔ نسائی اور ابنِ ماجہ نے ان سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ جو شخص ایسے شخص کو قتل کردے جس نے اس کو جان سے امان دی ہو تو خدا اور اس کا رسولؐ اس سے بری ہے۔ (تہذیب التہذیب ۳:۲۸۱)

رفاعہ کی سیاسی زندگی:

رفاعہ کا شمار امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ اور امام حسن علیہا السلام کے مخلص اصحاب اور ان کے شیعوں میں ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ ۴۰ھ تک ان کا کوئی حال نہیں ملتا ہے البتہ اس کے بعد آپ حُجر بن عدی کے رفقا میں نظر آتے ہیں۔ چنانچہ زیاد جب کوفے کا گورنر ہو کے آیا ہے اور اس کو ان رؤسا کی فکر ہوئی جو حُجر کے اصحاب میں تھے تو رفاعہ بن شداد اور عمرو بن الحمق پوشیدہ طور پر کوفے سے نکل گئے اور مدائن جا پہنچے لیکن زیاد کے آدمی وہاں بھی پہنچ گئے۔ مجبوراً وہاں سے بھی چل پڑے اور موصل آ گئے۔ یہاں آ کر یہ دونوں ایک پہاڑ کے دامن میں چھپے رہے۔ اس گاؤں کے عامل کو جس وقت یہ معلوم ہوا کہ دو شخص یہاں چھپے ہوئے ہیں تو اسے ان پر اشتباہ ہوا۔ چنانچہ یہ اپنے ہمراہ کچھ سوار اور اہلِ شہر کو لے کر پہاڑ کی طرف آیا۔ ان دونوں نے جب ان لوگوں کو آتے ہوئے دیکھا تو پہاڑ سے نکل آئے۔ عمرو بن الحمق کو استسقا کا مرض تھا اور پیٹ میں پانی اتر آیا تھا اس بنا پر وہ تو اپنے کو نہ بچا سکے البتہ رفاعہ بن شداد ایک تنومند جوان تھے۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور عمرو بن حمق سے کہا کہ ''میں تمہاری طرف سے لڑتا ہوں'' انھوں نے کہا کہ ''تمہارے لڑنے سے مجھے کیا فائدہ پہنچے گا۔ ہو سکے تو اپنی جان بچا کر نکل جاؤ'' رفاعہ نے نہایت بہادری کے ساتھ حملہ کر کے سب کو منتشر کر دیا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر نکل گئے۔ ان کے تعاقب میں عبداللہ بن ابی مجعہ نے سواروں کو چروانہ کیا۔ لیکن یہ ایک بہترین قدر انداز تھے۔ جو سوار قریب پہنچتا تھا۔ تیر مار کر اسے زخمی کر دیتے تھے یا اس کے گھوڑے کو بیکار کر دیتے تھے۔ بالآخر ناامید ہو کر یہ سب لوگ پلٹ آئے، اس طرح رفاعہ نے اپنی جان بچائی۔ (تاریخِ طبری ۱۴۸/۶)

اس کے بعد دس سال تک ان کے حالاتِ زندگی کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ ۶۰ ھ میں ان کا وجود پھر کوفے میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ یزید کی تخت نشینی پر جب سلیمان بن صرو خزاعی کے مکان میں شیعیانِ کوفہ کا اجتماع ہوا اور آخر میں یہ رائے قرار پائی کہ امام حسینؑ کو کوفہ بلانے کے متعلق ایک خط لکھا جائے تو ان خط لکھنے والوں میں رفاعہ کا نام بھی ہے۔ خط کی عبارت یہ ہے:-

اس کے بعد شہادتِ امام حسین علیہ السّلام تک تاریخ آپ کے ذکر سے بالکل خالی ہے۔ معلوم نہیں کن ناگزیر حالات...... کی بنا پر واقعہ کربلا میں شرکت نہ کر سکے۔

امام حسینؑ کے شہید ہو جانے کے بعد جب شیعیانِ کوفہ کو اس کا موقع ملا کہ وہ مجتمع ہوں۔ اس وقت کوفے کے روٴسائے شیعہ میں سے جن پانچ شخصوں کی طرف یہ لوگ رجوع ہوئے ان میں رفاعہؓ بن شداد بھی ہیں۔ موٴرخین نے اس موقع پر حسبِ ذیل ناموں کی تشریح کی ہے۔ (طبری ج۶: ۱۹۷)

سلیمانؓ بن صرور صحابیِ رسولؐ، مسیبؓ بن نجبہ فزاری (صحابیِ امیر المومنینؑ) عبداللہ ازدی، عبداللہؓ تیمی، رفاعہ بن شداد البجلی۔

اس جلسے میں مسیب کے بعد رفاعہ نے حسبِ ذیل خطبہ دیا تھا۔

ترجمہ: اے مسیب! یقیناً اللہ نے نہایت مناسب اور درست بات تمہاری زبان سے کہلوائی۔ تم نے فاسقین سے جہاد اور گناہِ عظیم سے توبہ کی طرف بلایا جو سب سے بہتر کام ہے۔ تمہاری بات قابلِ سماعت اور تمہارا قول ماننے کے قابل ہے۔ تم نے جو یہ کہا تھا کہ اپنے میں سے ہم کسی کو اسیر بنالیں جس سے رجوع کرتے رہیں۔ اور جس کے علم کے نیچے سب جمع ہو جائیں۔ یہی رائے ہم لوگوں کی بھی تھی۔ پس اگر وہ شخص تم ہوتے تب بھی ہمارے نزدیک یہ امر پسندیدہ ہوتا کیونکہ ہم تم کو اپنا بہی خواہ اور مخلص سمجھتے ہیں۔ اور اپنی جماعت میں دوست تصور

کرتے ہیں۔ اب اگر تمہاری اور ہمارے ساتھیوں کی یہ رائے ہے کہ سلیمان بن صرد خزاعی کو امیر بنایا جائے تو یہ بھی مناسب ہے۔ یقیناوہ شیخ شیعہ اور صحابیِ رسولؐ اور صاحب سبقت و تقدم ہیں اور اپنی دین داری اور سطوت و بزرگی میں سب سے بہتر ہیں۔ (کامل ۴:۶۷)

جنگِ عین الوردہ:

یہاں سے رفاعہ بن شداد برابر سلیمان بن صرو کے ہمراہ نظر آتے ہیں چنانچہ مقامِ عین الوردہ پر سلیمان بن صرد نے اپنی جماعت کو مخاطب کر کے جو تقریر کی ہے اس کے آخر میں انھوں نے یہی کہا ہے کہ میں قتل ہو جاؤں تو مسیب سب کے امیر ہیں، مسیب کے بعد عبداللہ بن سعد، وہ بھی کام آجائیں تو عبداللہ بن وال، ان کے بعد رفاعہ بن شداد سب کے رئیس ہوں گے۔ (کامل ۴:۷۶)

اس جنگ میں رفاعہ نے نہایت بہادری دکھائی۔ علامہ ابنِ اثیر لکھتے ہیں کہ سلیمان بن صرد اور مسیب بن نجبہ جب یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے تو لوگوں نے عبداللہ بن وال کو پکارا۔ مگر معلوم ہوا کہ وہ اپنے ہمراہ ایک گروہ کو لیے ہوئے الگ جنگ کر رہے ہیں۔ اس وقت رفاعہ نے پوری قوت کے ساتھ اہلِ شام پر حملہ کیا اور ان کو منتشر کر کے علم اٹھا لیا اور دیر تک جنگ کرتے رہے۔ پھر اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ تم میں سے جو ایسی زندگی چاہتا ہے جس کے بعد موت نہیں، ایسی راحت جس کے بعد تکلیف نہیں، ایسی خوشی جس کے بعد غم نہیں، اسے چاہیے کہ ان محلین کے ساتھ جنگ کر کے اللہ کی قربت حاصل کرے اور جنت میں داخل ہو جائے۔

یہ عصر کے وقت کا واقعہ ہے، اس کے بعد رفاعہ اور ان کے اصحاب نے حملہ کر کے کئی آدمیوں کو قتل کیا اور دشمنوں کو مار کر ہٹا دیا لیکن اہلِ شام نے ہر طرف سے ان

پر نرغہ کر کے دھاوا بول دیا اور مارتے مارتے پھر اسی مقام پر پہنچا دیا جہاں وہ پہلے تھے اور وہ ایسی جگہ تھے جہاں سے وہ صرف ایک ہی طرف سے جا سکتے تھے۔

عبداللہ بن دال کی شہادت:

شام کے وقت ادہم بن محرز الباہلی اہلِ شام کے لشکر کو لیے ہوئے عبداللہ بن دال کے سامنے پہنچا۔ اس وقت وہ یہ آیت تلاوت کر رہے تھے۔

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً الایۃ۔

ابن محرز کو یہ سن کر غصہ آیا اور نیزے کا وار کر کے ان کو قتل کر دیا۔

رفاعہ کی قیادتِ لشکر:

عبداللہ بن دال کی شہادت کے بعد لوگ رفاعہ بن شداد کے پاس گئے اور کہا۔ اب علم لشکر آپ لے لیجیے۔ انھوں نے جواب دیا کہ ''اب ہم کو واپس چلنا چاہیے ممکن ہے خدا ہم کو پھر ان لوگوں کی مصیبت کے دن جمع کر دے''۔

عبداللہ بن عوف بن احمر نے کہا۔

''خدا کی قسم اگر ہم یہاں سے ٹلے تو ہلاک ہو جائیں گے اور وہ لوگ ہمارے کاندھوں پر چڑھ بیٹھیں گے اور اگر ہم میں سے کوئی بچ رہا تو اہلِ شام اس کو گرفتار کر لیں گے اور اس کے ذریعے سے وہ ان لوگوں کے یہاں تقرّب حاصل کریں گے۔ نتیجے میں وہ بھی سختی سے مارا جائے گا۔ یہ دیکھو آفتاب غروب ہونے والا ہے، ہم اس وقت اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر جنگ کریں گے اور جب اندھیرا ہو جائے گا تو شروع رات میں سوار ہو کر روانہ ہو جائیں گے اور آہستہ آہستہ چلیں گے تا کہ ہم میں

سے ہر شخص اپنے دوسرے زخمی شخص کو اٹھا لے۔ اس سے ہم یہ سمجھ
لیں گے کہ واپسی کے لیے ہمیں کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیئے"۔

رفاعہ نے کہا۔ "تمہاری رائے بالکل درست ہے"۔ یہ کہہ کر انھوں نے علم اٹھا لیا اور نہایت شدت کے ساتھ لڑنا شروع کر دیا۔

عبداللہ بن عزیز کنانی کی شہادت:

عبداللہ بن عزیز الکنانی جو رفاعہ کے پُرجوش ساتھیوں میں تھے آگے بڑھے اور اہلِ شام سے لڑنا شروع کیا، ان کا صغیرسن بیٹا محمدؔ بھی ان کے ہمراہ تھا۔ انھوں نے اہلِ شام میں سے کچھ لوگوں کو جو بنو کنانہ تھے آواز دی اور اپنے لڑکے کو ان کے حوالے کیا تا کہ وہ اسے کوفہ پہنچا دیں۔ اہلِ شام نے ان کو بھی پناہ دینی چاہی مگر انھوں نے انکار کر دیا اور لڑتے لڑتے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

عبداللہ بن عزیز کنانی کی شہادت کے بعد شام کے وقت کربؔ بن یزید الحمیری اپنے ساتھ ایک سو آدمیوں کو لے کر آگے بڑھے اور شدت کے ساتھ حملہ کرنا شروع کر دیا۔ ابنِ ذی الکلاع حمیری نے ان کی برادری کے تمام ساتھیوں کے لیے امان پیش کی مگر ان سب نے یک زبان ہو کر یہ جواب دیا۔

"ہم دنیا میں بالکل امان میں تھے۔ اب ہم صرف امانِ آخرت کی تلاش میں نکلے ہیں"۔

غرض کہ وہ سب بھی لڑتے لڑتے شہید ہوئے۔

اس کے بعد صخر بن ہلال المزنی بنو مزینہ کے تیس آدمیوں کو لے کر آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے مارے گئے۔ جب شام ہو گئی تو اہل شام اپنی چھاؤنی کی طرف گئے۔ رفاعہؔ نے دیکھنا شروع کیا کہ جس جس کا گھوڑا اس کی ران کے نیچے مر گیا ہو یا زخمی ہو گیا ہو اس شخص کو دوسرے آدمی کے حوالہ کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ یہ

انتظام کر کے اپنے تمام آدمیوں کو ہمراہ لے کر اسی رات کو وہاں سے واپس ہو گئے۔

صبح کو حصین نے رفاعہ کے مقابلے کو جانا چاہا مگر ان کو نہ پا کر واپس ہو گیا۔ اہل کوفہ وہاں سے روانہ ہو کر قرقیسیا آئے یہاں زمر نے ان کو اپنے یہاں اقامت کی دعوت دی۔ چنانچہ تین روز ان لوگوں نے وہاں قیام کیا اور کچھ زادِ راہ لے کر پھر کوفے روانہ ہو گئے۔

سعد بن حذیفہ کی روانگی:

سعد بن حذیفہ بن یمان کو جب خبر پہنچی تو وہ اہل مدائن کی ایک فوج لے کر میدانِ جنگ کی طرف چلے مگر ہیت میں اپنے آدمیوں کی شکست کی خبر سن کر واپس ہو گئے۔ راستے میں ان کو مثنیٰ بن مخرمۃ العبدی ملے جو اہلِ بصرہ کو لیے ہوئے آ رہے تھے۔ سعدؔ نے ان کو پورا حال سنایا۔ چنانچہ یہ دونوں اپنے ہمراہیوں سمیت رفاعہؔ کے آنے تک وہاں ٹھہرے رہے رفاعہؔ جب وہاں پہنچے تو انھوں نے دور سے انکا استقبال کیا۔ اور ایک دوسرے سے مل کر روئے۔ یہ سب لوگ وہاں ایک دن اور ایک رات مقیم رہے۔ اس کے بعد متفرق ہو گئے۔

رفاعہ اور مختار:

رفاعہؔ جب کوفہ پہنچے تو مختار قید میں تھے، انھوں نے وہیں سے حسبِ ذیل خط رفاعہ کے نام لکھا۔

> ''اما بعد! مرحبا ہے ان لوگوں کے لیے کہ جن کی واپسی پر بھی خدا ان کو اجرِ عظیم عطا کرتا ہے اور قتل ہوئے بھی وہ ان سے راضی ہوتا ہے۔ قسم ہے ربِ کعبہ کی کہ تم میں سے کوئی چلنے والا ایک قدم بھی نہیں چلا اور زمین بلند پر نہیں چڑھا مگر یہ کہ اس کے

لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا سے زیادہ ثواب ہے۔ سلیمانؓ
پر جو فرض تھا وہ ادا کر گئے۔ خدا نے ان کو اٹھالیا، ان کی روح
دیگر انبیاء و صدیقین اور شہدا کی ارواح کے درجے میں ہے،
اب تمہارا ایسا کوئی شخص باقی نہیں ہے جس سے تم مدد لے سکو مگر
میں امیرِ مامور اور امینِ مامون ہوں، جبار بن کو قتل کرنے والا
اور دشمنانِ دین سے بدلہ لینے والا ہوں لیکن یہاں مقید ہوں
اس لیے تم تیار ہو جاؤ اوروں کو تیار کرو نیز آئندہ کے متوقع
حالات سے خوش ہو جاؤ۔ میں تم کو کتاب اللہ، سنتِ رسولؐ،
طلبِ خونِ اہل بیتؑ، ضعفا کی جانب سے مدافعت اور محلین
سے جہاد کرنے کی دعوت دیتا ہوں"۔ والسلام

رفاعہ کے پاس یہ خط پہنچا تو انھوں نے مثنیٰ بن مخرمۃ العبدی، سعدؓ بن حذیفہ،
یزیدؓ بن انس، احمرؓ بن شمیط، احمسی، عبداللہ بن شداد الجبلی اور عبداللہ بن کامل کو
پڑھ کر سنایا ان سب کی یہ رائے ہوئی کہ ابنؓ کامل کو مختار کے پاس یہ پیغام دے
کر بھیجا جائے کہ ہم سب تمہارے ساتھ رہنے کو تیار ہیں۔ اگر چاہو تو ہم تم کو قید
سے چھڑالیں لیکن مختار خود ہی کچھ دنوں کے بعد رہا کر دیے گئے۔

رفاعہ کی مختار سے علیحدگی:

مختار کے کوفے پر قابض ہونے تک رفاعہ برابر ان کے ساتھ رہے لیکن
۶۶ھ میں جب وہ خونِ حسینؑ کا انتقام لینے کے لیے کھڑے ہوئے اور مورخین کی
تصریح کے مطابق انھوں نے یہ ظاہر کیا کہ میں محمد بن الحنفیہ کا وکیل اور سفیر ہوں تو
رفاعہ ان سے الگ ہو گئے اور صرف الگ ہی نہیں بلکہ اس گروہ میں شامل ہو گئے
جو مذکورہ سبب سے ان سے برسرِ پیکار تھا جس کے سردار شیثؓ بن ربعی، محمد بن

اشعث، عبدالرحمن بن سعید بن قیس، عبدالرحمن بن مخنف ازدی تھے۔ چنانچہ یہ سب لوگ جب بنوسبیع کے قبیلے میں جمع ہوئے تو اس وقت ان میں اختلاف ہوا کہ امامت کون کرے، عبدالرحمن بن مخنف ازدی نے رفاعہ بن شداد کو امامت کے لیے منتخب کیا جس پر سب راضی ہو گئے۔

مختار نے ان لوگوں کے پاس پیغام بھیجا کہ جو تم چاہو گے وہ میں کرنے کے لیے تیار ہوں، انھوں نے جواب دیا کہ ہم بس یہ چاہتے ہیں کہ تم ہم سے الگ ہو جاؤ کیونکہ تمہارا دعویٰ ہے کہ مجھ کو محمد حنفیہ نے بھیجا ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ مختار نے کہلا بھیجا کہ اگر تم کو اس میں تردد ہے تو اپنی طرف سے ان کے پاس ایک وفد روانہ کر دو یہاں سے میں بھی کچھ لوگوں کو بھیجتا ہوں، مورخ کامل اس موقعے پر لکھتے ہیں کہ "اس جواب سے مختار کا مقصد یہ تھا کہ جب تک ابراہیم بن مالک اشتر پہنچیں اس وقت تک معاملے کو التوا میں رکھا جائے لیکن وہ لوگ راضی نہ ہوئے اور جنگ چھڑ گئی"۔

رفاعہ کی مختار سے علیحدگی اس بنا پر توصحیح ہو سکتی ہے کہ ان کا دعوے یہ تھا کہ وہ محمد حنفیہ کے وکیل اور سفیر ہیں لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ انھوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس گروہ کا ساتھ دیا جس کی اکثریت ہواخواہانِ عثمان اور دشمنان اہلِ بیت پر مشتمل تھی تو حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔ یقیناً رفاعہ کی یہ ایک بہت بڑی لغزش تھی جو ان کے تمام گزشتہ کارناموں پر پانی پھیر رہی تھی لیکن توفیقِ الٰہی نے عین وقت پر ان کی دستگیری کی اور ان کی وہ تلوار جو ابھی ابھی مختار اور ان کے ساتھیوں کے لیے تیز ہو رہی تھی خود اپنی ہی جماعت پر پلٹ پڑی۔

مورخین کا بیان ہے کہ اثنائے جنگ میں جس وقت مختار کے آدمیوں نے بنو سبیع کے قبیلے میں پہنچ کر پکارا "اے حسینؑ کے خون کا بدلہ لینے والو آؤ!" یزید

بن عمیر بن ذی العمران ہمدانی نے اس آواز کو سنا تو اس نے بھی پکار کر کہا۔ ''اے عثمان کے خون کا بدلہ لینے والو آؤ'' رفاعہ جو اس وقت تک ان کی طرف سے جنگ کر رہے تھے یہ سن کر پلٹ پڑے اور کہا ''ہم کو عثمان سے کیا واسطہ، میں ایسے لوگوں کے ساتھ ہو کر نہیں لڑوں گا جو عثمان کے خون کا بدلہ چاہتے ہیں''۔ اس پر ان کی جماعت کے کچھ لوگوں نے کہا کہ ''تم ہم کو یہاں تک لائے اور ہم نے تمہاری اطاعت کی اور جب وہ وقت آیا کہ ہماری قوم پر تلوار چلا چاہتی ہے تو تم نے ساتھ چھوڑ دیا''۔ رفاعہ نے یہ سنا اور یہ شعر پڑھتے ہوئے انھیں کی طرف پلٹ پڑے۔

انا ابن شداد علی دین علیؑ
لست لعثمان بن اروی بولی
لا صلّین الیوم فیمن یصطلی
بحزنا رالحرب غیر مؤتلی

ترجمہ: میں ابنِ شداد ہوں اور علیؑ کے دین پر ہوں، عثمان بن اروی کا دوست نہیں ہوں! میں آج بے فکر ہو کر آتشِ جنگ میں جلنے والوں کے ساتھ جلوں گا۔

دیر تک بہادری کے ساتھ جنگ کرتے رہے۔ بالآخر شہادت پائی۔

صیفی بن فسیل شیبانی

آپ کو نسل الربعی شیبانی بھی کہا جاتا ہے۔ کوفے کے رہنے والے تھے۔ امیر المومنینؑ کے مخصوص اصحاب اور فدا کاروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

ان کی زندگی حضرت عثمان کے زمانۂ خلافت تک بالکل معرضِ خفا میں ہے۔ چنانچہ حافظ ابنِ عساکر نے ان کے تذکرے کے ذیل میں حسبِ ذیل روایت لکھی ہے۔

حافظؒ اور بیہقی اور ابنِ سعد نے قتادہؒ سے روایت کی ہے، انھوں نے ابو الملیح ہذلی سے، ان کا بیان ہے کہ حکم بن ایوب نے مجھ کو شہابنتِ عمیر شیبانیہ کے پاس کچھ پوچھنے کے لیے بھیجا۔ اس نے مجھ سے بیان کیا کہ اس کے شوہر صیفی بن فسیل کی قنداسل سے خبرِ مرگ آئی تھی۔ جس کے بعد اس نے عباس بن طریف قیسی سے نکاح کر لیا اس کے بعد اس کا پہلا شوہر (صیفی) آ گیا، اس نے کہا کہ اب ہم عثمان بن عفان کے پاس آئے، انھوں نے غور سے دیکھا اور کہنے لگے کہ اس حال میں مَیں تمہارے درمیان کس طرح فیصلہ کر سکتا ہوں۔ ہم نے کہا کہ ہم آپ کے ہر فیصلے پر راضی ہیں۔ پس انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلے شخص کو اختیار ہے کہ وہ خواہ زرِ مہر واپس لے لے یا اپنی عورت کو لے لے۔ پس اس نے مہر لینا منظور

کیا۔ شیبہ کا بیان ہے کہ اس نے مجھ سے دو ہزار روپے لے لیے۔ یہ وہ مہر تھا جو عموماً عورتوں کا باندھا جاتا تھا۔ ابنِ سعد کی روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ یہ دو ہزار دوسرے سے لے کر دیے گئے۔ اس کے بعد روایات متفق ہیں۔ چنانچہ لوگوں کا بیان ہے کہ ان کی ایک اُمِّ وَلَد بھی تھی جس نے ان کے بعد شادی کر لی تھی اور اس شوہر سے اس کے کئی بچے بھی ہوئے۔ پھر حضرت علیؑ نے اس اُمِّ وَلَد اور اس کے بچوں کو پہلے مالک کی طرف پلٹایا اور بچوں کے باپ سے فرمایا کہ اگر وہ چاہے تو ان بچوں کو قیمت ادا کر کے چھڑا لے۔ سعید بن ابی عروبہ کا بیان ہے کہ مجھ سے بھی ایوب نے ایسی ہی بات بیان کی تھی مگر ایوب نے یہ کہا تھا کہ حضرت نے اس کنیز کے بچوں کو ان کے باپ کے حوالے کر دیا تھا۔ (ابنِ عساکر ۲: ۴۵۷)

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صیفی کی زندگی کا ایک بڑا حصہ گمنامی میں گزرا کہ ان کے اہل و عیال تک کو ان کی خبر نہ تھی اور وہ اپنے خیال میں ان کو مردہ سمجھ چکے تھے۔ البتہ امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے زمانے میں اور اس کے بعد آپ کئی مقامات پر نظر آتے ہیں۔ چنانچہ صفین کے بعد امیر المومنینؑ نے جب دوبارہ اہلِ شام سے جنگ کرنا چاہی ہے اس وقت آپ کے اصحاب میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اہلِ کوفہ اس پر مصر تھے کہ پہلے خوارج سے جنگ کی جائے۔ امیر المومنینؑ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ نے اپنے لشکر سے مخاطب ہو کر ایک خطبہ دیا۔ اس وقت صیفی بن فیل کھڑے ہو گئے۔ طبری میں ہے۔

راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر صیفی بن فسیل کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے یا امیر المومنینؑ ہم آپ کی جماعت ہیں اور آپ کے مددگار ہیں اور آپ کے دشمنوں کے دشمن، جو آپ کے مطیع و فرماں بردار ہیں ان کے دوست ہیں، پس آپ ہم کو اپنے دشمن کی طرف خواہ وہ کوئی ہوں اور کہیں بھی ہوں انشاء اللہ کمیِ تعداد اور

ضعفِ نیت آپ کو نقصان نہ پہنچائے گا۔

اس کے بعد صیفی بن فسیل حجر بن عدی کے ہمراہ پائے جاتے ہیں۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ زیادؔ نے جب حجرؔ کے اصحاب کو گرفتار کرنا شروع کیا ہے تو قیسؔ بن عباد شیبانی نے زیاد سے آ کر کہا کہ ایک شخص ہم میں سے بنی ہمام کا ہے جسے صیفیؔ بن فسیل کہتے ہیں، اصحابِ حجر کے سرگروہوں میں ہے اور سب سے زیادہ تمہارا دشمن ہے۔ زیادؔ نے ان پر دوڑ بھیجی، لوگ ان کو پکڑ کر زیادؔ کے پاس لے آئے۔ اس موقعے پر زیاد سے ان کا حسبِ ذیل مکالمہ ہوا جس کو ہم تاریخِ طبری سے نقل کرتے ہیں۔ (طبری، ۶:۴۵)

زیاد:- اے دشمنِ خدا! ابوتراب کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟

صیفی:- میں ابوتراب کو نہیں جانتا۔

زیاد:- تو خوب جانتا ہے۔

صیفی:- میں نہیں جانتا۔

زیاد:- کیا علی بن ابی طالبؑ کو تو نہیں جانتا؟

صیفی:- ضرور جانتا ہوں۔

زیاد:- وہی تو ابوتراب ہیں۔

صیفی:- ہرگز نہیں، وہ تو ابوالحسنؑ اور ابوالحسینؑ ہیں۔

ایک درباری:- امیر تو انھیں ابوتراب کہتا ہے اور تو کہتا ہے نہیں۔

صیفی:- یہ کیا ضروری ہے کہ امیر جھوٹ بولے تو میں بھی جھوٹ بولوں اور امرِ ناحق پر ویسی گواہی دوں جیسی امیر نے دی۔

زیاد:- (غصہ ہو کر) قصور اور اس پر زباں درازی! لاؤ تو میرا عصا! (ایک غلام نے عصا لا کر دیا) اب بتا علیؑ کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟

صیفی:- بندگانِ خدا میں سے کسی بندۂ مومن کی نسبت جیسی میری رائے ہونی چاہیئے اس سے بڑھ کر ہے۔

یہ جواب پا کر زیاد نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ عصا لے کر اس کے شانوں پر اس قدر مارو کہ زمین پر لوٹنے لگے، آخر صدماتِ ضرب سے زمین پر گر پڑے۔ اب زیاد نے مار کو موقوف کرنے کا حکم دیا اور پوچھا۔

زیاد:- اب بتا علیؑ کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

صیفی:- واللہ! اگر تو میری بوٹیاں بھی اڑا دے گا جب بھی اس کے سوا نہ کہوں گا جو تو سن چکا۔

زیاد:- تجھ کو علیؑ پر لعنت کرنا پڑے گی۔ نہیں تو گردن ماردی جائے گی۔

صیفی:- واللہ! میری یہی خواہش ہے کہ اس سے پہلے میری گردن ماردی جائے۔ اگر تو ایسا کرے گا تو میں حکم خدا پر راضی ہو جاؤں گا۔ اور تو شقاوت میں مبتلا ہوگا۔

یہ سُن کر زیاد نے حکم دیا کہ ان کو بیڑیاں پہنا کر قید خانہ میں ڈال دیا جائے۔

(تاریخ طبری ۶: ۱۴۹، اغانی ۱۶: ۸)

اس کے بعد حجر بن عدی کے ہمراہ ان کو معاویہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ کچھ دن مرج عذراء میں قید رہے۔ اس کے بعد قتل کر دیے گئے۔

بنی شیبان کے ایک شاعر نے صیفی کی شہادت پر حسب ذیل تین شعر کہے ہیں۔ جن میں بنی ہند کو قیس بن عباد پر ابھارا ہے۔

دعی ابن فسیل یا اٰل مرۃ دعوۃ

ولاقیٰ ذباب السیف کفّا و معصما

فحرض بنی هندا ذا مالقیتّم

وقل لغیاث وابنہ یتکلما

لقبلك بنی هند فتيلة مثل ما
بكت عرس صيفی و تبعث مأتماً

جناب صیفی بن فسیل قبیلہ ربیعہ کی شاخ بنوشیبان سے تعلق رکھتے تھے بڑے جیالے اور مضبوط انسان تھے جام محبت امیر المومنین علیہ السلام پی کر ہمہ وقت مست رہتے تھے علامہ مامقانی اپنے رجال جلد ۲ صفحہ ۱۰۳ پر تحریر کرتے ہیں کہ یہ حضرت امیر علیہ السلام کے اصحاب اور معتمد تھے اور علامہ برقی تحریر فرماتے ہیں کہ ان کو حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت کا شرف بھی حاصل تھا ان کے فضل وشرف کے لیے یہ کافی ہے کہ یہ جناب حجر بن عدی کے ساتھیوں میں تھے اور جورائے جناب حجر کی تھی اسی کے مالک یہ بھی تھے جناب حجر کے ساتھ جن بارہ افراد کو زیاد نے گرفتار کر کے معاویہ کے پاس بھیجا تھا ان میں جناب صیفی بھی داخل تھے اور ان میں جن افراد کی شہادت مقام مرج عذرا میں واقع ہوئی ان میں بھی ان کا شمار ہے۔

جناب حجر بن عدی اور ان کے رفقا جب زیاد کی قید سے چھٹ کر روپوش ہو گئے اور ان کی گرفتاری شروع ہوئی تو قبیصہ بن ضبیعہ بن حرملہ عبسی کی گرفتاری کے بعد قیس بن عباد وشیبانی نے زیاد سے آکر بیان کیا کہ ہمارے قبیلہ بنو ہمام میں صیفی بن فسیل ایک شخص ہے جو روساءِ اصحاب حجر بن عدی میں داخل ہے وہ آپ کو بہت دشمن رکھتا ہے زیاد نے ان کی گرفتاری کا حکم دے دیا چنانچہ جناب صیفی گرفتار کر کے لائے گئے زیاد نے کہا اے دشمن خدا تو ابوتراب کے بارے میں کیا کہتا ہے جناب صیفی نے جواب دیا کہ میں ابوتراب کو نہیں جانتا ہوں زیاد نے کہا وہی تو ابوتراب ہیں جناب صیفی نے جواب دیا ہرگز نہیں وہ ابوالحسن و الحسین ہیں کوتوال شہر نے کہا امیر کہہ رہا ہے کہ وہی ابوتراب اور تم اس سے انکار کر رہے ہو جناب صیفی نے کہا کہ اگر امیر جھوٹ بولے تو کیا میں بھی جھوٹ بولوں

اور امیر کی طرح جھوٹی گواہی دوں (مجھ سے تو یہ نہیں ہوسکتا) زیاد نے کہا تمہارے گناہ کے ساتھ ایک اور گناہ کا اضافہ ہوگیا اچھا چھڑی لاؤ جب چھڑی آ گئی تو زیاد نے کہا اچھا اب بتاؤ علی بن ابی طالب کے بارے میں کیا کہتے ہو جناب صیفی نے جواب دیا کہ بہتر سے بہتر جو بات میں کہہ سکتا ہوں وہ علی بن ابی طالب علیہ السلام کے لیے کہتا ہوں علی علیہ السلام تو خدا کے مومن بندوں میں سے ایک بزرگ تھے زیاد نے حکم دیا کہ ان کے شانے پر اتنی چھڑیاں ماری جائیں کہ یہ زمین پر لیٹ جائیں چنانچہ ان کو اتنی چھڑیاں ماری گئیں کہ فرشِ زمین ہو گئے زیاد نے حکم دیا ان کو کھڑا کرو جب زمین سے اٹھا کر کھڑے کیے گئے تو زیاد کہنے لگا اب تم علیؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو جناب صیفی نے کہا خدا کی قسم اگر تو مجھے استرے اور چھری سے چھیل ڈالے جب بھی وہی کہوں گا جو تو نے مجھ سے ابھی ابھی سنا ہے زیاد نے کہا اچھا علیؑ پر لعنت کرو ورنہ میں تمہاری گردن اڑا دوں گا جناب صیفی نے کہا اے زیاد خدا کی قسم مجھے علیؑ کو برا بھلا کہنے سے پہلے مار ہی ڈال اور اگر تو میری گردن ہی اڑانا چاہتا ہے تو میں اس پر بھی خدا سے راضی و خوشنود ہوں لیکن تو شقی و بدبخت ہو جائے گا۔ زیاد نے حکم دیا کہ ان کو گردن میں ہاتھ دے کر نکال دو اس کے بعد حکم دیا کہ ان کو لوہے میں اچھی طرح جکڑ کے قید خانے میں ڈال دو۔ (طبری جلد ۶، صفحہ: ۱۴۹)

چنانچہ یہ زنجیروں میں جکڑ کر قید خانے میں ڈال دیے گئے اور جب جناب حجر ایک مخصوص محضر کے ساتھ روانہ کیے گئے تو ان کے ساتھ یہ بھی تھے اور انھیں کے ساتھ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

عبدالرحمٰن بن حسان عنزی

حجر کے اصحاب میں تھے۔ جس وقت یہ مرج عذرا پہنچے ہیں اور معاویہ کے آدمیوں نے ان سے تبرا کرنے کو کہا تو انھوں نے کہا کہ ہم کو امیر المومنین کے پاس بھیج دیا جائے اور جو کچھ وہ علیؑ کے بارے میں کہلوانا چاہتے ہیں کہہ دیں گے۔ چنانچہ ان کو معاویہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس موقعے پر معاویہ سے ان کا جو مکالمہ ہوا ہے وہ ان کی حق گوئی اور جرأت وہمت کی یادگار مثال ہے۔

معاویہ:- اے اخور بیعہ! علیؑ کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟

عبدالرحمن:- یہ تذکرہ جانے دیجیے، بہتر ہے کہ یہ بات مجھ سے نہ پوچھیے۔

معاویہ:- جب تک تم یہ نہ بتاؤ گے میں تمہیں چھوڑنے والا نہیں۔

عبدالرحمن:- میں گواہی دیتا ہوں کہ علیؑ بہت زیادہ ذکرِ خدا کرنے والے اور حق کا حکم دینے والے، انصاف قائم کرنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے تھے۔

معاویہ:- اچھا! عثمان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

عبدالرحمن:- انھوں نے سب سے پہلے ظلم کا دروازہ کھولا اور حق کے دروازوں کو ہلا ڈالا۔

یہ سُن کر معاویہ نے کہا کہ تُو نے خود اپنے کو قتل کیا اور میں نے بھی تجھ کو قتل کیا۔

اس وقت بنی ربیعہ کا کوئی شخص موجود نہ تھا کہ ان کے بارے میں سفارش کرتا۔

معاویہ نے ان کو زیاد کے پاس واپس کر دیا اور حسب ذیل مضمون کا خط لکھا۔

امّا بعدہٗ معلوم ہو کہ تمہارے بھیجے ہوئے لوگوں میں سب سے بدتر یہ عنزی ہے۔ اس کو ایسی سزا دے جس کا وہ اہل ہے اور بہت بری طرح قتل کر۔

زیاد کے پاس جب یہ پہنچے تو اس نے ان کو قس عاطف میں بھیج کر زندہ گڑوا دیا

(کامل ۳:۲۰۸، طبری ۶:۱۵۵)

جس وقت عنزی اور کریم بن عفیف خثعمی کو معاویہ کے پاس لے جانے لگے ہیں تو عنزی نے حجر کی طرف خطاب کر کے کہا "اے حجر! خدا آپ پر رحم کرے، آپ کتنے اچھے برادر ایمانی تھے"۔

اتنے میں ان دونوں کو لے کر لوگ دور نکل گئے۔ جب تک سامنا رہا حجر ان کی طرف دیکھتے رہے پھر کہا "دوستوں کے تعلقات قطع کرنے کے لیے موت کافی ہے۔

(طبری ۶:۱۵۵)

جناب عبدالرحمٰن جناب حجر بن عدی کے ہم مسلک اور ساتھی تھے اور انھیں کے ساتھ جرم محبت امیر المومنین علیہ السلام میں گرفتار کر کے شام روانہ کئے گئے جب یہ قافلہ شام پہنچا اور مقام عذراء میں جو دمشق سے دو فرسخ دور تھا ٹھہرایا گیا تو معاویہ نے ان لوگوں کے پاس ہدیہ بن فیاض قضاعی حسین بن عبداللہ کلابی اور ابوشریف بدی کو سمجھانے بجھانے کے لیے شام کے وقت روانہ کیا ان میں ایک شخص یک چشم تھا رفقاء حجر میں سے کریم بن عفیف خثعمی نے ایک یک چشم کو بھی آتے دیکھ کر کہا کہ ہم میں سے نصف قتل کیے جائیں گے نصف کو نجات مل جائے گی سعد بن نمران جو جرم محبت کے گرفتاروں میں داخل تھے یہ سنتے ہی کہنے لگے پالنے والے مجھے نجات مل جائے لیکن تو راضی و خوشنود رہے اور عبدالرحمن بن حسان نے کہا کہ پالنے مجھے تو معزز و محترم قرار دے اور ان کو ذلیل و رسوا کر اور تو

مجھ سے راضی رہے پالنے والے میں نے بسا اوقات اپنے کو ہلاکت میں ڈالا ہے لیکن ہوا وہی جو تُو نے چاہا۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ پیامبر آ گئے اور معاویہ کا یہ حکم ان لوگوں کو سنایا (فلاں فلاں) چھ آدمی رہا کیے جاتے ہیں اور (فلاں فلاں) آٹھ آدمی قتل کیے جائیں گے اس کے بعد دوسرے دن بعد نمازِ صبح قتل ہونے والوں میں سے ایک ایک آدمی کو قتل کرنا شروع کیا یہاں تک کہ چھ آدمی جام شہادت پی کر راہیٔ جنّت ہو گئے۔ اور صرف عبدالرحمٰن بن حسان اور کریم بن عفیف باقی بچے ان لوگوں نے قاصدوں سے کہا کہ ہم لوگ علی بن ابی طالب کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو معاویہ کہتا ہے پیامبروں نے ان کی گفتگو معاویہ کے پاس کہلا بھیجی معاویہ نے حکم دیا کہ ان دونوں کو ہمارے پاس لاؤ چنانچہ یہ دونوں بزرگوار معاویہ کے پاس آئے جب سامنے پہنچے تو کریم بن عفیف خثعمی نے کہا کہ اے معاویہ خوفِ خدا کرے تو بھی اس خالی گھر سے اخرت کے باقی گھر جائے گا تجھ سے ہمارے قتل کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ معاویہ نے کہا اچھا یہ بتاؤ تم علیؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو کریم نے جواب دیا جو تم کہتے ہو وہی میں کہتا ہوں معاویہ نے کہا علی جس دین پر تھے اس سے برات کرتے ہو کریم نے یہ سوال سن کر کچھ جواب نہیں دیا معاویہ نے بھی یہ پسند نہیں کہا کہ وہ جواب دیں الغرض اپنے بعض اعزاء کی سفارش سے وہ اس شرط سے رہا کر دیے گئے کہ کوفہ واپس نہ جائیں۔

معاویہ اس کے بعد جناب عبدالرحمٰن کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ آئے قبیلہ ربیعہ کے فرد تم علیؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو عبدالرحمٰن نے کہا اس کے بارے میں مجھ سے دریافت نہ کرنا ہی تمہارے لیے بہتر ہے معاویہ نے کہا بتانا پڑے گا کہ علیؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو عبدالرحمن نے کہا جب حضرت علیؑ کے

متعلق اظہار خیال ضروری ہے تو سنو میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علیؑ ذکر خدا بہت کرتے تھے حق کا حکم دیتے تھے عدل وانصاف کو قائم کرتے تھے لوگوں کی خطائیں معاف کرتے تھے معاویہ نے کہا عثمان کے متعلق کیا کہتے ہو جناب عبدالرحمن نے کہا عثمان پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے ظلم کا دروازہ کھول دیا حق کا دروازہ بند کیا معاویہ نے کہا عبدالرحمن تم نے اپنے کو قتل کر دیا۔ عبدالرحمن بولے نہیں میں نے تجھ کو قتل کیا الغرض معاویہ نے عبدالرحمن کو زیاد کے پاس واپس کر دیا اور اسے تحریر کیا کہ تو نے جتنے افراد کو یہاں بھیجا تھا ان میں سب سے زیادہ برے عبدالرحمن ہیں اس لیے جس سزا کے یہ مستحق ہیں ان کو وہ سزا دے اور ان کو بری طرح قتل کر جب عبدالرحمن زیاد کے پاس لائے گئے تو اس نے ان کو مقام قس ناطف بھیج دیا اور زندہ قبر میں دفن کر دیا۔

جناب عبدالرحمٰن اور کریم جب معاویہ کے پاس عذراء سے لے جائے جا رہے تھے تو جناب عبدالرحمن نے جناب حجر بن عدی سے کہا کہ خدا آپ کو ہمیشہ اپنے بارگاہ قدسی میں رکھے آپ بہترین اسلامی بھائی تھے۔

(طبری جلد ۶ صفحہ: ۱۵۴ تا ۱۵۵ سے بعض حصے حذف کے بعد لیا گیا)

قبیصہ بن ضبیعہ عبسی

حُجر بن عدی کے اصحاب اور ان کے پُرجوش حامیوں میں تھے، جنگ نہروان میں امیر المومنینؑ کے ہمراہ تھے۔ جب خارجیوں سے مقابلہ ہوا ہے اور انھوں نے یزید بن قیس کو للکار کر کہا ہے لاحکم الا اللہ تو عباس بن شریک اور قبیصہ بن ضبیعۃ العبیان نے ان کو جواب دیا اور کہا یا اعداء اللہ الیس فیکم شریح بن اوفی المسرف علی نفسہ ھل انتم الا اشباھہ

(طبری ۶: ۴۹)

زیادؔ نے جب اصحابِ حجر کو گرفتار کرنا شروع کیا ہے تو قبیصہ بن ضبیعہ کے پاس اپنے صاحب شرطہ شدادؔ بن ہیثم کو بھیجا۔ قبیصہ نے اپنی قوم والوں کو پکارا اور تلوار سونت لی۔ ربعیؔ بن خراش عبسی اور کچھ لوگ ان کی قوم کے آپہنچے۔ یہ کچھ زیادہ نہ تھے، قبیصہ لڑنے پر آمادہ ہوگئے، صاحبِ شرطہ نے کہا تم کو جان و مال کی امان دی گئی ہے پھر کیوں خود کو ہلاک کرتے ہو، یہ سن کر ان کے ساتھی بھی کہنے لگے کہ صاحبِ شرطہ صحیح کہتا ہے اب اپنے کو کیوں ہلاکت میں ڈالتے ہو۔ قبیصہ نے کہا۔ خدا تم کو عقل دے یہ آیا لگایا ہوا پسرِ فاحشہ اگر میں اس کے ہاتھ آگیا تو ہر گز بچ نہیں سکتا۔ یہ ضرور مجھے قتل کرے گا۔ انھوں نے کہا ایسا نہ ہوگا۔ قبیصہ نے

مجبوراً اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ زیاد کے آدمی ان کو لیے ہوئے زیاد کے پاس چلے۔ جب سامنا ہوا تو زیاد نے کہا، واللہ میں تجھے ایسی سزا دوں گا کہ یہ فتنہ وفساد اٹھانا اور حاکموں پر حملہ کرنا سب بھول جائے گا۔ قبیصہؓ نے کہا میں تو امان پا کر چلا آیا ہوں، زیاد نے حکم دیا کہ اس کو زندان میں ڈال دیا جائے۔

(طبری ۶: ۱۴۹ اور اغانی ۱۶: ۸)

جس وقت حُجر اور ان کے اصحاب کو زیاد کے سپاہی لے کر چلے ہیں اور قیدیوں کا یہ قافلہ محلہ عزرم تک پہنچا تو قبیصہؓ نے اپنے گھر کی طرف ایک نظر کی۔ دیکھا کہ ان کی لڑکیاں ایک بلندی سے اپنے باپ کو دیکھ رہی ہیں۔ قبیصہؓ نے زیاد کے سپاہیوں سے کہا کہ مجھے اتنی اجازت دو کہ اپنے عیال کو وصیت کرلوں۔ اجازت ملنے پر یہ گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب قریب پہنچے تو دیکھا کہ لڑکیاں رو رہی ہیں کچھ دیر یہ خاموش رہے۔ اس کے بعد ان کو تسلّی دلاسا دے کر خاموش کیا۔ جب سب خاموش ہو گئے تو حسبِ ذیل وصیتیں کیں۔

ترجمہ: اللہ عزّ وجل سے ڈرو اور صبر کرو! میں اپنے اس سفر میں دو باتوں میں سے ایک کی ضرور امید کرتا ہوں، یا تو شہادت! اور یہ بہت بڑی سعادت ہے یا خیر وعافیت کے ساتھ واپسی اور سنو جو تم کو رزق دیتا تھا اور تمہاری پرورش میں میرا مددگار رہتا تھا وہ اللہ تعالیٰ ہے، وہ زندہ ہے اور کبھی مرنے والا نہیں، مجھے امید ہے کہ وہ تم کو ضائع نہ ہونے دے گا اور تمہارے سلسلے میں میرا لحاظ کرے گا"۔

یہ کہہ کر وہاں سے چل دیے اور اپنی برادری والوں کی طرف سے گزرے، سب لوگ ان کو دیکھ کر ان کے لیے دعائیں مانگنے لگے۔ قبیصہ نے کہا۔ "مجھے جتنی اپنی جان عزیز ہے اتنا ہی اپنی قوم کی ہلاکت کا خیال ہے۔ اس وقت قبیصہ کو کچھ یہ امید ہوئی کہ یہ لوگ مجھ کو چھڑا لیں گے۔ (طبری ۶: ۱۵۱)

جناب حجر بن عدی کو اسیر و مقیّد کرنے کے بعد زیاد ابن ابیہ نے ان کے رفقاء کی گرفتاری شروع کی اور ان حضرات نے چھپنا شروع کیا ان میں سے جو ملتا تھا اسے قید خانہ میں بند کر دیتا تھا۔

ایک دن اس نے اپنے پولیس کے افسر شداد بن ہیثم کو جناب قبیصہ کی گرفتاری کے لیے روانہ کیا جناب قبیصہ نے اپنے قبیلہ والوں کو آواز دی اور خود تلوار لے کر مقابلہ میں آ گئے۔ آپ کے بلانے پر ربعی بن حراش اور ان کے قبیلہ کے کچھ اور لوگ امداد کے لیے آ گئے اور جنگ کا ارادہ کیا شداد نے جب یہ کیفیت دیکھی تو قبیصہ سے کہا آپ زیاد کے پاس چلیئے میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی جان اور مال محفوظ رہے گا آخر آپ کیوں اپنے کو ہلاکت میں مبتلا کرتے ہیں اور ان کے ساتھیوں نے بھی کہا کہ جب امان دی جا رہی ہے تو ہلاکت میں مبتلا نہ ہو جیئے اور ہمیں بھی ہلاکت سے بچایئے۔ جناب قبیصہ نے کہا حرامزادہ ہے اگر میں اس کے قبضہ میں پہنچ گیا تو پھر کہیں بھاگ کر نہیں جا سکوں گا قید کر دے گا یا قتل کر دے گا۔ قبیلہ والوں نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا ہے بالآخر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا وہ لوگ ان کو لے کر زیاد کے پاس آئے۔ زیاد نے ان کو دیکھتے ہی کہا کہ بہت سے قبیلہ ہیں جو عنقریب مجھے دین کے سبب سے تعزیت دیں گے (زیاد نے یہ جملہ تعریض کے طور سے زبان پر جاری کیا تھا) قبیصہ آگاہ ہو کہ میں عنقریب تم کو فتنوں میں پڑنے اور حکام کے خلاف شور و غل کرنے سے غافل اور بے پرواہ کروں گا۔ جناب قبیصہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں یہاں امان پانے کے بعد آیا ہوں۔ زیاد نے حکم دیا ان کو بھی قید خانہ میں بند کر دیا جائے۔ (طبری جلد ۶، صفحہ: ۱۴۹)

زیاد نے جب حکم دیا کہ ان جانبازوں کو شام لے جایا جائے تو زیاد کو اندیشہ

تھا کہ مبادا اہل کوفہ پھر ان لوگوں کو آزاد کرالیں اس لیے وائل بن حجر اور کثیر بن شہاب کو حکم دیا کہ ان سب حضرات کو راتوں رات شہر سے باہر پہنچا دیا جائے۔ جب ان کو سواری جبانہ عرزم پہنچی تو قبیصہ جن کا گھر بھی وہیں واقع تھا اپنے گھر کو دیکھا اتفاقاً ان کی نظر اپنی لڑکیوں پر پڑی جو مکان کے اوپر سے اس دردناک منظر کو دیکھ رہی تھیں قبیصہ نے پہرے داروں سے اجازت لی کہ میں اپنے اہل عیال کو وصیت کردوں لڑکیوں کے پاس گئے تو انھوں نے چیخیں مار مار کر رونا شروع کیا قبیصہ نے انھیں خاموش کیا اور کہا کہ تقوی اختیار کرو اور صبر کرو اس لیے کہ میں خدا سے اس راہ میں دو حسنات میں سے ایک کی اُمید رکھتا ہوں شہادت یا خیریت سے تم لوگوں کے پاس واپسی رہے تمہارے ضروریات تو جواب تک تم کو رزق دیتا تھا۔ وہ اللہ ہے جو زندہ ہے اسے کبھی موت نہ آئے گی مجھے اُمید ہے کہ وہ تم کو ضائع و برباد نہ کرے گا۔ اور تمہارے لیے میری حفاظت کرے گا یہ کہہ کر وہاں سے واپس ہوئے۔ (طبری جلد ۶، صفحہ: ۱۵۲)

عاصم بن عوف بجلّی

ابنِ عوف بجلّی کے نام سے مشہور ہیں، امیر المومنینؑ علی بن ابی طالب علیہ السلام کے شیعوں میں ہیں، آپ کا شمار راویانِ حدیث میں ہے۔ حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ آپ نے ابوامامہ باہلی، عمیر مولیٰ .... اور عمرو بن شرجیل سے احادیث کی روایت کی ہے۔ چنانچہ ابواسحاق سبیعی اور دیگر محدثین نے آپ سے روایتیں لی ہیں۔ ابوزرعہ سے جب عاصم کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا ''ھو صدوق'' (ابنِ عساکر ۷:۱۲۹)

علامہ ابنِ حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

روی عنه طارق بن عبدالرحمن الجبلّی وابو اسحاق السبیعی وشعبة ومالك بن مغول و حجاج بن ارطاة وغیرهم قال یحییٰ بن معین کان کوفیا قدم الشام وقال ابو حاتم صدوق یحول من کتاب الضعفاء یعنی الذی للبخاری وذکره ابن حیان فی الثقات وروی له ابن حیان فی الثقات وروی له ابن حیان فی الثقات وروی له ابن ماجة حدیثا واحدا فی فضل صلوٰة الرجل فی بیته قلت قال البخاری لم یبثت حدیثه وذکره العقیلی فی الصعفا

(تہذیب التہذیب ۵:۵۵)

سعید بن نمران الہمدانی الناعطی

امیر المومنینؑ کے اصحاب میں ہیں نیز طبری کی تصریح کے مطابق آپ کے کاتب بھی رہ چکے تھے۔ ابنِ عساکر نے ان کو تابعین اہلِ کوفہ سے لکھا ہے۔

(تاریخ ابنِ عساکر ۶: ۱۱۴)

ابنِ سعد نے ان کے تذکرے میں لکھا ہے: سعید بن نمران، علیؑ کے اصحاب میں تھے، آپ نے ان کو عبید اللہ بن العباس بن عبد المطلب کی ہمراہی میں یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ (طبقات ابنِ سعد ۶: ۵۶)

اس کی تائید سید رضی جامع نہج البلاغہ کے بیان سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ انھوں نے ایک خطبے کے ذیل میں لکھا ہے:-

"جس وقت معاویہ کے اصحاب کی یورش کی خبریں امیر المومنینؑ کو پہنچی ہیں اور بُسر بن ارطاۃ نے یمن کے عامل عبید اللہ بن العباس اور سعید بن نمران پر قابو پالیا۔ تو یہ دونوں حضرات امیر المومنینؑ کی خدمت میں آئے، اس وقت آپ اپنے اصحاب کے جہاد سے جی چرانے پر بہت کبیدہ خاطر ہوئے اور حسبِ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا۔

أنبئت بُسرا قد اطلع علی الیمن ۔۔۔ الخ

حجر بن عدی کے ہمراہ ان کو بھی زیاد نے گرفتار کر کے معاویہ کے پاس بھیجا تھا لیکن حمزہ بن مالک کی سفارش پر چھوڑ دیے گئے۔ (ابنِ عساکر ۶: ۱۱۴)

ان کے ایک بیٹے مسافر بن سعید مختار کے اصحاب میں تھے۔ چنانچہ مختار نے عمر بن سعد اور اس کے بیٹے حفص بن عمر کے سر کاٹ کر ان ہی کے ہاتھ محمد بن حنفیہ کی خدمت میں بھیجے ہیں۔ (طبقات ابنِ سعد ۶: ۵۶ و طبری)

ربیعہ بن ناجدِ ازدی

تابعینِ اہلِ کوفہ سے ہیں۔ علامہ ابنِ حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

ربیعہ بن ناجد ازدی، ان کو الاسدی الکوفی بھی کہا جاتا ہے، انھوں نے علی بن ابی طالبؑ، ابنِ مسعود، عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے اور ان سے ابو صادق ازدی نے! کہا جاتا ہے کہ یہ ابو صادق ان کے بھائی تھے۔ ابنِ حبان نے ثقات میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ابنؔ ماجہ میں ان سے ایک حدیث اقامت حدود کے بارے میں مروی ہے۔ اور دوسری خصائص میں علیؑ کی فضیلت میں۔ عجلی نے ان کو کوفی تابعی اور ثقہ کہا ہے اور ذہبی کی تحریر میں نے پڑھی جو اچھی طرح پہچانی نہیں جاتی۔ (تہذیب التہذیب ۳: ۲۶۳)

زیاد نے جب حجر بن عدی کے تعاقب میں اپنے سپاہیوں کو روانہ کیا تو حجر بن عدی محلہ ازد میں پہنچ کر ان ہی کے گھر میں پناہ گیر ہوئے تھے اور ایک دن رات وہاں قیام کیا۔ (طبری ۶: ۱۴۷)

عبدالرحمٰن بن محرز الکندی الطمحی

حجر کے سرگرم حامیوں میں تھے۔ جنگِ صفین میں امیرالمومنینؑ کی طرف سے شریک تھے۔ طبری میں ہے کہ جنگ میں اہلِ شام کا ایک شخص جب مبارز طلب ہوا ہے تو اس کے مقابلے کو یہی عبدالرحمٰن بن محرز گئے ہیں۔ دونوں میں دیر تک مقابلہ ہوتا رہا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن نے شامی پر حملہ کیا اور اس کی گردن پر نیزے کا وار کر کے نیچے گرادیا۔ اس کے بعد جب قریب پہنچے تو اس کے ہتھیار اور زرہ اُتاری۔ اس وقت معلوم ہوا کہ وہ ایک مردِ حبشی تھا۔ کہنے لگے۔ **انّا للہ لمن اخطرت نفسی لعبد اسود** (طبری ۶:۱۶)

زیاد نے جب حجر بن عدی کے تعاقب میں اپنے آدمیوں کو بھیجا تھا اس وقت یہ ان کے ہمراہ تھے۔ جب زیاد کے سپاہی قریب آپہنچے تو عبدالرحمٰن بن محرز نے اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ایک گھنٹے تک ان کا مقابلہ کیا۔ بعد میں بچ کر نکل گئے۔ (طبری ۶:۱۴۲)

عبیدہ بن عمرو بدی

بنو بد کے ایک معزز فرد تھے۔ علامہ ابنِ اثیر لکھتے ہیں:۔

عبیدہ نہایت دلیر اور بہت عمدہ شاعر تھے۔ اور تشیع اور حضرت علیؑ کی محبت میں نہایت شدید اور غالی تھے۔ (کامل)

حُجر بن عدی کے پُر جوش حامیوں میں تھے۔ زیاد نے جب حجر کے تعاقب میں اپنے آدمیوں کو بھیجا ہے تو اس وقت یہ حجر کے ہمراہ تھے۔ جب اس کے سپاہی قریب پہنچ گئے تو عبیدہ بن عمرو بدی نے مع اپنے ساتھیوں کے نہایت دلیری سے ان کا مقابلہ کیا۔ اس ہنگامے میں وہ زخمی بھی ہوئے۔ (طبری ج ۲)

مختار جب قاتلانِ حسینؑ کے انتقام کی غرض سے کوفہ روانہ ہوئے تو راستے میں جب بنو بدو کی طرف سے گزرے تو عبیدہ بن عمرو البدی سے ملاقات ہوئی، مختار نے ان کو سلام کیا اور کہا کہ ''نصرت اور فتح تم کو مبارک ہو تم ابو عمرو ہو اور بہت اچھی رائے رکھتے ہو، خدا تمہارے کسی گناہ کو لگائے نہیں رکھے گا بخش دے گا''۔ عبیدہ نے کہا ''خدا تم کو بھی اچھی اچھی خوشخبریاں سنائے لیکن تم ہمارے لیے واپس آؤ گے، کہا ہاں مجھ سے آج رات کو ملنا اس کے بعد جب وہ اپنے گھر چلے گئے تو شیعہ ان کے پاس آنے جانے لگے۔ اسمٰعیل بن کثیر اور اس کے بھائی اور

عبیدہ بن عمرو بھی آئے، مختار نے ان سے سلیمان بن صرد کا حال دریافت کیا انھوں نے بتلایا کہ وہ منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ سن کر اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور پھر اپنا مقصد ان پر ظاہر کیا اور ان سے امداد کا طالب ہوا چنانچہ سب لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (ابنِ اثیر واقعات ۶۴ھ)

ارقم بن عبداللہ الکندی

حافظ ابنِ عساکر نے اپنی تاریخ میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ تابعینِ اہلِ کوفہ سے ہیں۔ حجر بن عدی کے ہمراہ جن بارہ آدمیوں کو گرفتار کر کے مرج عذرا بھیجا گیا ان میں آپ کا نام بھی ملتا ہے لیکن نائل بن حجر کی سفارش سے چھوڑ دیے گئے۔ (ابن عساکر جلد ۲)

ورقاء بن سمّی البجلی

امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے اصحاب میں ہیں، جنگِ صفین میں ان کے ہمراہ پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ تحکیم کے اقرار نامے پر گواہوں میں آپ کا نام بھی ملتا ہے۔ (طبری ۶/۲۰)

Presented by Ziaraat.Com

صعصعہ بن صوحان العبدی

نام ونَسَب:

صعصعہ نام، کنیت ابوعمر اور ابوطلحہ، قبیلۂ عبدالقیس کی ایک معزز اور نمایاں فرد تھے سلسلۂ نَسَب اس طرح ہے:-

صعصعہ بن صوحان حجر بن الحارث بن ہجرس بن صیرہ بن حدرجان بن عساس بن لیث بن حداد بن ظالم بن ذھل بن عجل بن عمرو بن ودیعہ بن افصی بن عبدالقیس بن افصی بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار

(طبقات ابنِ سعد ۶: ۱۵۴)

اسلام:

صعصعہ کی زندگی کا یہ پہلو بالکل تاریکی میں ہے کہ وہ کب اسلام لائے؟ علامہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ صعصعہ عہد رسالت ہی میں اسلام کے شرف سے بہرہ انداز ہو گئے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات نہیں کی، نہ آپ کو دیکھا:-(استیعاب ۱: ۵۴۲)

علم وفضل:

صعصعہ اپنی قوم، قبیلۂ عبدالقیس کے سرداروں میں تھے۔ ابنِ عبدالبر نے ان

کے تذکرے میں لکھا ہے صعصعہ نہایت فصیح، مقرر عاقل وزیرک، زباں آور، متدیّن فاضل اور بلیغ تھے، ان کا شمار اصحابِ علی میں ہوتا ہے۔ یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ صعصعہ اور زید اور صیحان، پسران صوحان، عبدالقیس کے خطبا میں تھے۔

(استیعاب ۱: ۵۴۲)

ان کا شمار امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ان اصحاب میں ہے جن کو آپ کی فصاحت و بلاغت اور مختلف علوم سے بہرۂ وافر حاصل ہوا تھا، حضرت عبداللہ بن عباس، باوجود اپنے تبحر علم کے ان کو "باقرِ علم العرب کہا کرتے تھے (مروج الذہب ۲: ۶۴) امام شعبی جن کا شمار آئمہ حدیث میں ہوتا ہے صعصعہ کے حلقہ تلامذہ میں تھے ان کا مشہور قول ہے، کنت اتعلم منه الخطب (تہذیب التہذیب ۳: ۴۲۲) میں (صعصعہ) سے خطبے سیکھا کرتا تھا:۔ صعصعہ نہ صرف ایک عالم اور خطیب تھے بلکہ راویِ حدیث ہونے کی حیثیت سے بھی ان کا درجہ کافی بلند ہے۔ علاّمہ ابنِ حجر عسقلانی ان کے تذکرے میں لکھتے ہیں:۔

صعصعہ نے حضرت عثمان، حضرت علیؑ اور ابنِ عباس سے احادیث کی روایت کی ہے اور اُن سے ابواسحٰق سبیعی، ابنِ بریدہ، شعبی، مالک بن عمیر اور نہال بن عمرو وغیرہ ہیں ابنِ سعد کا قول ہے۔ صعصعہ ثقہ مگر قلیل الحدیث تھے، ابن حبان نے بھی ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے اور عبداللہ بن بریدہ نے سننِ ابی داؤد میں ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔ (تہذیب التہذیب، ۳: ۴۲۲)

حافظ ذہبی نے لکھا ہے۔ صعصعہ ثقہ اور معروف تھے

ابنِ عساکر نے صعصعہ کے ذکر میں مذکورہ بالا اقوال ہی کو نقل کیا ہے اور ان سے مروی حسبِ ذیل تین احادیث بھی نقل کی ہیں جو انھوں نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہیں۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہٖ) وسلم نے ممانعت فرمائی ہے کہ ہم ریشم سے کسی چیز میں کوئی فائدہ حاصل کریں۔

(۲) اور حافظ نے بطریقِ ابی شیبہ، اُن (صعصعہ) سے علی ابنِ ابی طالب کی زبانی روایت کی ہے۔ وہ فرماتے تھے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چکنی مٹی کے کوزوں، شراب سازی کے ظروف، نبیذ خرما اور جَو کی شراب، سونے کی انگوٹھی ریشم پہننے اور کمان لگانے سے منع فرمایا ہے۔

(۳) اور حافظ نے اپنی اسناد کے ساتھ صعصعہ سے، انھوں نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ فرماتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہٖ) وسلم نے فرمایا ہے، بیشک بیان میں جادو ہے اور شعر میں حکمتیں اور طلبِ علم میں جہل اور قول میں عاجزی ہے۔ (تاریخ ابن عساکر ۶: ۴۲۳)

صعصعہ اور حضرت عمر:

صعصعہ چونکہ عہدِ رسالت ہی میں اسلام لے آئے تھے اس لیے انھوں نے چاروں خلافتوں کا زمانہ دیکھا لیکن ان کے حالات سے تاریخ اتنی خاموش ہے کہ اسلام لانے کے وقت سے حضرت ابوبکر کے زمانے تک ان کی زندگی بالکل تاریکی میں ہے، البتہ حضرت عمر کے عہدِ خلافت میں ان کا ایک واقعہ ملتا ہے جس کو ابنِ عبدالبر نے ''استیعاب'' میں اس طرح نقل کیا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے جو حضرت عمر کی طرف سے کوفے کے گورنر تھے، مرکزی حکومت کو کچھ مال بھیجا جو ایک لاکھ درہم کی شکل میں تھا، حضرت عمر نے وہ سب روپیہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیا لیکن کچھ درہم اس میں سے باقی رہ گئے، اس کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہوا کہ کہاں صرف کیے جائیں، حضرت عمر یہ دیکھ کر منبر پر گئے اور خطبہ پڑھنے کے بعد کہا۔ اے

مسلمانو! جان لو کہ تمام لوگوں کے حقوق ادا کرنے کے بعد تھوڑا سا مال باقی رہ گیا ہے، اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ صعصعہ اس زمانے میں بالکل نو عمر تھے، فوراً کھڑے ہو گئے اور کہا۔ اے امیر المومنینؑ! مشورہ اس امر میں طلب کرنا چاہیے جس کے بارے میں قرآن میں کوئی حکم موجود نہ ہو لیکن وہ امور جن کی بابت قرآن میں صاف و صریح احکام موجود ہوں اور اللہ نے اس کے مواقعے بھی معین فرما دیئے ہوں تو ان کو اسی محل پر رکھو جس محل پر اللہ نے رکھا ہے، حضرت عمر نے کہا ''تم سچ کہتے ہو صعصعہ! تم مجھ سے ہو اور میں تم سے، یہ کہہ کر وہ بقیہ مال بھی مسلمانوں پر تقسیم کر دیا (استیعاب ۱: ۵۴۲)

عہدِ عثمانی:

صعصعہ بدو فطرت سے ایک بے باک اور حق گو طبیعت لے کر آئے تھے، ان کا یہ جوہر ہر عہد میں نمایاں رہا ہے، خصوصاً حضرت عثمان کے زمانے میں جب کہ تمام قلمرو اسلامی پر بنی اُمیہ کا تسلط تھا، صعصعہ کے لیے خاموش بیٹھنا ناممکن تھا اس لیے یہ پورا دوران کے لیے ابتلا و آزمائش کا دور ہے۔

اس عہد کا سب سے پہلا واقعہ وہ ہے جس کو شیخ الطائفہ نے امالی میں خود صعصعہ کی زبانی روایت کیا ہے۔

صعصعہ کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ ایک مصری وفد کے ہمراہ حضرت عثمان کے پاس گیا، ان کو جب ہمارے آنے کی اطلاع ہوئی تو کہلا بھیجا آپ لوگ اپنے کسی نمائندہ کو بھیج دیں جو مجھ سے بات چیت کر سکے۔ مشورے کے بعد لوگوں نے مجھ ہی کو اس کے لیے انتخاب کیا، میں جب پہنچا تو مجھ کو دیکھ کر حضرت عثمان نے کہا۔ ''یہ نو عمر لڑکا مجھ سے کیا بات چیت کرے گا''، میں نے جواب دیا، ''امیر المومنینؑ! علم اگر عمر پر موقوف ہے تو پھر نہ میرے لیے اس میں سے کچھ

حصہ ہے نہ آپ کے لیے لیکن علم سیکھنے پر ہے''۔ حضرت عثمان میرے اس جواب پر قائل ہوئے اور کہا! ''اچھا، جو کچھ کہنا ہو کہو''! میں نے یہ آیت پڑھی:-

" بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ان مکنٰھم فی الارض، اقاموا الصلوٰۃ واٰتوالزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور"۔

(ترجمہ)۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم! اگر ہم ان کو زمین میں حکمین عطا کر دیں تو وہ نماز قائم کر دیں گے اور زکوۃ دیں گے، اچھی باتوں کا حکم دیں گے اور بری باتوں سے روکیں گے اور اللہ ہی کی طرف تمام امور کا انجام ہے۔

حضرت عثمان نے کہا۔ ''یہ آیت تو ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے'' میں نے کہا ''تو پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض کیوں نہیں ادا کرتے''، حضرت عثمان نے کہا! اس کو چھوڑو اور آگے بڑھو! اس پر میں نے یہ آیت سنائی۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم! الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حقٍ الّا ان یقولوا ربنا اللہ"

(ترجمہ) بسم اللہ الرحمن الرحیم! وہ لوگ جو اپنے شہروں سے نکالے گئے ہیں بغیر کسی حق کے بجز اس کے کہ وہ یہ کہتے تھے، ہمارا رب اللہ ہے۔

حضرت عثمان بولے۔ ''یہ آیت بھی ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے'' میں نے جواب دیا۔ ''اچھا تو جو کچھ آپ نے اللہ کے مال میں سے لیا ہے وہ ہم کو عطا کیجئے'' اس پر حضرت عثمان برہم ہو کر بولے۔

''اے لوگو! تم پر سننا اور اطاعت کرنا ہے، اس لیے کہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور فرد واحد کے ساتھ شیطان ہے، پس اس شخص کی بات پر کان مت دھرو یقیناً یہ شخص نہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ کون ہے؟ اور اللہ کہاں ہے؟''

میں نے پلٹ کر جواب دیا۔ "امیر المومنینؑ! آپ کا قول کہ تم پر سننا اور اطاعت کرنا ہے پس آپ اس سے یہ چاہتے ہیں کہ کل ہم یہ کہیں" "ربّنا اطعنا سادتنا و کبراء نا فاضلّونا السبیلا"۔ (اے ہمارے رب۔ ہم نے اپنے بڑوں اور اپنے سرداروں کی اطاعت کی، پس انھوں نے ہم کو راہِ حق سے بھٹکا دیا)۔

آپ کا دوسرا قول، کہ "میں یہ نہیں سمجھتا کہ اللہ کون ہے"؟ تو سنئے "فانّ اللہ ربُنا وربُّ آباء نا الاولین"۔ (بیشک اللہ ہمارا رب ہے اور ہمارے پہلے باپ دادا کا بھی رب ہے) تیسرا قول کہ میں یہ نہیں سمجھتا، اللہ کہاں ہے؟ اس کا جواب بھی سنیئے فانّ اللہ تعالیٰ لبالمرصاد (بیشک اللہ تعالیٰ..........)

راوی کا بیان ہے کہ اس پر حضرت عثمان غضبناک ہو گئے اور پلٹانے کا حکم دے دیا اور دروازے بند کر لیے۔ (امالی شیخ الطائفہ ۱۴۸)

اس روایت کا آخری ٹکڑا حافظ ابنِ عساکر نے اپنی تاریخ (۶ / ۴۲۴) میں بھی نقل کیا ہے۔

۲۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے، صعصعہ کھڑے ہو گئے اور کہا "یا امیر المومنین ! مِلتَ فیالت اُمّتك، اعتدل یا امیر المومنین! تعتدل امّتك"۔ (اے امیر المومنین! آپ جھکے تو آپ کی اُمت بھی جھکی، آپ اپنے میں اعتدال پیدا کریں تا کہ امت بھی اعتدال پیدا کرے)۔

(تاریخ ابنِ عساکر ۶: ۴۲۳)

صعصعہ اور سعید بن العاص:

۳۰ھ میں حضرت عثمان نے ولید بن عقبہ کو معزول کر کے اس کی جگہ سعید بن

العاص کو کوفے کا گورنر بنا کر بھیجا اس نے آتے ہی وہاں کے لوگوں پر زیادتیاں شروع کردیں، صعصعہ اس وقت کوفے ہی میں موجود تھے، ان کی طبیعت سے یہ بات بالکل بعید تھی کہ حکام کے غیر عادلانہ اور مستبدانہ رویے پر خاموش بیٹھے رہیں چنانچہ کئی مرتبہ سعید بن العاص سے ان کا اختلاف ہوا، ان میں سب سے پہلا واقعہ ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص کا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

ایک مرتبہ رمضان کی ۲۹، کو سعید بن العاص نے لوگوں کو جمع کر کے کہا۔ ''آپ میں سے چاند کس نے دیکھا ہے'' سب لوگوں نے متفقہ طور پر کہا۔ ''ہم نے نہیں دیکھا'' صرف ہاشم بن عتبہ کا یہ بیان تھا کہ ''میں نے دیکھا ہے'' اس پر سعید بن العاص نے طنز کے طور پر کہا۔ ''اس کانی آنکھ سے تو نے چاند دیکھا ہے''؟ ہاشم کو اس پر غصہ آگیا اور کہا ''آپ میری آنکھ کا مجھ کو طعنہ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ آنکھ اللہ کے راستے میں گئی ہے''۔ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ ان کی آنکھ جنگِ یرموک میں جاتی رہی تھی، اس کے بعد ہاشم اپنے گھر میں چلے گئے اور افطار کر لیا۔ دوسرے دن صبح سے ان کے پاس لوگوں کا آنا جانا شروع ہو گیا اس کی خبر سعید بن العاص کو پہنچی تو اس نے اپنے سپاہیوں کو بھیج کر خوب زد و کوب کرائی اور اس کا گھر جلا دیا۔

اس واقعے سے کوفے میں عام بے چینی پیدا ہو گئی اور ہاشم کی بہن ام الحکم بنتِ عتبہ بن ابی وقاص جو مہاجرات میں تھی اور ان کے چچا نافع بن ابی وقاص نے مدینے میں آکر سعد بن ابی وقاص سے اس واقعے کا ذکر کیا، انھوں نے جا کر حضرت عثمان سے اس کی شکایت کی، حضرت عثمان نے جواب دیا۔

"سعید لکم بھاشم اضربوه بضربه و دار سعید لکم بدار ھاشم فاحرقوھا"۔

ہاشم کے بدلے تمہارے واسطے سعید ہے، جس طرح اس نے ہاشم کو مارا ہے تم بھی اس کو مارو اور ہاشم کے گھر کے عوض تمہارے لیے سعید کا گھر ہے اس کو جلا ڈالو! چنانچہ عمر بن سعد بن ابی وقاص جو اس وقت لڑکا ہی تھا آگ لگانے کے ارادے سے سعید کے گھر پہنچ گیا۔ حضرت عائشہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے اس کو بلا بھیجا اور اس ارادے سے باز رہنے کو کہا، اس طرح بات رفع دفع ہوگئی۔ صعصعہ پر بھی اس واقعے کا بے حد اثر ہوا وہ اپنے اصحاب کو ساتھ لے کر حضرت عثمان کے پاس گئے اور سعید کی معزولی کے لیے ان سے درخواست کی۔ صعصعہ کے ساتھ اس موقعے پر حسب ذیل لوگ تھے۔

''مالکِ اشتر، یزید بن کفف، ثابت بن قیس، کمیل بن زیاد نخعی، زید بن صوحان عبدی، حارث بن عبد اللہ الاعور، جندب بن زہیر ازدی ابوزینب ازدی، اصغر بن قیس الحارثی'' (طبقات ابنِ سعد ۵:۲۱۔۲۲)

دوسرا واقعہ اس سلسلے کا وہ ہے جس کو مؤرخ کامل نے اپنی تاریخ میں اس طرح نقل کیا ہے۔

سعید بن العاص جب کوفے کا گورنر ہو کر آیا تو یہاں اس نے روٴسا۔ شہر اور اہلِ قادسیہ سے مراسم بڑھائے، وہ ہر روز رات کو ایک مجلس منعقد کیا کرتا تھا، جس میں ہر شخص کو شرکت کی اجازت تھی، ایک دن جب کہ اس کی صحبت میں مالک بن کعب ارجی، اسود بن یزید، علقمہ بن قیس نخعی، ثابت بن قیس ہمدانی، جندب بن زہیر غامدی، جندب بن کعب ازدی، عمرو بن الحمق، صعصعہ بن صوحان، زید بن صوحان، ابن الکواء، کمیل بن زیاد، عمیر بن ضابی، طلیحہ بن خویلد وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے، سعید نے اثنا کلام میں کہا ''ھذا السواد بستان قریش'' یہ سب زمین قریش کے باغات ہیں، ہم جتنا چاہیں اس میں سے لے سکتے ہیں اور جتنا

چاہیں چھوڑ دیں، عبدالرحمن بن جیش نے جو اس کے اہلِ شرط میں تھا کہا ''صدق الامیر'' امیر نے سچ کہا، اس پر تمام حاضرین اس پر ٹوٹ پڑے اور زدوکوب شروع کر دی اور کہا۔ ''اے دشمنِ خدا! امیر کی خوشنودی میں باطل کی حمایت کرتا ہے''! سعید کو اس پر غصہ آگیا اور ان سب لوگوں کو گھر سے باہر نکال دیا۔ دوسرے روز صبح کو جب یہ لوگ مسجد میں آئے تو لوگوں کو سعید کے خلاف بھڑکایا اور کہا! ''تمہارے امیر کا یہ گمان ہے کہ یہ سب باغات اس کے اور اس کی قوم کے ہیں حالانکہ ہم نے اپنے زورِ بازو سے ان کو حاصل کیا ہے، قسم بخدا! ہم نے اس بات پر اس کی بیعت نہیں کی ہے''۔

سعید اور دیگر اشرافِ کوفہ نے اس کی شکایت حضرت عثمان کو لکھ بھیجی اور یہ سفارش کی کہ ان لوگوں کو کوفے سے نکال دیا جائے۔ حضرت عثمان نے اس کے جواب میں لکھ کر بھیجا کہ ان کو معاویہ کے پاس بھیج دیا جائے اور معاویہ کو حسبِ ذیل خط لکھا۔

''چند لوگ جو فتنہ وفساد کے لیے مخلوق ہوئے ہیں، تمہارے پاس بھیجے جاتے ہیں، تم ان کی نگرانی اور اصلاح کرو، اگر وہ اصلاح پذیر ہو جائیں تو خیر اور اگر تم کو بھی عاجز کریں تو میرے پاس بھیج دو!''

غرض کہ حضرت عثمان کے حکم کے بموجب ان کو معاویہ کے پاس بھیج دیا گیا، یہ لوگ جب وہاں پہنچے تو معاویہ نے ان کو کنیسہ مریم میں اتارا اور جو وظائف اور تنخواہیں ان کو عراق میں ملتی تھیں بدستور جاری رکھیں اور صبح وشام ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ (تاریخِ کامل ۳: ۵۸، اغانی ۱۱۔ ۲۸)

صعصعہ اور معاویہ کے مکالمے:

ایک روز حالتِ قید میں معاویہ ان لوگوں کے پاس آئے اور حسبِ ذیل گفتگو کی۔

معاویہ :- تم لوگ عرب کی ایک ذی ہوش اور سمجھ دار قوم ہو، تم نے اسلام کا شرف حاصل کیا ہے، بڑے بڑے گردن کشوں پر غالب آئے اور ان کے مملوکات پر تم قابض ہوئے، میں نے سنا ہے کہ تم لوگ قریش کی برائیاں بیان کرتے ہو حالانکہ اگر قریش نہ ہوتے تو تم لوگ ذلیل وخوار رہتے کیونکہ تمہارے آئمہ تمہاری سپر ہیں، پس اپنی سپر کو توڑنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ حقیقت ہے کہ تمہارے ائمہ تمہاری زیادتیوں کو برداشت کرتے ہیں اور تمہارے حقوق کا لحاظ رکھتے ہیں، بخدا! اگر تم ان سے منحرف ہو جاؤ گے تو تم کو اللہ تعالیٰ ضرور کسی بلا میں گرفتار کرے گا جس کو تم برداشت نہ کرسکو گے!

صعصعہ :-اے امیر آپ نے جو قریش کا ذکر کیا ہے تو سنیئے! وہ کسی زمانے میں باعتبار تعدادِ نفوس ہم سے زیادہ نہ تھے اور نہ جاہلیت میں ان کا کوئی قابلِ لحاظ درجہ تھا جس سے آپ ہم کو ڈراتے ہیں نیز آپ کا یہ کہنا۔تمہارے آئمہ تمہاری سپر ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ جب سپر ٹوٹ جائے گی تو ہم خود سینہ سپر ہو جائیں گے۔

معاویہ :-اب میں نے تم کو پہچانا اور سمجھ لیا کہ تمہاری کم عقلی نے تم کو مغرور کیا ہے، پھر صعصعہ سے مخاطب ہو کر بولے۔اے صعصعہ! تم ان کے خطیب اور پیشوا ہو، میں تم میں بھی عقل کا مادّہ زیادہ نہیں پاتا اور نہ تم میں اسلام کی محبت دیکھتا ہوں۔تم مجھے بتاؤ کہ تمہاری قوم کی شان کو کس نے بڑھایا ہے، یہ تم کو نہ معلوم ہوگا، لو میں تم کو بتاتا ہوں کہ اسلام و جاہلیت دونوں زمانوں میں قریش کی عزت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی اور ہے، نہ کثرت وقوت کے سبب سے، اللہ نے ان کو عزت وحرمت عنایت فرمائی تھی ان کو بامروت، صحیح النسب اور ذی شعور پیدا کیا ہے۔ان کو اپنے گھر کا مجاور اور اپنے حرم کا محافظ بنایا ہے، پس کیا تمہارے ملک اور قوم میں کوئی عربی، عجمی، سیاہ اور سرخ ایسا ہے جس کو اللہ نے یہ کرامتیں مرحمت

کی ہوں، جب عالم میں کفر و الحاد پھیلا تو اللہ نے قریش ہی میں سے ایک نبی مبعوث کیا جس نے کفر و بت پرستی کی سیاہی دور کر کے توحید کا چراغ روشن کیا، اللہ نے اس نبی کے لیے جو اصحاب منتخب فرمائے وہ بھی قریش ہی سے ہیں جن سے اسلام کی بِنا مضبوط ہوئی اور بعد رسول منصبِ خلافت سے۔

وہ سرفراز ہوئے اور بیشک وہ اسی کے لائق تھے تم لوگ بالکل بے عقل اور بے شعور ہو"۔

معاویہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ صعصعہ نے ان باتوں کا کوئی جواب دینا مناسب نہ سمجھا اور اپنے ہمراہیوں سمیت اٹھ کر چلے آئے۔ چند دن کے بعد معاویہ نے ان لوگوں کو پھر بلوایا اور کہا۔ "تم لوگ جہاں چاہو چلے جاؤ، تمہاری ذات سے اللہ تعالیٰ نہ کسی کو نفع پہنچائے گا نہ نقصان اور اگر تم نجات کے خواہاں ہو تو جماعت کو نہ چھوڑ دو اور کفرانِ نعمت سے باز آؤ! میں تمہاری بابت امیر المومنین عثمان کو لکھوں گا"، صعصعہ یہ سن کر خاموش ہو گئے اور معاویہ نے حضرت عثمان کو حسبِ ذیل خط لکھا۔

"اما بعد، میرے پاس چند لوگ آئے ہیں جن کو نہ عقل ہے نہ ان کو دین کا پاس ہے البتہ فتنہ و فساد اور اہلِ ذمہ کے مال نے ان کو رنج میں ڈال رکھا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ ان کو کسی بلا میں مبتلا کرنا چاہتا ہے، ان کا کام صرف فتنہ انگیزی ہے، ان سے نیکی کی امید کم ہے اور برائی کا اندیشہ زیادہ"۔

دوسری روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ معاویہ ان لوگوں کے پاس آئے اور کہا۔ "بخدا! میں تم کو کسی ایسی بات کا حکم نہیں دوں گا جس کو میں اپنے نفس اور اپنے اہلِ کے لیے پسند نہ کروں، قریش جانتے ہیں کہ ابوسفیان اپنے قبیلے میں سب

سے زیادہ کریم تھا سوائے اس چیز کے جو اللہ نے اپنے نبی کے لیے قرار دی اور اس نے ان کو برگزیدہ بنایا اور نبوت سے سرفراز کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر تمام بنی آدم ابوسفیان کی اولاد ہوتے تو سب کے سب دوراندیش اور عقل مند ہوتے''

صعصعہ نے جواب دیا۔''آپ غلط کہتے ہیں اس لیے کہ انسانوں کو اس نے پیدا کیا ہے، جو ابوسفیان سے بہتر تھا (آدم) جس کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح اس میں پھونکی اور فرشتوں کو اس کے سجدہ کا حکم دیا، پھر بھی ان میں نیک اور بد بیوقوف اور عقل مند سب قسم کے ہیں''۔

دوسرے دن پھر معاویہ آئے اور کہا۔

''اے لوگو! بھلائی کی طرف پلٹ جاؤ یا خاموش ہو جاؤ اور اپنے، اپنے اہل اور مسلمانوں کے فائدہ میں غور کرو''!صعصعہ نے کہا۔''آپ اس نصیحت کے اہل نہیں ہیں نیز اس میں کوئی برائی نہیں ہے کہ اللہ کی نافرمانی میں آپ کی اطاعت کی جائے''، معاویہ نے کہا۔''کیا میں نے پہلے ہی یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ میں تم کو اللہ سے ڈرتے رہنے اور اس کے نبی کی اطاعت کا حکم دوں گا اور یہ کہ تم سب مل کر اللہ کی رسی کو پکڑ لو اور تفرقہ اندازی نہ کرو''!اس کے جواب میں صعصعہ اور ان کے ساتھیوں نے یک زبان ہو کر کہا یہ''غلط ہے، آپ نے ان تمام چیزوں کے خلاف حکم دیا ہے جن کو رسولؐ لے کر آئے تھے''، معاویہ نے کہا۔''اگر میں نے ایسا کیا ہے تو اللہ سے اس کی توبہ کرتا ہوں اور اب تم کو اللہ سے ڈرتے رہنے اور اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت اور جماعت سے منسلک ہو جانے کا حکم دیتا ہوں نیز یہ کہ تم اپنے آئمہ کی عزت کرو اور احسن طریقے سے ان کی رہنمائی کرو''

صعصعہ بولے''ہم آپ کو یہ حکم دیتے ہیں کہ آپ اپنے اس عہدے (خلافت) سے دستبردار ہو جائیں اس لیے کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو آپ

سے زیادہ اس منصب کے حقدار ہیں، جن کے باپ آپ کے باپ سے زیادہ قدیم الاسلام ہیں اور خود بھی وہ آپ سے زیادہ اسلام میں خالص ہیں۔" معاویہ نے کہا۔ درست ہے"! میرا غیر ضرور مجھ سے زیادہ قدیم الاسلام ہے لیکن میرے زمانے میں کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں ہے جو مجھ سے زیادہ خلافت کا بار اٹھانے کی طاقت رکھتا ہو اگر ایسا ہوتا تو عمر بن الخطاب مجھ کو انتخاب نہ کرتے اس لیے مجھ کو یہ زیبا نہیں ہے کہ اپنے عہدے سے دست بردار ہو جاؤں اور امیر المومنین کی رائے میں یہ بات درست ہوتی تو ضرور مجھ کو لکھ بھیجتے اور میں اپنے عہدے سے الگ ہو جاتا پس اے صعصعہ! سوچو اور توقف کرو اس لیے کہ یہ باتیں شیطان کی طرف سے ہیں اور قسم میری زندگی کی اگر تم لوگوں کی رائے پر امور کا فیصلہ کیا جائے تو مسلمانوں کے لیے نہ کوئی دن فلاح پذیر ہو سکتا ہے نہ کوئی رات، پس بھلائی کی طرف پلٹو! مجھے یہ ڈر ہے کہ تم شیطان کے پیچھے پیچھے چل پڑو اور وہ تم کو جلد یا بدیر ذلت و رسوائی کے گڑھے میں گرا دے اس بات پر صعصعہ اور ان کے ساتھی معاویہ پر جھپٹ پڑے اور ان کے سر اور داڑھی کے بال پکڑ لیے۔ معاویہ ان لوگوں کی اس حرکت پر برہم ہو گئے اور کہا۔ "یہ کوفے کی سرزمین نہیں ہے، تم لوگوں نے جو عمل میرے ساتھ کیا ہے اگر شام والوں کو اس کا علم ہو جائے تو پھر وہ میرے قابو میں بھی نہ آسکیں گے اور تم کو قتل کر کے ہی دم ماریں گے"۔ یہ کہہ کر معاویہ ان کے پاس سے چلے آئے اور حضرت عثمان کو ان کی شکایت لکھ بھیجی۔ حضرت عثمان نے جواب دیا۔ "ان لوگوں کو سعید بن العاص کے پاس کوفہ بھیج دیا جائے" چنانچہ امیر معاویہ نے ایسا ہی کیا، کوفے پہنچ کر سعید بن العاص سے ان کے اختلافات بڑھے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، غرض کہ وہاں سے ان کو عبدالرحمن بن خالد کے پاس حمص روانہ کر دیا گیا۔ (تاریخ کامل ۳:۵۸۔۶۰)

عہدِ امیر المومنینؑ:

صعصعہ امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السّلام کے اُن مخلص اصحاب میں تھے جنھوں نے آخر وقت تک آپ کی حمایت سے منہ نہیں موڑا۔ امام جعفرِ صادق علیہ السّلام کا ان کے بارے میں ارشاد ہے۔

امیر المومنینؑ کے اصحاب میں بجز صعصعہ اور ان کے اصحاب کے کوئی ایسا نہ تھا جو آپ کے حق کو پہچانتا ہو۔ (رجال کشی، ص ۷ خلاصۃ الاقوال ص ۴۴)

صعصعہ کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ وہ جس طرح ایک بلند پایہ متکلم اور خطیب تھے اسی طرح ایک بہادر اور جنگ آزما سپاہی بھی تھے، چنانچہ ایک موقعے پر جب مغیرہ بن شعبہ نے ان کو خطیب ہونے کا طعنہ دیا ہے تو صعصعہ نے بگڑ کر کہا۔

واللہ میں ایک نہایت سخت اور زبردست خطیب ہوں، خدا کی قسم! اگر آپ جنگِ جمل کے دن موجود ہوتے جبکہ نیزے آپس میں ٹکرا رہے تھے اور آنکھیں چھیدی جا رہی تھیں اور سر تن سے جدا ہو رہے تھے تو آپ کو علم ہو جاتا کہ میں ایک بہادر اور شیر دل انسان ہوں"۔ (تاریخِ کامل ۳:۱۸۶)

چنانچہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ صعصعہ قریب قریب ہر جنگ میں امیر المومنینؑ کے ہمراہ رہے۔ اگرچہ تاریخ نے ان کے جنگی کارناموں پر روشنی نہیں ڈالی پھر بھی جس حد تک واقعات ملتے ہیں اُن سے ان کی بہادری کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔

سب سے پہلی جنگ جو امیر المومنینؑ کے عہدِ خلافت میں ہوئی وہ جنگِ جمل ہے، اس میں صعصعہ شروع سے آخر تک ملتے ہیں۔ ابنِ سعد کا بیان ہے، صعصعہ اور ان کے دونوں بھائی زید اور صیحان جنگِ جمل میں موجود تھے، اس میں علم

جنگ صیحان کے ہاتھوں میں تھا، ان کے شہید ہو جانے کے بعد ان کے بھائی زید نے علم سنبھالا جب وہ بھی شہید ہو گئے تو پھر صعصعہ نے علم لیا۔

(طبقات ابن سعد ۶: ۱۵۴)

طبری کے بیان کے مطابق اس جنگ میں وہ زخمی بھی ہوئے (طبری ۵: ۳۴۲)

اس موقعے پر کتبِ تواریخ میں ان کا حسبِ ذیل ایک خطبہ بھی ملتا ہے۔

اے امیر المومنینؑ! جس روز طلحہ اور زبیر آپ کے مقابلے پر آئے ہیں اس دن ہم سب سے پہلے آپ کی طرف آئے ہیں پس حکیم (بن جبلہ) نے ہم کو آپ کے گورنر عثمان بن حنیف کی مدد کی طرف بلایا، ہم نے اس کو قبول کیا، اس نے آپ کے دشمن سے جنگ کی یہاں تک کہ بنی عبدِ قیس کی ایک قوم پر اس میں مصیبت آئی، انھوں نے اللہ کی عبادت کی یہاں تک کہ ان کی ہتھیلیاں اونٹ کی ہتھیلیوں کی مانند اور اُن کی پیشانیاں اونٹ کے گھٹنوں کی طرح ہوگئی تھیں پس زندوں کو قتل کیا گیا اور مقتولین کے لباس اتارے گئے، پس ہم پہلے مقتول اور اسیر تھے، اس کے بعد آپ نے ہماری ابتلا کا منظر صفین میں بھی ملاحظہ فرمایا جبکہ بصیرتیں کند ہوگئی تھیں اور حق صحیح و سالم رہا اور آپ اس کے ذریعہ سے اپنی حاجت کو پہنچ گئے، اب جو کچھ اللہ آپ کو دکھائے اس کا آپ ہمیں حکم دیں۔

(کتاب الامامۃ والسیاست ۱: ۸۹)

اس کے بعد جنگِ صفین میں اس موقع پر ملتے ہیں، جب امیر معاویہ نے جناب امیر کی فوج پر پانی بند کیا ہے تو اس وقت امیر المومنینؑ نے صعصعہ ہی کو امیر معاویہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا ہے۔ ''ہم تمہاری طرف جنگ کے ارادے سے نہیں آئے تھے اس لیے کہ جب تک تمہارے عذرات کو سن کر اُن کا معقول جواب نہ دے دیں، ہم ہرگز جنگ کو روا نہیں رکھتے، اس کی ابتدا

تمہاری ہی طرف سے ہوئی ہے کہ تمہارے سواروں نے تم سے پہلے پہنچ کر ہمارے لشکر سے جنگ چھیڑ دی، ہم کو تمہارے ساتھ لڑنے سے پہلے بھی گریز تھا اور اب بھی ہے تاوقتیکہ تم کو راہِ حق کی دعوت نہ دے دیں اور اتمامِ حجت نہ کرلیں۔ تمہاری طرف سے دوسری زیادتی یہ ہوئی کہ تم نے ہم پر پانی بند کر دیا"۔

صعصعہ جب یہ پیغام لے کر پہنچے تو معاویہ نے اپنے اصحاب سے رائے لی۔ ولید بن عقبہ اور عبداللہ بن سعد نے کہا کہ پانی ہرگز نہ کھولا جائے اور جس طرح عثمان پر پانی بند ہوا تھا اسی طرح ان پر بھی پانی بند رکھا جائے۔ یہی رائے عمرو بن العاص کی تھی اسی سلسلے میں ولید بن عقبہ نے کچھ ناروا کلمات بھی کہے جس پر صعصعہ کو غصہ آ گیا اور بگڑ کر کہا۔

"انّما لمنعه الله عزّوجل یوم القیامة الکفرة الفسقة وشربة الخمر ضربك وضرب هذا الفاسق یعنی الولید بن عقبه"۔

صعصعہ کے ان کلمات پر لوگ ان پر سمٹ آئے اور سب و شتم کرنے لگے لیکن معاویہ نے ان کو روک دیا اور کہا "فانهٔ رسول"۔ (طبری ۵:۲۴۲)

جنگِ صفّین کے بعد نہروان میں بھی صعصعہ کی موجودگی ملتی ہے اس کا ایک واقعہ مسعودی نے مروج الذّہب میں اس طرح نقل کیا ہے:-

قبیلہ ازد کے ایک شخص کا بیان ہے نہروان کے دن میں نے ابوایوب انصاری کو دیکھا کہ انھوں نے عبداللہ بن وہب ناسبی کے شانے پر تلوار کا ایک ہاتھ مارا جس سے اس کا ہاتھ کٹ کر گر گیا اور کہا۔ "بُوبها الی النّار یا مارق" "اے مارق اس کو دوزخ میں ڈال دے" عبداللہ نے کہا! "عنقریب تم جان لوگے کہ ہم دونوں میں کون جہنم میں تپائے جانے کا مستحق ہے" ابوایوب نے جواب دیا۔ "تیرے باپ کی قسم! میں خوب جانتا ہوں"۔ اتنے میں صعصعہ بھی آ پہنچے اور ابو

ایوب کی طرف سے اس طرح جواب دیا:-

(جہنم میں تپائے جانے کا زیادہ مستحق وہ ہے جو اندھا ہو کر دنیا میں گمراہ ہو جائے اور آخرت کی طرف شقی ہو جائے، اللہ تجھ کو دور کرے، قسم بخدا! میں نے کل ہی تجھ کو اس لڑائی سے ڈرایا تھا لیکن تو نے انکار کیا اور اس کے برخلاف تو اپنے پچھلے پاؤں پلٹ گیا، پس اے دین سے نکل جانے والے اپنے بُرے اعمال کا مزہ چکھ)۔

یہ کہہ کر ابوایوب کے ہمراہ کئی ہاتھ تلوار کے لگائے جس سے وہ زمین پر گر گیا۔ صعصعہ اور ابوایوب دونوں نے اس کا سر کاٹا اور اس کو لے کر امیر المومنینؑ کی خدمت میں آئے، آپ نے اس کے سر کو دیکھ کر فرمایا۔ هٰذا رأس الفاسقِ الناکث المارق عبداللہ بن وھب (مروج الذہب ۲:۶۵)

صعصعہ دربارِ معاویہ میں:

امیر المومنینؑ جب جنگِ جمل سے واپس ہوئے تو صعصعہ اپنے چند اصحاب کو ہمراہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امیر المومنینؑ اس وقت معاویہ کی طرف سے سخت پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح معاملات سلجھ جائیں۔ صعصعہ اور ان کے اصحاب کو دیکھ کر فرمایا۔ ''آپ لوگ میرے نزدیک سردارانِ عرب اور میرے رؤساء اصحاب میں ہیں، مجھ کو اس غلام مترف معاویہ کے باب میں مشورہ دو'' وہ لوگ یہ سن کر سوچ میں پڑ گئے، کچھ دیر بعد صعصعہ نے کہا۔ ''اے امیر المومنین! معاویہ خواہشاتِ نفسانی کا بندہ ہے، دنیا اس پر چھا گئی ہے، لوگوں کا قتل کرنا اس پر آسان ہو گیا ہے، اس نے اپنی آخرت کو دنیا کے عوض میں بیچ دیا ہے، پس اگر آپ اس کے باب میں میری رائے پر عمل کریں تو انشاء اللہ معاملات درست ہو جائیں گے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے کسی قابلِ اعتماد

اور باوجاہت شخص کو ایک خط دے کر اس کے پاس بھیجیں جس میں اس کو بیعت کی طرف بلایا جائے، پس اگر وہ اس کو قبول کر لے اور اپنی باغیانہ روش سے باز آجائے تو خیر" ورنہ پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیے اور مشیت کے فیصلے کے منتظر رہیے"۔ امیر المومنینؑ نے یہ سن کر جواب دیا "بات تو ٹھیک ہے لیکن اس کام کے لیے تم سے زیادہ کوئی موزوں نہیں ہے، تم اپنے ہی ہاتھ سے ایک خط لکھو اور اس کو لے کر معاویہ کے پاس روانہ ہو جاؤ خط کی ابتدا میں کچھ ڈرانے دھمکانے کا بھی مضمون ہو اور ابتدا اس طرح ہو"۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، من عبداللہ امیر المومنین الی معاویہ سلام علیک، اما بعد۔

"اس کے بعد جو کچھ تم نے بیان کیا ہے وہی سب کچھ لکھ دو"! غرض کہ صعصعہ یہ خط لے کر دمشق روانہ ہو گئے۔ معاویہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ صعصعہ امیر المومنینؑ کا خط لے کر آئے ہیں تو کہنے لگے، "مجھ کو پہلے بھی ان کے بارے میں معلومات ہو چکی ہیں یہ شخص علی کے تیروں میں سے ایک تیر ہے اور خطبا عرب میں سے ایک خطیب، میں خود ہی ان سے ملاقات کا شائق تھا"۔ غرض کہ صعصعہ اندر داخل ہوئے اور یا ابن ابی سفیان کہہ کر سلام کیا ساتھ ہی امیر المومنینؑ کا وہ خط پیش کیا، معاویہ نے اس خط کو دیکھ کر کہا۔ "اگر سُفرا کو عہدِ جاہلیت یا اسلام میں قتل کرنے کا دستور ہوتا تو میں ضرور تم کو قتل کر دیتا، اس کے بعد معاویہ نے ان سے اس طرح گفتگو شروع کی۔

معاویہ :- تم کس قبیلے سے ہو؟

صعصعہ :- نزار سے۔

معاویہ :- نزار کی ذرا تعریف کرو۔

صعصعہ :- جب وہ لڑتا تھا تو مقابل کو گرا دیتا تھا اور جب کوئی اس کے سامنے آتا تھا تو پھاڑ لیتا تھا اور جب پلٹتا تھا تو لوٹتا ہوا۔

معاویہ :- اچھا پھر تم نزار کی کس اولاد سے ہو؟

صعصعہ :- ربیعہ سے۔

معاویہ :- ربیعہ کی بھی کچھ تعریف کرو۔

صعصعہ :- اس کی تلوار کی حمائل لمبی تھی اور زمین کے مختلف حصوں کو تسخیر کرتا تھا۔

معاویہ :- تم اس کی کس اولاد سے ہو؟

صعصعہ :- جدیلہ سے

معاویہ :- جدیلہ کی تعریف کیا ہے؟

صعصعہ :- وہ جنگ میں کاٹنے والی تلوار تھا اور بخشش کے وقت نفع پہنچانے والا امیر اور مقابلے کے وقت شعلۂ جوالہ۔

معاویہ :- تم اس کی کس اولاد سے ہو؟

صعصعہ :- عبدالقیس سے۔

معاویہ :- عبدالقیس کی کیا تعریف ہے؟

صعصعہ :- وہ نہایت شریف، کثیر الخیر اور بھوکوں کو کھانا کھلانے والا تھا، وہ ہر موجود چیز کو اپنے مہمان کو بخش دیتا تھا اور جو چیز موجود نہ ہو اس کا سوال نہیں کرتا تھا۔ اس کا وجود لوگوں کے لیے ایسا تھا جیسے آسمان کے بادل۔

معاویہ :- واہ ابن صوحان! تم نے قریش کے اس خاندان کے لیے کیا فخر اور مکرمت باقی رکھی۔

صعصعہ :- ہاں! قسم بخدا اے ابوسفیان کے بیٹے میں نے ان کے لیے وہ سب کچھ چھوڑ دیا ہے جو سوائے ان کے کسی دوسرے کے لیے نہیں ہے، ان کے

لیے میں نے سفید و سرخ، تخت اور منبر اور ملک قیامت تک کے لیے چھوڑ دیا ہے اور ایسا کیوں کر نہ ہو اس لیے کہ وہ زمین میں اللہ کا نور ہیں اور آسمان میں اس کے ستارے۔

معاویہ یہ سن کر خوش ہوئے اور یہ خیال کیا کہ صعصعہ کی یہ گفتگو پورے قریش کے بارے میں ہے کہنے لگے۔ ''اے صوحان کے بیٹے! تم نے سچ کیا، بیشک ایسا ہی ہے''، صعصعہ ان کی بات کو پہچان گئے کہنے لگے۔ ''ان اوصاف میں آپ کا اور آپ کی قوم کا کوئی حصہ نہیں ہے، آپ لوگ اس سے بہت دُور ہیں''، معاویہ نے کہا۔ اے صوحان کے بیٹے! تم پر ویل ہو، یہ کس طرح ہوسکتا ہے؟ صعصعہ نے جواب دیا۔ ویل اہل دوزخ کے لیے ہو، یہ تمام مکارم بنی ہاشم کے لیے ہیں، معاویہ نے یہ سن کر صعصعہ کو اپنے پاس سے اٹھا دیا لیکن دل میں قائل ہو گئے، چنانچہ ان کے اُٹھ جانے کے بعد اپنے مصاحبین سے مخاطب ہو کر بولے "ھکذا فلیکن الرجال" مرد ایسے ہوتے ہیں۔

اس واقعے کو مسعودی نے مروج الذہب (۶۱:۲) میں اور ابو علی القالی نے اپنی امالی (۲۴۰:۲) میں اور ابو العباس القلقشندی نے صبح الاعشیٰ (۲۵۴:۱) میں باختلافِ الفاظ نقل کیا ہے۔

صعصعہ کا خط عقیل بن ابی طالب کے نام:

مسعودی لکھتا ہے عقیل جس وقت معاویہ کے پاس آئے تو معاویہ نے ان سے کہا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ اصحابِ علیؑ کے بارے میں تم سے کچھ پوچھوں اس لیے کہ تم ان کو اچھی طرح جانتے ہو''، عقیل نے جواب دیا۔ '' آپ جو چاہیں دریافت کر سکتے ہیں''۔ معاویہ نے کہا ''اچھا اصحابِ علیؑ کے بارے میں مجھے کچھ بتاؤ اور آلِ صوحان سے ابتدا کرو اس لیے کہ وہ تقریر و بیان کے بادشاہ ہیں''۔ عقیل نے صعصعہ سے ابتدا کی اور کہا ''لیکن صعصعہ، وہ صاحبِ عظمت، تیز

زبان، بہترین قائد اور شہسوار، اپنے مقابل اور حریف کو قتل کرنے والے، ٹوٹے ہوئے کہ جوڑنے والے اور سالم کو توڑنے والے، ان کا مثل بہت کم ہے لیکن زید اور عبداللہ وہ دونوں دو بہنے والی نہریں ہیں جن میں دوسری نہریں آ کر گرتی ہیں جن کی طغیانی سے شہر کے شہر فریاد کناں ہیں لیکن بنوصوحان، پس وہ ایسے ہیں جیسے کسی شاعر نے کہا ہے'':-

اذنزل العدوّ فانّ عندی

اسود اتخلس الاسد النفوسآ

ترجمہ:-(جب دشمن میدان میں اترے تو میرے پاس ایسے شیر ہیں جن کی ہیبت سے شیروں کے سانس اکھڑ جاتے ہیں)

عقیل کی یہ گفتگو جب صعصعہ کے کانوں تک پہنچی تو انھوں نے ان کو حسبِ ذیل خط تحریر کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم! اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے اور کشائش چاہنے والے اسی سے کشائش چاہتے ہیں اور آپ لوگ دنیا اور آخرت کی کنجیاں ہیں، بعد ازاں:

آپ کے آقا (علی ابن ابی طالب) کو دشمنِ خدا معاویہ سے آپ کی گفتگو کی خبر پہنچ گئی ہے، میں نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا اور اس سے دعا مانگی کہ وہ تم کو بلند درجے اور سرخ شاخ اور سیاہ عمود تک پہنچائے کیونکہ وہ ایسا عمود ہے کہ جس نے اس سے مفارقت کی تو گویا اللہ کے روشن دین سے مفارقت کی، پس اگر آپ نے اپنے کو معاویہ کے پاس طلبِ مال کی غرض سے پہنچایا ہے تو آپ کو اس کے تمام خصائل اور بد باطنی کا علم ہے، پس ڈرو! ایسا نہ ہو کہ اس کا شعلہ آپ کو اپنی لپیٹ میں لے لے اور سیدھے راستے سے وہ آپ کو بھٹکا دے، یقیناً اللہ نے آپ اہل

بیت سے ان تمام چیزوں کو اٹھا دیا ہے جو آپ کے غیر میں رکھ دی ہیں، پس اللہ کا جو کچھ بھی فضل واحسان ہے وہ تمہارے ہی ذریعے سے ہم تک پہنچا ہے، یقیناً اللہ نے آپ کے مراتب کو بلند کیا ہے اور آپ کے آثار کو لکھ لیا ہے، بیشک آپ کے مراتب پسندیدہ ہیں اور آثار روشن ہیں اور آپ لوگ مخلوق کے لیے اللہ تک پہنچنے کا زینہ ہیں اور اس کے راستوں کی طرف اس کا وسیلہ، آپ بلند ہاتھ اور روشن چہرے ہیں اور آپ ایسے ہیں جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔

فما کان من خیراتوہ فانّما

توارثہ اٰباء اٰبائھم قبل

وھل ینبت الخطیّ الا وشیجہ

وتعزس الاّ فی منابتھا النحل

(مرج الذہب ۲:۱۶)

جس خیر کو وہ لائے ہیں، بیشک ان کے باپ دادا ان سے قبل ورثے میں لا چکے ہیں یقیناً نیزے اپنے پیڑ ہی میں پیدا ہوتے ہیں اور نخل اپنے اُگنے کی جگہ پر ہی اُگتے ہیں۔

صعصعہ اور معاویہ:-

صعصعہ معاویہ کے سخت ترین دشمنوں میں تھے، وہ تلوار سے تو ان کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے لیکن زبان سے انھوں نے زندگی بھر مقابلہ کیا اور کسی وقت حق بات کہنے سے نہیں جھجکے جیسا کہ اکثر موقعوں پر معاویہ کو یہ کہہ کر اعترافِ شکست کرنا پڑا ہے۔"واللہ ان کنتُ لا بغض ان اراك خطیبا"(قسم بخدا! مجھ کو یہ امر نہایت شاق ہے کہ تم کو خطیب کی حیثیت میں دیکھوں) جس کا جواب صعصعہ کے پاس یہ تھا"واللہ ان کنت لا بغض ان اراك امیرا"

(واللہ! مجھ کو یہ بات شاق ہے کہ تم کو مسند امارت پر دیکھوں) چنانچہ مختلف موقعوں پر ان سے اور معاویہ سے جو گفتگو ہوئیں ہیں وہ تاریخ و ادب کا ایک اہم باب ہیں۔ ذیل میں ناظرین کی دلچسپی کے لیے چند صحبتیں پیش کرتا ہوں۔

ا۔ ایک مرتبہ معاویہ نے صعصعہ، عبداللہ بن کواء اور امیر المومنین کے کچھ دیگر اصحاب کو گرفتار کر لیا، حالتِ قید میں ایک دن معاویہ ان لوگوں کے پاس آئے اور کہا۔ ''میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم نے مجھ کو کیسا خلیفہ پایا، خبردار صحیح صحیح بتانا''، ابن الکواء نے کہا۔ ''اگر تو نے ہمارے خلاف ارادہ نہ کر لیا ہوتا تو ہم کبھی اپنی رائے ظاہر نہ کرتے کیونکہ تو ایک سرکش جبّار ہے، نیک لوگوں کے قتل کرنے میں تجھ کو تامل نہیں ہوتا لیکن اب ہم یہ کہتے ہیں کہ تو وہ ہے جس کی دنیا وسیع ہے اور آخرت تنگ ہے، قہر قریب اور جائے پناہ دور ہے، تو تاریکیوں کو نور بناتا ہے اور نور کو تاریکی''، معاویہ نے کہا! ''لیکن اللہ نے امرِ حکومت سے اہلِ شام کو عزت دی ہے جو اس کے ناموس کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اس کے محارم کو ترک کرنے والے نیز وہ اہلِ عراق کی طرح نہیں ہیں جو اللہ کے محارم کی ہتکِ حرمت کرتے ہیں اور جس چیز کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو حلال اور جس کو حلال کیا ہے اس کو حرام کرتے ہیں'' عبداللہ بن الکواء نے جواب دیا۔ ''اے ابوسفیان کے بیٹے! جواب ہر بات کا ہوا کرتا ہے، ہم کو صرف تیرے جبروت کا خوف ہے، اگر ہماری زبان آزاد ہوتی اور اس پر تیرے خوف اقتدار کا پہرہ نہ ہوتا تو ہم ایسی تیز زبانوں سے ان کی مدافعت کرتے جن کو اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کا خوف دامن گیر نہیں ہوتا درصورتِ دیگر ہم صبر کرتے ہیں جب تک اللہ کا حکم ہو اور وہ ہم کو کشائش عطا کرے'' معاویہ نے کہا! ''بخدا! تمہاری زبانوں کو آزادی نہیں دی جا سکتی''۔ اس کے بعد صعصعہ سے مخاطب

ہوئے، صعصعہ نے کہا۔ ''اے ابوسفیان کے بیٹے! تو نے بات کی اور جو کچھ تو جانتا تھا اس میں کسر نہیں کی، سچ تو یہ ہے کہ جیسا تو نے بیان کیا امرِ واقعہ یہ ہے۔ بھلا وہ شخص خلیفہ کس طرح ہوسکتا ہے جو جبر و قہر کے ذریعے لوگوں کا حاکم بن جائے اور اپنی بڑائی دکھا کر ان کو مطیع بنالے اور اسبابِ باطلہ، جھوٹ اور مکر کے بل پر ان پر مستولی ہوجائے، قسم بخدا! بدر کے دن نہ تو نے کوئی تلوار کا ہاتھ چلایا نہ کوئی تیر مارا اور اس میں تو بالکل الگ رہا، یقیناً تو اور تیرا عیر اور نفیر میں تھا، ان لوگوں میں جنھوں نے رسولؐ اللہ کے خلاف نفع اندوزی کی تھی اور تو یقیناً طلیق ہے اور طلیق کا بیٹا ہے، رسولؐ اللہ نے تم دونوں کو آزاد کردیا تھا، بھلا طلقاء کس طرح خلافت کے سزاوار ہوسکتے ہیں'' معاویہ نے صعصعہ کا یہ کلام سن کر کہا۔ ''اگر میں ابوطالب کے اس شعر کی طرف رجوع نہ کرتا ضرور تجھ کو قتل کرادیتا''، اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

قابلتُ جهلهم حلماً و مغفرة

والعفو عن قدرةٍ ضرب من الكرم

(میں نے ان کی جہالت کا جواب حلم اور بخشش سے دیا اور قدرت حاصل ہونے کے باوجود معاف کردینا ہی کرم ہے)

۲۔ ایک مرتبہ صعصعہ امیر المومنینؑ کا ایک خط لے کر معاویہ کے پاس آئے، معاویہ نے ان سے کہا۔ ''اے صوحان کے بیٹے! تم عرب اور ان کے حالات پر بصیرت رکھتے ہو، ذرا اہلِ بصرہ کے بارے میں کچھ بیان کرو، لیکن عصبیّت سے کام نہ لینا''، صعصعہ نے کہا۔ ''اہلِ بصرہ عرب کا واسطہ اور بزرگی و سرداری کا نقطۂ انتہا ہیں وہ اوّل دہر اور آخرِ دہر میں مشکل امور کو حل کرنے والے ہیں، ان پر عرب کی سیادت اسی طرح چکر لگاتی ہے جس طرح چکّی کیلی پر گھومتی ہے''

معاویہ نے کہا۔ اچھا اہلِ کوفہ کے بارے میں بیان کرو! ''صعصعہ نے کہا یہ لوگ اسلام کی بنیاد اور کلام و بیان کا مقام بلند ہیں اور با وجاہت اشخاص کی جائے پناہ، لیکن اتنی سی بات ہے کہ ان میں بے وقوف لوگ ہیں جو ذوی الامر کو اطاعت سے روکتے ہیں اور ان کو جماعت سے نکالتے ہیں''۔

اس کے بعد معاویہ نے اہلِ حجاز کے بارے میں پوچھا:-

صعصعہ نے کہا۔ ''اہلِ حجاز فتنے کی طرف بہت تیزی سے بڑھنے والے ہیں اور فتنے سے نکلنے میں بہت سست لیکن دین میں وہ ثابت قدم ہیں اور یقین کی رسّی سے متمسک ہیں، وہ ائمۂ ابرار کا اتباع کرتے اور فاسق و فاجر لوگوں کی اطاعت کا قلاوہ نکال کر پھینک دیتے ہیں''، معاویہ نے یہ سن کر کہا۔ ''ابرار اور فساق سے تمہاری مراد کون ہیں''؟ صعصعہ نے کہا۔ ''علی اور ان کے اصحاب ائمۂ ابرار ہیں اور تُو اور تیرے ساتھی فُسّاق ہیں''۔ اس کے بعد معاویہ نے چاہا کہ مزید صعصعہ کے خیالات کا جائزہ لیں، اگر چہ اس گفتگو سے ان میں ہیجان و غصہ پیدا ہو چلا تھا، کہنے لگے۔ ''اچھا قبۂ الحمراء جو مضر کے شہر میں ہے۔ کے بارے میں مجھے کچھ بتاؤ۔ صعصعہ نے کہا۔ مضر کے شیر دو مرطوب وادیوں کے درمیان بہادر ہیں، جب ان کو آزاد کر دیا جاتا ہے تو پھاڑ کھاتے ہیں اور جب چھوڑ دیا جاتا ہے تو چھپ کر شکار کرتے ہیں'' معاویہ نے کہا۔ یہاں ایسی ٹھوس عزت ہے جس کو اپنی جگہ سے ہٹایا نہیں جا سکتا، کیا اس کے مثل تمہاری قوم میں بھی ہے؟ صعصعہ نے جواب دیا۔ یہ اس کے اہل کے لیے ہے نہ کہ تیرے لیے اور جو شخص کسی قوم کو محبوب رکھتا ہے اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کے بعد معاویہ نے ربیعہ و مضر کے بارے میں دریافت کیا صعصعہ نے اس کا بھی اسی طرح جواب دیا، اب معاویہ خاموش ہو گئے۔ صعصعہ نے ابھی تک دل کی بات نہیں کہی تھی جس کے

لیے وہ بے چین تھے، اس لیے معاویہ سے کہا۔ "ابھی کچھ اور پوچھیے ورنہ جو چیز آپ سے چھوٹ گئی ہے میں خود اس کو بیان کیے دیتا ہوں" معاویہ نے کہا۔ "وہ کیا"؟ کہا، "اہلِ شام"! معاویہ نے کہا اچھا پھر ان کے بارے میں بھی بیان کرو، صعصعہ نے کہا۔

(اہلِ شام) مخلوق کی سب سے زیادہ اطاعت کرنے والے اور اسی قدر خالق کی نافرمانی کرنے والے ہیں۔ وہ گناہگار، جبّار، کمینوں کے جانشین ہیں، ان پر ہلاکت ہو اور ان کے لیے برا ٹھکانہ ہو (مروج الذہب ۲: ۶۲)

صعصعہ کی حاضر جوابی:

علّامہ ابنِ عبدربہ الاندلسی لکھتے ہیں۔ فاما احضر النّاس جواباً فصعصعه بن صوحان" صعصعہ بن صوحان لوگوں میں سب سے زیادہ حاضر جواب تھے، ذیل میں ان کی حاضر جوابی کی چند نقلیں ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں۔

(۱)

ایک مرتبہ صعصعہ معاویہ کے پاس آئے، اس وقت عمرو العاص بھی ان کے قریب تخت پر بیٹھے ہوئے تھے، معاویہ نے صعصعہ کو دیکھ کر کہا۔ "اس ترابیہ کو بھی اس تخت پر جگہ دو"، صعصعہ نے جواب دیا۔ "بخدا! میں ترابی ہی ہوں، اسی سے پیدا ہوا ہوں اور اسی کی طرف پلٹ جاؤں گا اور اسی سے اٹھایا جاؤں گا" لیکن آپ یقیناً جہنم کا ایک شعلہ ہیں۔ (عقد الفرید ۳: ۲۱۶)

(۲)

ایک مرتبہ صعصعہ اہلِ عراق کے ایک وفد کے ہمراہ معاویہ کے پاس آئے، معاویہ نے ان کا خیر مقدم کیا اور کہا۔ "تم کو مبارک ہو اے اہلِ عراق! تم اللہ کی مقدس سرزمین میں آئے ہو اسی سے اٹھو گے اور اسی کی طرف جمع کر کے لائے جاؤ گے، تم بہترین امیر کے پاس آئے ہو جو تمہارے بڑوں کے ساتھ حسنِ

سلوک کرتا ہے اور چھوٹوں کے ساتھ رحم سے پیش آتا ہے اور اگر تمام آدمی ابوسفیان کی اولاد ہوتے تو ضرور بُردبار اور عقل مند ہوتے''۔لوگوں نے صعصعہ کی طرف دیکھا (جواب دینے پر اکسایا) صعصعہ ایسے موقع پر کہاں چوکنے والے تھے فوراً کہا۔

''اے معاویہ! تمہارا یہ کہنا کہ ہم پاک زمین میں آئے ہیں پس قسم میری زندگی کی،کوئی سرزمین لوگوں کے لیے پاک نہیں ہے، پاکی صرف اعمال کی ہے نیز تمہارا دوسرا قول کہ اسی سے نشر کیے جائیں گے اور اسی کی طرف جمع کئے جائیں گے، یہ بھی غلط ہے، قسم میری جان کی، مومن کو نہ اس کی نزدیکی کوئی نفع پہنچا سکتی ہے نہ اس کی دوری۔ رہا تمہارا تیسرا قول کہ اگر تمام انسان ابوسفیان کی اولاد ہوتے تو حلیم اور عقل مند ہوتے، یہ بھی غلط ہے اس لیے کہ وہ اس کی اولاد ہیں جو ابوسفیان سے بہتر تھا (حضرتِ آدمؑ) پس ان میں حلیم بھی ہیں، کمینے بھی، جاہل بھی اور عالم بھی (عقد الفرید ۳:۳۱۶)

(۳)

ابراہم بن عقیل بصری کا بیان ہے، ایک مرتبہ صعصعہ امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کا ایک خط لے کر معاویہ کے پاس آئے، اس وقت ان کے پاس اور بھی کچھ باوجاہت اصحاب بیٹھے ہوئے تھے، معاویہ نے ان کو دیکھ کر کہا۔

(زمین اللہ کے لیے ہے اور میں اس کا خلیفہ ہوں، پس جو کچھ میں اللہ کے مال میں سے لوں وہ میرا ہے اور جو کچھ اس میں سے چھوڑوں تو یہ میرے لیے جائز ہے)۔

صعصعہ قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے، جواب دیا: **تمنیك نفسك مالا یكون جهلا معاوی لاتأثم** ''اے معاویہ تو نے اپنے نفس کے لیے

اس چیز کی تمنا کی ہے جو جہالت کا مقتضا ہے" معاویہ نے کہا۔ "اے صعصعہ! تم نے بولنا تو خوب سیکھا ہے" صعصعہ نے جواب دیا۔ "علم سیکھنے ہی سے آتا ہے اور جس میں علم نہ ہو وہ جاہل ہے"۔ معاویہ نے کہا۔ "مجھ کو کیا امر مانع ہے کہ تم کو تمہاری گستاخی کی سزا دوں"، جواب دیا۔ "یہ امر تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے، یہ اس ذات کے قبضے میں ہے کہ جب کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ایک ساعت کے لیے اس کو نہیں ٹال سکتے"، معاویہ نے پھر کہا۔ "میرے اور تمہارے درمیان کون حائل ہے"؟ جواب دیا:

الذی یحول بین المرء و قلبہ "وہ ذات جو انسان اور اس کے قلب کے درمیان میں حائل ہے"۔ معاویہ یہ کہنے لگے۔ "تمہارا پیٹ کلام کے لیے اتنا ہی وسیع ہے جتنا اونٹ کا پیٹ جو کے لیے" صعصعہ نے کہا "نہیں بلکہ اس شخص کے پیٹ کی طرح جو کبھی سیر ہی نہیں ہوتا" (مروج الذہب ۲:۶۲)

(۴)

ایک مرتبہ قریش کے علما اور ربیعہ کے خطیب لوگ اور یمن کے کچھ سردار معاویہ کے دربار میں آئے، معاویہ ان کو دیکھ کر مسجدِ دمشق کے منبر پر گئے اور اس طرح خطبہ پڑھنا شروع کیا!

بیشک اللہ نے اپنے خلفا کو عزت دی ہے اور ان کے لیے جنّت کو واجب کیا اور دوزخ سے ان کو نکالا پھر مجھ کو ان ہی میں سے قرار دیا اور اہلِ شام کے حامیوں کو حرمِ الٰہی سے مدافعت کرنے والا، اللہ کی فتح سے مونداور اللہ کے دشمنوں پر فتح پانے والا بنایا۔

راوی کا بیان ہے کہ احنف بن قیس اور صعصعہ بن صوحان اس وقت مسجد میں

موجود تھے، انھوں نے معاویہ کا یہ گمراہ کن کلام سنا تو احنف نے صعصعہ سے کہا۔ تم اس کا جواب دیتے ہو یا میں کھڑا ہو جاؤں''، صعصعہ نے کہا۔ ''تم بیٹھو میں ہی جواب دے لیتا ہوں'' چنانچہ صعصعہ کھڑے ہو گئے اور کہا۔

''اے ابوسفیان کے بیٹے! تو نے کلام کیا اور جو کچھ تو کہنا چاہتا تھا اس میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی لیکن تیرا یہ کلام کیونکر صحیح ہو سکتا ہے حالانکہ تو نے زبردستی ہم پر غلبہ کیا اور جبر و قہر کے ذریعے ہمارا حاکم بنا اور اسبابِ فضل کے ذریعے تو ہم پر مستولی ہوا، پس تیرا اہلِ شام کو سراہنا کہاں تک درست ہے، حالانکہ میں نے ان سے زیادہ بندۂ مخلوق اور خالق کا نافرمان کسی کو نہیں دیکھا، یہ وہ قوم ہے جس نے حال کے عوض میں تیرے ہاتھ اپنا دین اور اپنے جسم بیچ دیے ہیں۔ پس اگر تو ان کو دیتا رہے گا تو تیری حمایت کریں گے اور اگر روک لے گا تو بیٹھ رہیں گے اور تجھ سے پھر جائیں گے'' (امالی شیخ الطائفہ صفحہ ۳)

(۵)

ایک مرتبہ معاویہ نے صعصعہ سے سوال کیا۔ ''کون سا گھوڑا سب سے بہتر ہوتا ہے''؟ کہا: الطویل الثلاث، القصیر الثّلاث، العریض الثّلاث، الصافی الثلاث۔

''وہ گھوڑا جس کی تین چیزیں لمبی، تین چھوٹی، تین چوڑی اور تین صاف ہوں''۔ معاویہ نے کہا۔ ''ذرا اس کو واضح کرو''، صعصعہ نے کہا۔ سنو! تین لمبی چیزیں، کان، گردن اور ناک ہیں اور تین چھوٹی چیزیں وہ پُشت، دُم کی ہڈی اور عضوِ تناسل ہیں اور تین چوڑی پیشانی، نتھنے اور سرین ہیں اور تین صاف چیزیں

چمڑا، آنکھیں اور گھر ہیں!۔ (عقد الفرید ۱:۱۱۹)

(۶)

ایک مرتبہ معاویہ نے ان سے پوچھا۔: اَیُّ النّساءِ اشھی الیك، "کون سی عورت تم کو سب سے زیادہ اچھی لگتی ہے"؟ کہا "وہ عورت کہ جو بات مرد چاہے اس کو بجالانے والی ہو"، معاویہ نے پھر کہا "اچھا سب سے ناپسند کون سی عورت ہے"؟ کہا! "وہ عورت کہ جو بات مرد کو پسند ہو"، وہ اس سے دور دور ہو، معاویہ نے کہا۔ ھٰذا النقه العاجل (یہ تو رواروی کی بات ہے) صعصعہ نے کہا: "بالميزان العادل" (لیکن بات جچی تلی ہے) (عقد الفرید ۷:۱۱۷)

(۷)

ایک مرتبہ صعصعہ نے معاویہ سے کہا۔ "اے امیر المومنینؑ! ہم تم کو کس طرح عقل کی طرف نسبت دے سکتے ہیں جب کہ آدھا انسان تم پر چھایا ہوا ہے یعنی فاختہ بنتِ قرظہ کی محبت تم پر مستولی ہے"، معاویہ نے جواب دیا۔ یہ پری وش صاحبانِ کرامت پر غالب آتے ہیں اور لیئم ان پر غالب آتے ہیں!

(عقد الفرید ۷:۱۱۷)

(۸)

کتاب کامل بہائی میں ہے۔ "ایک دن معاویہ منبر پر خطبہ کہہ رہے تھے کہ اسی اثنا میں بلند آواز سے ان کے ایک ریح صادر ہوئی۔ مجمعے میں اس سے ایک استعجابی کیفیت پیدا ہوگئی اور لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، معاویہ مجمعے کا رنگ دیکھ کر سمجھ گئے۔ فوراً خطبے کو موقوف کیا اور اس طرح کہنا شروع کیا۔

اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمارے جسموں کو پیدا کیا اور ان میں ہماری روحوں کو ساکن کیا اور اس میں ریاح قرار دیے اور ان کا نکلنا نفس کے لیے سبب

راحت قرار دیا پس اکثر وہ بے موقع اور بے وقت بھی نکل جاتے ہیں پس اگر کسی سے ایسا امر سرزد ہو جائے تو وہ ملزم نہیں ہے۔

صعصعہ اس وقت مسجد ہی میں موجود تھے فوراً کھڑے ہو گئے اور کہا۔

''اے معاویہ! آپ سچ کہتے ہیں، بیشک اللہ نے ہمارے بدنوں کو پیدا کیا اور اُن میں ہماری روحوں کو ساکن کیا اور اس میں ریاح قرار دیے اور جن کا نکلنا نفس کے لیے موجبِ راحت بنایا لیکن ان کا ارسال بیت الخلا میں راحت قرار دیا ہے اور منبر پر بدعت''۔

یہ کہہ کر نیچے بیٹھ گئے اور اہلِ شام سے کہا۔''تمہارا امیر ہگ بھرا ہے اب نہ اس کی نماز ہو سکتی ہے نہ تمہاری'' اور مسجد سے نکل کر مدینے کی طرف چل دیئے۔

(مجالس المومنین)

(۹)

ایک مرتبہ مکے جاتے ہوئے صعصعہ ایک قوم کی طرف سے گزرے لوگوں نے پوچھا۔''کہاں سے آرہے ہو''؟ جواب دیا "مِن الفج العمیق" پھر سوال کیا۔کہاں جانے کا ارادہ ہے''؟ کہا "البیت العتیق" لوگوں نے کہا "ھل کان من مطر" (کیا وہاں بارش تھی) جواب دیا "نعم عفی الاثر، وانضّر الشجر و وھدہ الحجر" (بیشک نشانات مٹ گئے اور درخت سوکھ گئے ہیں اور پتھر چیخ گئے) پھر لوگوں نے سوال کیا۔''کون سی آیت کتاب اللہ میں سب سے زیادہ محکم ہے''؟ کہا۔ فمن یعمل مثقال ذرۃٍ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرّۃٍ شراً یرہ" (تاریخ ابنِ عساکر ۶:۴۲۶)

ایک مرتبہ بنی فزارہ کا ایک شخص صعصعہ سے الجھ گیا اور کہنے لگا''اے صوحان کے بیٹے! تم نے صرف اپنی لسانی سے لوگوں کو مرعوب کر لیا ہے لیکن اگر میں

چاہوں اور تمہیں چمٹ جاؤں تو سب بولنا بھول جاؤ گے اور اگر بولو گے تو اس کا جواب تلوار کی دھار سے زیادہ تیز زبان سے پاؤ گے، پھر تم کونے جھانکتے پھرو گے''، صعصعہ اس بے سواد کی یہ بات سن کر دل میں ہنسے اور کہنے لگے۔

''مردِ خدا، اگر میں تیرے پاس کوئی نشانہ پاتا تو ضرور تیر اندازی کرتا بلکہ میرے سامنے تو ایک بے روح تصویر ہے اور ایک ایسی سراب جو ایک طویل و عریض میدان میں ہو جس کو پیاسا پانی سمجھ رہا ہو مگر جب اس کے پاس جاتا ہے تو کچھ نہیں پاتا، ہاں اگر تو میری برابر کا ہوتا تو تیری پونجی کو سنان سے زیادہ تیز آلے سے کاٹ کر پھینک دیتا اور ایسے تیروں سے تیرا مقابلہ کرتا جو تجھ کو جواب میں تیر پھینکنے کا موقع ہی نہ دیتے، پھر تیری ناک میں ایسی نکیل ڈالتا جو تیرے دہانے کو پھاڑ کر رکھ دیتی''۔ مسعودی لکھتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کو جب فزاری کی اس گفتگو کا علم ہوا تو وہ ہنسے اور کہنے لگے۔''اگر یہ مردِ فزاری اپنے نفس پر اتنا جبر کر لے جتنا کہ پتھروں کو بلند پہاڑ کی چوٹی سے نیچے آنے میں ہوتا ہے تو یہ بات اس سے زیادہ آسان ہے کہ وہ عبدالقیس کے بھائی کو جاہل سمجھ رہا ہے

(مروج الذہب ۲: ۸۲)

ایک مرتبہ معاویہ کے سامنے دیر تک کچھ بات چیت کی جس سے پسینہ آ گیا، معاویہ بولے۔ ''بَهَرَكَ القول'' ''بولنے نے تم کو تھکا دیا'' صعصعہ نے جواب دیا ''انّ الجياد نضّاحة للماء'' ''بیشک! ''اصیل گھوڑے کو پسینہ آتا ہی ہے''

(عیون الاخبار ۲: ۱۷۳)

صعصعہ کے آثارِ علمیہ:

مسعودی لکھتا ہے۔

(صعصعہ بن صوحان کی بہت سی دلچسپ چیزیں اور بہت سا ایسا کلام ہے جو

فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ نقطے پر ہے اور ایجاز و اختصار کے ساتھ ساتھ نہایت واضح اور سلیس، منجملہ اس کے ان کا وہ کلام بھی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس کی صحبتوں میں واقع ہوا، جس کی روایت مجھ سے مدائنی نے زید بن طلیح شیبانی کے حوالے سے کی ہے)۔

اس ذیل میں اُس نے صعصعہ کے متعدد اقوال نقل کیے ہیں، اس کے علاوہ تاریخ وادب کی دوسری کتابوں میں بھی جستہ جستہ ان کے حکیمانہ اقوال ملتے ہیں جن کا استیعاب بہت وقت چاہتا ہے، البتہ نمونے کے طور پر چند اقوال نقل کرتا ہوں۔

(۱) ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس نے ان سے سوال کیا "**مالسود فیکم**" "سرداری کیا ہے"۔ صعصعہ نے جواب دیا۔

"کھانا کھلانا، نرمی سے بات کرنا، جو کچھ موجود ہو اس کو بخش دینا، مرد کا سوال کرنے سے اپنے نفس کو باز رکھنا اور چھوٹوں اور بڑوں سے محبت کرنا"۔

(مروج الذہب ۲:۶۵)

(۲) ابنِ عباس نے پھر پوچھا۔ "حلیم کون ہے"؟ صعصعہ نے جواب دیا-:

من ملك غضبهٔ فلم يفعل و سُعِيَ اليه بحقٍ او باطلٍ فلم يقبل ووجد قاتل ابيه واخيه فصفح ولم يقتُل

(مروج الذہب ۲:۶۵)

"(حلیم وہ ہے) جو غیظ و غضب کے وقت اقدام نہ کرے اور سچی یا جھوٹی کوئی چغلی اس سے کی جائے تو اس کو قبول نہ کرے اور اپنے باپ اور بھائی کے قاتل کو پالے تو معاف کرے اور قتل نہ کرے"۔

(۳) ایک مرتبہ ابنِ عباس نے ان سے پوچھا۔ "فارس (شہسوار) کون ہے"؟ صعصعہ نے کہا:

الفارسُ من قصر الجلهٔ فی نفسهٖ و ضغم علیٰ املهٖ بضرسهٖ وکانت الحرب اھون علیه من امسِهٖ ذلك الفارس اذا وقدت الحروب واشتدّت بالانفس الکروب و تداعوا اللنزالِ و تخالسو المھج واقتحموا بالسّیوف اللجج۔

''شہسوار وہ ہے جو موت کو حقیر سمجھتا ہو اور اپنی آرزوؤں پر پورا پورا قابو رکھتا ہو، جنگ اس کے لیے نہایت آسان ہو، شہسوار وہی ہے کہ جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں اور جانیں سخت کرب میں مبتلا ہوں اور میدان میں ایک دوسرے کو مقابلے کے لیے بلا رہا ہو اور جان کی بازی لگی ہوئی ہو اور تلواروں کے ساتھ خطرات کے منجدھار میں ڈوب رہے ہوں''۔

ابنِ عباس نے یہ سن کر کہا:۔''(مرحبا اے صوحان کے بیٹے! بیشک تم ان قوموں کے فرزند ہو جو صاحبانِ کرامت اور خطیب و فصیح ہیں)''

(۴) ایک مرتبہ معاویہ نے ان سے پوچھا۔ جود کیا ہے؟ جواب دیا:۔

''مال تبرعاً دے ڈالنا اور سوال سے پہلے عطا کرنا'' (عقد الفرید ۱: ۱۸۳)

(۵) ایک مرتبہ معاویہ نے مروت کے بارے میں ان سے سوال کیا۔ کہا۔

صبر اور خاموشی، پس صبر ان مصائب پر جو تیرے اوپر پڑیں اور خاموشی اس وقت تک جب تک بولنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ (ابنِ عساکر ۶: ۴۲۳)

ایک مرتبہ معاویہ نے صعصعہ سے کہا۔ ''تم صرف بولنا ہی جانتے ہو اور کلام کی کجی اور راستی پر غور نہیں کرتے، اچھا اگر سوچ سمجھ کر جواب دو تو بتاؤ افضلِ مال کیا ہے''؟ صعصعہ نے جواب دیا ''میں اس وقت تک کلام نہیں کرتا جب تک وہ میرے سینے میں پک نہیں جاتا اور اس وقت تک نہیں بولتا جب تک اس کے ہر پہلو پر غور نہ کرلوں'' ''سُن۔

(۶) ''بیشک بہترین مال وہ دانہ ہے جو مٹی میں ملا ہوا ہو یا وہ بھیڑ جو سر سبز وادی میں چر رہی ہو یا وہ چشمہ جو زمین پر پہاڑ کی بلندی سے گر رہا ہو''۔

معاویہ نے کہا۔ خدا تمہارا بھلا کرے سونا چاندی پھر کیا ہے؟ کہا۔

''(یہ دونوں بھڑکتی ہوئی آگ ہیں، اگر ان کی طرف رخ کرو گے تو خرچ ہو جائیں گے اور چھوڑ دو گے تو بڑھیں گے نہیں)'' (عقد الفرید ۲:۹ ۳۳)

ایک مرتبہ اپنے بھتیجے سے اُنھوں نے کہا۔

(۷) اذا رأیت المومن فخالصه واذا رأیت الفاجر فخالِفهٗ و دینك لا تکله الی احدٍ ان الفاجر یرضی منك بالخلق الحسن، وانه لحق علیك ان تخالص المومن (ابنِ عساکر ۶:۴۲۶)

جب کسی مومن کو دیکھو تو اس کے ساتھ خلوص سے پیش آؤ اور جب کسی بدکار کو دیکھو تو اس کی مخالفت کرو، اور اپنا دین کسی کے حوالے مت کرو، یقیناً بدکار حُسنِ اخلاق کے ساتھ تم سے راضی ہو جائے گا لیکن مومن کا تم پر یہ حق ہے کہ اس کے ساتھ خلوص رکھو!

صعصعہ کا ایک تاریخی خطبہ:

۴۳ھ میں جب مختلف مقامات سے خارجیوں نے سر اٹھانا شروع کیا اور گورنر کوفہ مغیرہ بن شعبہ کو اس کی اطلاعیں پہنچیں تو اس نے تمام سردارانِ قبائل کو بلا کر ایک تقریر کی اور کہا ''میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص اپنی قوم کے پاس جائے اور ان کو سنبھالنے میں میرا ہاتھ بٹائے ورنہ مجبوراً مجھے وہ کچھ کرنا پڑے گا جو تمہارے لیے ناپسندیدگی کا سبب ہوگا''۔

صعصعہ بن صوحان قبیلۂ عبد القیس کے سردار تھے، ان کو اگر چہ معلوم تھا کہ حیان (خارجی) سلیم بن محدوج عبدی کے گھر مہمان ہے مگر انھیں یہ ناگوار ہوا کہ اُن ہی کے قبیلے کا صرف اس وجہ سے مواخذہ ہو کہ وہ اہلِ شام سے جدا ہو گیا ہے اور ان سے ہم آہنگی نہیں رکھتا، اس موقعے پر انھوں نے اپنے قبیلے والوں کو جمع کر کے حسبِ ذیل خطبہ دیا۔

(ترجمہ) اِیُّھَا النّاس! بیشک اللہ نے جس کے لیے تمام تعریفیں ہیں جب فضیلت تقسیم فرمائی تو تم کو اس کے بہترین حصے سے مخصوص کیا، پس تم نے اللہ کے اس دین کو قبول کیا جس کو خدا نے اپنی ذات کے لیے اختیار فرمایا اور اپنے ملائکہ اور اپنے رُسل کے لیے اس کو منتخب کیا، پھر تم رسولؐ اللہ کی وفات کے وقت تک اس دین پر قائم رہے، اس کے بعد لوگوں میں اختلاف ہوا چنانچہ ایک جماعت تو ثابت قدم رہی اور ایک مرتد ہوگئی، ایک نے مداہنت اختیار کی اور ایک نے تربص، مگر تم چونکہ خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتے تھے اس لیے اسی دین سے وابستہ رہے اور اس وقت تک تم برابر مرتدین سے برسرِ پیکار رہے جب تک اللہ نے اپنے دین کو ازسرِ نو تمکن نہ دے دیا اور ظالموں کو برباد نہ کر دیا، اسی کی برکت سے خداوند تعالیٰ برابر تمہاری خیر و برکت میں اضافہ کرتا رہا یہاں تک کہ امت میں پھوٹ پڑ گئی، ایک جماعت کہتی تھی ہم اہلِ مغرب کو چاہتے ہیں، کچھ لوگ کہتے تھے کہ ہم صرف اپنے نبی کے اہلِ بیت کو چاہتے ہیں جن کے ذریعے سے اللہ عزّوجل نے پہلی بار ہم کو کرامت عطا فرمائی یہ صرف تمہارے ساتھ اللہ کی تائید اور اس کی توفیق کا نتیجہ تھا، تم برابر حق پر ثابت قدم رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور تمہاری طرح ہدایت یافتہ دوسرے لوگوں کے ذریعے سے یومِ جمل کے ناکثین اور یومِ نہر کے مارقین کو تباہ و برباد کر دیا لیکن وہ اہلِ شام کی

طرف سے بالکل خاموش رہا کیونکہ غلبہ ان ہی کو حاصل تھا خوب سمجھ لو کوئی قوم، تمہاری اور تمہارے خدا کی اور تمہارے نبی کے اہلِ بیت کی ایسی دشمن نہیں جیسے یہ بد بخت اور خاطی لوگ جنھوں نے ہمارے امام سے مفارقت کی اور ہمارے خون کو حلال کر دیا اور ہمارے خلاف کفر کی شہادت دی، خبردار! اگر تم نے ان کو اپنے مکانوں میں پناہ دی یا ان کے خلاف کسی بات کو پوشیدہ رکھا، کیونکہ عرب کے کسی قبیلے کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کا کوئی فرد بھی ان مارقہ کا دوست ہو۔ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ ان کے چند آدمی، قبیلے کے ایک جانب موجود ہیں اور میں ان کی تلاش میں ہوں، پس اگر یہ بات سچ ہے تو میں ان کے خون کے ذریعے تقربِ الٰہی حاصل کروں گا کیونکہ ان کے خون حلال اے قبیلۂ عبدالقیس کے افراد! یاد رکھو! کہ ہمارے یہ والیانِ ملک تم کو اور تمہاری رایوں کو تم سے بہتر جانتے ہیں تم اپنے خلاف ان کو کسی طرح راہ نہ دو کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے امثال میں بہت جلد اثر پیدا کر لیتے ہیں (تاریخ کامل ابنِ اثیر ۳:۱۸۶ و طبری ۶:۱۰۶)

مؤرخ کامل لکھتے ہیں۔ صعصعہ کی اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ تمام لوگ کہنے لگے "ان پر خدا کی لعنت ہو"، خدا ان سے بیزار ہو، ہم ان کو پناہ نہ دیں گے اور اگر ہم کو ان کی جائے پناہ معلوم ہوگی تو ہم آپ کو اس کی اطلاع کر دیں گے۔ البتہ سلیم بن ممدوح عبدی خاموش رہا اور غمگین ہو کر واپس چلا گیا کیونکہ اس کو یہ گوارا نہ تھا کہ وہ اپنے ہمراہیوں کو گھر سے نکال دے۔

صعصعہ اور کلامِ امیر المومنینؑ:

صعصعہ کی ہستی یوں تو جامعِ کمالات تھی لیکن ان تمام حیثیات میں ان کی حیثیتِ خطابت و بلاغت سب سے زیادہ نمایاں ہے جس کو صرف امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے فیضِ صحبت کا اثر کہا جا سکتا ہے، اس بنا پر یہ ناممکن ہے کہ انھوں

نے آپ کے خطبات اور کلام کو محفوظ نہ کیا ہو لیکن افسوس ہے کہ ان کے مرویات بہت کمی کے ساتھ ملتے ہیں، ممکن تھا کہ اگر قدیم مولفین کی تمام مولفات آج موجود ہوتیں تو امیر المومنینؑ کا بہت سا کلام صعصعہ کی روایت کے ساتھ ہم کو مل جاتا۔ بہر حال میری ناقص تحقیق میں حسبِ ذیل صرف دو کلام ملے ہیں جن کو صعصعہ نے روایت کیا ہے۔

ا۔ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب کو دیکھا ہے اب میں تم میں سے کسی کو ان کے مشابہ نہیں پاتا وہ اس حالت میں صبح کرتے تھے کہ غبار میں اَٹے ہوئے ہوتے تھے اور راتیں، سجدے اور قیام کی حالت میں گزارتے تھے۔ (نہج البلاغہ ا:۱۱۳)

یہ کلام جامع نہج البلاغہ کے استاد شیخ مفید متوفی ۴۱۳ھ نے کتاب الارشاد صفحہ ۳۸ میں صعصعہ کی روایت سے حسبِ ذیل طریقے پر نقل کیا ہے:

نیز امیر المومنین کا کلام خیارِ صحابہ کے ذکر میں جس کو صعصعہ بن صوحان نے اس طرح روایت کیا ہے کہ ایک دن امیر المومنین علیہ السّلام نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی جب سلام سے فارغ ہوئے تو سیدھے ہو کر رو بہ قبلہ بیٹھ گئے یہاں تک کہ سورج تمہاری اس مسجد (جامع کوفہ) کی دیوار سے ایک نیزے کی بقدر بلند ہو گیا، پھر آپ نے ہماری طرف اپنا رخ کیا اور اس طرح فرمایا۔

''میں نے اپنے خلیل (دوست) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ تمام رات عبادتِ الٰہی میں گزارتے تھے اور جب صبح کرتے تھے تو اس حالت میں کہ ان کے سر غبار آلود ہوتے تھے اور ان کی آنکھوں کے درمیان بکری کے زانوؤں کی طرح گھٹے پڑے ہوتے تھے اور جب موت کا ذکر ان کے سامنے ہوتا تھا تو اس طرح لرزتے تھے اس طرح پیڑ

ہوا سے ہلتا ہے''۔

(۲) امیر المومنینؑ کا خط جو آپ نے مالکِ اشتر کو والی بناتے وقت اہلِ مصر کے نام تحریر کیا ہے، جس کی ابتدا اس طرح ہے۔

بندۂ خدا علی امیر المومنینؑ کی طرف سے اس گروہ کی طرف جو اللہ کے لیے لوگوں کا موردِ عتاب بنے جبکہ زمین میں اس کی نافرمانی ہوتی تھی (نہج البلاغہ ۲: ۲۴)

یہ پورا خط ابوالعباس احمد بن علی النجاشی متوفی ۴۵۰ھ نے کتاب الرجال ص ۱۴۴ میں حسبِ ذیل اسناد کے ساتھ صعصعہ سے روایت کیا ہے۔

ابنِ نوح کا بیان ہے کہ مجھ سے علی بن الحسین بن سفیان ہمدانی نے بیان کیا، انھوں نے علی بن احمد بن علی بن خاتم بن التمیمی سے، انھوں نے عباد بن یعقوب سے، انھوں نے عمرو بن ثابت سے انھوں نے جابر سے جابر کا بیان ہے کہ مجھ سے شعبی نے صعصعہ کی زبانی بیان کیا کہ جب امیر المومنینؑ نے مالک اشتر کو مصر کا والی بنایا تو اہلِ مصر کے نام حسبِ ذیل خط تحریر فرمایا۔

> بندۂ خدا امیر المومنین کی طرف سے مسلمانوں کے ایک گروہ کی طرف، تم پر سلام ہو! میں تمہاری طرف اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے، بعد ازاں میں نے تمہاری طرف اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کو بھیجا ہے جو ایام خوف میں سوتا نہیں اور دشمنوں سے دلگیر نہیں ہوتا۔

وفات:

یہ امر تعجب سے خالی نہیں کہ صعصعہ جیسی تاریخی شخصیت کی وفات پر بالکل پردہ پڑا ہوا ہے مورخین نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ معاویہ کے عہدِ خلافت میں ان کا انتقال ہوا (تہذیب التہذیب ۳: ۴۲۳، طبقات ابنِ سعد ۶: ۱۵۴)

دیا امیر المومنینؑ کی شہادت کے وقت سے جو ۴۰ھ میں واقع ہوئی ۶۰ھ تک ان کی وفات دائر ہے۔

جہاں تک واقعات کا تعلق ہے ان سے صرف ۴۳ھ تک ان کا وجود کوفے میں ملتا ہے اس کے بعد کسی مقام پر ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ صعصعہ کا وجود چونکہ اربابِ حکومت کی نگاہوں میں بہت کھٹکتا تھا اس لیے نامعلوم طریقے سے ان کو ختم کرانے کی کوشش کی گئی ہے ورنہ عام حالات میں اگر ان کی وفات ہوئی ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کی صحیح تاریخ ضبطِ تحریر میں نہ آتی۔

اس خیال کی تائید اصابہ کی حسبِ ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے۔

علائی نے زیاد کے حالات میں ذکر کیا ہے کہ مغیرہ نے معاویہ کے حکم سے صعصعہ کو کوفے سے نکال کر ان کو بحرین کے جزیرہ اوال اور ایک روایت کی بنا پر جزیرۂ ابنِ کافان میں بھیج دیا تھا وہیں ان کا انتقال ہوا۔ مرزبانی نے ان پر یہ دو شعر کہے ہیں۔ (اصابہ ۳:۲۶۰، مطبوعہ کلکتہ ۱۲۳۵ھ)

هلّا سألت نبي الجارود اي فتیً عند الشفاعة والبان ابن صوحانا كُنّا وكانوا كامٍ ارضعت وكداً عقت ولم تجز بالاحسان احسانا۔ (اصابہ ۳:۲۶۰، مطبوعہ کلکتہ ۱۲۳۵ھ)

حافظ ابنِ عساکر نے ان دو شعروں کو خود صعصعہ کے کلام کی حیثیت سے نقل کیا ہے۔ (تاریخ ابن عساکر ۶:۴۲۶)۔

صعصعہ کے کردار پر ایک نظر:

امیر المومنینؑ کے اصحاب میں صعصعہ کو جو چیز ممتاز بناتی ہے وہ ان کے کردار کی عظمت ہے۔ ان کی زندگی کا ایک طویل دور ایسے حالات میں گزرا جب علی کا نام لینا اربابِ حکومت کی نظر میں ناقابلِ عفو جرم تھا اور چُن چُن کر دوست داران

علی کو قتل و قید کی سزائیں دی جاتی تھیں لیکن صعصعہ نے نہایت دلیری اور بلند آہنگی سے ان حالات کا مقابلہ کیا اور کسی وقت اپنے نقطے سے نہیں ہٹے۔ انھوں نے جس طرح آزادی کے زمانے میں اعلائے کلمۃ الحق کیا اسی طرح معاویہ کی قید میں رہ کر بھی اپنے اس فرض کو بدرجہ اتم انجام دیا۔ ان کی حق گوئی اور بے باکی کا پہلا مظاہرہ حضرت عمر کے عہدِ خلافت میں ہوا جبکہ وہ بالکل نوعمر تھے لیکن اس وقت تک مسلمانوں میں جمہوریت کی روح باقی تھی اس لیے ان کے اس جذبے کی قدر کی گئی اور حضرت عمر نے یہ کہہ کر ان کی ہمت افزائی کی "انت مِنّی وانا مِنك یابن صوحان"۔ اس کے بعد حضرت عثمان کے زمانے میں اگرچہ حالات بدل چکے تھے اور خود ان کی طبیعت میں بھی وہ سادگی نہ تھی جو ان کے بیشتر روؤں میں تھی۔ اُن کے لیے کسی کا ٹوک دینا جذبۂ اقتدار پسندی پر گراں تھا لیکن صعصعہ ان کی بے اعتدالیوں پر نکتہ چینی کرنے سے نہ چوکے، چنانچہ واقعات بتاتے ہیں کہ اس پورے دور میں وہ اموی حکام کے جبر و استبداد کے خلاف برابر احتجاج کرتے رہے، جس کی پاداش میں انھیں قید اور نظر بندی کی سزائیں بھگتنا پڑیں، حالانکہ صعصعہ جن بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے ان کو دیکھتے ہوئے ہر حکومت کو ایسے آدمی کی ضرورت ہوتی ہے خود معاویہ ان کی شخصیت کا وزن محسوس کرتے تھے اور کہا کرتے تھے "ھذا سھم من سھام علی" "صعصعہ علیؑ کے تیروں میں سے ایک تیر ہے" اس بنا پر اگر وہ بھی عقیل بن ابی طالب کی طرح معاویہ کے یہاں چلے گئے ہوتے تو مرکزی حکومت میں بہت بڑی جگہ پا سکتے تھے لیکن انھوں نے حق کے مقابلے میں دنیوی جاہ و منصب کی کوئی پروا نہیں کی اور اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک نشرِ فضائلِ اہلِ بیتؑ میں سرگرم رہے۔

امام حسنؑ کی صلح کے بعد معاویہ تمام قلمروِ اسلامی کے خود مختار فرماں روا تھے انھوں نے اپنے تمام عمال کے نام یہ احکام بھیج دیئے تھے کہ علیؑ اور آلِ علیؑ پر سب وشتم اور عثمان پر طلب مغفرت و رحمت کرنے میں کوئی کمی نہ کی جائے۔ چنانچہ ۴۱ھ میں انھوں نے جب مغیرہ بن شعبہ کو کوفے کا گورنر بنایا تو اس کو بھی یہی نصیحت کی ہے حکومت کے اس تشدّد سے شیعیانِ علیؑ میں خوف و ہراس کی ایک لہر دوڑ گئی اور علیؑ کا نام زبان سے نکالنے کو وہ اپنے قتل کا مرادف سمجھتے تھے لیکن صعصعہ کے استقلال میں اس وقت بھی کوئی فرق نہیں آیا اور جس سرگرمی کے ساتھ وہ امیر المومنینؑ کے زمانۂ خلافت میں آپ کے فضائل بیان کرتے تھے اسی طرح اب بھی ان کا یہی معمول تھا۔ چنانچہ مغیرہ کو ان کے بارے میں جب یہ اطلاعیں پہنچیں کہ وہ علی الاعلان علی کے فضائل بیان کرتے ہیں تو ان کو بُلا کر اس نے حسبِ ذیل فہمائش کی۔

> ''خبردار! میں کبھی تمہارے متعلق یہ نہ سنوں کہ تم حضرت عثمان کو متہم کرتے ہو نیز یہ بات بھی میرے کانوں تک نہ پہنچے کہ تم علیؑ کے فضائل بیان کرتے ہو کیونکہ تم سے زیادہ میں خود اس امر سے واقف ہوں لیکن اب یہ بادشاہ غالب ہو گیا ہے اور اس نے علیؑ کے متعلق لوگوں میں عیب جوئی کرنے پر ہم کو مجبور کر دیا ہے اس لیے ہم ان بہت سی باتوں کو ترک کر دیتے ہیں جن کا وہ حکم دیتا ہے اور ایسے امور کا ذکر کرتے ہیں جن کے ذکر کے سوا چارۂ کار نہیں ہے اس کے ذریعے سے ہم ان لوگوں کو اپنے سے دور رکھتے ہیں اس لیے اگر تم علی کے فضائل بیان بھی کرو تو صرف اپنے آپس میں اور اپنے مکانوں پر، باقی رہا یہ امر

کہ مسجدوں میں اعلانیہ طریقے سے علیؑ کا ذکر کیا جائے تو خلیفہ
ہماری اس بات کو ہرگز برداشت نہیں کرے گا''

(طبری ۶: ۱۰۸ و کامل ابنِ اثیر ۳: ۱۸۵)

مؤرخ کامل لکھتے ہیں مغیرہ کی اس فہمائش کا صعصعہ پر کچھ اثر نہ ہوا اور بدستور وہ اپنے رویے پر قائم رہے جس کی وجہ سے مغیرہ کو ان سے کینہ ہو گیا۔

(طبری ۶: ۱۴۲)

دوسری طرف صعصعہ کے کردار کا یہ پہلو بھی قابلِ لحاظ ہے کہ حکومت سے اتنے اختلافات کے باوجود کوئی روایت یہ نہیں بتاتی کہ انھوں نے کسی وقت کوئی ایسا قدم اٹھایا ہو جو فتنے کا سبب ہوتا بلکہ اس کے برخلاف تمام جائز حدود تک انھوں نے اپنے احکام کے ساتھ تعاون ہی کیا ہے، چنانچہ اسی مغیرہ کے ایام حکومت میں خارجیوں کے خلاف انھوں نے برابر اس کا ساتھ دیا ہے جو ان کی امن پسندانہ ذہنیت کا روشن ثبوت ہے۔

مغیرہ کی مذکورہ بالا گفتگو سے اس کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا غلط نہ ہوگا کہ وہ دل سے علیؑ کی فضیلت کا معترف تھا اور آپ کے اصحاب کو وہ برگزیدگانِ الٰہی میں سمجھتا تھا لیکن حرصِ جاہ اس پر چھائی ہوئی تھی جس کی وجہ سے اپنے ضمیر کے خلاف وہ اپنے امیر کی پالیسی پر عمل کرتا تھا، اسی کے ساتھ حتی المکان وہ ایسے اقدامات سے اپنے کو بچائے رکھتا تھا جن کے بغیر اس کو کوئی مادّی نقصان نہ پہنچے، چنانچہ کوفے میں اس نے جب تک حکومت کی حجر بن عدی کے قتل کو ٹالتا رہا اور اپنے بعد میں آنے والے حاکم پر اس کام کو چھوڑ دیا، لوگوں نے جب اس سے اصرار کیا تو جواب دیا میں نہیں چاہتا کہ اس شہر کے نیک لوگوں سے قتل کی ابتدا کروں کہ وہ تو سعادت حاصل کریں اور میں شقاوت میں مبتلا ہو جاؤں، معاویہ کو تو دنیا میں

عزّت ملے اور مغیرہ قیامت کے دن ذلیل ہو"۔

امیر المومنینؑ نے اس کے بارے میں جو ارشاد فرمایا ہے وہ اس کے کردار کی پوری پوری تصویر ہے۔

"(اے عمار! اس شخص کو چھوڑو کیونکہ اس نے دین سے فقط اتنا ہی حاصل کیا ہے جس سے دنیا ہاتھ آ جائے، اس نے جان بوجھ کر اپنے نفس کو شبہ میں ڈال رکھا ہے تاکہ اپنی لغزشوں سے معذرت خواہ ہونے کے وقت ان شبہات کو عذر میں پیش کر سکے۔)" (نہج البلاغہ طبع بیروت ۲: ۱۲۴)

صعصعہ اور مورخین اسلام:

عام طور سے صعصعہ اور ان کے اصحاب پر مسلمانوں کی طرف سے فتنہ انگیزی کا الزام عائد کیا جاتا ہے معین الدین احمد ندوی، حضرت عثمان کے عہدِ خلافت کے حالات میں لکھتے ہیں۔

> کوفے کے انقلاب پسندوں کے سرغنہ، اشتر نخعی، جندب بن کعب، ابن ذی الحنکہ، صعصعہ ابن الکواء، کمیل اور عمیر بن ضابی تھے ان کا کام حضرت عثمان کو بدنام کرنا تھا یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر فتنہ انگیزی کرتے تھے، ان کی آئے دن کی فتنہ انگیزیوں سے تنگ آ کر سعید بن العاص اور اشراف کوفے نے حضرت عثمان سے درخواست کی کہ کوفے کو ان کے شر سے بچانے کے لیے انھیں یہاں سے نکال دیا جائے۔ آپ نے قیامِ امن کے خیال سے ان لوگوں کو معاویہ کے پاس شام بھیج دیا اور لکھا کہ یہ لوگ فتنہ انگیزی کرتے ہیں، اُن کی اصلاح کی کوشش کرو، اگر باز نہ آئیں تو میرے پاس بھیج دو!

(تاریخِ اسلام حصہ اول)

ہمیں تعجب ہے کہ اس علم و تحقیق کے زمانے میں تاریخ نویسی کا یہ کون سا طریقہ ہے کہ واقعات پر سرے سے پردہ ڈال دیا جائے اور صرف اپنی رائے پر فیصلہ صادر کر دیا جائے۔ مورّخ کا کام کسی کو باغی، سرکش اور فتنہ انگیز کہنا نہیں ہے اس کا کام صرف واقعات وحقائق کو سامنے رکھ دینا ہے۔ فاضل مولف نے جس کو ''ذرا ذرا سی بات'' فرمایا ہے وہ مظالم کی پوری پوری داستانیں ہیں۔ مثال کے طور پر سعید بن العاص کا اپنی شہنشاہیت کے نشے میں یہ کہنا کہ یہ تمام زمینیں قریش کی ہیں، ہم اس میں سے جتنا چاہیں لے سکتے ہیں یا ہاشم بن عقبہ جیسے مقدس صحابیِ رسول کو صرف اتنی سی بات پر کہ انھوں نے اپنے علم کے مطابق یہ کہا تھا ''میں نے چاند دیکھا ہے'' زدوکوب کرنا اور جذبہ عناد میں ان کا گھر جلا دینا ایسی معمولی بات نہیں ہے جس کو آسانی کے ساتھ نظر انداز کیا جا سکتا۔ ان زیادتیوں پر صعصعہ اور ان کے اصحاب نے اگر کوئی احتجاجی آواز بلند کی تو اس کو فتنہ انگیزی کس طرح کہا جا سکتا ہے اور اگر جابر حکّام کے خلاف کوئی آواز اٹھانا یا ان پر تنقید کرنا ہی فتنہ انگیزی ہے تو پھر ہر مصلح فتنہ انگیز قرار پاتا ہے۔ ہمیں حیرت ہے کہ ایک طرف تو یہی مورخین اسلامی جمہوریت کے ثبوت میں ان ہی واقعات کو فخر کے ساتھ پیش کرتے ہیں دوسری طرف جب خلفا کی حمایت پر تلتے ہیں تو اُن کے متعین کردہ فاسق و فاجر عمّال پر بھی تنقید گوارا نہیں کرتے۔ سعید بن العاص، ولید بن عقبہ، زیاد بن سمیّہ، مروان یا حضرت عثمان کے مقرر کردہ دیگر اعمال کا فسق و فجور اور بدطینتی تاریخِ اسلام کے کس طالبِ علم سے پوشیدہ ہے، ان کے مقابلے میں صعصعہ حارث اعور، عمرو بن الحمق، کمیل بن زیاد جیسے مقدس اصحابِ علیؑ کو فتنہ انگیز بتانا معلوم نہیں کس بنا پر ہے۔

ابوالطفیل عامر بن واثلہ الکنانی

نام ونسب:

عامر نام، کنیت ابوالطفیل، مکّے کے رہنے والے تھے، سلسلۂ نسب یہ ہے:-

عامر بن واثلہ بن عبداللہ بن عمرو بن جابر بن خمیس بن جدی بن سعد بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار''

(اغانی ۱۵۹/۱۳)

علّامہ ابنِ حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ عمرو بھی ان کو کہا جاتا ہے لیکن پہلا نام زیادہ صحیح ہے۔ (تہذیب التہذیب ۸۲/۵)

صحابیت:

ابوالطفیل کی پیدائش غزوۂ احد کے سال ۳ھ میں ہوئی تھی اور بالاتفاق صحابیِ رسول تھے۔ اس سلسلے میں حسبِ ذیل روایات ان کے تذکرے میں ملتی ہیں۔

(۱) عمارہ بن ثوبان نے ابوالطفیل سے روایت کی ہے ان کا بیان ہے۔ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقامِ جعرانہ میں دیکھا تھا کہ آپ گوشت تقسیم فرما رہے تھے، اتنے میں ایک خاتون آئیں، آنحضرتؐ نے اُن کے لیے اپنی چادر بچھا دی، میں نے لوگوں سے پوچھا یہ خاتون کون ہیں؟ انھوں نے بتایا یہ آپ کی رضاعی ماں (حلیمہ سعدیہ) ہیں۔ (اسد الغابہ ۹۶/۳)

اس روایت کے بارے میں حافظ ابنِ عساکر لکھتے ہیں۔ حافظ نے بطریق ابویعلیٰ اُن (ابوالطفیل) سے اس روایت کا اخراج کیا ہے نیز بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا ہے (تاریخ ابنِ عساکر ۷/۲۰۰)

(۲) سعید جریری راوی ہیں کہ ابوالطفیل کہا کرتے تھے ''میرے سوا روئے زمین پر اس وقت کوئی ایسا نہ ملے گا جو تم سے کہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا ہے''۔ میں نے کہا۔ ''کیا آپ آنحضرتؐ کا کچھ حلیہ بیان کر سکتے ہیں''؟ کہا بیشک! ''آپ میانہ قد تھے رنگ سفید تھا اور ملیح تھے''۔

(اسد الغابہ ۳/۹۷)

اس روایت کو مسلم اور امام احمد نے بھی قدرے لفظی تغیرؒ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(ابنِ عساکر ۷/۲۰۰)

(۳) ابنِ جمیع کا بیان ہے۔ مجھ سے ابوالطفیل نے کہا۔ ''میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے آٹھ سال پائے ہیں اور احد کے سال میں پیدا ہوا''۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد مولف لکھتے ہیں۔ ''وقد صحح البخاری ھٰذا'' بخاری نے اس روایت کی صحیح تصحیح ہے۔

(۴) حافظ نے امام احمد کی اسناد سے ابوالطفیل سے اخراج کیا ہے، ''وہ کہتے تھے میں نے آنحضرتؐ کو دیکھا ہے جب کہ میں بالکل لڑکا ہی تھا، آپ ایک ناقے پر بیٹھے ہوئے خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور حجرِ اسود کو جُھک کر چھو رہے تھے''۔ اس کو ابویعلیٰ نے بھی روایت کیا ہے۔

(۵) یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں کہا ہے ہم سے عقبہ بن مکرم نے، یعقوب بن اسحٰق نے، مہدی بن عمران حنفی نے بیان کیا، ان کا بیان ہے کہ

میں نے ابوالطفیل کو یہ کہتے ہوئے سنا، بدر کے دن میں لڑکا تھا، میری ازار کو اوپر سے باندھ دیا گیا تھا اور میدان سے پہاڑ پر گوشت لے لے کر جا رہا تھا۔

اس روایت کے بارے میں مولف تہذیب التہذیب لکھتے ہیں۔ مجھے اس روایت کے ایک لفظ ''یومِ بدر'' میں شک ہے اور صحیح ''یومِ حنین'' ہے واللہ اعلم۔

اقوالِ علماء:

ابوالطفیل کے صحابیِ رسول ہونے کے بارے میں محدثینِ اسلام کے حسبِ ذیل اقوال ملتے ہیں جن کے بعد ان کے صحابیِ رسول ہونے میں کسی قسم کا احتمال باقی نہیں رہتا۔

(۱) مسلم کا قول ہے کہ ابوالطفیل کا انتقال ۱۰۰ھ میں ہوا اور آپ کا انتقال صحابہ رسول میں سب سے آخر میں ہوا۔ (تہذیب التہذیب ۸۲/۵)

(۲) ابنِ سکن کا قول ہے۔ ابوالطفیل کا رسول اللہ کو دیکھنا وجوہِ ثابتہ کے ذریعے ان سے مروی ہے البتہ سماعِ حدیث آنحضرتؐ سے اس طرح ان سے مروی نہیں ہے۔

(۳) ابنِ عدی کا قول ہے۔ ابوالطفیل کو صحبتِ رسولؐ حاصل تھی اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقریباً بیس احادیث روایت کی ہیں۔

(تہذیب التہذیب ۸۲/۵)

(۴) ابنِ مندہ کا قول ہے۔ (ابوالطفیل) نے حجۃ الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم کو دیکھا تھا اور ان کی صحبتِ رسول کو اہلِ حدیث کے ایک گروہ نے ثابت کیا ہے۔

(۵) خلیفہ بن خیاط کا قول ہے۔ ابوالطفیل پہلے کوفے میں آئے، اس کے بعد مکے میں قیام کیا یہاں تک کہ ۱۰۰ھ کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ اور وہ رسول

ؐ اللہ کے اصحاب میں سب سے آخر میں مرے۔ (ابنِ عساکر ۲۰۰/ ۷)

روایتِ حدیث:

ابوالطفیل نے براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے احادیث کی روایت کی ہے جس پر قریب قریب تمام محدثین کا اتفاق ہے، صرف ابنِ سکن نے یہ کہا ہے کہ ابوالطفیل کا سماع براہِ راست آنحضرتؐ سے وجہِ ثابت کے ذریعے اُن سے مروی نہیں ہے (تہذیب التہذیب ۸۲/۵) لیکن اس کا مطلب بھی مطلقاً نفیِ سماع نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ خود ابوالطفیل نے یہ بیان نہیں کیا کہ میں نے آنحضرتؐ سے حدیث کو سنا ہے۔

آپ کے بعد صحابہ میں سے اُنھوں نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، معاذ بن جبل، حذیفہ، ابنِ مسعود، عبداللہ بن عباس، ابوسریحہ، نافعِ بن عبدالحارث، زید بن ارقم وغیرہ سے احادیث کی روایت کی ہے۔ اُن سے روایت کرنے والوں میں، امام زہری، ابوالزبیر قتادہ، عبدالعزیز بن رفیع، سعید بن ایاس الجریری، عبدالملک بن سعید بن ابجر، عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی حسین، عکرمہ بن خالد مخزومی، عمارہ بن ثوبان، عمرو بن دینار، فرات القزآر، قاسم بن ابی بزّہ، کلثوم بن جبر، کہمس بن الحسن، معروف بن خربوذ، منصور بن حیان، ولید بن عبداللہ بن جمیع، یزید بن ابی صبیب وغیرہ کے نام ملتے ہیں

ان کی ثقاہت وعدالت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ ملاحظہ ہوں حسبِ ذیل اقوال۔

ابنِ سعد کا قول ہے۔ ابوالطفیل ثقہ فی الحدیث تھے لیکن شیعہ تھے۔

(ابن عساکر ۷/ ۲۰۰)

صالح بن احمد نے اپنے باپ سے روایت کی ہے۔ ابوالطفیل مکّے کے رہنے والے اور ثقہ تھے۔

ابنِ عدی کا قول ہے۔ ان کی روایت میں کوئی ہرج نہیں ہے۔

صرف مغیرہ (بن شعبہ) کے بارے میں یہ قول ملتا ہے کہ وہ ابوالطفیل سے روایتِ حدیث کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے امام بخاری بھی باوجود اپنی شدت کے ان کی عدالت میں کوئی قدح نہیں کر سکتے البتہ ان سے روایت نہیں کرتے جس کی وجہ صرف ان کا افراط فی التشیع ہے۔ (ابنِ عساکر ۷/۲۰۰)

ابوالطفیل کا تشیّع:

ابوالطفیل کے صحابیِ رسول ہونے پر جس طرح محدثین کا اتفاق ہے، اسی طرح ان کا شیعہ علیؑ ہونا بھی مسلّم ہے۔ علامہ ابوالفرج اصفہانی ان کے تذکرے میں لکھتے ہیں۔

''ابوالطفیل امیر المومنین علی ابنِ ابی طالبؑ کے ساتھ اور آپ کے باوجاہت شیعوں میں تھے۔ امیر المومنینؑ کو ان سے خاص لگاؤ تھا جو شہرت کی اس حد پر ہے جس کا ذکر کرنا فضول ہے)۔

اسد الغابہ میں ہے۔ ابوالطفیل، حضرت علیؑ کے ان اصحاب میں تھے جو آپ سے حد درجہ محبت رکھتے تھے اور ان کے ہمراہ تمام معرکوں میں شریک رہے ہیں، اسی کے ساتھ مولف یہ بھی لکھتے ہیں کہ فضیلتِ شیخین کے وہ معترف تھے مگر حضرت علیؑ کو ان پر ترجیح دیتے تھے۔ (اسد الغابہ و استیعاب ۲/۵۲۴ و اصابہ ۷/۱۱۰)

یہی قول ابنِ عبد البر نے استیعاب میں اور حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے اصابہ میں نقل کیا ہے۔ اِس کے بارے میں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ صرف قول ہی قول ہے، تاریخی شواہد اس کا ثبوت پیش کرنے سے کلیۃً قاصر ہیں۔ یہ صرف ابوالطفیل کی شخصیت کا اثر ہے کہ شیخین کے لیے ان سے سندِ فضیلت حاصل کی جا رہی ہے۔

امیر المومنینؑ سے اُن کے والہانہ عشق کا اندازہ ذیل کی روایت سے ہوتا ہے جس کو ابوالفرج اصفہانی نے جابر جعفی سے روایت کیا ہے۔

جابر کا بیان ہے۔ امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السّلام کی شہادت کے بعد، معاویہ جب خود مختار ہو گئے تو انھوں نے ابوالطفیل سے خط وکتابت کی اور بڑی خواہش کے ساتھ ان کو بلوایا، ابوالطفیل جب آئے تو معاویہ نے ان سے جابیہ کے بارے میں کچھ سوالات کرنا شروع کیے، اتنے میں عمرو عاص بھی اپنے ہمراہ کچھ لوگوں کو لے کر آ گئے، معاویہ نے ان سے کہا۔ ''آپ لوگ اس شخص سے بھی واقف ہیں؟ یہ ابوالحسن کے دوست ہیں''۔ اس کے بعد ابوالطفیل سے مخاطب ہو کر بولے۔ ''تم کو علی سے محبت کس درجے پر ہے''؟ ابوالطفیل نے جواب دیا ''اتنی محبت جتنی موسیٰ کی ماں کو تھی''۔ معاویہ نے پھر کہا۔ علیؑ پر تمہاری گریہ وبکا کا کیا عالم ہے؟ کہا۔ اتنی بکا جتنی پسر مردہ عورت اور عاجز بوڑھے کو ہوتی ہے اور کمی کا اللہ سے شکوہ کرتا ہوں۔ ابوالطفیل کے اس جواب پر معاویہ نے کہا۔ ''میرے ان اصحاب سے اگر میری بابت پوچھا جائے تو وہ ہرگز میرے لیے ایسا نہ کہیں گے جیسا کہ تم نے اپنے صاحب کے بارے میں کہا ہے''۔ یہ سن کر ان کے اصحاب کہنے لگے ''بخدا! ہم باطل سے اپنی زبان آلودہ نہ کریں گے''، معاویہ بولے۔ ''بخدا ایسا نہیں ہے، تم لوگ حق بھی نہ کہو گے''۔ (الاغانی ۱۵۹/۱۳)

ابوالطفیل اور معاویہ کا ایک دلچسپ مکالمہ:

ابوالطفیل کے کردار کا یہ نمایاں پہلو ہے کہ امرِ حق کے بارے میں انھوں نے کسی وقت اقتدار کی پروا نہیں کی، یہ ان کی خود اعتمادی اور شخصیت کا اثر تھا کہ اربابِ حکومت باوجود اپنی کوشش کے ان کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکے۔ چنانچہ ایک

موقعے پر معاویہ سے ان کی جو گفتگو ہوئی ہے اس سے ان کی حق گوئی اور بے باکی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے، ذیل میں یہ پوری گفتگو اغانی سے نقل کرتا ہوں۔

معاویہ: اے ابوالطفیل کیا تم بھی قاتلان عثمان میں تھے؟

ابوالطفیل: میں قاتلوں میں تو نہیں تھا لیکن ان لوگوں میں ضرور تھا جو وہاں موجود تھے لیکن اُن کی نصرت نہیں کی۔

معاویہ: تم کو ان کی مدد کرنے سے کیا امر مانع تھا؟

ابوالطفیل: یہ امر کہ مہاجرین وانصار نے ان کی مدد نہیں کی۔

معاویہ: لیکن عثمان کا حق اُن مہاجرین وانصار پر واجب تھا کہ وہ ان کی مدد کرتے۔

ابوالطفیل: تو پھر اے امیر المومنینؑ! آپ کو ان کی نصرت کرنے سے کس چیز نے باز رکھا جب کہ آپ کے ساتھ اہلِ شام بھی تھے۔

معاویہ: میرا اُن کے انتقام کے لیے کھڑا ہونا ہی ان کی نصرت ہے۔

ابوالطفیل: (ہنس کر) سبحان اللہ! آپ اور عثمان! بالکل وہی بات ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔

(میں اپنے مرنے کے بعد ہرگز تجھ کو نہ پاؤں گا کہ تو میرے اوپر روئے جب کہ یہ معلوم ہے کہ میری زندگی میں تو نے مجھ کو کیا توشہ دیا)۔

ابوالطفیل کی سیاسی زندگی:

ابوالطفیل نے تاریخ کا ایک طویل دور دیکھا ہے۔ ان کی زندگی میں واقعات نے جتنے پلٹے کھائے اور جس قدر حوادث سے وہ دوچار ہوئے، اس کی مثال ان کے معاصرین میں بہت کم ملتی ہے۔ اُن کا شعر ہے۔

وما شأبَ رأسِیَ من سنین تتابعت
عَلیَّ ولکِن شیبّتنی الوقائع

(استیعاب ۲/۶۵۳ و رجال کشی صفحہ ۶۳)

خصوصاً واقعہ کربلا کے بعد انتقام خونِ حسینؑ کی جو تحریک شروع ہوئی ہے وہ ایسی ہمہ گیر تھی جس سے کوئی شیعہ علیؑ مستثنیٰ نہ رہ سکا۔ چنانچہ ابوالطفیل بھی اِس موقعے پر مختار کے ساتھیوں میں نظر آتے ہیں۔

مورخین کا بیان ہے۔ محمد بن حنفیہ جب شام سے واپس ہوئے تو عبداللہ بن زبیر نے ان کو گرفتار کر لیا اور عارم کے قید خانے میں محبوس کر دیا۔ ان کے چھڑانے کے لیے کوفے سے جو لشکر روانہ ہوا ہے اس کے سردار ابوالطفیل تھے۔ یہ لشکر سجن عارم تک پہنچ گیا اور اس کو توڑ کر محمد حنفیہ کو نکال لیا، اس پر ابن زبیر نے اپنے بھائی مصعب کو لکھا کہ محمد حنفیہ کے اصحاب کی عورتوں کو بھیج دو۔ مصعب نے ان سب عورتوں کو وہاں سے نکال کر بھیج دیا۔ ان عورتوں میں ابوالطفیل کی زوجہ اور ان کا ایک صغیر السن لڑکا یحییٰ بھی تھا۔ اس واقعے پر ابوالطفیل نے حسب ذیل اشعار کہے۔

اِنْ یَکُ سَیّرھَا مُصعب
فَاَنِیّ الیٰ مصعب ذاھب
اقودُ الکتبیة مُستلِئماً
کَاَنِیّ اَخُو عِزّةِ اجرب

(اغانی ۱۳/۱۶۰ و تاریخ کامل ۴/۱۰۵)

(ترجمہ) اگر مصعب نے اسے (زوجہ ابوالطفیل) بھیجا ہے تو میں مصعب کی طرف تکلیف اٹھا کر جاؤں گا، میں ایک مسلّم اور تیار دستہ فوج کو لے کر وہاں پہنچوں گا، گویا کہ میں ایک صاحبِ عزت اور جنگ آزما آدمی ہوں۔

اس کے بعد ۶۷ھ میں جب مختار اور مصعب میں جنگ ہوئی اور مختار حروراء

پہنچ کر اپنے قصر میں پناہ گیر ہوئے، اس موقعے پر ان کے ساتھ دیگر اصحاب میں ابوالطفیل کا نام بھی ملتا ہے۔

مصعب نے ان کا محاصرہ کر لیا اور سختی شروع کی، اس وقت مختار نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ چلو یہاں سے نکل کر ان سے جنگ کریں ورنہ اس طرح ہم اور کمزور ہو جائیں گے مگر کسی نے ان کا کہنا نہ مانا، ابوالطفیل نے اس وقت اپنے کو قلعہ کی فصیل سے گرا دیا اور یہ شعر کہا۔

ولما رأیتُ الباب قد حِیل دونه
تکسّرتُ بِسمِ اللہ فیمن تکسّرا

عبداللہ بن زبیر پر ابوالطفیل کے اشعار:

علامہ ابوالفرج اصفہانی لکھتے ہیں ایک مرتبہ عبداللہ بن صفوان مکے میں ابنِ زبیر کے پاس آئے اور عبداللہ بن عباس کی تعریف کی اور کہا۔ وہ لوگوں کو فقہ کا درس دیتے ہیں اور ان کے بھائی، عبید اللہ بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں، لیکن یہ یاد رکھو کہ اب وہ تمہارے ہاتھ سے جاتے رہے، یہ سن کر ابنِ زبیر نے اپنے صاحبِ شرطہ، عبداللہ بن مطیع کو ان کے پاس بھیجا اور یہ کہلوایا کہ تم نے اس جھنڈے کو پھر نصب کیا ہے جس کو اللہ نے گرا دیا ہے، تمہارے پاس لوگوں کا یہ مجمع کیوں ہوتا ہے۔ اگر تم نے یہ روّیہ نہ چھوڑا تو مجبوراً مجھے کوئی سخت اقدام کرنا پڑے گا؛ عبداللہ بن مطیع نے جب یہ پیغام پہنچایا تو ابنِ عباس کو غصہ آ گیا اور کہا کہ ابنِ زبیر سے کہنا۔ تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے ہمارے پاس دو آدمیوں کے سوا تیسرا نہیں آتا، یا طالب فقہ یا طالب فضل، تم ان دونوں میں سے کس کو روکتے ہو! اس پر ابو الطفیل نے حسبِ ذیل اشعار کہے۔

لا درّ درّ للیالِی کیف تضحکنا
منہا خطوب اعا جیب و تبکینا
کنّا نجئ ابن عباس فیقبسنا
علما ویکسبنا اجراً ویھدینا
ولو یزالُ عبیداللہ منزعة
جفانه مطعمّا ضیفا و مسکینا
فالبرّو الدّین والدنیا بدارھا
ننال منہا الّذِی نبغی اِذا شئِنا
اِنّ النّبی ھُوَالنُّور الّذِی کشفت
بہٖ عمایات باقینا وماضِینا
ورھطه عصمة فی دانینا ولھم
فضل علینا وحقّ واجب فِینا
ولستُ فاعلمه اولیٰ منمورحماً
یابن الزّبیر ولا اولیٰ بہٖ دینا
ففیم تمنعھم عنّا و تمنعنا
منھم وتُؤذِ یھموا فینا وتؤذینا
لَن یُوتِیَ اللہُ مَن اخزیٰ ببغضھم
فِی الدّین عِزّا ولا فی الارضِ تمکینا

(اغانی ۱۳/۱۶۱)

(ترجمہ)۔ زمانے کی گردشوں کا بُرا ہو، اس کے نئے نئے حادثات کس طرح ہم پر ہنستے ہیں اور ہم کو رُلاتے ہیں۔

۲۔ ہم ابنِ عباس کے پاس آتے تھے، وہ ہم کو علم سکھاتے تھے اور اس کے ذریعے سے اجر حاصل کرتے تھے اور ہماری ہدایت کرتے تھے۔

۳۔ اور عبیداللہ ہمیشہ اپنے پیالوں کو بھرا رکھتے ہیں، مہمانوں اور مساکین کو کھلانے کے لیے۔

۴۔ پس نیکی اور دین اور دنیا ان دونوں کے گھروں سے وابستہ ہے، ہم جب اور جو چیز چاہتے ہیں ان کے گھر سے پاتے ہیں۔

۵۔ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا نور ہیں جن کے ذریعے سے ہمارے اسلاف کی اور ہماری تاریکیاں دور ہوئیں۔

۶۔ ان کا گھرانا ہمارے دین کا محافظ ہے اور ہمارے اوپر ان کا فضل ہے اور ہم پر ان کا حق واجب ہے۔

۷۔ اے ابنِ زبیر! جان رکھ کہ تو نہ رحم کے لحاظ سے ان سے اُولیٰ ہے نہ دین کے لحاظ سے۔

۸۔ پس تم کس چیز میں لوگوں کو ہم سے اور ہم کو ان سے باز رکھتے ہو اور ہمارے بارے میں ان کو تکلیف دیتے ہو اور ان کے بارے میں ہم کو۔

۹۔ سمجھ لو کہ ان سے بغض رکھنے والے کو اللہ نہ دین میں عزت دے گا نہ زمین میں تمکین عطا کرے گا۔

ابن الاشعث اور ابو طفیلؓ:

۸۱ھ میں عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث اور اس کے ساتھ عراق کی فوج نے حجاج سے بغاوت کی جس کی وجہ مؤرخین یہ لکھتے ہیں کہ حجاج نے عبدالرحمن کو بلا در تبیل کی طرف بھیجا تھا، وہاں پہنچ کر اس نے بہت سے علاقوں کو فتح کر لیا اور حجاج کو اس کی اطلاع دی، اسی کے ساتھ اس نے یہ بھی لکھا کہ آئندہ کچھ دنوں

تک اس کا سلسلہ موقوف رکھا جائے تا وقتیکہ راستوں سے واقفیت نہ ہو جائے اور تمام خراج وصول نہ ہو جائیں۔ حجاج نے عبدالرحمن کے اس مشورے کو اس کی کمزوری پر محمول کیا اور فوراً ایک تہدیدی خط لکھا کہ کسی حال میں فتوحات کو ملتوی نہ کیا جائے، اس کے بعد دو خط اسی مضمون کے اور لکھے، آخری خط میں تھا کہ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو تمہارے بھائی اسحق بن محمد کو تمہاری جگہ بھیج دیا جائے گا ان خطوط کے پہنچنے پر عبدالرحمن نے لوگوں کو جمع کیا اور تمام صورتِ واقعہ کو ان کے سامنے رکھا، اس موقع پر عبدالرحمن کی تائید کرنے والوں میں سب سے پہلے ابوالطفیل کا نام ملتا ہے، چنانچہ ان کے بیٹے مطرف بن عامر، ناقل ہیں کہ اس موقع پر سب سے پہلے میرے باپ نے جو شاعر بھی تھے اور خطیب بھی، کھڑے ہو کر تقریر کی اور خدا کی حمد وثنا کے بعد کہا۔

احجاج کی مثال اس شخص کی ہے جس نے سب سے پہلے اپنے بھائی سے کہا تھا کہ تو اپنے غلام کو گھوڑے پر سوار کر، اگر یہ ہلاک ہو گیا تو ہلاک ہو گیا اور اگر زندہ بچ گیا تب بھی تو اس کا مالک ہے۔ حجاج کو شمہ برابر بھی تمہاری پروا نہیں ہے اسی وجہ سے اس نے تمہیں ایسے پُرخطر ممالک میں بھیجا ہے۔ اس سے اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر تمہیں فتح ہوئی تو مال غنیمت تو ضرور تم حاصل کرو گے مگر اس علاقے کی آمدنی سب اس کی ہے، اس طرح اس کی طاقت اور دبدبے میں اضافہ ہوگا اور اگر دشمنوں نے تم پر فتح پائی تو اس وقت حجاج کی نظر میں تم ایسے حقیر و ذلیل ہو جاؤ گے جن کی تکالیف کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا اور جن پر مطلقاً رحم نہیں کیا جاتا اس لیے آپ لوگ دشمنِ خدا احجاج کو چھوڑ دیجیے اور عبدالرحمن کو اپنا امیر بنا لیں، میں اس کی ابتدا کرتا ہوں اور آپ سب کو اس پر گواہ بناتا ہوں)۔ (تاریخ طبری ۸/۸)

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ اُن کے بیٹھنے سے قبل ہر طرف سے یہ آوازیں آنا شروع

ہوئیں کہ ہم آپ کی رائے پر عمل کرتے ہیں اور حجاج کو چھوڑتے ہیں۔

طفیل بن عامر کی شہادت:

عبدالرحمن اور حجاج کی یہ جنگ تاریخ کا ایک عبرت انگیز واقعہ ہے۔ اس جنگ میں فقہاء، صحابہ و تابعین کی اکثریت نے عبدالرحمٰن کا ساتھ دیا جو سب کے سب تلوار کے گھاٹ اتارے گئے۔ اسی جنگ میں ابوالطفیل کے ایک بیٹے، طفیل بن عامر بھی شہید ہوئے۔ مؤرخ طبری لکھتا ہے طفیل نے عبدالرحمٰن کے ہمراہ کران سے آتے ہوئے فارس میں چند شعر کہے تھے جن میں حجاج کی موت کی آرزو کی تھی چنانچہ اس کے قتل ہونے کے بعد حجاج نے کہا" تو نے میرے لیے ایسی بات کی تمنا کی تھی کہ خدا کے علم میں تو اس کا زیادہ مستحق تھا۔ دنیا میں اس نے فوراً ہی تجھے کیفرِ کردار کو پہنچادیا اور آخرت میں بھی وہی تجھ کو عذاب دینے والا ہے"۔

(تاریخِ طبری ۱۲/۸)

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالطفیل پر اس واقعے کا بے حد اثر ہوا اور انھوں نے اس پر حسبِ ذیل مرثیہ کہا۔

خلّی طفیل علیَّ الھمَّ وانشعبا
وھدَّا ذٰلك رکنی ھدة عجبا
وابنَی سمیة لا انساھما ابداً
فیمن نسیت وکل کان لی وصبا
واخطأتنی المنایا لا تطالعنی
حتّٰی کبرت ولم یترکن لی نشبا
وکنت بعد طفیلٍ کالّذِی نضبت
عنہُ المیاہ وغاض الماء فانقضبا

فلا بعیرٌ لهُ فی الارض یرکبه

وان سعیٰ اِثُر من قد فاته لغبا

وصار من ارض خاقان الّتی غلبت

ابناء فارس فی ارباءها غلبا

ومن سجستان اسباب تزیّنها

لك المنیّة حینا کان مجتلبا

حتّٰی وردت خیاض الموت فانکشفت

عنك الکتائب لا تخفی الها عقبا

وغادروك صریعا رهن معرکة

تُری النّسور علیٰ القتلیٰ بها عُصبها

تعاهدوا ثُمّ لم یُرفُوا بما عهدوا

واسلمو للعدوا لشبیٰ والسلبا

یا سوئة القوم اذ تسبیٰ نساء هم

وهم کثیریرون الخزیّ والحربا

(تاریخ طبری ۱۳/۸)

ابوالفرج اصفہانی نے اغانی میں اس مرثیے کے ۶ شعر نقل کیے ہیں جن میں ابتدائی دو شعر تو یہی ہیں اور چار شعر ان پر مزید ہیں۔

فلن یرد بکاء المرء ماذهبا

ولیس یشفی حزینا من تذ کره

الّا البکاء اذا ما ناح وانتحبا

فاذ سلکت سبیلا، کنت سالکها

ولا محالة ان یاتی الّذی کتبا
فما لبطنك من ریٍّ ولا شبعٍ
ولا ظللت بنا فِی العیش مرتعبا

(اغانی ۱۳/۱۶۱)

مؤرخ کامل نے صرف چار شعر دیے ہیں جن میں تین تو وہی ہیں جو طبری میں ہیں اور حسبِ ذیل ایک شعر زائد ہے۔

مهما نسیت فلا انساهُ اذ حدقت
بہ الا سنّة مقتولا ومسلبا

(تاریخ کامل ۴/۱۹۳)

شاعری:

ابوالطفیل کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ جس طرح ایک بلند پایہ فقیہ اور محدث تھے اسی طرح اعلیٰ درجے کے شاعر اور خطیب بھی تھے۔ علاّمہ ابنِ عبدالبر ان کے تذکرے میں لکھتے ہیں۔

ابنِ ابی خثیمہ نے شعراء صحابہ میں ان کا ذکر کیا ہے اور وہ فاضل، عاقل، حاضر جواب اور فصیح تھے اور علی کے شیعوں میں تھے۔ (استیعاب ۲/۶۵۳)

اس سلسلے میں ابوالفرج اصفہانی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ بشر بن مروان، جس زمانے میں عراق کا گورنر تھا تو ایک دن اس نے بن زنیم سے کہا کہ کنانہ کا کوئی بہترین شعر سناؤ!

اس پر اس نے ابوالطفیل کا یہ قصیدہ سنایا۔

ایہ عوننی شیخاً وقد عشت حقبة
وهنّ مِن الازواج نحوی نوازع

بشر نے جب یہ کلام سنا تو کہنے لگا "تم نے سچ کہا فی الحقیقت یہ شخص اشعر شعراء ہے"

اسی طرح ایک موقعے پر حجاج نے بھی انس سے اس قصیدے کی فرمائش کی، انس نے جب یہ قصیدہ سنایا تو حجاج نے کہا:-

اللہ اس منافق کو ہلاک کرے یہ کتنا بڑا شاعر ہے (اغانی ۱۵۹/۱۳)

ابوالطفیل کے کلام کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ خود ان کے زمانے ہی میں ان کے اشعار کی اشاعت اس حد تک ہوگئی تھی کہ لوگ اکثر اجتماعات کے موقعوں پر ان کا کلام پڑھتے تھے چنانچہ ابوالفرج اصفہانی نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ قریش کے کچھ نوجوان کسی مقام پر بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے اور شعر پڑھے جا رہے تھے اتنے میں طویس بھی آ گیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا، لوگوں نے اس سے کہا۔ "اے ابوعبدالمنعم! کیا اچھا ہو کہ اس موقعے پر آپ بھی کچھ اشعار سنائیں"، طویس نے کہا۔ "ضرور، میں تم کو ایسے بزرگ کا کلام سناتا ہوں جو رسولؐ اللہ کے اصحاب اور علیؑ کے شیعوں میں ہے اور ان کے رایت کا حامل ہے، جس نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے تھے اور اپنی قوم کا سردار اور شاعر تھا"، لوگوں نے کہا۔ "اے ابوعبدالمنعم! وہ کون شخص ہے"؟ طویس نے کہا "وہ شخص عامر بن واثلہ ہے"۔ اس کے بعد ان کا حسبِ ذیل قصیدہ سنایا۔

ایہ عوننی شیخا وقد عشت حقبۃ
وھنّ مِن الازواج نحوی نوازع

(اغانی ۱۶۲/۱۳)

مؤلف اغانی نے ان کے اور بھی بہت سے اشعار نقل کیے ہیں جن کو بخوفِ

طوالت نظر انداز کرتا ہوں۔

آثارِ علمیہ:

ابوالطفیل کے آثارِ علمیہ میں ان کے وہ مرویات ہیں جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیز آپ کے اصحاب سے روایت کیے ہیں جن کا جمع کرنا مستقل ایک کام ہے، البتہ امیر المومنینؑ کے چند اقوال اور خطبے جو "رجالِ نہج البلاغۃ" کی تالیف کے دوران میں ابوالطفیل کی روایت کے ساتھ میری نظر سے گزرے ہیں ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

اے لوگو! مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خوف دو چیزوں کا ہے۔

(نہج البلاغۃ مطبع بیروت ۸۵/۱)

یہ کلام شیخ ابوجعفر طوسی نے اپنی امالی صفحہ ۳۷ میں حسبِ ذیل اسناد کے ساتھ ابوالطفیل سے روایت کیا ہے۔

(۲) اے لوگو! زہد آرزوؤں کا کوتاہ کرنا ہے اور نعمتوں کے وقت شکر بجالانا اور محرمات کے موقعے پر ان سے پرہیز کرنا۔

یہ کلام شیخ صدوق متوفی ۳۸۱ھ نے کتاب "معانی الاخبار" صفحہ ۹۲ میں حسبِ ذیل طریقے سے ابوالطفیل سے روایت کیا ہے۔

(۳) اگر میری اس تلوار سے مومن کی گردن ماردی جائے اس بات پر کہ وہ مجھ سے بغض رکھے تو کبھی اس پر راضی نہ ہوگا۔ (نہج البلاغۃ ۲ / ۲۸)

یہ کلام شارحِ نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح (۱ / ۱۹۹) میں حسبِ ذیل سند کے ساتھ ابوالطفیل سے روایت کیا ہے۔

(عبدالکریم بن ہلال نے اسلم مکی سے ابوالطفیل کی زبانی روایت کی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے علی ابنِ ابی طالب کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے "اگر مومن کی

گردنیں میری تلوار کے نیچے رکھ دی جائیں تب بھی وہ مجھ کو دشمن نہ رکھے گا اور منافق پر اگر سونا اور چاندی بکھیری جائے تو بھی وہ مجھ کو دوست نہ رکھے گا)۔

(۴) پوچھ لو مجھ سے، قبل اس کے کہ میں تمہارے درمیان سے اٹھ جاؤں۔

(نہج ۱/ ۲۰۳)

یہ کلام علامہ ابوالفرج اصفہانی نے اپنی کتاب ''الاغانی'' (۱۴/ ۱۵۹) میں حسبِ ذیل طریقے سے ابوالطفیل سے روایت کیا ہے۔

مجھ سے ابوعبید اللہ صیرفی نے بیان کیا، انھوں نے فضل بن الحسن سے، انھوں نے ابونعیم سے، انھوں نے بسام صیرفی سے انھوں نے ابوالطفیل سے سن کر بیان کیا۔ ابوالطفیل کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ علی علیہ السّلام کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ نے اثنا خطبہ میں فرمایا۔ پوچھ لو مجھ سے قبل اس کے کہ میں تمہارے درمیان سے اٹھ جاؤں، اس پر ابن الکواء کھڑا ہوگیا اور کہا اے امیر المومنین! ذرا بتایئے ''الذاریات درواً'' کے کیا معنی ہیں، آپ نے جواب دیا ''الریاح'' (ہوائیں) پھر اس نے پوچھا "الجاریات یسراً" کیا ہے؟ فرمایا کشتیاں، پھر پوچھا "الحاملات وقراً" کیا ہے؟ جواب دیا یہ بادل ہیں، پھر پوچھا "المقسمات امراً فرمایا ''ملائکہ''۔ اب اس نے سوال کیا۔ وہ کون لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ فرماتا ہے "بدلوا نعمة الله کفرا "انھوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا) آپ نے جواب دیا۔ وہ قریش کے دو فاجر بنو اُمیہ اور بنو مخزوم ہیں، پھر اس نے سوال کیا ذوالقرنین کون تھا؟ آیا نبی تھا یا فرشتہ، فرمایا وہ ایک بندہ مومن تھا (یا صالحاً) جو اللہ سے محبت کرتا تھا اور اللہ اس سے محبت رکھتا تھا، اس نے اپنے دائیں قرن پر ایک ضرب لگائی اور مر گیا پھر زندہ ہوا اور بائیں قرن پر ضرب لگائی اور مر گیا اور تم میں اس کی مثل موجود ہے)۔

وفات:

ابوالطفیل کی وفات کے بارے میں مؤرخین نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ابوالطفیل ایک جگہ دعوتِ ولیمہ میں بلائے گئے وہاں ایک مغنیہ نے طفیل کے مرثیے کا یہ شعر گانا شروع کیا۔

خلّی طفیل علیّ الھمّ وانشعبا
وھدّ ذٰلک رکنی ھدۃ عجباً

(طفیل نے میرے لیے ایسا غم چھوڑا ہے جو رگ سو پے میں سرایت کر گیا ہے اور جس نے میری قوت کو بالکل ختم کر دیا)

روایت میں ہے کہ ابوالطفیل پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ چیخیں مار مار کر رونا شروع کیا اور ہائے طفیل کہہ کر بے ہوش ہو گئے۔ لوگوں نے جب دیکھا تو انتقال کر چکے تھے۔

(آغانی ۱۳/۱۶۱)

سنہ وفات کے بارے میں رجالیین میں اختلاف ہے اس لیے یقین کے ساتھ کوئی صحیح تاریخ متعین نہیں کی جا سکتی پھر بھی ۱۰۰ھ تک ان کا بقیدِ حیات رہنا یقینی ہے۔ مؤلف تہذیب التہذیب نے اس سلسلہ میں حسبِ ذیل اقوال نقل کیے ہیں۔

۱۔ مسلم کا قول ہے۔ ابوالطفیل کا انتقال ۱۰۰ھ میں ہوا۔

۲۔ خلیفہ (ابنِ خیاط) کا قول ہے کہ ۱۰۰ھ کے بعد انتقال ہوا اور کہا جاتا ہے کہ ۱۰۷ھ میں انتقال ہوا۔

۳۔ ابن البرقی کا قول ہے۔ ۱۰۲ھ میں مرے۔

۴۔ وہب بن جریر بن حازم نے اپنے باپ کی زبانی بیان کیا ہے کہ میں ۱۱۰ھ میں مکے میں تھا کہ میں نے ایک جنازے کو دیکھا لوگوں سے جب اس کے

بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا۔ یہ ابوالطفیل ہے۔

۵۔ موسیٰ بن اسمٰعیل نے مبارک بن فضالہ سے، انھوں نے کثیر بن اعین سے سن کر بیان کیا وہ کہتے تھے کہ میں نے ۱۰۷ھ میں ابوالطفیل کو مکّے میں کہتے ہوئے سنا۔ رسولؐ اللہ ہنسے اور اس کے بعد پورا قصہ بیان کیا۔

(تہذیب التہذیب ۵/ ۸۲)

مذکورہ بالا اقوال کی روشنی میں ان کی وفات ۱۰۰ھ سے ۱۱۰ھ تک دائر ہے لیکن مشہور قول یہی ہے کہ ان کا انتقال ۱۰۰ھ میں ہوا۔

❀❀❀

الحارث بن عبداللہ الاعور الہمدانی

نام ونَسَب:

حارث نام، کنیت ابوزہیر اعور لقب، کوفے کے رہنے والے تھے، سلسلۂ نَسَب اس طرح ہے: (میزان الاعتدال ۱:۱۷۶)

"الحارث الاعور بن عبداللہ بن کعب بن اسد بن مخلد بن حوت واسمہٗ عبداللہ بن سبع بن صعب بن معاویہ بن کثیر بن مالک بن جشم بن حاشد بن جشم بن خیوان بن نوف بن ہمدان و حوت،ہواخوالسبیع رہط ابی اسحاق السبیعی" (ذیل الذیل الطبری ۱۰۹)

علم وفضل:

حارث اعور کا شمار امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السّلام کے ان اصحاب میں ہے جن کو صاحبانِ اسرار کہا جاتا ہے۔ عام طور سے ان کو ایک عابد وزاہد صحابی کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا شمار اپنے وقت کے متبحر علماء میں تھا۔ اُنھوں نے علم فقہ وفرائض وحساب، حضرت علی اور عبداللہ بن مسعودؓ سے حاصل کیا تھا ان علوم میں وہ اپنے امثال میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے، جیسا کہ ابنِ سعد کی حسبِ ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ ہم کو فضل بن وکین نے خبر دی، ان کا بیان ہے کہ ہم سے زہیر نے ابو اسحق کی زبانی بیان کیا، ان کا قول ہے کہ عام طور سے لوگ کہا کرتے تھے کہ کوفے میں عبیدہ اور حارث اعور سے زیادہ علم فرائض کا کوئی جاننے والا نہیں ہے۔ (طبقات ابن سعد ۶:۱۱۶)

شعبی جن کا شمار ائمہ حدیث میں ہوتا ہے وہ حارث ہی کے خوشہ چینوں میں تھے، ان کا بیان ہے کہ میں نے علم فرائض وحساب، حارث اعور سے حاصل کیا ہے اور وہ لوگوں میں سب سے زیادہ علم حساب کے جاننے والے تھے

(ذیل الذیل صفحہ ۱۰۹)

علاّمہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں۔

ابوبکر بن ابی داؤد کا قول ہے: حارث اعور لوگوں میں سب سے زیادہ علم فقہ کے جاننے والے اور سب سے زیادہ علم فرائض وحساب کے جاننے والے تھے انھوں نے علم فرائض حضرت علی سے حاصل کیا تھا۔ آگے چل کر یہی مؤلف ایک دوسری روایت لکھتے ہیں۔ (میزان الاعتدال ۱:۱۷۶)

مرہ بن خالد کا بیان ہے کہ ہم سے محمد بن سیرین نے بیان کیا، وہ کہتے تھے کہ ابن مسعود کے اصحاب میں پانچ آدمی تھے جن سے اخذ واستفادہ کیا جاتا تھا، میں نے ان میں سے چار کا ادراک کیا ہے اور حارث اعور کا ادراک نہ کرسکا۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ حارث کو ان سب پر فضیلت دیا کرتے تھے (میزان الاعتدال ۱:۱۷۷)

حارث کی علمی جلالت کا اندازہ ذیل کی روایت سے ہوتا ہے جس کو ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا:

علبا ابن احمر سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ علی بن ابی طالب نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور کہا "کون ہے؟ جو ایک درہم کے عوض علم کو خرید لے"۔ یہ سن

کر حارث اعور نے ایک درہم دے کر کچھ صحیفے خریدے اور ان کو لے کر امیر المومنینؑ کی خدمت میں آئے آپ نے علمِ کثیر اس میں لکھ دیا اس کے بعد جب دوبارہ آپ نے خطبہ پڑھا تو فرمایا اے اہلِ کوفہ تم پر آدھا آدمی غالب ہے (بسبب اپنے علم کے) (طبقات ۶:۱۱۶)

حارث اعور بحیثیت راویِ حدیث:

حارث اعور نہ صرف عالم اور عابد و زاہد تھے بلکہ راویِ حدیث ہونے کی حیثیت سے بھی ان کا درجہ کافی بلند ہے۔ انھوں نے امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے احادیث کی روایت کی ہے نیز ان سے روایت کرنے والوں میں عمرو بن مرہ، ابواسحق اور محدثین کی ایک جماعت ہے چنانچہ قریب قریب تمام محدثینِ اسلام نے حارث کی مرویات کو اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ ذہبی نے لکھا ہے۔ وحدیث الحرث فی السنن الاربعۃ" حارث کی احادیث سننِ اربعہ میں لی گئی ہیں۔ ان کی کثرتِ مرویات کا اندازہ ذیل کی روایت سے ہوتا ہے جس کو ذہبی نے بندار کی زبانی روایت کیا ہے۔

بندار کا بیان ہے: میں ایک مرتبہ بیٹھا ہوا کچھ احادیث نقل کر رہا تھا کہ یحییٰ اور عبدالرحمن نے میرے ہاتھ سے قلم لے لیا اور تقریباً چالیس احادیث جو حارث نے علی بن ابی طالب سے روایت کی ہیں اسی وقت لکھ ڈالیں۔

(میزان الاعتدال ۱:۱۷۷)

عام حالات:

حارثِ اعور کے عام حالاتِ زندگی سے تاریخِ اسلام کا صفحہ بالکل سادہ نظر آتا ہے تاریخ کا یہ ایک ایسا زبردست خلا ہے جو قدم قدم پر امیر المومنینؑ کے اصحاب

نیز آپ کے بعد دیگر ائمۂ اہل بیتِ اوران کے موالیان کے سلسلے میں ملتا ہے۔

حارث اعور کے رجحانِ طبع کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ سیاسی اختلافات سے ان کو دلچسپی نہ تھی، پھر بھی ذاتِ امیر المومنینؑ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے وابستگی کی بناپر یہ ناممکن ہے کہ جمل اور صفین جیسے اہم موقعوں پر وہ آپ کے ہمراہ نہ رہے ہوں، لیکن تاریخیں ان کے ذکر سے خاموش ہیں، صرف ابنِ ابی الحدید نے اپنی شرح میں نصر (بن مزاحم) کے حوالے سے جنگ صفین میں ان کی موجودگی کی نشاندہی کی ہے، اس نے لکھا ہے کہ جس وقت امیر المومنین نخیلہ پہنچے ہیں تو آپ نے حارث اعور کو حکم دیا کہ جا کر لوگوں میں منادی کر دیں کہ وہ نخیلہ میں اپنے لشکر گاہ کی طرف چلے جائیں۔ (شرح ابن ابی الحدید ۱: ۱۵۷)

اس سے پہلے ایک مقام پر وہ عثمان کے زمانۂ خلافت میں نظر آتے ہیں، چنانچہ ۳۰ھ میں جب سعید بن العاص کوفے کا گورنر ہو کر آیا ہے اور اس نے وہاں کے لوگوں پر ظلم کرنا شروع کیا تو جو لوگ اس کی شکایت لے کر حضرت عثمان کے پاس گئے ہیں اُن میں مالکِ اشتر، صعصعہ بن صوحان، کمیل بن زیاد وغیرہ کے ساتھ ان کا نام بھی ہے۔ (طبقات ابن سعد ۵: ۲۱)

اس کے بعد حارث اعور ۶۵ ہجری تک بقیدِ حیات رہے اور اس دوران میں بہت سے اہم تاریخی واقعات رونما ہوئے خصوصاً واقعۂ کربلا جیسا الم ناک حادثہ پیش آیا لیکن حارث کا نام کسی مقام پر نہیں ملتا، معلوم نہیں کن وجوہات کی بنا پر واقعہ کربلا میں شرکت نہ کر سکے۔

حارث اعور کے بارے میں رجالیینِ اہلسنّت کی رائیں:

حارث اعور اس دور کی شخصیتوں میں ہیں جب مسلمانوں میں سیاسی اختلافات نہایت سرگرمی کے ساتھ رونما ہو چکے تھے۔ جمل وصفین کے خونچکاں

مناظر نفاق و شفاق کا بیج بو چکے تھے جس کے نتیجے میں شیعیانِ علی اور شیعیان عثمان دو مستقل گروہ وجود میں آگئے تھے۔ حارث اعور اگرچہ زندگی بھر ان اختلافات سے الگ رہے پھر بھی ذات امیر المومنینؑ سے وابستگی کی بنا پر وہ اس زد سے نہ بچ سکے، اس وقت تک اگرچہ اصطلاحی معنی میں شیعوں کا کوئی الگ فرقہ نہ تھا لیکن ایسے تمام اصحاب کے لیے جو حضرت علیؑ سے مذہبی طور پر عقیدت رکھتے تھے علمائے اہلِ سنت نے شیعہ غالی کا لفظ استعمال کیا ہے اور آگے چل کر یہی چیز ان کی ثقاہت و عدالت میں قادح قرار پائی چنانچہ ایک طرف تو حارث کی علمی جلالت، دوسری طرف اُن کا تشیّع اِن دونوں باتوں نے مل کر حارث کی شخصیت کو عجیب سا بنا دیا ہے۔ ذہبی نے ان کے بارے میں علمائے اسلام کے تمام مختلف اقوال نقل کیے ہیں، ملاحظہ ہوں:

۱۔ حارث اعور کبار علماء تابعین میں ہیں لیکن انھیں ضعف ہے۔

۲۔ مغیرہ نے شعبی سے روایت کیا ہے، وہ کہتے تھے: مجھ سے حارثِ اعور نے بیان کیا اور وہ کذّاب تھے۔

۳۔ منصور نے ابراہیم سے روایت کی ہے کہ حرث متّہم تھے

۴۔ ابوبکر بن عیاش نے مغیرہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے تھے کہ حارث علیؑ سے جو روایت کرتے ہیں اس میں سچے نہیں ہیں۔

۵۔ ابنِ مدینی نے ان کو کذاب کہا ہے۔

۶۔ جریر بن عبدالحمید کا قول ہے کہ حارث مردود ہیں۔

۷۔ ابنِ معین کا قول ہے: وہ ضعیف ہیں۔

۸۔ عباس نے ابنِ معین کی زبانی بیان کیا ہے کہ حارث سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اسی طرح نسائی نے کہا ہے اور ان ہی سے یہ بھی

روایت ہے کہ وہ قوی نہیں ہیں۔

۹۔ دارقطنی نے ضعیف کہا ہے۔

۱۰۔ ابنِ عدی کا قول ہے کہ حارث کی مرویات عموماً غیر محفوظ ہیں۔

۱۱۔ یحییٰ بن القطان نے سفیان کی زبانی بیان کیا ہے ہم عاصم (بن ضمرہ) کی حدیث کی فضیلت حارث کی حدیث پر خوب پہچانتے تھے۔

۱۲۔ عثمان دارمی کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن معین سے حارث اعور کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے کہا وہ ثقہ ہیں۔

۱۳۔ شعبی کا قول ہے کہ اس امت میں کسی پر اتنا جھوٹ نہیں بولا گیا جتنا علی رضی اللہ عنہ پر

۱۴۔ ایوب کا بیان ہے کہ ابنِ سیرین کی رائے تھی کہ حضرت علیؑ سے حارث کی روایت عموماً باطل ہوتی ہے۔

۱۵۔ مفضل بن مہلہل نے مغیرہ کی زبانی بیان کیا ہے کہ انھوں نے شعبی کو یہ کہتے ہوئے سُنا" مجھ سے حارث نے بیان کیا اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذّاب تھے۔

۱۶۔ محمد بن شیبۃ الضبی نے ابو اسحاق سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے: حارث اعور کا یہ گمان ہے اور وہ کذّاب تھے۔

۱۷۔ ابنِ حبان کا قول ہے: حارث غالی شیعہ تھے اور واہی باتیں بیان کیا کرتے تھے۔ یہ تمام اقوال نقل کرنے کے بعد مولف لکھتے ہیں۔

(میزان الاعتدال ۱: ۱۷۶۔۱۷۷)

حارث کی احادیث سننِ اربعہ میں لی گئی ہیں اور نسائی نے ان کے رجال میں شک کرنے کے باوجود ان سے احتجاج کیا ہے اور ان کے امر کو قوت دی ہے اور جمہور اُن کے امر کو کمزور کرنے پر تلے ہوئے ہیں پھر بھی مختلف ابواب میں ان

سے احادیث کی بھی روایت کرتے ہیں یہی شعبی ان کو جھوٹا بھی بتاتا ہے اور ان سے حدیث کی روایت بھی کرتا جاتا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ حارث کا کذب لہجے اور حکایت میں ہے نہ کہ امرِ واقعہ میں۔

مولف کہتا ہے کہ علّامہ نے شعبی پر تو یہ طنز کیا کہ وہ حارث کو جھوٹا بھی بتاتے ہیں اور ان سے روایتِ حدیث بھی کرتے ہیں لیکن اپنے قول پر انھوں نے غور نہیں کیا کہ حارث کو کبار علما تابعین میں بھی بتاتے ہیں اور ضعیف بھی کہتے ہیں۔ یہی حال ابنِ معین کا ہے کبھی تو وہ ان کو ضعیف کہتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ حارث سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔عثمان دارمی جب ان سے سوال کرتے ہیں تو کہتے ہیں، حارث ثقہ ہیں۔ ابنِ سیرین اکابر تابعین میں ہونے کے باوجود ایک موقعے پر تو کہتے ہیں کہ ابنِ مسعود کے پانچ اصحاب جو مرجع علماء تھے، حارث ان میں سب سے افضل تھے، دوسری جگہ کہتے ہیں کہ حارث علیؑ سے جو کچھ روایت کرتے ہیں وہ باطل ہے۔ اسی طرح ابو اسحق اپنے علم و تقدس کے باوجود حارث کو کذّاب بھی کہتے ہیں اور اُن سے احادیث کی روایت بھی کرتے ہیں، اتنا ہی نہیں بلکہ ان کے پیچھے نماز بھی پڑھتے ہیں جیسا کہ ابنِ سعد نے لکھا ہے۔

ہم کو فضل بن دکین نے خبر دی ہے، ان کا بیان ہے کہ ہم سے زہیر بن معاویہ نے ابو اسحق کی زبانی بیان کیا کہ وہ حارث اعور کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے اور وہ اپنی قوم کے امام تھے اور ان کے جنازوں کی نماز پڑھایا کرتے تھے اور جب کسی جنازے کی نماز پڑھاتے تھے تو دائیں طرف صرف ایک مرتبہ سلام پھیرا کرتے تھے۔ (طبقات ۶:۱۱۶)

ان سب باتوں کے علاوہ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ علیؑ سے روایت کرنے میں

تو حارث جھوٹے ہیں لیکن حدیثِ نبوی کی روایت میں سچے آخر ایسا کس بنا پر ہے؟

حارث اعور اور کلام مولا علیؑ کی جمع وتدوین:

کلامِ امیر المومنینؑ کی جمع وتدوین میں حارث کی خدمات ان کو اپنے اقران میں ممتاز بناتی ہیں۔ انھوں نے کلام علیؑ کے محفوظ کرنے میں زندگی بھر یہ التزام رکھا تھا کہ جو کچھ حضرت سے سنتے تھے اس کو فوراً قلم بند کرلیا کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ صدوق نے ابواسحق کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دن امیر المومنین علی ابنِ ابی طالبؑ نے عصر کے بعد خطبہ دیا، اس میں اللہ کی عظمت اور اس کے صفات کا ایسے دلکش پیرایے میں بیان کیا جو سننے والوں کو بے حد پسند آیا، ابواسحق کا بیان ہے کہ میں نے حارث سے کہا، کیا تم نے اس کو محفوظ نہیں کیا، حارث نے کہا نہیں بلکہ میں نے اس کو لکھ لیا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی کتاب سے وہ خطبہ ہم کو لکھوایا۔ (کتاب التوحید صفحہ ۲۱)

اسی کا سبب تھا کہ حارث کے پاس کلامِ علیؑ کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ ایک مرتبہ جب امام حسنؑ نے اُن کو لکھا کہ آپ نے امیر المومنینؑ سے وہ احادیث سنی ہیں جو میں نہیں سن سکا تو حارث نے یہ ذخیرہ ایک اونٹ پر بار کرکے ان کی خدمت میں بھیجا۔

(ذیل المذیل الطبری صفحہ ۱۰۹)

اس کی تائید ابنِ سعد کی مندرجہ ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے جو اُس نے اپنے سلسلۂ سند کے ساتھ عامر کی زبانی نقل کی ہے۔

ہم کو فضل بن دکین نے خبر دی ہے، ان کا بیان ہے کہ ہم سے شریک نے، ان سے جابر نے، ان سے عامر نے بیان کیا، عامر کا بیان ہے میں نے حسنؑ حسینؑ کو دیکھا کہ وہ دونوں حارث اعور سے حدیثِ علی کے بارے میں دریافت کیا کرتے تھے۔

(طبقات ابن سعد ۶:۱۱۶)

حارث اعور کی مرویات:

حارث اعور سے اکثر موقعوں پر امیر المومنینؑ نے وہ باتیں بیان فرمائی ہیں جن کو عامۃ الناس پر ظاہر نہیں کیا اور غالباً ان ہی مرویات کی بنا پر سوادِ اعظم کے محدثین کا ان کے بارے میں یہ خیال ہے کہ حارث علیؑ سے جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ باطل ہوتا ہے، اسی سلسلے کی وہ حدیث ہے کہ کوئی محب میرا اس وقت تک نہیں مرتا جب تک وہ مجھ کو ایسی حالت میں نہ دیکھ لے جس کو وہ محبوب رکھتا ہے اور کوئی دشمن میرا اس وقت تک نہیں مرتا جب تک وہ مجھ کو ایسی حالت میں نہ دیکھ لے جس کو وہ مکروہ سمجھتا ہو اس حدیث کو عبدالعزیز الکشی نے کتاب الرجال میں اور شیخ الطائفہ نے اپنی امالی میں حسبِ ذیل طریقے پر وارد کیا:

شعبی سے روایت ہے کہ میں نے حارث اعور کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک رات میں علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے مجھ سے فرمایا ''اے اعور! اس وقت آنے کا کیا سبب ہوا''، میں نے کہا، ''اے امیر المومنینؑ! قسم بخدا! صرف آپ کی یاد اس وقت مجھ کو لائی ہے''۔ یہ سن کر امیر المومنین نے فرمایا: ''میں اس وقت تم سے ایسی بات بیان کرتا ہوں جس کو سن کر شکر ادا کرو گے، آگاہ ہو جاؤ! کوئی میرا محب اس وقت تک نہیں مرتا جب تک وہ مجھ کو ایسی حیثیت میں نہ دیکھ لے جس کو وہ محبوب رکھتا ہے اور کوئی دشمن اس وقت تک نہیں مرتا جب تک وہ مجھ کو ایسی حیثیت میں نہ دیکھ لے جس کو وہ مکروہ رکھتا ہو''۔

(رجال کشی صفحہ ۷۵۹، امالی شیخ الطائفہ صفحہ ۳۰)

اس مضمون کو امیر المومنینؑ نے اشعار میں بھی نظم فرمایا ہے۔ جو آپ کے دیوان میں موجود ہیں۔

یاحار همدان من یمت یرنی

من مومن اومنافقٍ قبلا

یعرفنی من طرفه واعرفهٗ

باسمهٖ ذالکُنیٰ وما فعلا

وانت عندالصراط معترضِی

فلا تخف عثرۃ ولا زللا

اقول للنّارحین توقف للارض

ذریّه لا تقرابی الرجلا

ذریه لا تقربیهٖ انّ لهٗ

حبلا بحبل الوصی متصلا

اُسقیك من باردٍ علیٰ ظمأ

تخاله فی الحلاوۃ العلا

(مجالس المومنین)

۲۔ ایک مرتبہ حارث اعور، امیر المومنینؑ کے پاس آئے اور عرض کی، ''اے امیر المومنینؑ! آپ ان لوگوں کو دیکھ رہے ہیں کہ ان احادیث کو پکڑ لیا ہے اور کتابِ خدا کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے''، اس پر آپ نے فرمایا: ''میں نے رسول ؐاللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ''عنقریب ایک فتنہ رونما ہوگا''، میں نے عرض کی: ''اس فتنے سے بچاؤ کی کیا تدبیر ہوگی''، فرمایا!'' اللہ کی کتاب! جس میں تمہارے ماقبل کی بھی خبریں ہیں اور مابعد کی بھی اور جو معاملات تمہارے درمیان میں ہیں ان کا فیصلہ ہے، وہ ایک فیصلہ کن چیز ہے نہ کہ لغو و عبث، سرکشوں میں سے جو اس کو چھوڑے گا اللہ اس کو ہلاک کر دے گا، اور جو اس کے علاوہ کسی اور چیز سے ہدایت کا طالب ہوگا تو اللہ اس کو گمراہ کر دے گا، وہ اللہ کی مضبوط رسّی ہے اور حکمت سکھانے والا ذکر اور سیدھا راستہ، وہ کتاب اللہ وہ ہے کہ عقلیں اس

سے ٹیڑھی نہیں ہوتیں نہ زبانیں اس سے ملتبس ہوتی ہیں نہ اس کے عجائب انجام پذیر ہوتے ہیں۔ اس جیسا کوئی علم نہیں ہے، وہ ایسا کلام ہے کہ جنوں نے جب اس کو سنا تو کہنے لگے "وانّا سمعنا قرانا عجبا یھدی الی الرشد" (ہم نے عجیب کلام سنا جو رشد کی طرف راستہ دکھاتا ہے) جس نے اس کے مطابق کہا وہ سچا ہے اور جو اس سے جدا ہوا وہ زیادتی کا مرتکب ہوا، جس نے اس پر عمل کیا ماجور ہوا اور جس نے اس سے تمسک کیا وہ سیدھے راستے پر لگ گیا، خذھا الیك یا اعور اے اعور! اس کو لے لو"!

اس روایت کو علّامہ ابنِ عبدربہ الاندلسی نے عقد الفرید (۲:۹۹) اور ابنِ قتیبہ نے عیون الاخبار (۲:۴۳) میں بھی باختلافِ الفاظ نقل کیا ہے۔

وفات:

تمام اربابِ سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ حارث اعور کا انتقال عبدالملک بن مروان کے زمانے میں ۶۵ھ میں ہوا، اس وقت، عبداللہ بن زبیر کی طرف سے کوفے کے گورنر عبداللہ بن یزید انصاری تھے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ حارث اعور کے انتقال کا وقت جب قریب ہوا تو انھوں نے وصیت کی کہ میری نمازِ جنازہ عبداللہ بن یزید انصاری پڑھائیں۔ چنانچہ ان کی حسبِ وصیت ایسا ہی ہوا۔ ابواسحٰق کا بیان ہے کہ عبداللہ بن یزید نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں، اس کے بعد ہم جنازے کے ساتھ ساتھ قبر تک آئے، یہاں پہنچ کر عبداللہ بن یزید نے کہا کہ جنازہ کو قبر کی پائنتی کی طرف رکھو، ابواسحٰق کہتے ہیں کہ ہم نے اسی طرح جنازے کو رکھا اس کے بعد میں نے یہ دیکھا کہ انھوں نے ان کے اوپر سے کپڑے کو ہٹا دیا، پس میں نے ان کے کفن پر ذریرہ کو دیکھا اس

کے بعد انھوں نے کہا کہ اس کپڑے کو اتار لو اس لیے کہ یہ مرد ہیں۔

(مروج الذہب ۱۹/۲)

دوسری روایت اسی ابواسحق سے اس طرح ہے: حارث کی نمازِ جنازہ عبداللہ بن یزید نے پڑھائی، انھوں نے قبر کے دونوں پاؤں کی طرف سے ان کو قبر میں داخل کیا اور کہنے لگے یہی طریقہ

امیر المومنینؑ کا مکتوبِ گرامی حارث اعور کے نام:

''سیّد رضی'' جامعِ نہج البلاغہ نے مکاتیب کے ذیل میں امیر المومنینؑ کا حسبِ ذیل خط حارث کے نام نقل کیا ہے۔ اس خط کی کوئی سند مجھے کسی متقدم کتاب میں نہیں مل سکی لیکن اپنے مضامین کے لحاظ سے چونکہ بے حد اہم ہے اس لیے اس کو بجنسہٖ نقل کیا جاتا ہے:

''قرآن کی رسّی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو اور اس سے نصیحت حاصل کرو، اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھو اور جو حق (انبیا) گزر گیا ہے اس کی تصدیق کرو۔ ماضی کی تاریخ اور حال کے واقعات سے عبرت حاصل کرو کیونکہ دنیا کے بعض حصے بعض سے مشابہت رکھتے ہیں، اس کا آخری حصہ اس کے اوّل حصے سے مل جانے والا ہے، پھر نتیجے میں پوری دنیا متغیر ہونے والی اور مفارقت کرنے والی ہے۔ اللہ کے نام کو اس سے بہت بلند سمجھو کہ سوائے حق کے اس کی قسم کھاؤ! موت اور موت کے بعد پیش آنے والی منزلوں کا کثرت کے ساتھ ذکر کرو اور موت کی آرزو نہ کرو مگر شرطِ محکم کے ساتھ اور ہر ایک ایسے عمل سے پرہیز کرو جس کا صاحب اپنے نفس کے لیے تو اسے پسند کرے لیکن عامۃ مسلمین کے لیے مکروہ سمجھے نیز ایسے عمل سے بھی پرہیز کرو جس کو خفیہ طور پر کیا جائے اور اس کے اعلان میں شرم آتی ہو اور ایسے عمل سے بھی پرہیز کرو کہ جب

اس کے صاحب سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے تو وہ یا تو انکار کر دے یا اس کا کوئی عذر نکال کر رکھ دے۔ اپنی آبرو کو لوگوں کی چہ مگوئیوں کا نشانہ نہ بناؤ اور ہر وہ بات جو تم نے سنی ہو اس کو لوگوں میں بیان نہ کرو! ایسا کرنا تم کو جھوٹ سے بچائے گا نیز ہر وہ بات جو تم سے بیان کی جائے اس کو لوگوں سے پوچھتے نہ پھرو، ایسا کرنا تم کو جہالت سے محفوظ رکھے گا۔ غصے کو ضبط کرو، غیظ وغضب کے وقت حلم اور بُردباری سے کام لو جب بدلہ لینے پر قدرت حاصل ہو تو درگذر کرو، اس سرمایہ سے بے پرواہ ہو جاؤ جو نتیجہ میں تم ہی کو ملنے والا ہے اور ہر اس نعمت کی اصلاح چاہو جو اللہ نے تم کو عطا کی ہے، اور اللہ کی کسی نعمت کو جو تمہارے پاس موجود ہے، ضائع نہ کرو نیز یہ کہ جو نعمتیں اللہ نے تم کو دی ہیں اس کے آثار تم پر ظاہر ہوں۔ خوب جان لو کہ مومنین میں افضل وہی ہے جو اپنے نفس اور اہل اور اپنے مال کی جانب سے آخرت کی طرف توشہ بھیج رہا ہے اس لیے کہ جو بھلائی بھی تم آگے بھیجو گے وہ باقی رہے گی اور جس میں تاخیر کرو گے وہ تمہارے غیر کا ہو جائے گا سست اعتقاد اور بدکردار آدمی کی صحبت سے پرہیز کرو کیونکہ انسان اپنے مصاحب کے ساتھ آزمایا جاتا ہے، بڑے بڑے شہروں میں سکونت اختیار کرو کیونکہ وہ مسلمانوں کی جمعیت کے محل ہیں اور ان منزلوں سے پرہیز کرو جہاں رہ کر خدا کی یاد سے غفلت ہو اور جہاں جور و جفا کی جھلک ہو، جہاں خدا کی اطاعت پر مدد کرنے والے بہت قلیل ہوں۔ اپنی رائے اور تدبیر اُسی کام کے لیے وقف رکھو جو تمہاری اعانت کرے، بازاری نشست گاہوں میں بیٹھنے سے پرہیز کرو کیونکہ یہ جگہیں فتنہ وفساد کا محل اور شیطان کی فرودگاہ ہیں۔ اس شخص پر کثرت کے ساتھ نظر کرو جس سے تم حیثیت میں زیادہ ہو کیونکہ اپنے سے پست لوگوں کے حال پر نظر کرنا شکر کرنے کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ جمعے کے دن سفر نہ

کرو جب تک نمازِ جمعہ سے فارغ نہ ہو جاؤ سوائے اس صورت کے کہ جہادِ فی سبیل اللہ کے لیے کوئی روانہ ہو یا پھر کوئی بڑی مجبوری پیش آجائے۔ اپنے تمام امور میں خدا کی اطاعت کرو کیونکہ خدا کی اطاعت تمام ماسویٰ اللہ سے افضل ہے۔ عبادت کرنے میں اپنے نفس کو فریب دو اور اس کے ساتھ ملائمت اور نرمی سے پیش آؤ۔ (زیادہ جبر اس پر نہ کرو) اس کو معاف اور خوش وقت کرتے رہو سوائے ان واجبات کے اس لیے کہ ان کی ادائیگی اپنے وقت پر ضروری ہے اور ڈرتے رہو مبادا موت تم پر نازل ہو جائے اور تم طلبِ دنیا کے سبب اپنے پروردگار کی رحمت سے بھاگ رہے ہو۔ فاسقوں کی مصاحبت سے پرہیز کرو کیونکہ شرارت، شرارت کے ساتھ ملحق ہے۔ اللہ کی تعظیم و توقیر کرو، اس کے دوستوں کو دوست رکھو، غیظ و غضب سے پرہیز کرو کیونکہ یہ شیطان کے لشکروں میں سے ایک عظیم لشکر ہے۔ (نہج البلاغہ، مطبوعہ بیروت ۲:۷۰)

❀❀❀

عبداللہ بن شداد بن الہاد اللیثی

نام ونسب:

عبداللہ نام، ابوالولید کنیت، مدینے کے رہنے والے تھے،

(تہذیب التہذیب ۲۵۱/۵)

سلسلہ نسب اس طرح ہے:

''عبداللہ بن شداد بن الہاد بن عمرو بن عبداللہ بن جابر بن بشیر بن عتوارہ بن عامر بن مالک بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانۃ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر'' (تہذیب التہذیب ۴: ۳۱۸)

علّامہ ابنِ حجر عسقلانی نے شداد کے تذکرے میں لکھا ہے کہ ''ان کا اصلی نام ''اسامہ تھا اور شداد لقب ہے، اسی طرح ہاد کا نام بھی عمرو ہے، لیکن خلیفہ ابنِ خیاط، کا قول ہے کہ اسامہ ''ہاد'' کا نام ہے نہ کہ شداد کا ''ہاد'' کے لقب کی وجہِ تسمیہ علمائے رجال نے یہ لکھی ہے کہ اسامہ کا یہ معمول تھا کہ وہ رات کو مہمانوں کی آمدورفت کے لیے آگ روشن کیا کرتے تھے اس لیے ان کا لقب ''ہاد'' ہو گیا۔

(اصابہ ۱۹۷/۳)

عبداللہ بن شداد اس گرامی خانوادہ کی فرد ہیں جہاں ابتدا سے اسلام کا چرچا رہا ہے۔ ان کے والد شداد بن الہاد مسلّمہ طور پر صحابیِ رسول تھے اور ابنِ سعد کی

صراحت کے بموجب جنگِ خندق میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ موجود تھے۔(اصابہ ۱۹۷/۳)

ان کی والدہ سلمیٰ بنتِ عمیس، اسماء بنتِ عمیس کی حقیقی بہن تھیں اور پہلے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی زوجیت میں رہ چکی تھیں جن سے ایک لڑکی عمارہ پیدا ہوئی، اس کے بعد حضرت حمزہ جب جنگِ اُحد میں شہید ہو گئے تو شداد بن الہاد نے ان سے نکاح کر لیا، جس سے عبداللہ بن شداد پیدا ہوئے۔

(طبقات ابنِ سعد ۸۶/۶)

علم و فضل:

سوادِ اعظم میں عبداللہ کا شمار کبار تابعین میں ہے، ابنِ سعد ان کے تذکرے میں لکھتا ہے: ''عبداللہ بن شداد، ثقہ فقیہ، کثیر الحدیث اور شیعہ تھے'' اسی طرح عجلی اور خطیب نیز ابوزرعہ اور نسائی نے بھی ان کی توثیق کی ہے اور کہا ہے کہ وہ کبار تابعین میں تھے۔(تہذیب التہذیب ۲۵۱/۵)

انھوں نے اپنے والد، شداد بن الہاد، حضرت عمر، یعلی، طلحہ، معاذ، عباس ابنِ مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن جعفر نیز اپنی خالہ، اسماء بنتِ عمیس اور اپنی مادری خالہ میمونہ بنت الحارث اور اپنی سوتیلی بہن عمارہ بنت حمزہ بن عبدالمطلب، اُمِّ المومنینؑ حضرت عائشہ اور حضرت اُمِّ سلمہ سے احادیث کی روایت کی ہے۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا، مولف تہذیب التہذیب نے اس سلسلے میں حسبِ ذیل اصحاب کا نام لیا ہے۔

سعد بن ابراہیم، ابواسحاق شیبانی، معبد بن خالد، حکم بن عتیبہ، ذر بن عبداللہ المرصبی، ربعی بن حراش، طاؤس، محمد بن کعب القرظی، ابوجعفر الفراء، محمد بن عبداللہ بن ابی یعقوب نصبی وغیرہ (تہذیب التہذیب ۲۵۱/۵)

استیعاب میں ہے عبداللہ بن شداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں پیدا ہوئے، اہلِ علم سے تھے، انھوں نے حضرت عمر، حضرت علیؑ اور اپنے والد شداد بن الہاد سے روایت کی ہے۔ (استیعاب ۱/۳۸۶)

عام حالات:

عبداللہ بن شداد کے حالات میں اگرچہ تاریخ خاموش ہے پھر بھی اس قدر یقینی ہے کہ ذاتِ گرامی امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کو گہرا تعلق تھا اس بنا پر یہ ناممکن ہے کہ کم از کم اہم موقعوں پر آپ کے ہمراہ نہ رہے ہوں لیکن تاریخ میں کسی مقام پر ان کا ذکر نہیں ملتا صرف ابن المدنی نے نہرواں میں ان کی موجودگی کی نشان دہی کی ہے اس کی تائید حافظ ابنِ عساکر کے بیان سے بھی ہوتی ہے، انھوں نے ابن الکواء کے تذکرے میں عبداللہ بن شداد کی زبانی حضرت عائشہ سے ان کی طویل گفتگو نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صفّین کے وقت سے نہروان تک وہ برابر امیر المومنینؑ کے ہمراہ رکاب رہے ہیں اور آپ کی ہر نقل وحرکت کا مشاہدہ کیا ہے ذیل میں یہ پوری گفتگو نقل کی جاتی ہے۔

عبداللہ بن شداد کا بیان ہے: ''ایک مرتبہ میں حضرت عائشہ کے پاس گیا اس وقت وہ عراق سے واپس آئی تھیں، میں جب جا کر بیٹھا تو کہنے لگیں: اے عبداللہ! اگر تم سچ سچ بیان کرو تو کچھ باتیں تم سے دریافت کروں؟ ذرا ان لوگوں کی بابت کچھ بیان کرو، جن سے علیؑ نے قتال کیا ہے''، میں نے کہا: ''اُمّ المومنین! کوئی وجہ نہیں کہ میں آپ سے سچی سچی بات بیان نہ کروں، کہا: اچھا ان لوگوں کا پورا قصہ بیان کرو''! ان کے اس استفسار پر میں نے اس طرح کہنا شروع کیا:

''علیؑ نے جب معاویہ سے مکاتبت کی اور آخر میں حکمین پر رائے قرار پائی تو آٹھ ہزار آدمیوں نے ان پر خروج کیا جن میں سب کے سب قاریانِ قرآن

تھے اور کوفے کے قریب ایک مقام پر جس کو حرد راء کہتے ہیں پڑاؤ ڈال دیا اور امیر المومنینؑ کی بیعت کا انکار کر دیا اور کہنے لگے: اے علی! تم نے اس قمیض کو اتار پھینکا جو اللہ نے تم کو پہنائی تھی اور جس کے ذریعے سے اس نے تم کو بلند کیا تھا، پھر تم آزاد ہو گئے اور اللہ کے دین میں انسانوں کے حکم کو جائز قرار دے دیا، حالانکہ اللہ کے سوا کسی کے لیے حکم نہیں ہے۔ امیر المومنینؑ کو جب ان لوگوں کی برہمی کا حال معلوم ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ لوگوں میں یہ منادی کر دی جائے کہ امیر المومنینؑ کے پاس صرف وہی لوگ آئیں جو حافظانِ قرآن ہوں۔ اس اعلان پر تمام لوگ آ گئے جو سب کے سب حافظِ قرآن تھے اور پورا گھر ان سے بھر گیا۔ جب یہ لوگ مجتمع ہو کر بیٹھے تو آپ نے ایک بڑا سا قرآن منگوایا اور اس کو اپنے سامنے رکھا اور آہستہ آہستہ یہ کہتے ہوئے اس کو اپنے ہاتھ پر اٹھانا شروع کیا ''اے قرآن! ان لوگوں سے کلام کر! اس پر چاروں طرف سے یہ آوازیں بلند ہوئیں اے امیر المومنینؑ! اس صامت سے آپ کیا دریافت کر رہے ہیں یہ تو صرف کاغذ اور روشنائی ہے، حالانکہ ہم وہ بات کہہ رہے ہیں جو ہم نے اس سے روایت کی ہے، آخر آپ کا کیا ارادہ ہے؟ امیر المومنینؑ نے فرمایا: تمہارے اصحاب ہی کا یہ کہنا ہے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان اللہ کی کتاب ہے، سنو! اللہ اپنی کتاب میں مرد اور عورت کے بارے میں فرماتا ہے:

"وإن خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكماً من اهله و حكماً من اهلها"

''اور اگر تم کو زن و شوہر کے درمیان کسی نا اتفاقی کا خوف ہو تو ایک ثالث مرد کے اہل سے اور ایک عورت کے اہل سے بھیجو''۔

پس امتِ محمد یہ اپنی حرمت کے اعتبار سے ایک مرد اور ایک عورت سے کہیں

زیادہ ہے، تم لوگ مجھ سے اس بات پر برہم ہو کہ میں نے معاویہ سے مکاتبت کی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی صلح حدیبیہ کے دن کفار قریش سے معاملہ کیا تھا جب کہ سہیل بن عمرو آیا ہے، پس آپ نے صلح کے بارے میں وہ سب کچھ لکھا جو آپ نے چاہا اور کفار نے چاہا، اور اللہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

"لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخر"۔

اس کے بعد امیر المومنینؑ نے عبداللہ بن عباس کو اہل حروراء کے پاس بھیجا۔ عبداللہ بن شداد کہتے ہیں کہ اس موقعے پر میں بھی ان کے ساتھ چلا، جب ہم دونوں ان کے لشکر کے بیچ میں پہنچے تو عبداللہ ابن الکواء کھڑا ہو گیا اور اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے کہا: اے حاملانِ قرآن! یہ عبداللہ بن عباس ہیں، جو شخص ان کو نہیں جانتا میں اس کو کتاب اللہ کے ذریعہ ان کا تعارف کراتا ہوں ۔ یہ وہ شخص ہیں جن کے بارے میں اور جن کی قوم کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے "بل ھم قوم خصمون" پس ان کو ان کے صاحب (علیؑ) کے پاس پلٹا دو اور کتاب اللہ سے ان کے ساتھ معاملہ نہ کرو۔ ابنِ الکواء کی اس بات پر اس کے اصحاب کھڑے ہو گئے اور سب نے یک زبان ہو کر کہا: قسم بخدا! ہم ضرور ان کے سامنے اللہ کی کتاب رکھیں گے، پس اگر انھوں نے حق بات کہی اور ہماری سمجھ میں بھی آ گئی تو ہم اس کا اتباع کریں گے اور اگر باطل کہا تو ہم بھی باطل سے اس کی مزاحمت کریں گے اور ان کو ان کے صاحب کے پاس پلٹا دیں گے۔ چنانچہ تین دن تک ان لوگوں نے قرآن پر ان سے بات چیت کی، جس کے نتیجے میں ان کے چار ہزار آدمی ٹوٹ گئے اور امیر المومنینؑ سے رجوع کر لیا۔ یہ سب لوگ قاریانِ قرآن تھے۔ ابن الکواء ان کو ہمراہ لے کر امیر المومنینؑ کے پاس آیا۔

اب آپ نے بقیہ لوگوں کے پاس اپنا آدمی بھیجا اور کہا: ایھا النّاس! ہماری اور ان لوگوں کی جو بات چیت ہوئی اس کا نتیجہ تم نے بچشمِ خود دیکھ لیا، اب جہاں چاہو تم ٹھہرے رہو! یہاں تک کہ امت محمدیہ کا امر مجتمع ہو جائے، ہم اس وقت تک اپنے نیزوں کو تم سے بچائیں گے جب تک تمہاری طرف سے ابتدا نہ ہو، پس اگر تم نے کوئی زیادتی کی تو ہم بھی جنگ کریں گے، یقیناً اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

عبداللہ بن شداد کا بیان ہے کہ میری یہ گفتگو سن کر اُمّ المومنین نے فرمایا: ''اے شداد کے بیٹے! تم نے تو قتل ہی کر دیا''، میں نے کہا: ''قسم بخدا! علیؑ نے اس وقت تک اُن کی طرف لشکر نہیں بھیجا جب تک انھوں نے راستے نہیں کاٹے اور خونریزی نہیں کی، انھوں نے حباب کے بیٹے کو قتل کیا اور اہل ذمہ کا جان و مال حلال سمجھا''، اُمّ المومنینؑ نے کہا: ''اللہ''! میں نے کہا: ''اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے''، ''فی الحقیقت ایسا ہی ہے''، اس پر وہ کہنے لگیں: ''عراق والوں سے مجھ کو جو خبریں پہنچی ہیں، ان کی کیا حقیقت ہے اور ذوالثدیہ کا کیا واقعہ ہے''؟ ''میں نے کہا: میں نے اس کو بچشمِ خود دیکھا ہے اور امیر المومنینؑ کے ہمراہ اس کی لاش پر جا کر کھڑا ہوا ہوں، آپ نے لوگوں کو بلا کر فرمایا تھا: تم میں سے کون شخص اس کو پہچانتا ہے؟ جس پر بہت سے لوگوں نے یہ بیان کیا کہ ہم نے اس کو بنی فلاں کی مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، وغیرہ وغیرہ'' اُمّ المومنینؑ نے کہا: ''اچھا تو علیؑ جب اس کے قریب جا کر کھڑے ہوئے تو وہ کیا کہہ رہے تھے''؟ میں نے کہا: میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا "صدق اللہ ورسولہ" اللہ اور اس کا رسول سچا ہے، میری اس بات پر متعجب ہو کر بولیں: ''کیا اس کے علاوہ کچھ اور بھی تم نے ان کو کہتے ہوئے سنا ہے؟ میں نے کہا: بخدا!

کچھ نہیں، فرمایا: ''بے شک اللہ اور اس کا رسول سچا ہے، اللہ علیؑ پر رحم فرمائے''، ان کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی عجیب بات دیکھتے تو کہتے تھے "صدق اللہ ورسولہ"۔ (ابنِ عساکر ۷/۳۰۱)

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ، اہلِ حرُدراء کے خلاف علی کے اقدام پر تذبذب میں تھیں اور اس لیے آپ حالات کو دریافت کر کے حقیقت کو سمجھنا چاہتی تھیں نیز آخر میں انھوں نے ذوالثدیہ کے بارے میں جو تحقیق کے ساتھ پوچھا اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ آں حضرت کی زبانِ مبارک سے آپ یہ پیشین گوئی سن چکی تھیں جیسا کہ نسائی کی حسبِ ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

عاصم بن کلیب اپنے باپ سے ناقل ہیں کہ میں جنابِ امیر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص سفر کے کپڑے پہنے ہوئے آیا، امیر المومنینؑ اس وقت لوگوں سے باتیں کر رہے تھے۔ اس نے عرض کی مجھ کو کچھ پوچھنے کی اجازت عطا فرمائی جائے۔ امیر المومنینؑ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، وہ شخص ایک آدمی کے پاس بیٹھ گیا، اس سے اس نے پوچھا، کیا بات ہے؟ کہنے لگا: میں ایک مرتبہ بحالتِ عمرہ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت انھوں نے مجھ سے دریافت کیا: جس قوم نے تمہارے ملک میں خروج کیا ہے اس کو حروریہ کیوں کہتے ہیں، میں نے کہا: چونکہ حروراء سے خروج کیا ہے اس لیے حروریہ کہے جاتے ہیں، حضرت عائشہ نے فرمایا: مبارک ہے وہ شخص جو تم میں سے ان کے قتل کرنے میں شریک ہوا، اگر ابنِ ابی طالب کا منشا ہوتو میں تم کو ان کے حال سے خبردار کروں لہٰذا اس وقت میں اس لیے آیا ہوں کہ امیر المومنینؑ سے اس کے متعلق دریافت کروں۔ راوی کا بیان ہے کہ امیر المومنینؑ جب لوگوں سے باتیں کر چکے تو اس

شخص کی طرف مخاطب ہوئے، اس نے وہی قصہ جو ہم سے بیان کیا تھا آپ سے بھی بیان کیا اس پر امیر المومنینؑ نے فرمایا: میں ایک مرتبہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آنحضرتؐ کے پاس بجز حضرت عائشہ کے اور کوئی موجود نہ تھا، آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا: اے علی تم اس وقت کیا کرو گے جب قوم کا حال ایسا اور ایسا ہوگا، میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسولؐ مجھ سے بہتر جانتے ہیں، اس کے بعد آپ نے ہاتھ کا اشارہ کر کے فرمایا: مشرق کی طرف سے ایک گروہ خروج کرے گا اس جماعت کے لوگ قرآن پڑھتے ہوں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا، وہ دین سے اس طرح بھاگیں گے جس طرح تیر کمان سے بھاگتا ہے، اس میں ایک ناقص الخلقت آدمی ہوگا جس کا ایک ہاتھ پستان کی طرح ہوگا۔

عبداللہ بن شداد کی وصیت اپنے بیٹے کو:

عبداللہ بن شداد کے علمی کارناموں میں ان کی ایک طویل وصیت ہے جو انھوں نے مرتے وقت اپنے بیٹے محمد کو کی ہے۔ اس وصیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اشعارِ عرب اور اقوالِ حکماء پر پوری پوری بصیرت تھی۔

ذیل میں اس کو پورا نقل کرتا ہوں۔

ولستُ أریٰ السّعادۃَ جمعَ مالٍ

ولکِنّ التقّی ھُوَ السّعیِد

وتقویٰ اللہِ خُیرُالزّادِ ذُخراً

و عِنَد اللہ للاتقیٰ مزید

ومالا یُدّاَن یأتِی قریبٌ

ولکنّ الّذی یمضِی بعید

وعُنّمن الرَّحمٰن فضلاً و نِعمةً
عَليكَ إذا ماجَاء للحُرفِ طالب
وإنّ امّرءً لَا يُرتجىٰ الخيرُ عندهٗ
يَكنُ هَيناً ثِقلاً عَلىٰ مَن لِصاحبٖ
فلا تَمنعَنْ ذا حاجَةٍ جاءَ طالباً
فانّك لَا تدرى مَتّٰى انت راغبٖ
رأيتُ التَاهٰذا الّزمانِ باهلهٖ
وبينهم فيه تكونُ النَّوائب
أَجودُ بمكنُونِ التَّلادِ ، وَإ نّني
بِسرّك عَمَّن سألنِى لَضَنِين
إذاَ جَاوَزَا الاثنينَ سِرّ فإنّهٗ
بِنَثٍ وتكثيرِ الحديثِ قَمِين
وعِندى لَهٗ يوماً إذا ما ائتمنتنى
مَكَان بِسَوداءِ الفُوادِ مَكِين
وَجَدتُ ابى قد اورثه ابوه
خِلا لاً قَد تُعَدُّ مِن المعالِى
فأكرِمُ مَا تكونُ عَلَّى نفسِى
إذا مَا قَلَّ فِى الاَ زمَاتِ مَالِى
فأكرِمُ مَا تكونُ عَلىَّ نفسِى
إذَا مَا قَلَّ فِى الأ زمَاتِ مَالِى
فَتحسنُ سِيَرتِى وأصُونُ عِرضِى

ویجمل عِند اهلِ الرأی حالِی

وإنْ تِلتُ الغِنا لَم أغلُ فِیه

ولم احصصُ بجفوتِی المَوالِی

وما مِن شِیمَتِی شَتُم ابن عَمّی

وما أنَا مُخلف مَن یرتجِینی

وکلمة حاسدٍ فِی غیر جُرمٍ

سمعت فقُلتُ مُرّی فانقذینی

فعَابُوهَا عَلَیّ ولَم تسُؤنِی

ولم یعرق لها یوماً جَبِیْنِی

وذُواللَّونَینِ یَلقّانِی طَلِیقاً

ولَیْسَ اِذَا تَغَیَّبَ یأتَلِینِی

سَمِعتُ بِعَیبِہٖ فصفحتُ عَنهُ

مُحَافَظَةً عَلیٰ حَسَبِی ودِینِی

أبلُ الرّجَال اِذَا اردتَ اِخاءَ هُم

وَتَوسَّمَنَّ فعالَهُم وتَفَقدِ

فَاذَا ظَفِرتَ بِذِیْ اللبابَةِ والتُّقٰی

فِبهِ الیَدَین (قَرِیرَ عین) فاشُودُ

واِذَا رَأیتَ (ولا محالة) زلّةً

فَعَلیٰ أخِیك بِفَضلِ حِلمك فاردُد

و کُن معقلاً للحِلم وَاصْفَح عَنِ الخَنَا

فِإنّكَ رَاءٍ ما حُیَیتَ وسَامِعُ

وأجِبْ إِذَا اجْبَبتَ حُبّاً مُقَارِباً
فَإِنّكَ لَا تَدرِی مَتیٰ اَنْتَ نَازِعُ
واَبغِض اذا اَبغَضتَ بُغضاً مُقَارِباً
فَانّكَ لا تَدرِی مَتیٰ اَنْتَ رَاجِعُ
اصحِبِ الاخیارَ وارغَبِ فِیهُم
رَبَّ مَن صَاحَبَهٗ مثل الجَربَ
ودَعِ النّاس فَلَا تَشتُمُهُم
وإِذَا شَاتَمتَ فاشتُم ذَاحَسبَ
اِنَّ مَنْ شَاتَمَ وَ غداً كَالّذِیْ
یَشْتَرِی الصُّفْرَ بِاَعیانِ الذّهب
وَاصْدُقِ النّاسَ اذَا حَدَّثْتَهُم
وَدَعِ النّاسَ فَمَن شَاءَ كَذبَ

(الامالی للقالی ۲: ۲۰۴، البیان والتبیین ۲: ۷۵ و ۱۳۸)

(ترجمہ) اے میرے بیٹے! میں دیکھتا ہوں کہ موت کے بُلانے والے کو پچھاڑا نہیں جاسکتا اور جو شخص گزر گیا وہ واپس نہیں آتا اور جو باقی ہے وہ اسی کا مشتاق ہے۔ میں تم کو ایک وصیت کرتا ہوں اس کو یاد کرلو، اللہ بزرگ و برتر سے ڈرتے رہو نیز یہ کہ تمہارے امور میں سب سے بہتر اللہ کی شکر گزاری ہے اور ظاہر و پوشیدہ ہر حال میں حسنِ نیت ہے، اس لیے کہ شکر کرنے والا بڑھتا ہے اور تقویٰ بہترین زاد ہے اور ایسے ہو جاؤ جیسا کہ حطیہ نے کہا ہے:

میں مال کے جمع کرنے کو نیک بختی نہیں سمجھتا، نیک بخت وہ ہے، جو اللہ سے ڈرتا ہو اور ذخیرہ کرنے کے لیے بہترین توشہ تقویٰ ہے اور اللہ کے نزدیک متقی ہی

کے لیے زیادتیِ نعمت ہے۔ جو چیز آئندہ پیش آنے والی ہے اس کو قریب سمجھو اور جو گزر گئی وہ دور ہے اس کے بعد کہا: اے میرے بیٹے نیکی اور بھلائی کے نقطے سے کبھی مت ہٹو اس لیے کہ دنیا ایک حال پر قائم رہنے والی نہیں اور زمانہ ہر حاضر و غائب پر نئے نئے حادثات لاتا ہے پس کتنے ایسے ہیں جنھوں نے مزید کی خواہش کی اور نتیجہ میں اپنے پاس کا بھی ان سے طلب کر لیا گیا اور جان لو کہ زمانہ نیرنگیوں کا ایک تماشا ہے، جو اس سے دل لگائے گا، ذلت اٹھائے گا اے میرے بیٹے! ایسے ہو جاؤ جیسا کہ ابوالاسود دُولی نے کہا ہے:

جب تمھارے پاس کوئی بھلائی کا طلب کرنے والا آئے تو اس کو اپنے اوپر اللہ کا فضل و انعام سمجھو۔ یقیناً وہ شخص جس کے پاس کسی بھلائی کی امید نہ کی جا سکے وہ اپنے مصاحبین پر گراں اور حقیر ثابت ہوتا ہے۔ پس کسی ضرورت مند کو جو تم سے کچھ طلب کرے منع نہ کرو اس لیے کہ تم نہیں سمجھ سکتے کہ کس وقت تم بھی اسی حالت میں ہو جاؤ۔ میں نے اہلِ زمانہ کے ساتھ زمانے کی کجی کو دیکھا ہے۔ اس کے پاس اپنے اہل کے لیے مصائب ہی مصائب ہیں۔

اس کے بعد کہا: اے میرے بیٹے! حق کے موقعے پر مال کے ساتھ سخی بن جاؤ! اور بھیدوں کے معاملے میں تمام دنیا کے ساتھ بخیل ہو جاؤ اس لیے کہ انسان کی سخاوت میں سب سے زیادہ قابلِ تعریف وہ سخاوت ہے جو نیکی کے راستے میں کی جائے اور بخل میں قابلِ تعریف بھید کے چھپانے میں بخل کرنا ہے اور ایسے ہو جاؤ جیسا کہ قیس بن خطیم انصاری نے کہا ہے:

میں چھپی ہوئی دولت بے تامل بخش دیتا ہوں لیکن اگر کوئی شخص مجھ سے تیرا بھید معلوم کرنا چاہے تو اس معاملے میں بخیل ہوں۔ جب کوئی بھید دو سے تین تک تجاوز کر گیا تو اس کو فاش سمجھو اور پھر جگہ جگہ وہ چرچے کے قابل ہے۔ جب تو نے مجھے اپنے

بھید کا امانت دار بنا دیا تو اس کے لیے میرے پاس دل کی گہرائیوں میں جگہ ہے۔

اس کے بعد کہا: اے میرے بیٹے: اگر تم کبھی مال پر غلبہ بھی حاصل کرلو تو حیلے کو کسی حال میں نہ چھوڑو اس لیے کہ کریم حیلہ کرتا ہے اور کمینہ دوسروں کا دستِ نگر ہوتا ہے اور حال کے لحاظ سے ظاہر میں اپنے کو بہتر سے بہتر بناؤ اور مال کے لحاظ سے باطن میں کمتر سے کمتر بناؤ اس لیے کہ کریم وہ ہے، جس کی طبیعت کریم ہو اور اس کی نعمت فقر و احتیاج کے وقت ظاہر ہو، اور ایسے ہو جاؤ جیسا کہ ابنِ خذاق عبدی نے کہا ہے:

> میں نے اپنے باپ کو دیکھا کہ ان کو اُن کے باپ نے اونچے خصائل کا وارث بنایا، میں اپنے نفس کے تقاضے کے خلاف اس وقت اکرام کرتا ہوں جب شدت اور قحط کی حالت میں میرا مال کم ہوجاتا ہے، اس کے نتیجے میں میری سیرت بہتر ہوجاتی ہے اور اپنی آبرو کی میں حفاظت کرتا ہوں اور اہلِ الرّائے کے نزدیک میرا حال اچھا ہوتا ہے اور جب میں مال دار ہوجاتا ہوں تو اس میں غلو نہیں کرتا اور اپنے وابستگان کو اپنی جود سے مخصوص نہیں کرتا۔

اس کے بعد کہا: اے میرے بیٹے! اگر تم کسی حاسد سے اپنے بارے میں کوئی کلام سنو تو ایسے ہوجاؤ جیسے تم موجود ہی نہیں تھے اس لیے کہ اگر تم اس سے اغماض کرو گے تو نتیجے میں عیب، عیب جُو کی طرف پلٹ آئے گا، عقلا نے کہا ہے: عاقل و زیرک وہ ذی ہوش اور متغافل ہے اور ایسے ہوجاؤ جیسا کہ حاتم طائی نے کہا ہے:

> اپنے ابنِ عم کو بُرا بھلا کہنا میری سیرت نہیں ہے اور جو شخص مجھ سے کچھ امید کرتا ہے میں اس کو مایوس نہیں کرتا اور بغیر جرم

کے حاسد کے برے کلمات سن کر میں ٹال دیتا ہوں۔ لوگ مجھ کو
حاسدوں کی باتوں سے متہم کرتے ہیں لیکن مجھ کو اس کی مطلق
ناگواری نہیں ہوتی اور میری پیشانی پر پسینہ تک نہیں آتا۔ دوغلا
آدمی جب مجھ سے ملتا ہے تو بڑی چکنی چپڑی باتیں کرتا ہے اور
جب میرے پاس سے اٹھ کر چلا جاتا ہے تو میری عیب جوئی
میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھتا۔ میں اس کی نکتہ چینیوں کو سنتا ہوں
لیکن اپنی شرافت اور دین کا خیال کرتے ہوئے درگزر کرتا ہوں۔

اس کے بعد کہا: اے میرے بیٹے! کسی شخص سے اس وقت تک بھائی چارہ نہ کرو جب تک معاشرت میں اس کو آزمانہ لو اور اس کے تمام حرکنات وسکنات پر مطلع نہ ہو جاؤ، پس اگر تم اس سے مل کر رہ سکتے ہو اور اس کے اختیار پر تم راضی ہو تو اس کی کوتاہیوں اور لغزشوں کو نظر میں رکھتے ہوئے اور تنگی میں مواساۃ کا پیمان باندھتے ہوئے اس سے بھائی چارہ کرو اور ایسے ہو جاؤ جیسا کہ مقنع کندی نے کہا ہے:

لوگوں سے جب تمہارا بھائی چارہ کرنے کا ارادہ ہو تو پہلے
اُن کو آزماؤ اور ان کے خصائل واعمال کی کھوج کرو، پس اگر کوئی
دانا اور صاحبِ تقویٰ تم کو مل جائے تو اس سے (اے میری
آنکھوں کی ٹھنڈک) اپنے دونوں ہاتھوں کو مضبوط کر لو! اور جب
اس کی کسی لغزش کو دیکھو اور اس سے چارۂ کار نہیں ہے تو اس کو
نظر انداز کر دو کیونکہ تمہارے بھائی پر تمہارا افضلِ حلم واجب ہے۔

اس کے بعد کہا: اے میرے بیٹے! جب تم کسی سے محبت کرو تو اس میں افراط نہ کرو اور جب دشمنی کرو تو حد سے نہ بڑھ جاؤ اس لیے کہ حکما کا قول ہے: اپنے دوست سے دوستی بہ حد مناسب رکھو، ممکن ہے کسی دن وہ دشمن ہو جائے، اسی طرح

دشمن سے دشمنی میں بھی حدِ اعتدال ملحوظ رکھو، ممکن ہے کسی روز وہ دوست ہو جائے،
اور ایسے بنو جیسا کہ ھدبہ بن الخشرم العُذری نے کہا ہے:

حِلم کی پناہ بن اور بیہودگیوں سے درگزر کر اس لیے کہ جب
تک تو زندہ ہے دیکھے گا اور سنے گا بھی۔

اور جب کسی سے دوستی کرو تو مناسب حدود میں کیونکہ تمہیں
نہیں معلوم کہ کس وقت اس سے جھگڑ بیٹھو، اسی طرح جب کسی
سے دشمنی کرو تب بھی مناسب حد میں کیونکہ تمہیں نہیں معلوم کس
وقت تم اس سے پلٹ جاؤ۔

تمہارے لیے نیکوں کی صحبت اور سچ بولنا ضروری ہے اور بدوں کی صحبت سے
ہمیشہ پرہیز رکھو کیونکہ یہ ایک ننگ ہے اور ایسے ہو جاؤ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

نیکوں کی صحبت میں بیٹھو اور ان ہی سے رغبت رکھو کیونکہ بہت سے وہ لوگ
جن کی تم مصاحبت کرتے ہو اخلاقِ رزیلہ کا مجسمہ ہوتے ہیں اور لوگوں کو ان کے
حال پر چھوڑ دو۔

اور ان کو برا بھلا نہ کہو اور اگر برا بھلا کہنے کا موقع بھی پیش
آجائے تو شریف کو کہو کیونکہ جس شخص نے کمینے کو منہ لگایا تو وہ
اس شخص کی طرح ہے جو سونا دے کر پیتل خریدتا ہے اور جب
بات کرو تو ہمیشہ سچ بولو اور جھوٹوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔

وفات:

عبداللہ بن شداد کی وفات کے بارے میں مورخین کے بیانات مختلف ہیں
واقدی نے لکھا ہے عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث کے ہمراہ جن لوگوں نے حجاج
کے خلاف خروج کیا ان میں عبداللہ بن شداد بھی تھے اور دجیل کے دن قتل

ہوئے۔ یہی قول ابن نمیر کا ہے۔ یحییٰ بن بکیر کا قول ہے کہ قتل نہیں ہوئے بلکہ دجیل کی رات میں ۸۲ھ میں کہیں غائب ہو گئے۔ ثوری نے کہا ہے: ابنِ شداد اور ابنِ ابی لیلیٰ جماجم کے مقام پر سے غائب ہو گئے، یہی قول عجلی کا ہے اس میں اتنا زائد ہے کہ ان دونوں نے اپنے گھوڑے پانی میں ڈال دیے تھے اور وہیں سے غائب ہو گئے ابنِ حبان نے کہا ہے کہ وہ دجیل میں غرق ہو گئے۔

(تہذیب التہذیب ۲۵۱/۵)

زید بن صوحان العبدی

صعصعہ بن صوحان کے حقیقی بھائی اور امیر المومنینؑ کے فدا کار اور مخلص اصحاب میں تھے۔ ان کی مشہور کنیت ابو عائشہ ہے لیکن بعض روایات میں ابوسلمان، ابوعبداللہ اور ابو مسلم بھی آئی (تاریخ خطیب بغدادی ۸:۹ ۴۳) حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے ابوسلمان کی وجہِ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ زید سلمانِ فارسی کو بہت زیادہ دوست رکھتے تھے۔ اس افراطِ محبت کی بنا پر ان کو ابوسلمان کہا جانے لگا

(اصابہ ۳:۶ ۴)

اسلام:

تمام رجالیین کا اس پر اتفاق ہے کہ زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ حیات ہی میں اسلام سے مشرف ہو گئے تھے (اسد الغابہ ۲: ۴ ۲۳، استیعاب ۱۹۱۱، اصابہ ۳:۵ ۴)

البتہ ان کا صحابیِ رسول ہونا یقینی نہیں ہے لیکن مختلف روایات کو سامنے رکھ کر زیادہ رجحان یہی ہے کہ وہ صحابیِ رسول تھے۔ علامہ ابنِ اثیر نے اس سلسلے میں کلبی کا حسبِ ذیل قول نقل کیا ہے۔

(زید) نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادراک کیا تھا اور آپ کی صحبت میں

رہے ہیں۔ ابو عمر نے بھی یہی قول نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ مجھ کو ان کے صحابیِ رسولؐ ہونے کا علم نہیں ہے لیکن وہ ان لوگوں میں ضرور ہیں جنھوں نے اسلام کی حالت میں نبی کا ادراک کیا ہے۔ (اسد الغابہ ۲: ۳۴۴)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کلبی کی تحقیق کی بنا پر زید کو صحبتِ رسولؐ کا شرف حاصل تھا جس کی تردید ابو عمر نے بھی نہیں کی بلکہ صرف اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے۔ حافظ ابنِ حجر نے اس ذیل میں کلبی کا مذکورہ بالا قول ہی نقل کیا ہے اس کے بعد لکھا ہے۔

"وقد حکی الرّشاطی عن اَبِی عُبیدہ معمّر بنُ المثنّٰی انّ لهٗ وفادة" (اصابہ ۳: ۴۵۴)

رشاطی نے ابو عبیدہ معمر بن المثنی سے روایت کی ہے کہ زید کا آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونا ثابت ہے۔ دوسرے مقام پر زید العبدی کے عنوان کے تحت انھوں نے اس پر مزید روشنی ڈالی ہے۔ اور کہا ہے کہ عبد القیس کے شاعر نے زید کا ذکر ان لوگوں میں کیا ہے کہ جو آلِ عبد القیس سے رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ چنانچہ محمد بن عثمان بن ابی شیبہ نے اپنی تاریخ میں منجاب بن حارث کی روایت سے شاعرِ مذکور کے وہ اشعار بھی نقل کئے ہیں، ملاحظہ ہوں۔

مِنّا صحار والاشبح کلاهما
حقّا بصدق قالت المتکلّم
سبق الوجود الی النّبی مهللاً
بالخیر فوق الناجیات الرسم
فی عصبةٍ مِن عبد قیس اوجفوا
طوعاً الیه وحدهم لم بکلم

واذکر بنی الجار ودانّ محلّهم
من عبد قیس فی المکان الاعظم
ثمّ ابن سوار علی علابة
بذّا لملوك بسود دوتکّرم
وکفی بزید حین یذکر فعله
طوبی لذلك من صریع مکرم
ذاك الّذی سبقت لطاعة ربّہٖ
منه الیمین الی جنان الانعم
فدعا النبّی لهم هنالك دعوة
مقبولة بین المقام وزمزم

ان اشعار کو نقل کرنے کے بعد علاّمہ لکھتے ہیں۔

ابنِ عساکر نے ان اشعار کو زید بن صوحان کے تذکرے میں نقل کیا ہے اور اس بنا پر لامحالہ وہ صحابیِ رسولؐ ہیں۔ (اصابہ ۳:۳۶)

فضائل:

زید اپنی سیادت ونجابت، خطابت و بلاغت اور امیر المومنینؑ سے اکتسابِ علوم میں اپنے بھائی صعصعہ کے برابر کے شریک تھے نیز زہد وورع خشیۃ اللہ کثرت عبادت میں اپنے دونوں بھائیوں صعصعہ اور صیحان پر فوقیت رکھتے تھے۔ مولف شذرات ان کے بارے میں لکھتے ہیں زید بن صوحان علیؑ کے خواص، اصحاب اور صلحاء واتقیاء میں تھے۔ (شذرات الذہب ۱:۴۴)

خطیب بغدادی نے حمید بن ہلال کی زبانی روایت کی ہے کہ زید بن صوحان قائم اللیل اور صائم النہار تھے اور شبِ جمعہ تمام رات عبادت میں گزارتے

تھے۔ سلمانِ فارسی کو ان کے اس زہد کا جب حال معلوم ہوا تو ایک مرتبہ وہ ان کے گھر آئے اور آکر پوچھا: ''زید کہاں ہیں''، ان کی زوجہ نے جواب دیا: ''یہاں نہیں ہیں''، سلمان نے کہا: ''اے کنیز خدا! میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم اسی وقت کھانا پکاؤ اور بہترین لباس پہنو اور کسی کو بھیج کر زید کو بلواؤ''۔ چنانچہ زوجہ کے بلانے پر زید گھر آئے ان کی بیوی نے کھانا لاکر رکھا، سلمان نے زید سے کہا، ''کُل یازبید''، بسم اللہ! زید نے جواب دیا: ''میں روزے سے ہوں'' سلمان نے اصرار کیا اور سمجھایا کہ ''تم پر تمہاری آنکھ اور بدن کا بھی حق ہے اور زوجہ بھی تم پر اپنا حق رکھتی ہے'' غرض کہ سلمان کے سمجھانے پر زید نے کھانا کھایا اس وقت سے انہوں نے ترکِ طعام میں کمی کر دی۔

جنّت کی بشارت:

اصحابِ امیر المومنینؑ کے زُمرے میں صرف زید کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی زبانِ مبارک سے ان کو جنت کی بشارت دی ہے جس کا ذکر قریب قریب تمام علمائے رجال کے یہاں ملتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابنِ اثیر ان کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

> طرقِ متعددہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی سفر میں جا رہے تھے کہ ایک منزل پر آپ پر غنودگی طاری ہوئی، اس حالت میں آپ کی زبان سے ''زید اور کون زید، جندب اور کون جندب'' کے الفاظ جاری ہوئے، اصحاب نے بڑھ کر اس ارشاد کے معنی دریافت کئے، اس پر آپ نے فرمایا: یہ میری اُمت کے دو شخص ہیں، ان میں پہلا تو وہ ہے جس کا ہاتھ جنت میں جانے کے لیے اس پر سبقت کرے گا اس کے بعد اس کا

بقیہ جسم جائے گا، دوسرا وہ ہے جو اپنی ایک ضرب سے حق اور
باطل کے درمیان تفریق کرے گا۔

یہ روایت نقل کرنے کے بعد مولف کہتے ہیں:

پس زید بن صوحان، ان کا ہاتھ جلولاء کے دن کٹ گیا تھا اور ایک روایت کی بنا پر قادسیہ میں جب کہ اہلِ فارس سے جنگ کر رہے تھے، کٹ گیا تھا اور وہ خود جمل کے دن قتل ہوئے نیز جندب، یہ وہ ہیں جنہوں نے ولید بن عقبہ کے پاس ساحر کو قتل کیا تھا جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ (اسد الغابہ ۲/۲۳۴)

حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے اس روایت کو حسبِ ذیل اسناد کے ساتھ اصابہ میں نقل کیا ہے۔

"وروی ابن عندہ من طریق الجریری، عن عبداللہ بن بریدہ عن ابیہ۔ (اصابہ ۳:۴۵)

دوسرے مقامات پر یہ پیشین گوئی صرف زید کے بارے میں آئی ہے اس میں جندب شامل نہیں ہیں چنانچہ خطیب بغدادی اور ابنِ حجر عسقلانی دونوں نے اپنے اپنے سلسلۂ سند کے ساتھ اس کو حضرت علیؑ سے اس طرح روایت کیا ہے۔

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:
جو شخص اس بات سے خوش ہو کہ وہ ایسے شخص کو دیکھے جس کا ایک عضو جنت میں سب سے پہلے جائے وہ زید بن صوحان کو دیکھے۔ (اصابہ ۳/۴۵)

عام حالات:

زید کے عام حالاتِ زندگی اگرچہ بہت کم ملتے ہیں پھر بھی اہم مواقعے پر ان کا نام تاریخ میں ضرور آتا ہے چنانچہ سب سے پہلے جلولہ میں اور اُس کے بعد قادسیہ میں ان کی موجودگی بالاتفاق ثابت ہے چنانچہ ان ہی دو معرکوں میں سے کسی ایک

میں ان کا ہاتھ کٹ گیا تھا۔ (اسد الغابہ ۲/۲۳۴ و استیعاب ۱/۱۹۱)

اس کے بعد حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں جب سعید بن العاص کوفے کا گورنر ہو کر آیا ہے تو اس کی صحبتوں میں اپنے بھائی صعصعہ کے ہمراہ زید بھی ملتے ہیں لیکن جلد ہی اس سے اختلافات پیدا ہو گئے اور سعید نے ان کی شکایت حضرت عثمان کو لکھ بھیجی۔ جس کے جواب میں حضرت عثمان نے سعید کو لکھا کہ ان لوگوں کو شام بھیج دیا جائے، چنانچہ زید اور ان کے تمام ساتھی جس میں صعصعہ، عمرو بن الحمق، کمیل بن زیاد، حارث اعور وغیرہ بھی تھے معاویہ کے پاس شام بھیج دیئے گئے۔ بلاذری کا بیان ہے کہ کوفہ سے نکل کر جب یہ لوگ دمشق پہنچے تو معاویہ نے پہلے تو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا لیکن اس کے بعد مالک اشتر سے کسی بات پر ان کا اختلاف ہو گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ معاویہ نے ان کو قید کر دیا، اس پر عمرو بن زرارہ نے کھڑے ہو کر کہا: ''اے معاویہ اگر تم نے مالک کو قید کر لیا ہے تو کوئی پروا نہیں عنقریب تم اس شخص کو پاؤ گے جو ان کی حمایت کرے گا'' اس پر معاویہ نے عمرو کو بھی قید کر دیا، یہ دیکھ کر زید کے ساتھیوں نے کہا: ''اے معاویہ احسن جوارنا'' اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے، معاویہ نے کہا: ''اب آگے اور کچھ کیوں نہیں کہتے''، اس پر زید نے کہا:

''ہم بول کر کیا کریں، اگر ہم ظالم ہیں تو اللہ سے توبہ کرتے ہیں اور اگر مظلوم ہیں تو اس سے عافیت کے طلبگار ہیں''۔

معاویہ کو ان کا یہ کلام پسند آیا اور کہنے لگے: ''اے ابو عائشہ تم سچے آدمی ہو''۔ اس کے بعد انھوں نے ان کو کوفہ واپس جانے کا حکم دے دیا اور سعید بن العاص کو حسبِ ذیل خط لکھا:

امّا بعد: میں نے زید بن صوحان کو اجازت دے دی ہے کہ

وہ اپنے گھر کوفہ واپس چلے جائیں کیونکہ میں نے ان کے اندر بزرگی و برتری اور قصد و اعتدال پایا، پس تم ان کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ اور کوئی تکلیف نہ دینا اور اپنی مودّت اور توجہات کو ان پر ارزاں کرو کیونکہ انھوں نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ آیندہ کوئی ایسی بات سرِ زد نہ ہوگی جو آپ کی ناگواری کا باعث ہو"۔

اس پر زید نے معاویہ کا شکریہ ادا کیا اور چلتے وقت بقیہ اصحاب کے بارے میں بھی رہائی کی سفارش کی۔ بلاذری کا بیان ہے کہ ان کے کہنے پر معاویہ نے سب کو آزاد کر دیا۔ (انساب الاشراف صفحہ ۴۳ و اصابہ ۴۶/۳)

مؤلف کہتا ہے: بلاذری نے اس واقعے کے بیان میں انتہائی خیانت اور کتر بیونت سے کام لیا ہے، اس نے تمام مقامات کو نظر انداز کر دیا ہے جن سے معاویہ کا ان اصحاب پر تشدد ثابت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ صعصعہ اور ابنِ الکواء وغیرہ سے ان کی جو سرد و گرم گفتگوئیں ہوئی ہیں معاویہ کی ناحق کوشی کا پورا پورا ثبوت ہیں۔ ان میں سے کسی بات کا ذکر تک نہیں کیا۔ یہ ضرور ہے کہ حضرت عثمان کے حکم سے جن لوگوں کو دمشق بھیجا گیا تھا ان میں زید کا نام بھی ہے لیکن دورانِ نظر بندی میں معاویہ سے ان کی کوئی گفتگو منقول نہیں ہے، پھر بھی یہ ہوسکتا ہے کہ دیگر مؤرخین نے زید کی اس گفتگو کو نقل نہ کیا ہو یا ان تک یہ روایت نہ پہنچی ہو لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ زید کہ اتنی سی بات پر "اگر ہم ظالم ہیں تو اللہ سے توبہ کرتے ہیں اور اگر مظلوم ہیں تو اس سے عافیت کے طالب ہیں" معاویہ ان کو رہا کر دیں اور سعید کو ان کی تعریفوں سے بھرا ہوا ایک طول طویل خط لکھ ماریں پھر اتنا ہی نہیں بلکہ ان کی سفارش پر ان کے تمام ساتھیوں کو بھی چھوڑ دیں، یقیناً اصحابِ امیر المومنینؑ کے سلسلے میں معاویہ کی جو پالیسی ابتدا سے رہی ہے یہ بات

اس کے بالکل خلاف ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مؤرخین کے بیانات سے اس کی پوری پوری تردید ہوتی ہے، حقیقت واقعہ یہ ہے کہ معاویہ نے کسی وقت ان کو رہا نہیں کیا بلکہ صعصعہ نے جب ان کا زیادہ ناطقہ بند کیا تو ان کو عبدالرحمن بن خالد کے پاس حمص روانہ کر دیا، ملاحظہ ہو تاریخ طبری و کامل و ابنِ خلدون واقعات دورِ خلافت حضرت عثمان، زید پر معاویہ کے ترحم اور ان کو رہا کر دینے کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں ہے۔ اس کے علاوہ زید کے کردار کو دیکھتے ہوئے یہ امر کسی طرح باور نہیں آسکتا کہ وہ معاویہ جیسے جابر حاکم سے کسی مرحمت کے طلبگار ہوں اور اس پر ان کا شکریہ بجالائیں۔

جمل:

۳۶ھ میں امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام تختِ خلافت پر بیٹھے لیکن فوراً ہی خانہ جنگی شروع ہوگئی جس کے نتیجے میں جمل کا واقعہ رونما ہوا۔ اس جنگ میں زید شروع سے آخر تک آپ کے ہمراہ نظر آتے ہیں۔ اس موقعے پر اگرچہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ، زید کے فریقِ مخالف کی حیثیت سے تھیں، باایں ہمہ انھوں نے ان کا احترام برابر ملحوظ رکھا اور حتیٰ الامکان سمجھانے کی کوشش کی، چنانچہ مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ جب مقابلے کی غرض سے بصرہ پہنچیں تو وہاں سے زید کے نام حسبِ ذیل خط لکھا:

> عائشہ اُمّ المومنین کی طرف سے اپنے بیٹے زید بن صوحان کو
> امّا بعد: تمہارے باپ جاہلیت میں بھی سردار تھے اور اسلام میں بھی ان کو سیادت حاصل تھی۔ تم جانتے ہو کہ عثمان بن عفان کے قتل سے اسلام کو کتنا صدمہ پہنچا ہے اور ہم تمہارے پاس آرہے ہیں نیز جو بات ظاہر بظاہر سامنے آگئی وہ سنی ہوئی سے

زیادہ تمہارے لیے تشفی بخش ہے، پس جس وقت تمہارے پاس
میرا خط پہنچے، لوگوں کو علی بن ابی طالبؑ سے باز رکھو اور اپنی جگہ
پر قائم رہو یہاں تک کہ میرا کوئی حکم پہنچے، والسلام‘‘۔

(عقد الفرید ۵/ ۴۷)

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ زید کی پسرانہ ہمدردیاں اُمّ المومنین کے ساتھ ضرور رہی ہوں گی ورنہ وہ اس اعتماد کے ساتھ ان کو خط نہ لکھتیں لیکن یہ زید کی بصیرت تھی کہ اس موقعے پر چونکہ حق اور باطل کا سوال تھا اس لیے انھوں نے حضرت عائشہ کے اُمّ المومنین ہونے کا کوئی لحاظ نہیں کیا اور بدستور اپنے موقف پر جمے رہے۔ چنانچہ اس خط کا انھوں نے جو جواب دیا ہے اس سے ان کی بصیرت کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے ملاحظہ ہو۔

زید بن صوحان کی طرف سے عائشہ اُمّ المومنین کو سلام علیکم،
بعد ازاں آپ کو اللہ کی طرف سے ایک حکم دیا گیا ہے اور اس
کے خلاف ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ آپ کے لیے یہ حکم ہے کہ گھر
میں بیٹھیں اور ہمارے لیے یہ حکم ہے کہ فتنہ دفع کرنے کی غرض
سے لوگوں سے جنگ کریں آپ نے جس امر کا آپ کو حکم دیا گیا
تھا اس کو تو چھوڑ دیا اور جس بات کا ہم کو حکم دیا گیا ہے اس سے
آپ ہمیں منع فرما رہی ہیں اس صورت میں آپ کا حکم میرے
نزدیک نا قابلِ اطاعت ہے اور آپ کا خط نا قابلِ جواب۔

(عقد الفرید ۵/ ۴۷)

مورّخ طبری نے اس خط و کتابت کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ بصرہ پہنچ کر حضرت عائشہ نے ایک خط زید بن صوحان کو لکھا کہ تم فوراً میری مدد کو آؤ اگر دیر

کرو گے تو لوگ علی بن ابی طالبؑ کے دباؤ سے مجھ کو ذلت دیں گے، انھوں نے جواب دیا کہ میں اس شرط سے مدد کو تیار ہوں کہ آپ اس قافلے سے الگ ہو کر گھر جا کر بیٹھ رہیں ورنہ میں ہی سب سے پہلا مخالف ہوں زید بن۔ صوحان نہایت افسوس سے کہا کرتے تھے اللہ اُمّ المومنین پر رحم کرے، ان کو گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا تھا اور ہم کو جدال وقتال کا مگر انھوں نے جس بات کا ہم کو حکم دیا گیا تھا اس سے ہم کو تو روکا اور خود کر بیٹھیں۔ (تاریخ طبری ۱۸۴/۵)

اس کے بعد امیر المومنینؑ نے جب امام حسنؑ اور حضرت عمارِ یاسر کو اہلِ کوفہ کی مدد لینے کے لیے بھیجا ہے تو اس موقعے پر زید بن صوحان بھی ان کے ہمراہ تھے، چنانچہ جس وقت وہ اپنی جماعت کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے تو ان کے ہاتھ میں دو خط تھے جو حضرت عائشہ نے ایک اُن کو اور ایک اہلِ کوفہ کو لکھا تھا دونوں خطوں کا مضمون ایک تھا کہ تم لوگ اپنے گھروں میں بیٹھ رہو یا میری مدد کرو، زید بن صوحان نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر ان لوگوں کو خط کا مضمون سنایا اور کہنے لگے کہ اُمّ المومنین کے لیے خدا کا یہ حکم ہے کہ وہ گھر میں رہیں اور ہمارے لیے حکم ہے کہ جہاد کر کے فتنہ رفع کریں مگر وہ اس کے خلاف خود لڑائی کے لیے نکلیں اور ہم کو گھر میں رہنے کا حکم دیا، اس بات پر شبث بن ربعی غصّے میں کہنے لگا ''اے عمانی! تو نے جلولاء میں چوری کی تھی جس پر تیرا ہاتھ کاٹا گیا، پھر بھی تو باز نہیں آتا اور لوگوں کو اُمّ المومنینؑ کے خلاف بہکا رہا ہے'' اس پر زید بھی بگڑ گئے، ابوموسیٰ اشعری نے جب دیکھا کہ بات بڑھی جاتی ہے تو دونوں کو روکا اور اہلِ مدینہ کو واپس کرنے اور امیر المومنینؑ کو امداد نہ دینے پر تقریر کی۔ اس کے جواب میں زید بن صوحان بھی کھڑے ہو گئے اور ابوموسیٰ اشعری سے مخاطب ہو کر اس طرح تقریر کی:

اے عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ اشعری) دریائے فرات میں جس وقت سیلاب آئے تو کیا تم اس کو روک سکتے ہو، اگر تم اس پر قادر ہو تو بیشک جو کچھ تم چاہتے ہو وہ بھی ہو سکتا ہے، پس جو بات ناممکن العمل ہو اس کا خیال چھوڑ دو، اس کے بعد یہ آیت پڑھی (آلم، کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ صرف اتنا کہنے پر کہ ہم ایمان لائے چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی حالانکہ ہم نے اُن سے پہلے لوگوں کو آزمایا ہے تاکہ اس کے ذریعے اللہ سچوں کو بھی جان لے اور جھوٹوں کو بھی، پس مومنین کے امیر اور مسلمانوں کے سردار کی طرف چلو تاکہ حق کو پالو۔

اس کے بعد امیر المومنینؑ کے دیگر اصحاب نے تقریریں کیں اور لوگوں کو جنابِ امیر کی حمایت پر آمادہ کیا۔ (تاریخ طبری ۵/۱۸۴ و کامل ۳/۱۱۴)

شہادت:

اس معرکے میں زید نے نہایت بہادری کے ساتھ جنگ کی اور آخر میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ مرتے وقت انھوں نے وصیت کی کہ میرا خون نہ دھویا جائے اور نہ میرے کپڑے اتارے جائیں، میں پیشِ خدا اسی حالت میں جاؤں گا۔

زید کے حق میں اُمّ المومنینؑ عائشہ کے کلماتِ خیر:

زید کی شہادت کے بعد اُمّ المومنینؑ حضرت عائشہ نے دورانِ جنگ میں خالد کا کلام سن کر ان کو پکارا، خالد نے جواب دیا ہاں، حضرت عائشہ نے ان کو قسم دے کر کہا: ''اگر میں تم سے کچھ دریافت کروں تو صحیح صحیح بیان کر دو گے''؟ خالد نے جواب دیا: ''اُمّ المومنین مجھ کو صحیح بات کہنے سے کیا چیز روک سکتی ہے''؟

حضرت عائشہ نے پوچھا: ''طلحہ کیا ہوئے۔ خالد نے جواب دیا'': شہید ہو گئے۔ حضرت عائشہ نے یہ سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا۔ پھر پوچھا: ''زبیر کا کیا حال ہے''؟ خالد نے کہا: ''وہ بھی شہید ہو گئے''۔ حضرت عائشہ نے پھر انا للہ پڑھا، اب خالد نے کہا: ''ہم بھی خدا ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف پلٹنے والے ہیں ہمارا خون زید اور اصحاب زید پر ہے''۔ حضرت عائشہ نے پوچھا: ''کیا زید بن صوحان کو کہتے ہو''۔ خالد نے کہا: جی ہاں، حضرت عائشہ نے ان کے حق میں کلماتِ خیر کہے، اس پر خالد نے کہا: ''بخدا اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جنت میں کبھی جمع نہ کرے گا''۔

انھوں نے کہا ''خاموش رہو! کیونکہ خدا کی رحمت بہت وسیع ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے''۔ (اسد الغابہ ۲/۲۳۴ واستیعاب ۱/۱۹۱)

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ
الفقیہ الانصاری

نام ونسب :

عبدالرحمن نام، کنیت ابوعیسیٰ، کوفے کے رہنے والے تھے، ان کے والد حضرت ابولیلیٰ متفقہ طور پر صحابیِ رسولؐ تھے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔

''عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بن بلال بن بلیل بن احیحہ بن الحلاح بن الحریش بن حجیا بن کلفہ بن عوف بن عمرو بن عوف بن الاوس''

(طبقات ابن سعد ۶/۷۴)

علم وفضل :

عبدالرحمن، اپنے وقت کے متجر علما میں تھے، صاحبِ منتہی المقال نے ان کو کوفے کے اکابر تابعین میں لکھا ہے۔ (منتہی المقال صفحہ ۱۷۳) انھوں نے صحابۂ رسولؐ میں، حضرت علیؑ، عبداللہ، ابی بن کعب، سہل بن حنیف، خوات بن جبیر، حذیفہ بن الیمان، عبداللہ بن زید، کعب بن عجرہ، براء بن عازب، ابوذر غفاری، ابودرداء، ابوسعید الخذری، قیس بن سعد، زید بن ارقم، ابنِ مسعود معاذ بن جبل، بلال بن رباح، عبداللہ ابنِ عمر، عبدالرحمن بن ابی بکر، ابوایوب، اُمّ ہانی بنت ابی

طالب، انس، سمرہ بن جندب، صہیب، عبدالرحمن بن سمرہ، عبداللہ بن عکیم، نیز اپنے والدِ ماجد ابو لیلیٰ، سے احادیث کی روایت کی ہے، ان کا مشہور قول ہے کہ میں نے صحابۂ رسولؐ میں سے ایک سو بیس ۱۲۰ انصار کا ادراک کیا ہے جو سب کے سب ایسے تھے کہ ان میں سے اگر کسی سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تھا تو اس کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ دوسرا ہی اس کو بتادے۔

(طبقات ۶/۴۷ وحلیۃ الاولیا ۴/۳۵۶)

امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ساتھ آپ کو خصوصی تلمذ تھا اور ایک عرصے تک آپ کی صحبت میں رہے ہیں چنانچہ عمرو بن مرہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے لوگوں کو علی بن ابی طالب علیہ السلام سے کچھ احادیث بیان کرتے ہوئے سنا، اس پر کہنے لگے ''ہم بھی علی کے پاس بیٹھے ہیں اور ان کی صحبت حاصل کی ہے لیکن جو چیزیں یہ لوگ بیان کر رہے ہیں ان میں سے ایک بات بھی ہم نے ان سے نہیں سنی، کیا علیؑ کے لیے یہ فضیلت کافی نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلعم کے ابنِ عم اور ان کے داماد اور حسنؑ و حسینؑ (علیہما السلام) کے باپ ہیں جو بدر میں بھی موجود تھے اور حدیبیہ میں بھی''

(طبقات ابن سعد ۶/۴۷)

امیر المومنینؑ سے اسی اکتسابِ فیض کا اثر تھا کہ بڑے بڑے صحابہ ان کے علم اور تقویٰ کا وزن محسوس کرتے تھے جیسا کہ عبدالملک بن عمیر کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے عبدالرحمن کو صحابۂ رسول کے حلقے میں دیکھا جن میں براء بن عازب بھی تھے، وہ سب کے سب نہایت خاموشی سے ان کی حدیث کو سن رہے تھے (تہذیب التہذیب ۶/۲۶۰)

علمِ قضا میں ان کے تبحر کا یہ عالم تھا کہ حجاج نے جب ان کو قاضی بنانا چاہا تو

حوشب نے اس سے کہا:

اگر تم چاہتے ہو کہ علی بن ابی طالب کو قضا پر بھیجو تو بیشک یہی کرو۔

(طبقات ابن سعد ۶/۷۴)

حفظِ حدیث میں اہتمام:

یزید بن ابی زیاد کا بیان ہے کہ عبدالرحمن کہا کرتے تھے حدیث کی زندگی اس کا مذاکرہ ہے، اس پر عبداللہ بن شداد نے کہا "اللہ آپ پر رحم کرے، آپ نے کتنی ایسی احادیث کو میرے سینے میں زندہ کر دیا جو میں بھول چکا تھا"۔ دوسرے موقع پر ان کا بیان ہے کہ "میں نے عبداللہ بن عکیم سے عبدالرحمن کو یہ کہتے ہوئے سنا": "آؤ کچھ حدیث کا ذکر کریں کیونکہ حدیث کی زندگی اس کا مذاکرہ ہے

(طبقات ۶/۷۴)

تلامذہ:

عبدالرحمن کا حلقۂ درس اپنے اقران میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ مجاہد کا بیان ہے کہ عبدالرحمن کا ایک گھر تھا جس میں انھوں نے قرآن مجید کے مختلف نسخے جمع کر رکھے تھے۔ اس میں قراء کا اجتماع ہوتا تھا جو بہت کم صرف ضرورتاً وہاں سے اُٹھتے تھے ان کے تلامذہ میں حسبِ ذیل اکابر کے نام ملتے ہیں۔

(حلیۃ الاولیا ۴/۳۵۶)

"عمرو بن میمون الاودی، شعبی، ثابت البنانی حکم بن عتیبہ، حصین بن عبدالرحمن، عمرو بن مرہ، مجاہد بن جبیر، یحییٰ بن الخبرار، ہلال الوزان، یزید بن ابی زیاد، ابواسحٰق شیبانی، منہال بن عمرو، عبدالملک بن عمیر، اعمش، اسمٰعیل بن ابی خالد وغیرہ۔

(تہذیب التہذیب ۶/۲۶۰)

زہد وتقویٰ:

عبدالرحمن کا یہ معمول تھا کہ نمازِ فجر کے بعد قرآن کھول کر بیٹھ جاتے تھے اور طلوعِ آفتاب تک اس کی تلاوت کرتے تھے (طبقات ابنِ سعد ۷۴/۶) مکروہات سے محرمات کی حد تک اجتناب کرتے تھے چنانچہ ابوفروہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبدالرحمن نے وضو کیا، کسی نے ان کو رومال لا کر دیا، آپ نے اسے وہیں پھینک (طبقات ابن سعد ۷۴/۶) دیا مسلم جہنی کی روایت ہے کہ میں نے نمازِ جمعہ میں عبدالرحمٰن کو دیکھا کہ اپنی انگلیوں سے انھوں نے محمد بن سعد کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا، مطلب یہ تھا کہ جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو خاموشی سے سننا چاہیئے۔

(طبقات ابن سعد ۷۴/۶)

نماز میں ان کا یہ اہتمام تھا کہ بالوں کو اگر مہندی لگی ہوتی تھی تو نماز میں جانے سے قبل اس کو جھاڑ لیا کرتے تھے (طبقات ابن سعد ۷۴/۶) اسی طرح بال اگر بندھے ہوتے تھے کھول لیا کرتے تھے۔

یہی احتیاط ان کی ملبوسات میں تھی۔ یزید بن ابی زیاد بیان کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن کے پاس ایک ریشمی چادر تھی جس کو وہ اوڑھا کرتے تھے، جب وہ بوسیدہ ہوگئی تو اس کو انھوں نے اُدھیڑ کر دوبارہ بُننا شروع کیا اور اپنے ساتھی سے کہا کہ اس میں ریشم کا کوئی تار نہ ڈالنا اور اس کا تانہ کتان یا روئی کا رکھو، لوگوں نے اس پر ان سے کہا: ''آپ تو ایسی چادر پہنا ہی کرتے ہیں'' جواب دیا ''وہ میری بنائی ہوئی نہیں ہوتی''۔ (طبقات ابن سعد ۷۴/۶)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں عبدالرحمٰن کے پاس گیا، اس وقت میرے ہاتھ میں سونے کا ایک کڑا تھا، اس کو دیکھ کر کہنے لگے: ''کیا تم اس سے تلوار پر ملمع کروگے''؟ میں نے کہا ''نہیں'' پھر کہا: ''تو کیا قرآن پر اس کو چڑھاؤ

گے''؟ میں نے کہا''نہیں'' اس پر انھوں نے کہا:''غالباً تم اس کے چھلّے بنواؤ گے اور سونے کے چھلّوں کو وہ مکروہ سمجھتے تھے''۔ (طبقات ابن سعد ۷۴/۶)

جنگی کارنامے:

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے اگرچہ ایک طویل عمر پائی اور اُن کے زمانے میں بڑے بڑے حادثات رونما ہوئے لیکن کتبِ تواریخ عموماً ان کے ذکر سے خاموش ہیں، صرف مولف منہج المقال نے اتنا لکھا ہے کہ جنگِ جمل میں حضرت علیؑ کا علَم ان کے ہاتھوں میں تھا (منہج المقال ورق ۸۳) اس کے علاوہ کسی تاریخ میں اس موقعے پر ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا اس کے بعد جنگِ صفین میں بھی وہ کسی جگہ دکھائی نہیں دیتے البتہ عبدالرحمن بن محمد الاشعث کی جنگ میں جو انھوں نے تقریر کی ہے اس میں انھوں نے کہا ہے: میں نے حضرت علیؑ کو جس دن اہلِ شام سے ہمارا مقابلہ ہوا ہے، یہ کہتے ہوئے سُنا ہے''ایھا المومنون انه من رائ......الخ (تاریخ طبری ۳۱/۸)

اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ جنگِ صفین میں بھی آپ نے امیر المومنینؑ کے ہمراہ جنگ کی ہے۔ البتہ حجاج بن یوسف ثقفی کے ایامِ امارت میں ان کے جنگی کارنامے سامنے آتے ہیں جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ اور حجاج بن یوسف:

ابوبکر بن ابی شیبہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ حجاج کے دربار میں آئے۔ ان کو دیکھ کر حجاج نے اپنے مصاحبین سے کہا:''اگر آپ لوگ ایسے شخص کو دیکھنا چاہیں جو امیر المومنین عثمان بن عفّان پر سبّ و شتم کرتا ہے تو وہ تمہارے پاس ہی بیٹھا ہے''، عبدالرحمن نے کہا:''معاذ اللہ! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں امیر المومنین (یہاں

امیر المومنین سے ان کی مراد امیر المومنین علی ابن ابی طالب ہیں) کو گالیاں دوں مجھ کو اس امر سے کتابِ خدا کی تین آیتیں باز رکھتی ہیں! اللہ فرماتا ہے:

"لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ"

ان فقراء مہاجرین کے لیے جو اپنے شہروں سے نکالے گئے اور اپنے اموال سے محروم کئے گئے، جو اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں نیز اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، درحقیقت وہی سچے ہیں اور خالص ہیں۔ پس عثمان (یہاں عثمان سے مراد عثمان بن مظعون ہیں جو حضرت علیؑ کے مخلص اصحاب میں تھے) ان ہی لوگوں میں تھے، پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ"

جو لوگ مہاجرین سے پہلے گھر میں مقیم اور ایمان میں مستقل رہے اور جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس کی اپنے دلوں میں کچھ غرض نہیں پاتے اور اگرچہ اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو وہ دوسروں کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے ہیں اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا گیا وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں پس میرے باپ ان ہی میں سے تھے، پھر اللہ فرماتا ہے:

"وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا

وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ"

اور جو لوگ ان کے بعد آئے اور دعا کرتے ہیں کہ پروردگارا ہماری اور ان لوگوں کی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے مغفرت کر اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دلوں میں کسی طرح کا کینہ نہ آنے دے، پروردگارا بیشک تو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

پس میں اس گروہ میں ہوں، یہ سن کر حجاج نے کہا: بیشک تم سچ کہتے ہو

(عقد الفرید ۲/۴۷، حلیۃ الاولیا ۴/۳۵۲)

اس موقعے پر تو عبدالرحمن نے توریہ یا تقیّہ کسی صورت سے اپنی جان بچالی لیکن اس کے بعد دوسرے موقعے پر حجاج کا قابو چل گیا اور علیؑ کو برا نہ کہنے پر ان کو اتنا مارا کہ دونوں شانے سیاہ پڑ گئے، چنانچہ اعمش راوی ہیں کہ میں نے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کو دیکھا کہ حجاج نے ان کو مارا اور مسجد کے دروازے پر ان کو کھڑا کر دیا اس وقت حجاج کے آدمی اُن سے کہہ رہے تھے "العن الکاذبین، علی بن ابی طالب عبداللہ بن الزبیر، والمختار بن عبید" (جھوٹوں پر لعنت کرو، علی بن ابی طالب پر، عبداللہ بن زبیر اور مختار بن ابی عبید پر، عبدالرحمن نے کہا: لعن اللہ الکاذبین (اللہ جھوٹوں پر لعنت کرے) اس کے بعد کہا: علی بن ابی طالب و عبداللہ بن الزبیر، والمختار بن ابی عبید" اعمش کہتے ہیں کہ جب وہ یہ کہہ کر خاموش ہوئے تو میں نے غور کیا کہ انھوں نے یہ تینوں نام بجائے زبر (َ) کے پیش (ُ) کے ساتھ پڑھے ہیں یعنی "اللہ" کی طرح ان کو لَعَنَ کا فاعل بنایا ہے نہ کہ مفعول جس کے معنی یہ ہوئے: اللہ، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن زبیر اور مختار بن ابی عبید، جھوٹوں پر لعنت کرتے ہیں۔ (عقد الفرید ۵/۳۱۴، طبقات ابن سعد ۶/۶۷، منتہی

المقال صفحہ ۱۷۳، حیلۃ الاولیا)

۸۳ھ میں عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث نے حجاج کے خلاف عَلَم بغاوت بلند کیا اور چونکہ اس کے مظالم سے لوگ تنگ آ گئے تھے اس لیے ایک کثیر جمعیت نے اس کا ساتھ دیا جن میں زیادہ تعداد فقہاء اور قراء کی تھی، چنانچہ سعید بن جبیر، عامر شعبی، ابوالبختری طائی وغیرہ کی طرح عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے بھی اس کا ساتھ دیا اور نہایت بہادری سے جنگ کی۔

ابوزبیر ہمدانی بیان کرتے ہیں کہ میں جبلہ بن زحر کے لشکر میں تھا، جس وقت اس پر اہلِ شام نے پے در پے حملے کئے تو عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ الفقیہ نے ہم کو آواز دی اور کہا: ''اے گروہِ قراء میدانِ جنگ سے بھاگنا کسی شخص کے لیے اتنا مذموم نہیں جتنا آپ لوگوں کے لیے، میں نے حضرت علیؑ کو جس دن اہلِ شام سے ہمارا مقابلہ ہوا ہے، یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

''اے اہلِ ایمان! جو شخص یہ دیکھے کہ کسی سرکشی پر عمل ہو رہا ہے اور منکر کی طرف لوگوں کو بلایا جا رہا ہے، پس اپنے قلب سے اس کا انکار کرے۔ پس وہ سالم اور بری ہے اور جو شخص زبان کے ساتھ اس کا انکار کرے تو وہ اجر کا مستحق ہے اور اپنے صاحب سے یقیناً افضل ہے اور جو شخص تلوار کے ذریعے اس کا انکار کرے تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور ظالموں کا کلمہ نیچا تو یہ وہ شخص ہے جس نے ہدایت کے راستے کو پا لیا اور اپنے قلب کو یقین کی روشنی سے منور کر لیا''۔

پس ان محلین اور اہلِ احداث سے جنگ کرو جو حق سے جاہل ہیں اور سرکشی پر عمل پیرا ہیں۔

غرض کہ اسی جنگ میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

عبیدۃ السلمانی المرادی

عبیدۃ السلمانی (سلمان قبیلہ مراد کی ایک شاخ ہے) (اسد الغابہ ۳:۳۵۶) کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی کنیت ابو مسلم ہے، کوفے کے رہنے والے تھے، ان کا اصلی نام اختلافِ روایات کی بنا پر حسبِ ذیل تین طریقے پر آتا ہے:
عبادۃ بن قیس، عبیدہ بن عمرو، عبیدہ بن قیس ابنِ عمرو

(تاریخ خطیب بغدادی ۱۱:۱۱۷)

اس اختلاف کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کے والد کے دو نام تھے یا یہ دونوں الگ الگ شخصیتیں تھیں اور نسب میں غلطی ہوگئی ہے بلکہ اس اختلاف کا منبع یہ ہے کہ علمائے انساب کو اس میں دھوکا ہوا ہے کہ عمرو اور قیس میں ان کے باپ کون تھے اور دادا کون تھے اور چونکہ دادا بھی باپ ہی ہوتا ہے اس لیے کہیں عبادۃ بن قیس کہا گیا، کہیں عبادۃ بن عمرو، رہا عبیدہ اور عبادۃ کا اختلاف اس کی مثالیں کتب رجال میں بکثرت ملتی ہیں اور ایسا اختلاف قرأت کی بنا پر ہے اس سے شخصیت کے تعین پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اِسلام:

تمام مورخین اور علمائے رجال کا اس پر اتفاق ہے کہ عبیدۃ السلمانی آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے دو سال قبل اسلام لے آئے تھے چنانچہ ان کا حسبِ ذیل قول محمد بن سیرین کی روایت سے تمام کتابوں میں ملتا ہے۔

یعنی میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے دو سال قبل اسلام لایا اور نماز پڑھی لیکن آپ سے ملاقات نہیں کر سکا (طبقات ابنِ سعد ۶ و ۹۲ تہذیب التہذیب ۷: ۸۴)

علم وفضل:

عبیدہ سلمانی کا شمار ان اصحاب میں ہے جو اپنے علم وفضل کی بنا پر اکثر صحابۂ رسولؐ پر فوقیت رکھتے تھے۔ انھوں نے حضرت عمر، حضرت علیؑ، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن زبیر سے احادیث کی روایت کی لیکن خصوصیت سے ان کا شمار حضرت علیؑ اور عبداللہ بن مسعود کے اصحاب میں کیا جاتا ہے۔ ان سے روایت کرنے والوں میں حسبِ ذیل اکابر کے نام ملتے ہیں:

''عبداللہ بن سلمہ مرادی، ابراہیم نخعی، ابواسحٰق سبیعی محمد بن سیرین، ابوحسان الاعرج، ابوالبختری الطائی، عامر الشعبی، نعمان بن قیس، سعید بن ابی ہند

(تاریخ خطیب بغدادی ۱۱: ۱۱۷ و تہذیب التہذیب ۷: ۸۴)

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ محمد بن سیرین سب سے زیادہ عبیدہ سے روایت کرنے والوں میں تھے۔ انھوں نے جتنی احادیث ان سے روایت کی ہیں وہ گویا ان کی رائے کے مقامات کو چھوڑ کر سب کی سب علی بن ابی طالب سے ہیں اسی طرح ابراہیم نخعی نے جتنی احادیث ان سے روایت کی ہیں وہ بجز ایک حدیث کے سب کی سب عبداللہ بن مسعود سے ہیں (خطیب بغدادی ۱۱: ۱۱۷)

محمد بن سیرین کا ان کے بارے میں مشہور قول ہے "ما رأیتُ اشد

توقیا من عبیدۃ، میں نے عبیدہ سے زیادہ کسی کو اتنا زیادہ محتاط نہیں پایا۔

(خطیب بغدادی ۱۱: ۱۱۷، تہذیب التہذیب ۷: ۸۴)

اُن کے تبحرِ علم کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ قاضی شریح کو جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو کہا کرتے تھے بنی سلمان میں ایک شخص ہے جو اس کو حل کرسکتا ہے اور عبیدہ کے پاس لوگوں کو بھیج دیتے تھے (خطیب بغدادی ۱۱: ۱۱۷)

شعبی کا ان کے بارے میں قول ہے:

شریح علمِ قضا کے سب سے بڑے جاننے والے تھے لیکن عبیدہ اس میں ان کے برابر تھے۔ (خطیب بغدادی ۱۱: ۱۱۷)

یہی قول سفیان کا ہے کہ عبیدہ علم و فضل میں شریح کے دوش بدوش تھے۔

(خطیب بغدادی ۱۱/ ۱۱۷)

محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں:-

میں نے کوفے میں ایسے چار شخصوں کو پایا ہے جن کو فقہا میں شمار کیا جاتا ہے، پس جس نے پہلا نمبر حارث کو دیا تو دوسرا نمبر عبیدہ کا ہے اور جس نے عبیدہ کو پہلا نمبر دیا تو دوسرا نمبر حارث کا ہے، پھر تیسرا نمبر علقمہ کا اور چوتھے درجے پر شریح ہیں۔

(خطیب بغدادی ۱۱/ ۱۱۷)

دوسری جگہ محمد بن سیرین کا یہ قول ان الفاظ کے ساتھ ملتا ہے:-

عبداللہ بن مسعود کے اصحاب پانچ تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ تو عبیدہ کو مقدّم کرتے تھے اور کچھ علقمہ کو اور اس میں سے کسی کو اختلاف نہ تھا کہ شریح کا درجہ سب سے آخر میں ہے۔

اس پر حماد (قولِ مذکور کے راوی) سے پوچھا گیا کہ وہ کون پانچ اصحاب ہیں تو انھوں نے کہا:

عبیدہ، علقمہ، مسروق، ہمدانی، شریح (طبقات ابن سعد ۶۲/۲)

عبیدہ کی علمی جلالت اور عظمت کا اندازہ امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے حسبِ ذیل قول سے اچھی طرح کیا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

اے اہلِ کوفہ! کیا تم اس بات سے عاجز ہو کہ سلمانی اور ہمدانی کی مثل بن جاؤ (ہمدانی سے آپ کی مراد حارث بن الازمع ہے نہ کہ حارث اعور) بیشک وہ دونوں ایک مرد کے دو حصے ہیں۔ (طبقات ابن سعد ۶۲/۲)

حماد کا بیان ہے کہ عبیدہ اعور تھے (طبقات ابن سعد ۶۲/۲)

مولف تہذیب التہذیب ان کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

علی بن المدینی نے عبیدہ کا شمار ابنِ مسعود کے اصحاب میں فقہاء میں کیا ہے۔ اسحق بن منصور، ابنِ معین کی زبانی ناقل ہیں کہ عبیدہ ثقہ ہیں، ان کے امثال کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا جاسکتا۔ عثمان دارمی کا قول ہے کہ میں نے ابنِ معین سے ایک مرتبہ کہا علقمہ آپ کو زیادہ محبوب ہیں یا عبیدہ تو انھوں نے کسی کو ایک دوسرے پر اختیار نہیں کیا۔ (تہذیب التہذیب ۸۵/۷)

عام حالات:

عبیدہ سلمانی کے حالاتِ زندگی سے تاریخِ اسلام کا ایک طویل دور بالکل خاموش ہے حد یہ ہے کہ جمل و صفّین جیسے اہم مواقعے پر بھی ان کا نام کسی جگہ نہیں ملتا۔ خطیب بغدادی نے صرف اتنا لکھا ہے کہ مدائن میں حضرت علیؑ کے ہمراہ آپ آئے تھے، اس کے بعد جنگِ نہروان کے موقعے پر ضرور امیر المومنینؑ کے ہمراہ ملتے ہیں۔ اس موقعے پر ان کا بیان ہے کہ جب ہم اصحاب نہر سے فارغ ہوئے تو علی علیہ السلام نے فرمایا کہ ان لوگوں میں تلاش کرو اس لیے کہ اگر یہ وہی گروہ ہے جس کے لیے رسولؐ اللہ نے پیشین گوئی کی ہے تو ان میں ایک مخدج الیہ

شخص ضرور ہوگا عبیدہ کہتے ہیں کہ ہم نے تلاش کیا۔ اور اس شخص کو پالیا پھر ہم نے امیر المومنینؑ کو اس کے پاس بلایا، آپ تشریف لائے اور اس کے پاس آکر کھڑے ہوگئے، اس وقت آپ نے تین مرتبہ اللہ اکبر اللہ اکبر فرمایا اور کہا اگر تم مغرور نہ ہو جاؤ تو میں بیان کروں کہ اللہ نے ان لوگوں کے قتل کے بارے میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر کیا الفاظ جاری کیے ہیں، عبیدہ کہتے ہیں کہ اس پر میں نے ان سے عرض کی: کیا آپ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! قسم کعبے کے پروردگار کی، قسم کعبے کے پروردگار کی، قسم کعبے کے پروردگار کی (تاریخ خطیب بغدادی ۱۱:۱۱۷)

زہد وتقویٰ:

عبیدہ سلمانی کو امیر المومنینؑ کے زہد سے بھی حصہ وافر ملا تھا۔ محرمات کا تو ذکر ہی کیا ہے مشتبہات سے بھی وہ اسی طرح پرہیز کرتے تھے جس طرح محرمات سے، چنانچہ نبیذ اسلام میں اگر حرام نہیں ہے تو مکروہ یقینی ہے لیکن عرب چونکہ شراب کے عادی تھے اس لیے اسلام آنے کے بعد بھی یہ عادت ان سے نہ چھوٹی لیکن اب اس کو نبیذ کی شکل دے دی گئی تھی چنانچہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے محتاط صحابہ نبیذ کا استعمال کرتے تھے لیکن عبیدہ اور ان کے امثال نے کبھی اس سے اپنا کام ودہن آلودہ نہیں کیا۔ محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عبیدہ سے نبیذ کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا: ''لوگوں نے بہت سی پینے کی چیزیں ایجاد کر لی ہیں میری شراب بیس سال سے بجز پانی اور دودھ اور شہد چوتھی چیز نہیں'' (طبقات ابن سعد ۶: ۶۲)

ایک مرتبہ کچھ لوگ ان کے پاس آئے اور مشروبات (پینے کی چیزیں) کے بارے میں اختلاف کرنے لگے، جب ان سے رجوع کیا گیا تو جواب دیا:

''میری شراب تیس برس سے سوائے شہد، دودھ اور پانی کے اور کچھ نہیں ہے''

(طبقات ابن سعد ۶: ۶۲)

محبتِ رسولؐ:

محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عبیدہ سے کہا: ''ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بال ہے جو انس (بن مالک) کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے''۔ یہ سن کر انھوں نے کہا: ''اگر میرے پاس آپ کا ایک بال ہوتا تو یقیناً سطحِ زمین پر زرد اور سفید جو کچھ بھی ہے اس سب سے زیادہ محبوب ہوتا''

(طبقات ابنِ سعد ۶: ۶۲)

عقیدۂ رجعت:

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبیدہ رجعت کے بھی قائل تھے چنانچہ نعمان بن قیس راوی ہیں کہ مجھ سے میرے باپ بیان کرتے تھے کہ میں نے عبیدہ سے کہا: ''مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ مرنے کے بعد قیامت سے قبل تم رجعت کرو گے اور تمہارے ہاتھوں میں علم ہوگا اور اس وقت ایسی فتح تم کو حاصل ہوگی جو نہ تمہارے قبل کسی کو حاصل ہوئی نہ تمہارے بعد ہوگی''۔ اس پر عبیدہ نے جواب دیا: ''بیشک اللہ اگر مجھ کو قیامت سے پہلے دو مرتبہ زندہ کرے اور دو مرتبہ مارے تو اس میں سوائے میری بھلائی کے اور کچھ نہ ہوگا'' (طبقات ابن سعد ۶: ۶۲)

وفات:

عبیدہ کی وفات حسبِ تصریح ابنِ سعد ۷۲ھ میں ہوئی۔ (طبقات ابنِ سعد ۶: ۶۲)

یہی قول ابنِ نمیر اور دیگر اصحاب کا ہے قعنب نے اس میں اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کی وفات ۷۲ھ یا ۷۳ھ میں ہوئی۔ ترمذی بھی ۷۳ھ کے قائل

ہیں۔ ابو بکر بن شیبہ کا قول ہے کہ عبیدہ کا انتقال ۷۴ھ میں ہوا۔ مولف ''تہذیب التہذیب'' نے اس آخری قول کو اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ ابنِ حبان نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ۸۴/۷)

وفات کے وقت انھوں نے اپنی تمام کتابوں کو منگوایا اور ان کے تمام نقوش کو مٹادیا اور کہا: ''مجھے یہ ڈر ہے کہ میرے بعد وہ کسی ایسے شخص تک پہنچ جائیں جو ان کو نہ سمجھ سکے اور ان کا جو مقام ہے اس کے خلاف ان کو رکھ دے''۔

اس کے بعد وصیّت کی کہ میری نمازِ جنازہ اسود بن یزید پڑھائیں چنانچہ متوفی کی حسب وصیت اسود ہی نے نماز پڑھائی۔ اس کے بعد روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ اسود جب نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو کہا جلدی کرو ایسا نہ ہو کہ کذاب یعنی مختار آجائے۔ چنانچہ غروب آفتاب سے قبل ہی نماز پڑھ لی گئی۔ (طبقات ابنِ سعد ۶: ۶۲)

روایت کے اس آخری ٹکڑے کے بارے میں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ مختار کا قتل بالاتفاق ۶۷ھ میں ہوا ہے ملاحظہ ہو تاریخِ طبری (۱۶۱/۷) و کامل (۱۱۷/۴) والبدایۃ والنہایہ (۲۸۷/۸) اور عبیدہ کی وفات بہ اختلافِ اقوال ۷۲ھ و ۷۴ھ کے درمیان دائر ہے اس بنا پر اگر ۷۲ھ میں بھی ان کی وفات تسلیم کر لی جائے تب بھی اس وقت مختار کے قتل کو آٹھ برس گزر چکے تھے اس لیے یہ کہنا کہ ''جلدی کرو ایسا نہ ہو کذّاب آجائے'' کہاں تک قرینِ قیاس ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ روایت کے بنانے والے کا ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوا کہ مختار ۶۷ھ ہی میں اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اب آٹھ سال کے بعد وہ کہاں سے آسکتے ہیں۔ یقیناً روایت میں اضافہ مختار کے مخالفین کا ہے اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مؤرخین نے ان کے بارے میں کیا کیا جھوٹی روایتیں نہ تراشی ہوں گی۔

ضرار بن ضمرۃ الضبائی

ان کا کوئی حال تذکرہ رجال کی کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گزرا البتہ معاویہ کی فرمائش پر انھوں نے امیر المومنینؑ کی جو منقبت بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرار نے آپ کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور آپ کی صحبت اٹھائی تھی۔

تاریخ میں ان کا نام صرف اسی واقعے کی بدولت زندہ ہے۔ امیر المومنینؑ کے ذکر پر ان کے دشمنوں کو رُلا دینا ضرار ہی کا کام تھا جس کی اثر انگیزی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ قریب قریب ہر صدی کے ادیب اور مورخ نے اس واقعے کو اپنی اپنی مولفات میں نقل کیا ہے چنانچہ مسعودی متوفی ۳۴۶ھ نے مروج الذہب (۲، ۷، ۳) میں، ابو اسمٰعیل قالی متوفی ۳۵۶ھ نے اپنی امالی (۲، ۱۴۹) میں، شیخ صدوق متوفی ۳۸۱ھ نے امالی (مجلس ۹۱) میں، سید رضی متوفی ۴۰۶ھ نے نہج البلاغہ (۲، ۸۴) اور کتاب خصائص الائمہ (قلمی کتاب خانہ رام پور) میں، ابراہیم بن محمد بیہقی متوفی نے کتاب المحاسن والمساوی (۱، ۳۳) میں، حافظ ابونعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ نے حلیۃ الاولیا (۱، ۸۵) میں، حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ (۷، ۳۵) میں ابن جوزی متوفی ۵۹۷ نے صفۃ الصفوۃ (۱، ۱۲۱) میں، محی الدین ابن عربی م ۶۳۸ھ نے کتاب محاضرات الابرار و سامرۃ الاخیار (۲، ۱۶۸) میں، ابو سعید سمان نے اپنی کسی تالیف میں، بہائی نے کامل میں

(مجالس المومنین صفحہ ۴۳۱) اپنی اپنی اسناد کے ساتھ یہ پورا واقعہ نقل کیا ہے، اسی ضمن میں امیر المومنینؑ کا حسبِ ذیل کلام بھی ملتا ہے۔

یادنیا، یادنیا، الیك عنّی، ابی تعرضت، ام الیّ تشوّقتِ ......الخ

غالباً اس کی شہرت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ واقعہ معاویہ کے دربار میں پیش آیا اور تمام اہلِ دربار نے خلافِ توقع ضرار کی زبان سے امیر المومنینؑ کے فضائل کو سنا نیز جیسا کہ روایت بتاتی ہے خود معاویہ بھی اس کو سن کر اتنا متاثر ہوئے کہ بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ضرار سے کہا: ''اے ضرار تم کو علی کا کتنا غم ہے'' ضرار نے جواب دیا: "حزن من ذبح واحدها فی حجرها"۔ ''اتنا غم جتنا اس عورت کو ہوتا ہے جس کا اکلوتا بچہ اس کی گود میں ذبح کر دیا جائے''۔

ذیل میں یہ پورا واقعہ حافظ ابونعیم کی کتاب حیلۃ الاولیاء سے نقل کیا جاتا ہے:

ہم سے سلیمان بن احمد نے بیان کیا، انھوں نے محمد بن زکریا غلابی سے، انھوں نے عباس بن بکار انصبی سے، انھوں نے عبدالواحد بن ابی عمرو الاسدی سے، انھوں نے محمد بن السائب الکلبی سے، انھوں نے ابوصالح سے سن کر بیان کیا، ابوصالح کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ضرار بن ضمرہ کنانی معاویہ کے دربار میں آئے۔ معاویہ نے ان سے کہا: ''اے ضرار! کچھ علیؑ کا وصف بیان کرو''، ضرار نے کہا: ''امیر المومنینؑ مجھے اس خدمت سے معذور سمجھا جائے''، معاویہ نے کہا: ''یہ نہیں ہو سکتا''، غرضیکہ ضرار کو جب انھوں نے مجبور کیا تو اس طرح گویا ہوئے:

علی بن ابی طالب وہ تھے جن کی انتہا بہت دور تھی، جن کے قویٰ بہت سخت تھے، بات فیصلہ کُن کہتے تھے اور عدل کے ساتھ حکم کرتے تھے، ان کے پہلوؤں سے علم کے چشمے جاری ہوتے تھے اور حکمت ان کے اطراف سے بولتی تھی، وہ دنیا اور اس کی رنگینیوں سے وحشت کرتے تھے اور رات اور اس کی تاریکی سے

آسودگیِ ضمیر محسوس کرتے تھے، موٹے موٹے آنسوؤں سے روتے تھے، لمبی فکر کرتے تھے، اپنی ہتھیلیوں کو رگڑ رگڑ کر اپنے نفس سے مخاطب ہوتے تھے، چھوٹے سے چھوٹا لباس اور موٹی سے موٹی غذا ان کو پسند تھی، قسم خدا کی قسم خدا کی وہ ہم میں ایک عام آدمی کی طرح تھے۔ جب ہم ان کے پاس آتے تھے تو قریب بٹھاتے تھے اور جب ان سے کچھ پوچھتے تھے تو جواب دیتے تھے اور باوجودیکہ وہ ہم سے اور ہم ان سے ہر وقت قریب رہتے تھے پھر بھی ہیبت کی وجہ سے ہم ان سے بات نہیں کر سکتے تھے۔ آپ اگر کبھی تبسم فرماتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پروئے ہوئے موتی چمک رہے ہوں۔ وہ اہلِ دین کی تعظیم کرتے تھے اور مسکینوں کو دوست رکھتے تھے۔ طاقتور اپنے باطل میں اُن سے کوئی طمع نہیں کر سکتا تھا اور ضعیف ان کے عدل سے مایوس نہ ہوتا تھا۔ میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ بعض موقعوں پر میں نے ان کو دیکھا ہے، جب کہ رات تاریکی کے پردے چھوڑے ہوئے تھی اور ستارے ڈوبتے ہوتے تھے کہ آپ اپنی محرابِ عبادت میں جھکے ہوئے اور داڑھی کو پکڑے ہوئے اس طرح تڑپتے تھے جس طرح عقرب گزیدہ تڑپتا ہے اور اس طرح روتے تھے جیسے کوئی غمزدہ روتا ہے، میرے کان میں اس وقت بھی ان کے یہ فقرے گونج رہے ہیں۔

اے دنیا، اے دنیا، میرے پاس سے دور ہو جا......الخ

جنابِ قنبر

حضرت امیر المومنینؑ کے مشہور غلام تھے۔ حضرت آپ کو بہت مانتے اور نہایت عزیز رکھتے تھے۔ قنبر بھی حضرتؑ کے بڑے جان نثار تھے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ تم کس کے غلام ہو کہا

اس کا غلام ہوں جو دو تلواروں سے جہاد کرتا اور جو دو نیزوں سے لڑتا تھا، جس نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی، دونوں بیعتیں کیں، دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل کیا اور ایک لمحے کے لیے بھی کافر نہیں رہا۔ اسی طرح بڑی لمبی، فصیح و بلیغ مدح حضرت کی کرتے رہے۔ حجاج نے آپ کو بھی گرفتار کرا کے بلایا اور پوچھا کہ ''تم علیؑ کی کون سی خدمت انجام دیتے تھے''۔ کہا ''وضو کے لیے حضرتؑ کے پاس پانی لے جاتا تھا''۔ پوچھا ''جب وہ وضو سے فارغ ہوتے تو کیا کہتے''۔ کہا ''اس آیت کی تلاوت فرماتے تھے'' فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ○ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سورۂ انعام، آیت ۴۴ اور ۴۵) ''پھر جس چیز کی انھیں نصیحت کی گئی تھی جب اس کو بھول گئے تو ہم نے ان پر ہر طرح کی نعمت کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئی تھیں جب ان کو پا کر مگن و مست ہو گئے تو ہم نے انھیں نا گہاں لے ڈالا، اُس وقت وہ نا امید ہو کر رہ گئے۔

''پس جس نے ظلم کیا اُس قوم کی جڑ کاٹ دی گئی، تمام تعریف اللہ کے لئے

ہے" حجاج نے کہا" میرا گمان ہے کہ وہ یہ آیت ہم لوگوں (بنی اُمیہ) کے بارے میں پڑھتے اور ہم لوگوں کو بھی اس کا مصداق جانتے اور انھیں ظالموں سے سمجھتے تھے"۔ قنبر نے کہا" ہاں ایسا ہی ہے"۔ حجاج نے کہا" اگر میں تمہارے قتل کا حکم دوں تو تمھارا کیا حال ہو"۔ قنبر نے کہا" سبحان اللہ زہے نصیب میرے پھر تو میں شہیدوں کا درجہ پالوں گا اور تو ظالموں، بدبختوں کے گروہ میں ہو جائے گا"۔ حجاج نے حکم دیا اور آپ فوراً قتل کر دیئے گئے۔ (رجال کشی صفحہ ۴۸) ابو النبا جو کہ کرباس کا (سوتی) کپڑا بیچتا تھا، کہتا تھا کہ ایک دفعہ حضرت علیؑ اپنے غلام قنبر کے ساتھ میرے پاس آئے اور دو موٹے کپڑے خریدے پھر اپنے غلام قنبر سے فرمایا ان میں سے جو تم کو پسند ہو اس کو لے لو۔ قنبر نے ان دونوں میں سے ایک پسند کر کے لے لیا اور جناب امیر نے دوسرا کپڑا پہنا۔

(ینابیع المودۃ در ریاض النضرہ، جلد، ۲۲۹)

حضرت علیؑ کے باوفا غلام۔ قنبر

جو شخص کہ شریعت میں سب سے بزرگ ہے اُسے علیؑ عادل کہا جاتا ہے۔ حضرت علیؑ کے غلام قنبر تھے، آیا آپ اُن کے بارے میں کیا خیال کرتے ہیں وہ قنبر ہے جس وقت کہ شریح نے حضرت علیؑ سے گواہ طلب کئے علیؑ نے قنبر کو گواہ اور شاہد بنا کر بھیجا۔ اور فرمایا لا بأس بشهادة المملوك اذا كان عدلا

"ہر گاہ کہ جو بھی قنبر کی طرح سے عادل ہو تو اُس کا کہنا ہی کافی ہے"۔

سرآغاز...... بنامِ خدا...... کہاں سے شروع کروں۔

میں نہیں جان پا رہا ہوں کہ زندگئ عاشق و دلدارہ غلام علیؑ (باوفا) قنبر کی بات کہاں سے شروع کروں، تنہا میں ہی نہیں جانتا ہوں بلکہ تاریخ بھی ان کو نہیں سمجھ

پائی ہے اور ان کی زندگی کے اتنے نشیب و فراز ہیں کہ ان کی زندگی ان کے ماں باپ کی زندگی ان کے حالاتِ بچپن، ایک لمبی داستان ہے۔ آیا یہ ایک بادشاہ کے بیٹے تھے جیسا کہ تاریخ نے بیان کیا ہے اور بعضوں نے ان کو دانشمندان اور اہلِ تحقیق عاشق و دلدادہ علیؑ کہا ہے اور اپنے خاندان کو چھوڑ کر آ گئے تھے۔ پھر علیؑ کے گھر کی نوکری کر لی تھی۔

یہ افریقہ کے سیاہ فام حبشی غلام تھے۔ اور اسلامی جنگوں میں جو مالِ غنیمت حاصل ہوتا تھا اُس میں کے آئے ہوئے جیسے بردہ فروشی کا مال ہوتا ہے۔ اسلامی ملک میں آ گئے تھے پھر حضرت علیؑ نے اِن کو اِن کے آقا سے خرید لیا تھا۔ اور آزاد کر دیا تھا۔ جیسا کہ شہر آشوب نے کتاب مناقب میں (ج ۳، صفحہ ۳۰۶) پر لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک ہزار روپے دے کر بہت سے غلام خریدے اور آزاد کر دیئے تھے۔ انہی میں سے قنبر اور سلمان ہیں پھر یہ علیؑ کی نوکری کرنے لگے تھے اور عشقِ علیؑ میں سرشار ہو کر خدمتِ علیؑ کیا کرتے تھے علیؑ کو بھی قنبر سے بہت زیادہ محبت تھی نجاشی بادشاہِ حبشہ کے خاص لوگوں میں سے قنبر تھے اور چونکہ علیؑ سے انھوں نے معجزے دیکھے تھے اس لیئے علیؑ کی نوکری ہی کرنے لگے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قنبر کا تعلق مصر سے ہے حضرت علیؑ نے ان کو خرید لیا تھا۔ علاّمہ مامقانی کا کہنا ہے کہ اس جگہ شک والی بات ہے کہ یہ مصر کے نہیں ہیں اور یہ مصر کے نہیں بلکہ مضر کے ہیں اور مضر قبیلے سے ان کا تعلق ہے کہ یہ علاقہ جزیرۃ العرب سے متعلق ہے۔

یہ معلوم نہیں ہے کہ قنبر کب سے غلامیٔ مولا علیؑ میں آئے۔ البتہ خلافتِ عمر بن خطاب میں قنبر علیؑ کے نوکر تھے اور علیؑ کے ساتھ سائے کی طرح رہا کرتے تھے روزِ آخر حیات تک حضرت علیؑ سے الگ نہیں ہوئے۔ پھر خانۂ امام حسنؑ میں نوکری کی

اور خلیفہ عبد الملک بن مروان بہ دست پلید وظالمِ زمانہ حجاج بن یوسف ثقفی، محبت وعشقِ علیؑ میں شہادت پائی۔ بعض داستانیں جو بیان کی گئی ہیں ان سے یہی پتہ چلتا ہے۔ (تنقیح المقال ج ۲ باب القاف)

۴۔ کچھ واقعات جو عمر کے زمانے میں پیش آئے تھے اور علیؑ داوری کر رہے تھے قنبر بھی حاضر تھے۔ (تحفۃ المجالس ص ۸۶)

کہ یہ جنگِ خیبر میں خاص دُلدُل کو علیؑ کے پاس لائے اور علیؑ سوار ہو کر خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔

اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جب قنبر خدمتِ علیؑ میں آئے تھے تو نوجوان تھے۔ دلیل یہ ہے کہ علیؑ کی خدمت میں تھے جب علیؑ نے دو لباس خریدے تھے اچھا والا قنبر کو دے دیا تھا۔

قنبر نے عرض کیا کہ میرے مولا اچھا لباس تو آپ کے جسم پر اچھا لگے گا۔ تو آپ نے فرمایا قنبر تم جوان ہو اور نوجوان اچھے لباس کی طرف رغبت کرتے ہیں۔

اور مہم یہ نہیں ہے کہ ہم تمام حالاتِ حسب ونسب سے آگاہ ہو جائیں بلکہ سوال یہ ہے کہ قنبر کیسے شیعۂ علیؑ بنا، اور علیؑ کی آنکھ کا تارا اور شیعیانِ علیؑ میں سے بنا۔

قنبر جو کہ خورشیدِ تاباں کی حیثیت رکھتے تھے۔ ولایتِ علیؑ واقع ہوئی اور حکومت کو زیرِ سایہ علیؑ چلنا چاہیئے تھا۔ البتہ قنبر علوی تھا کبھی بھی دنیا کی طرف رغبت نہیں کی حالانکہ شہادتِ علیؑ کے بعد ان کو بیابان جنگل میں جانا پڑا اور لکڑیاں اکٹھی کرنی پڑیں اور ان کو بیچا کرتے تھے۔ اسی طرح زندگی گزاری۔

ان کی زندگی درسِ علیؑ سے پُر تھی۔ اور یہ زبردست غلامِ علیؑ تھے۔ میں تنہا نہیں کہہ رہا ہوں کہ علیؑ کے عاشق قنبر تھے یہ بات تو امام جعفر صادقؑ نے کہی ہے

"کان قنبر غلام علی یحب علیا حباً شدیداً قنبر غلام علی

(۱) منتخب التواریخ ص ۱۴۰، بہ نقل از انوار العلویہ (۲) قاموس الرجال ج ۷ صفحہ ۳۹

تمام عشق کو تلاش کر لینا کوئی معمولی کام نہیں ہے۔

اور اس آستانے کو وہی بوسہ دے گا جو ہاتھوں پر سر رکھ کر لائے گا اُن کو ظاہراً لوگ ہمدان کا فرزند جانتے ہیں لہٰذا ابو ھمدان کا کہنا ہے کہ ان کو مشکور بھی کہا گیا ہے۔

تنقیح المقال۔ ج ۲، (قنبر) عباس بن حسن اور احمد بن بشر یہ قنبر منسوب ہیں اسی وجہ سے ان لوگوں کو قنبریان کہا جاتا ہے۔ (وقعۃ الصفین۔ص ۴۳)

قنبر علیؑ سے ملاقات کر کے ولایت وکمال کے سورج میں پرورش پانے لگے۔ اس وجہ سے ان کو قنبریان کہا جاتا ہے۔ (الکنی والالقاب ۲، ص، ۲۹۵)

اور قنبر صرف ذاتِ علیؑ پر ہی منحصر نہیں بلکہ ہر زمانے سے قنبر کا تعلق ہے اور علیؑ کے بارے میں ایک کتابچہ لکھا ہے۔ جس کے ستارے چاند کے ارد گرد نظر آتے ہیں تو قنبر بھی علیؑ کے ساتھ ایسے ہی نظر آتے ہیں۔

ایک روز ایک شخص نے محفل میں کچھ شعر پڑھے اِس کتاب کے آخر میں وہ شعر لکھے ہوئے ہیں۔ اولادِ آدم میں ایک بزرگ ہستی کا نام قنبر ہے ہم یہ نہیں جانتے کہ ہم قنبر کا احترام کر رہے ہیں یا نام علیؑ کا احترام کر رہے ہیں۔

یا اللہ ہم سب کو ہمتِ مردانہ عطا فرما جیسے قنبر بیدار دل بیدار مغز ہیں اسلام کے اصولوں پر چلتے ہیں ہمیں بھی ایسی ہی توفیق عنایت فرما۔

اور آپ کی ذات پر قنبر، درودِ بے حساب ہوں کہ آپ علیؑ کے وفادار ہیں

قنبر کی معماری:

جب رسولؐ اللہ نے بہ فرمانِ خدا! تمام دروازے مکانوں کے جو مسجدِ نبوی کی طرف کھلتے تھے حکم دیا کہ ان دروازوں کو بند کر دیا جائے مگر صرف ایک علیؑ کا دروازہ کھلا رہے چنانچہ تمام اہلِ سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عباس بن عبدالمطلبؑ حضورؐ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ یا رسولؐ اللہ اجازت دے دیں

کہ اُن کے مکان کا پرنالا مسجدِ نبیؐ میں کھول دیا جائے تو رسولؐ اکرم نے فرمایا کہ ایسا کوئی حکم نہیں آیا ہے۔ تو عباس نے کہا کہ چلو پشتِ در والا پرنالا ہی مسجدِ نبیؐ کی طرف کھول دیا جائے تاکہ مجھے فخر حاصل ہو، چنانچہ عباس کی حاجت پوری کی گئی، اور پرنالا مسجد میں نصب ہوا۔ پھر تمام مسلمانوں سے فرمایا۔

خداوند عالم نے عباس کے مکان کا پرنالا کھلوا کر ان کو فخر وشرف بخشا ہے مجھے اس بارے میں تنقید نہ کرنا اور جو شخص بھی مجھے عباس کے بارے میں تنقید کا نشانہ بنائے اس پر لعنت ہو۔

اور یہ طریقہ خلافتِ عمری تک برقرار رہا۔ ایک روز جب عباس مریض ہو گئے تو بسترِ بیماری پر پڑ گئے تو ایک کنیز پشت خانہ عباس سے واپس گئی اور عباس کا لباس دھو کر لائی اسی دوران پرنالے سے تھوڑا پانی باہر آ گیا تو عمر کے لباس پر پڑ گیا عمر کو یہ بات بہت ہی ناگوار گزری اور اپنے غلام کو حکم دیا کہ پرنالا بند کر دیا جائے غلام نے اطاعت کی اور پرنالا توڑ ڈالا گیا اور اُسے خانۂ عباس کی پشت سے ہٹا دیا گیا۔ اور عمر نے یہ اعلان کر دیا کہ اگر کسی نے پرنالا بچایا تو اُس کو مار دوں گا۔

یہ بات عباس کو ناگوار گزری تو اپنے دو فرزندوں کو بلایا عبداللہ وعبیداللہ کہ آ کر مدد کریں اور بیماری کی وجہ سے آپ سے ہلا جُلا نہیں جا رہا تھا تو علیؑ کے سامنے حاضر ہوئے تاکہ علیؑ کو تمام حالات دکھلائے جاسکیں تو آپ نے کہا کہ ایسی بیماری میں آپ کیوں پریشان ہیں عباس نے پرنالا کھودے جانے کی بات کی اور عمر کی دھمکی بتائی۔ پھر کہا ارے بھتیجے میرے دو آنکھیں سفید کہ جن سے دیکھتا ہوں ایک رسولِ خدا تھے جو گزر گئے اب دوسرے آپ ہیں میں سوچتا ہوں کہ آپ کی موجودگی میں ہم پر ظلم نہیں ہوگا اور جو بھی عزت وشرف مجھے خدا نے اور رسولِ خدا نے دی ہے وہ عزت ختم نہیں ہوگی۔ اب آپ حکم فرمائیں۔

علیؑ نے فرمایا:

چچا آپ ساتھ عزت کے اپنے گھر چلے جائیں اور میں جلدی ہی آپ کی خوشی کے مطابق کام انجام دوں گا پھر قنبر کو بلایا اور فرمایا کہ میری ذوالفقار لاؤ، قنبر نے ذوالفقار لا کر دے دی، علیؑ تلوار لے کر مسجد تک آ گئے کچھ لوگوں نے آپ کا دور دیکھا تھا تو قنبر سے پوچھا کہ پیچھے کی طرف سے پرنالا نصب کیا جائے اور پرنالا آپ نے بنوا کر کہا کہ اے لوگو! جان لو کہ اگر کسی نے اس پرنالے کو توڑا تو میں اُس کی گردن توڑ ڈالوں گا۔ اس کی نگرانی کرو تا کہ یہ خشک ہو جائے۔

لوگوں نے یہ معاملہ عمر سے کہہ دیا۔ تو گھر سے باہر آ کر مسجد تک آیا اور پرنالے کو دیکھا کہ اُس کی جگہ پر نصب کیا گیا ہے تو کہنے لگا کسی میں اتنی مجال نہیں تھی کہ روکتا، آج میں اپنی قسم کا کفارہ دوں گا، دوسرے روز علیؑ اپنے چچا عباس کے پاس آئے اور مزاج پرسی کی تو کہا کہ اے میرے بھتیجے جب تک تم ہمارے درمیان میں ہو ہمارے لیئے ایک نعمت ہو حضرت علیؑ نے کہا کہ آپ مطمئن رہیں اگر اس پرنالے کے بارے میں لوگ مجھ سے جھگڑا کریں گے تو ایک ایک کو قتل کر دوں گا۔

میری زندگی میں آپ پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ عباس اٹھے اور علیؑ کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں بوسہ دیا۔ اور عرض کیا کہ اے میرے بھتیجے جس کی مدد تم کرو گے تو وہ نقصان میں نہیں رہے گا۔ اس سے وفاداریٔ قنبر ثابت ہو جاتی ہے۔ (سفینۃ البحار، ج ۲ ص ۱۳۹، اور حدیقۃ الشیعہ، ص ۴۷)

محافظتِ حضرت علیؑ اور قنبر:

اگر سایۂ علیؑ کی طرح کوئی شخص علیؑ کے ساتھ رہا ہے اور اُسے علیؑ کی پریشانیوں کا بھی علم تھا تو اُن تمام مصیبتوں میں گھر میں یا باہر میدانِ جنگ میں، حدودِ اسلامی و

عدلِ اسلامی جاری کرنے میں، عبادات میں غرض ہر وقت علیؑ کے ساتھ رہے اور یہ معمولی مسلمانوں کے جیسے نہیں تھے کہ کبھی نماز میں آ گئے تو آ گئے، بلکہ جنگ میں بھی شریک ہوئے۔

علیؑ اپنے تختِ حکومت کے زمانے میں کوفے میں جبکہ چاروں طرف سے ہنگامے برپا ہو رہے تھے اور حالات مخدوش تھے۔ قتلِ علیؑ کی تیاری ہو رہی تھی ایسے ناگزیر حالات میں بھی آپ نمازِ شب تنہائی میں پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کیا کرتے تھے۔ اور قنبر ایک ایک لمحے کی اطلاع رکھتے تھے تاکہ ہر وقت نصرت کر سکیں تلوار لے کر راستے میں کھڑے ہو جاتے تھے بسترِ خواب کو چھوڑ دیتے تھے ہتھیلی پر اپنی جان لے کر علیؑ کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ اتفاقاً علیؑ نے ایک رات قنبر کو ایسا کرتے دیکھ لیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہاں کیوں آئے ہو، تو قنبر نے کہا کہ مولا میں آپ کی حفاظت کے لیئے موجود رہتا ہوں، کیونکہ سارا زمانہ دشمنی میں لگا ہوا ہے چاہتا ہوں کہ آپ کو کوئی زخم نہ پہنچے علیؑ تو مردِ خدا ہیں آپ کا دل اطمینان سے مالا مال ہے پتھر یا جنگل اِن کی نظر میں ایک ہیں، قنبر کے جواب میں علیؑ نے کہا کہ کیا تو میری اہلِ آسمان سے حفاظت کر رہا ہے یا اہلِ زمین سے، تب حضرت علیؑ نے فرمایا کہ کسی شخص میں اہلِ دنیا میں سے اتنی طاقت نہیں ہے کہ مجھے نقصان پہنچا سکے۔ مگر یہ کہ فرمانِ الٰہی آ جائے اور موت مقدر ہو جائے۔ اے قنبر میری حفاظت نہ کیا کرو چنانچہ قنبر واپس چلے گئے۔

جنگِ صفین میں قنبر موجود ہیں تیروں کی بارش ہے لوگ شہید ہو رہے ہیں مگر قنبر ہیں کہ حضرت علیؑ سے جدا نہیں ہو رہے ہیں۔

قیصرِ روم نے ایک خط معاویہ کو لکھا۔ اور ضمنِ نامہ میں اُس سے چند سوالات بھی پوچھے تھے۔ (لاشئی کیا) چیز ہے۔

(اقاموس الرجال، ج ۷ ص ۳۰۹، سفینۃ البحار، ج ۲، ص ۴۴۹ منتخب التواریخ ص ۱۴۰، بحار، ج ۹ ص ۶۲۹)

معاویہ لاشئی، کو نہ سمجھ سکا تو اپنے حاشیہ برداروں جیسے عمر بن العاص سے پوچھا تو کہنے لگا کہ اے معاویہ کسی قاصد کو علیؑ کے لشکر کی طرف بھیج دے اچھا گھوڑا لے جائے اور قیمت لاشئی کہہ دے، تو صحیح جواب مل جائے گا۔ معاویہ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت علیؑ نے قنبر سے کہا کہ جا کر اِس گھوڑے کی قیمت دریافت کرو، اُس نے کہا کہ اس گھوڑے کی قیمت لاشئی ہے، حضرت علیؑ نے کہا کہ گھوڑے کو قنبر اپنی تحویل میں لو، اور ایک مٹھی خاک اُس کو دے دو، لاشئی قیمت دے دو، اور جب دلیل پوچھی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا۔

ترجمہ: ان کافروں کے اعمال ریت کی مثل بے کار ہیں، سراب، پانی کی شکل میں بیابان میں ہوتا ہے پیاسا جلدی سے پیاس بجھانے کیلئے وہاں جاتا ہے مگر پانی نہیں ملتا بلکہ ریت ہوتا ہے گویا دھوکا ہی دھوکا ہے۔ یعنی سراب ہی لاشئی ہے۔

علیؑ ایک راستہ پار کر رہے تھے قنبر بھی ساتھ تھے راستے میں علیؑ نے ایک بوڑھی عورت کو بہ حالت بھوک و پیاس دیکھا کہ بچے بھوک سے بلک رہے ہیں عورت بچوں کو خاموش کرا رہی ہے عورت نے بچوں کی تسلی کیلئے چولھے پر ایک دیگچی پانی کی چڑھا رکھی ہے تاکہ بچوں کو یہ اطمینان رہے کہ ماں ہمارے لئے کچھ پکا رہی ہے۔ اور بچوں کو سُلا رہی ہے علیؑ کو ایسا دیکھ کر دُکھ ہوا تو قنبر سے کہا کہ جلدی کرو، یہاں ٹھہرو اور کچھ آٹا اور کھجوریں لے کر اُس عورت کے پاس گئے تو وزن علیؑ نے اٹھا رکھا تھا قنبر نے بار بار کہا مولا یہ وزن مجھے دے دیں مگر حضرت علیؑ نے نہ مانا، اور عورت کے پاس آ گئے۔

حضرت علیؑ نے کچھ گھی درمیانِ دیگ ڈالا اور غذا تیار کی اور اپنے ہاتھوں سے بچوں کو کھلا کر سیر کر دیا پھر آپ نے اپنے گھٹنے گوسفند کی طرح زمین پر ٹیک دیے اور گوسفند کی طرح، بع بع بع بع، کی آوازیں نکالنے لگے بچے بھی آپ کے ساتھ

کھیلنے لگے، پھر حضرت علیؑ سفر سے واپس آ گئے۔قنبر نے کہا کہ آقا میں نے دو چیزیں آپ سے ملاحظہ کی ہیں کہ ایک بات تو میں سمجھ سکا ہوں دوسری بات نہیں سمجھ سکا ہوں، میں نے آپ سے کہا کہ وزنی سامان مجھے دے دیجئے میں لے کر چلوں گا، آپ نے گوارا نہ کیا، لیکن گوسفند کی طرح سے کھیل کرنا، یہ بات مَیں نہ سمجھ سکا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ جب ہم اِن یتیموں کے پاس آئے تھے تو یہ بچے بھوک کی وجہ سے رو رہے تھے اس لیئے میں نے چاہا کہ جب ہم ان سے جدا ہوں تو یہ پیٹ بھرے ہوئے بھی ہوں اور کھیل سے خوش بھی ہوں۔

اِن تین باتوں سے ہم تاریخ کا پتہ لگا سکتے ہیں کہ، قنبر ہر حال میں علیؑ کے مددگار رہے ہیں۔

حضرت علیؑ کے فیصلے اور قنبر :

قنبر اور علیؑ کے یوں تو بہت سے واقعات ہیں اُن میں سے چند کو ہم ضبطِ تحریر میں لاتے ہیں۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں حضرت علیؑ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا ناگہاں قنبر بھی آ گئے اور عرض کیا کہ دس افراد ہمارے پاس آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ، علیؑ ہی ہمارا خدا ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ان کو گھر کے اندر بُلا لاؤ، جب وہ آ گئے تو اُن سے پوچھا کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔تو کہنے لگے کہ۔

آپ ہمارے خدا ہیں آپ نے ہی تو پیدا کیا ہے۔اور روزی دیتے ہیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ، افسوس ہے تم پر، کہ ایسا ہرگز ہرگز نہ کہو، بلکہ میں تو ایک مخلوقِ خدا ہوں، تو انھوں نے انکار کیا، اور عقیدے پر قائم رہے پھر حضرتؑ نے فرمایا کہ افسوس ہے تمہاری عقلوں پر کہ ہمارا اور تمہارا رب تو خدا ہے توبہ کرو

اور اپنے اس عقیدے سے باز آؤ، کہنے لگے کہ ہم اپنے اس عقیدے سے باز نہیں آئیں گے بلکہ یہی کہیں گے کہ آپ ہمارے خدا ہیں اور روزی بھی دیتے ہیں حضرت علیؑ نے قنبر کو حکم دیا کہ خندق کھود کر آگ جلائی جائے، آگ جلی پھر آپ نے ایک ایک سے کہا کہ اپنے عقیدے سے باز آجاؤ، باز نہیں آئے تو ایک ایک کر کے آگ میں جلا دیا، پھر فرمایا کہ میں نے ہر چند لوگوں کو سمجھایا آگ جلا کر ڈرایا مگر نہ مانے تو ان کو جلا دیا گیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آگ میں جلتے وقت وہ فریاد کر رہے تھے کہ، اے آگ تو روشن ہوئی ہے اور ہم علیؑ کو خدا مان رہے ہیں۔ اور یہ لوگ اپنے اس باطل عقیدے پر جل کر خاک ہو گئے۔

ایک عورت قاضی شریح کے پاس آئی اور کہا کہ میرے اندر دونوں آلات موجود ہیں میں عورت بھی بن جاتی ہوں اور مرد بھی بن جاتا ہوں آپ میرے بارے میں فیصلہ شرعی کریں کہ میں کون ہوں؟

تو حضرت علیؑ نے فیصلہ کیا تھا۔ قنبر سے کہا کہ چند عورتوں کو لاؤ اور اُن عورتوں سے کہو اس کی پسلیاں شمار کی جائیں مرد میں ایک پسلی کم ہوتی ہے۔

(رجال المعروف بر جال الکشی ص ۳۰۸، قاموس الرجال ج ۷، ص ۳۹۱، ناسخ التواریخ حضرت علی، ج ۴، ص ۱۳۹)

عورت نے دعویٰ کیا کہ میرے اندر دونوں باتیں موجود ہیں میں کبھی عورت بن جاتی ہوں اور کبھی مرد بن جاتی ہوں۔

قاضی شریح پریشان ہوا، پھر عورت نے کہا کہ میرے شوہر نے مجھ سے مجامعت کی اور بچہ پیدا ہو گیا، اور پھر میں نے اپنی کنیز سے مجامعت کی تو اُس کے اولاد پیدا ہو گئی شریح نے دانتوں میں انگلی دبالی اور تعجب کرتا رہا۔

پھر یہ عورت حضرت علیؑ کے پاس آئی، اور اپنی تفصیلی بات کہی، تو آپ نے فرمایا کہ شوہر کو لاؤ، اُس سے پوچھا گیا تو کہا کہ ہاں میری بیوی ایسی ہی ہے علیؑ نے قنبر کو دیکھا اور فرمایا کہ چار عورتوں کو بلاؤ اور تنہائی میں اسے لے جاؤ، اِس کی کمر کے مہرے گنو، مرد نے کہا کہ میں کسی اور کو امین نہیں جانتا ہوں کہ غیر شخص میری عورت کے مہرے گنے۔

حضرت علیؑ نے ایک خواجہ سرا (نامرد) دینار نام تھا اُس سے کہا کہ لباس کے پیچھے سے اِس کے مہرے گنو، داہنی طرف آٹھ مہرے تھے اور بائیں طرف سات تھے تب حضرت نے اُسے مردانہ لباس پہنا کر کہا کہ جاؤ اب تم مرد ہی رہو گے اُس کے شوہر نے کہا کہ اے امیر المومنین یہ میری چچازاد تھی کہ میری بیوی بھی تھی اُس سے اولاد بھی ہے آپ نے اسے مرد بنا دیا تب آپ نے فرمایا کہ میں حکم خدا کی تاویل کر رہا ہوں کیونکہ مردوں کا ایک عدد مہرہ کم ہوتا ہے۔

حضرت علیؑ کی قنبر پر خصوصی توجہ:

ہر جگہ قنبر علیؑ کے ساتھ نظر آتے ہیں کمال اخلاق عدل و تواضع و تقرب، قنبر علیؑ کے پاس ہی نظر آتے ہیں۔

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت علیؑ قنبر کے ساتھ کپڑے فروخت کرنے والے بازار میں آ گئے اور تاجر کو حکم دیا کہ مجھے دو پیراہن مول دے دو تاجر نے کہا کہ آقا، بہ سر و چشم غلام حاضر ہے یہ تاجر آپ کو پہچانتا تھا جبھی تو امیر المومنین کہہ کر خطاب کر رہا تھا آپ نے اُس سے لباس نہ لیا اور دوسری دوکان پر چلے گئے اور دو لباس خریدے۔

اور تین درہم میں لباس لے لیا اور دوسرا دو درہم میں لے لیا اُس وقت آپ نے فرمایا کہ قنبر قیمتی لباس تین درہم والا تم لے لو۔

قنبر نے دستِ ادب جوڑ کر عرض کیا کہ میرے آقا، کہ یہ اچھا لباس تو آپ کے لیئے اچھا ہے کہ آپ امیر المومنین ہیں، منبر پر بھی خطبہ پڑھتے ہیں، لوگوں سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ قنبر تم جوان ہو اور جوان اچھا ہی لباس پسند کرتے ہیں۔ اور مجھے خوفِ خدا ہے کہ میں بہتر لباس پہنوں کیونکہ رسولِ خدا نے ہدایت فرمائی تھی کہ ہمیشہ اپنے غلاموں کو اچھا لباس پہنایا کرنا جیسا کہ خود پہنتے ہو اور وہی غذا کھلانا جو خود کھاتے ہو۔

پھر حضرت علیؑ نے اپنا لباس پہنا اور آستین کھینچ کر دیکھی جو کچھ لمبی تھی۔ لہٰذا اُسے کاٹ دیا گیا دنیا کو دستور دے دیا کہ لمبی آستین نہ رکھنا۔

اچانک ایک روز مولا علیؑ کے سامنے ایک بچہ آ گیا۔ اور کہنے لگا کہ آپ کی پھٹی ہوئی آستین کو سی دوں، آپ نے فرمایا کہ اِسے یونہی رہنے دو، پھر مولا علیؑ قنبر کے ساتھ گھر آ گئے۔

جب دوکان والے کو اطلاع ہوئی کہ حضرت علیؑ لباس خریدنے آئے تھے تو بھاگا بھاگا حضرت علیؑ کے پاس آیا اور کہا کہ میں آپ کو پہچان نہ سکا تھا یہ درہم لایا ہوں کہ آپ کے لباس کے ہیں اِسے قبول کر لیں مجھے تو منافع مل گیا ہے آپ نے درہم لینے سے انکار کر دیا کہ جب ہم نے باہم طے کر لیا ہے تو یہ درہم نہیں لوں گا۔

مورخینِ اہلِ سنت جیسے ابن اثیر نے کامل میں لکھا ہے اور سلیمان بلخی نے ینابیع المودۃ میں لکھا ہے کہ علیؑ کا لباس اور غلام قنبر کا لباس ایک جیسا ہی ہوتا تھا۔ کیونکہ علیؑ ہمیشہ دو لباس ایک ہی قیمت کے ایک جیسے خریدا کرتے تھے ایک خود پہنتے دوسرا قنبر کو دیتے تھے۔

(مناقب ج ۲ ص ۷۷، مستدرک الوسائل ج ۱ ص ۲۱۰، شبہائے پشاور، ص ۸۲۷)

۲۔ ایک روز قنبر کچھ متکبر و مغرور لوگوں کے پاس سے گزرے وہاں کافی لوگ بیٹھے ہوئے تھے جن میں کچھ شیعہ بھی تھے۔ جب ایک شیعہ نے دیکھا کہ یہ قنبر تو

علیؑ کے غلاموں میں سے ہے فوراً ہی کھڑے ہوکر تعظیم بجالایا، تو اُن متکبر و مغرور لوگوں نے بھی بہ مجبوری قنبر کا احترام کیا۔ تو ایک مغرور شخص کو نا گوار گزرا کہ ہم میں سے ایک شیعہ نے قنبر کا بڑا احترام کیا، شیعہ نے مغرور کی بات کی پرواہ نہ کی اور زوردار آواز میں کہا کہ ہم قنبر کا کیوں احترام نہ کریں کہ وہ بزرگ بھی ہیں نیک بھی ہیں اور فرشتے ان کے احترام میں اپنا سر جھکاتے ہیں۔

یہاں پر شیعہ شخص نے سچ بات کہی لیکن مولا علیؑ کے دشمنوں کی صحبت میں بیٹھا تھا، لہٰذا مغرور آدمی کا نشانہ بنا۔

پس اس معاملے کو ابھی تھوڑا وقت ہی گزرا تھا کہ اُس شیعہ کو سانپ نے کاٹ لیا، حضرت علیؑ اس شیعہ کی عیادت کو گئے تو آپ نے فرمایا! کہ اگر تم اس بیماری سے اچھے ہونا چاہتے ہو تو آگے کو عہد کرو کہ آئندہ ہمارے دشمنوں سے دوستی نہ کروگے کیونکہ یہ بات ہمارے لیئے تکلیف دہ ہے۔

۳۔ قنبر کہتا ہے کہ ایک روز ہم آقا علیؑ کے ساتھ عثمان کے پاس چلے گئے، عثمان نے خلوت چاہی کہ علیؑ سے مشورہ کرے علیؑ نے قنبر کو اشارہ کیا قنبر اس جگہ سے ہٹ گیا، عثمان نے کچھ پوچھا علیؑ نے اُسے جواب نہیں دیا، عثمان نے اعتراض کیا کہ کس وجہ سے آپ جواب نہیں دے رہے تو فرمایا کہ تیرا جواب خوش آیندہ و اچھا نہیں ہے۔ (سفینۃ البحار، ج ۱، ص ۵۹۲)

بزرگی اور دانش مندی قنبر کے لائق ہے:

متوکل، دسواں حاکمِ عباسی جو کہ بہت مغرور و ستمگار گزرا ہے یہ بات پسند کرتا تھا کہ لوگ اُس کی خوش آمد کرتے رہا کریں، اور اُسے اور اُس کے دونوں بچوں کو معتز و موید کو آسمان پر لے جائیں ان کے دشمنوں کی تکذیب کریں، اچانک متوکل کی نظر ابو یعقوب بن اسحاق اھوازی معروف بہ ابن سکیت پر پڑ گئی۔ ابن

سِکّیت بھی تاریخ کا مانا ہوا دانشمند محقق اور ادیب ہے کہ یہ بھی شعیانِ امام محمد تقی اور صحابی تھا، یہ علم صَرف ونحو وشعر ولغت میں بہت تجربہ رکھتا تھا بے شمار کتابیں لکھی ہیں مثلاً: اصلاح المنطق لکھی ہے کہ سید رضی نے بھی بعض مطالبِ نہج البلاغہ میں فائدہ اٹھایا ہے۔

متوکل چاہتا تھا کہ ہر شخص میری اور میرے دونوں بچوں کی تعریف کرے تو عجیب سوال ابنِ سکّیت سے کیا کہ یہ میرے دونوں بیٹے ہوشیار قابل نکتہ فہم ہیں اور متوکل ان کو علیؑ کے بیٹوں کے برابر جانتا ہے حسنؑ اور حسینؑ کے اس دانشمند ابنِ سکّیت نے کچھ دیر کو سوچا اور کہا کہ یہ تمہارے بچے قابلِ تعریف نہیں ہیں یہ کب حسنؑ اور حسینؑ سے افضل ہوسکتے ہیں بلکہ یہ تو علیؑ کے غلام قنبر کے برابر بھی نہیں ہیں۔

ابنِ سکّیت نے حق کی یہ سیدھی بات کہہ دی، یہ بات متوکل کو سخت ناگوار گزری فوراً جلاد بھیج کر قید کیا گیا اور توہین کے ساتھ لایا گیا، اور قتل کر دیا گیا۔

(سفینۃ البحار، ج ا،ص ۴۴۴)

قنبر عادل تھے:

عدالت لغوی معنی میں دوری از ظلم ہے لیکن عدالت اصطلاح میں عدم فسق ہے کہا جاتا ہے کہ امامِ جماعت عادل ہونا چاہئے یعنی گناہ بھی نہ کرے اور فسق وفجور سے محفوظ رہے اور کہا جاتا ہے کہ جو گواہ قاضی کے سامنے گواہی دیتے ہیں وہ بھی عادل ہونے چاہئیں، ورنہ اُن کی گواہی بے کار ہے اور فسق وفجور سے دور رہنے والے ہوں اور ایک واقعے میں قنبر کو عادل کہا گیا اور قابلِ اطمینان وسچا آدمی پایا گیا۔ وہ حادثہ یہ تھا کہ۔

ایک روز حضرت علیؑ مسجدِ کوفہ میں تھے قنبر گئے ایک شخص عبداللہ بن قفل وہاں سے گزر رہا تھا اور وہ زرہ اس کے جسم پر تھی جو کہ بصرے میں جنگِ جمل میں کسی نے

چھین لی تھی علیؑ نے چہرہ اُس کی طرف کر کے کہا کہ یہ زرہ تو طلحہ کی ہے۔ جو کسی نے ہڑپ لی تھی۔

عبداللہ نے کہا کہ ایسا نہیں ہے البتہ ہم کو قاضی کے پیش جانا چاہیے حضرت علیؑ شریح قاضی کے پاس گئے، تا کہ فیصلہ کرے۔

علیؑ نے کہا کہ یہ زرہ طلحہ کی ہے جو جنگِ جمل میں یہ شخص چھین کر لے گیا تھا۔

شریح نے پوچھا کہ کیا اس بارے میں کوئی گواہ ہے امام حسنؑ وہاں موجود تھے گواہی دی شریح نے دوسرا گواہ مانگا تو قنبر موجود تھے، انھوں نے گواہی دی۔ شریح نے کہا کہ قنبر تو غلام ہے غلام کی گواہی قابلِ قبول نہیں ہے علیؑ کو شریح کی قضاوت پر غصہ آیا حکم دیا کہ زرہ اٹھالیں اور پھر فرمایا کہ شریح نے یہاں تین طرح کی غلطی کی ہے تو حضرت علیؑ سے قاضی کی غلطی کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ۔

میں نے کہا تھا کہ یہ مال طلحہ کا ہے پھر بھی شریح قاضی نے مجھ سے گواہی مانگی یہ غلطی کی۔

قاضی کی پہلی غلطی: اُس نے رسولؐ خدا کا قول نہیں سنا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص خیانت سے کسی کا مال لے تو بلا شہادت اور گواہی کے مال اُس سے لے لو۔

قاضی کی دوسری غلطی: میرے فرزند حسنؑ نے گواہی دی ہے تو قاضی نے کہا کہ ایک گواہی نہیں مانوں گا دو گواہ لے کر آؤ یہ بھی غلطی کی ہے حالانکہ رسولؐ خدا ایک گواہ پر ایک قسم مان لیتے تھے۔

قاضی کی تیسری غلطی: قنبر نے گواہی و شہادت دے دی، تو قاضی نے کہا کہ غلام کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔ ہاں اگر غلام عادل ہو تو اس کی گواہی مانی جا سکتی ہے۔ (مناقب ابنِ شہر آشوب)

حضرات غور فرمائیں کہ قنبر جیسا بلند عظمت والا انسان جس کی عدل کی گواہی علیؑ دیں، اُس کی گواہی بھی نہ مانی جائے قابل غور ہے اور اسی طرح ایک دوسری روایت بھی واقع ہوئی کہ چہرۂ قنبر (زرہ) میں چمکتا تھا علیؑ کی خلافت کے زمانے میں ایک یہودی نے زرہ کے بارے میں غلط دعویٰ کر دیا تو علیؑ قاضی شریح کے پاس گئے علیؑ نے فرمایا کہ یہ زرہ جو اس یہودی کے ہاتھ میں ہے میری ہے یہ میں نے بیچی بھی نہیں ہے نہ کسی کو بخشش کی ہے تو یہودی نے کہا نہیں یہ زرہ تو میری ہے جیسے کہ میرے قبضے میں بھی ہے۔

شریح قاضی نے علیؑ سے کہا کہ گواہ پیش کیجیے علیؑ نے قنبر اور حسینؑ کو گواہی میں دیا، انھوں نے گواہی دے دی کہ یہ زرہ علیؑ کی ہے قاضی شریح نے کہا کہ بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں صحیح نہیں مانی جاتی ہے اور غلام کی گواہی بھی قابلِ قبول نہیں ہے۔

علیؑ نے فرمایا کہ اے قاضی شریح، وائے ہو تجھ پر افسوس ہے کہ تو نے فیصلہ کرنے میں کئی غلطیاں کی ہیں۔

ا۔ میں تیرا امام ہوں اور تجھے میری اطاعت کرنی واجب ہے۔

۲۔ میں نے کبھی بھی جھوٹی بات پسند نہیں کی ہے تو نے میرا دعویٰ غلط کر دیا۔

۳۔ تو نے کہا کہ بیٹے اور غلام کی گواہی نہیں مانی جاتی ہے تو، تو نے مجھ سے مطالبہ کیا تھا کہ دو گواہ لاؤ تو میں نے اپنا بیٹا اور غلام دونوں کی گواہی دلوا دی۔ پس اب میں حکم دیتا ہوں کہ یہ یہودی تیسرے روز عدالت میں حاضر ہووے۔

یہودی چلا گیا اور تیسرے روز عدالت میں آیا، تو دیکھا کہ تختِ عدالت پر علیؑ بیٹھے ہیں اور قاضی شریح علیؑ کی عدالت میں وکیل بنا ہوا ہے پھر یہودی نے اقرار کیا کہ یہ زرہ علی کا ہی مال ہے جو جنگِ صفین میں اونٹ پر سے نیچے گر گیا تھا اور میں نے

زرہ کو اٹھا لیا تھا۔

علیؑ تو ہر جگہ قابل نظر آئے کرسیٔ عدالت پر قاضی ہیں وکالت کریں تو اچھی طرح کرتے ہیں باتیں کس قدر علم میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہیں کہ یہودی آپ کا علم و حلم دیکھ کر حیران رہ گیا اور اسلام قبول کر لیا اور کیا شان ہے قنبر کی کہ کبھی عدالت کی گواہی میں حسنؑ کے ساتھ نظر آئے ہیں تو کبھی حسینؑ کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

قنبر تو علی علیہ السلام کا خادم ہے:

جب قنبر حضرت علیؑ سے آشنا ہوئے تھے اور غلامی قبول کر لی تھی تو خفیہ باتوں کے امین تھے۔ وفادار تھے ہر وقت حضرت علیؑ کی خدمت میں آرام سے آتے جاتے تھے۔

قنبر کا نام ابوالشعثاء تھا حضرت علیؑ نے قنبر کا نام قنبر رکھا تھا اور یہ ایسے وفادار غلام تھے کہ قیامت تک بھی اس کی مثال نہ ملے گی اور علیؑ کی غلامی سے بے حد خوش تھے دل سے علیؑ کے عاشق تھے اور بھی کئی واقعات ایسے ہی ملیں گے۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ ایک مرد نے غلام اور پسر کو کوفے پہنچایا اب مالک اور آقا میں جنگ شروع ہوگئی، اور غلام نے کہا کہ میں کسی کا غلام نہیں ہوں آزاد انسان ہوں بلکہ یہ میرا آقا یہی میرا غلام ہے اور علیؑ کی عدالت میں آگئے اور مدعا پیش کیا علیؑ نے قنبر سے فرمایا کہ ایک دیوار میں دو سوراخ بنا دو، اور دونوں کو حکم دیا کہ اپنی اپنی گردنیں سوراخ میں رکھ کر کھڑے رہو قنبر سے کہا کہ تلوار لے کر دونوں کے سر پر کھڑے ہو جاؤ، جیسے ہی علیؑ کا حکم سنا تو آقا اور غلام نے اپنی اپنی گردن کو سوراخ میں ڈال دیا آپ نے حکم دیا کہ قنبر ان دونوں میں سے غلام کی گردن ماردی جائے تو غلام نے گھبرا کر سر بچایا اور دوسرے نے اپنا سر نہ ہلایا، اب غلام اور آقا کی پہچان ہو چکی تھی۔

۲۔ خلافتِ ثانی کے زمانے میں ایک جوان اپنی عورت کے ساتھ آ گیا۔

جوان نے قسم کھا کر کہا کہ یہ میری ماں ہے مجھے نو ماہ پیٹ میں رکھا اور دو سال دودھ پلایا ہے اور جب پَل بڑھ کر جوان ہو گیا ہوں تو کہتی ہے تو میرا بچہ نہیں ہے۔

عورت نے اپنے چار بھائی اور چالیس گواہ بھی پیش کر دیئے۔ کہنے لگی کہ میں اِس شخص کو نہیں پہچانتی ہوں، یہ بچہ مجھے خاندان میں ذلیل کرنا چاہتا ہے میں نے کبھی شادی نہیں کی اور یہ چار بھائی اور چالیس گواہ حاضر ہیں۔

حاکم نے حکم دیا کہ جوان کو سنگسار کیا جائے اس دوران علیؑ آ گئے تو حاکم نے اپنا مقدمہ پیش کر دیا علیؑ نے دوبارہ مقدمہ سنا اور قنبر سے فرمایا کہ فوراً چار سو درہم حاضر کئے جائیں قنبر تیز رفتار بجلی کی طرح گئے اور لے آئے حضرت نے چار سو درہم اُس جوان کو دے کر کہا کہ یہ رقم اس عورت کے مہر کی دے دی جائے ہاتھ پکڑ اور عورت کو اپنے ساتھ لے جا۔ عورت نے شور مچایا (اے فرزندِ ابوطالب فریاد فریاد امان بخدا یہ جوان تو میرا بیٹا ہے مجھے میرے بھائیوں نے اس جوان کے باپ کو میرا شوہر بنایا تھا اُس سے یہ بیٹا پیدا ہوا ہے اور جب یہ بچہ پَل بڑھ کر جوان ہو گیا تو میرا بیٹا ہونے سے انکار کرنے لگا اور اس کا باپ غلام تھا جو ہمارے خاندان کیلئے بے عزّت تھا۔ ماں نے بچے کا ہاتھ پکڑا اور محفل سے باہر نکلی۔ عمر نے کہا کہ "لولا علی لهلك العمر"

اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ قنبر خلافتِ ثانی میں صرف غلام نہیں تھے بلکہ علیؑ کے مال پر ناظر بن گئے تھے اور امین بھی تھے۔ (الغدیر، ج ۶، ص ۱۰۳)

ایک صحابی زاذان تھے ان کا کہنا ہے کہ ہمراہِ قنبر علیؑ کے پاس گئے تو قنبر نے کہا کہ امیر المومنین ایک مسئلہ بیت المال میں ہے آپ آئے اور دیکھا کہ کافی سونا اور چاندی بھرا پڑا ہے۔ قنبر نے عرض کیا کہ اسے جلدی تقسیم کر دیں یہ جوان بھی

آپ کی خدمت کیلئے حاضر ہے پھر شمشیر کو تیز کیا اور تمام ظروف کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور فرمایا کہ انھیں عادلانہ تقسیم کر دو ہاں علیؑ بروز جمعہ حجرۂ بیت المال کو جھاڑو سے صاف کیا کرتے تھے دو رکعت نماز بھی پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے دو رکعت نماز تو گواہ رہنا کہ میں نے بیت المال کا سارا مال تقسیم کر دیا ہے۔ حد ہے کہ برتن وغیرہ بھی بانٹ دیا کرتے تھے۔ (بحار الانوار، ج۹، صفحہ ۵۴۰)

امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ ایک روز ایک مرد میرے والد حضرت علیؑ کے پاس آیا اور ایک گروہ کی شکایت کی میرے باپ نے مجھ سے کہا کہ قنبر کو بلاؤ قنبر سے کہا کہ اس مرد کے ساتھ جا کر دیکھو کہ اس نے سعایت قومی یعنی چغل خوری کی ہے اور کہہ دو کہ تم نے ہم کو اُس چیز کی اطلاع دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کا ذکر کرنا کراہت رکھتا ہے (کشف الغمہ، ج۳، ص ۱۲)

ہم دیکھتے ہیں کہ ہر معاملے میں قنبر ہی قنبر چمکتے رہتے ہیں اور فرمانِ علیؑ کا ابلاغ ان کے لفظوں سے ہوتا ہے۔

قنبر بشارت دینے والا حضرت عباسؑ کی پیدائش کی:

حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہ زہراؑ زندہ تھیں کہ حضرت فاطمہؑ کی زندگی میں حضرت علیؑ نے دوسری شادی نہیں کی، ایک روز جبکہ بی بی فاطمہؑ کی شہادت ہو چکی تھی حضرت علیؑ نے اپنے بھائی عقیل سے گفتگو کی کہ عرب کے شجرہ شناس تھے۔ کہا میرے نکاح کیلئے ایک ایسی عورت تلاش کریں جو حسب نسب میں سب سے زیادہ ہو اور حُسن اخلاق میں اپنی مثال آپ ہو، اُس سے ایک ایسا فرزند پیدا ہو کہ میرے بیٹے حسینؑ کیلئے روزِ کربلا مدد کر سکے۔

عقیل نے خاندانِ بنی کلاب کی ایک دختر نیک اختر جناب فاطمہ کلابیہ کو پسند کیا، اُن کے خاندان نے بھی علیؑ کے نام پر فخر کیا عقد ہو کر بی بی حضرت علیؑ کے گھر آ گئیں۔

شادی کے چند روز کے بعد حضرت علیؑ نے اُن کو کنیت اُم البنین سے پکارنا شروع کر دیا بی بی نے فرمایا کہ بیٹے پیدا نہیں ہوئے تو اُمّ البنین کیسے بن گئی۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم کو ایک بیٹا پسر فوق العادت عنایت فرمائے گا پھر عنقریب ہی پہلا بیٹا عباسؑ پیدا ہوا تو قنبر مسجد میں حضرت علیؑ کے پاس آئے اور عرض کی کہ البشارت، البشارت خداوند عالم نے آپ کو ایک چاند جیسا خوبصورت بیٹا عنایت فرمایا ہے، حضرت علیؑ گھر میں تشریف لائے تو نومولود کو ہاتھوں پر دیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اس بچے کا نام عباسؑ رکھا ہے۔

اُم البنینؑ نے دیکھا کہ حضرت علیؑ عباس کے بازوؤں کو بوسہ دے رہے ہیں اور تمام توجہ بچے کے بازوؤں پر ہے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہیں میں نے کہا آقا کیا میرے بچے میں کوئی کمی ہے جو آپ رو رہے ہیں آپ نے شعر پڑھا کہ جو لوگ اسرارِ حق کو جانتے ہیں وہ اپنے ہونٹوں پر تالا ڈال لیتے ہیں۔

چار پانچ سال اس واقعے کو گزر گئے ایک روز عباسؑ اپنے بھائی حسینؑ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ امام حسین کو پیاس لگی آپ نے باوفا غلام قنبر سے کہا کہ پانی لاؤ تو عباس کھڑے ہو گئے اور ایک کوزے کو پانی سے بھر کر سر پر رکھ کر چل دیئے راستے میں پانی کپڑوں پر گر گیا تھا کپڑے پانی سے تر ہو گئے تھے حضرت علیؑ نے یہ منظر دیکھا تھا تو یہ منظر دیکھتے ہی آپ رونے لگے وجہ پوچھی گئی تو بتایا کہ دیکھو میرے عباسؑ کو کتنی تیزی سے پانی لایا ہے کہ سر سے پیر تک پانی میں بھیگ گیا ہے آپ نے فرمایا کہ میں عباسؑ کو روزِ عاشور فرات کے کنارے دیکھ رہا ہوں۔

قنبر جو بیت المال کے ناظر اور امین تھے

حضرت علیؑ کو قنبر پر اتنا زیادہ اعتماد اور بھروسہ تھا کہ آپ نے بیت المال کا امین اور ناظر قنبر کو بنا دیا تھا۔

قنبر کی شجاعت و بہادری:

شجاع مرد ہر وقت میدانِ جنگ میں نہیں بیٹھا رہتا ہے اور نہ میدانِ جنگ سے بھاگتا ہے۔ قنبر بینا تھے اور نکتہ سنج تھے اور جب حضرت علیؑ کی تعریف کی ضرورت ہوتی تھی تو دنیا سے کہتے تھے کہ علیؑ مومنین کے امام ہیں اور علیؑ کی ہر بات کو اچھی طرح سے جان لیتے تھے جیسے خوشبو چھپتی نہیں ہے۔

صفین کی طوفانی جنگ میں جس وقت علیؑ کو اطلاع دی گئی تھی کہ عمر بن عاص نے معاویہ سے بیعت کی تھی تا کہ مصر کا بڑا علاقہ عمر بن عاص کو دے دیا جائے اور اُس وقت مولا علیؑ نے فرمایا تھا اور قنبر کو میں طلب کروں کہ ہمارا علم لاؤ ہمارے لشکر میں پرچم جلد بلند ہوگا اور جو مقدر میں لکھا ہے ہوگا۔

اے معاویہ بن ابوسفیان بن حرب۔ اگر میرے پاس حمزہ و جعفر آ جائیں دیکھیں گے کہ قریش کا ستارہ چمکنے لگے گا اور اس بحران میں میں دیکھتا ہوں کہ علیؑ قنبر کو ورد کیلئے پکارتے ہیں یہ وہی قنبر ہے جس نے جنگِ صفین میں فداکاری و وفاداری دکھائی تھی علیؑ کی کمان میں جنگ لڑی تھی۔ معاویہ کے ایک غلام کا نام حرب تھا، اور اُسے جنگ لڑنے کی بہت مہارت تھی معاویہ نے صفین میں اُسے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ میں نے سنا ہے تو لڑائی کا شیدا ہے اور میں نے تجھے جو کام بھی دیا ہے تجھے اُس میں کامیاب پایا ہے آج کا دن دکھانے کا ہے اپنے جوہر دکھلا اور اس جنگ کو روانہ ہوجا، اور علیؑ کے چند سپاہیوں کو خاک میں ملادے تا کہ میں تجھے آزاد کردوں۔

حرب نے جواب میں کہا کہ میں آپ کی بات کو دل و جان سے مانتا ہوں، یہ سنتے ہی حرب گھوڑے پر سوار ہو کر شیرانہ طور پر میدانِ جنگ میں آیا معاویہ خوش ہوا اُدھر قنبر نے اپنا نیزہ بلند کیا اور معاویہ والے حرب کے اس زور سے نیزہ مارا

کہ پشتِ کمر سے سینے میں نکل آیا اور حرب مارا گیا۔ معاویہ کو اس بات کا رنج ہوا اور مجبوراً کہنے لگا کہ حرب تو بہت تھا لیکن قضا و قدر کے سامنے انسان مجبور ہے۔ (ناسخ التواریخ، ج ۲، ص ۳۸۲)

صفین کی جنگ میں قنبر نے جنگ میں اپنی جان کی پرواہ نہیں کی جبکہ جنگ گرم تھی اور نیزہ وتلوار کے وار چل رہے تھے اور خاموش فضا میں آوازِ جنگ بلند تھی تو علیؑ کے وفادار بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ عمر عاص معاویہ کا سیاست کار و مکار تھا یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

تلواریں دشمنوں کو کاٹ رہی تھیں
تو قنبر آگے آگے تھے

قنبر جنگِ نہروان میں بھی علیؑ کے رکابدار تھے ہاتھوں پر سر لے کر دشمنوں سے جنگ کر رہے تھے۔

آخر جنگِ صفین میں کہ علیؑ کی فتح نظر آ رہی تھی جب مالکِ اشتر جنگ کر رہے تھے اور چاروں طرف سے فتح نظر آ رہی تھی۔ عمرو ابن عاص کی مکاری سے قرآن کو نیزوں پر بلند کر دیا گیا۔ اور صدا دے دی گئی کہ تمہارے ہمارے درمیان قرآن ہی فیصلہ کرے گا۔ علیؑ جانتے تھے کہ یہ سب مکارانہ چال ہے دھوکا ہے مردمِ شام قرآن کے خلاف جنگ سے انکاری ہو گئے، علیؑ نے بیس ہزار فاتح سپاہیوں کے ساتھ یہ جنگ روک دی، کیونکہ قرآن کو نیزوں پر بلند کر کے ہاتھوں کو بھی آسمان کی طرف بلند کر دیا گیا تھا اور کہنے لگے کہ۔ اے خدا تو جانتا ہے کہ ہم قرآن کے خلاف جنگ نہیں کریں گے اب اے خدا تو ہی حق کا فیصلہ کرنے والا ہے۔

علیؑ تو جنگوں کے ماہر تھے۔

پلید اشعث بن قیس نے حضرت علیؑ کی طرف تلوار کر کے کہا کہ جلد از جلد حکم کرو اور مالکِ اشتر کو جنگ سے روکو ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے جیسے کہ عثمان کو مارا ہے اس طرح سے معاویہ کے مکاروں نے فوج میں رخنہ ڈال دیا، خوارج نے بھی جنگ بند کر دی۔

علیؑ نے جنگ شروع ہونے سے ایک روز قبل ہی جنگ نہ کرنے کی ٹھان لی تھی، مگر ساتھیوں نے نہ مانا۔

پھر علیؑ نے قنبر کو فوجیوں کے پاس بھیج کر کہلوایا کہ کیا وجہ ہے کہ تم حکم عدولی کر رہے ہو ہم نے تو تمہارے چھوٹے بڑوں کی مدد کی ہے بیت المال کو برابری کے حق پر عادلانہ تقسیم کیا ہے۔ اب تم کیوں باغی ہو گئے ہو۔ اے قنبر اِن سے جواب لاؤ اگر یہ لوگ تیری توہین کریں تب بھی صبر کرنا۔ اور جو بھی حال دیکھو اور سنو، آ کر بیان کرو۔

قنبر انتہائی بہادرانہ طور پر خوارج کے پاس گئے اور اپنے مولا کا پیغام فوج کو سنایا۔ تو خوارج نے اُن کو جواب دیا کہ اب علیؑ کے اور ہمارے درمیان نیزہ و شمشیر سے ہی فیصلہ ہوگا ہم علیؑ کے قریب بھی نہیں آئیں گے نہ کوئی حکم مانیں گے علیؑ صرف چرب زبان ہیں اپنی شیرینیٔ گفتار سے لوگوں کو رام کر لیتے ہیں۔

قنبر واپس علیؑ کی طرف آ گئے اور اُن لوگوں کا جواب آ کر بتا دیا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ اشعث بن قیس علیؑ کے پاس آیا اور داخلے کی اجازت مانگی قنبر نے آ کر منع کر دیا۔ یہ بھی مغرور و متکبر انسان تھا۔

لہٰذا اشعث بن قیس نے قنبر کو مارنا چاہا۔ قنبر نے نہایت دلیری سے اس کی ناک پر مارا خون جاری کر دیا دونوں کی ناک سے خون بہنے لگا۔ علیؑ کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو اشعث سے کہا کہ تجھے مجھ سے کوئی کام نہیں ہے جاسوس۔ اپنا کام کر۔

علیؑ کو معلوم تھا کہ اشعث دوبارہ واپس نہیں آئے گا اور اس کا دل کینے اور دشمنی سے بھرا ہوا ہے اس لیئے اشعث کو برا کہا اور قنبر کی حمایت کی یہ اشعث وہی پلید ہے کہ جس کی بیٹی جعدہ بنت اشعث نے امام حسنؑ اپنے شوہر کو زہر دیا تھا اور معاویہ کے دھوکے میں آ گئی تھی۔ اے دنیا تیرے اوپر لعنت ہے۔

(تاریخ التواریخ، جلد ۴، ص ۵۹)

خالص لوگ:

علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں لکھا ہے کہ فوج میں علیؑ سے محبت کرنے والے وفادار چند دستے تھے ایک گروہ کو (اصفیاء) متقی کہا جاتا ہے جیسے میثم تمار، رشید ہجری، حبیب بن مظاہر، محمد بن ابوبکر، عمرو بن حمق۔

دوسرے گروہ کو اولیاء کہا جاتا تھا جیسے علیم ازدی، حارث ہمدانی اور تیسرے گروہ کو شرطہ الخمیس کہا جاتا تھا یہ فدائی تھے انھوں نے علیؑ کے ساتھ عہد و پیمان باندھ رکھا تھا کہ ہم ہر طرح سے آپ کے فرماں بردار رہیں گے چون و چرا نہیں کریں گے۔ علیؑ نے بھی ان کو ضمانت جنت کی دے رکھی تھی اور یہ ہراول دستہ تھا علیؑ کے سامنے دفاع کرتا تھا اور کچھ گروہ قلبِ لشکر، میمنہ اور میسرہ پر تعینات تھے جیسے سُلیم بن قیس و عبید سلمانی وغیرہ اور ایک دستہ محبانِ علیؑ کا مخصوص تھا جسے ''خاصان'' کہا جاتا تھا یہ تھے خالص مرد۔ مردانِ حقہ۔ جیسے قنبر، عبداللہ ابی رافع اور ابو فاختہ۔

مگر قنبر تو دربارِ علی کا مخصوص وفادار ہے۔ (تنقیح المقال، ج ۱ ص ۱۴۹)

قرآن نے نیک لوگوں کو متقی کہہ کر پکارا ہے اور عام اعلان ہے کہ

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (سورہ حجرات، آیت ۱۳)

یعنی تم میں سے جو متقی ہوگا اللہ کے نزدیک بلند درجے والا ہوگا۔ اب چونکہ

رسولؐ خدا کا دشمن ابولہب تھا لیکن بلال سے محبت تھی۔ علیؑ بھی ان دشمنوں سے بیزار تھے جیسے طلحہ، ابن کوایا، اشعث بن قیس وغیرہ کہ یہ سب دشمن تھے۔

اور اویس قرنی، کمیل بن زیاد، میثم تمار، قنبر وغیرہ اگرچہ یہ غلام تھے مگر پھر بھی خالص محبت والے تھے پھر عملِ نیک سے انسانوں پر بڑا اثر پڑتا ہے اور باطل پرست اِن کے دشمن تھے (اعلام الوریٰ ص ۲۵۷)

قنبر کے دل میں محبتِ حسین علیہ السلام تھی:

جیسا کہ رسولؐ خدا نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ شہادتِ حسینؑ کی محبت کی گرمی کبھی بھی ایمان والوں کے دلوں سے کم نہیں ہوسکتی ہے اور اس گرمی و نیکی نے ایسی ایمان کی حرارت پیدا کی ہے کہ ہر ظلم کے مخالف عدل آتا ہے اور یہ محبت حسینی ہی لے کر امامِ زمانہ دنیا میں ظہور فرمائیں گے۔

دشمنانِ حق یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ بیدار دل انسان زندہ ضمیر والے، جیسے میثم تمار، کمیل بن زیاد، قنبر، مختار وغیرہ کبھی بھی امام حسینؑ کے خلاف نہیں ہوں گے۔ اس لیئے واقعہ کربلا سے پہلے ہی کمیل، قنبر اور مختار کو قید کر دیا گیا تھا۔

مگر یہ مردانِ حسینی اپنے دلوں میں محبتِ حسینؑ کی روشنی جلائے ہوئے تھے لہٰذا ایسے باوفا حضرات نے اموی خلفاء سے ہمیشہ دشمنی کی اور علیؑ کا ساتھ دیا ہے۔ (مستدرک الوسائل ج ۲ ص ۲۱۷)

بلکہ جو درخت حسینؑ نے لگایا تھا یہ اس درخت کا میوہ بن گئے اس کا پھل بن گئے کمیل اور قنبر نے حجاج کے حکم کو پیروں تلے روند دیا۔ حالانکہ موت سامنے تھی۔ پھر بھی حقوقِ علیؑ کا دفاع کیا مختار نے بھی خوب دشمنوں سے چن چن کر بدلہ لیا آخر شہید ہو گئے۔

قنبر مدّاحِ مولا علیؑ:

قنبر بہت سنجیدہ، عقلمند، وفادار اور امام کا درجہ جاننے والے تھے علیؑ کی محبت اس درجہ تھی کہ جب حجاج نے پوچھا کہ کس کی خدمت کرتا تھا تو علیؑ کی بے انتہا تعریف کی جس کا جواب نہیں ہے اور اگر قنبر کے بارے میں کچھ اور معلوم ہو تو صرف مدحِ علیؑ ہی قنبر کے تعارف کیلئے کافی ہے۔

قنبر نے علیؑ کی تعریف میں قصیدہ بہ زبانِ عربی پڑھا کہ میں اُس شخص کا غلام ہوں جو دو شمشیروں سے جنگ کیا کرتا تھا اور دو نیزوں سے جنگ کرتا تھا۔ اور دو بار رسولؐ خدا کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔

کتاب کشّی میں مذکور ہے کہ قنبر سے کسی نے پوچھا تم کس کے غلام ہو انہوں نے کہا کہ میں اس کا غلام ہوں کہ جس نے دو تلواروں سے جہاد کیا اور دو نیزوں سے قتال کیا اور دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور دو بیعتیں اور دو ہجرتیں کیں اور خدا کے ساتھ ایک آن واحد بھی کفر نہیں کیا میں غلام ہوں اُس شخص کا جو صاحب ہے مومنین کا اور نور ہے مجاہدین کا اور وارث النبین اور خیر الوصیین اور بزرگ ترین مسلمین اور سردار مومنین ہے۔ اور خدا کے خوف سے رونے والوں کا رئیس اور عابدوں کی زینت گذشتہ لوگوں کا چراغ اور موجودہ لوگوں کی روشنی اور تمام دعا کرنے والوں سے افضل رب العالمین کا پیام پہنچانے والا اور آلِ یٰسین سے پہلا ایمان لانے والا ہے جس کی تائید جبرئیل امین اور نصرت میکائیل نے کی اور تمام اہل آسمان اس کی ثنا وصفت کرتے رہتے ہیں، سیّدِ مسلمین، سابقین کا سردار ناکثین و قاسطین کا قاتل مسلمین کا محافظ، ناصبین سے جہاد کرنے والا، آگ بھڑکانے والوں کی آگ کو بجھانے والا اور تمام قریش سے بڑھ کر فقر کو اختیار کرنے والا خدا کی دعوت کو سب سے پہلے قبول کرنے والا، امیر المومنین اور تمام

عالمین میں وصی نبیؐ مخلوق کے لئے امین خدا اور جن کی طرف نبی بھیجے گئے اُن سب کا خلیفہ مشرکین کا پراگندہ کرنے والا اور منافقین کے لئے خدا کے تیروں میں سے ایک تیر کلمہ عابدین کی زبان اور دین خدا کا ناصر، ولی اللہ ولسان اللہ وکلمۃ اللہ و ناصر اللہ صندوق علم اللہ اور جاہ پناہِ دین اللہ، امام الابرار پسندیدۂ خداوند جبار، سخی باذل، جری کامل، صابر و روزہ دار، ہدایت یافتہ، پیش قدمی کرنے والا، سخت چیزوں کو کاٹنے والا، لشکروں کو متفرق کرنے والا، مالک الرقاب، سب سے بڑھ کر مطمئن دل رکھنے والا، ارادوں کا مضبوط، باذلِ باسل، ہزبر ضرغام، اولوالعزم، صاحبِ عقلِ کامل، دشمنوں پر مثل برق کے حملہ کرنے والا اور خصم کو دلیل قاطع سے ساکت کردینے والا، کریم الاصل شریف، البذل اس کا قبیلہ سب سے افضل، خاندان پاک و پاکیزہ، صاحبِ امانت بنی ہاشم ابن عم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام ہادی ہدایت و رشد کے ساتھ مہدی، فساد کا ترک کرنے والا، شیر میدانِ وغا چودھویں کے چاند کے مثل روشن رہنے والا، صاحبِ قوت روحانی اور نور شعشانی سردارِ عرب، ضیغم میدانِ وغا، مومنین کی کسوٹی، ابوالسبطین، الحسنؑ والحسینؑ واللہ امیرالمومنین یعنی علیؑ ابن ابی طالب کا غلام ہوں۔

(رجال کشی، قاموس الرجال، ج ۷، بحارالانوار، ج ۹ ص ۶۳۲ مجالس المومنین، ج ۱، ص ۳۱۴ منتخب التواریخ ص ۱۴۰، ناسخ التواریخ، ج ۵ ص ۱۰۲)

نصیحتِ حضرت علیؑ...... قنبر کے لیئے

شیخ مفید نے جابر سے روایت کی ہے کہ ایک روز علیؑ نے دیکھا کہ ایک شخص قنبر کو فحش اور ناسزا باتیں کہہ رہا ہے قنبر بھی جواب دینے میں جلدی کررہے تھے علیؑ نے قنبر کو آواز دی اور کہا کہ۔ اے قنبر سنجیدگی اور صبر سے کام لو، فحش کہنے والے کو معاف کردو کہ یہ بات خدا کو پسند ہے غصہ شیطانی چیز ہے اِسے تھوک دو۔

اور قسم ہے اُس خدا کی کہ جس نے دانے کو شگافتہ کیا ہے اور انسانوں کو پیدا کیا ہے کہ حلم و بردباری سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور اپنی زبان پر قابو پالو ورنہ شیطان تم پر غالب آجائے گا اور ایک چپ سو کو ہراتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علیؑ قنبر پر خاص توجہ رکھتے تھے اور خطرناک موقعوں پر اُن کی حفاظت فرماتے تھے اور جب استاد بھی علیؑ جیسا ہو اور شاگرد بھی قنبر جیسا ہو تو پھر بات ہی کیا ہے ترقی کی اور یہ بھی پتہ چلا کہ قنبر کسی وقت بھی علیؑ کے ذہن سے دور نہیں رہتے تھے۔ دشمن پر قنبر بھاری تھے پھر اور کسی طرح کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

امام حسنؑ اور قنبر

شہادتِ علیؑ سے قنبر کو زبردست صدمہ ہوا اور دل کی تمام خوشیاں قنبر نے ختم کردیں علیؑ کا سوگ دل میں سما گیا۔ ہر وقت دل روتا رہتا تھا۔

شہادتِ علیؑ کے بعد قنبر افسردہ رہنے لگے اور اس گھرانے سے اِن کی محبت اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔ حالانکہ یزید و معاویہ و مروان قنبر کیلئے جان لیوا تھے دشمنی حد سے زیادہ بڑھتی جارہی تھی پھر بھی دشمنوں سے نہ ملے اور مکمل طور پر اپنے دین و ایمان کی حفاظت کی اور ہمیشہ دشمنانِ علیؑ کے مخالف رہے۔

پھر قنبر نے خانۂ امام حسنؑ میں نوکری کر لی امام حسنؑ کو بھی قنبر سے بہت محبت تھی اور اِن کو امین و راز دار سمجھتے رہے اس وجہ سے امام حسنؑ نے قنبر کی آخر عمر میں دروازے پر بیٹھا دیا تھا کہ مومن کی پہچان کر کے داخل کرو۔

قنبر نے عرض کیا کہ خدا، رسولؐ خدا اور فرزندِ رسولِ خدا بہتر جانتے ہیں (اور جب کوئی نہیں ہوتا تھا خلوت ہوتی تھی تو) قنبر سے کہتے تھے امام حسنؑ کہ جا کر میرے بھائی محمد بن حنفیہ کو بلا لاؤ قنبر گئے اور لے آئے۔ محمد حنفیہ نے امام حسنؑ کو

سلام کیا اور بیٹھنے کی اجازت چاہی اور پھر بیٹھ گئے۔

تب امام حسنؑ نے محمد حنفیہ سے کہا کہ بھیا ایسے دہشت ناک وقت میں ہم سے دور نہ رہا کرو، اور یہ بات تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ فرزندان و نوادگانِ ابراہیم کو بعض کو بعض پر برتری فرمائی ہے اور حضرت داؤد کو تو کتابِ زبور ہی دے دی ہے۔

اے محمد حنفیہ کیا ایسا تو نہیں ہے کہ تم کو (سوتیلے پن کا) حسد کھائے جا رہا ہو، خداوند عالم نے حسد کی صفت کافروں میں رکھی ہے پھر کہتے ہیں کہ اے محمد حنفیہ میں تم کو اُس بات کی خبر دوں جو تمہارے باپ نے تمہارے بارے میں کہی تھی۔

تو محمد حنفیہ نے کہا کہ وہ بات ضرور بتلائیں۔

تب امام حسنؑ نے کہا کہ اے محمد حنفیہ میں نے تمہارے اور اپنے باپ سے سنا ہے کہ جنگِ جمل میں فرمایا تھا علیؑ نے کہ جو کوئی بھی میرے ساتھ نیکی کرنا چاہتا ہو وہ محمد حنفیہ کے ساتھ نیکی کرے اُس وقت آپ اپنے باپ کی پشت پر تھے۔ اے محمد حنفیہ، جان لو کہ میرے مرنے کے بعد میرا بھائی حسینؑ امام اور امت کا پیشوا ہے اور یہی مقام میرا ہے۔ اور مجھے یہ پیغام ناحیہ سے جدّ و پدر اور ماں کی طرف سے ملا ہے اور یہ بات کتابِ خدا میں بھی لکھی ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بیت کو بلندی و عظمت عطا فرمائی ہے حضرت رسولؐ خدا نے علیؑ کو اپنا خلیفہ بنایا علیؑ نے مجھے اپنا خلیفہ و جانشین بنایا اور میں نے حسینؑ کو خلیفہ نامزد کر دیا ہے۔

تب محمد حنفیہ نے کہا کہ آپ میرے امام ہیں راہبرِ دین ہیں مجھے یہ باتیں سننے سے پہلے ہی موت آجاتی تو اچھا تھا آپ تو ہمارے دلوں پر قبضہ رکھتے ہیں، آپ کا بلند مقام ہے۔

آقا۔ آپ کا درجہ تو قرآن میں بیان کر دیا گیا ہے اور یہ سلسلہ نبوت و امامت بہت مضبوط ہے آپ کے فضائل کی حد نہیں ہے کون لکھ سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو

نیک لوگوں کو اِس کی جزا دے گا۔ یہ سب قدرت کے اختیار کی باتیں ہیں لیکن یہ بات ضرور ہے کہ امام حسینؑ ہم سب لوگوں میں علم و حلم میں بہتر و افضل ہیں اور رسولؐ خدا سے بھی نزدیک ہیں گویا وہ تو پیدائش سے پہلے ہی سے علم و حکمت کے مالک تھے اور بچپن کی طفولیت میں قرآن پڑھنے لگے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے محمد رسولؐ اللہ کو چن لیا بلند عظمت بنایا محمد رسول اللہ نے علیؑ کو اور علیؑ نے آپ کو چن لیا ہے اور آپ نے امامت حسینؑ کو دے دی ہم اُن کی امامت پر راضی ہیں اب ہم اپنی مشکلات کس سے حل کرائیں صرف اِن ہی سے مشکلات حل کرائیں گے۔

محدث قمی نے سفینۃ البحار میں، ج ۲، ص، ۴۴۹ پر لکھا ہے کہ قنبر نے بہت بلند زینے طے کیئے ہیں اور حضرت امام حسنؑ اور محمد حنفیہ کی خفیہ باتیں آپ نے سنی ہیں مُردوں کو زندہ کیا ہے اور زندہ کو مردہ کیا ہے۔

(تاریخ التواریخ، حالات امام حسینؑ، صفحہ ۴۸)

فرزندانِ قنبر:

تاریخِ بغداد سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت قنبر کے بیٹے پوتے نواسے وغیرہ سب کے سب راویانِ حدیثِ اہلِ بیت رہے ہیں جنھوں نے پیغمبر اور آئمہ کی باتیں بتائیں ہیں۔ اب چونکہ قنبر کے فرزندان بھی اِسی معرفت کے لوگ تھے قدم قدم پر حقائقِ اسلامی نشر کیا کرتے تھے اور مولا علیؑ کا ہی اکثر ذکر کیا کرتے تھے۔ اب اس کا سلسلہ ملاحظہ فرمائیں۔

قنبر ابن احمد بن قنبر (غلامِ علیؑ) نے اپنے باپ سے اور انھوں نے اپنے باپ سے قنبر سے اور انھوں نے کعب بن نوفل سے اور انھوں نے بلالِ حبشی سے نقل کیا ہے کہ ایک روز رسولِؐ خدا ہمارے پاس بہت خوش خوش آئے عبدالرحمان بن عوف نے پوچھا کہ آپ کی خوشی کا کیا سبب ہے فرمایا کہ مجھے پیغامِ خدا ہوا ہے

کہ علیؑ اور فاطمہؑ کی شادی کر دو اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ خیال کیا کہ فاطمہؑ کی شادی علیؑ کے ساتھ ہو جائے تو بہشت کے فرشتے کو حکم دیا کہ درختِ طوبیٰ کو ہلائے۔

اُس فرشتے نے درختِ طوبیٰ کو ہلایا، تو ہمارے دوستوں کی تعداد کے برابر اُس درخت سے پتے گرے تو اِسی قدر فرشتے اللہ تعالیٰ نے اُن پتّوں سے پیدا کر دیئے، اور جب روزِ قیامت برپا ہوگا تو ہر ایک پتّے سے پیدا ہونے والا فرشتہ آتشِ جہنم سے آزادی دلائے گا۔ (تاریخ بغداد، ج ۴، ص ۲۱۰، اعیان الشیعہ، ج ۱۴، ص ۱۵۶، تحفۃ الاحباب، ص ۲۸۰)

شہادتِ قنبر بدست حجاج بن یوسف ثقفی:

جس وقت کہ عبدالملک پانچواں حکمراں بنی اُمیہ کا تخت پر بیٹھا سال ۶۵ ہجری تھا اُس نے حجاج بن یوسف ثقفی کو عراق کا گورنر بنا دیا، یہ حجاج اپنے زمانے کا بدترین پلید اور نجس انسان تھا اور یہ ہر ایک شخص کو قتل کرتا تھا اور کوئی رعایت نہیں کیا کرتا تھا حجاج، مثلِ ہٹلر اور چنگیز خان، ظالم وملعون تھا۔

یہ بیس سال تک عراق کا فرماں روا گورنر رہا ہے اس زمانے میں اس نے ظلم و ستمگری کا بازار گرم رکھا تھا یہ اس قدر دشمنِ علیؑ تھا کہ اگر کسی شخص میں معمولی بھی لگاؤ علیؑ سے ہوتا تھا تو فوراً قتل کر دیا کرتا تھا بے شمار محبانِ علیؑ وسادات کو قتل کیا ہے اُس نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ شیعہ قیدیوں کا کھانا اس طرح پکاؤ کہ ایک طرف روٹی کے مٹی ریت لگاؤ اور یہ بھی حکم دے رکھا تھا کہ دھوپ کی تیزی کے وقت ان قیدیوں کو دھوپ میں لاکر بیٹھاؤ تاکہ دھوپ سے بھیجا پگھل جائے اور کوئی سایۂ بان نہ ہونا چاہیئے اور حجاج کے دل میں علیؑ کی دشمنی کی آگ اِس طرح سے لگی ہوئی تھی کہ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ ناشتہ کرنے سے پہلے مجھے شیعوں کو قتل کرنے میں مزہ آتا ہے اور اُس کے پیٹ میں علیؑ دشمنی کی آگ اس طرح جلتی رہتی تھی کہ جیسے کوئی

شخص بہت ہی زیادہ پیاسا ہوا اور بار بار شربت اور پانی ٹھنڈا پیتا رہتا تھا۔

اور جب علیؑ دشمنی کی آگ اور بھی زیادہ تیز ہوجاتی تھی تو حکم دیتا تھا کہ قید خانے میں چند سادات و محبانِ علیؑ کو لاؤ تا کہ ان کو قتل کر کے اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کرلوں چنانچہ سادات کو روزانہ بلا کر قتل کر دینا اِس کا روزانہ کا معمول تھا۔

خلیفہ اموی عمر بن عبدالعزیز کا کہنا ہے کہ اگر کوئی زمانے بھر کے ظالم اور پلید کا نام پوچھیں تو ہم حجاج بن یوسف ثقفی کا نام بتادیں گے ہم کو کامیابی ہوگی

حجاج روزہ بھی رکھا کرتا تھا لیکن عجیب وغریب روٹی سے روزہ افطار کیا کرتا تھا۔ کہتا تھا حجاج کہ آٹا ایک من گندم چکی سے پیسو اور چند شعیانِ علی کو قتل کر کے اُن کا خون نکالو اور آٹے میں ڈالو تب اِسی خون آلود روٹی سے روزہ افطار کرتا تھا۔

(سفینۃ البحار، ج۱، ص ۲۲۴)

یہاں پر یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ حجاج بن یوسف اس طرح سے محبانِ علیؑ کے ساتھ ظلم کیا کرتا تھا اور علیؑ کے محبان کو ترسا ترسا کے قتل کیا جاتا تھا خواہ کتنی بھی اذیتیں حجاج نے علیؑ کے محبوں کو دے ڈالیں مگر شیعہ بھی ٹس سے مَس نہیں ہوئے اور اپنی عقلمندی سے حجاج کا دل جلاتے تھے حجاج ہر روز شیعوں کے قتل کی تیاری کرتا تھا مگر محبانِ علیؑ پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔

کمیل بن زیاد، سعید بن جبیر کو حجاج نے قتل کیا حجاج کہا کرتا تھا کہ خدا کرے روزانہ کسی علیؑ کے بندے کو قتل کروں پھر ایک دن کہا کہ کسی اور کو نہیں آج، قنبر کو قتل کروں گا۔

اصحابِ علیؑ میں سے ہے قنبر کہ اُسے قتل کرنا ہے کہ قنبر سب سے بڑا علیؑ کا مصاحب ہے، حجاج نے کچھ غلام بھیج کر قنبر کو بلایا کہا کہ تو قنبر ہے، اُنھوں نے کہا کہ ہاں حجاجؔ نے کہا تُو ہی بندۂ علیؑ ہے تو قنبر نے کہا کہ میں تو بندۂ خدا ہوں لیکن

علیؑ ولی میری نعمت ہے، حجاج نے کہا کہ اے قنبر علیؑ سے دوری اختیار کر اُن کو برا کہہ تاکہ آج تیری جان بچ سکے، قنبر نے کہا کہ اگر دینِ علیؑ شائستہ بیزاری ہے تو مَیں دینِ علیؑ کو چھوڑ دوں گا مگر میرے لیئے اِس سے بہتر دین لا کر دے تاکہ دینِ علیؑ سے بیزاری کروں، حجاج نے کہا کہ اب تیرا قتل کرنا تو واجب ہو گیا ہے اب تو یہ بتا کہ تجھے کس طریقے سے قتل کروں، قنبر نے کہا کہ میرا آقا علیؑ مجھے خبر دے گیا ہے کہ مجھے گوسفند کی طرح سے قتل کیا جائے گا۔

حجاج نے کہا کہ کیا واقعی تیرے آقا نے تیرے قتل کی خبر تجھ کو دے دی ہے۔ اُسی طرح سے تجھے قتل کروں گا۔ چنانچہ جلادوں نے حجاج کے حکم پر قنبر کا سر جدا کر دیا۔

اور اِسی واقعے کو لوگوں نے اور بھی دوسرے طور پر ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ قنبر نے حجاج کے سامنے اقرار کیا۔ بیٹھ گئے تو حجاج نے پوچھا کہ تم علیؑ کی کیا خدمت کیا کرتے تھے تو فرمایا کہ وضو کیلیئے پانی لایا کرتا تھا کہنے لگا کہ وضو کے بعد علیؑ نے تم کو کیا کہا تھا، تو فرمایا کہ آیت قرآنی پڑھا کرتے تھے۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۝ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(سورۂ انعام آیت ۴۴، ۴۵)

''اور جس وقت شیطان کے چیلے ہمارے تمام احکام کو بھلا دیں گے تو ہم ان پر نعمتوں کے دروازے کھول دیں گے تو وہاں پہنچ کر دل خوش ہوں گے ناگہاں اُن کو گرفتار کر لیا جائے گا ان کی امید ختم ہو جائے گی اور پس جس نے ظلم کیا اُس قوم کی جڑ کاٹ دی گئی۔ اور تمام حمد و سپاس صرف ذاتِ خدا کیلیئے ہے''

حجاج نے کہا کہ شاید یہ آیت ہمارے بارے میں تاویل کر رہی ہے اور اس آیت کا مصداق ہم کو ہی بنایا گیا ہے۔

قنبر نے انتہائی سنجیدگی اور بردباری سے کہا کہ ہاں بھئی ہاں ایسا ہی ہے۔

حجاج نے کہا کہ اگر میں تیرا سر قلم کر دوں تو کیسا رہے گا، قنبر نے کہا۔

اس حالت میں میں سعادت مند ہوں گا اور تو بد بخت و منحوس شقی ہو گا۔

اُس مردِ خدا قنبر کی گردن کاٹ دی گئی اُن کی عمر ۹۵ سال ہو چکی تھی۔ چنانچہ انجام میں شہادت کا شربت نوش کر لیا۔

یہ صحیح معلوم نہیں ہے کہ قنبر کی قبر کس جگہ ہے بعضے حضرات کا کہنا ہے کہ نجف کے قرب میں کوفے کے قریب قبر ہے کہ وہاں پر کمیل بن زیاد کی بھی قبر ہے۔

راقم الحروف (سیّد ضمیر اختر نقوی) نے اُن کی قبر کی زیارت کمیل کے روضے میں کی تھی۔ ایک دوسری قبر جو حضرت امام علی نقی علیہ السّلام کے غلام تھے اُن کا نام بھی قنبر تھا، اُن کی قبر کی زیارت بغداد میں کی تھی۔

علامہ قاضی نور اللہ شوستری (آگرہ) نے اپنی کتاب ''مجالس المومنین''، ج ۱، ص ۶۴، پر شہر حمص کی شرح میں لکھا ہے کہ قبرِ قنبر غلام حضرت امیر و قبور فرزندانِ جعفر ابن ابی طالب حمص شہر میں ہے۔

حمص شہر بہت بڑا اور پرانا شہر ہے کہ دمشق اور حلب کے درمیان واقع اور شام میں ہے۔

(معرفتہ الرجال، ص ۷۵، سفینۃ البحار، ج ۲ ص ۴۴۹، منتہی الآمال، ص ۱۵۳ قاموس الرجال، ج ۷، ص ۳۹۲ مجالس المومنین، ج ۱، ص ۳۱۵، ناسخ التواریخ حضرت علیؑ، ج ۵، ص ۱۰۳، بحار، ج ۹، ص ۶۳۲ تحفۃ الاحباب، ص ۲۸۰، ریاض الاحزان قزوینی، ص ۱۹۸)

بے شمار درود ہوں قنبر آپ کی ذاتِ پاک پر کہ آپ ہمیشہ علیؑ پر قربان رہے، مولائیت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

اور خداوندِ عالم کا عذاب ہو آپ کے دشمن پر جو علیؑ کا دشمن اور آپ کا قاتل حجاج ہے، کہ اس پر قرآن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت آئی ہے اور خدا کا غضب نازل ہوگا دشمن پر

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا

(سورۂ نساء ۴، آیت ۹۳)

اور جس شخص نے جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کیا تو اُسے ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی جلتی آگ میں جلنا پڑے گا، خدا نے اُس پر غصہ بھی کیا ہے اور لعنت بھی کی ہے اور اُسے بہت زبردست عذاب ہوگا۔ (سورۂ النساء ۹۳)

حضرت باب مدینۃ العلم علیؑ ابن ابی طالبؑ کے غلاموں میں جناب قنبر کا بھی شمار تھا۔ علماء رجال انھیں حضرت کے اصحاب میں بھی شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ جناب شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب رجال میں فرمایا ہے کہ اصحاب امیر المومنین میں آپ کے غلام قنبر بھی ہیں۔ علامہ مامقانی نے تحریر کیا ہے۔ امیر المومنینؑ کے مخصوص اصحاب میں قنبر داخل تھے اور قبیلہ مضر کے فرد تھے۔

(رجال مامقانی جلد ۲، صفحہ: ۳۰)

علامہ محمد باقر مجلسی بحار الانوار میں اس سے بھی بالاتر بات لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اصحاب جناب رسولؐ خدا کے رکن صرف چار صحابی تھے سلمان، ابوذر، مقداد و عمار لیکن تابعین میں جو افراد ارکان میں داخل ہیں ان میں جناب قنبر غلام امیر المومنین بھی داخل ہیں۔ حضراتِ معصومینؑ کے یہ تصریحات عظمت و جلالت جناب قنبر کو اچھی طرح بیان کر رہے ہیں ظاہر ہے کہ صحابی امیر المومنین ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت کے مخصوص افراد میں

داخل ہونا اور پھر اس سے بالاتر سلمان و ابوذر و مقداد و عمار جو اعلیٰ مدارجِ ایمان پر فائز تھے اُن کے مانند رکن دین وملت ہونا ایسی فضیلت ہے جس کی مثال کم ملتی ہے کتب تاریخ خاموش ہیں کہ حضرت قنبر کب حضرت کی خدمت میں آئے اور آپ کے والد کی کیا حیثیت تھی اور انھیں اپنے قبیلہ میں کیا امتیاز حاصل تھا لیکن تاریخ کے طلب علم کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ غلامی کبھی اچھی نظر سے نہیں دیکھی گئی اور اسلام نے بھی کبھی اسے کچھ ممدوح نہیں قرار دیا لیکن اسلام نے غلاموں کو جو حقوق و مراعات دیئے تھے اس سے مسلمانوں میں یہ امتیاز دشوار ہو گیا تھا کہ کون آقا ہے اور کون غلام ہے بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ غلام کو اپنے نفس پر مقدم کیا جاتا تھا ہم اس کے شواہد بعد میں پیش کریں گے جب غلام کے ساتھ برادری و برابری اور اس کے جذبات و احساسات کا آقا زیادہ سے زیادہ لحاظ رکھے گا تو ایسے غلام کو کتنا باوفا پاکیزہ سیرت خوش صفات ہونا چاہیئے اس کے سمجھنے کے لیے جناب قنبر غلام امیر المومنینؑ کے حالات زندگی کا سرسری مطالعہ بھی کیا جائے تو اچھی طرح سے واضح ہو جائے گا کہ رہبر کامل پیغمبر اسلام کے تعلیمات پر صحیح عمل نے غلاموں کو آقا کا عاشق بنا دیا تھا چنانچہ کافی جناب محمد بن یعقوب کلینی میں مذکور ہے کہ امام جعفر صادق نے ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت علیؑ کے غلام قنبر حضرت کو بہت زیادہ دوست رکھتے تھے جب حضرت کہیں تشریف لے جاتے تھے تو یہ آپ کے ساتھ ساتھ تلوار لے کر چلا کرتے تھے۔ جب آقا کی نوازشیں غلام پر بہت زیادہ ہوں گی تو یقیناً غلام کو ایسا ہی ہونا چاہیئے اور قنبر سے حضرت کا برتاؤ تو یہ تھا کہ انھیں اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے چنانچہ شیخ سلیمان نقشبندی حسینی ینابیع المودت میں تحریر فرماتے ہیں امام جعفر صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ امیر المومنینؑ غلاموں کی طرح بیٹھتے تھے اور غلاموں کی طرح کھانا کھاتے تھے لوگوں کو گیہوں کی روٹیاں اور گوشت کھلاتے

کھلاتے تھے اور خود گھر آ کر جو کی روٹیاں روغن زیتون یا سرکہ کے ساتھ نوش کرتے تھے موٹے گاڑھے کی قمیص بازار سے خریدتے تھے اور ان میں جو اچھی ہوتی تھی اسے اپنے غلام قنبر کو دیتے تھے اور خراب کو خود پہنتے تھے۔

جناب قنبر کے کمالات نفسانی:

جناب قنبر کو چونکہ حضرت علیؑ ایسے عابد و زاہد متقی و پرہیزگار قائم اللّیل صائم النہار آقا کی غلامی کا شرف حاصل تھا اس لیے آپ نے بھی اس آفتاب فیض سے روشنی حاصل کی تھی اور کمالات نفسانی اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ خود امیر المومنینؑ نے عدالت کی تصدق فرمائی ہے۔ چنانچہ علامہ مامقانی علیہ الرحمہ نے تہذیب الاحکام کتاب القضا سے نقل کیا ہے کہ حکم بن عتبہ اور سلمہ بن کہیل امام محمدؑ باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ کسی دعوے کے ثبوت میں ایک گواہ اور قسم کافی ہے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ایک گواہ اور قسم کے ساتھ جناب رسولؐ خدا نے فیصلہ کیا ہے اور کوفہ میں امیر المومنین علیہ السلام نے فیصلہ کیا ہے یہاں تک کہ حضرت نے فرمایا کہ حضرت علیؑ ایک دن مسجد میں تشریف فرما تھے کہ عبداللہ بن قفل تمیمی آیا اس کے پاس طلحہ کی زرہ تھی جسے حضرت نے جنگ بصرہ میں لے لیا تھا عبداللہ بن قفل نے عرض کیا کہ آپ اس معاملہ کے فیصلہ کو اپنے اس قاضی کے سپرد کیجئے جس کو آپ نے مسلمانوں کے مقدمات فیصلہ کرنے کے لیے معین کیا ہے۔ حضرت نے اس مقدمہ کو قاضی شریح کے سپرد کیا اور فرمایا کہ یہ طلحہؓ کی زرہ ہے۔ میں نے اسے جنگ جمل میں لے لیا تھا۔ شریح نے عرض کیا آپ اپنے ثبوت میں گواہ پیش کیجئے، حضرت حضرت امیر نے گواہی میں امام حسنؑ کو پیش کیا آپ نے گواہی دی کہ یہ طلحہؓ کی زرہ ہے جو جنگِ بصرہ میں خُفیہ طور پر لے لی گئی تھی شریح نے کہا یہ تو ایک ہی گواہ ہے اور میں ایک گواہ پر فیصلہ نہیں کرتا

ہوں، حضرت نے قنبر کو گواہی کیلئے بلایا قنبر نے بھی گواہی دی کہ یہ طلحہؓ کی زرہ ہے جو جنگِ بصرہ میں خفیہ طور پر لی گئی تھی، شریح نے کہا یہ تو غلام ہیں میں غلام کی گواہی پر مقدمہ کا فیصلہ نہیں کرتا ہوں، حضرت علیؑ یہ سن کر شریح پر غضبناک ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اس کو گرفتار کر لو اس نے اس مقدمہ میں تین مقامات پر خلاف انصاف حکم لگایا ہے شریح یہ سن کر اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور عرض کرنے لگا کہ اب میں اس وقت تک کسی مقدمہ کا بھی فیصلہ نہیں کروں گا۔ جب تک مجھے یہ نہ بتادیا جائے کہ میں نے کہاں کہاں خلاف انصاف حکم لگایا ہے، حضرت نے فرمایا اے شریح تیرا برا ہو جب میں نے یہ خبر دی کہ یہ طلحہؓ کی زرہ ہے میں نے جنگِ بصرہ میں مخفی طور سے لے لیا تھا تو تو نے مجھ سے کہا کہ آپ اپنے قول پر گواہ لائیے حالانکہ رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ جنگ میں جو چیز پوشیدہ طور پر پائی جائے تو وہ بغیر شاہد بینہ کے قبضہ میں کر لی جائے گی شریح سے میں نے کہا کہ تو ایسا شخص ہے جس نے رسولؐ اللہ کی حدیث بھی نہیں سنی ہے یہ پہلی بے انصافی ہے اس کے بعد میں حسنؑ کو بطور گواہ کے لایا اور انھوں نے بھی گواہی دی کہ یہ طلحہؓ کی زرہ ہے جو جنگ بصرہ میں مخفی طور پر لی گئی تھی تو تو نے اس وقت یہ کہا کہ یہ ایک گواہ ہے میں ایک گواہ کی گواہی پر فیصلہ نہیں کرتا ہوں حالانکہ رسولؐ نے ایک گواہ اور قسم پر بھی فیصلہ کیا ہے یہ دوسری بے انصافی ہے اس کے بعد میں نے گواہی میں قنبر کو پیش کیا اس نے بھی یہی گواہی دی تو نے اس وقت یہ کہا کہ یہ غلام اور میں غلاموں کی گواہی پر مقدمہ کا فیصلہ نہیں کرتا ہوں حالانکہ اگر غلام عادل ہو تو اس کی گواہی میں کوئی ہرج نہیں ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اے شریح تیرا برا ہو امام المسلمین پر اس سے بھی زیادہ عظیم امور میں اعتبار کیا جاتا ہے۔ (رجال مامقانی جلد ۳ حصہ ۲، صفحہ: ۲۹)

یہ حدیث جناب قنبر کے عظمت نفس اور جلالت قدر پر روشنی ڈالتی ہے اس لیے کہ جس کی عدالت کی گواہی امام وقت دے جسے عادل سمجھ کر امام عصر اپنے ثبوت میں پیش کرے ظاہر ہے کہ اس کی عدالت میں کسی کو شبہ ہوسکتا ہے۔

امور سخت کی انجام دہی قنبر کے سپرد ہوتی تھی:

جناب قنبر پر حضرت امیر کو اتنا وثوق و اعتماد تھا کہ جب کوئی سخت امور در پیش ہوتا تھا تو اس کے انجام دینے کے لیے آپ قنبر کو بلاتے تھے چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد نے بیان کیا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب میں کسی مشکل اور سخت امر کو دیکھتا ہوں تو اس کو انجام دینے کے لیے قنبر کو بلاتا ہوں۔ (رجال کشی صفحہ:۴۹)

حضرت نے یہ اس وقت بھی فرمایا تھا جب دس نصیری آپ کی خدمت میں آئے تھے آپ نے پہلے تو ان کو سمجھایا لیکن جب وہ اپنی گمراہی پر باقی رہے تو وہی شعر پڑھا جس کا ترجمہ اوپر گزر چکا ہے کہ جب میں کسی ناپسندیدہ چیز کو دیکھتا ہوں تو آگ روشن کرتا ہوں اور قنبر کو اس کے انجام دینے کے لیئے بلاتا ہوں۔

جناب قنبر کو اشجعِ عرب وعجم امیر المومنین علی ابی طالب کی غلامی کا شرف حاصل تھا اسی سبب سے وہ جرأت وہمت میں بھی پوری پوری شہرت رکھتے تھے۔ جب حضرت امیر جنگ صفّین کے لیے روانہ ہوئے تو اپنی فوج کا علم جناب قنبر کو دیا۔ (طبری جلد ۵ صفحہ:۲۲۶)

علمبرداری کا عہدہ بتاتا ہے کہ جناب قنبر شجاع و بہادر تھے۔

شجاعت جناب قنبر کی دلیل وہ واقعہ بھی ہے جسے مختلف طریقوں سے عام اصحاب تاریخ نے نقل کیا ہے واقعہ یہ ہوا کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے ایک دن اپنے مصاحبین سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ اصحاب ابوتراب میں سے کسی شخص

کو پا جاؤں اور اسے قتل کر کے بارگاہ رب العزت میں تقرب حاصل کروں حجاج سے کہا گیا کہ سب سے زیادہ حضرت امیر کی خدمت میں ان کا غلام قنبر رہا ہے حجاج نے جناب قنبر کی تلاش کے لیئے آدمی روانہ کیے جب گرفتار کر کے حجاج کے سامنے لائے گئے تو اس نے کہا تم ہی قنبر ہو انھوں نے جواب دیا ہاں! میں قنبر ہوں، حجاج نے کہا ابو ہمدان تمہاری کنیت ہے قنبر نے جواب دیا۔ ہاں! حجاج نے کہا تم ہی علیؑ بن ابی طالب کے غلام ہو انھوں نے کہا میرا آقا و مولا خدا ہے البتہ امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب میرے ولی نعمت ہیں۔

حجاج: قنبر علیؑ کے دین سے اظہار برائت و بیزاری کرو۔

قنبر: تم مجھ کو کوئی ایسا دین بتا دو جو حضرت علیؑ کے دین سے بہتر ہو۔

حجاج: میں تم کو قتل کروں گا تم کس طرح قتل ہونا پسند کرتے ہو

قنبر: میں اسے تیرے اوپر چھوڑتا ہوں۔

حجاج: کیوں؟

قنبر: اس لیے کہ آج جس طرح تم مجھ کو قتل کرو گے روز قیامت اسی طرح میں تم کو قتل کروں گا۔ ہاں میرے آقا و مولا نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ میں بغیر کسی خطا کے ظلم و جور سے ذبح کیا جاؤں گا۔

حجاج: قنبر کو ذبح کر دو۔

اس حکم کے بعد جناب قنبر ذبح کر دیے گئے (بحار الانوار جلد ۹، صفحہ: ۴۱۷)

ایک روایت میں ہے کہ حجاج نے جناب قنبر سے دریافت کیا تم کون ہو جناب قنبر نے اس کے جواب میں امیر المومنین علیہ السلام کے ایک سو دس سے زیادہ اوصاف ذکر کرنے کے بعد آپ کا نام نامی زبان پر جاری کیا۔ چنانچہ مرقوم ہے کہ جناب قنبر نے فرمایا کہ میں اس کا غلام ہوں جس نے دو تلواروں سے جنگ

کی دو نیزوں سے نیزہ بازی کی دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی دو بیعتیں کیں۔ دو مرتبہ ہجرت کی اور چشم زدن بھی کفر اختیار نہیں کیا۔ میں اس کا غلام ہوں جو صالح المومنین انبیاء کا وارث، اوصیاء میں سب سے بہتر مسلمانوں میں سب سے بزرگ یعسوب المومنین، نور المجاہدین، خوف خدا میں رونے والوں کا سردار، عابدوں کی زینت، گذشتہ لوگوں کا چراغ، نماز گزاروں کی روشنی، قنوت پڑھنے والوں میں سب سے افضل، زبان رسول رب العالمین، آل یاسین کا سب سے پہلا مومن ہے وہ کہ جن کی تائید جبرئیل ایسے امین اور جن کی امداد میکائیل ایسے مضبوط فرشتے سے کی گئی۔ آسمان والوں میں جس کی ثنا کی گئی ہے۔ مسلمانوں اور سبقت کرنیوالوں کا سردار ہے جو ناکثین (بیعت توڑنے والے) مارقین (بیعت سے خارج ہونے والے قاسطین (بیعت سے منکر) کا قاتل حرم اہلِ اسلام کا محافظ اپنے سے علی الاعلان عداوت کرنے والوں سے جہاد کرنے والا۔ دشمنی کی بھڑکتی ہوئی آگ کا بجھانے والا، سارے قریش میں سب سے بہتر زمین پر چلنے والا ہے۔ وہ کہ جس نے خدا کی خوشنودی کے لیے سب سے پہلے دعوت رسولؐ پر لبیک کہی، وہ امیر المومنینؑ دونوں جہان میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصی کل مخلوقات پر حضرت کا امین ہے۔ جن کی جانب آپ مبعوث ہوئے ان سب پر حضرت کا خلیفہ ہے کل مسلمانوں اور سابقیں کا سردار ہے مشرکین کو ہلاک کرنے والا ہے۔ منافقین کے لیے خدائی ترکش کا تیر ہے، کلمات عبادت کنندگان کی زبان ہے، ناصر دین خدا، ولی اللہ زبانِ حکمتہ اللہ، زمین پر ناصر خدا، خدائی علم کا ظرف، دین کا پشت پناہ، نیکوں کا امام ہے، وہ جس سے خدا راضی ہے، سخی جواد، سردار جامع تمام صفات، شب بیدار، پاک و پاکیزہ و مطہر سرزمینِ بطحا کا ساکن، خرچ کرنے والا، جری، بہادر، صابر، بڑا روزے دار، ہدایت کرنے والا آگے

بڑھنے والا۔ (دشمنوں کی) صلب کاٹنے والا، ان کی جماعت پراگندہ کرنے والا۔ گردن بلند کر کے دشمنوں پر مسلط ہونے والا، شرفا میں مضبوط، قوی دل، ظلم کے خلاف معاون، سخی، بہادر، سیّد، شجاع، شیر دل، قوی عاقل۔ پختہ ارادے کا مالک۔ صاحبِ عقل، محکم، تیز رفتار، اچھی اصل والا، عمدہ فضل کا مالک، اچھے قبیلہ کا دارا، پاکیزہ قبیلہ کا مالک باوقار۔ بنی ہاشم میں امانت ادا کرنے والا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چچازاد بھائی۔ ہدایت کرنے والا امام۔ فساد سے دور خدار سیدہ حاکم۔ زبردست بہادر، جنگجو شیر، مکّی، دین حنیف کا پابند، مالک روحانیت، صاحب خلقِ حسن، بلندیٔ مرتبہ میں پہاڑ کی چوٹی کی طرح، سرفرازی میں ٹیلے کی اعلیٰ رفعت کے مانند، عربوں کا سردار، میدان جنگ کا شیر، ارادہ کا کرگزرنے والا، بہادر، اقدام کرنے والا ماہ کامل مومنین کی کسوٹی مشعرین کا وارث سبطین یعنی حسنؑ و حسینؑ کے پدر عالی مقدار، خدا کی قسم جو سچ مچ امیر المومنینؑ ہے جن کا نام علیؑ بن ابی طالب ہے، ان پر پاکیزہ درود اور پرضیاء برکتیں نازل ہوں۔

حجاج نے یہ سنتے ہی سر کاٹنے کا حکم دیا (رجال کشی صفحہ: ۵۰ رجال مامقانی جلد ۲ حصہ ۲ صفحہ: ۳۰)

جناب قنبر کا اس طرح ڈوب ڈوب کر حضرت کی مدح وثنا کرنا بتاتا ہے کہ ان کو حضرت امیر علیہ السلام سے کتنی محبت والفت تھی اور کتنے عارف ومرتبہ شناس تھے اسی لیے تو حجاج ایسے ظالم وجابر کے سامنے بغیر کسی جھجک کے اس طرح حضرت کے اوصاف حمیدہ وصفات پسندیدہ کا تذکرہ کیا اور جامِ شہادت نوش کرلیا۔ (مقتول ۸۲ھ)

کوثر امروہوی:

آقا کیسا ہوگا اے کوثرؔ جب ایسا ہے غلام
شانِ حیدرؑ سوچتا ہوں، شانِ قنبر دیکھ کر

فدویؔ لاہوری:

یا شاہ میں بھی مرقدِ عالی سے یوں رہوں
قنبر رہے تھا جس طرح دُلدُل سے متصل

شیخ امام بخش ناسخؔ لکھنوی:-

روک ناسخؔ کو نہ اے رضواں درِ فردوس پر
بندۂ شیرِ خدا ہے جائے گا قنبر کے پاس

میر محمد سپہرؔ لکھنوی (شاگرد خواجہ وزیر)

قنبر کے ساتھ خلد میں ہوگا وہ اے سپہرؔ
جو یاں غلامِ حیدرِ کرّار ہوگیا

علّامہ اقبال:-

جانم بغلامئ تو خوشتر
سر بر زدہ ام زِ حبیبِ قنبر

معنی:- میری روح آپ کی غلامی پر شاداں وفرحاں ہے اور میں آپ کے غلام قنبر کے نورانی دل پہ حیرت زدہ ہوں۔

نعرۂ حیدرؑ نوائے بوذر است
گرچہ از حلقِ بلالِ و قنبر است

علّامہ اقبالؔ کہتے ہیں نعرۂ حیدری دراصل بوذر نے لگایا تھا، یہی نعرۂ حیدری (یاعلیؑ) بلال وقنبر کا بھی نعرہ تھا۔

علّامہ اقبالؔ:-

جہاں سے پلتی تھی اقبالؔ روح قنبر کی
مجھے بھی ملتی ہے روزی اُسی خزینے سے

سیّد خورشید حسن عرف دولہا صاحب عروجؔ:-

اللہ اللہ یہ غلامیِ علیؑ کا ہے شرف
مشکلیں حل ہوگئیں جب نامِ قنبر لے لیا

صفیؔ لکھنوی:-

دیر سے پہنچے درِ شاہِ نجف پر ہم فقیر
ایک عہدہ تھا غلامی کا وہ قنبر لے گئے

غلامِ ساقیِ کوثر سلیمانوں سے بہتر ہے
وہ ظاہر میں تو قنبر ہے نصیبے کا سکندر ہے

آغا سروشؔ لکھنوی:-

اللہ رے غلامیِ حیدر کی برتری
ہے حسنِ یوسفؑ کی خریدار قنبری

نادمؔ سیتاپوری:-

احساسِ مساوات کا پیکر دے دے آقائی سے بے نیاز حیدر دے دے
اس دورِ غلامی کو مٹانے کے لئے اس عہد کو یارب کوئی قنبر دے دے

ناطقؔ امروہوی:

کوئی سلمان نہیں ملتا کوئی بوذر نہیں ملتا
ہمیں دونوں جہاں میں ثانیِ قنبر نہیں ملتا

کلامِ میر انیسؔ:-

ستر اونٹوں کی قطار جس کے پہلے ناقے کی مہار قنبر کے ہاتھ میں تھی مولا علیؑ کے حکم سے قنبر نے ایک سائل کو بخش دی۔

سائل نے عرض کی یہ سفر میں بہ انکسار　　اک روٹی دیجئے مجھے یا شیرِ کردگار
قنبرؔ سے تب یہ کہنے لگے شاہِ ذوالفقار　　بھوکے کو جلد سیر کر اے عبدِ باوقار
عرض اس نے کی جنابِ امامِ کبار میں
ہیں روٹیاں شتر پہ شتر ہے قطار میں

قنبرؔ سے تب یہ شیرِ خداؑ نے کیے کلام　　وہ اونٹ کر تو اُس کے حوالے مع طعام
عرض اُس نے کی وہ اونٹ مقدم ہے یا امام　　جب وہ چلے تو چلتے ہیں پیچھے شتر تمام
فرمایا گرچہ کم ہے یہ میری نگاہ میں
دے سب قطار اونٹوں کی خالق کی راہ میں

قنبرؔ نے جلد اونٹوں کی سائل کو دی قطار　　اور دُور جا کھڑا ہوا اونٹوں سے ایک بار
پوچھا سبب علیؑ نے تو بولا وہ ذی وقار　　حضرت کا بحرِ جود و سخاوت ہے بے کنار
ہے خوف اس کا گرچہ میں ہوں کس شمار میں
مجھ کو نہ بخش دیجئے کہیں قطار میں

میر انیسؔ:-

پوچھیں گے نکیرین تو کہہ دوں گا انیسؔ
قنبر کا جو مولا ہے غلام اس کا ہوں

جناب مالکِ اشتر

حضرت امیرالمومنینؑ کے مشہور اور بڑے وفادار صحابی تھے، آپ کا نام مالک، لقب اشتر اور باپ کا نام حارث نخعی تھا۔ آپ کو حضرت امیرالمومنینؑ سے نہایت درجہ خصوصیت تھی اور حضرتؑ کے ہاں آپ بڑے جلیل القدر و عظیم المرتبت تھے۔ جب آپ کے انتقال کی خبر حضرتؑ نے سنی تو فرمایا ''وہ میرے اپنے خون سے ہی تھے جیسا میں حضرت رسولؐ خدا کے لیے تھا''۔ یہ بھی فرمایا

رحم الله مالكا وما مالك عز على به هالكا لو كان صخرا لكان صلدا ولو كان جبلا لكان فندا و كانه قد ني قدا

''خدا مالک پر رحمت نازل کرے۔ ان کی جدائی میرے لیے بہت شاق ہے۔ وہ اگر شجاعت یا حقیقت اور دنیا میں پتھر تھے تو سخت پتھر تھے اور اگر پہاڑ تھے بڑے اونچے پہاڑ تھے۔ ان کی موت نے گویا مجھے قطع کر دیا اور میری کمر توڑ دی'' جنگِ جمل میں جو لشکر حضرت عائشہ کے اونٹ کے گرد تھا اس پر آپ نے تین مرتبہ حملہ کر کے اونٹ کے تین پاؤں کاٹ دیئے تھے۔ عبداللہ بن زبیر بھی بڑے بہادر تھے اور جنگِ جمل میں زبردست حصہ لے رہے تھے۔ جب انھوں نے مالکِ اشتر کی شجاعت دیکھی تو پکار کر کہا ''اے دشمنِ خدا تھوڑی دیر اس جگہ ٹھہرا رہ کہ میں دیر سے تیری ہی فکر میں ہوں اور دنیا بھر میں بس تجھ ہی پر

میری نظر ہے اب دیکھ کیسا مزہ چکھاتا ہوں، ذرا مردوں کا وار بھی دیکھ لے۔ یہ کہہ کر نیزہ لیے ہوئے بڑھے اور گھوڑے کو تیز کر کے مالک اشتر پر حملہ کیا۔ دونوں بہادر کچھ دیر تک نیزے کا حملہ ایک دوسرے پر کرتے رہے آخر مالک اشتر نے عبداللہ کو ایسا زبردست نیزہ لگایا کہ وہ گھوڑے سے منہ کے بل زمین پر آرہے۔ مالکِ اشتر بھی فوراً گھوڑے سے کود کر عبداللہ کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ اب تو عبداللہ کے ہوش وحواس جاتے رہے۔ موت کی صورت نظر آنے لگی۔ مگر مالک اشتر نے ان کو چھوڑ دیا۔ اُس روز آپ روزے سے تھے اور اس کے پہلے بھی دو روز سے کچھ کھایا نہیں تھا۔ باوجود اس کے ایسی شجاعت دکھائی کہ سب لوگ مبہوت ہو گئے۔ آخر حضرت امیر المومنینؑ اور مالک اشتر وغیرہ کے دلیرانہ جہاد سے جنگِ جمل والے نہایت کثرت سے قتل ہوئے اور باقی لوگوں نے راہِ فرار اختیار کی۔

جنگِ صفین میں بھی مالکِ اشتر کے عظیم الشان کارنامے ظاہر ہوئے۔ مثل بپھرے ہوئے شیر کے سخت حملہ کرتے اور ہر طرف کشتوں کا انبار لگا دیتے۔ کسی کو مقابلے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ جس طرف رخ کرتے لشکر کو تہ و بالا کر دیتے تھے۔ علامہ ابنِ الحدید معتزلی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ خدا نے عرب وعجم میں بہادری کے اعتبار سے مالکِ اشتر اور ان کے استاد حضرت علیؑ ایسا کسی کو پیدا نہیں کیا تو میرے خیال میں اس کی قسم جھوٹی نہیں ہوگی۔ جب لوگوں نے ان سے مالکِ اشتر کی شجاعت کا حال پوچھا تو کہا ''میں اس بہادر کی شجاعت کیا بیان کروں جس کی زندگی نے معاویہ والوں کو مردہ اور جن کی موت نے حضرت علیؑ والوں کو شکستہ دل کر دیا تھا۔ جنگِ صفین کی مشہور لڑائی لیلۃ الہریر میں بازارِ موت ایسا گرم تھا کہ ستر ہزار آدمی قتل ہوئے تھے۔ اس رات میں مالک

اشتر کا یہ حال تھا کہ تلوار اور نیزے لیے ہوئے شیر ژیاں کی طرح حملہ کرتے اور میمنہ ومیسرہ کو الٹتے جاتے تھے۔قریب قریب پوری فتح کر چکے اور معاویہ کے لشکر کو شکستِ عظیم دے چکے تھے کہ عمرو عاص نے قرانوں کو نیزوں پر نصب کرا دیا۔جس پر حضرت علی کی فوج دھوکہ کھا گئی اور حضرتؑ کو مجبور کیا کہ اب جنگ روک دیجئے۔حضرتؑ نے ہاتھ روک لیا تو سب نے کہا مالکِ اشتر کو بھی بلا لیجئے۔ مالک اُس وقت بڑی تاک میں تھے، دیکھ رہے تھے کہ دشمنوں کے پاؤں اٹھا ہی چاہتے ہیں۔ اتنے میں حضرتؑ کا قاصد پہنچا کہ واپس آ ؤ یہاں نیا فتنہ کھڑا ہو گیا۔انھوں نے چاہا کہ لڑائی ختم کر کے ہی آئیں۔اس پر خارجیوں نے حضرتؑ کو گھیر لیا اور کہا یا تو آپ مالک کو فوراً بلا لیں ورنہ ہم آپ کو معزول کر دیں گے یا ابھی آپ پر حملہ کر دیں گے حضرتؑ نے پھر مالک کے پاس پیغام بھیجا تو آپ نہایت مغموم ومحزون واپس آئے۔ پھر جب معاویہ والوں نے چاہا کہ دونوں طرف سے ایک ایک حکم مقرر کیا جائے اور اپنی طرف سے عمرو عاص کو مقرر کیا تو حضرتؑ نے اپنی جانب سے جناب عبداللہ بن عباس یا انھیں مالک اشتر کو مقرر کرنا چاہا مگر خوارج نے اعتراض کیا۔تب حضرتؑ نے فرمایا پھر جو چاہو کرو۔جس سے معلوم ہوا کہ مالکِ اشتر صرف بہادری ہی میں بے مثل وبے نظیر نہیں تھے بلکہ عقل وفہم اور سیاست وتدبر میں بھی اس درجہ پر فائز تھے کہ حضرت علیؑ نے ایسے سخت موقعے پر عمرو عاص ایسے چالاک شخص کے مقابلے میں آپ ہی کا انتخاب کیا اور اگر حضرتؑ کی فوج والے اس پر راضی ہو جاتے تو آپ عمرو عاص کی ایک چال بھی کامیاب نہیں ہونے دیتے۔معاویہ نے ۳۸ ہجری کے شروع میں حضرت علیؑ کو خوارج سے مشغول دیکھ کر عمرو عاص کو ۶ ہزار فوج کے ساتھ مصر کی طرف روانہ کیا۔اُس وقت حضرت علیؑ کی طرف سے مصر کے گورنر محمد بن ابی بکر تھے۔ ان کو

عمرو عاص کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو حضرتؑ کو خط لکھ کر مدد طلب کی۔ حضرتؑ نے مالکِ اشتر کو جو اُس وقت حاکم جزیرہ تھے نصیبین سے بلا کر محمد بن ابی بکر کی مدد پر روانہ کیا۔ جب معاویہ کو مالکِ اشتر کی روانگی کی خبر ہوئی تو بہت پریشان ہوا اور سمجھ گیا کہ اب مصر پر قبضہ کرنا بہت دشوار ہے۔ پس ظاہر میں تو لوگوں سے کہا کہ تم اشتر کے لیے روز بددعا کیا کرو اور مخفی طور پر عریش یا قلزم کے زمیندار کو مالک کا حلیہ لکھ کر بھیج دیا اور خوشامد کی کہ مصر جانے کا یہی راستہ ہے اشتر اس طرف سے ضرور گزریں گے۔ تم ان کی دعوت کر کے کسی چیز میں ان کو زہر دے دینا میں اس کے انعام میں بیس سال تمہارا خراج معاف کر دوں گا۔ وہ زمیندار راضی ہو گیا۔ جس روز مالکِ اشتر اس مقام پر پہنچے روزے سے تھے۔ اس نے ان کی دعوت کی اور افطار کے وقت شہد کے شربت میں زہر دے دیا جس کے پیتے ہی وہ شہید ہو گئے۔ معاویہ کو یہ خبر ملی تو نہایت خوش ہوا اور خطبے میں بیان کیا کہ خدا کا لشکر شہد میں بھی ہوتا ہے، اب علیؑ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے کیونکہ عمار یاسر صفین میں شہید ہو چکے تھے اب مالکِ اشتر بھی ختم ہو گئے (تاریخِ طبری جلد ۶ صفحہ ۵۴)

مگر حضرت علیؑ نے سُنا تو آپ کو نہایت صدمہ ہوا اور محمد بن ابی بکر کو لکھ بھیجا کہ میں نے مالکِ اشتر کو بہت قابل سمجھ کر تمہارے پاس بھیجا تھا مگر افسوس وہ راستے ہی میں شہید ہو گئے۔ یہ واقعہ ۳۸ھ کا ہے۔ مالکِ اشتر جس طرح کمالِ عقل و شجاعت و بزرگی و فضائل سے متصف تھے اسی طرح زیورِ حلم و زہد و فقر و دُور اندیشی سے بھی آراستہ تھے۔ ایک شخص نے نظرِ حقارت کر کے ایک لکڑی آپ پر پھینک دی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ مالکِ اشتر تھے تو دوڑا ہوا گیا کہ معافی طلب کرے۔ دیکھا وہ مسجد میں جا کر نماز پڑھنے لگے۔ جب اس نے قصور معاف کرنے کو کہا تو فرمایا میں اس وقت مسجد میں اسی لیے آیا ہوں کہ نماز پڑھ کر

تمہارے لیے استغفار کروں۔ آپ ذکاوت فصاحت، بلاغت میں بھی یکتا تھے۔ غرض آپ مجموعۂ کمالات تھے اور حضرت امیر المومنینؑ کی صحبت کا پورا اثر آپ میں ہو گیا تھا۔

مالک بن حارث اشتر نخعی

انسان گوشت پوست اور چند ہڈیوں کا مجموعہ ہے اگر اس میں جوہر انسانیت کے چمکدار ذرے موجود ہیں تو اس قابل ہے کہ اسے سرتاج بنایا جائے لیکن اگر اس کا نفس اس جوہر سے خالی ہے تو جانوروں سے بدتر، تاریخ بنی آدم کے ہر دور میں وہی لوگ باعث افتخار رہے جن میں شرافت و نجابت و مکارمِ اخلاق کے اعلیٰ اقدار پائے گئے لیکن جن افراد بشر کا دامن ان جواہر پاروں سے خالی رہا وہ خس و خاشاک کی طرح نمودار ہو کر فنا ہو گئے۔

عہد سردارِ دو جہاں پیغمبرؐ اسلام سے قبل بھی یہی معیار تھا اور حضرت کے زمانہ رسالت سے اب تک اور اب سے قیامت تک کے لئے قرآن یہ معیار بنا کر پیش کر چکا ہے کہ:

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم خدا کے نزدیک سب سے گرامی و بزرگ وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہو۔ ہم جن بزرگ کے حالاتِ زندگی قلم بند کر رہے ہیں امام علیہ السلام کی مدح و ثنا بتاتی ہے کہ انھیں افراد میں شامل ہیں۔ ہماری مراد جناب مالکِ بن حارث اشتر نخعی سے ہے ان کا سلسلہ نسب حسبِ ذیل ہے۔

مالک بن حارث بن عبد یغوث بن مسلمہ بن ربیعہ بن خزیمہ بن معد بن مالک بن النخع بن عمرو بن علہ بن خالد بن مالک بن اعور۔ علاّمہ ابنِ ابی الحدید

شرح نہج البلاغہ ۳ صفحہ ۴۱۶ پر تحریر فرماتے ہیں کہ جناب مالک شجاع و بہادر رئیس تھے عظیم ترین شیعوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ امیر المومنین علیہ السلام کی محبت میں ثابت قدم اور پختہ تھے۔ حضرت کے زبردست ناصر و معین و مددگار تھے۔ حضرت نے ان کی شہادت کے بعد ارشاد فرمایا۔

رحم اللہ مالکا فلقد کان	خدا مالک پر رحم کرے وہ میرے
لی کما کنت رلرسول اللہ	لئے ویسے ہی تھے جس طرح میں جناب
صلی اللہ علیہ والہ وسلم	رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیلئے تھا

علاّمہ ابن ابی الحدید نے حضرت کا جو قول نقل کیا ہے اس سے جناب مالک کی عظمت نفس، صفائے باطن، صدق و وفاداری پر تیز روشنی پڑتی ہے اس لئے کہ حضرت امیر ہر لڑائی میں پیغمبرؐ اسلام کے سینہ سپر رہے جناب مالک کا بھی یہی حال تھا۔ حضرت امیرؑ امر میں حضرت کے مطیع و فرماں بردار تھے جناب مالک بھی اسی طرح حضرت امیرؑ کے مطیع و فرماں بردار تھے۔

یہ واقعہ ہے کہ جناب مالک بن حارث نخعی بزرگ ترین اصحاب امیر المومنینؑ میں داخل تھے۔ حضرت کے بڑے فدائی و عاشق وشیدا تھے انھوں نے آپ کی الفت کا جو جام پیا تھا اس نے آخر وقت تک اسی نشہ میں سرشار رکھا۔ حضرت کے ساتھ آپ کی تمام لڑائیوں میں شریک رہے اور اس طرح دادِ شجاعت و مردانگی دی کہ دشمنوں کے چھکے چھوٹ گئے۔

جناب مالک عرب کے قبیلہ نخع سے تعلق رکھتے تھے یہ قبیلہ زمانۂ جاہلیت میں بھی عرب کے شجاع ترین قبائل میں داخل تھا۔

جناب مالک کا لقب اشتر تھا اس لقب سے ملقب اس لئے ہوئے کہ کسی جنگ میں ان کی آنکھ کی پلک پلٹ گئی تھی لغت میں جس کے نیچے کی پلک پلٹ جائے

اس کو اشتر کہتے ہیں۔

جناب مالک بہترین تابعی تھے۔ زہد و ورع وتقویٰ میں مشہور زمانہ ومعروف روزگار تھے۔ بہترین خطیب اور نکتہ رس شاعر بھی تھے۔

فضائل ومحامد:

کسی شخص کی عظمت و بزرگی کے لئے یہ امر کافی ہے کہ نبی یا امام اپنی زبان حق ترجمان سے اس کے مدح وثنا کے کلمات جاری فرمادیں خواہ ایک ہی کلمہ زبان پر آیا ہو۔ چنانچہ علماء رجال اصحاب ائمہ علیہم السّلام کے حالات میں اس نکتہ پر خاص طور سے نظر رکھتے ہیں۔ جناب مالک بھی ان افراد میں داخل ہیں جن کی مدح وثنا امام زمانہؑ نے کی ہے۔ آپ کے عصر کے امام حضرت امیر صلوٰۃ اللہ وسلامہٗ علیہ ہیں حضرت نے جن الفاظ میں جناب مالک کی مدح وثنا کی ہے وہ ان کے لئے سرمایہ صد افتخار ہے۔ حضرت نے دو سردارانِ لشکر کو تحریر کیا جب مالک کو ان پر حاکم بنا کر روانہ کیا حضرت اس میں ارشاد فرماتے ہیں:

''میں نے تم دونوں پر اور جو لوگ تمہارے سرداری میں ہیں ان پر مالک بن حارث اشتر کو حاکم بنا کر بھیجا ہے تم لوگ ان کے مطیع وفرماں بردار رہو اور ان کو اپنی زرہ اور سپر قرار دو اس لئے کہ یہ وہ ہیں جن کی کمزوری اور غلطی کا خوف نہیں کیا جاتا نہ یہ وہاں تاخیر کریں گے جہاں جلدی کرنا مناسب ہے نہ وہاں جلدی کریں گے جہاں تاخیر زیادہ مناسب و بہتر ہے۔ (نہج البلاغہ صفحہ:۱۵)

عصمت تو منصوص من اللہ چیز ہے اس لئے ہم جناب مالک کو معصوم تو نہیں کہہ سکتے لیکن یہ ارشاد بتاتا ہے کہ وہ گناہوں سے محفوظ ضرور ہو گئے تھے۔

جب مالک کو مصر کی حکومت سپرد کی اور کوفہ سے روانہ کیا تو اہلِ مصر کے نام ایک نوشتہ تحریر فرمایا اس صحیفہ میں جناب مالک کے بارے میں ہے کہ:

بعد حمد وثنا کے معلوم ہو کہ میں نے تم لوگوں گے پاس بندگان خدا میں سے ایک ایسے شخص کو روانہ کیا ہے جو خوف کے دنوں میں نہیں سوتا ہے خوف کے مقامات میں دشمنوں سے منہ نہیں پھراتا ہے شعلہ آتش سے زیادہ بدکاروں پر سخت ہے وہ قبیلہ مذحج کی فرد مالک بن حارث ہیں تم لوگ ان کے مطیع وفرماں برداران امور میں رہنا جو مطابق حق ہوں اس لئے کہ یہ خدا کی تلواروں میں سے ایک ایسی تلوار ہیں جس کی باڑھ کند نہیں ہوتی نہ چوٹ سے اچٹ جاتی ہے اگر یہ حکم دیں کہ چلو تو چلنا اور اگر یہ حکم دیں کہ قیام کرو تو قیام کرنا اس لیے کہ یہ اقدام اور حملہ نہیں کرتے اور نہ پیچھے ہٹتے ہیں اور نہ آگے بڑھتے ہیں مگر مرے حکم سے میں نے اپنے نفس پر ایثار کر کے تمہارے نصیحت وبھلائی اور دشمن پر سخت ہونے کے سبب سے ان کو تمہارے یہاں روانہ کیا ہے۔ شرح ابن ابی الحدید ۴ صفحہ ۵۸ مدح وثنا ے مالکِ اشتر میں حضرت کے یہ الفاظ نہایت اہم ہیں اور جناب مالکِ اشتر کی عظمت و جلالت پر اچھی طرح روشنی ڈالتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام جس کے لیے وہ فرمادیں جو اوپر گزر چکا اس کی بامِ عظمت تک طائر وہم وخیال پہنچ ہی نہیں سکتا ہے۔ حضرت کے اس ارشادِ گرامی پر جناب مالکِ اشتر جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ (نہج البلاغہ، جلد ۲، صفحہ:۶)

نجاشی نے اپنی کتاب رجال میں جناب صعصعہ کے حالات میں انھیں کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت امیرؑ نے جب جناب مالک کو مصر کی صوبہ داری عطا کی تو یہ فرمان آپ کے ساتھ روانہ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

بعد حمد وثنا کے معلوم ہو کہ میں نے بندگان خدا میں سے ایسے بندے کو تمہارے پاس بھیجا ہے جو خوف کے زمانے میں سوتا نہیں ہے نہ لڑائیوں کے سخت ترین چکر اسے پلٹاتے ہیں آگے بڑھنے سے قدم نہیں ہٹاتا نہ کبھی ارادے میں کمزوری

پیدا کرتا ہے بندگانِ خدا میں سب سے سخت حملہ آور ہے حسب میں سب سے بہتر ہے آگ کے شعلے سے زیادہ کفار کے حملوں پر صبر کرتا ہے لوگوں میں برائی اور نجاست سے زیادہ دور ہے۔

وہ قبیلہ مذحج کی فرد مالک بن حارث ہے نہ ان کی چوٹ اچٹتی ہے نہ باڑھ کند ہوتی ہے جنگ کے فنون کو جانتا ہے بہترین جنگ جو ہے میدانِ جنگ میں برمحل اترتا ہے۔ شدائدِ جنگ پر اچھا صبر کرتا ہے تم لوگ اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرو جب وہ حکم دے کہ حملہ آور ہو تو حملہ کرو اگر قیام کا حکم دے تو قیام کرو اس لیے کہ جب بھی اقدام کرتا ہے یا رکتا ہے تو میرے ہی حکم سے تمہاری بھلائی تمہارے دشمن پر بہت سخت ہونے کے سبب سے میں نے ایثار کر کے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ صفحہ: ۱۲۱۔

اس نوشتہ گرامی سے مالک کی عظمت وجلالت وشجاعت و بہادری ظاہر ہوتی ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ مالکِ اشتر کو امیر المومنین علیہ السلام کس نظر سے دیکھتے تھے۔

حضرت کی ان دونوں عبارتوں اور اندازۂ روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں کلام ایک ہی ہیں راویوں کے حافظے کی کمی یا ناقلین حدیث کے تصرف سے ان دونوں میں فرق پیدا ہو گیا ہے لیکن جناب علاّمہ الشہید قاضی نور اللہ شوستری مجالس المومنین ان دونوں کلاموں کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ مالکِ اشتر کے بارے میں حضرت کی یہ دو عبارتیں حقیقت میں حضرت کے دو خطوط ہیں جنھیں آپ نے اہلِ مصر کو تحریر فرمایا تھا۔ جناب شہید کا یہ ارشاد گرامی قرینِ قیاس بھی ہے۔

علاّمہ ابن ابی الحدید معتزلی حضرت علیؑ کے اس کلام کی شرح میں وقد امرت علیکما الخ جلد، ۳ صفحہ: ۴۱۷ پر تحریر فرماتے ہیں کہ۔

امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے اس خط میں مالک کی جو مدح وثنا کی ہے اپنے اختصار کے بعد بھی ایسی بہترین تحریر ہے کہ طولانی کلام کے ذریعہ بھی ایسی مدح نہیں کی جاسکتی۔ اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جناب مالکِ اشتر تھے بھی ایسے ہی۔ مالک اشتر بڑے شجاع سخی، رئیس حلیم، فصیح اور شاعر تھے، مالک اشتر میں نرمی اور سختی جمع تھی وہ حملے کے محل پر حملہ کرتے تھے اور نرمی کی جگہ پر نرمی کرتے تھے۔

علاّمہ بن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۴۱۶ پر تحریر فرماتے ہیں کہ۔

محدثین نے ایک حدیث نقل کی ہے جس مالکِ اشتر کی فضیلت عظیم وجلیل پر روشنی پڑتی ہے وہ روایت اس امر کی قطعی گواہ ہے کہ جناب مالکِ اشتر مومن (کامل) تھے اس روایت کو ابوعمرو ابن عبداللہ نے کتاب استیعاب کے حرف باب جندب میں نقل کیا ہے۔

ابوعمرو کہتے ہیں کہ جب مقام ربذہ میں جناب ابوذر کی وفات کا وقت قریب آیا تو ان کی زوجہ اُمّ ذر نے رونا شروع کیا۔ جناب ابوذر نے زوجہ سے کہا تمہارے رونے کا کیا سبب ہے تو انھوں نے جواب دیا کیونکر نہ روؤں اس لیے کہ آپ کی وفات صحرائے بے آب وگیاہ میں ہورہی ہے اور میرے پاس اتنا کپڑا بھی نہیں ہے کہ کفن دے سکوں اور نہ مجھ میں یہ طاقت ہے کہ آپ کے تجہیز وتکفین ہی کا انتظام کرسکوں جناب ابوذر نے کہا چپ رہو گریہ نہ کرو تم کو بشارت ہو کہ میں نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دو مسلمان مرد وزن کے جب دو یا تین بچے انتقال کرجاتے ہیں اور وہ صبر کرتے ہیں تو خداوند عالم ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم سے آزاد کردیتا ہے اور میرے تو تین لڑکے انتقال کرچکے ہیں۔

میں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ اپنے اصحاب کی ایک جماعت سے فرما رہے تھے جن میں میں بھی موجود تھا کہ تم لوگوں میں سے ایک شخص صحرائے بے آب وگیاہ میں انتقال کرے گا جس کے جنازے میں مومنین کی ایک جماعت شرکت کرے گی۔ اے اُمّ ذر حضرت نے جن لوگوں سے یہ فرمایا تھا سوائے میرے ان میں سے ہر شخص نے کسی آبادی اور لوگوں کی موجودگی میں انتقال کیا ہے اس لیے مجھے یقین ہے کہ وہ شخص میں ہوں خدا کی قسم نہ میں جھوٹ بول رہا ہوں نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا ہے اس لیے تم جاؤ ذرا راستے کو دیکھو تو (کوئی آ تو نہیں رہا ہے)۔

اُمِّ ذر: اب اِدھر سے کون گزرے گا حاجی جا چکے ہیں راستہ چلنا بند ہو گیا ہے۔

جناب ابوذر۔ تم جا کر ذرا دیکھو تو

اُمّ ذر: میں ایک ٹیلہ پر جلدی جلدی جاتی تھی اور دیکھ کر واپس آ جاتی تھی اور شوہر کی تیمارداری میں مشغول ہو جاتی تھی۔ ہم دونوں ابھی اسی حالت پر باقی تھے کہ کچھ لوگ اونٹوں پر سوار وہاں آتے ہوئے نظر آئے جو گورے چٹے ہونے کے سبب سے سنگ مرمر معلوم ہوتے تھے جن کی سواریاں ان کو لیے ہوئے تیزی سے دوڑتی چلی جا رہی ہیں۔ یہ لوگ جلدی سے ہمارے پاس آئے اور مجھ سے دریافت کیا۔

اہل قافلہ: اے کنیز خدا کیا بات ہے (تو اس صحرا میں تنہا کیونکر موجود ہے)

اُمّ ذر: یہاں پر ایک مسلمان حالت احتضار میں ہے کیا تم اس کے کفن کا انتظام کرو گے۔

اہلِ قافلہ: وہ کون سے بزرگ ہیں۔

اُمّ ذر: ان کا نام ابوذر ہے۔

اہلِ قافلہ: کیا وہ ابوذر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں۔

اُمِّ ذر: جی ہاں وہی ابوذر

اہلِ قافلہ: ان پر تو ہمارے ماں باپ فدا ہو جائیں یہ کہتے ہوئے جلدی جلدی جناب ابوذر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

جناب ابوذر نے ان لوگوں کو دیکھ کر ارشاد فرمایا تم سب کو بشارت ہو اس لیے کہ میں نے جنابِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اصحاب کی ایک جماعت سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جن میں مَیں بھی موجود تھا۔ تم لوگوں میں سے ایک شخص صحرائے بے آب وگیاہ میں انتقال کرے گا جس کے جنازے میں مومنین کی ایک جماعت موجود ہوگی۔ سرور عالم نے جن لوگوں سے یہ فرمایا تھا سوائے میرے ان میں سے ہر شخص نے آبادی اور لوگوں کی موجودگی میں انتقال کیا ہے۔ خدا کی قسم نہ میں جھوٹ کہہ رہا ہوں نہ مجھ سے جھوٹ بیان کیا گیا ہے۔ اگر میرے یا میری زوجہ کے پاس اتنا کپڑا موجود ہوتا جو میرے کفن کے لیے کافی ہوتا تو مجھے میرے یا میری زوجہ ہی کے اس کپڑے میں کفن دیا جاتا۔ (مگر افسوس کہ ہم دونوں کے پاس اتنا کپڑا ابھی موجود نہیں ہے) میں تم کو یہ بھی قسم دیتا ہوں کہ میرا کفن وہ نہ دے جو کبھی حاکم رہا ہو یا شناخت کی خدمت (حکومت کی طرف) اس کے سپرد رہی ہو یا قاصد کا کام کرتا ہو یا اپنی قوم میں نقیب رہا ہو۔ اُمِّ ذر کہتی ہیں اس قافلہ میں سے ہر فرد ان امور سے کسی امر پر ضرور مامور رہا تھا بس انصار میں سے ایک نوجوان تھا جن میں ان باتوں میں سے کوئی بات نہیں پائی جاتی تھی اس نے عرض کیا اے چچا میں آپ کو کفن دوں گا۔ میری یہ چادر اور میرے ساتھ دو اور کپڑے ہیں جس کو میری ماں نے سوت کات کے تیار کیا ہے جناب ابوذر نے فرمایا ہاں تم ہی مجھے کفن دینا یہ کہا اور جناب ابوذر کی روح گلشن

جنت کی طرف پرواز کر گئی۔ جو لوگ اس وقت موجود تھے ان سب نے غسل دیا اور نوجوان انصاری نے کفن پہنایا سب نے وہیں جناب ابوذر کو نماز پڑھ کے دفن کر دیا۔ یہ سارے کے سارے لوگ یمن کے رہنے والے تھے۔

ابوعمرو بن عبداللہ نے اس روایت سے پہلے باب جندب کے ابتداء میں روایت کی ہے کہ مومنین کی وہ جماعت جس نے مقام ربذہ میں جناب ابوذر کو دفن کیا ہے ان میں جناب حجر بن ادبہر اور مالک بن اشتر بھی تھے۔

حجر بن ادبہر حجر بن عدی ہیں جن کو معاویہ نے قتل کیا یہ شیعوں کے زبردست علماء اور بزرگوں میں داخل تھے۔ لیکن جناب اشتر کو شیعوں میں اس سے زیادہ شہرت حاصل ہے جو شہرت ابوالھذیل علاف کو معتزلہ میں حاصل تھی علاّمہ ابنِ ابی الحدید کہتے ہیں کہ میری موجودگی میں کتاب استیعاب ہمارے شیخ واستاد عبدالوہاب بن سکینہ محدث کے سامنے پڑھی گئی جب پڑھنے والا اس خبر تک پہنچا تو میرے استاد اور عمر بن عبداللہ دباسی جن کے ساتھ میں سماعت حدیث کیلئے حاضر ہوا کرتا تھا فرمایا کہ۔

اس واقعہ کے بعد شیعہ جو چاہیں کہیں اس لیے کہ (علاّمہ سیّد) مرتضیٰ اور (علامہ شیخ) مفید بھی وہی باتیں کہا کرتے تھے جو اعتقاد حجر اور اشتر ثالث اور ان سے قبل کے خلفاء کے بارے میں رکھتے تھے یہ سنتے ہی شیخ نے اشارہ کیا کہ خاموش رہو وہ چپ ہو گئے۔

عبدالوہاب بن سکینہ نے عمر بن عبداللہ دباسی کو حق بات کہنے سے منع کر دیا اور سکوت کا حکم دیا لیکن عروس حقیقت کے چہرے کی نقاب ہٹ گئی اور حقانیت مذہب علاّمہ سیّد مرتضیٰ و علاّمہ شیخ مفید لوگوں کے سامنے آہی گئی۔ ان دونوں گرامی قدر علماء کا مذہب و مسلک وہ ہے جس پر فرقہ اثناعشریہ کے لوگ گامزن ہیں۔

جناب مالکِ اشتر کی عظمت وجلالت کو حضرت علیؑ کا وہ خط بھی ظاہر کرتا ہے جسے حاکم نصیبین ہونے کی حالت میں ان کو تحریر کیا تھا۔ بات یہ تھی کہ جب مصر سے محمد بن ابی بکر کے خلاف عثمانیوں کی فتنہ پردازی کی خبریں آنے لگیں تو آپ نے چاہا کہ مصر کی حکومت جناب مالک کو سپرد کریں اس لیے مالک کو ایک خط تحریر فرمایا اس میں ارشاد فرماتے ہیں۔

اما بعد فانك ممن استظهر به علی اقامت الدین واقمع به نخوة الاثیم واسد به الثغر المخوف

حمد وصلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ تم ان لوگوں میں سے ہو کہ جس سے دین قائم کرنے میں مدد چاہتا ہوں اور گنہگاروں کے تکبر کو دور کرتا ہوں اور خوفناک سرحد کی حفاظت کرتا ہوں۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۲۹)

ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ کاش تم لوگوں میں مالکِ اشتر ایسے دو آدمی ہوتے کاش تم لوگوں میں مالک ایسا ایک آدمی ہوتا۔ مالک اشتر میرے دشمنوں کو اس نظر سے دیکھتا ہے جس نظر سے میں دیکھتا ہوں طبری جلد، ۶، صفحہ: ۳۴ جناب مالک اشتر کی عظمت کا ثبوت اس سے بہتر کیا ہوسکتا ہے۔

شجاعت و دلیری حضرت مالکِ اشتر

فانه سیف من سیوف الله لا کلیل الظبه ولا نأبی الضربه

حضرت امیر المومنینؑ کے اس ارشاد کے بعد کہ مالک اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں نہ اس کی باڑھ کند ہے نہ مضروب سے اچٹ جاتی ہے۔

شجاعتِ جناب مالکِ اشتر کے بارے میں کوئی کیا تحریر کرسکتا ہے۔

حضرت علیؑ نے ایک خط میں مالکِ اشتر کی شجاعت کی تعریف کی ہے جس کو آپ نے دو افسرانِ فوج کی تحریر فرمایا تھا ہم اسے جناب مالکِ اشتر کے بیان

عظمت جلالت میں نقل بھی کر چکے ہیں اس میں حضرت کا یہ ارشاد کہ ''تم دونوں مالک اشتر کو اپنی زرہ قرار دو اس لیے کہ ان کی کمزوری اور غلطی کا خوف نہیں کیا جاتا جو محل جس کا ہوتا ہے اس کے مطابق کام کرتے ہیں جو عین شجاعت ہے۔

لیکن کسی شجاع کی شجاعت کا جوہر میدان حرب وضرب میں کھلتے ہیں جب چمکتی تلواریں لپکتے نیزے سنسناتے تیر آزمودہ کار سپاہیوں کے پیر میدانِ جنگ سے اکھیڑ دیتے ہیں۔ اگر کوئی وہاں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جما رہے کچھ ہو جائے میدان سے قدم نہ اٹھائے۔ جو بہادر مقابل میں آئے اسے زیر کر دے تو حقیقتاً ایسا شخص شجاع و بہادر ہے جناب مالک اشتر ایسے ہی شجاع و بہادر تھے۔ میدان جنگ میں ان کی شجاعت و مردانگی ایسی ہی تھی۔ بقول ابنِ ابی الحدید غضب کا رن پڑ رہا تھا ایک شخص اپنے ساتھی سے میدان جنگ میں کہتا تھا۔

''یہ کیسا مرد ہے کاش اس کی نیت خالص ہوتی''۔

اس کے ساتھی نے اسے جواب دیا۔

''تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے اس سے بڑھ کر اور کون سی سچی اور خالص و عظیم نیت ہو سکتی ہے کہ تم نے دیکھا کہ یہ شخص (مالک) خون میں تیر چکا ہے لیکن پھر بھی لڑائی نے اسے تھکایا اور مضمحل نہیں کیا ہے۔ گرمی کی شدت نے لوگوں کے سر پکا دیئے ہیں اور دل کھنچ کر گلے تک آ گئے ہیں لیکن پھر بھی تم دیکھ رہے ہو وہ (مالک) گڑگڑا کر یہ کہتے جاتے ہیں۔

''پالنے والے اس کے بعد اب مجھے زندہ نہ رکھنا''۔

میں نے کہا۔ خدا اس ماں کا بھلا کرے جس نے مالک اشتر کو پیدا کیا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ سوائے مالک اشتر کے استاد (علی علیہ السلام) عرب و عجم میں مالکِ اشتر سے زیادہ کوئی شجاع و بہادر نہیں ہے تو مجھے اس کے گنہگار ہونے کا

خوف نہیں ہے۔

ایک شخص سے مالک اشتر کے لیے سوال کیا گیا تو اس نے کیا لاجواب بات کہی ہے کہ۔

''میں اس شخص کے بارے میں کیا کہوں جس کی زندگی نے اہلِ شام کو شکست دی اور جس کی موت نے اہلِ عراق کو شکست دی مالکِ اشتر کے بارے میں امیر المومنین علیہ السلام نے سچ کہا تھا کہ میرے ناصر و مددگار مالک اشتر اسی طرح تھے جس طرح میں جناب رسول اللہ صلی علیہ وآلہٖ وسلم کا مددگار تھا۔

(شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ: ۱۸۵)

جناب مالکِ اشتر کی شجاعت بہادری کا یہ عالم تھا کہ ان کی موجودگی امیر المومنین علیہ السلام کے لشکر کی تقویت وثبات قدم کا سبب تھا جیسا کہ علامہ ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد ۴، صفحہ ۷۵ پر تحریر کرتے ہیں کہ حضرت اشتر کے ذریعہ سے دشمنوں پر حملہ کرتے تھے اور حضرت کی فوجوں میں جناب اشتر کی موجودگی فوجوں کی تقویت کا سبب ہوتی تھی۔

اب تک جو کچھ ہم نے تحریر کیا وہ ان کے شجاع ترین مردم ہونے کے بارے میں تھا لیکن کہاں کہاں اور کن کن مقامات پر انھوں نے اپنی شجاعت کا مظاہرہ کیا اور کہاں کہاں ان کی شمشیر آبدار نے آزمودہ کار بہادروں کے چھکّے چھڑا دیئے اگر ان سب کو تفصیل سے تحریر کیا جائے تو دیگر شہدا کے حالات رہ جائیں گے اس لیے ہم یہاں بہت اختصار سے مالکِ اشتر کی عدیم المثال مردانگی کے چند واقعات تحریر کرتے ہیں۔

۱۔ جناب مالکِ اشتر کو اپنی شجاعت وبہادری کا مظاہرہ کرنے کی اس وقت بھی ضرورت محسوس ہوئی جب سعید بن عاص گورنر کوفہ تھا اس نے کوفے کی ایک

جماعت کو منتخب کیا تھا جن کے ساتھ بیٹھ کر گفتگو کیا کرتا تھا جن میں جنابِ مالکِ اشتر بھی شامل تھے ایک دن سعید نے ان لوگوں کے سامنے ذکر کیا کہ سواد (عراق) قریش اور بنی اُمیہ باغات ہیں۔ جناب مالکِ اشتر نخعی نے کہا کہ تمہارا گمان ہے کہ سواد (عراق) جو خداوند عالم نے مسلمانوں کو بطور مالِ غنیمت عطا کیا ہے اور ہماری تلواروں نے جسے فتح کیا ہے تیرے اور تیری قوم کے باغات ہیں (تیرا یہ خیال غلط ہے) پولیس کے افسر نے نہایت سختی سے جناب مالکِ اشتر کی رد میں کہا کہ تم گورنر کی بات کو رد کرتے ہو یہ سننا تھا جناب اشتر نے اس جگہ قبیلہ نخع اور دیگر اشراف کوفہ جو موجود تھے ان سے کہا تم اس (افسر شرطہ) کی باتیں سن رہے ہو بس جنابِ مالک کا یہ کہنا تھا کہ وہ سب کے سب افسر شرطہ پر ٹوٹ پڑے اور سعید کے سامنے اچھی طرح سے اسے کچل کر رکھ دیا اور پیر پکڑ کر اسے گھسیٹ کر دور پھینک دیا۔ سعید کو اپنے دربار میں ان لوگوں کی جرأت بہت گراں گزری مگر چپ رہا اور دربار برخواست کر دیا اور اس کے بعد پھر اس نشست میں آنے کی کسی کو اجازت نہیں دی۔

(شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید جلد ۱، صفحہ: ۱۵۹)

یہ واقعہ جناب مالک کی جرأت وہمت کا ایک نمونہ ہے اور بتاتا ہے کہ مالک کی حق پسند طبیعت بڑے بڑے امیر کی غلط ذکر کیا تھا جو یقیناً قرآن مجید اور رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احکام کے مخالف ہے مالک اشتر نے فوراً اسے رو کر دیا اور ان کے کوتوال نے جب اس پر ٹوکا تو اسی وقت اس کی اچھی طرح مرمت کر دی۔

اس واقعے کے بعد سعید نے خلیفۂ وقت کو ان لوگوں کی شکایت لکھی اس نے معاویہ کے پاس بھجوا دیا جن میں جناب مالکِ اشتر، مالک بن کعب ارحی،

اسود بن یزید نخعی، علقمہ بن قیس نخعی، صعصعہ ابنِ صوحان عبدی اور دیگر افراد داخل تھے وہاں معاویہ اور ان لوگوں میں متعدد بار گفتگو ہوئی پھر اس نے خلیفہ کو ان کی شکایت لکھی اور لکھا کہ ان کے دل کج و تاریک ہو گئے ہیں خلیفہ وقت نے ان سب کو وہاں سے واپس بلوا کر امیر حمص عبدالرحمن بن خالد بن ولید کے پاس بھیج دیا عبدالرحمن نے ان لوگوں کی بڑی توہین و تذلیل کی لیکن چونکہ ان مقامات پر صرف اس اشارے پر اکتفا کرتے ہیں۔

۲۔ شجاع کبھی نہتے پر حملہ آور نہیں ہوتا ہے اس کی رگِ حمیّت گوارا نہیں کرتی ہے کہ جس کے ہاتھ میں ہتھیار نہیں ہے اس پر حملہ کروں۔ مجھ سے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ اسے اپنا مقابل سمجھوں جو میرے مانندِ اسلحۂ جنگ سے آراستہ نہ ہو۔ جناب مالک اشتر میں یہ وصف پایا جاتا تھا اس لیے کہ جب حضرت عثمان کے مہاجرین وانصار واطراف وجوانب مملکت اسلامیہ کے افراد کو شکایات پیدا ہوئیں اور ان کے گھر کا محاصرہ کرلیا گیا اور لوگ ان کے قتل پر آمادہ ہوئے تو ان میں جناب مالک اشتر بھی تھے علاّمہ قاضی سیّد نور اللہ شوستری فرماتے ہیں کہ آخر مالک اشتر نے بڑھ کر عبد مسیسر بن عوف السبان کو قتل کر کے قتل عثمان کا ارادہ کیا لیکن جب نزدیک پہنچے تو ان کو تنہا پایا اور ان کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہ دیکھا مالکِ اشتر کو شرم معلوم ہوئی ایک نہتے شخص کو قتل کروں لہٰذا واپس چلے آئے۔

(موقف المومنین ترجمہ مجالس المومنین جلد ۱ صفحہ: ۴۱۴)

۳۔ جنگِ جمل میں جناب مالک اشتر حضرتِ امیر علیہ السلام کے ہم رکاب تھے اس جنگ میں انھوں نے اپنی شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ بڑے بڑے بہادروں کے جگر آب ہو گئے۔ عمرو بن یثری اُمّ المومنین عائشہ کا مشہور و نام ور بہادر سردار تھا اس سے اس کے ایک ساتھی نے کہا کہ مجھے حضرت علیؑ کے لشکر میں

تمہارے بارے میں سوائے مالک اشتر کے کسی سے خوف نہیں ہے۔ عمرو بن یثر بی نے کہا میں بھی مالک ہی سے ڈرتا ہوں۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ: ۸۶)

اثناء جنگ میں جناب مالک اشتر اور عدی بن حاتم طائی اُمّ المومنین کے اونٹ کے پاس پہنچ گئے اور جو شخص اونٹ کی مہار پکڑتا تھا اسے قتل کر دیتے تھے۔

عباد بن عبداللہ بن زبیر اپنے باپ سے نقل کرتا ہے کہ عبداللہ ابنِ زبیر کہتے ہیں کہ میں جنگ جمل میں چل پھر رہا تھا اور اس وقت میرے جسم پر نیزہ و شمشیر کے زخم موجود تھے ہم نے جمل کی لڑائی کی طرح کوئی لڑائی دیکھی ہی نہیں۔ ہم میں سے ہر شخص ثابت قدم تھا اور اپنی جگہ سے ہٹتا نہیں تھا ہم کالے پہاڑ کی طرح میدان میں جمع ہوئے تھے لیکن ہم میں سے جو بھی اُمّ المومنین کے اونٹ کی مہار پکڑتا تھا قتل کر دیا جاتا تھا چنانچہ عبدالرحمن بن عتاب نے مہار ہاتھ میں لی اور قتل کر دیا گیا اسود بن ابی طبری نے مہار ہاتھ میں لی اور انھیں زمین پر پچھاڑ دیا گیا تو میں نے بڑھ کر اونٹ کی مہار پکڑ لی اُمّ المومنین نے کہا تم کون ہو میں نے کہا عبداللہ بن زبیر یہ سن کر وہ کہنے لگیں ہائے افسوس اسماء پر جو اپنے بیٹے پر روئے گی اسی اثنا میں مالک اشتر میری طرف گزرے میں ان سے لپٹ گیا ہم دونوں زمین پر گر پڑے میں نے پکار پکار کر کہنا شروع کیا مجھے اور مالک کو قتل کر دو اسی اثنا میں دونوں طرف کے لوگ آ گئے اور ہم کو چھڑا دیا۔ (تاریخ طبری جلد ۵، صفحہ: ۲۱۰)

لیکن اسی کتاب میں جلد ۵، صفحہ: ۲۱۱ پر علقمہ اور جناب مالکِ اشتر کی گفتگو تحریر ہے کہ جناب مالکِ اشتر کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر ہی نے اُمّ المومنینؑ کو خروج پر امادہ کیا اس لیے میں خدا سے دعا کیا کرتا تھا کہ اس سے مجھے ملا دے ایک مرتبہ وہ میرے مقابلہ میں آ ہی گیا میں نے صرف اپنے قوت بازو ہی پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ اپنی سواری پر کھڑے ہو کر زور سے نیزہ مار کر عبداللہ ابن زبیر

کو گرادیا مالکِ اشتر جنگ جمل میں عبداللہ ابن زبیر کو دیکھتے ہی ان سے لپٹ گئے اور دونوں نے گھوڑے ہی پر کشتی لڑنا شروع کردی اور زمین پر گر پڑے عبداللہ نے مالکِ اشتر کے نیچے پڑے ہوئے چیخنا شروع کیا مجھے اور مالک کو قتل کردو لیکن غبار اڑنے کے سبب سے لوگ یہ نہ سمجھ سکے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ اور اگر عبداللہ نے یہ کہا ہوتا کہ مجھے اور مالکِ اشتر کو قتل کردو تو دونوں آدمی قتل کردیئے جاتے جب دونوں آدمی ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو جناب مالکِ اشتر نے یہ اشعار پڑھنا شروع کیے۔

''اگر میں تین دن سے بھوکا نہ ہوتا تو تم اپنے بہن کے بیٹے کو مقتول پاتیں''۔

یہ اس صبح کا واقعہ ہے جب نیزے اسے اس طرح کھا رہے تھے جس طرح کانٹے چبھتے ہیں اور وہ پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ مجھے اور مالک کو قتل کردو۔ عبداللہ کو مجھ سے ان کی جوانی اور پیٹ بھرا ہونے نے بچالیا اور میں بوڑھا ہوں اس لیے اسے بھاگنے سے روک نہ سکا۔

جناب مالکِ اشتر کی انتہائی شجاعت تھی جس سے بقول شارح ابنِ الحدید جلد ۲، صفحہ :۸۱ حضرت امیرؑ نے انھیں اور عمار یاسر کو اس وقت بلایا جب آپ نے دیکھا کہ لوگ حضرت اُمّ المومنین کے مہار ناقہ پر فنا ہو رہے ہیں اور ہاتھ کٹ کٹ کے گر رہے ہیں اور جانیں جا رہی ہیں تو آپ نے ان دونوں حضرات سے فرمایا کہ تم دونوں اونٹ کو ہلاک کر ڈالو اس لیے کہ جب تک یہ اونٹ ان لوگوں میں رہے گا جنگ کی شدّت باقی رہے گی اس لیے کہ ان لوگوں نے جنگِ جمل کے اونٹ کو اپنا قبلہ اور مذہب بنالیا ہے جناب عمار اور مالکِ اشتر کے ساتھ قبیلہ مراد کے معمر بن عبداللہ بھی تھے حکم پاتے ہی دونوں جانبازوں نے تلوار سونت کر جنگ شروع کردی اور اونٹ تک پہنچ گئے مرادی نے بڑھ کر اس کے

تلوے کے اوپر کی رگ پر ایسی تلوار ماری کہ وہ زور شور سے چیخنے لگا اور پہلو کے بھل گر پڑا یہ دیکھتے ہی جو لوگ اونٹ کو گھیرے ہوئے تھے بھاگ کھڑے ہوئے۔

۴۔ جناب مالکِ اشتر نے جس طرح جنگِ جمل میں اپنی عدیم المثال شجاعت کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں اسی طرح جنگِ صفّین میں ان کی نبرد آزمائی و شجاعت بہادری نے دشمنوں کے دلوں پر اپنا سکہ جما دیا تھا۔ جس کے سبب سے تعصب کے گہرے پردوں کے باوجود مورخین ان پر پردے نہ ڈال سکے۔ اگرچہ صفّین کا پورا معرکہ مالکِ اشتر کی شجاعت و بہادری کا ایک روشن باب ہے لیکن ان میں سے چند نمونے اس مختصر کتاب میں پیش کیے جاتے ہیں۔ تفصیل کے لیے کتب تاریخ کا مطالعہ کیا جائے۔

۱۔ جب حضرت امیر المومنین علیہ السلام جنگ صفّین کے لیے روانہ ہوئے اور مقام رقہ پہنچے تو وہاں پر آپ نے فرات کو عبور کرنا چاہا آپ نے اہلِ رقہ کو حکم دیا کہ مرے عبور کے لیے کشتیوں کا پل تیار کروان لوگوں نے اس سے انکار کیا حضرت امیر جناب مالکِ اشتر کو سردار بنا کر آگے بڑھ گئے تاکہ منبج کے پل سے فرات کو عبور کریں حضرت کے جانے کے بعد جناب مالکِ اشتر نے قلعہ رقہ کے لوگوں سے قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ فوراً پل تیار کرو ورنہ میں تم لوگوں کو تباہ و برباد کردوں گا یہ دھمکی سن کر اہلِ رقہ تھرا گئے اور پل تیار کیا اور جناب مالکِ اشتر مع اپنے ساتھیوں کے دریا کے اس پار پہنچ گئے۔ (طبری جلد ۵، صفحہ: ۲۳۷)

۲۔ حضرت امیر علیہ السلام نے مقدمۃ الجیش کے طور پر زیاد بن نضر اور شریح بن ہانی کو راستے سے روانہ کیا تھا سوروم میں ان لوگوں سے ابوالاعور سلمی سردار فوج معاویہ سے ملاقات ہوئی ابوالاعور شجاع و بہادر بھی تھا فوج کثیر ہمراہ لیے تھا ان دونوں حضرات نے حضرت علیؑ کو اطلاع دی آپ نے فوراً مالکِ اشتر کو روانہ

کرنا لیکن ابوالاعور نے جنگ چھیڑدی جناب مالک اشتر نے کئی دن تک اس کا مقابلہ کیا پھر خود اسے مقابلے کے لیے طلب کیا مگر اس کی ہمت نہ پڑی مالکِ اشتر نے اس سے پھر زبردست جنگ کی دوسرے دن ابوالاعور مع اپنے ساتھیوں کے بھاگ کھڑا ہوا۔ (طبری جلد ۵، صفحہ:۲۳۹)

۳۔ جنگِ صفین میں جب معاویہ کی فوج نے گھاٹ سے حضرت امیر کے لشکر کو پانی نہیں لینے دیا تو حضرت نے گھاٹ چھیننے کے لیے فوج روانہ کی اور آخری دستہ مالک اشتر کی سرکردگی میں روانہ کیا آپ نے وہاں پہنچ کر ابوالاعور سلمی اور عمرو بن عاص کی فوج سے ایسی شدید جنگ کی کہ بالآخر پانی کا گھاٹ دشمن سے چھین ہی لیا۔ (شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید جلد:۱ صفحہ:۲۴۳)

۴۔ ذی الحجہ ۳۶ھ میں جب مقامِ صفین میں حضرت علیؑ اور معاویہ کا لشکر مجتمع ہوئے اور طرفین میں جنگ شروع ہوئی اور ایک ایک نامی بہادر اور سردار لشکر جنگ کے لیے آنے لگا تو حضرت امیر جسے سب سے زیادہ مقابلہ کے لیے بھیجتے تھے وہ جناب مالک اشتر ہی تھے۔ (طبری جلد، ۵، صفحہ:۲۴۳)

۵۔ ابومخنف اپنے استاد سے عبداللہ بن عامر فاشی سے نقل کرتا ہے کہ میری قوم کے ایک شخص نے نقل کیا ہے کہ جناب مالکِ اشتر ایک دن قاریان قرآن و شہسواران عرب کی ایک جماعت کے ساتھ جنگ کے لیے نکلے بڑا زبردست رن پڑا اسی اثناء میں شامی لشکر سے ایک پہلوان نکلا خدا کی قسم ہم نے ایسا لمبا چوڑا موٹا تازہ آدمی کم دیکھا تھا اس نے اپنا مقابل طلب کیا کسی کی ہمت نہ پڑی کہ اس کے مقابلے کے لیے جائے مگر جنابِ مالکِ اشتر اس کے مقابلہ کے لیے میدان میں آئے ہی تو گئے بس صرف دو ضربتوں کی ردوبدل ہوئی تھی کہ مالکِ اشتر نے اسے تہِ تیغ کر ڈالا یہ حال دیکھ کر اس کے ساتھیوں میں سے ایک

شخص نے پکار کر کہا کہ اے سہم بن ابی عیزار اور اے وہ جسے ہم نیوراز میں بہترین آدمی جانتے ہیں اس کے بعد اس نے قسم کھا کر کہا کہ اب میں تیرے قاتل کو قتل کروں گا یا تیرا قاتل مجھے قتل کر دے یہ کہہ کر مالکِ اشتر پر حملہ آور ہوا جنابِ مالکِ اشتر اس کی طرف مڑے اور زمین پر ڈھیر کر دیا بمشکل اس کے ساتھی مالکِ اشتر کے پنجے سے اسے چھڑا کر لے گئے۔ (طبری جلد ۵، صفحہ: ۲۴۳)

۶۔ راوی ناقل ہے کہ عراقی فوج سے کیت گھوڑے پر سوار ایک شخص نکلا جو اسلحے میں ڈوبا ہوا تھا صرف اس کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں ہاتھ میں نیزہ لیے تھا اہلِ عراق کے سروں پر نیزہ مار مار کر کہتا جاتا تھا کہ خدا تم پر رحم کرے اپنی صفیں درست کرو جب صفیں اور علم ٹھیک ہو گئے تو شامیوں کی طرف پشت کر کے خطبہ پڑھا اور کہا خدا کا شکر جس نے ہمارے درمیان اپنے نبی کے چچازاد بھائی کو قرار دیا ہے جو ہجرت میں سب سے مقدم اسلام لانے میں سب سے پہلے خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے خدا نے اسے اپنے دشمنوں پر انڈیل دیا ہے۔ نظر میں رکھو جب شدت کی جنگ شروع ہو جائے غبار اڑنے لگے نیزے ٹوٹنے لگیں بہادروں کو لے کر گھوڑے گردش کرنے لگیں تو میں صرف بہادروں کی چیخ پکار اور ہمہمہ کی آواز سنوں دیکھو ایسے وقت میں تم میری پیروی کرنا اس کے بعد اہلِ شام سے اس شدت کی جنگ کی کہ نیزہ ٹوٹ گیا اس کے بعد واپس آیا اب جو میں نے دیکھا تو وہ مالکِ اشتر تھے۔ (شرح ابنِ ابی الحدید جلد ۱، صفحہ: ۱۸۳)

جنگ لیلتہ الہریر

صفین کے معرکے میں ایسا وقت بھی آیا جب فوجیں فوجوں کی طرف بڑھیں غضب کا رن پڑنے لگا تیروں اور پتھروں کی بارش شروع ہوئی یہاں تک کہ تیر اور پتھر ختم ہو گئے۔ نیزہ بازی شروع ہوئی اور نیزے ٹوٹ گئے اس کے بعد

لوگ تلواریں اور خیموں کی چوبیں لے کر ایک دوسرے کی طرف بڑھے پھر کیا تھا سوائے لوہے کے کھٹکھٹاہٹ کے کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی یہ خوفناک آوازیں لوگوں کے دلوں پر بجلیوں کی کڑک اور تہامہ کے پہاڑوں کو ایک دوسرے سے ٹکرانے سے زیادہ ہولناک معلوم ہوتی تھیں۔ غبار سے فضا تاریک ہو رہی تھی۔ آفتاب کو گہن لگ گیا تھا۔ فوج کے نشان چھپ گئے تھے مالک اشتر ہر ہر فوج کے میمنے و میسرے کے درمیان میں آتے تھے قاریانِ قرآن کو حکم دیتے تھے آگے بڑھو آگے بڑھو لوگ نماز صبح سے نصف شب تک مسلسل اسی طرح لڑتے رہے کسی کو اس اثناء میں نماز پڑھنے کا موقعہ بھی نہیں ملا مالک اشتر برابر یہی کرتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی لیکن آتش جنگ پھر بھی اسی طرح بھڑکتی رہی۔ اب جو فریقین ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو معلوم ہوا فریقین کے ستر ہزار آدمی قتل ہو چکے ہیں جنگ لیلتہ الہریر کے نام سے اس رات کی جنگ مشہور ہے اس لڑائی میں مالک اشتر کے ہاتھ میں لشکر کا میمنہ ابنِ عباس کی سرکردگی میں میسرہ تھا حضرت امیر علیہ السلام قلب لشکر میں تھے۔ لڑائی اب بھی جاری تھی اور دوسری رات کے نصف شب سے صبح تک اسی شدت کی جنگ ہوتی رہی اس جنگ میں مالکِ اشتر اہلِ شام پر حملہ کرتے ہوئے اپنا برچھا زمین پر ڈال کر ساتھیوں سے کہتے جاتے تھے اس برچھے پر آگے بڑھو جب وہ مسافت طے ہو جاتی تھی تو کمان دوش سے اتار کر زمین پر ڈالتے تھے اور کہتے تھے بس ایک کمان اور آگے بڑھو جب وہ ایسا کر لیتے تھے تو پھر ایسا ہی کرتے تھے، اس طرح اس قدر فوج کو آگے بڑھایا کہ ساری کی ساری فوج تھک کر چور ہو گئی اور اس میں آگے بڑھنے کی قوت نہ رہ گئی۔

مالکِ اشتر نے جب لوگوں کی یہ کیفیت دیکھی تو کہنے لگے کہ میں خدا سے پناہ

مانگتا ہوں کہ تم لوگ سارے دن بھیڑوں کا دودھ دوھوتے رہو (یعنی راحت وآرام و اطمینان سے بسر کرو) اس کے بعد اپنا گھوڑا طلب کیا اور اپنے علمدار حیان بن ہودہ نخعی سے علم لے کر زمین پر گاڑ کر فوج کے درمیان یہ کہتے ہوئے گزرے کہ خوشنودیٔ خدا کے لیے مالک اشتر کے ساتھ کون اپنی جان کو بیچتا ہے یہاں تک کہ دشمن پر غالب آجائے یا شہید ہو کر بارگاہِ ربّ العزّت میں پہنچ جائے بس یہ آواز سنتے ہی لوگ صفوف لشکر سے نکلنے لگے اور مالکِ اشتر کے ساتھ دشمنوں سے جنگ کرنے لگے۔ (شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید جلد ا، صفحہ: ۱۸۵)

جنگِ مالکِ اشتر کی یہ چند تصویریں ہیں ورنہ میدانِ جنگ میں کتنے ہی ایسے مقامات نظر آئیں گے کہ وہ بپھرے ہوئے شیر کے مانند دشمنوں کا شکار کر رہے تھے یا بقول طرماح بن عدی معاویہ نے طرماح سے اپنے فوج کی کثرت بیان کی تھی تو طرماح نے جواب میں کہا کہ، میرے مولا نے مالک اشتر نامی ایک مرغ پال رکھا ہے جو رائی کے مانند تیری فوج کو ایک ایک کر کے چگ جائے گا۔

خصوصیت سے صفین میں جناب مالکِ اشتر نے ایسی جنگ کی تھی کہ بالاخر معاویہ کے خیمے تک پہنچ ہی گئے جس سے اس کے حواس باختہ ہو گئے اور عمرو بن عاص کے مشورے سے نیزوں پر قرآن بلند کر کے یہ درخواست پیش کرنا پڑی کہ قرآن مجید کو حکم بنایا جائے۔

مکارم اخلاق جنابِ مالکِ اشتر

مالک اشتر جس طرح شجاعت و بہادری اخلاق کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھے۔ بڑے جواد و سخا بھی تھے کریم النفس بھی تھے زاہد و متقی و پرہیز گار و خدا ترس بھی تھے۔

ایک دن کی حکایت ہے کہ وہ کوفے کے بازار سے گزر رہے تھے سوتی کپڑے کی قمیص اور عمامہ پہنے ہوئے تھے ایک بازاری آدمی نے انھیں اس

کپڑے کی قمیص اور عمامہ پہنے ہوئے تھے ایک بازاری آدمی نے انھیں اس حالت میں دیکھا تو ان کی یہ ہیئت اس کو پسند نہیں آئی اور ذلیل کرنے کے لیے اپنے دروازے سے ایک تیر ان کی طرف پھینکا جناب مالک گزر گئے اور اس کی طرف توجہ بھی نہ کی اس سے کہا گیا تم نے پہچانا بھی کہ کس کو تیر مارا ہے اس نے کہا میں نے تو نہیں پہچانا اس سے کہا گیا یہ مالک اشتر صحابی امیر المومنین علیہ السلام ہیں یہ سُن کر وہ کانپنے لگا اور معذرت کرنے کے لیے ان کی خدمت میں آیا لیکن وہ اس وقت مسجد میں داخل ہو چکے تھے اور کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے جب نماز ختم کر چکے تو وہ شخص قدموں پر گر کر معذرت کرنے لگا جناب مالک اشتر نے کہا کیا بات ہے تم میرے قدموں پر کیوں گر پڑے اس نے عرض کیا میں نے ابھی جو برتاؤ آپ کے ساتھ کیا تھا اس کی معذرت کرتا ہوں میں آپ کو نہ پہچانتا تھا مجھ سے بہت بڑی جسارت ہوئی ہے مجھے معاف کر دیجئے۔ جنابِ مالک اشتر نے فرمایا تم گھبراؤ نہیں مسجد میں صرف اس لیے آیا ہوں کہ تمہارے لیے استغفار کروں۔ (بحارالانوار جلد ۹، صفحہ: ۷۲۳)

یہ ہے سیرت امیر المومنین و پیغمبرِ اسلام علیہم السّلام پر عمل اور یہ ہے اسلامی تعلیمات کا اثر۔ حقیقتاً اسلام نے اپنے تبعین کو اسی کا حکم دیا ہے اور بزرگان دین کا اسی پر عمل تھا مالکِ اشتر چونکہ سچے مسلمان تھے اس لیے صاحب جاہ و حشم و اقتدار ہونے کے باوجود بجائے اس کے کہ اس سے مواخذہ کرتے خاموش چلے آئے اور مسجد میں آ کر نماز پڑھ کے اس کے لیے استغفار کرنے کیلئے آ گئے۔ کاش ہم بھی اسی طرح اپنی زندگی کو ان مکارم اخلاق سے آراستہ کر لیں۔

دورِ حکومت امیر المومنینؑ میں مالک اشتر کی خدمات:

جناب مالک اشتر رؤسائے کوفہ میں داخل تھے حجر بن عدی بن حاتم طائی،

صعصعہ بن صوحان اور ان کے امثال سے ان کے گہرے تعلقات تھے اور زمانہ خلافتِ ثالثہ ہی میں ساری دنیا پر یہ چیز عیاں تھی کہ یہ محبِ امیر المومنین ہیں۔ لیکن جب ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی بیعت کی گئی تو مدینے میں بیعت کرنے والوں میں مالک اشتر داخل تھے۔

جب جنگِ جمل کے لیے حضرت امیر المومنینؑ روانہ ہوئے تو جناب مالکِ اشتر حضرت علی علیہ السلام کے ہمراہِ رکاب تھے۔

راستے ہی میں حضرت علی علیہ السلام کو علم ہوا کہ ابوموسیٰ اشعری میری امداد کے لیے اہلِ کوفہ کو آنے سے مانع ہے حضرت نے اہلِ کوفہ کے پاس پہلے محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر طیار کو بھیجا تھا پھر امام حسن علیہ السلام اور عمار یاسر کو روانہ کیا۔ جب وہاں کی امداد آنے میں تاخیر ہوئی تو طبری کے بیان کے مطابق مالکِ اشتر نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ نے امام حسنؑ اور عمار یاسر سے پہلے بھی کسی کو کوفے بھیجا تھا لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں ہوا یہ دونوں بزرگوار نہایت مناسب ہیں لیکن مناسب ہو تو مجھے کوفے بھیج دیجیے۔ اس لیے کہ وہاں کے لوگ میرے مطیع و فرمانبردار ہیں مجھے اُمید ہے کہ کوئی شخص میری مخالفت نہیں کرے گا حضرت نے مالکِ اشتر کو اجازت دی وہ کوفہ روانہ ہوئے جب کوفے پہنچے تو لوگ مسجد اعظم میں جمع تھے مالکِ اشتر جس قبیلے کی طرف سے گزرتے تھے اور دیکھتے تھے کہ مسجد یا کسی نشست گاہ میں جمع ہیں تو حکم دیتے تھے کہ میرے ساتھ دار الامارہ چلو مالک اشتر ان لوگوں کو لیے ہوئے قصرِ حکومت میں داخل ہوئے ادھر ابوموسیٰ اشعری مسجد میں کھڑا ہوا لوگوں کو حضرت کی نصرت سے روک رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ یہ اندھا اور بہرہ فتنہ ہے اس کی مصیبت عظیم لوگوں کو کچل کر رکھ دے گی اس میں سونے والا بیٹھنے والے سے بہتر ہے، بیٹھا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے،

کھڑا چلنے والے سے بہتر ہے، کھڑا چلنے والا سوار سے بہتر ہے، یہ پیٹ کے درد کی طرح کا فتنۂ عظیم تمہارے جائے امن سے آیا ہے جو عاقل کو کل کے مولود بچّے کی طرح حیران و پریشان چھوڑ دے گا ہم گروہ اصحاب پیغمبرِ اسلام فتنہ کو اچھی طرح جانتے ہیں فتنہ جب آتا ہے تو شبہ میں ڈال دیتا ہے جب جاتا ہے تو بے نقاب ہو جاتا ہے۔

عمار یاسر ابوموسیٰ اشعری کو متوجہ کر کے باتیں کر رہے تھے امام حسنؑ اس سے کہہ رہے تھے ہماری دی ہوئی حکومت سے الگ ہو جا ہمارے منبر سے ہٹ جا عمار نے کہا جو کچھ کہہ رہا ہے اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی سنا تھا ابوموسیٰ نے کہا جو کچھ میں نے کہا میرے ہاتھ اس کے ضامن ہیں عمار یاسر نے کہا حضرت نے خاص طور سے تجھ سے یہ فرمایا ہوگا کہ فتنہ میں جو بیٹھا ہو کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے پھر کہا کہ جو خدا سے مقابلہ کرے گا اور انکار کرے گا خدا اس پر غالب آجائے گا۔

غرض ابھی یہ ردّ و بدل ہو رہی تھی کہ ابوموسیٰ اشعری کے دو غلام دوڑے ہوئے آئے کہ دیکھیے مالکِ اشتر قصر میں داخل ہو گئے ہیں اور ہم کو مار کے نکال دیا ہے یہ سُن کر ابوموسیٰ اشعری منبر سے اتر کر قصر میں آیا مالک اشتر نے ڈانٹ کر کہا ہمارے قصر سے نکل جا خدا کی قسم تو قدیم زمانے سے منافقین میں داخل ہے ابوموسیٰ اشعری نے ایک رات کی مہلت مانگی مالکِ اشتر نے کہا مہلت ہے لیکن اس محل میں شب نہیں بسر کر سکتے ہو۔ کوفے کے لوگ ابوموسیٰ اشعری کا مال لوٹنے آئے مالک اشتر نے ان کو منع کیا اور قصر سے نکال دیا اور کہا کہ میں نے ابوموسیٰ اشعری کو قصر سے نکال دیا ہے (طبری جلد ۵ صفحہ: ۱۹۱)

اس واقعہ کے بعد پورے بارہ ہزار کا لشکر کوفے سے حضرت علیؑ کی امداد کے لیے بصرے آیا اور جنگ میں شریک ہوا۔ میدانِ جنگِ جمل کے خدمات کی ایک

جھلک ہم جناب مالکِ اشتر کی شجاعت کے تذکرے میں دکھا چکے ہیں۔

جنگِ صفین میں مالکِ اشتر میمنے کے سردار تھے اور اس جنگ میں جس شجاعت و بہادری و جانبازی سے لڑے ہیں تاریخ میں یادگار رہے گا۔

جنگِ صفین سے واپسی کے بعد حضرت امیر علیہ السلام نے مالکِ اشتر کو جزیرہ کا حاکم بنا کر روانہ کیا۔

جب حکمین کا واقعہ ہو چکا تو آپ نے جناب مالک کو آزربیجان کا والی بنا دیا۔

لیکن جب مصر کی حالت زمانہ حکومت محمد بن ابی بکر میں تشویش ناک ہوئی تو جناب مالکِ اشتر کو مقام نصبین سے طلب کر کے مصر کا حاکم بنا کر روانہ کیا راستے میں معاویہ نے شہد میں زہر ملوا کر شہید کر دیا۔ مصر کی صوبہ داری سپرد کرتے وقت آپ کو ایک فرمان عطا کیا تھا وہ سیاست و جہاں بانی کا ایسا مکمل دستور ہے جسے دیکھ کر اس عصر کے عقلاء بھی دنگ رہ جاتے ہیں۔

جناب مالکِ اشتر کی ادبی خدمات

عربستان میں ریاست و امارت کے لیے لازم تھا کہ رئیس خطیب بھی ہو شاعر بھی ہو زمانۂ جاہلیت میں جب کسی قبیلے میں کوئی شاعر یا خطیب پیدا ہو جاتا تھا تو پورا قبیلہ جشن مناتا تھا۔ دوسرے قبائل پر فخر و مباہات کرتا تھا۔

جناب مالکِ اشتر اپنے قبیلے کے مانے ہوئے رئیس تھے اور کوفے میں بڑا اثر و نفوذ رکھتے تھے۔ ادب عربی کے بہترین ماہر تھے اوراق تاریخ پر ان کے مغزز خطبات اب بھی موجود ہیں نصرت امیر المومنین علیہ السلام میں جابجا ان کا فصیح و بلیغ کلام پایا جاتا ہے۔ خطابت کے ساتھ ساتھ شعر و سخن میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے۔ مالکِ اشتر کا ادبی کمال ہی تھا جس سے حبیب بن اوس طائی نے جب بکھرے ہوئے اشعار عرب کو جمع کرنا شروع کیا اور اپنے اوپر لازم قرار دے لیا

کے اعلیٰ معیار پر ہوں گے تو ان کی نظر انتخاب جناب مالکِ اشتر کے اشعار پر بھی پڑی چنانچہ اب تک ان کے اشعار کتاب حماسہ کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

میں اپنے کثیر مال کو خرچ نہ کروں اور مکارم اخلاق سے روگردانی کرلوں اور مہمانوں سے ترش روئی سے ملوں اگر میں معاویہ ابنِ ابی سفیان پر ایسا حملے پر حملہ نہ کروں جس میں کوئی ان لوگوں کی جانوں کے لوٹنے سے خالی نہ ہو۔ اور ایسے گھوڑوں پر سوار ہو کر حملہ کروں جو لاغر اور غول بیابان کی طرح ہوں اور وہ ایسے کریم النفس آدمیوں کو پیٹھ پر بٹھا کر میدان جنگ میں دوڑتے ہوں جو جو غضبناک ہوں شدت گرما سے ان کے لوہے (اسلحے) گرم ہو رہے ہوں اور اس طرح چمک رہے ہوں جس طرح بجلیاں یا آفتاب کی کرنیں چمکتی ہیں۔

جنگِ صفّین میں جب پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور صحابی جناب عمار بن یاسر درجۂ شہادت پر فائز ہوئے تو جہاں اور افراد نے اس نیک نہاد عابد و زاہد صحابی کا ماتم کیا ہے جناب مالکِ اشتر نے بھی ان پر اشکِ حسرت بہائے ہیں چنانچہ مرثیہ جناب عمار میں فرماتے ہیں۔

نحن قتلنا خوشبا لما عذا قد اعلما ، و ذر الکلاء

ہم نے جوشب کو قتل کیا ہے جب وہ اپنے کو آشکارا پیش کر رہا تھا اس سے پہلے ہم نے ذوالکلاع اور سعید کو قتل کیا جب وہ قریب آ گئے تھے

ان تقتلوا منا ابا الیقطان شیخا

اگر تم نے ہم میں سے ابوالیقتان (عمار)

مسلما فقد قتلنا منکم — ایسے مسلمان بزرگ کو قتل کیا ہے تو ہم نے تم میں
سبعین کھلا مجوما اضحوا — ستر مجرم بوڑھوں کو قتل کیا ہے جو جنگ صفین
بصفین وقد، لاقوانکا — میں آگے تھے اور ان کو ایسی سخت سزا ملی
لاموتما — جو ہمیشہ باقی و قائم رہے گی۔

احتجاجات مالکِ اشتر

جناب مالکِ اشتر جہاں شجاع و بہادر و ادیب و شاعر تھے اسی کے ساتھ ساتھ جس جگہ اس کا موقع آ گیا کہ مخالفین کو تلوار نہیں بلکہ زبانِ تکلم سے شکست دیں تو اس سے بھی دریغ نہیں کیا چنانچہ جب جناب مالکِ اشتر کو علم ہوا کہ اُمّ المومنین مکّے میں جنگ کی تیاری میں مشغول ہیں اور حضرت امیر علیہ السّلام پر خروج کا ارادہ رکھتی ہیں تو بطور احتجاج ان کو مدینے سے ایک خط تحریر کیا فرماتے ہیں۔

''آپ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ ہیں حضرت نے آپ کو حکم دیا ہے کہ گھر میں بیٹھیں اگر آپ ایسا کریں تو آپ کے لیے بہتر ہے لیکن اگر آپ اس سے انکار کرتی ہیں اور جس چیز کی ممانعت ہے اسی کو اختیار کرنا چاہتی ہیں اور اپنی چادر اتار دینا چاہتی ہیں اور لوگوں کے سامنے اپنے بال کھولنا چاہتی ہیں تو میں اس وقت تک آپ سے جنگ کرونگا جب تک آپ اپنے اس گھر میں نہ آ جائیں جہاں خدا نے آپ کا رہنا پسند کیا ہے۔ (شرح نہج البلاغۃ جلد ۲، ۸۰)

مخالفین حضرت علی علیہ السّلام کے مقابلہ میں مالکِ اشتر کے اور بھی مکالمات ہیں لیکن اختصار کے خیال سے ہم انھیں ترک کرتے ہیں۔

شہادت مالکِ اشتر

زمانۂ حکومت حضرت علیؑ میں جب مصر کی حالت دگرگوں ہوئی اور محمد بن ابی

بکر کے خلاف لوگوں نے ہنگامہ شروع کر دیا اور اس کی اطلاع امیر المومنین حضرت علیؑ کو ہوئی تو آپ نے مالکِ اشتر کو طلب کیا جو اس وقت مقام نصبین میں تھے اور والی آذر بائیجان تھے آپ نے مالکِ اشتر کو خط میں تحریر فرمایا تھا۔ مالک تم وہ ہو کہ دین کو درست کرنے میں مَیں تم سے امداد چاہتا ہوں اور عاصیوں کے تکبر کو تمہارے ذریعہ سے دور کرتا ہوں خوفناک سرحدوں کی تمہارے ذریعہ حفاظت کرتا ہوں محمد بن ابی بکر کو میں نے حاکم مصر بنایا تھا وہ نوجوان ہیں لڑائیوں کا تجربہ نہیں رکھتے ہیں اس لیئے تم آجاؤ تاکہ اس مسئلہ پر بھرپور نظر ڈالی جائے۔

یہ خط پاتے ہی جناب مالک اشتر حاضر خدمت ہوئے آپ نے ان سے مصر کے حالات بتائے اور ارشاد فرمایا کہ تمہارے علاوہ کوئی اور وہاں کے حالات کو درست نہیں کرسکتا ہے تمہاری سوجھ بوجھ کے سبب سے میں تم کو کوئی وصیت بھی نہیں کرتا ہوں دیکھو مالکِ اشتر سخت امور پیش آئیں تو خدا سے طالبِ امداد ہو سختی کے ساتھ ساتھ نرمی بھی ہو جہاں نرمی مناسب ہو وہاں نرمی کرنا لیکن جب بغیر سختی کے کام نہ چلے تو وہاں پورے طور سے سختی کرنا۔

حضرت علیؑ کی ہدایات کے بعد مالک اشتر مصر کیلیئے روانہ ہوئے معاویہ کے جاسوسوں نے اس کی اطلاع اسے دی یہ امر اس کو بہت شاق گزرا اس لیے کہ وہ پہلے ہی سے مصر کا خواہاں تھا وہ سمجھ گیا کہ اگر مالکِ اشتر مصر پہنچ گئے تو وہ اس کے لیے محمد بن ابی بکر سے بھی زیادہ سخت ہوں گے۔ اس لیے اس نے اہل خراج میں سے ایک ایسے شخص کے پاس قاصد بھیجا جس پر اسے بڑا اعتماد تھا اور کہلا بھیجا کہ مالکِ اشتر مصر کے حاکم ہو کر جارہے ہیں اگر تو ان کو ہلاک کردے گا تو جب تک میں اور تم زندہ رہو گے خراج نہیں لوں گا اس لیے ان کے قتل کے لیے کوئی تدبیر کرو۔

مالکِ اشتر کوفے سے مصر روانہ ہوئے مقام قلزم پہنچے جہاں سے مصری

کشتیاں حجاز جایا کرتی ہیں معاویہ نے جس کو قتل جناب مالکِ اشتر کے لیے ہدایات کی تھیں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا میں خراج ادا کرتا ہوں میرا مکان یہیں ہے آپ میرے گھر چلیے وہاں آپ قیام کرکے آرام لیجیے (پھر سفر کیجیے گا) جناب مالکِ اشتر اس کے ساتھ گئے وہ شخص اشتر کے لیے کھانا لایا جب فارغ ہوئے تو شہد کا شربت پیش کیا جس میں زہر ملا ہوا تھا جناب مالکِ اشتر اس کے پینے کے بعد اسی مقام پر شہید ہو گئے۔

شرح نہج البلاغۃ میں اسی مقام پر شہادت مالکِ اشتر کے بارے میں ایک اور روایت تحریر ہے کہ معاویہ نے مکروفریب سے آلِ عمر میں سے ایک غلام کو اشتر کے پاس بھیجا تھا جو اس سفر میں ان کے ساتھ تھا یہ غلام مالک اشتر سے برابر حضرت علیؑ اور بنی ہاشم کے فضائل کا تذکرہ کیا کرتا تھا جس سے مالک اشتر اس سے مطمئن اور مانوس ہو گئے تھے ایک دن راستے میں مالک اشتر نے پینے کے لیے پانی مانگا اس غلام نے زہر ملا ہوا ستو ان کو پلا دیا جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔

اس تدبیر کے بعد معاویہ نے اہل شام سے کہنا شروع کیا کہ علی بن ابی طالبؑ نے مالکِ اشتر کو مصر کا حاکم بنایا ہے تم اس کی ہلاکت کی دعا کرو چنانچہ ہر نماز کے بعد بددعا ہونے لگی یہاں تک کہ وہ شخص آیا جس نے زہر دیا تھا اور شہادت مالک اشتر کی خبر دی معاویہ نے اسی وقت خطبہ پڑھا اور کہا کہ علی بن ابی طالب کے دو ہاتھ تھے ایک کو میں نے صفین میں کاٹ دیا وہ عمار یاسر تھے اور دوسرے کو میں نے آج کاٹا ہے وہ مالک اشتر تھے۔ (شرح نہج البلاغۃ جلد ۲، صفحہ: ۲۹)

شہادت اشتر پر حضرت امیر کا رنج وغم

ایسے وفادار جانباز مخلص اور سچے دوست کی موت کا جو اثر بھی حضرت پر نہ ہوتا کم تھا اسی لیے آپ نے مالک اشتر کی موت کی خبر سننے کے بعد ارشاد فرمایا خدا

مالک پر رحم کرے اس نے اپنا عہد پورا کر دیا۔ اپنی موت تمام کر دی۔ پروردگار عالم سے ملاقات کی اگر ہم نے وفات جناب رسول خدا صلی اللہ وآلہ وسلم کے بعد یہ عہد نہ کر لیا ہوتا کہ ہر مصیبت پر صبر کریں گے تو ہم اس مصیبت کو عظیم ترین مصیبت خیال کرتے۔

شیوخ قبیلہ نخع بیان کرتے ہیں کہ مالک کی شہادت کے بعد ہم لوگ حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو اس حالت میں پایا کہ رنج وغم سے آہ آہ اور افسوس کر رہے تھے اس کے بعد فرمایا کہ خدا مالک کا بھلا کرے مالک اشتر بھی کیا خوب انسان تھا۔ مالک اگر پہاڑ ہوتا تو بڑا اونچا ہوتا اگر پتھر ہوتا تو بہت سخت ہوتا بخدا اے مالک تیری موت نے ایک عالم کو رنج وغم میں مبتلا کیا ہے اور ایک عالم کو یقیناً خوش کر دیا ہے مالک کے مانند انسان پر رونے والوں کو رونا چاہیے اور آیا مالک کی طرح کوئی انسان موجود بھی ہے یہ تھی مالک کی شخصیت و عظمت و جلالت''۔ (اصحاب امیر المومنین کی قربانیاں حصہ سوئم صفحہ: ۵ تا ۳۸)

مالکِ اشتر

محمد اطہر زائرؔ سیتاپوری

روحِ صداقت صاحبِ جوہر ‏ نازِ شجاعت شیرِ غضنفر
دستِ یمینِ حیدرِؑ صفدر ‏ مالکِ اشتر مالکِ اشتر
نصرتِ حق میں کڑیاں جھیلے ‏ فوج میں دھنسنا وہ بھی اکیلے
خون کا دریا اور وہ شناور ‏ مالکِ اشتر مالکِ اشتر
معرکہ صفین کو دیکھو ‏ فرد ، ورائے ذاتِ علیؑ جو
تیغ زنی کا یکتا محور ‏ مالکِ اشتر مالکِ اشتر
مردِ مجاہد ، ہاتھ کا سچا ‏ مثلِ علیؑ ، جھرمٹ کا لڑنا
عکسِ جہادِ فاتحِ خیبر ‏ مالکِ اشتر مالکِ اشتر
ذوقِ عمل ایمان بنا تھا ‏ جانِ وفا عرفان بنا تھا
ہمسرِ سلماں ہمسرِ بوذر ‏ مالکِ اشتر مالکِ اشتر
نرم دل و پاکیزہ طینت ‏ لیکن حق کے حسبِ ضرورت
غیظِ مجسّم قہر کا پیکر ‏ مالکِ اشتر مالکِ اشتر
بندۂ مومن ، کاملِ ایماں ‏ حق پہ کئے قربان دل و جاں
کفر کی خاطر قاتلِ اکبر ‏ مالکِ اشتر مالکِ اشتر
نصرتِ ایماں زیست کا مقصد ‏ عارفِ حقِّ آلِ محمدؐ

نقش و نگارِ مرضیِ داور
مالکِ اشتر مالکِ اشتر
عِلم و عمل میں یکساں کامل
حکم جو اُس کا اس پر عامل
یعنی مجسّم الفتِ حیدرؑ
مالکِ اشتر مالکِ اشتر
مسلکِ حیدرؑ کا دلدادہ
لیکن ہم سب کا شہزادہ
رہروِ بینا مقصدِ رہبر
مالکِ اشتر مالکِ اشتر
محفلِ عرفاں کا صہبائی
خود بھی پی ہم کو بھی پلائی
ساقیِ بزمِ ساقیٔ کوثر
مالکِ اشتر مالکِ اشتر
پیشِ نظر درسِ قرآنی
دل میں بھرا ذوقِ ایمانی
حُسن کا پَرتو عشق کا جوہر
مالکِ اشتر مالکِ اشتر

مشکل کُشا کا دست و بازو

قاسم شبیر صاحب نقوی نصیر آبادی

مالکِ اشتر! صحابیٔ امیر المومنینؑ
سلطنت تیری، مودّت، ملکیت تیری یقیں
میرا پیرو مالکِ اشتر ہے، کہتے تھے علیؑ
راہِ حق میں جس طرح میں ہوں فدا کارِ نبیؐ
فرض کا پابند تھا اور مردِ حق آگاہ تھا
منزلِ عرفاں میں اک روشن نشانِ راہ تھا
ہر تشدّد ہر ستم سے ہر جگہ ٹکرا گیا
بحرِ غم پر عشق کا طوفان بن کر چھا گیا
قوتِ ایماں اُٹھائے تھی ترا بارِ حیات
ہر نفس میں تجھ کو ملتی ہوگی خوشبوئے نجات
پھول تھے "حاجت رَوا" تو پھول کی بو بن گیا
مرحبا! مشکلکشا کا دست و بازو بن گیا

آ گہی تیری تھی روشن شمع اپنے وقت کی
جس میں ہر انسان پائے معرفت کی روشنی

یا علیؑ کہہ کر اُٹھاتا ہوگا جب تیغِ اصیل
ہاتھ تیرے چومتی ہوگی تری فتحِ جمیل

تو شرافت کا صداقت کا شریعت کا معین
تو رسالت کا امامت کا خلافت کا معین

تیرا استقلال تیرا جذبۂ مردانگی
دوسروں کو بخشتا تھا ہمّتِ منزل رسی

امتحانِ نفس تھا یا جنگ تھی صفین کی
ہر قدم پر جان سے کی ہے حفاظت دین کی

دے گیا تو کیا سبق اہلِ شجاعت کے لیے
تھی سندِ شیرِ خدا کی، تیری جرأت کے لئے

اک حصارِ سخت و ناہموار تیرے گرد تھا
ہر نفس پر پھر بھی بس نامِ علیؑ کا وِرد تھا

ہم گنہگاروں کو تیری خاکِ پا مِل جائے کاش
آج کی ظلمت میں حق کا راستہ مِل جائے کاش

سب میں ممتاز ہوا مالکِ اشتر کا شرف

سیّد محمد ضامن اثر جائسی

پہنچی معراج پہ یوں معرفتِ شاہِ نجف
سب میں ممتاز ہوا مالکِ اشتر کا شرف

گو سب اصحابِ علیؑ عارفِ کامل تھے مگر
ہے انھیں کے لئے مخصوص یہ قولِ حیدرؑ

جس طرح مَیں تھا محمدؐ کے لئے تا بہ حیات
میرے قدموں کو تھا خدمات میں جس حد کا ثبات

رابطہ مجھ سے ہے بس مالکِ اشتر کو وہی
ہر زماں دل میں وِلا، وردِ زباں نامِ علیؑ

یومِ اظہارِ خلافت کی جو نوبت آئی
سرفرازئ غلامی سے یہ عزت پائی

سب تھے لیکن نہ بنا کوئی سواری کا نقیب
یہ سعادت بھی ہوئی مالکِ اشتر کو نصیب

دی خبر اب درِ دولت سے چلے شاہِ انام
دونوں شہزادۂ کونین ہیں ہمراہِ امامؑ

یہ خبر سنتے ہی ہونے لگا ڈیوڑھی پہ ہجوم
ہر طرف بخٍ بخٍ کی تھی اصحاب میں دھوم

جنگ میں کشتوں کی پائی جو مساوی تعداد / ہوا ارشاد کہ ہے علمِ علیؑ تم سے زیاد
تم نے تو ظاہری آثار سے کی تیغ زنی / کارفرمائی ہوئی باطن میں مگر تیغِ علیؑ
صلب میں جس کے تھی مومن کی سعادت پنہاں / نہ کیا اُس کو تہِ تیغ بہ علمِ یزداں
یہ بھی اک خاص شرف مالکِ اشتر کو ملا / ناصرِ حق ہوا اس شان سے اُن کا بیٹا
میر مختار کے لشکر کا ملا جبکہ علَم / کردیا دشمنوں کو حملوں سے درہم برہم
اُس کی تلوار سے فی النار ہوا ابنِ زیاد / قلبِ مغموم ہوا سیّدِ سجّادؑ کا شاد
نہ ہوا آپ کے اصحاب میں کوئی ایسا / جس کی نصرت ہوئی ہو زخمِ جگر کا پھایا
واہ اے مالکِ اشتر کے پسر کیا کہنا / آج تک بجتا ہے اُس تیغ زنی کا ڈنکا
بےگماں لائقِ تحسیں ہیں وہ اصحابِ کرام / سب کا ممدوح ہے جس بزم کا قنبر سا غلامؑ
جس میں ہیں بوذر و سلمان و حجر ابنِ عدی / ابی رافع کے پسر اور رشیدِ ہجری
میثم و سعد بن قیس کمیل ابنِ زیاد / جابر و حضرتِ عمّار و جنابِ مقدادؓ
بنِ صوحاں ، ابوایوب و اویس قرنی / ابوالاسود، بنِ عباس و سُلیم و سندی
یہ وہ ہیں جو رہے ہر حال میں شیدائے امامؑ / ان کے اوصافِ حمیدہ میں نہیں جائے کلام
یہ امامت کے قمر کے تھے نجوم تاباں / ان کے انوار سے روشن رہی بزمِ ایماں
ان کے پرتَو میں مودّۃ کا تھا جلوہ ایسا / یہ امامت کے، امامت رہی ان کی شیدا
سب کے سب معرفتِ خاص تھے حق آگاہ / کر گئے حُسنِ عقیدت سے رفاقت کا نباہ
حق پرستی میں مصائب پہ مصائب جھیلے / راہِ حق سے نہ مگر ایک قدم بھی بہکے
ان کے ہر اسوۂ حسنہ کی تاسّی ہو اگر / قلبِ عارف میں نکھر آئے گا حق کا جوہر
اے اثرؔ مدح صحابہ کی ہے مسنون مگر / اہلیت ہی نہ ہو تو مدح سرائی کیونکر

جناب رشید ہُجری

آپ بھی حضرت امیر المومنینؑ کے اصحاب سے تھے اور حضرتؑ نے آپ کا نام رشید البلایا رکھا تھا۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ کو دشمنانِ دین حضرت علیؑ کی محبت کی وجہ سے سخت ترین ظلم و تشدد سے قتل کریں گے۔ آپ اس مصیبت میں صبر کا جوہر دکھائیں گے اور اپنے رشد کو محبت و ریاضت میں ظاہر کریں گے۔ حضرتؑ نے ان کو علمِ منایا و علمِ بلایا (لوگوں کی موتوں اور مصیبتوں کا علم) بھی تعلیم فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کو یہ ملکہ ہو گیا تھا کہ جس شخص کے بارے میں چاہتے بتا دیتے کہ فلاں مقام میں اور فلاں روز تم مرو گے اور ویسا ہی ہوتا تھا۔ حضرت امیر المومنینؑ نے ان کو مطلع کر دیا تھا کہ ابنِ زیاد ان پر دباؤ ڈالے گا کہ حضرتؑ سے تبرا کریں اور جب وہ اس بے دینی کی حرکت سے انکار کریں گے تو وہ ان کے ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ ڈالے گا۔ چنانچہ حضرت نے ان سے فرمایا اے رشید اس وقت تم کیسے اعلیٰ درجے کا صبر کرو گے جس وقت بنی اُمیہ کا حاکم ابنِ زیاد تم کو بلائے گا اور تمہارے دونوں ہاتھوں، دونوں پاؤں اور تمہاری زبان کاٹ ڈالے گا۔ رشید نے پوچھا کیوں حضرتؑ اس کے بعد تو میں بہشت ہی میں جاؤں گا؟ حضرت نے فرمایا تم دنیا میں بھی میرے ساتھ رہے اور آخرت میں بھی ضرور میرے ساتھ ہو گے۔ حضرتؑ کو یہ فرمائے ہوئے کچھ ہی مدت گزری تھی کہ

ابنِ زیاد نے رشید کو بلا بھیجا اور کہا علیؑ سے تبرّا کرو۔ انھوں نے اس سے انکار کیا۔ تب اُس نے پوچھا اچھا بتاؤ علیؑ نے تمہارے بارے میں کیا پیشین گوئی کی تھی کہ تم کس طرح مرو گے۔ انھوں نے جواب دیا میرے آقا و مولا حضرت امیر المومنینؑ نے مجھے خبر دی تھی کہ تو مجھے بلا کر حضرتؑ سے تبرّا کرنے کو کہے گا مگر میں ایسا نہیں کروں گا تو مجھے آگے بلا کر میرے ہاتھوں، پاؤں اور زبان کو کاٹ ڈالے گا۔ ابنِ زیاد نے کہا خدا کی قسم میں علیؑ کی بات کو جھٹلا دوں گا (یعنی زبان نہیں کاٹوں گا) غرض اس کے حکم سے لوگوں نے ان کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر زبان چھوڑ دی اور ان کو وہاں سے نکال دیا۔ جب آپ قصر سے باہر نکل آئے تو لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے۔ اس وقت آپ نے ان لوگوں سے کہا کہ میرے پاس کچھ کاغذ اور قلم دوات لاؤ میں تمہارے لیے کُل وہ باتیں لکھ دوں جو قیامت تک ہونے والی ہیں۔ غرض رشید ہجری نے واقعات لکھوانے اور حضرت امیر المومنینؑ کے فضائل و مناقب بیان کرنا شروع کئے۔ جب ابنِ زیاد کو معلوم ہوا کہ رشید ہجری اب اطمینان سے حضرت علیؑ کی خوبیاں بیان کر کے لوگوں کو ان کی طرف جذب کرنے لگے تو اس نے حجام کو بھیجا کہ جا کر ان کی زبان کاٹ دے۔ اس طرح حضرت امیر المومنینؑ نے جو جو فرمایا تھا بالکل ویسا ہی ہوا۔

جنابِ رشید ہُجری کی معرفت اور ایمانِ علی اللہ والرّسول والائمہ کی یہ حالت تھی کہ ایک مرتبہ حضرت اپنے اصحاب کے ساتھ برنی باغ کی طرف تشریف لے گئے اور کھجور کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر فرمایا کہ اس کو جھاڑ کر اس کی کھجوریں چنو۔ چنانچہ اس سے کھجوریں گرائی اور حضرتؑ کے پاس لائی گئیں۔ حضرتؑ نے وہ سب ان لوگوں کے سامنے رکھ دیں۔ رشید ہُجری نے کہا یا حضرتؑ یہ کیسی اچھی کھجوریں ہیں۔ اس وقت حضرتؑ نے فرمایا اے رشید تم اسی درخت کی شاخ پر

سولی دیئے جاؤ گے۔ رشید کو اس درخت سے محبت ہوگئی۔ وہ بیان کرتے تھے کہ میں اس وقت سے برابر اس درخت کے پاس آیا کرتا اور صبح و شام اس کو سینچتا رہتا۔ اس کے کچھ دنوں بعد حضرت امیر المومنینؑ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد میں ایک روز اس درخت کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اس کی شاخیں کاٹ دی گئی ہیں۔ تب میں نے کہا اب میرے انتقال کا وقت قریب ہوگیا۔ پھر ایک روز میں آیا تو ابنِ زیاد کا پیادہ میرے پاس پہنچا اور کہا امیر تم کو بلاتے ہیں فوراً چلو میں وہاں گیا جب قصر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ اس درخت کی وہ لکڑی لٹک رہی ہے۔ پھر دوسرے دن بھی میں آیا تو دیکھا کہ اس کا دوسرا نصف حصہ کنویں کا زرنوق بنا دیا گیا ہے جس پر لوگ پانی کھینچتے تھے۔ یہ دیکھ کہ میں نے کہا میرے آقا اور مولا کی بات غلط نہیں ہوسکتی۔ اس کے بعد پھر وہی پیادہ میرے پاس آیا اور کہا چلو امیر تم کو بلاتے ہیں۔ میں گیا اور جب قصر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ لکڑی لٹک رہی ہے اور اس میں وہ زرنوق بھی لگا ہوا ہے، میں اس کے پاس گیا اور زرنوق کو اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگا کر کہا کہ میں تیرے ہی لیے غذا پاتا ہوں اور تو میرے ہی لیے پیدا ہوئی ہے پھر میں ابنِ زیاد کے پاس پہنچایا گیا تو اس نے کہا اپنے امام (حضرت علیؑ) کی جھوٹی خبریں مجھ سے بیان کرو۔ میں نے کہا خدا کی قسم نہ میں جھوٹا ہوں نہ میرے آقا و مولا ایسے تھے۔ حضرتؑ نے مجھے خبر دی تھی کہ تو میرے دونوں ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ دے گا۔ ابنِ زیاد نے کہا دیکھو خدا کی قسم میں ان کی بات جھوٹی کر دیتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے لوگوں کو حکم دیا اور میرے دونوں ہاتھ، پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ لوگوں نے جناب رشید ہُجری کو وہاں سے باہر کر دیا۔ جب ان کی بیٹی اور دوسرے اعزّہ ان کو اٹھا کر مکان پر لے گئے تو وہ لوگوں سے عجیب وغریب باتیں بیان کرنے لگے (جو حضرت امیر المومنینؑ سے

سنی تھیں)۔ وہ ان سب سے یہ بھی کہتے تھے کہ اے لوگو جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے جلد پوچھ لو کہ ابھی یہ لوگ مجھ پر ایک اور ظلم کریں گے اُس وقت تم کو مجھ سے کچھ پوچھنے کا موقع نہیں ملے گا۔ یہ حالات دیکھ کر ایک شخص ابنِ زیاد کے پاس گیا اور کہا اے امیر آپ نے کیا کیا؟ رشید ہُجری کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے اور زبان چھوڑ دی!!! اسی زبان سے وہ لوگوں کے دلوں کو کھینچ رہے ہیں۔ ابنِ زیاد نے کہا اچھا انھیں میرے پاس واپس لاؤ۔ جب آئے تو حکم دیا کہ ان کے ہاتھ، پاؤں کے علاوہ اب زبان بھی کاٹ دی جائے۔ چنانچہ زبان کاٹ دی گئی اور پھر وہ سُولی دے دیئے گئے (رجال کشی صفحہ ۵۲) اس طرح حضرت امیر المومنینؑ کی پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ہوئی۔

رشید ہُجری کے حالاتِ زندگی:

جناب رشید امیر المومنین علیہ السلام کے مخصوص اصحاب میں شامل تھے حضرت کے بڑے محبوب زبردست مخلص اور فدائی تھے جناب رشید نفس پاکیزہ وسیرت پسندیدہ رکھتے تھے خود امیر المومنین علیہ السلام ان کو رشید البلایا کہا کرتے تھے بات یہ تھی کہ ان کے صفائے باطن ونفس پاکیزہ کے سبب سے حضرت نے ان کو علم البلایا والمنایا کی تعلیم دی تھی، یعنی حضرت کی تعلیم کی برکت سے یہ باخبر تھے کہ کس پر کیا مصیبت آنے والی ہے کس کی موت کب واقع ہوگی۔

ان کا یہ علم ایسا تھا کہ آئمہ معصومین علیہم السلام جب غیب کی خبر دیتے تھے اور اصحاب میں سے کسی کو اس میں شک وشبہ ہوتا تھا تو ان کے غیب دانی کو بطور ثبوت وشاہد پیش کرتے تھے چنانچہ اس طرح دو روایتیں علامہ مجلسی نے بحار الانوار جلد ۹، صفحہ: ۱۴۰، پر تحریر کی ہیں جن میں سے ایک روایت میں ہے کہ ''عبد صالح

ابوالحسن (امام رضا علیہ السلام) ایک شخص کو اس کے موت کی خبر دے رہے تھے تو میں نے (راوی) اپنے دل میں کہا کہ کیا حضرت یہ بھی جانتے ہیں کہ ان کے شیعوں میں سے کوئی شخص کب مرے گا۔ جیسے ہی میرے دل میں خیال پیدا ہوا حضرت نے مجھ سے غصّے کے لب و لہجے میں فرمایا اے اسحاق رشید ہجری تو علم المنایا والبلایا کو جانتے تھے پھر امام تو بدرجہ اولیٰ ان چیزوں کو جانے گا۔

جناب رشید بڑے عابد و زاہد و متقی و پرہیزگار تھے ایک دن ان کی کثرتِ عبادت کو دیکھ کر ان کی بیٹی قنوا نے کہا بابا آپ تو عبادت میں بڑی محنت و مشقت کرتے ہیں فرمانے لگے بیٹی میرے بعد ایک قوم آئے گی جس قوم کے لوگ اپنے دینی سمجھ بوجھ کے اعتبار سے اگلے لوگوں کی بہتر سے بہتر عبادتوں سے اشرف و افضل ہوں گے۔ (بحار الانوار جلد ۹، صفحہ: ۱۴۷)

بیٹی سے جناب رشید کی یہ گفتگو زمانہ غیبت کے مخلص شیعوں کے فضل و شرف کو ظاہر کر رہی ہے اس لیے زمانۂ رشید میں تو امام ظاہر بظاہر موجود تھے جناب رشید نے امیر المومنین علی بن ابی طالب کی زیارت بھی کی تھی آپ سے علوم و فنون کو حاصل بھی کیا تھا آپ کے معجزات بھی دیکھے ہوں گے۔ اس لیے ان کا مذہب کی سچائی پر یہ یقین کہ ہاتھ پیر کٹوا دیے ہیں زبان گدی سے کھنچوا دی اور مذہبِ حق پر باقی رہے اخلاص سے عبادت خالق اکبر کرتے رہے لیکن زمانۂ غیبت کے شیعہ باوجودیکہ امام علیہ السلام کی خدمت میں نہ پہنچیں گے ان کے معجزات کا مشاہدہ نہ کریں گے لیکن ان کو اپنے مذہب پر ایسا یقین ہوگا کہ اپنے مذہب پر ثابت قدم رہیں گے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امام کی امامت کا سچا یقین رکھیں گے احکام خدا اور رسولؐ و آئمہ کے پابند رہیں گے اس لیے ان کی یہ دینی سمجھ بوجھ عبادت گزار افراد کی بہتر سے بہتر عبادت سے افضل و بہتر ہوگی۔

جب انسان اپنے خالق کا ہو جاتا ہے اور ہر چیز میں مرضیٔ باری کو مقدم کرتا ہے۔ ہر امر میں اسی کا مطیع فرمانبردار رہتا ہے اور کثرت عبادت انتہائے زہد و ورع و تقویٰ سے نفس میں جلا اور باطن میں پاکیزگی پیدا کر لیتا ہے تو پھر اس سے ایسے ایسے کرامات ظاہر ہوتے ہیں جنھیں دیکھ کر عقل حیران و ششدر رہ جاتی ہے ہر انسان اس کا تحمل نہیں کر سکتا ہے۔

بدقسمتی سے ہم ایک ایسے زمانے میں ہیں جب انبیاء مرسلین و آئمہ کے معجزات کو سن کر بعض روشن خیال اور مغرب زدہ افراد چیں بہ جبیں ہو جاتے ہیں پھر اگر ان کے سامنے خاصانِ خدا اور بزرگانِ دین میں سے کسی کی کرامت بیان کی جائے خدا جانے ان کی کیا حالت ہو گی۔ تعجب نہیں ہے کہ وہ اسے سُن کر آپے سے باہر ہو جائیں لیکن دنیا میں شاید ہی کوئی قوم ایسی ہو جو اس کی قائل نہ ہو کہ دنیا میں ایسے افراد گزرے ہیں جن سے ایسے افعال سرزد ہوئے ہیں جن کو عام طور سے لوگ نہیں کر سکتے ہیں۔ ہر قوم و ملت اپنے بزرگان قوم ملت کے لیے اس کی قائل ہے۔

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم تو انبیاء و مرسلین کے علاوہ جب اولیا اللہ کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کی زندگی کرامات سے لبریز نظر آتی ہے اور بکثرت ایسے واقعات ملتے ہیں جو خلاف عادت ہوتے ہیں اور مسلمانوں کو قائل ہونا پڑتا ہے کہ وہ باکرامت تھے۔

خود قرآن مجید نے متعدد مقامات پر ایسے افراد کی کرامتوں کو ذکر کیا ہے جو نبی نہیں تھے ان میں کچھ مرد ہیں کچھ عورتیں ہیں۔

مردوں میں سے آصف بن برخیا ہیں جن کا ذکر قرآن ان الفاظ میں کرتا ہے۔

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ (جناب سلیمان نے) کہا اے لوگو تم میں سے کون شخص

يَأْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّأْتُوْنِيْ (بلقیس) کے تخت کو ان کے مسلمان
مُسْلِمِيْنَ

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ ہوکر آنے سے پہلے میرے پاس لائے گا
اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ ایک عفریت جن نے کہاں کہ میں آپ کے
مِنْ مَّقَامِكَ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ اس کی جگہ سے کھڑے ہونے سے پہلے
لے آؤں گا اور میں اس کی طاقت رکھتا

ہوں اور امین ہوں

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ جس کے پاس کتاب کا تھوڑا سا علم تھا اس
الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ نے عرض کیا کہ میں تخت بلقیس آپ کے
يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ پلک جھپکنے سے پہلے لے آؤں گا۔

(سورۂ نمل، آیت ۳۸، ۳۹، ۴۰)

آصف بن برخیا کا یہ واقعہ جسے قرآن مجید نے نقل کیا ہے اُن کے ایسے باکرامت ہونے کی خبر دے رہا ہے کہ چشم زدن میں ملکِ صبا سے جناب سلیمان کے پائے تخت تک بلقیس کا تخت لے آئے جب جناب سلیمان کے اصحاب ایسے باکرامت ہو سکتے ہیں تو کیا اصحاب امیر المومنینؑ باکرامت نہیں ہو سکتے۔

اگر یہ کہا جائے کہ جناب آصف کے لیے اقوال ہیں کہ وہ جناب سلیمان کے وصی تھے اور وصی نبی کا صاحب اعجاز کرامت ہونا تعجب خیز نہیں اس لیے ان پر غیر وصی نبی کا قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اگر ہم اسے تسلیم بھی کر لیں تو بھی قرآن نے اور بہت سے افراد کا تذکرہ کیا ہے جو نہ نبی تھے نہ وصیٔ نبی تھے لیکن صاحبِ کرامت تھے جیسے اصحابِ کہف یہ محقق ہے کہ یہ افراد پہلے کافر تھے پھر ایمان لائے اور بعدِ ایمان ایسے باکرامت

کہ حسب تصریح قرآن تک موجود ہیں زندہ ہیں غذا کھاتے ہیں کروٹیں بدلتے ہیں اس واقعہ کو قرآن یوں بیان کرتا ہے۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا(۹) اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا(۱۰) فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا(۱۱) ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا (سورۂ کہف ۹ تا ۱۲)

کیا تم نے یہ گمان کیا ہے کہ اصحاب کہف ورقیم ہماری نشانیوں میں سے عجیب نشانی تھے۔ جب کچھ جوان ایک غار میں آپہنچے اور دعا کی پالنے والے ہم کو اپنی بارگاہ سے رحمت عطا کر اور ہم کو ہمارے امر میں ہدایت عطا کر تب ہم نے ان کے کانوں پر کئی سال تک پردے ڈال دیئے پھر ہم نے ان کو بیدار کر کے بھیجا تا کہ یہ معلوم کریں کہ دو گروہوں میں سے کس کو غار میں ٹھہرنے کی مدت یاد ہے۔

یہ واقعہ ہم کو چند چیزیں بتا رہا ہے۔

اصحاب کہف با کرامت ہیں

اصحاب کہف زندہ ہیں

اصحاب کہف دنیا میں موجود ہیں بیدار ہوئے۔ پھر سو گئے۔

اصحابِ کہف دنیا میں موجود ہیں غار میں سو رہے ہیں دنیا کو اب تک نہ وہ نظر آئے نہ وہ غار ہی دکھائی دیا۔ حیرت یہ ہے کہ جس زمانے میں غار میں آ کر وہ پوشیدہ ہوئے تھے اس زمانے کے لوگوں کو نہ وہ نظر آئے نہ غار نظر آیا۔ پس اگر اصحابِ حضرت علیؑ میں یہ کرامتیں پائی جائیں تو کیا محلِ حیرت واستعجاب ہے۔

عورتوں میں والدہ جناب موسیٰؑ والدہ جناب عیسیٰؑ با کرامت معظّمہ تھیں قرآنی

آیات اس کا بھی تذکرہ کر چکی ہیں۔

ان تذکروں کے بعد ایک مسلمان تو انکار کر ہی نہیں سکتا ہے کہ دنیا میں کچھ افراد ہو سکتے ہیں جن سے ایسے افعال سرزد ہوں جو عام طور سے طاقت بشری سے خارج ہوں۔

قرآن مجید اور احادیث سے قطع نظر کر کے اگر خالص عقلی اعتبار سے نظر ڈالی جائے تو بھی یہ ممکن ہے محال و ناممکن نہیں ہے خود معجزات کا تعلق بھی انھیں چیزوں سے ہے جو محالِ عقلی نہ ہو ہاں عادۃً اس طرح کی بات نہ ہوتی ہو۔ اس لیے عقل اس کو ناممکن سمجھتی ہے کہ ایک شخص کسی مجمع کی طرف گزرے وہ لوگ اسے دیکھ سکیں یا کسی ایسے شخص کے پاس آئے جو اس کو دشمن رکھتا ہو اور وہ اسے نہ پہچانے اور نہ سمجھ سکے کہ یہ وہی شخص ہے جو فلاں جرم میں مطلوب ہے بلکہ اسے اپنا دوست خیال کرے جب عقلی اعتبار سے یہ محال نہیں اور اس طرح کے مسائل میں داخل نہیں ہے کہ بیک وقت ایک ہی اعتبار سے ایک ایک بھی ہو اور دو بھی۔ تو پھر اگر کسی خدارسیدہ شخصیت سے اس طرح کے افعال سرزد ہوئے ہوں تو کیا خرابی لازم آتی ہے۔

اس تمہید کے بعد اب عظمت جنابِ رشید کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے کمالات روحانی ونفسانی کو دیکھئے۔ علامہ مجلسی بحار الانوار جلد، ۹ صفحہ: ۱۸۷ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''جب محبتِ حضرت علیؑ کے جرم میں زیاد نے جناب رشید کی گرفتاری کا حکم دے دیا اور وہ روپوش ہو گئے تو ایک دن ابوارا کہ (جو کوفے کے ایک رئیس تھے) کے گھر آئے ابوارا کہ اس وقت اپنے مصاحبین کے ساتھ اپنے دروازہ پر بیٹھے ہوئے تھے ابوارا کہ نے جب یہ دیکھا کہ رشید میرے گھر میں چلے گئے ہیں

تو بہت گھبرائے خوف زدہ رشید کے پاس آئے کہنے لگے تم نے مجھے بھی قتل کیا اور میرے بچوں کو یتیم بھی کر دیا اور ہلاک بھی کر دیا رشید نے کہا کیا بات ہے تم کیوں گھبرا رہے ہو۔ ابوارا کہ نے کہا کہ تم کو زیاد گرفتار کرنا چاہتا ہے تم بھرے مجمع میں لوگوں کے سامنے میرے یہاں آگئے سب نے تم کو یہاں آتے دیکھ لیا زیاد کو خبر ہوگئی تو وہ نہ مجھے زندہ رہنے دے گا نہ میرے بچوں کو رشید نے کہا گھبراؤ نہیں مجھ کو تمہارے یہاں آتے ہوئے کسی نے بھی نہیں دیکھا ہے۔ ابوارا کہ نے کہا کیا تم جادو بھی کرنے لگے (ابھی ابھی سب کے سامنے آئے ہو انھوں نے ضرور دیکھا ہوگا) رشید نے کہا نہیں تم مطمئن رہو مجھے کسی نے نہیں دیکھا۔ ابوارا کہ نے رشید کے ہاتھ پیر باندھے اور ایک کوٹھری میں بند کر دیا اور اپنے اصحاب کے پاس آئے کہنے لگے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بزرگ اس وقت میرے گھر میں گئے ہیں سب نے کہا یہ غلط ہے ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں ہماری موجودگی میں تمہارے یہاں کوئی شخص نہیں گیا ہے ابوارا کہ نے کئی مرتبہ یہ بات کہی ان کے اصحاب اس سے انکار کرتے رہے۔ لیکن ابوارا کہ کو اطمینان نہ ہوا دل میں کہنے لگے ممکن ہے ان لوگوں نے رشید کو میرے گھر آتے ہوئے دیکھا ہو مگر مجھ سے چھپا رہے ہیں ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اس کی اطلاع ابن زیاد کو دیدے یہ اسی شش و پنج میں گھبرائے ہوئے زیاد کے پاس آئے تا کہ یہ معلوم کریں کہ اسے رشید کو میرے گھر آنے کی اطلاع تو نہیں ہوئی ہے اگر اسے اطلاع دے دی گئی ہے تو میں خود اس سے کہہ دوں گا کہ رشید میرے گھر میں موجود ہیں۔ ابوارا کہ زیاد کے پاس آئے ان سے اور زیاد سے دوستی بھی تھی اس سے بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ دیکھا انھیں کے خچر پر سوار ہو کر رشید زیاد کے پاس آئے ابوارا کہ کے حواس جاتے رہے چہرے کا رنگ اتر گیا اور یہ یقین کر لیا کہ میں قتل کر دیا جاؤں

گا۔رشید خچر سے اتر کر زیاد کے پاس آئے اسے سلام کیا زیاد نے ان کی تعظیم کی گلے سے لگایا بوسالیا پوچھنا شروع کیا کیسے آئے ہوراستے میں کوئی زحمت تو نہیں ہوئی تمہارے بچے کیسے ہیں محبت سے داڑھی میں ہاتھ دیا۔ رشید تھوڑے دیر ٹھہرے اور چلے گئے۔ابوارا کہ نے زیاد سے دریافت کیا اے امیر یہ کون سے بزرگ تھے زیاد نے کہا یہ تو برادرانِ شام میں سے ایک شخص تھے مجھ سے مل کر واپس چلے گئے۔ ابوارا کہ یہ سب دیکھ کر جب گھر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رشید اسی طرح گھر میں موجود ہیں جس طرح چھوڑ کر گئے تھے۔اس وقت ابوارا کہ نے رشید سے معذرت کی اور کہنے لگے جب تمہارے پاس ایسا علم موجود ہے تو تمہارا جو جی چاہے کرو اور جب تمہارا دل چاہے میرے یہاں آؤ۔

اس پُر آشوب دور میں جب دشمنی اہل بیتؑ طاہرین کی آگ بھڑک رہی ہو۔ ان کے فضائل مٹائے جارہے ہوں کمالات پر پردے ڈالے جارہے ہوں جھوٹی حدیثیں بنائی جارہی ہوں حضرت علیؑ پر علی الاعلان سب وشتم ہورہا ہو اس طرح کی باکرامت شخصیتوں کی ضرورت تھی تاکہ اربابِ ایمان کے عقائد میں پختگی اہلِ بیت کی محبت میں اضافہ اور ائمہ کی صحیح معرفت حاصل ہوجائے۔

حقیقت یہ ہے کہ رشید اور ان کے مانند اصحاب کی سیرت پڑھ کر ہماری سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت علیؑ اور ان کی ذرّیتِ طاہرہ کے کمالات کیا تھے۔

ان کی شہادت کے سلسلے میں روایتیں مختلف ہیں علامہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد ۱، صفحہ: ۲۱۱ اور علامہ مجلسی نے بحار جلد ۹، صفحہ: ۱۴۰، پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ زیاد ابنِ ابیہ نے ان کے ہاتھ پیر اور زبان کٹوائی اور سولی پر چڑھادیا لیکن علاّمہ مجلسی نے اس سے قبل صفحہ: ۲۱۳ پر ان کا قاتل زیاد کے بیٹے عبداللہ بن زیاد کو تحریر کیا ہے اس کی تائید بحار جلد ۱۰، کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے

جس میں حبیب اور میثم کی بازار کوفہ میں ملاقات و گفتگو اور ایک دوسرے کے قتل کا ذکر ان کے جانے کے بعد وہاں رشید کا آنا اور انھیں دریافت کرنا کہ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رشید واقعۂ کربلا سے قبل تک زندہ تھے اس لیے ان کا قاتل عبیداللہ بن زیاد تھا۔

جناب رشید کی بیٹی امتہ اللہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ مجھ سے میرے حبیب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ رشید جب تم کو بنی اُمیہ کا زنا زادہ بلا کر ہاتھ پیر زبان کاٹے گا تو تمہارے صبر کی کیا کیفیت ہوگی رشید نے عرض کی اے امیر المومنین کیا اس کا آخر نتیجہ جنت ہوگا حضرت نے فرمایا ہاں تم دنیا اور آخرت میں میرے ساتھ رہو گے خدا کی قسم اس گفتگو کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ عبیداللہ بن زیاد نے بلوایا اور کہا کہ امیر المومنینؑ سے اظہارِ بیزاری کرو میرے والد نے اس سے انکار کردیا اس نے کہا اچھا یہ بتاؤ تمہارے آقا نے کس طرح تمہاری موت واقع ہونے کی خبر دی ہے بابا نے کہا کہ میرے حبیب صلوٰۃ اللہ علیہ نے خبر دی ہے کہ تو مجھ کو حضرت سے اظہار برائت کے لیے کہے گا میں اس سے انکار کروں گا تو تو میرے ہاتھ پیر اور زبان کاٹے گا ابن زیاد نے کہا میں آج ضرور تمہارے آقا کی تکذیب (معاذ اللہ) کروں گا اس کے بعد حکم دیا۔ کہ رشید کے ہاتھ اور پیر کاٹ دو اور زبان چھوڑ دو چنانچہ دونوں ہاتھ دونوں پیر کاٹ دیے گئے زبان رہنے دی گئی (اور دارالامارہ کے باہر ڈال دیا گیا) لوگ اٹھا کر ہمارے گھر لائے میں نے عرض کیا بابا آپ کچھ ہاتھ پیر کٹنے سے درد محسوس کررہے ہیں بابا نے کہا اے بیٹی خدا کی قسم کوئی تکلیف نہیں محسوس ہورہی ہے اس طرح کی اذیت ہے جیسے کہ آدمیوں کے مجمع میں سے گزرا ہوں۔

پڑوس کے لوگ اور جان پہچان والے افراد آئے اور اظہار رنج وغم شروع کیا بابا نے ان سے کہا (اس سے کیا فائدہ) کاغذ و دوات لاؤ تا کہ امیر المومنینؑ نے مجھے جو آئندہ کی باتیں بتائی ہیں انھیں لکھوا دوں لوگ کاغذ و دوات لے کر آئے اور میرے باپ نے امیر المومنین علیہ السلام کی طرف نسبت دے کر غیب کی باتیں لکھوانا شروع کیں اس کی خبر ابن زیاد کو ہوئی اس نے حجام کو بھیجا کہ زبان کاٹ دے حجام نے زبان کاٹ دی اسی شب ان کا انتقال ہو گیا۔ (بحار الانوار، صفحہ: ۱۳۷)

ایک روایت میں ہے کہ جب حجام زبان کاٹنے کے لیے آیا تو انھوں نے کہا ذرا دیر ٹھہر جا میں ایک بات کہہ لوں۔ حجام رک گیا جناب رشید نے کہا دیکھو میرے مولا نے جو کچھ کہا تھا اس کی تصدیق ہو گئی۔

ہماری جانیں ان شہیدوں پر فدا ہو جائیں کیا ثابت قدم تھا کیا یقین تھا محبت میں کیسے کامل تھے۔ حضرت علیؑ ان کو رشید المبتلی (گرفتار بلا رشید) کہتے تھے یہ لوگوں سے ملتے تھے تو کہہ دیتے تھے اے شخص تیری موت اس طرح واقع ہو گی اے فلاں تو اس طرح قتل کیا جائے گا رشید جیسا کہہ دیتے تھے ویسا ہی ہوتا تھا اور اس میں سرمو فرق نہیں ہوتا تھا۔

جناب میثم تمّار

آپ بھی حضرت امیر المومنینؑ کے بہترین اصحاب سے تھے، وطن کوفہ تھا۔ آپ وہاں کے ایک بڑے جتھے والے خاندان سے تھے جس کو وہاں بیت التمارین (کھجوروں والے خاندان) کہتے تھے اور سب کے سب شیعہ حضرت علیؑ تھے۔ جناب میثم بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ نے مجھے بلایا اور فرمایا ''کیوں میثم اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب بنی امیہ کا حاکم ابنِ زیاد تمہیں طلب کر کے کہے گا کہ مجھ سے تبرّا کرو''۔ میں نے عرض کی ''اے امیر المومنینؑ خدا کی قسم میں حضور سے تبرّا نہیں کروں گا''۔ حضرتؑ نے فرمایا ''تب وہ تم کو قتل کر کے سولی دے دے گا''۔ میں نے عرض کی ''کیا مضائقہ ہے میں صبر کروں گا کہ خدا کی راہ میں یہ معمولی بات ہے حضرتؑ نے فرمایا ''اے میثم اگر تم صبر کرو گے تو بروزِ قیامت میرے ساتھ میرے ہی درجے میں رہو گے''۔ اس کے بعد میثم اپنی قوم کے چودھری کی طرف سے گزرتے اور اس سے کہتے ''اے بھائی میرے پیشِ نظر وہ زمانہ ہے جب تم کو بنی اُمیہ کا حاکم ابنِ زیاد بلا کر میری گرفتاری کو بھیجے گا اور چند روز تک تم مجھے طلب کرتے رہو گے۔ پھر جب میں آؤں گا تو مجھے تم اُس کے پاس پہنچا دو گے جس کے بعد وہ مجھے عمرو بن حریث کے دروازے پر قتل کر دے گا۔ جب چوتھا دن ہوگا تو میری ناک

کے دونوں نتھنوں سے تازہ خون جاری ہوگا'' اور عمرو بن حریث کے مکان سے متصل کھجور کا ایک درخت تھا۔ جنابِ میثم اکثر اُس درخت کے پاس سے گزرتے اور اپنے ہاتھ سے اس کو تھپک کر کہتے ''اے درخت تو اسی لیے غذا پا رہا ہے کہ میں تجھ پر سولی دیا جاؤں اور میں اسی لیے غذا پا رہا ہوں کہ تجھ پر سولی پاؤں''۔ آپ عمرو بن حریث کے پاس سے بھی گزرتے اور اس سے کہتے ''اے عمرو جب میں تمہارے پڑوس میں آؤں گا تو میرے ساتھ اچھے پڑوسی کا برتاؤ کرنا''۔ عمرو بن حریث اس کا اصلی مطلب نہیں سمجھتا اور خیال کرتا کہ معلوم ہوتا ہے میثم اس محلّے میں کوئی مکان خرید کر رہنا چاہتے ہیں۔ اس وجہ سے اُن کو جواب دیتا سبحان اللہ تم اس محلّے میں آؤ گے تو مجھے کیسی خوشی ہوگی۔ اس کے بعد میثم حج کرنے کے لیے مکۂ معظّمہ روانہ ہوگئے۔ ان کے جانے پر ابن زیاد نے ان کے محلہ کے اسی چودھری کو بلا کر کہا میثم کو گرفتار کر لاؤ۔ اُس نے بیان کیا وہ تو مکۂ معظّمہ گئے ہوئے ہیں۔ ابنِ زیاد نے کہا ''یہ سب میں نہیں جانتا اگر تم ان کو نہیں لاؤ گے تو میں تم کو قتل کر دوں گا''۔ چودھری نے اس کام کے لیے کچھ مہلت طلب کی۔ ابنِ زیاد نے مہلت دے دی جس کے بعد وہ چودھری میثم کے انتظار میں شہر قادسیہ کی طرف چلا گیا میثم مکّے سے واپس آ کر دربارِ ابنِ زیاد میں پہنچے تو اس نے پوچھا ''تم ہی میثم ہو''۔ انھوں نے کہا ''ہاں میں ہی میثم ہوں''۔ اس نے کہا ابو تراب سے تبرّا کرو۔ انھوں نے کہا ''میں ابو تراب کو کیا جانوں؟ کہا علی ابنِ ابی طالب سے تبرّا کرو''۔ آپ نے جواب دیا اگر نہ کروں تو کیا ہوگا؟ کہا خدا کی قسم میں تم کو ضرور قتل کر دوں گا''۔ آپ نے جواب دیا۔ میرے آقا و مولا تو مجھے پہلے سے خبر دیتے تھے کہ تو مجھے قتل کرے گا اور عمرو بن حریث کے دروازے پر سولی بھی دے گا اور جب چوتھا دن آئے گا تو میری ناک کے دونوں نتھنوں سے تازہ خون جاری ہو جائے

گا۔ غرض ابنِ زیاد کے حکم سے آپ سولی پر چڑھا دیئے گئے۔ آپ نے اسی طرح سولی پر چڑھے ہوئے لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ جو کچھ تمہیں پوچھنا ہو مجھ سے میرے قتل ہونے سے پہلے پوچھ لو کہ خدا کی قسم قیامت تک جتنی باتیں ہونے والی ہیں وہ سب میں تم کو بتا سکتا ہوں اور ''جو کچھ فتنہ وفساد ہوں گے ان سب کی خبر بھی دے دوں گا''۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا اور آپ ابھی ان کو ایک ہی بات بتانے پائے تھے کہ ابنِ زیاد کا آدمی آیا اور ایک لگام آپ کے منہ میں لگا دی۔ آپ ہی وہ بزرگ ہیں جن کے منہ میں اُس وقت لگام لگائی گئی جب آپ سولی پر تھے۔ چنانچہ اس لگام کی وجہ سے آپ کی زبان رُک گئی اور پھر کوئی بات آپ نہ بیان کر سکے۔

حضرت امام علی رضاؑ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میثم حضرت امیر المومنینؑ کے دولت خانے پر حاضر ہوئے تو معلوم ہوا کہ حضرت سوتے ہیں۔ انھوں نے حضرتؑ کو بیدار کیا اور عرض کی حضور کی داڑھی حضور کے سر کے خون سے سرخ کی جائیگی؟ حضرتؑ نے فرمایا سچ کہتے ہو اور تمہارے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں اور زبان بھی کاٹ دی جائے گی اور کھجور کا وہ درخت بھی کاٹا جائے گا جو کناسیہ میں ہے۔ اس کے چار ٹکڑے کئے جائیں گے۔ ایک ٹکڑے پر تم کو سولی دی جائے گی، دوسرے پر حجر بن عدی کو، تیسرے پر محمد بن اکثم کو اور چوتھے پر خالد بن مسعود کو۔ میثم کہتے تھے کہ حضرتؑ کی ان باتوں پر مجھے شک ہوا اور میں نے دل میں کہا کہ حضرتؑ ہم لوگوں سے غیب کی خبریں بیان کر رہے ہیں اور حضرتؑ سے عرض کی حضور! کیا واقعاً یہ باتیں ہونے والی ہیں؟ حضرت نے فرمایا ہاں خدا کی قسم ایسا ہی ہوگا کیونکہ حضرت رسول خدا صلعم مجھے اسی طرح خبر دے گئے ہیں۔ میں نے عرض کی مجھے یہ سزا کس جرم میں دی جائے گی؟ حضرتؑ نے فرمایا ''اس

لیے کہ ابنِ زیاد تمہیں گرفتار کرے گا (اور مجھ سے تبرّا کرنے کو کہے گا۔ تم نہیں کرو گے") میثم یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرتؑ جبانہ کی طرف تشریف لے جانے لگے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ وہاں سے حضرت محلہ کناسہ کے اسّی کھجور کے درخت کے پاس سے گزرے تو مجھ سے فرمانے لگے اے میثم تمہارے اور اس درخت کے درمیان بڑا تعلق ہے" میثم کہتے تھے کہ جب (حضرت امیر المومنینؑ کے بہت دنوں بعد) ابنِ زیاد کوفے کا حاکم بنایا گیا اور وہ اس میں پہنچا تو اس کا علَم محلۂ کناسہ کے اسّی کھجور کے درخت سے لپٹ کر پھٹ گیا۔ اس نے اس سے فال بدلی اور حکم دیا کہ وہ درخت کاٹ دیا جائے۔ تب اس درخت کو ایک شخص نے خرید لیا اور اس کے چار ٹکڑے کر ڈالے۔ میثم کہتے تھے کہ میں نے اپنے بیٹے صالح سے کہا کہ لوہے کی ایک کیل لاؤ اور اس پر میرا اور میرے باپ کا نام لکھ کر اس درخت کی کسی شاخ میں ٹھوک دو۔ جب اس واقعے کو کچھ دن گزر گئے اور میں ابنِ زیاد کے پاس گیا تو عمرو بن حریث نے ابنِ زیاد سے کہا "اے امیر آپ اس کو پہچانتے ہیں"۔ اُس نے پوچھا کون ہے۔ اس نے کہا (معاذ اللہ) کذّاب علی ابن ابی طالبؑ کا کذّاب غلام، میثم تمار ہے۔ یہ سنتے ہی ابنِ زیاد برابر ہو بیٹھا اور مجھ سے پوچھا تم کیا کہتے ہو۔ میں نے کہا۔ یہ (عمرو بن حریث) بالکل غلط بیان کرتا ہے بلکہ میں صادق ہوں اور میرے آقا و مولا علی ابنِ ابی طالبؑ بھی بالکل صادق تھے۔ اُس نے کہا اچھا تم علیؑ سے تبرّا کرو، ان کی برائیاں بیان کرو، عثمان کو دوست رکھو اور ان کی خوبیاں بیان کرو ورنہ میں تمہارے دونوں ہاتھ کٹوا کر تم کو سولی دے دوں گا۔ یہ سنتے ہی میں رونے لگا۔ ابنِ زیاد نے کہا "ابھی تو تم قتل نہیں کیے جاتے صرف قتل کی خبر سنتے ہی رونے لگے"؟ میں نے کہا خدا کی قسم میں اپنے قتل کی خبر سے نہیں روتا بلکہ اپنے اُس شک کی وجہ سے روتا ہوں جو مجھے

اُس روز ہو گیا تھا جس دن میرے آقا، میرے مولا، میرے سردار نے میرے متعلق مجھے خبر دی تھی۔ ابنِ زیاد نے پوچھا "انھوں نے تم کو کس بات کی خبر دی تھی"؟ میں نے کہا، حضرت نے فرمایا تھا کہ "میرے دونوں ہاتھ، پاؤں، زبان کاٹ دی جائے گی اور میں سولی دے دیا جاؤں گا"۔ میں نے پوچھا تھا کہ حضور کون مجھ پر یہ ظلم کرے گا۔ حضرتؑ نے فرمایا تھا کہ ظالم ابنِ زیاد۔ یہ سنتے ہی ابنِ زیاد غصّے سے بھوت ہو گیا۔ پھر کہا "خدا کی قسم میں تمہارے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ دوں گا اور تمہاری زبان چھوڑ دوں گا کہ دنیا سمجھ لے تم بھی جھوٹے ہو اور تمہارے مولا بھی جھوٹے تھے"۔ غرض میثمِ تمار کے دونوں ہاتھ، پاؤں کاٹ کر ان کو سولی دے دی گئی۔ اس پر انھوں نے بلند آواز سے کہا لوگو! جو شخص حضرت علی علیہ السلام کی راز والی حدیثیں سننا چاہے وہ جلد آ کر سن لے۔ لوگ وہاں جمع ہو گئے اور میثمِ تمار اُن سے حضرتؑ کی عجیب و غریب حدیثیں بیان کرنے لگے۔ اتنے میں عمر ابنِ حریث اُدھر سے گزرا تو پوچھا یہ کیسی بھیڑ ہے لوگوں نے کہہ دیا کہ میثمِ تمار حضرت علیؑ کی حدیثیں بیان کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ فوراً پلٹ گیا اور جا کر ابنِ زیاد سے کہا "حضور جلد کسی کو بھیج کر میثم کی زبان کٹوا دیجئے ورنہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ اپنی باتوں سے کوفے والوں کے دل آپ لوگوں کی طرف سے پھیر دے گا اور لوگ حضور سے بغاوت کر بیٹھیں گے"۔ یہ سنتے ہی ابنِ زیاد نے ایک جلاد سے کہا کہ جا اور ابھی میثم کی زبان کاٹ آ۔ وہ فوراً ان کے پاس پہنچا اور کہا میثم! انھوں نے پوچھا کیا کہتا ہے؟ کہا اپنی زبان نکالو کہ امیر ابنِ زیاد نے اس کے کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ یہ سنتے ہی میثم خوشی سے جھومنے لگے اور کہا کیا وہ یہ نہیں کہتا تھا کہ وہ میری بات کو بھی جھوٹی کر دے گا اور میرے آقا و مولا کی خبر کو بھی غلط ثابت کرے گا۔ کیا یہ ممکن تھا کہ حضرتؑ کی بات غلط ہو جائے؟ اب میری

زبان خوشی سے کاٹ لے غرض جلاد نے آپ کی زبان کاٹ ڈالی جس کے بعد اس کثرت سے ان کا خون بہا کہ وہ فوراً مر گئے اور سولی پر چڑھا دیئے گئے۔ صالح بیان کرتے تھے کہ اس واقعہ کے چند دنوں بعد میں وہاں گیا تو دیکھا کہ وہ اس کھجور کی اسی شاخ پر سولی دیئے گئے ہیں جس میں میں نے ان کا نام لکھ کر کیل ٹھوک دی تھی۔ آپ کی خبریں بالکل سچی ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ جمعہ کے روز آپ کشتی میں جا رہے تھے۔ ہوا تیز ہوئی تو آپ نے اس کی طرف نظر کر کے کہا کشتی کے بادبان باندھ دو۔ معاویہ اس وقت مر گیا۔ جب دوسرا جمعہ آیا تو شام سے قاصد نے آ کر بیان کیا کہ معاویہ گزشتہ جمعہ کو مر گیا۔ وہی وقت اس نے بتایا جو میثم تمار نے ایک ہفتے پہلے بتایا تھا۔ یہ واقعہ بھی میثم کے کرامات سے تھا۔

(رجال کشی صفحہ ۵۳)

جناب میثم تمّار:

ابو سالم میثم تمار بن یحییٰ التمار امیر المومنین کے آزاد کردہ غلام، آپ کے مخصوص صحابی و حواری، آپ کے رُموز و اسرار اور علوم کے خزینہ دار تھے۔ علّامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

''میثم کو امیر المومنینؑ نے بے شمار علم اور مخفی اسرار پر مطلّع کیا تھا''۔

ضروری تو یہ تھا کہ حدیث و سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں اُن کے تفصیلی حالات اور اُن کے علمی آثار کا ذکر ہوتا کیوں کہ میثم ایسے بزرگ کی زندگی اسلام اور مسلمانوں کے لئے فخر و ناز کا سرمایہ اور مسلمانوں کے لئے محاسن افعال کا بہترین محرک ہے مگر افسوس کہ میثم اور اُن کے جیسے مجسمہ علم و عمل بہت سے بزرگوں کے اوراقِ حیات ضائع و برباد ہو گئے۔ کتابوں میں اُن کے بہت مختصر حالات ملتے ہیں۔ اُن کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ وہ

کس قوم و قبیلے کے تھے، اُن کا اصلی وطن کہاں تھا اور کہاں سے چل کر کوفہ پہنچے؟ کب مسلمان ہوئے؟ کیا اُن کے باپ اُن سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے؟ کیا اُن کے باپ بھی غلام تھے؟ کس عمر میں میثم تمار درجہ شہادت پر فائز ہوئے؟ اُن کے علمی آثار کیا ہیں؟ اسی قسم کی بہت سی باتیں ہیں جو کتابوں میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتیں۔ بہر حال ہمیں جو کچھ اُن کے حالات معلوم ہو سکے نذرِ ناظرین کر رہے ہیں۔

میثم تمّار کا قوم وقبیلہ اور اُن کا وطن:

میثم اور اُن کے باپ، دونوں کے نام عربی ناموں پر ہیں جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ اصلاً عربی ہیں۔

عجم والے بھی اگر چہ عربی نام رکھتے تھے مگر اس کا سلسلہ اُس وقت شروع ہوا جب اسلام ہر طرف پھیل چکا تھا اور عربوں کے اقتدار کے ساتھ ساتھ عربی زبان کا غلبہ بھی بلادِ عجم پر ہو چکا تھا۔ کوئی تاریخ ہمیں نہیں بتاتی کہ ایرانی حکومت واقتدار کے زمانے میں بھی وہاں کے باشندوں کے نام عربی ناموں جیسے ہوا کرتے تھے۔

یہی حال اُن کی وطنیت کا بھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ نہروانی تھے نہروان ایک بڑا علاقہ ہے بغداد اور واسط کے مشرقی جانب، یاقوت حموی نے معجم البلادان میں بس اسی ایک نہروان کا ذکر کیا ہے۔

ان دونوں باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ جناب میثم عرب ہی کے رہنے والے تھے عجمی نہ تھے۔ البتہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اصل میں وہ عجم کے رہنے والے ہوں۔ رہ گیا نام تو ممکن ہے اہلِ عجم بھی عربی ناموں پر اپنے نام رکھتے ہوں خصوصیت کے ساتھ اس علاقہ کہ باشندے جو عرب کے پڑوس میں واقع تھے۔

اس طرح نہروان کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر چہ یہ عراق میں واقع ہے لیکن عراق، خصوصیت کے ساتھ عراق کا وہ حصہ جو دجلہ کے مشرق میں واقع ہے۔ ایرانی حکومت میں واقع تھا اور شاہانِ فارس کے دار السلطنت سے بہت قریب تھا۔

جناب میثم کے عجمی ہونے کا ثبوت امیر المومنین کے لفظوں سے بھی ملتا ہے۔ جب امیر المومنین نے قبیلہ بنی اسد کی ایک خاتون سے انھیں خرید کیا اور آپ نے اُن کا نام پوچھا اور اُنھوں نے اپنا نام میثم بتایا تو آپ نے فرمایا:

''تمہارے باپ نے عجم میں تمہارا نام میثم رکھا تھا''

اسی طرح ابنِ زیاد نے بھی اُنھیں عجمی کہہ کر یاد کیا تھا۔ ان تمام باتوں سے یقین اسی بات کا ہوتا ہے کہ میثم عجمی تھے لیکن بلادِ عجم میں سے کس جگہ کے تھے اور اگر نہروان کے رہنے والے تھے تو مشرقی نہروان کے یا مغربی نہروان کے؟ اس کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

اسی طرح یہ بات بھی طے شدہ نہیں کہ عجم خاص کر ایران والوں کو کہا جاتا تھا یا دوسرے علاقوں کو بھی۔ عام طور پر اہلِ عرب اپنے کو چھوڑ کر باقی ساری دنیا کے لوگوں کو جس میں ایران وغیرہ سب ہی شامل ہیں عجم کہتے تھے۔ پھر انھیں نہروانی جو کہا جاتا ہے تو آیا اس وجہ سے کہ یہ نہروان میں پیدا ہوئے تھے یا کہیں اور سے آ کر نہروان میں بس گئے تھے۔ ان تمام باتوں میں سے ہم کسی بات کے متعلق قطعی طور پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

میثم تمّار نہروان سے کوفہ آئے

میثم کا مولد اور اصل وطن سب ہی مجہول ہیں لہٰذا ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کہاں سے کوفہ آئے، کس طرح آئے، کب غلام بنے اور قبیلۂ بنی اسد کی عورت

کیوں کران کی مالک ہوئی۔ بس زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ فارس کے رہنے والے تھے اس لئے کہ اسلام نہروان سے پہلے اور اسلام آنے کہ کچھ دن بعد تک فارسی ہی علاقہ تھا۔

میثم تمّار کی طینت میں اسلام تھا:

تاریخ یا اور کسی کتاب سے ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ میثم کب اسلام لائے۔ البتہ گمان ہوتا ہے کہ امیر المومنین کی غلامی میں آنے سے پہلے ہی وہ مسلمان ہو چکے تھے کیوں کہ میثم ایسا ہوش منداور زیرک و دانا انسان زیادہ دنوں تک کفر پر باقی نہیں رہ سکتا جب کہ اُن کا قیام مسلمانوں کے درمیان تھا اور اسلام کی حقانیت و صداقت کے دلائل و براہین عالم آشکار تھے بلکہ ایک بات تو ایسی ہے جس سے ثبوت ملتا ہے کہ وہ امیر المومنین کے پاس آنے سے قبل مسلمان ہو چکے تھے۔ امیر المومنینؑ نے جب اُن سے کہا تھا کہ رسول اللہ مجھے خبر دے چکے ہیں کہ تمہارے وطن (عجم) میں تمہارے باپ نے تمہارا نام میثم رکھا تھا تو میثم نے کہا تھا "صدق اللہ و رسولہ و صدق امیر المومنین" سچ کہا خدا اور رسولؑ نے اور سچ فرماتے ہیں امیر المومنینؑ! اس جملے سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں ہی نہیں بلکہ مومن اور امیر المومنینؑ کی خدمت میں آنے سے پہلے ہی آپ کے دوست داروں اور ارادت مندوں میں سے تھے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں اس لئے کہ میثم ایسے صاحب فضل و کمال کو ایمان اور محبت امیر المومنینؑ کا حامل ہونا ہی چاہئے جب کہ امیر المومنینؑ کے فضائل و مکارم کا عرب کے گوشے گوشے میں چرچا تھا۔ کوفہ امیر المومنینؑ کا مرکز سلطنت ہونے سے پہلے ہی علوی شہر تھا۔ امیر المومنینؑ سے عقیدت و ارادت رکھنے والوں کی خاصی تعداد وہاں موجود تھی۔ البتہ ہم یہ جاننے سے قاصر ہیں کہ وہ کب اسلام

لائے۔ اسلام لانے کے وقت اُن کی کتنی عمر تھی۔ اسی طرح ہمیں میثم کے باپ کا حال اور اُن کے اسلام لانے کی تاریخ بھی قطعی طور پر معلوم نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ فارس فتح ہونے کے بعد پیدا ہوئے اور بعد فتح چوں کہ فارس بھی اسلامی علاقہ بن چکا تھا اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اسلامی علاقے میں پیدا ہوئے اور اسلامی ماحول ہی میں اُن کی نشوونما ہوئی۔

میثم تمّار عجمی ایرانی تھے

جناب میثم قبیلۂ بنی اسد کی ایک عورت کے غلام تھے۔ (ارشاد شیخ مفیدؒ) امیر المومنینؑ نے انھیں خرید کر آزاد کیا لیکن اُن کے غلام ہونے کی وجہ سے یہ ضروری نہیں کہ وہ اسود یعنی حبشی بھی رہے ہوں اس لئے کہ عربوں نے فارس اور آس پاس کے تمام ممالک کو فتح کر لیا تھا جہاں کے باشندے سفید رنگ کے تھے اور فتح کے نتیجے میں جتنے کافر قید ہوئے وہ غلام بنائے گئے۔ اس بناء پر ہرگز یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ میثم حبشی تھے بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ سفید رنگ کے رہے ہوں گے کیوں کہ اُن کا اصلی وطن نہروان تھا اور وہاں کے لوگ سفید رنگ کے ہوتے ہیں۔ ہاں اگر اُن کا وطن حبش، سوڈان نوبہ وغیرہ ہوتا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ میثم حبشی تھے۔

حضرت علیؑ کے مخلص اصحاب وانصار:

پیغمبرؐ کے بعد امیر المومنینؑ کی زندگی کو دو ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک دور تو وہ تھا جس میں امیر المومنینؑ گھر میں گوشہ نشین تھے۔ بہت کم لوگ آپ سے ملنے آتے اور آپ بھی بہت کم لوگوں سے ملنے کے لئے جاتے اس لئے کہ امیر المومنینؑ کے پاس لوگوں کی آمد و رفت یا امیر المومنینؑ کا کسی سے ملنا جلنا آپ کے

لئے بھی مصیبت کا باعث ہوتا اور ملنے جلنے والوں کے لئے بھی غاصبانِ حکومت اس چیز کو کسی صورت برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے البتہ آپ نماز کے لئے یا مسئلے مسائل بیان کرنے کے لئے ضرور مسجد میں جایا کرتے اور اُس میں کسی کو تعرض کرنے کی گنجائش ہی نہ تھی۔

دوسرا زمانہ وہ تھا کہ جب آپ خود مسند خلافت پر متمکن تھے۔ دونوں زمانوں میں آپ کے بہت سے مخلص اور منتخب صحابۂ کرام رہے جنھوں نے آپ سے اکتسابِ فیض کیا۔ دوسرے دور میں بھی پہلے دور کے کئی ایک صحابۂ کرام بچ رہے تھے جیسے عمار بن یاسر، جابر انصاری، عبداللہ بن عباس، حبیب بن مظاہر، عمرو بن حمق خزاعی، قیس بن سعد، ابو رافع، محمد بن ابی بکر، حجر بن عدی کندی اور انھیں جیسے دوسرے بہت سے افراد۔

امیر المومنینؑ کی زندگی کے دوسرے دَور نے بہت سے ایسے یگانۂ روزگار افراد پیدا کئے جن کی زمانہ مثال لانے سے قاصر رہا جیسے زید و صعصعہ فرزندانِ صوحان، اویس قرنی، اصبغ بن نباتہ، علی و عبیداللہ فرزندانِ ابی رافع، مالک اشتر، رشید ہجری، میثم تمار، کمیل بن زیاد اور انھیں جیسے دوسرے لوگ، یہ لوگ فضائل و محامد کا نمونہ، پاکیزہ اخلاق کے پیکر اور علوم و اسرار کے مخزن تھے۔ امیر المومنینؑ نے ان لوگوں کو اپنے چشمۂ علم سے پوری طرح سیراب کیا اور ایسے رُموز و اسرار کا اُنھیں امین بنایا جن کا حامل بننے کی دوسروں میں صلاحیت نہیں تھی۔ ان لوگوں نے ظاہری و باطنی علوم، خلقی و نفسی فضائل و مکارم اپنے دامن میں سمیٹ لئے تھے۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ پہلے دَور کے یگانۂ روزگار اور منتخب صحابۂ کرام نے امیر المومنینؑ کے پاکیزہ افعال اور خصائلِ حمیدہ سے کیوں کر استفادہ کیا اور رُموز و اسرارِ علم کس طرح حاصل کئے جس کی وجہ سے اُن کے نفوس میں ایسی تابندگی پیدا

ہو گئی کہ وہ ملائکۂ مقربین سے ٹکر لینے لگے اور ملاءِ اعلیٰ کے ملائک اُن کے کمالِ ذات وصفات پر غبطہ کرنے لگے جب کہ امیر المومنینؑ بحالت بے بسی ولاچارگی تھے۔ گھر میں گوشہ نشیں، نہ آپ لوگوں سے ملتے نہ کوئی دوسرا آپ سے ملنے آتا۔ اسی طرح دوسرے دور میں مومنین صالحین کو کیوں کر اس کا موقع ملا کہ امیر المومنینؑ سے علومِ الٰہیہ اور فضائل علویہ کا اس طرح اکتساب کریں کہ وہ اس قابل بن جائیں کہ امیر المومنینؑ اُنھیں مخفی رُموز و اسرار کا امانت دار بنائیں اور اپنی پاکیزگی و صفائی نفس کی بدولت وہ ملائکہ کے ہمسر ہو گئے جب کہ امیر المومنینؑ کے شب و روز لڑائیوں میں گزرے۔ آپ کی خلافت کا زمانہ بہت مختصر گزرا۔ اتنا وقت ہی نہیں ملا کہ یکسوئی خاطر سے تعلیم وتعلّم کے منازل طے ہو سکیں۔ بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ امیر المومنینؑ کی انتہائی مسیحا نفسی تھی اور پرورش و پرداخت پر غیر معمولی قدرت تھی نیز ان مومنین میں خود ذاتی طور پر ایسی صلاحیت واستعداد تھی کہ تھوڑی ہی مدّت آپ کی صحبت میں رہ کر وہ ہدایت وارشاد کا مجسمہ بن گئے جس طرح چراغ چراغ سے مل کر روشن ہو اُٹھے۔

میثم تمّار پر حضرت علیؑ کے اخلاقیات کے اثرات:

بنی نوعِ انسان بھی کانوں میں بٹے ہوئے ہیں جس طرح سونے کی کان ہوتی ہے، چاندی کی کان ہوتی ہے اُسی طرح لوگوں کی کان بھی ہوتی ہے۔ سونے کی کان سے سونا ہی نکلے گا، چاندی نہیں اسی طرح چاندی کی کان سے چاندی ہی نکلے گی سونا نہیں۔ **والبلد الطیب یخرج نباته باذن ربه**

بے شک مٹی اور نگہداشت و پرورش کا بھی معدن کی سُرعت یا تاخیر نمو میں اور پاکیزگی یا گندگی میں بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو سونا صاف کرنا آتا ہے وہ ایسا صاف کر ڈالتے ہیں کہ ماہر کاری گر جیسا جی چاہے اُس سے زیور بنا

ڈالے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نہ تو صرف زمین کی زرخیزی پیداوار کی عمدگی کے لئے کافی ہے اور نہ صرف تربیت ونگہداشت اور صناعی وکاری گری کسی چیز کو عمدہ و نفیس بنا سکتی ہے۔ کسی چیز کی اچھائی یا خرابی کے لئے زمین اور تربیت ونگہداشت دونوں ہی برابر کی ذمے دار ہیں۔ چاندی بڑے سے بڑے کاری گر کے ہاتھ میں جانے کے بعد چاندی ہی رہے گی سونا نہیں بن سکتی اسی طرح اگر کاری گر ماہر نہ ہوتو کان سے نکلنے والا ہیرا بھی معمولی پتھر سمجھا جاتا ہے۔

میثم تمار کی پاکی طینت اور امیر المومنینؑ کی بہتریں تربیت نے اُنھیں ہر پاکیزہ خصلت کا نمونۂ کامل بنا دیا تھا۔ بہت سے اچھے خاندان اور بہترین نسل کے افراد ایسے ملیں گے جنھیں کسی باکمال کی تربیت ونگہداشت نصیب نہیں ہوئی اسی لئے اُن سے وہ نفاست وپاکیزگی ظاہر نہیں ہوئی نہ اُن کی ذات سے دنیا کو کوئی فائدہ پہنچا۔ بہت سے کم اصل اور خبیث معدن کے افراد ملیں گے کہ اُنھیں تربیت سُدھارنے میں قاصر رہی اور اُن کی بدبو پھیل کر رہی۔ کڑوے پھل کے درخت کو لاکھ قیمتی خوشبو یا شہد سے نہلا دیا جائے مگر جب بھی اُن کا پھل آئے گا کڑوا ہی آئے گا۔

امیر المومنینؑ کے اصحاب میں مالک اشتر تھے اور اشعث بن قیس بھی دونوں بہت بڑے سردار اور اپنے قوم و قبیلے کے مانے ہوئے قائد تھے۔ یہ دونوں امیر المومنینؑ کی صحبت میں رہے۔ آپ کی لڑائیوں میں شریک ہوئے اور آپ کی طرف سے لڑائی لڑی لیکن چوں کہ مالک اشتر کی طینت پاکیزہ تھی اور اشعث بدسرشت اور خبیث طینت کا تھا اس لئے مالک اشتر کو امیر المومنینؑ کی صحبت اور تعلیمات سے بیش از بیش فائدہ پہنچا اور اشعث بن قیس پر ساری ریاضت ومحنت رائیگاں گئی۔

تربیت دینے والے نے تربیت دینے میں کوئی کمی نہیں کی۔ نہ اُس کی مہارت میں کسی کو کلام ہوسکتا ہے مگر اس کو کیا کیا جائے کہ بڑے سے بڑا ماہرِ فن کار بھی پیتل کو سونا نہیں بنا سکتا نہ کنکر و پتھر کو ہیرا بنا سکتا ہے۔

اگر امیر المومنینؑ جیسا مربی نہ ملتا تو مالک اشتر، مالک اشتر نہ ہوتے اور اگر مالک اشتر پاک طینت نہ ہوتے تو امیر المومنینؑ کی ریاضتیں اس طرح بارآور نہ ہوتیں جیسا کہ ہوئیں ورنہ اشعث بھی ویسا ہی کیوں نہ بن گیا جیسا امیر المومنینؑ بنانا چاہتے تھے۔ یہ بھی تو آپ کے ہمراہیوں میں تھا بلکہ آپ کے لشکر کا ایک سردار تھا۔ امیر المومنینؑ کے لشکر میں مالک اشتر جیسے بھی بہت سے تھے اور اشعث جیسے بھی بہت جن کی طینت پاکیزہ تھی اُنھوں نے اس سرچشمۂ فیض کی قربت سے فیض اُٹھایا اور جن کی طینت خبیث تھی وہ اس سرچشمے کے قریب رہ کر بھی محروم رہے۔

پاکیزہ اور خوشبودار کے پہلو میں آ کر مُردار کی بدبو اور بڑھ جاتی ہے اُسی طرح میٹھے پانی کے قریب کھارے پانی کا کھاراپن اور زیادہ ہوجاتا ہے۔ پیتل کا عیب سونے کے قریب آ کر کُھل جاتا ہے۔ اسی طرح نفیس چیز کی نفاست و عمدگی اُس وقت ظاہر ہوتی ہے جب خراب و واہیات چیز کے مقابلے میں رکھ کر دیکھی جائے۔ مشک کی خوشبو کا احساس ہمیں کب ہوسکتا تھا اگر مُردار کی بدبو کا احساس نہ ہوتا، سونے کی قدر و قیمت کب معلوم ہوسکتی تھی اگر پیتل کی ناقدری ہمیں نہ معلوم ہوتی، ہیرے جواہرات کی گراں قدری ہمیں کب معلوم ہوتی اگر کنکر پتھر کی ناقدری نہ ظاہر ہوتی اسی طرح مالک اشتر، میثم تمار، اویس قرنی، قیس بن سعد اور امیر المومنینؑ کے دیگر نیکوکار صحابہ کی بلندیٔ منزلت اور پاکی طینت کو ہم کب اچھی طرح سمجھ سکتے تھے اگر اشعث، زیاد، ابن ملجم اور شمر جیسوں کی خباثت اور کمینگی ہم پر ظاہر نہ ہوجاتی۔ گھٹیا اور بے قیمت چیزوں ہی سے نفیس اور گراں بہا چیزوں

کی تمیز نہیں ہوتی بلکہ نفیس چیز بھی گھٹیا چیز کی بے قدری ظاہر کرنے کو کافی ہے۔ وہ کب؟ جب کہ دونوں چیزیں ایک جگہ اکٹھا ہو جائیں اور دونوں کا باہمی موازنہ کیا جائے۔ اگر بلند تر چیز نہ ہوتی تو گھٹیا چیز کا گھٹیا پن نہ معلوم ہوتا اور اگر گھٹیا چیز نہ ہوتی تو نفیس چیز کی نفاست ظاہر نہ ہوتی۔

میثمِ تمار کا تذکرہ بزمِ رسالت میں:

حضرت رسولؐ خدا اکثر اوقات تنہائی میں علی ابن ابی طالبؑ سے راز کی باتیں کیا کرتے اور وہ کون سی راز کی باتیں ہوا کرتیں، کن باتوں کی آپ اُنھیں وصیت کرتے اس کو کون جان سکتا ہے۔ پیغمبرؐ اور علیؑ ایک جان دو قالب تھے۔ علیؑ بمنزلۂ نفس پیغمبرؐ تھے ان دونوں کا علم ایک تھا، علم کے خزانے دو تھے۔ ان دونوں میں بس فرق نبوت کا تھا۔ "یا علی علیہ السلام انت منّی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی"۔ آپ کی ازواج تک کو ان باتوں کی خبر نہیں ہوتی تھی جو علیؑ و پیغمبرؐ میں ہوا کرتیں۔ سوا وصی پیغمبرؐ کے پیغمبرؐ کے علوم کا حامل ہو بھی کون سکتا تھا؟

حدیث میں وارد ہوا ہے "ان حدیثنا صعب مستصعب لا تحمله الا نبی مرسل او ملك مقرّب او مومن امتحن الله قلبه للایمان"

''ہماری حدیثیں بہت سخت و دشوار ہیں اُن کا متحمل بس نبی مرسل ہو سکتا ہے یا ملکِ مقرب یا ایسا مومن جس کے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے پرکھ لیا ہو''۔

ہاں کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض راز کی باتیں یا امیر المومنینؑ کو پیغمبرؐ کی وصیتیں بعض ازواج کے کانوں تک پہنچ گئیں جن کے سُن لینے میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔ اگر پیغمبرِ خدا کو معلوم ہوتا کہ ہماری راز کی باتیں سننے والی بیوی ان باتوں کے

تحمل کی صلاحیت نہیں رکھتی تو یقیناً پیغمبرؐ خدا وہ باتیں کرتے وقت اُن کو دُور ہٹا دیتے یا اتنی مخفی طور پر وہ گفتگو کرتے کہ اس کی بھنک تک کسی کے کان میں پہنچنے نہیں پاتی۔

جناب اُمّ سلمہ جیسی پاک و پاکیزہ کردار زوجۂ پیغمبر نے علیؑ و پیغمبرؐ کی مخفی گفتگو کے بعض فقرے سن لئے تھے منجملہ ان باتوں کے پیغمبرؐ کی وہ وصیت بھی تھی جو آپ نے میثم کے متعلق امیر المومنینؑ کو فرمائی۔ جناب میثم نے حج کا ارادہ کیا جب اُمّ سلمہ سے ملنے آئے تو آپ نے فرمایا میں نے اکثر و بیشتر رات کے سناٹے میں رسولؐ اللہ کو تمہارا ذکر اور علیؑ سے تمہارے متعلق وصیت کرتے سُنا۔

جناب اُمّ سلمہ کے ان لفظوں سے صریحی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ میثم کا تذکرہ اور اُن کے متعلق پیغمبرؐ کی تاکیدیں کئی مرتبہ عمل میں آئیں۔ جناب اُمّ سلمہ کی تصدیق امیر المومنینؑ کے اس فقرے سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے میثم سے پہلی ملاقات کے موقعے پر کہا تھا:

"مجھے رسولؐ اللہ نے بتایا ہے کہ عجم میں تمھارے باپ نے تمہارا نام میثم رکھا تھا"۔

تو میثم کی یہ شان منزلت تھی کہ پیغمبرؐ خدا نے رات کے سناٹے میں اُن کا کئی مرتبہ ذکر کیا اور اُن کے فضل و شرف اور بلندیِ مرتبہ کا یہ عالم تھا کہ آپ نے امیر المومنینؑ کو اُن کے متعلق وصیتیں فرمائیں۔ پیغمبرؐ خدا کے بعد کے آنے والوں میں ہمیں تو گنتی کے دو چار افراد ہی ایسے ملتے ہیں جن کا ذکر پیغمبرؐ خدا کی زبان پر آیا ہو جیسے زید بن صوحان، اویس قرنی، میثم تمار وغیرہ حالانکہ بعد کے آنے والے مسلمانوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی اور اُن میں مجاہدین و علماء صالحین بھی اچھی خاصی تعداد میں ہوئے۔

میثمِ تمار نے حضرت علیؑ سے اکتسابِ علم کیا:

میثم کو امیر المومنینؑ سے وہی نسبت تھی جو جناب سلمان فارسی کو پیغمبرؐ خدا سے تھی۔ جناب سلمان مدینے کی ایک یہودی عورت کے غلام تھے۔ پیغمبرؐ خدا نے منہ مانگی قیمت دے کر اُنھیں خرید لیا۔ اُنھیں اتنا تقرب اور نزدیکی بخشی کہ وہ پیغمبرؐ کے اہلِ بیتؑ میں شمار ہونے لگے اور سلمان فارسی سے سلمانِ محمدی ہو گئے۔ میثم بھی کوفے کی ایک بنی اسد کی خاتون کے غلام تھے۔ امیر المومنینؑ نے اُنھیں خرید کیا، آزاد کر کے اپنا مقربِ خاص بنا لیا۔ ابنِ زیاد نے اُنھیں محض اسی تقرب اور صحابی امیر المومنینؑ ہونے اور آپ کی محبت میں مشہور ہونے کے سبب قتل کیا۔ ابنِ زیاد نے اُنھیں قتل کرتے وقت کہا تھا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم سب سے زیادہ علیؑ کے چہیتے تھے۔

سلمان نے پیغمبرؐ خدا سے اکتسابِ علم کیا یہاں تک کہ وہ علم میں تمام صحابہ سے بڑھ گئے۔ پھر پیغمبرؐ خدا کی رحلت کے بعد امیر المومنینؑ سے اکتساب کیا۔ اسی طرح میثم نے امیر المومنینؑ سے اتنا علم حاصل کیا کہ آپ کے صحابہ میں بلحاظِ علم سب پر فوقیت کے حامل ہوئے پھر امیر المومنینؑ کی رحلت کے بعد آپ کے فرزند امام حسنؑ و امام حسینؑ سے اکتساب علم کیا۔

سلمان کی پہلی ملاقات پیغمبرؐ سے مدینے میں ہوئی اور میثم کی امیر المومنینؑ سے پہلی ملاقات کوفے میں ہوئی۔ سلمان کو بھی بہت تھوڑا عرصہ ملا پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر رہنے کا اور میثم کو بھی امیر المومنینؑ کی خدمت میں رہنے کا کم موقع ملا بلکہ میثم کو تو جناب سلمان کے مقابلے میں اور بھی کم موقع ملا اس لئے کہ پیغمبرؐ خدا مکے سے مدینے آ کر دس برس حیات رہے اور امیر المومنینؑ کوفے آ کر صرف چار برس زندہ رہے۔ انتہائی حیرت کی بات یہ ہے کہ اتنی مختصر مدت میں امیر المومنینؑ

نے میثم کو کس طرح اتنے علوم کا حامل بنا دیا یہی کہنا پڑے گا کہ میثم کی طینت پاکیزہ تھی اور علیؑ جیسا اُستاد اُنھیں نصیب ہوا۔ طینت جب پاکیزہ ہو تو رسولؐ یا وصی رسولؐ کی گھنٹے بھر کی تعلیم بھی بہترین نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ آپ نے امیرالمومنینؑ کا یہ ارشاد سُنا ہی ہوگا کہ :-

رسولؐ اللہ نے مجھے علم کے ہزار باب تعلیم کئے اور ہر باب سے ہزار باب خود مجھ پر منکشف ہو گئے۔ رسولِ خدا نے مختصر مدت میں کیونکر اتنے ابواب علم کے علیؑ کو تعلیم کئے اور علیؑ نے باوجود ان ابواب کی انتہائی وسعت کے کیونکر مختصر مدت میں حاصل بھی کر لئے۔ بس یہی کہنا پڑے گا کہ یہ علیؑ کی صلاحیت تھی اور وہ پیغمبرؐ کی انتہائی قدرت تھی زیورِ علم سے آراستہ کرنے کی۔

امیرالمومنینؑ مسجد سے چل کر میثم کی دکان پر تشریف لاتے۔ میثم کھجوریں بیچا کرتے اور امیرالمومنینؑ اُن سے مصروفِ گفتگو ہوا کرتے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ آپ میثم کو کسی کام سے بھیج دیتے اور اُن کی غیر موجودگی میں کوئی خریدار آتا تو میثم کی جگہ خود اُسے کھجوریں تول کر دے دیتے۔ ایک دن اسی طرح میثم کی عدم موجودگی میں آپ نے کسی خریدار کو کھجور تول کر دی اور خریدار کھوٹا سکہ دے کر چلتا بنا۔ امیرالمومنینؑ نے فرمایا کھجوریں وہاں جا کر کڑوی ہی نکلیں گی۔ تھوڑی ہی دیر میں گاہک کھجوریں لے کر واپس آیا کہ یہ تو کڑوی ہیں۔ امیرالمومنینؑ نے اُس کا کھوٹا درہم اُسے واپس کر دیا۔ (بحارالانوار جلد ۹، ص ۵۷۳، بحوالہ مناحب شہرابن آشوب)

کتنا عظیم المرتبت تھا یہ امام اور کتنا عظیم المرتبت تھا یہ ماموم۔ امام بازار میں ایک راعیت کی دکان پر بیٹھے ہیں اور اُس کی طرف سے کھجوریں فروخت کرتے ہیں۔ یہ امام کی تواضع کی انتہا اور اہل ایمان وعلم کے ساتھ محبت ومہربانی کی بہترین مثال تھی۔

اور ماموم ایسا رفیع المنزلت کہ امامِ وقت اور بادشاہِ زمانہ اُس کے پاس بیٹھتا ہے حالانکہ اُن کی حیثیت ایک کھجور بیچنے والے سے زیادہ کی نہ تھی۔ شہر میں اُنھیں نہ کوئی خاص وجاہت حاصل تھی نہ کسی بڑے قبیلے کے تھے بلکہ وہ تو ایک آزاد کردہ غلام تھے۔

امیر المومنینؑ اُنھیں پاکیزہ علوم تعلیم فرماتے، اُنھیں اسرار کی باتوں پر مطلع کرتے یہاں تک کہ آپ اکثر و بیشتر ابنِ زیاد کے اُن ہولناک مظالم کا تذکرہ کرتے جو اُن پر وہ اپنے زمانے میں ڈھانے والا تھا اور جناب میثم کہا کرتے راہِ خدا میں یہ سب بہت کم ہے۔

امیر المومنینؑ جب تنہائی میں مناجات فرماتے یا رات کے وقت صحرا کی طرف نکلتے تو میثم آپ کے ساتھ ہوتے اور آپ کی دعائیں اور مناجات سنتے۔

(بحار الانوار، جلد ۹، ص ۴۷۳)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ میثم کو آپ سے خاص خصوصیت حاصل تھی اور امیر المومنینؑ اُنھیں ایسی باتوں سے آگاہ کرتے جن باتوں سے کسی کو آگاہ نہ فرماتے۔ تنہائی اور مناجات کے وقت امیر المومنینؑ کے پاس بس وہی ہو سکتا تھا اور آپ کا انداز تعبد اور خضوع و خشوع وہی مشاہدہ کر سکتا تھا جس کا ایمان و یقین مضبوط ہو، جو سراسیمگی و اضطراب کا شکار نہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے اوقات میں امیر المومنینؑ بس گنتی کے دو چار ہی اصحاب کو اپنے پاس رکھتے جیسے میثم، کمیل بن زیاد اور انھیں جیسے دو ایک حاملین اسرار صحابۂ کرام۔

امام حسنؑ و حسینؑ بھی میثم کے ساتھ والد بزرگوار ہی جیسا برتاؤ کرتے بس فرق اتنا ہوا کہ امیر المومنینؑ کی شہادت کے چند ہی مہینوں کے بعد امام حسنؑ و حسینؑ مدینے چلے گئے اور میثم کوفے میں رہ گئے۔ بہت ممکن ہے کہ کوفے میں اُن کا

قیام ان دونوں شاہزادوں کے حکم ہی سے ہو کیوں کہ کوفے والے میثم کے زیادہ اطاعت گزار اور اُن کی باتوں کو گوشِ دل سے سُنا کرتے۔ اگر میثم اور انھیں جیسے دوسرے امیر المومنینؑ کے اصحاب نہ ہوتے جنھوں نے امیر المومنینؑ کے فضائل و مناقب کی نشر و اشاعت میں اپنی تمام توانائیاں صرف کر ڈالیں تو بہت ممکن ہے کہ دشمنانِ امیر المومنینؑ آپ کے فضائل و مناقب چھپانے میں کسی حد تک کامیاب ہوجاتے۔

میثم تمار اور معرفتِ اہلِ بیتؑ:

میثم نے اپنے امام کو پہچانا، اُن کی اطاعت کی جس طرح اپنے پروردگار اور رسولؐ کی معرفت حاصل کر کے اُن کے اوامر ونواہی کے پابند ہوئے۔ امام کی اطاعت جبھی کی جب دل سے اُن کو دوست رکھا اور اُنھیں اپنی جان کا مالک و مختار سمجھا۔ میثم اُن صاحبانِ معرفت میں سے تھے جنھیں بخوبی اس کی واقفیت تھی کہ امامت کیا چیز ہے اور کون امام برحق ہے۔ یہ سمجھ لینے کے بعد کہ امامت کیا ہے اور کون سزاوارِ امامت ہے وہ علی الاعلان امامت کا چرچا کرتے۔ وہ بڑی سے بڑی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لائے حتیٰ کہ اپنی جان کی بھی اُنھیں پروا نہیں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ خدا اور امیر المومنینؑ کے بعد ائمۂ طاہرین برابر اُن کا ذکر کیا کیے اور مدح و ستائش بھری نظمیں اُن کے بارے میں کہیں۔ جناب اُمّ سلمہ نے میثم سے امام حسینؑ کے متعلق کہا کہ وہ برابر تمھیں یاد کیا کرتے تھے۔ (رجال کشی) امام محمد باقر فرمایا کرتے "انی لا حبّہ حبا شدید" ''میں اُنھیں حد سے زیادہ دوست رکھتا ہوں''۔ (خلاصۃ)

امام جعفر صادق علیہ السلام اُن کے لئے دعائے رحمت کیا کرتے اور اکثر اُن کا ذکر آپ کی زبان پر آیا کرتا۔ ظاہر ہے کہ امام ایسے ہی شخص کے متعلق دعائے

رحمت کر سکتے تھے جس کا ایمان ثابت اور جس کا علمی درجہ بہت بلند ہو۔

یہ درجہ و منزلت تھی میثم کی ائمۂ اہلبیتؑ کے نزدیک جیسا کہ خود میثم کے دل میں ان ائمۂ طاہرین کی قدر و منزلت تھی۔ انھیں ائمۂ طاہرین کی محبت میں اُنھوں نے جان دینا اور سُولی پر چڑھنا گوارا کیا اور اظہارِ برأت کرنے کے مطالبے کو ٹھکرا دیا۔

میثم تمار حضرت علیؑ کے عزیز ترین شاگرد تھے:

شاگرد علم میں اپنے استاد کی مثال ہوا کرتا ہے علم ہی میں نہیں بلکہ اخلاق و مکارم میں بھی اس کا نمونہ ہوا کرتا ہے۔ استاد اپنے شاگرد میں اپنی رُوحانی و علمی زندگی دیکھتا ہے اور اُسے اپنے فضائل و کمالات کا مظہر سمجھتا ہے۔

امیر المومنینؑ میثم کو حد سے زیادہ محبوب رکھتے تھے اور محبوب رکھنا بھی چاہئے تھا کیونکہ میثم آپ کے علم و عمل، ارشاد و ہدایت اور رفتار و گفتار کا نمونہ تھے، آپ کے پاکیزہ اخلاق اور خیر و صلاح کا نمونہ تھے۔ میثم ہی جیسے اصحاب کے ذریعے حجت قائم، دین سر بلند اور شریعت زندہ ہوئی۔ وہ آپ کی درس گاہ کے ہونہار شاگرد، آپ کے علوم کے حامل، آپ کے رُموز و اسرار کا مخزن تھے۔ ایسے رُموز و اسرار جن کا متحمل بس وہی شخص ہوسکتا ہے جس کے ایمان کو اللہ نے پرکھ لیا ہو۔

امیر المومنینؑ میثم کو اتنی اہمیت دیتے، اتنی عزت و توقیر فرماتے کہ بازار میں اُن کے پاس بیٹھا کرتے۔ آنے جانے والے آپ کو دیکھتے کہ آپ اُن سے مصروفِ گفتگو ہیں، اُن کو تعلیم فرما رہے ہیں، علومِ الٰہیہ سے اُنھیں فیض یاب کر رہے ہیں۔ اہلِ علم و دیندار مومنین کی امیر المومنینؑ کی نگاہوں میں وہ قدر و منزلت تھی اور اسی طرح اُن سے پیش آتے جیسے اُنھیں میں سے ایک ہوں۔ آپ اُن کے پہلو بہ پہلو بیٹھتے اور ہر بات میں اُن کو اپنے برابر کا درجہ دیتے۔

میثم تمار کا علم:

خداوند عالم اور اہلِ ایمان کے نزدیک کوئی شخص علمِ دین ہی کی وجہ سے سربلند وسرفراز ہوتا ہے جس کا جتنا علم ہوگا اُسی لحاظ سے اُس کا درجہ ہوگا۔ میثم دین و شریعت کے بیش از بیش علوم کے حامل ہونے اور علم کے مطابق عمل کرنے ہی کی وجہ سے سربلند ہوئے۔ "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" اُن کا بے پایاں علم اور امیر المومنینؑ سے اکتساب و استفادہ باوجود کہ بہت مختصر مدت اس کے لئے اُنھیں ملی صرف اس وجہ سے تھا کہ اُن کی طینت پاکیزہ تھی اور مبداء فیض کی طرف سے صلاحیت واستعداد لے کر آئے تھے۔

میثم کا علمی درجہ کتنا بلند تھا اس کا اندازہ اُن کے فرزند صالح کی اس روایت سے ہوتا ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقرؑ سے درخواست کی کہ آپ مجھے حدیث کی تعلیم دیجئے۔ امام نے فرمایا کیا تم نے اپنے باپ سے حدیثیں نہیں سنیں۔ صالح نے کہا نہیں میں اُن کی زندگی میں بہت کمسن تھا۔ امام محمد باقرؑ کا صریحی مطلب یہ تھا کہ میثم نے امیر المومنینؑ سے اتنے علوم حاصل کئے تھے کہ اگر صالح کو اُن سے استفادے کا موقع ملتا تو اُنھیں کسی اور کے پاس جانے کی ضرورت نہ ہوتی۔

حضرت علیؑ نے علم المنایا والبلایا میثم تمار کو عطا کردیا:

ارشادِ الٰہی ہے "ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیء" ہم نے اے پیغمبرؐ آپ پر قرآن مجید ہر چیز کی وضاحت کے لئے نازل کیا یہ امر ثابت و مسلّم ہے کہ قرآنِ مجید کا پورا علم آئمۂ اہلبیت علیہم السلام کو حاصل تھا۔ اہلبیتِ پیغمبرؐ کتاب خدا کے ہمسر اور اُس کے عالم تھے اس بنا، پر اہلبیتؑ ہر چیز

کے عالم ٹھہرے۔ اُن کے علم کا نہ اندازہ ہی کیا جا سکتا ہے نہ حد بندی ہی ممکن ہے۔ اُنھوں نے جس میں صلاحیت و استعداد پائی اُسے علم سے فیض یاب کیا۔ "لو وجدنا اوعیۃً لقلنا" اگر ہم علم کی حفاظت کرنے والے ظرف پاتے تو ہم بیان کرتے۔ میثم اُنھیں محفوظ رکھنے والے ظروف میں سے تھے اسی لئے امیر المومنینؑ نے اُنھیں قیمتی علوم اور مخفی اسرار کا امانت دار بنایا۔ منجملہ ان علوم کے علم منایا و بلایا بھی ہے یعنی موتوں کا علم اور اُن واقعات و حادثات کا علم جن میں آئندہ لوگ مبتلا ہونے والے تھے۔ امیر المومنینؑ نے اپنے خاص الخاص اصحاب کو اس علم سے بہرہ مند کیا۔ چنانچہ رشید ہجری، حبیب بن مظاہر، محمد بن ابی بکر، اویس قرنی، عمار بن یاسر، عمرو بن حمق خزاعی، کمیل بن زیاد اور انھیں جیسے بعض دوسرے صحابہ کسی حد تک اس علم کے حامل ہوئے۔

میثم بھی اس علم کے امانت داروں میں سے تھے اُنھیں معلوم تھا کہ اُنھیں کون قتل کرے گا، کب قتل کرے گا اور کیوں کر قتل کرے گا۔ وہ صرف اپنی ہی پیش آنے والی مصیبتوں سے آگاہ نہ تھے بلکہ دوسروں پر جو پیش آنے والی تھیں اُن کا بھی اُنھیں علم حاصل تھا۔ چناں چہ بنی اسد کی بزم میں اُن کی ملاقات حبیب بن مظاہر سے ہوئی۔ دونوں دیر تک راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے۔ سلسلۂ گفتگو میں حبیب بن مظاہر نے کہا میں ایک پیشانی پر کم بال والے، پُرشکم شخص کو دیکھ رہا ہوں جو دار الرزق کے پاس خربوزے بیچا کرتا ہے۔ وہ اہلِ بیتؑ پیغمبر کی محبت میں لکڑی پر سولی دیا جائے گا اور اس کا پیٹ چاک کر ڈالا جائے گا۔ میثم نے کہا میں بھی ایک سُرخ رنگ کے انسان کو دیکھا رہا ہوں جو پیغمبرؐ کے نواسے کی نصرت میں نکلے گا اور قتل کیا جائے گا۔ کوفے میں اُس کے سر کی تشہیر ہوگی۔ یہ باتیں کر کے وہ دونوں اپنی اپنی راہ لگے۔ اس موقعے پر دوسرے لوگ جو ان

دونوں کی باہمی گفتگو سُن رہے تھے ہنسے اور مذاق اُڑانے لگے۔ ان لوگوں نے کہا۔ ان دونوں شخصوں سے بڑھ کر جھوٹا ہم نے نہیں دیکھا۔ ابھی مجمع پراگندہ نہیں ہوا تھا کہ رشید ہجری ان دونوں کو پوچھتے آ پہنچے۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ ایسی ایسی باتیں کر کے اپنی اپنی راہ گئے۔ رشید نے کہا خدا رحم کرے میثم پر وہ یہ بات بھول ہی گئے کہ حبیب بن مظاہر کا سر لانے والے کی تنخواہ میں سو روپے کا اضافہ بھی ہوگا۔ حاضرین نے کہا خدا کی قسم یہ ان دونوں سے بھی بڑھ کر جھوٹے نکلے مگر تھوڑے ہی دن گزرے ہوں گے کہ یہ ساری باتیں پیش آ کر رہیں۔ (رجال کشی)

ایک مرتبہ میثم امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ آپ سو رہے ہیں۔ اُنھوں نے بہ آواز بلند کہا۔ اے سونے والے اُٹھئے خدا کی قسم آپ کی ریشِ مبارک آپ کے سر کے خون سے رنگین ہوگی۔ (رجال کشی)

میثم کا مطلب یہ نہ تھا کہ امیر المومنینؑ اس بات سے ناواقف تھے اور میثم آپ کو خبر دے رہے تھے۔ میثم نے تو جو کچھ علم حاصل کیا، آپ ہی سے حاصل کیا تھا۔ اُن کا مطلب یہ تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ امیر المومنینؑ کے ساتھ کیا حادثہ پیش آنے والا ہے اور میثم کی معلومات کا بھی لوگوں کو اندازہ ہو جائے تاکہ لوگ اُن کی معلومات سے فائدہ اُٹھائیں اور اُن کی تعلیمات سے مستفید ہوں۔ اُن کی علمی منزلت کب ظاہر ہوتی اگر وہ ان معلومات کا اظہار نہ کرتے۔ جناب مسلمؑ کی شہادت کے بعد کوفے کے کچھ شیعہ اور میثم و مختار ایک ہی ساتھ ابن زیاد کی قید میں تھے۔ میثم نے مختار کو بتایا کہ تم عنقریب رہا ہو جاؤ گے اور ابنِ زیاد کو قتل کرو گے۔ تمہارے قدم اُس کی پیشانی اور رُخساروں کو روندیں گے۔

ابنِ زیاد نے جس دن مختار کو قتل کرنے کے لئے قید خانے سے نکالا، ٹھیک اسی دن یزید کے پاس سے قاصد ابنِ زیاد کے نام یہ فرمان لے کر پہنچا کہ مختار کو رہا

کردو۔ مختار کو رہائی ملی اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ تمام باتیں رُونما ہو کر رہیں جو میثم نے بتائی تھیں (شرحِ نہج البلاغہ، جلد ۱، ص ۲۱۰)

صالح بن میثم بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابو خالد تمار نے بتایا میں میثم تمار کے ساتھ بدھ کے دن دریائے فرات میں کشتی پر تھا اتنے میں ہوا تیز چلنے لگی۔ میثم نے ہوا دیکھ کر کہا کشتی کو باندھ دو کہ آندھی چلنے والی ہے۔ اسی وقت معاویہ کی موت ہوئی۔ دوسرا بدھ آنے پر شام سے ایک قاصد پہنچا۔ میں نے اُس سے مل کر خبر پوچھی۔ قاصد نے کہا معاویہ مر گیا اور لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی۔ میں نے پوچھا معاویہ کس دن مرا اُس نے بتایا کہ بدھ کے دن۔

میثم کی یہ واقفیت حیرت انگیز نہیں جب کہ ہم بہت سی باتوں سے اُن کی واقفیت کا ذکر کر چکے ہیں اور یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ امیر المومنینؑ نے اُنھیں مخفی اسرار تعلیم کئے تھے۔ ممکن ہے، بہت سے لوگوں کو میثم کی ان معلومات پر حیرت ہو بلکہ میثم کے استاد اور مربّی امیر المومنینؑ پر وہ حیرت کریں جنھوں نے میثم کو ان باتوں کی تعلیم دی تھی۔ مگر یہ حیرت اُنھیں لوگوں کو ہو سکتی ہے جو یہ بھول جائیں کہ امیر المومنینؑ تمام لوگوں سے زیادہ کتابِ خدا کے عالم تھے۔ جو یہ بات بھول جائیں کہ کتاب خدا ہر چیز کی وضاحت اور تصریح بن کر نازل ہوئی ہے جنھیں اس بات کا یقین نہ ہو کہ کتابِ خدا کا عالم ہر چیز کا عالم ہوتا ہے، جو اس بات کا یقین نہ رکھیں کہ امیر المومنینؑ علوم و اسرار ودیعت کرنے کے لئے جس کسی کا ظرف اچھا پاتے ضرور ودیعت کرتے تا کہ علم کی لوگوں میں اشاعت ہو۔ خود یہی میثم جب سولی پر چڑھائے گئے تو بہ آوازِ بلند کہا "لوگو: جو شخص علی ابن ابی طالبؑ کی مخفی حدیثیں سننا چاہے وہ میرے قتل کئے جانے سے پہلے آ کر سن لے خدا کی قسم میں قیامت تک کے پیش آنے والے واقعات اور جتنے فتنے رُونما ہونے والے ہیں سب کی

خبر دے سکتا ہوں۔ یہ مخفی حدیث اور آئندہ پیش آنے والے واقعات سے واقفیت کیا چیز تھی؟ کیا یہ حادثات و واقعات اور اموات کا وسیع تر علم نہ تھا۔

میثم تمار کو حضرت علیؑ نے علمِ تاویل بھی عطا کیا:

سورۂ عمران کی آیت ہے:-

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ (سورۂ آلِ عمران آیت ۷)

"وہی وہ خدا ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی اس میں کی بعض آیتیں تو محکم (بہت صریح) ہیں وہی اصل کتاب ہیں اور کچھ متشابہ پس جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہ انھیں آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جو متشابہ ہیں تاکہ فساد برپا کریں اور اس خیال سے کہ انھیں اپنے مطلب پر ڈھال لیں حالاں کہ خدا اور اُن لوگوں کے سوا جو علم میں بڑے پائے پر فائز ہیں اُن کا اصلی مطلب کوئی نہیں جانتا"۔

اس آیت میں دو اہم باتوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ قرآن مجید میں کئی ایک متشابہ آیات ہیں۔ جن لوگوں کے دل میں کجی ہے، جو فتنہ و فساد برپا کرنا اور قرآن مجید کی اُس کی تنزیل کے برخلاف تاویل کرنا چاہتے ہیں وہ انھیں متشابہ آیتوں کے پھیر میں رہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہر شخص قرآن مجید کی آیات کی تاویل کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ تاویل کا اصل عالم اللہ تعالیٰ ہے اور وہ لوگ ہیں جن کے گھر میں قرآن نازل ہوا اور جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کیا۔ یہی لوگ راسخین فی العلم ہیں۔ آیاتِ قرآنی کی تاویل اور کون آیت محکم ہے اور کون متشابہ یہ بس راسخین فی العلم ہی بتا سکتے ہیں۔

پیغمبرؐ خدا نے اُن لوگوں کی نشان دہی بھی کر دی جو تاویل کے عالم اور راسخین فی العلم ہیں صرف اس لئے تاکہ پیغمبرؐ خدا کے اُٹھنے کے بعد ہر شخص اس کا دعوے دار نہ بن بیٹھے کہ آیات کی تاویل کا ہم بھی علم رکھتے ہیں، ہم بھی راسخین فی العلم ہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:-

"انی تارك فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی اهل بیتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلّوا ابعدی"

''میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑنے والا ہوں ایک خدا کی کتاب، دوسرے میرے اہلِ بیتؑ جب تک تم ان سے متمسک رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے

"وانهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض"۔

''یہ دونوں ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوں گے یہاں تک حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں گے۔

یہ حدیث ثبوت ہے اس بات کا کہ اہلِ بیت پیغمبرؐ ہی کے جانشین ہیں، وہ قرآن کے ہمسر ہیں، اُنھیں کو قرآن کا مکمل علم ہے اور صرف قرآن کا نہیں بلکہ ہر چیز کا۔ جب تک دنیا رہے گی وہ یونھی باقی رہیں گے اور وہ قیامت تک کے لئے ہادی ہیں لہٰذا علیؑ اور اُن کی نسل سے گیارہ امام ہی وہ لوگ ہیں جن کے پاس کتاب الٰہی کا علم ہے۔ اُنھوں نے پیغمبرؐ خدا سے علم حاصل کیا۔ پیغمبرؐ خدا نے اللہ تعالیٰ سے۔ دوسرے لوگ اپنے جیسے لوگوں سے علم حاصل کرتے ہیں برخلاف اہلِ بیت پیغمبرؐ کے کہ اُن کا سارا علم پیغمبرؐ خدا سے ماخوذ ہے۔

میثم تمار تفسیرِ قرآن کے بھی عالم تھے اور اُنھوں نے علم تفسیر امیر المومنینؑ سے حاصل کیا۔

ایک مرتبہ مدینے میں میثم اور عبداللہ ابن عباس کی ملاقات ہوئی میثم نے کہا

تفسیرِ قرآن کے متعلق جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لیجئے کیوں کہ میں نے امیر المومنینؑ سے پڑھا ہے اور آپ نے اُس کی تاویل کی مجھے تعلیم دی ہے۔ عبداللہ ابن عباس نے قلم و دوات منگایا تا کہ میثم جو کچھ بتاتے جائیں وہ لکھتے جائیں۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ لکھیں میثم نے اُن سے کہا آپ کا کیا حال ہوگا جب کہ آپ مجھے سولی پر لٹکا ہوا دیکھئے گا۔ ابنِ عباس نے کہا تم تو کاہنوں جیسی باتیں کرنے لگے (جو غیب کی خبریں بیان کیا کرتے ہیں) یہ کہہ کر انھوں نے کاغذ ہاتھ سے رکھ دیا۔ میثم نے کہا جلدی نہ کیجئے۔ میں جو کچھ بتاؤں اگر وہ حق بات ہو تو اُسے اختیار کیجئے گا ورنہ ترک کر دیجئے گا۔ پھر اُنھوں نے آیاتِ الٰہی کی وہ تفسیر بیان کی جو اُنھوں نے امیر المومنینؑ سے سُن رکھی تھی (رجال کشی، ص ۵۴)

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) میثم پورے قرآن کی تاویل کے عالم تھے جب ہی اُنھوں نے ابنِ عباس سے کہا تھا تفسیرِ قرآن میں جو کچھ پوچھنا ہے پوچھ لیجئے کیونکہ میں نے قرآن علی ابن ابی طالبؑ سے پڑھا ہے اور اُنھوں نے اس کی تاویل کی مجھے تعلیم دی ہے۔

(۲) میثم کو جو علم تھا وہ ابن عباس کو نہ حاصل تھا اسی لئے میثم جو کچھ بتاتے گئے ابن عباس لکھتے گئے۔ اگر ابن عباس کو بھی وہ باتیں معلوم ہوتیں تو اُنھیں لکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اسی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ میثم کا علم کچھ اور شان رکھتا تھا، اُن کی علمی منزلت کچھ اور تھی اور ابن عباس کی کچھ اور حالانکہ ابنِ عباس بھی امیر المومنینؑ ہی کے شاگرد تھے۔

(۳) میثم علم کے بلند درجے پر بھی فائز تھے اور قابلِ اعتماد و وثوق بھی تھے جبھی ابن عباس نے اُن کی بیان کردہ باتیں بغیر کسی تامل کے لکھ لیں۔

(۴) ابنِ عباس کو موتوں اور آنے والے حادثات و واقعات کا بالکل علم نہ تھا

ورنہ میثم کے یہ کہنے پر کہ اُس دن آپ کا کیا حال ہوگا جب آپ مجھے سُولی پر لٹکا دیکھئے گا وہ انکار نہ کرتے اور اُن کی اس پیشین گوئی کو کہانت نہ قرار دیتے۔ حالانکہ ابن عباس نے امیر المومنینؑ کو دیکھا بھی اور اس قسم کے رُموز و اسرار بیان کرتے بھی سُنا لیکن معلوم ہوتا ہے وہ ان علوم کے تحمل کی طاقت نہیں رکھتے تھے اسی لئے امیر المومنینؑ نے یہ مخفی علوم اُنھیں تعلیم کیے نہ کبھی ابن عباس نے اس بات کا دعویٰ ہی کیا کہ امیر المومنینؑ نے مجھے بھی ان مخفی رُموز و اسرار کی تعلیم دی ہے اور نہ اُن سے کبھی اس قسم کا علمی مظاہرہ ہی ہوا جس سے اندازہ ہوتا کہ وہ بھی اُن مخفی رُموز و اسرار کے عالم تھے۔

میثمِ تمار مخفی علوم کے امانت دار تھے:

پیغمبر خدا اور اہلِ بیت طاہرینؑ نے اپنی باتوں کو سخت و دشوار کہا ہے جن کا متحمل یا تو نبی مرسلؑ ہوسکتا ہے یا ملکِ مقرب یا وہ مومن جس کے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے آزمالیا ہو۔

یہ بات کوئی تعجب انگیز بھی نہیں کیوں کہ پیغمبرؐ و اہلِ بیت پیغمبرؐ بہت سی گونا گوں باتوں کے حامل تھے۔ کون انسان غرائب و عجائب کا متحمل ہوسکتا ہے، کون شخص ایسا ہے جو حیرت انگیز باتوں کو سُن کر بدحواس نہ ہو اور بے چوں و چرا تسلیم کرلے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں حبیب بن مظاہر، رشید ہجری اور میثم کی آپس کی گفتگو سُن کر کوفے والوں نے مذاق اُڑایا اور اُن کے مخفی علم کی باتیں سُن کر اُن کی تکذیب کی۔ حالانکہ وہ لوگ بخوبی واقف تھے کہ حبیب ابنِ مظاہر و میثم وغیرہ سعی علوم کے حامل ہونے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں، مگر چوں کہ عام لوگوں کی عقل و فہم اور اُن کے سوچنے سمجھنے کا انداز ان مخفی علوم کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا لہٰذا جو بات اُن کے معیارِ علم سے ذرا اونچی ہوتی اُس کا فوراً انکار کر دیتے۔ دوسروں کو کیا کہا جائے خود

ابن عباس بھی میثم کی باتیں سُن کر جھنجھلا اُٹھے تھے اور اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ اس مخفی علم سے خالی تھے جب کہ اُن کی صلاحیتوں میں کسی کو کلام نہیں۔ پھر وہ امیر المومنینؑ کے شاگرد بھی تھے۔ آج بھی بہت سے لوگوں پر یہ بات گراں گزرتی ہے کہ امیر المومنینؑ کو حوادث و واقعات کا اُن کے پیش آنے سے پہلے ہی کیوں کر علم حاصل تھا۔ مگر یہ لوگ یہ بات نہیں سمجھتے کہ امیر المومنینؑ کے علم کو اپنے پیمانے سے ناپنا انتہائی غلط ہے۔ ہم اگر کسی علم میں کورے ہوں تو یہ کب جائز ہے کہ ہم سرے سے اُس علم کا انکار کر دیں۔

میثم تمار کو آئندہ پیش آنے والی بہت سی باتوں کا علم تھا کون کب مرے گا، کس طرح مرے گا اُس کے متعلق بھی اُن کی معلومات بہت وسیع تھیں اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ حدیث صعب و مستصعب کے حامل اور اُن لوگوں میں سے تھے جن کے دل کو اللہ نے اچھی طرح آزما لیا تھا۔

صالح بن میثم کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا کہ میں بازار میں تھا کہ میرے پاس اصبغ بن نباتہ آئے۔ اُنھوں نے کہا میثم میں نے امیر المومنینؑ کو ارشاد فرماتے سُنا کہ ہماری باتیں بہت ہی سخت و دشوار ہیں۔ ان باتوں کا متحمل یا تو ملکِ مقرب ہو سکتا ہے یا نبی مرسل یا وہ مومن جس کے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے آزما لیا ہو۔ میثم کہتے ہیں کہ فوراً ہی اُٹھا اور امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی میری جان آپ پر قربان میں نے ایک بات ایسی سنی ہے جس سے میرا سینہ تنگی کرنے لگا ہے۔ آپ نے پوچھا وہ کیا۔ میں نے اصبغ کی بات دہرا دی۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا بیٹھو۔ یہ بتاؤ کیا ضروری ہے کہ علما ہر علم کے حامل ہوں؛ خداوند عالم نے ملائکہ سے کہا تھا "انی جاعل فی الارض خلیفه قالوا اتجعل فیها من یفسد فیها و یسفك الدماء" میں زمین پر

خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔ ملائکہ نے عرض کی کیا تو زمین پر ایسے کو خلیفہ بنا لے گا جو فتنہ و فساد کرے اور خوں ریزی کرے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ کیا ملائکہ تمام باتوں کے عالم تھے اور اگر عالم تھے تو اُنھوں نے لب کشائی کیوں کی۔ میں نے عرض کی یہ تو اس بات سے بھی ہولناک بات ہے۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ دوسری بات سنو۔ خداوند عالم نے جناب موسیٰ پر توریت نازل کی۔ جناب موسیٰ کو خیال گزرا کہ اب مجھ سے بڑھ کر عالم کوئی نہیں۔ اللہ نے اُنھیں بتایا کہ اُس کے بندوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو موسیٰ سے بڑھ کر عالم ہیں۔ موسیٰ نے دعا کی کہ خداوند مجھے اس عالم تک پہنچا دے۔ اللہ نے اُن کی ملاقات خضر سے کرا دی۔ خضر نے کشتی میں سوراخ کر دیا۔ موسیٰ اس کے متحمل نہ ہو سکے۔ لڑکے کو قتل کر ڈالا، موسیٰ نے اسے بھی ہولناک سمجھا، گرتی ہوئی دیوار سیدھی کر دی، موسیٰ نے اس کا بھی تحمل نہیں کیا۔ رہ گیا مومن (جس کے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے آزما لیا ہو) تو بروزِ غدیر پیغمبرؐ خدا نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا: "**من کُنتُ مولاہ فھٰذا علی مولاہ**" جس کا میں مولا ہوں اُس کے علیؑ بھی مولا ہیں۔ تم ہی بتاؤ کتنوں نے اس کا تحمل کیا سوا چند لوگوں کے جن کو اللہ نے گمراہ ہونے سے محفوظ رکھا۔ تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ خداوند عالم نے تمہیں ان باتوں کے علم کے ساتھ مخصوص کیا جن باتوں کا علم ملائکہ و انبیاء اور مومنین کو بھی نہیں ہو سکتا۔ تم لوگ پیغمبرؐ خدا کے رُموز و اسرار کے حامل ہو۔ (بشارۃ المصطفیٰ الشیعۃ المصطفیٰ)

یہ حدیث صریحی طور پر بتاتی ہے کہ میثم بھی اُن گنتی کے لوگوں میں سے تھے جو حدیث صعب و متصعب کے حامل تھے۔ حامل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبرؐ و اہلِ بیت پیغمبرؐ نے جو کچھ بیان کیا اُس کو دل سے قبول کیا یہ یقین کرتے ہوئے کہ اہل بیتؑ جو کچھ کہتے ہیں وہ پیغمبرؐ سے سُن کر اور پیغمبرؐ جو کچھ کہتے ہیں وہ جبریل

سے معلوم کر کے اور جبریل اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلوم کر کے آتے ہیں۔

میثم تمار صاحبِ بصیرت تھے:

کبھی بصیرت ہوتی ہے مگر علم نہیں ہوتا کبھی علم ہوتا ہے مگر بصیرت نہیں ہوتی اور کبھی بصیرت ہوتی ہے اور علم بھی ہوتا ہے جس ذات میں یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں اُس کی پاکیزگی طینت کا کیا کہنا۔ بصیرت بغیر علم کے ہلکی روشنی ہے یا کم پھل دینے والا درخت ہے اور علم کی بغیر بصیرت کے مثال ایسی ہی ہے جیسے گدھے کے سر پر کتابیں لاد دیں جائیں۔ ہاں اگر بصیرت اور علم دونوں اکھٹا ہو جائیں تو وہ درخشندہ نور اور اکسیر و تریاق ہے اور جس شخص میں یہ دونوں چیزیں جس حد تک ہوں گی اُتنا ہی وہ شخص عظیم المنزلت ہوگا یہ دونوں چیزیں انسان کو ملائکہ مقربین کے درجے تک پہنچا دیتی ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ علم کبھی کبھی ذریعہ بن جاتا ہے بصیرت کا اور اسی طرح بصیرت ذریعہ بنتی ہے علم کا۔ مگر پہلی بات شاذ و نادر ہی ہوتی ہے یعنی کمتر ایسا ہوتا ہے کہ عالم اپنے علم سے بصیرت کا حامل ہو جائے۔ دنیا میں آپ کو بہت سے گمراہ عالم ملیں گے مگر شاید ہی کوئی بابصیرت شخص گمراہ دکھائی دے۔ بہت سے بے بصیرت عالم ہیں جن کو اُن کا علم فائدہ نہیں پہنچاتا اور اُنھیں گمراہی و ضلالت کی تاریکیوں سے نہیں نکالتا لیکن بغیر علم والا بابصیرت انسان اپنی بصیرت کی وجہ سے جہالت و گمراہی کے راستے سے صاف بچ نکلتا ہے۔

علم کے لئے ضرورت ہے وسیع ظرف کی۔ جب ظرف وسیع ہوگا تو اُس میں علم محفوظ رہے گا اور ظرف والے کی شان بلند ہوگی لیکن اگر علم زیادہ اور ظرف مختصر ہوگا تو انسان بلند مرتبہ حاصل کرنے میں ناکام رہے گا بلکہ بسا اوقات علم کی زیادتی وبال بن جائے گی۔

میثم کے علوئے منزلت اور بلندی مرتبہ کی وجہ اُن کی بصیرت بھی تھی وسعتِ ظرف بھی اور پا کی طینت بھی۔ اُن کے سینے میں کشادگی تھی اور دل میں جو بات ڈالی جاتی اُن کا دل اُس کو محفوظ رکھتا۔ اسی وجہ سے وہ علم بلایا ومنایا، علم تفسیر اور علمِ کائنات کے خزینہ دار تھے باوجود یہ کہ اُنھیں امیر المومنینؑ کی صحبت میں بہت کم دن رہنے کا موقع ملا۔ بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جن کی طینت بھی پاکیزہ تھی امیر المومنینؑ کی صحبت میں زیادہ دن رہنے کا اُنھیں موقع بھی ملا لیکن امیر المومنینؑ سے اتنے علوم حاصل نہیں کر سکے نہ آپ کے فیوض و برکات سے اتنے مستفید ہوئے اُس کی وجہ محض یہ تھی کہ وہ ایسی بصیرتُ کے مالک نہ تھے نہ اُن کے سینوں میں اتنی گنجائش تھی۔

میثمِ تمار کا عقیدہ اور ایمان:

کسی شخص کی ایمانی منزلت اور ثبات و استقلال کی شان جانچ پرکھ اور آزمائشوں میں ڈالے جانے کے بعد ہی ہوتی ہے۔ زبانی دعویٰ مفید نہیں۔ جب تک امتحان میں بھی پورا نہ اُترے۔ "الم احسب الناس ان تیر کوا ان یقولوا اٰمنّا دھم لا یفتنون" کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اتنا کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لائے وہ چھوڑ دیئے جائیں گے اور اُن کا امتحان نہ لیا جائے گا"۔

لیکن جب لوگ چھلنی میں ڈالے جاتے ہیں، آزمائشیں اور پریشانیاں ٹوٹ کر پڑتی ہیں تو اللہ ہی جانے چھلنی میں کتنے لوگ بچ رہیں گے اور آزمائشیں اور پریشانیاں جھیل کر کتنے لوگ ثابت قدم نکلیں گے۔ لوگ دنیا کے غلام ہوتے ہیں دین کا تو بس ذائقہ زبان پر ہوتا ہے اگرچہ دین اُن کے لئے دنیا میں بھی خیر و برکت کا ذریعہ ہے مگر لوگ دنیا کو ظاہری آنکھوں سے دیکھتے ہیں بصیرت اور دل

کی آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ آزمائش وابتلا کے موقعے پر وہ دنیا کے بیٹے بلکہ ابن الوقت بن جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا اور ابنائے دنیا کا دامن پکڑے رہنے سے فوری ہلاکت سے جان بچ جائے گی۔ اُنھیں خبر نہیں کہ دنیا کا دامن پکڑنے سے ہلاکت کے سوا کچھ نہیں حاصل ہوگا۔ نجات دین داروں کے دامن سے متمسک ہونے ہی میں نصیب ہوگی۔

دین کی وجہ سے جان وآبرو کی حفاظت ہوتی ہے اور دین چھوڑ دینے سے جان اور آبرو ظلم وعدوان کے پنجے میں پڑ جاتی ہے اسی موقعے پر ہمیں میثم کے ایمان اور ثبات و استقلال کا اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ امیر المومنینؑ نے اُنھیں جب ان مصائب وشدائد سے آگاہ کیا جو آگے چل کر اُنھیں پیش آنے والے تھے تو میثم نے عرض کی۔ امیر المومنینؑ میں ان تمام مصائب پر صبر کروں گا، اللہ کی راہ میں یہ سب مصیبتیں تو بہت کم ہیں۔ ایک دن امیر المومنینؑ نے اُن سے فرمایا کہ تمہیں سُولی دی جائے گی اور اسی سُولی پر تمہارا دم نکلے گا۔ میثم نے عرض کی۔ مولا میں فطرتِ اسلام پر تو باقی رہوں گا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ تو میثم کی تمام تر نظر انجام اور آخرت پر تھی انھیں سُولی دیئے جانے کی کوئی پروا نہیں تھی۔

جب میثم گرفتار کئے گئے اور ابنِ زیاد نے انھیں سُولی دیئے جانے کا حکم دیا تو انھیں پورا موقع اس کا حاصل تھا کہ بھاگ کر اپنی جان بچائیں۔ کوفے میں اُن کے چاہنے والے بہت تھے۔ ابنائے زمانہ جس طرح زمانے کا رنگ دیکھ کر اپنا رنگ بدل لیتے ہیں اور ارباب حکومت سے زمانہ سازی کرتے ہیں میثم بھی کر سکتے تھے لیکن اسی وقت میثم کے کمال ایمان اور اُن کی نفسیات کا شاندار مظاہرہ ہوا وہ اُس وقت موت اور زندگی کے درمیان معلق تھے مگر انھوں نے ایمان پر باقی رہ کر جان دینا گوارا کیا مگر نفاق پر رہ کر زندہ رہنا انھیں گوارا نہ ہوا۔ اُن کی

باتوں میں نہ تو نرمی آئی نہ انداز خطاب میں شان انکسار پیدا ہوئی۔ اُنھوں نے بے ڈرے جھجکے ابن زیاد سے کہا۔ امیر المومنینؑ نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تمھیں کمینہ و ناپاک، بدکار عورت کا فرزند ابن زیاد گرفتار کرے گا۔ میثم نے یہ فقرہ اُس وقت کہا جب کہ اُنھیں یقین تھا کہ اُنھیں ابن زیاد سُولی ضرور دے کے رہے گا۔ جب ابن زیاد کے ملازموں نے اُن کی زبان قطع کرنا چاہی تو بولے بدکار عورت کا فرزند مجھے اور میرے مولا کو جھٹلانا چاہتا ہے۔

اسی طرح ابن زیاد کے یہ پوچھنے پر "این ربك" تمہارا پروردگار کہاں ہے میثم نے برجستہ کہا۔ "اللہ تعالیٰ ہر ظالم کی گھات میں ہے اور تم بھی انھیں ظالموں میں سے ہو"۔

کیا یہ تمام باتیں میثم کے صلابت ایمان اور یقین محکم کا ثبوت نہیں۔ ابتلا و آزمائش کی گھڑیوں میں ایسا ہی ثبات و استقلال ہونا چاہیے۔

میثم تمار ولایتِ علیؑ میں کامل تھے:

دل کی قوت بھی ایمان کی قوت کا ثمرہ ہے جس شخص کی آنکھوں میں اللہ بڑا ہوگا، اُس کی آنکھوں میں خدا کے سوا ہر چیز کمتر و حقیر ہوگی، جو شخص روزِ قیامت کے عقاب کو عظیم سمجھے گا، روزِ جزا ثواب ملنے کا یقین رکھے گا وہ اس دنیا میں پیش آنے والی ہر مصیبت کو آسان جانے گا۔

یہ صفت جناب میثم میں اُس دن دیکھنے میں آئی جب ابنِ زیاد نے اُنھیں سُولی دیئے جانے کا حکم دیا۔ ابنِ زیاد انتہائی سفاک اور جلاّد انسان تھا۔ خوں ریزی اُس کا محبوب مشغلہ تھا۔ خصوصیت کے ساتھ اہلِ بیت طاہرینؑ اور اُن سے تعلقِ خاطر رکھنے والوں کا تو جانی دشمن تھا۔ میثم جو امیر المومنینؑ کے عزیز ترین شاگرد تھے، جو بہانگِ دہل آپ کی محبت و ولایت کا اعلان کرتے پھرتے،

آپ کے فضائل و کمالات کی نشر و اشاعت کرتے اُن کو ابنِ زیاد کیسے چھوڑ سکتا تھا۔ بس ایک ہی چیز میثم کو ابن زیاد کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رکھ سکتی تھی وہ یہ کہ میثم امیر المومنینؑ سے بے زاری کا اظہار کریں لیکن میثم ایسے صادق الایمان اور قوی دل والے انسان کے لئے اور سب کچھ ممکن تھا مگر امیر المومنینؑ سے بیزاری کا اظہار ناممکن تھا۔ خصوصیت کے ساتھ ایسی صورت میں جب کہ امیر المومنینؑ نے اظہارِ بیزاری سے ممانعت بھی فرمادی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا اگر کوئی مجھے گالیاں دینے پر مجبور کرے تو تم گالیاں دے لینا۔ یہ میرے لئے پاکیزگی اور تمہارے لئے باعثِ نجات ہوگی لیکن اگر کوئی مجھ سے اظہارِ بے زاری پر تمہیں مجبور کرے تو ہرگز نہ کرنا کیوں کہ میں فطرتِ اسلام پر پیدا ہوا اور سب سے پہلے ایمان بھی لایا اور ہجرت بھی کی۔

ابنِ زیاد نے میثم کو مجبور کیا کہ وہ امیر المومنینؑ سے بے زاری کا اظہار کریں میثم نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا۔

ابنِ زیاد نے کہا تمہیں بہر حال علی ابن ابی طالبؑ سے بے زاری کا اظہار کرنا اور اُن کے معائب بیان کرنا ہوں گے ورنہ میں تمہارے ہاتھ پیر کاٹ کر سُولی پر چڑھا دوں گا۔ میثم نے کہا میرے مولا علی ابن ابی طالبؑ مجھے پہلے ہی خبر دے چکے ہیں کہ میرے ہاتھ پیر کاٹے جائیں گے اور مجھے سُولی دی جائے گی۔ میں نے آپ سے پوچھا تھا یہ ساری باتیں کس شخص کے ذریعے عمل میں لائی جائیں گی۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا تھا "یاخذك عُتل الزنیم ابن امة الفاجرة عبیدالله بن زیاد" کیا اندازہ ہو سکتا ہے اس قوتِ قلب اور ہمت و جرأت کا کہ میثم ابنِ زیاد کے منہ پر اُسے ایسا سخت جواب دے رہے ہیں اور اُس کے حسب و نسب کا پول بھی کھولے دے رہے ہیں۔

میثم سولی پر چڑھے اسی طرح لوگوں سے امیر المومنینؑ اور اہلِ بیت طاہرینؑ کے فضائل اور اُن کے دشمنوں کے معائب بیان کرتے رہتے۔ سُولی پر چڑھ کر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس طرح تقریر کرنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ کام تو ایسے ہی کامل الایمان بندے کر سکتے ہیں جو نہ موت کو خاطر میں لاتے ہیں نہ اُنھیں اس کی پروا کہ کس طرح موت آئے گی۔ اُن کے دل میں بس خوفِ الٰہی کی اہمیت ہوتی ہے۔ وہ موت کو فنا کے گھر سے بقا کے گھر تک اور مصیبت و بدحالی سے خوش بختی وسعادت تک جانے کے لیے ایک پُل سمجھتے ہیں۔

فرمانِ مولا علیؑ پر میثم تمار کا یقین کامل تھا:

امیر المومنینؑ نے میثم کو بتایا تھا کہ تم میرے بعد گرفتار کئے جاؤ گے اور کھجور کے تنے پر تمھیں سُولی دے دی جائے گی۔ امیر المومنینؑ نے اُنھیں کھجور کا وہ درخت بھی دکھلا دیا تھا۔ امیر المومنینؑ کوفے کے محلے کناسہ کی طرف تشریف لے جاتے میثم بھی ساتھ ہوتے۔ آپ کا گزر کھجور کے اُس درخت کی طرف سے ہوتا آپ میثم سے فرماتے میثم تمہاری اور اس کھجور کی ایک شان ہونے والی ہے۔

میثم اس کھجور کے پاس جاتے، وہاں نماز پڑھتے اور کھجور سے خطاب کر کے کہتے خدا تجھے برکت دے۔ میں ترے لئے پیدا ہوا اور تو نے میرے لئے نشو ونما پائی۔ کبھی کہتے۔ اے درختِ خرما میں نے تیرے ہی لئے غذا پائی اور تو نے بھی میرے لئے غذا پائی۔ جب وہ سُولی دیئے جانے کو لے جائے جا رہے تھے تو اُن کا گزر ایک شخص کی طرف سے ہوا۔ اُس شخص نے اُنھیں دیکھ کر کہا تم ان سب چیزوں سے بے نیاز تھے (مطلب یہ ہے کہ اگر ابن زیاد کی بات مان کر علیؑ سے اپنی بے زاری کا اظہار کر دیتے تو تمہاری جان بچ جاتی، سُولی کی نوبت ہی نہ آتی)

میثم اُس کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور کھجور کے درخت کی طرف اشارہ کر کے کہا خدا کی قسم یہ درخت میرے ہی لئے روئیدہ ہوا اور میں نے بھی اسی درخت کے لئے کھایا، پیا اور نشوونما پائی۔ میثم نے کھجور کے اس درخت اور اس درخت پر اپنے سُولی دیئے جانے کا تذکرہ کچھ اتنی مرتبہ کیا کہ ابنِ زیاد نے اُس درخت کر کٹوا ڈالا۔ کسی بڑھئی نے وہ کٹا ہوا درخت خرید لیا اور اُس کے چار ٹکڑے کئے۔ میثم نے اپنے فرزند صالح سے کہا ایک کیل لے لو اُس پر میرا اور میرے باپ کا نام لکھ لو اور جا کر کسی ایک ٹکڑے میں اُسے ٹھونک آؤ۔ صالح بیان کرتے ہیں کہ جب ابن زیاد نے میرے باپ کو سُولی دے دی تو کچھ دنوں کے بعد میں اُس ٹکڑے کے پاس گیا دیکھا تو اُسی ٹکڑے پر اُن کو لٹکایا گیا تھا جس میں میں نے پہلے سے کیل گاڑ رکھی تھی۔

امیر المومنینؑ نے اُنھیں بتا رکھا تھا کہ اس درخت کے چار ٹکڑے کر دیئے جائیں گے اور ایک ٹکڑے پر اُنھیں لٹکایا جائے گا بہت ممکن ہے امیر المومنینؑ نے میثم کو یہ بھی بتا دیا ہو کہ ان چار میں سے کس ٹکڑے پر اُنھیں سُولی دی جائے گی۔

انسان موت کا نام ہی سُن کر گھبرا جاتا ہے چہ جائیکہ کسی انسان کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ میری موت کا وقت آ پہنچا ہے فلاں جگہ میری موت آئے گی اور فلاں شخص کے ہاتھوں میرا کام تمام ہوگا۔ ایسا انسان جسے پہلے سے معلوم ہو کہ اس درخت پر مجھے سُولی دی جائے گی وہ اُس درخت کی روزانہ دیکھ بھال کرے اُس کے پاس جا کر عبادت الٰہی بجا لائے، اُس کو مخاطب کر کے کلام کرے کہ تو میرے لئے اور میں تیرے لئے پیدا ہوا ہوں۔ ایسا ہی انسان ہوگا جسے اللہ پر پورا یقین ہو جو دین میں پختہ ہو اور جسے یہ بھی اطمینان ہو کہ میرا انجام بہتر ہی ہوگا۔

میثم تمار زاہد روزہ دار و عبادت گزار تھے:

جب میثم علم و یقین، ایمان و معرفت کے اس درجے پر فائز تھے تو کوئی حیرت کی بات نہیں کہ وہ زاہد اور اس دنیاوی زندگی سے بے نیاز بھی رہے ہوں۔ بہت سے لوگ اچھی اور نفیس چیز کو بھی خاطر میں نہیں لاتے اس توقع میں کہ اس سے زیادہ بہتر اور زیادہ نفیس چیز مل جائے گی چہ جائے کہ ایسی چیز جس کی خرابی اور گھٹیا پن پوری طرح واضح ہو۔

صاحبان معرفت جن کی نظروں کے آگے حقائق بے حجاب ہوتے ہیں اُن کی نظروں میں دنیا کی کوئی قیمت نہیں۔ چاہے دوسروں کی نظر میں یہ دنیا انتہائی حسین و جمیل اور دل موہ لینے والی ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ وہ صاحبانِ معرفت اس دنیا کو اللہ کی معصیت کا گھر سمجھتے ہیں وہ اس دنیا میں قبیح و ناپسندیدہ باتیں اور ظُلم و جور کی گرم بازاری علانیہ دیکھتے ہیں۔

وہ شخص جو علیؑ ایسے انسان کی صحبت سے محروم ہو جائے اور معاویہ ایسے انسان کی رعایا بننے پر مجبور ہو دیکھے کہ فرزند رسولؐ امام حسینؑ گوشہ نشین ہیں، اُن کی ہدایت اور علم سے لوگ فائدہ نہیں اُٹھاتے جو دیکھے کہ یزید ایسے زانی و بدکار، بدمست و بدکردار کے گرد لوگ چکر لگا رہے ہیں، جو دیکھے کہ ہر نیکوکار شیعہ ہر کنکر پتھر کے نیچے سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کئے جا رہے ہیں ایسے شخص کو دنیا کی کیا رغبت ہوسکتی ہے۔ اُس کی تمنائیں، اس کی خواہشیں کیوں کر اس دنیا سے وابستہ ہوتیں۔

جو شخص واقعی اللہ کی معرفت کا حامل ہو۔ خداوند عالم نے نیکوکار بندوں کے لئے جس رحمت اور نافرمانوں کے لئے جس عذاب کا وعدہ کر رکھا ہے اُس کا اُسے یقین ہو اُسے عابدِ شب زندہ دار اور صائم النہار ہونا ہی چاہئے۔ میثم کے متعلق اُن کے واقف کاروں کا یہ فقرہ قطعی مبالغہ نہیں کہ میثم کا خدا اُن پر اپنی رحمت نازل

کرے زاہدوں میں سے اور اُن لوگوں میں سے تھے جن کی کھالیں کثرتِ زُہد اور کثرتِ عبادت سے خشک ہوگئی تھیں۔

خود میثم کا دشمن جس نے اُن کے سولی دیئے جانے کی حالت میں اُن پر خنجر کا وار کیا تھا یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ خدا کی قسم میں نے ہمیشہ تمہیں عابدِ شب زندہ دار ہی دیکھا۔ یہ کہہ کر اُس نے اُن کی کوکھ میں اپنا خنجر اُتار دیا۔ یہیں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ لوگوں کی طنیت اور خمیر ایک جیسا نہیں۔ بد بخت شخص نیک بختی سے ناواقف ہونے کی وجہ سے بدبختی نہیں اختیار کرتا نہ حق سے اندھا ہونے کی وجہ سے باطل اختیار کرتا ہے۔ بلکہ وہ حق کو حق جانتا ہے اور جاننے کے باوجود اُس سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے، باطل کو باطل سمجھ کر اُس کی پیروی کرتا ہے ورنہ آخر کیا وجہ تھی کہ یہ خبیث و ذلیل انسان یہ جانتے ہوئے کہ میثم عابدِ شب زندہ دار ہیں اُن کے جسم میں اپنا پورا خنجر اُتار دے۔

میثم تمار کی فصاحت و بلاغت:

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ میثم عجم کے رہنے والے تھے لیکن ہمیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ وہ اپنی عجمیت ہی پر باقی رہے ہوں غالباً وہ عجم میں پیدا ہوئے اور جس زمانے میں مسلمان کسریٰ سے مصروفِ جنگ تھے یہ صغر سنی میں گرفتار ہوئے اور عرب میں آ کر پلے بڑھے اور جوان ہوئے۔ امیر المومنینؑ کے سرچشمۂ علم سے سیراب ہوئے، آپ کے فیضِ صحبت نے اُنھیں فصاحت اور شیوہ بیانی سکھا دی۔ میثم کی جو باتیں کتابوں میں درج ہیں وہ اُن کی فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی کا بہترین ثبوت ہیں۔ سُولی پر چڑھ کر اُنھوں نے جو تقریر کی ہے وہ بلاغت کا ایک شاہکار ہے۔ اگر اُن کی زبان صاف نہ ہوتی تو بات چیت عجمیوں ہی جیسی ہوتی اور عوام الناس اُن کی تقریر اور گفتگو سننے کے لئے اُن کے گرد اکھٹا نہ

ہو جاتے نہ کچھ لوگوں نے دوڑ کر ابن زیاد سے کہا ہوتا کہ جلدی کرو اُن کی زبان کاٹ ڈالو ورنہ وہ بنی امیہ کو پوری طرح رسوا کر ڈالیں گے اور رعایا بنی امیہ کے خلاف ہو جائے گی۔ اگر اُن کی عجمیت باقی ہوتی تو پھر اس قسم کا خطرہ ہی محسوس نہ ہوتا۔

اُن کی بلاغت اور قادر الکلامی کا ثبوت ابن زیاد سے اُن کی وہ گفتگو بھی ہے جو بازار کے دکان داروں کی فرمائش پر اُنھوں نے کی تھی۔ بازار کا عامل (انسپکٹر) دکانداروں کو اذیتیں دیا کرتا دوکانداروں نے میثم سے درخواست کی تھی کہ ابن زیاد سے اُس کے ظلم و تعدی کی شکایت کرو۔ میثم کہتے ہیں ہم لوگ ابن زیاد کے پاس پہنچے۔ ترجمانی کے فرائض میں نے ہی انجام دیئے۔ ابن زیاد نے کان لگا کر میری بات سنی اور میری گفتگو اُسے بہت پسند آئی۔

اگر میثم فصاحت و بلاغت کے مالک نہ ہوتے تو ابن زیاد اُن کی باتیں توجہ سے سُنتا نہ اُن کی گفتگو اُسے پسند آتی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ امیر المومنینؑ کی صحبت میں رہنا ہی اُن کے فصیح و بلیغ بن جانے کے لئے کافی تھا۔ انھیں کسی سے سیکھنے اور تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

میثم تمار حق کی طرف بُلا رہے تھے:

میثم کے حالاتِ زندگی شاہد ہیں کہ دعوت الی الحق میں ہمیشہ سرگرم رہے۔ مخفی رُموز و اسرار اور پوشیدہ علوم سے لوگوں کو آگاہ کرتے رہے۔ کون کب اور کس طرح مرے گا، آئندہ کیسے کیسے ہولناک واقعات پیش آنے والے ہیں عام طور سے اُن کا موضوعِ کلام ہوا کرتا کیا یہ ساری باتیں صرف اس غرض سے ہوتیں کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ میں مخفی رموز و اسرار اور اسرارِ علوم سے واقف ہوں یا کسی اور بلند و بالا مقصد سے ہوا کرتیں۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ میثم کی یہ ساری باتیں حق کی طرف لوگوں کو بُلانے کے لئے ہوتیں۔ ان باتوں سے ان کا مقصد

یہ تھا کہ لوگوں کو امیر المومنینؑ کی شان و منزلت اور علمی درجہ اچھی طرح معلوم ہو جائے وہ یہ سمجھ لیں کہ اگر اُمت والے امیر المومنینؑ کی باتوں پر کان دھریں، آپ کی نصیحتوں کو گوشِ دل سے سُنیں تو اُنھیں کو فائدہ پہنچے گا ورنہ کیا وجہ تھی کہ میثم نے ابنِ زیاد کے منھ پر اتنی سخت سست باتیں کہیں جب کہ قتل کیے جانے کا خطرہ پوری طرح سر پر منڈلا رہا تھا۔

میثم جب سولی پر چڑھائے گئے تو اُنھوں نے امیر المومنینؑ کی طرف دعوت دینے اور آپ کے فضائل و مناقب بیان کرنے کے لیے اس وقت کو بہترین موقع سمجھا ورنہ موت جب سامنے کھڑی ہو تو باتیں کرنا اور کسی طرف دعوت دینا تو درکنار لوگوں کی زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں لیکن میثم اس موقعے کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتے تھے۔ اُنھیں اپنی موت کی پروا نہ تھی جب کہ اُن کا مقصد و مراد حق ہو اور اُن کی بازگشت حق کی طرف ہونے والی ہو۔

حق کی طرف یوں دعوت دی جاتی ہے اور دین کی راہ میں اس طرح قربانی پیش کرنے والے اپنی جان کی قربانی دیتے ہیں۔ کیا اب بھی کسی کو اس میں کلام ہو سکتا ہے کہ میثم حق کے بہت بڑے داعی تھے۔

میثم تمار نے ابنِ زیاد کو ذلیل کر دیا:

میثم کو جب بھی موقع ملتا وہ اُن مصائب و شدائد کا تذکرہ کرنے سے باز نہ رہتے جو آگے چل کر اُنھیں پیش آنے والے تھے۔ حتیٰ کہ اُنھوں نے جب ابن عباس سے قرآن کی وہ تفسیر بیان کرنا چاہی جو اُنھوں نے امیر المومنینؑ سے حاصل کی تھی اُس وقت بھی اُنھوں نے ابن عباس سے اپنی موت اور لوگوں کے اُن مظالم کا تذکرہ کیا جو اُن پر ڈھائے جانے والے تھے۔ جناب اُمّ سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے کنیز کو حکم دیا کہ اُن کی داڑھی میں عطر لگائے۔

عطر لگائے جانے پر اُنھیں یاد آ گیا کہ یہی داڑھی میرے خون سے رنگین ہونے والی ہے۔ اُنھوں نے جناب اُمّ سلمہ سے اپنی موت کا ذکر کیا۔ حبیب ابن مظاہر سے ملاقات کے موقع پر اُنھیں بتایا کہ کربلا میں کوفہ وشام والے اُن پر کیا ظلم کرنے والے ہیں۔ امیر المومنینؑ کی زندگی میں بھی اُن کا یہی دستور رہا اور آپ کی شہادت کے بعد بھی وہ درختِ خرما کو روزآنہ آ کر دیکھتے، وہاں عبادت الٰہی بجا لاتے۔ صرف اس لئے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اسی درخت پر اُنھیں سُولی دی جانے والی ہے وہ ابن حریث سے کہا کرتے کہ میں جلد ہی تمہارے پڑوس میں آنے والا ہوں، تم میرے لئے اچھے پڑوسی بننا۔ ان کی بڑی خواہش رہا کرتی کہ جب بھی مناسب موقعے ملے امیر المومنینؑ سے سنی ہوئی باتیں لوگوں سے ضرور بیان کردیں کہ کس طرح مجھے گرفتار کیا جائے گا، مجھے سُولی دی جائے گی، مجھ پر خنجر کا وار ہوگا، میرا کام تمام کیا جائے گا۔ اتنی کثرت سے اُنھوں نے یہ باتیں بیان کیں اور اُن کی بیان کردہ باتوں کا اتنا چرچا ہوا کہ خود ابن زیاد کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی۔ کیا میثم از راہ حزن واندوہ اپنی موت کی خبر بیان کیا کرتے۔ ہمارا تو یہی خیال ہے کہ میثم یہ باتیں بیان کر کے حق کا علم سربلند اور باطل پر حجت قائم کرنا چاہتے تھے۔ اُن کی دلی خواہش یہ تھی کہ لوگوں پر بنی اُمیہ کا ظلم وجور اور اہلِ ایمان کے ساتھ اُن کی درندگی وشقاوت الم نشرح ہو جائے۔

اُن کا اپنی موت کی خبر بیان کرنا باطل سے جنگ کرنے اور گمراہی سے ٹکر لینے کے مترادف تھا۔

میثم کی نظروں میں صرف حق کا داعی ہونا ہی کافی نہیں تھا۔ اگر باطل سے جنگ بھی نہ ہو۔ وہ فضائلِ اہلِ بیتؑ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ بنی اُمیہ کی شرم ناکیاں بھی ضرور بیان کرتے اسی لئے ابن زیاد سے لوگوں نے کہا اس (غلام میثم)

نے تمھیں ذلیل و رسوا کر کے رکھ دیا۔

میثم تمار خبرِ شہادتِ امام حسینؑ سے واقف تھے:

جناب میثم اکثر و بیشتر مواقعے پر امام حسینؑ کی شہادت کی خبر بیان کیا کرتے جبلہ مکیہ کہتی ہے۔ میں نے میثم تمار کو کہتے سنا:

''خدا کی قسم یہ امت اپنے نبی کے نواسے کو بروزِ عاشورِ محرم شہید کرے گی۔ دشمنانِ خدا روزِ شہادت کو مبارک دن قرار دیں گے۔ ایسا ہو کر رہے گا۔ میرے مولا امیر المومنینؑ مجھے بتا چکے ہیں۔ اُنھوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ حسینؑ پر ہر چیز گریہ کرے گی یہاں تک کہ وحشی جانور جنگلوں میں، مچھلیاں دریاؤں میں، پرندے فضائے آسمانی میں اُن پر آنسو بہائیں گے، اُن پر چاند سورج، ستارے، آسمان زمین، مومنین، انس و جن اور تمام ملائکۂ آسمان و زمین، مالک حاملانِ عرش گریہ کریں گے۔ آسمان سے خون اور راکھ کی بارش ہوگی۔ قاتلانِ حسینؑ پر خداوند عالم کی لعنت اُسی طرح لازمی ہوگی جس طرح اُن مشرکین پر جو اللہ کے ساتھ ایک اور معبود قرار دیتے ہیں نیز جس طرح یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کے لئے خدا کی لعنت لازمی ہے۔

جبلہ نے کہا۔ میثم بھلا روزِ شہادت کو لوگ مبارک دن کیسے قرار دیں گے۔ میثم رونے لگے اور کہا اُس کے لئے ایک من گھڑت حدیث بنائی جائے گی جس میں بیان کیا جائے گا کہ اسی عاشورِ محرم کو اللہ تعالیٰ نے آدم کی توبہ قبول کی۔ حالاں کہ اللہ نے آدم کی توبہ ذی الحجہ میں قبول کی تھی۔ اس حدیث میں دعویٰ کیا جائے گا کہ اسی عاشور محرم کو اللہ تعالیٰ نے داؤد کی توبہ قبول کی حالاں کہ اللہ نے ذی الحج میں داؤد کی توبہ قبول کی۔ اس حدیث میں دعویٰ کیا جائے گا کہ اسی عاشور کو جناب یونس مچھلی کے پیٹ سے برآمد ہوئے حالانکہ وہ ذی الحجہ میں برآمد ہوئے۔ دعویٰ

کیا جائے گا کہ اسی دن کشتی نوح جا کر کوہِ جودی پر ٹھہری حالانکہ کشتی ۱۸، ذی الحج کو ٹھہری تھی۔ اس حدیث میں دعویٰ کیا جائے گا کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے دریا شگافتہ کیا حالاں کہ ایسا ربیع الاول میں ہوا تھا۔ پھر میثم نے کہا۔ جبلہ یہ سمجھ لو کہ حسینؑ بروزِ قیامت سیّدالشہداء ہوں گے اور اُن کے اصحاب کو تمام شہداء پر فوقیت ہوگی۔

اے جبلہ تب تم سورج کو دیکھنا کہ وہ مثل خون کے سُرخ رنگ کا ہے تو سمجھ لینا کہ سیدالشہداءؑ شہید ہو گئے۔ جبلہ کہتی ہیں چنانچہ میں ایک دن گھر سے باہر نکلی میں نے دیوار پر دھوپ دیکھی۔ معلوم ہوتا تھا سُرخ رنگ کی چادر ہے میں چیخنے چلانے اور رونے لگی اور کہا کہ خدا کی قسم ہمارے سید و آقا حسین بن علیؑ شہید ہو گئے

("میثم تمار" علامہ عبدالرزاق)

میثم کا یہ بیان صرف خبرِ شہادت ہی پر مشتمل نہیں بلکہ یہ بہت سی باتوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اس میں جبلہ کو اس بات کی آگاہی بھی تھی کہ تمہاری زندگی ہی میں حسینؑ شہید ہوں گے۔

یہ سُنائی پیغمبرؐ خدا نے بھی سُنائی اور اہلِ بیت طاہرینؑ کے اُن فردوں نے بھی جو حسینؑ سے پہلے گزرے بلکہ ماسبق کے انبیاء و مرسلین نے بھی اپنے اپنے زمانے میں یہ سُنائی سنائی تھی۔

میثم تمار کا قاتل ابنِ زیاد:

امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد شیعیان امیر المومنینؑ کو جن ہولناک مصائب و آلام میں مبتلا ہونا پڑا وہ سبھی کو معلوم ہے کتنوں ہی کے سر اور کتنوں ہی کے ہاتھ پیر کاٹے گئے۔ اُن کے خون کی ندی ہمیشہ بہتی رہی۔ میثم چونکہ امیر المومنینؑ کے مخصوص صحابی اور عزیز ترین شاگرد تھے اس لئے اُنھیں سب سے پہلے معاویہ اور

زیاد کے چنگل میں پڑنا چاہیئے تھا لیکن معاویہ اور زیاد کو موت نے مہلت نہیں دی اور میثم ان دونوں کے ہاتھوں سے محفوظ رہے۔

امیر المومنینؑ نے میثم کو بتا دیا تھا کہ تمہارا قاتل ابنِ زیاد ہوگا۔ ایک مرتبہ امیر المومنینؑ نے میثم سے فرمایا۔ تمہارا کیا حال ہوگا اُس دن جب کی بنی اُمیہ کی طرف غلط طور پر منسوب عبید اللہ ابن زیاد تمہیں مجبور کرے گا کہ مجھ سے اظہار بے زاری کرو میثم نے کہا۔ لا واللہ میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا تو وہ تمہیں قتل کر ڈالے گا اور سُولی پر چڑھا دے گا۔ میثم نے کہا اُس پر میں صبر کروں گا اور یہ تو راہِ خدا میں بہت معمولی بات ہے۔

ایک مرتبہ امیر المومنینؑ نے میثم کو بتایا کہ تمہارے ساتھ کیا سُلوک کیا جانے والا ہے۔ میثم نے پوچھا۔ امیر المومنینؑ یہ سلوک میرے ساتھ کون کرے گا۔ آپ نے فرمایا۔ عُتلِ زنیم بدکار لونڈی کا فرزند عبید اللہ ابن زیاد تمہیں گرفتار کرے گا۔

حسبِ ارشاد امیر المومنینؑ میثم معاویہ اور زیاد کے ظلم و تعدی سے محفوظ رہے اور ابن زیاد کا چنگل اُن پر گڑ گیا۔ امیر المومنینؑ کے بتانے کی وجہ سے میثم کو پوری طرح اس بات کا یقین تھا کہ میرا قاتل ابنِ زیاد ہوگا۔

یہی وجہ تھی کہ میثم جب بھی اُس سے ملتے اُسے کھری کھری کہہ ڈالتے۔

میثم تمار کا دشمن عمرو بن حریث سخت دشمنِ علیؑ تھا:

امیر المومنینؑ نے میثم کو اُن تمام مصائب و شدائد کی تفصیل بتا دی تھی جو اُنھیں پیش آنے والے تھے۔ آپ نے اُنھیں یہ بھی بتایا تھا کہ تمہیں عمرو بن حریث کے دروازے پر سُولی دی جائے گی چنانچہ جب میثم کی ملاقات عمرو بن حریث سے ہوتی تو میثم کہا کرتے۔ میں جلد ہی تمہارے پڑوس میں آنے والا ہوں، ہمسائیگی کا حق اچھی طرح ادا کرنا۔ عمرو اُن کی بات سمجھ نہیں پاتا۔ وہ پوچھا کرتا کیا

تم ابن مسعود کا گھر خریدنا چاہتے ہو یا ابن حکم کا گھر۔

لیکن اسی عمرو بن حریث نے ہمسائگی کا ذرا بھی پاس ولحاظ نہیں کیا۔ جب میثم کو درخت خرما پر لٹکا یا گیا تو اسی عمرو کا اُدھر سے گزر ہوا۔ دیکھا میثم سُولی پر چڑھے ہوئے لوگوں سے اہلِ بیتؑ اور امیر المومنینؑ کے فضائل اور بنی اُمیہ کی ذلت وخواری اور اُن کے عیوب الم نشرح کرر ہے ہیں ابن زیاد کے پاس دوڑا ہوا گیا۔ خدا آپ کا بھلا کرے جلدی کیجئے میثم کی زبان کٹوا ڈالئے مجھے پورا ڈر ہے کہ کوفے والوں کے دل بدل جائیں گے اور وہ آپ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ ابن زیاد نے اپنے سپاہی سے کہا جاؤ اور میثم کی زبان کاٹ ڈالو۔

بلکہ اسی عمرو بن حریث نے ابن زیاد کو میثم کے خلاف بھڑکایا۔ اُن کے قتل پر برانگیختہ کیا تھا۔ جب میثم اپنے ساتھیوں کے ساتھ ابن زیاد کے پاس آئے عمرو نے کہا تھا خدا امیر کا بھلا کرے۔ آپ پہچانتے ہیں یہ کون آپ سے ہم کلام ہے۔ ابن زیاد نے کہا یہ کون ہیں؟ عمرو نے کہا یہ میثم کذاب ہیں، ابن زیاد سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میثم سے پوچھا یہ عمرو کیا کہہ رہا ہے میثم نے کہا یہ شخص جھوٹا ہے میں خود بھی سچا ہوں میرے آقا امیر المومنینؑ بھی سچے تھے۔

فضائل اہلِ بیتؑ:

میثم اور اُنھیں جیسے دوسرے جاں نثارانِ اہلِ بیتؑ نے جتنے بھی مظالم و مصائب جھیلے محض اس جرم میں جھیلے کہ وہ دل سے اہلِ بیتؑ کے چاہنے والے تھے اُن کی محبت اُن کی رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے تھی۔ وہ اُن کے خیر خواہ اور مخلص تھے۔ ان کی یہ محبت واخلاص کسی جنبہ داری یا قرابت کی بنا پر نہ تھی۔ میثم عجم کے رہنے والے تھے اور اہلِ بیتؑ طاہرینؑ حجاز کے باشندے۔ اُن کی محبت و مودّت محض خدا اور رسولؐ کی تعمیل حکم میں تھی۔ خدا اور رسولؐ نے اہل بیت پیغمبرؐ سے

محبت رکھنے اور ان کی پیروی کرنے اور ان کے دامن سے متمسک ہونے کا حکم دیا تھا۔ ہر شخص کا فریضہ ہے کہ خدا اور رسولؐ کے حکم کی پابندی کرے اور جب اُس کی محبت محض خوشنودی خدا کے لئے اور راہِ خدا میں ہو تو یہ بھی ضروری ہے کہ کسی حال میں اس محبت سے روگردانی اور انحراف نہ ہونے پائے۔

میثم کا اللہ اور اپنی خوش انجامی پر یقین اُنھیں مجبور کرتا تھا کہ جو دل میں ہے وہ زبان سے بھی ظاہر ہو اور بہ بانگ دہل اپنے عقیدے کا اعلان کریں۔ تقیہ اُن کے لئے فائدہ مند بھی نہ تھا کیونکہ اُن کی حقیقت و کیفیت دشمن پر پوری طرح ظاہر تھی۔ پھر قضائے الٰہی نافذ ہو چکی تھی اور اُس کو کوئی رد کرنے والا نہیں تھا اسی لئے وہ موت کی آغوش میں پہنچ جانے کے بعد فضائلِ اہلِ بیتؑ بیان کرتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ سُولی پر چڑھتے وقت اُن پر خوف و دہشت کا غلبہ ہوتا اُنھوں نے سُولی چڑھائے جانے کو غنیمت سمجھا تاکہ اُس درخت خرما کو اپنی تقریر کے لئے منبر بنا سکیں۔ اُنھوں نے بآواز بلند لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:

''جس شخص کو علی ابن ابی طالبؑ کے مخفی رُموز و اسرار سُننا ہوں وہ مجھ سے میرے قتل کئے جانے سے پہلے سُن لے۔ خدا کی قسم میں تمہیں قیامت تک پیش آنے والے واقعات اور رُونما ہونے والے فتنے بتا سکتا ہوں اس کے ساتھ اُنھوں نے فضائل بنی ہاشم بیان کرنا شروع کئے۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ دونوں باتوں میں سے کون سی بات زیادہ تعجب خیز تھی۔ کیا ٹھیک سُولی دیئے جانے کے وقت اُن کا ایسا ثبات و استقلال اور ایسی قوت قلب کا مظاہرہ کہ معلوم ہوتا تھا وہ قتل کئے جانے کے لئے سُولی پر نہیں چڑھائے گئے ہیں بلکہ تقریر کرنے کے لئے یا اُن کا بے پناہ علم اور قیامت تک ہونے والے واقعات سے آگاہی لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو شخص میثم اور اُن کی نفسیات کو اچھی

طرح جانتا ہے اور اُسے اندازہ ہے کہ امیرالمومنینؑ سے اُنھوں نے کتنے علم حاصل کرر کھے تھے وہ ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک بات پر بھی تعجب نہیں کرے گا۔ جس شخص کے لئے چیزوں کی حقیقت و ماہیت بے نقاب ہوگی اُسے موت کی کوئی پروانہ ہوگی اور موت کی پروا اُسے ہو بھی کیسے سکتی ہے جب کہ موت کے بعد کی منزلیں اُس پر پوری طرح روشن ہوں بلکہ اُس کی دلی خواہش تو یہی ہو گی کہ جلد ہی اس دنیا اور اس کی کثافت و گندگی سے نجات ملے۔

میثم تمار نے بنی اُمیّہ کے مظالم بیان کیئے:

اہلِ بیت طاہرینؑ کا دشمنانِ اہلِ بیتؑ کے نزدیک کوئی قصور نہیں تھا سوا اس کے کہ خداوند عالم نے اُنھیں تمام فضائل و کمالات کا مجموعہ بنا کر خلق کیا تھا اور صاحبِ فضیلت انسان سے لوگ جلا کرتے ہیں۔ "ام یحسدون النّاس علیٰ ما اٰتاھم اللہ من فضلہ" کیا لوگ ان لوگوں سے محض اس وجہ سے حسد کرتے ہیں کہ خداوند عالم نے اُنھیں فضیلتوں سے سرفراز کیا ہے۔ معمولی عقل والا انسان بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ اگر اہلِ بیتؑ کے فضائل دنیا والوں کو معلوم ہو جائیں تو اُن کے دشمنوں کا کوئی ٹھکانا نہ رہے۔ اُن کا اقتدار اور لوگوں پر حکومت خاک میں مل جائے یہی وجہ تھی کہ دشمنانِ اہلِ بیتؑ فضائلِ اہلِ بیتؑ چھپانے کے لئے اپنی تمام توانائیاں صرف کیا کئے۔ وہ میثم کو سولی پر چڑھا دیتے ہیں۔ میثم با آوازِ بلند لوگوں سے کہتے ہیں آؤ آ کر مجھ سے وہ حدیثیں سُنو جو عام طور پر لوگوں کو معلوم نہیں اُن کے گرد لوگوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے۔ سارا مجمع گوش بر آواز ہے وہ اہلِ بیتؑ کے فضائل اور بنی اُمیہ کی بُرائیاں بیان کرنا شروع کرتے ہیں، بنی اُمیہ کے حوالی موالی کا ادھر سے گزر ہوتا ہے۔ میثم پورے جوش و لولہ سے تقریر اور وعظ و نصیحت میں مصروف ہیں۔ اُن کا ایک ایک لفظ بنی اُمیہ کے سینوں پر خنجر و

شمشیر کا کام کر رہا ہے۔ اتنے میں کوئی شخص جا کر ابن زیاد سے کہتا ہے کہ اس غلام (یعنی میثم تمار) نے تو تمہیں رسوا کر دیا۔ عمرو بن حریث کا اُدھر سے گزر ہوتا ہے۔ وہ بھیڑ دیکھ کر واقعہ دریافت کرتا ہے۔ اُسے بتایا جاتا ہے کہ میثم تمار علیؑ کی حدیثیں بیان کر رہے ہیں۔ وہ دوڑا ہوا ابن زیاد کے پاس پہنچتا ہے:

"عالی جاہ! جلدی کسی کو بھیج کر میثم کی زبان کٹوا ڈالئے مجھے پورا اندیشہ ہے کہ کہیں لوگوں کے دل بدل نہ جائیں اور وہ آپ کے خلاف علم بغاوت نہ بلند کر دیں"۔

ابنِ حریث نے ابن زیاد کی واقعی خیر خواہی کی تھی۔ فضائلِ اہلِ بیتؑ ہی آلِ ابوسفیان کو رسوا کرنے کے لئے کافی تھے چہ جائے کہ فضائلِ اہلِ بیتؑ کے ساتھ ساتھ میثم بنی اُمیہ کے عیب اور اُن کی شرم ناکیاں بھی بیان کر رہے تھے۔ علیؑ کے فضائل اور الم نشرح ہو جانے پر لوگوں میں انقلاب پیدا ہو جانا ناممکن بات نہ تھی۔

یہی شعور و احساس دشمنانِ اہلِ بیتؑ پر اول روز سے طاری رہا۔ ابن زیاد کو عمرو بن حریث کی نصیحت کی ضرورت نہ تھی وہ تو یہی شعور و احساس لے کر پیدا ہوا تھا۔ لیکن ابن حریث کو بہر حال علیؑ کی دشمنی ظاہر کرنا تھی۔

میثم تمار نے تقیّہ نہیں کیا:

تقیّہ اہلِ بیتؑ کا مذہب رہا ہے۔ تقیے ہی کے ذریعے دوست دارانِ اہلِ بیتؑ کی جانیں محفوظ رہیں اور اُن کے مذہب کو اتنا فروغ ہوا کہ آج دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں پیروانِ اہلِ بیتؑ موجود نہ ہوں۔ اس تقیے پر عقلی دلیلیں بھی قائم ہیں اور نقلی دلیلیں بھی کتاب و سنّت دونوں اس کو ثابت کرتی ہیں۔

اس صورت میں سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب تقیہ اہلِ بیتؑ کا دین و مذہب رہا تو پھر میثم نے بھی کیوں نہیں تقیہ کیا۔ میثم اہلِ بیتؑ کے احکام پر عمل کرنے کے سب سے زیادہ سزاوار تھے۔ وہ تقیے کے حکم پر عمل کر کے آسانی سے اپنی جان

بچا سکتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ائمۂ معصومین میں سب سے پہلے جس شخص نے تقیے پر عمل کیا وہ امیر المومنینؑ ہیں بلکہ آپ نے اپنے لئے اُس کو لازم کر لیا تھا۔ حد تو یہ ہے کہ آپ نے اپنی حکومت کے زمانے میں بھی اس تقیّے سے کام لیا لہٰذا چاہئے تو یہی تھا کہ آپ کے اصحاب جو آپ کے پیرو اور آپ کے نقش قدم پر چلنے والے تھے، آپ کے مقربین اور مخصوصین، جو آپ کے مخفی رموز و اسرار کے حامل تھے تقیّے کے حجاب سے کام لیتے تا کہ دشمنوں کے ظلم و تعدی اور اُن کی ایذا رسانیوں سے اُن کی جان محفوظ رہتی۔ اور وہ اپنی جان ہلاکت میں نہیں ڈالتے لیکن وہ اسباب جن کی بنا پر میثم تقیہ نہیں کر سکے کئی ایک تھے۔

پہلا سبب تو یہ ہے کہ امیر المومنینؑ کے زمانۂ حکومت نے آپ کے دوستوں کو اس کا موقع فراہم کیا کہ حق کی حمایت کے لئے کھل کر میدان میں اتر آئیں۔ زبان سے بھی حق کی حمایت کریں اور نیزہ و شمشیر سے بھی۔ جس شخص نے حق کی حمایت اور دفاع میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ اُس کی مودت اور محبت اور اہلِ بیت سے وابستگی پوری طرح عالم آشکار ہو گئی اور جب زمانے نے امام حسنؑ سے خیانت کی معاویہ مملکت اسلامیہ کے مالک بن بیٹھے تو اُن کی جان توڑ کوشش اس بات کی رہی کہ اسلام و پیغمبرؐ اسلام اور امیر المومنینؑ سے گن گن کر بدلہ لیں۔ اگر وہ بدلہ نہ لیتے اور اہلِ بیتؑ اور دوست دارانِ اہلِ بیتؑ پر اپنی تلوار نہ اُٹھاتے تو اُن کے کلیجے کی بھڑکتی ہوئی آگ کیسے ٹھنڈی ہوتی۔ ظاہر ہے کہ معاویہ جانثارانِ امیر المومنینؑ سے پوری طرح آگاہ رہا ہوگا۔ یہ لوگ کوفے کے نمودار اور سربرآوردہ افراد تھے صفین میں ان لوگوں نے جو خدمات انجام دی تھیں معاویہ کے دل پر پتھر کی لکیر بنے ہوئی تھیں، اُن کی چلتی ہوئی تلواریں، چمکتے ہوئے

نیزے دیکھ کر کتنے کڑوے گھونٹ اُسے پینا پڑے تھے اب ممالک اسلامیہ پر پوری طرح قابض ہو جانے کے بعد اُس کے لئے موقع تھا کہ وہ ایک ایک سے انتقام لے اور سب کو موت کے گھاٹ اُتارے۔ اُس وقت اگر جاں نثارانِ امیر المومنینؑ تقیہ بھی کرتے تو اُنھیں کیا فائدہ ہوتا۔ معاویہ تو ایک ایک شخص کو پہچانتا تھا۔ یہ بات حیرت کی نہیں کہ معاویہ نے ان جاں نثاروں میں سے کسی کو قتل کیا، کسی کو سولی پر چڑھایا، کسی کو قید خانہ میں ڈالا۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ میثم اور تھوڑے بہت جاں نثارانِ امیر المومنینؑ اُس کے ہاتھوں سے بچ کیسے رہے۔ معاویہ نے ان منتخب روزگار جاں نثارانِ امیر المومنینؑ پر کیسے کیسے مظالم ڈھائے آپ اس سے ناواقف نہیں کہ ہم ان مظالم کا تذکرہ آپ کے سامنے ضروری سمجھیں۔ ہم امامِ مظلوم کے خط کا صرف ایک فقرہ یہاں ذکر کرنا چاہتے ہیں جو آپ نے معاویہ کو لکھا تھا۔ اُسی فقرے سے اندازہ ہو جائے گا کہ معاویہ نے دوست دارانِ امیر المومنینؑ کو کس کس طرح نیست و نابود کیا تھا۔

امامِ مظلوم نے معاویہ کے اس ظُلم و تعدی کا جو حجر بن عدی اور اُن کے اصحاب، عمرو بن حمق اور اُن کے ساتھیوں کے ساتھ روا رکھا گیا ذکر کرنے کے بعد تحریر کیا تھا۔

''پھر تم نے زیاد کو لکھا کہ وہ ہر اُس شخص کو قتل کر ڈالے جسے علیؑ کے دین پر پائے۔ زیاد نے تمہارے ہی حکم سے اُنھیں قتل کیا اُن کے ہاتھ پیر کاٹے''۔

اسی سلسلے میں آپ نے لکھا۔ ''تم نے یہ سارے مظالم اُن لوگوں پر صرف اس وجہ سے کئے کہ یہ ہمارے حق کا تذکرہ کیا کرتے اور ہمارے حق کی عظمت و اہمیت سے واقف تھے''۔ (رجال کشی، حالات عمرو بن حمق)

ایسی صورت میں ان جاں نثارانِ امیر المومنینؑ کو تقیے سے فائدہ ہی کیا ہوتا۔

معاویہ حاکم وقت تھا زیاد اُن کا دایاں باز و تھا۔ زیاد اُن جاں نثارانِ امیر المومنینؑ میں سے ایک ایک کو بخوبی پہچانتا تھا۔ کیوں کہ پہلے وہ بھی امیر المومنینؑ ہی کے آدمیوں میں سے تھا۔

دوسرا سبب یہ کہ امیر المومنینؑ اچھی طرح جانتے تھے کہ میرے بعد معاویہ میرے مخلص اصحاب پر کیسے کیسے مظالم ڈھائیں گے۔ آپ نے اپنے بہت سے اصحاب کو بتا بھی دیا تھا کہ تم پر کیا اُفتاد پڑنے والی ہے۔ آپ نے اُنھیں اجازت دے دی تھی کہ اگر تمہیں مجبور کیا جائے کہ ہمیں گالیاں دو تو دے لینا اس طرح ہماری پاکیزگی بڑھے گی اور تمہیں نجات مل جائے گی لیکن اگر ہم سے بے زاری کا اظہار کرنے پر تمہیں مجبور کیا جائے تو ہرگز ایسا نہ کرنا۔ معاویہ اور اُس کے کار پرواز جب امیر المومنینؑ کے کسی مشہور صحابی کو گرفتار کرتے تو خاص کر اُنھیں اسی بات پر مجبور کرتے کہ وہ امیر المومنینؑ سے اظہارِ بے زاری کریں۔ ابنِ زیاد نے بھی میثم کو سُولی دیئے جانے سے پہلے اسی پر مجبور کیا تھا اور اُن کے لئے دو ہی راہیں رہ گئی تھیں یا تو جان دینا گوارہ کریں یا اپنے دین کو خیر باد کہیں اور میثم سب کچھ کر سکتے تھے مگر اپنے دین کو ہاتھ سے ہرگز نہیں جانے دے سکتے تھے۔

تیسرا سبب یہ کہ تقیے کے بھی کچھ شرائط ہیں۔ اگر شرائط نہ موجود ہوں گے تو تقیہ بھی جائز نہیں اسی لئے امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ تقیہ جان بچانے کے لئے ہے لیکن اگر جان بہر حال جانے والی ہو تو پھر تقیے کی گنجائش نہیں۔ (کافی باب التقیہ)

اور میثم کے متعلق ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ ان کا قتل کیا جانا یقینی ہو چکا تھا۔ ابن حریث اور دوسرے لوگوں نے ابن زیاد کے اچھی طرح کان بھرے تھے اور میثم کے قتل کی ترغیب دلائی تھی۔ وہ اُس وقت تقیہ کرتے بھی تو کیا فائدہ

ہوتا موت تو یقینی تھی۔

چوتھا سبب یہ کہ دین جان سے زیادہ قیمتی ہے اگر جان کی قربانی پیش کرنے ہی پر دین کی حفاظت اور حق کی اشاعت موقوف ہو تو اس وقت تقیّے کا محل نہیں۔ آخر اسلام نے جہاد کس لئے واجب کیا تھا جب کہ اس میں خوں ریزی لازمی چیز ہے اور کس لئے امام حسینؑ نے اپنے اور اپنے منتخب اصحاب کو قربان کیا جب کہ آپ بخوبی جانتے تھے کہ مجھے بھی قتل ہونا ہے اور میرے اصحاب کو بھی۔ یہ بھی جانتے تھے کہ ہم بنی اُمیہ سے ٹکر لینے کی تدبیر نہیں رکھتے، کیا یہ سب کچھ دین ہی کی خاطر نہیں تھا اور کیا دین جان سے زیادہ قیمتی چیز نہیں جب کہ دین والوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ دین ہم سے قربانی کا خواہاں ہے تو اُس وقت تقیّے کا محل نہیں نہ آنکھیں بند کی جا سکتی ہیں نہ سستی کی جا سکتی ہے نہ قدم پیچھے ہٹایا جا سکتا ہے۔

پانچواں سبب یہ ہے کہ امیر المومنینؑ نے بارہا میثم کو ان مصائب و آفات سے آگاہ کیا تھا جن کا وہ سامنا کرنے والے تھے اور یہ بھی بتادیا تھا کہ یہ مصیبتیں اُٹھا کر جنت حاصل کرو گے لہٰذا اُس وقت اگر وہ تقیّہ کر کے اپنی جان بچانے کی کوشش کرتے تو معاملہ برعکس ہوتا۔ تقیّہ اُن پر واجب بھی کیوں کر ہوتا جب کہ اہلِ بیتؑ کا حق اور بنی اُمیہ کا ظلم و جور اُنھیں نفوس کے ذریعے ظاہر ہوا جو بے جرم و خطا محض از راہِ ظلم و عدوان موت کے گھاٹ اُترے۔

ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ میثم اس بارے میں مختار و آزاد رہے ہوں کہ چاہیں تو اپنی جان بچانے کے لئے تقیّہ کریں چاہے دین کی نصرت کی خاطر اعلانِ حق کر کے اپنی جان کی قربانی کریں۔ میثم جیسے عالمِ دین و خبیر انسان پر یہ بات پوشیدہ نہیں رہی ہوگی کہ اُن کی تکلیف کیا ہے اور اس نازک وقت میں ہمیں کیا کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔

جو شخص تنزیلِ قرآن اور اُس کی تاویل سے آگاہ ہو وہ تقیّے کے حکم سے ہرگز ناواقف نہیں رہا ہوگا۔ امیر المومنینؑ اگر سمجھتے ہوتے کہ میثم کے لئے تقیہ کرنا واجب ہے تو آپ یقیناً اُنھیں تقیّے کی وصیت کئے ہوتے مگر آپ نے نہ تقیہ کرنے کا حکم دیا نہ تقیّہ کرنے سے منع کیا کیوں کہ آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ تقیّے کے بارے میں جو حکم ہے میثم اُس سے ناواقف نہیں۔ کب تقیہ سُود مند ہوگا کب نہیں اُنھیں اچھی طرح معلوم ہے۔ میثم تقیے پر کیوں عمل کرتے جب کہ ابن زیاد اُنھیں علیؑ سے اظہارِ برأت کرنے پر مجبور کر رہا تھا اُن کے لئے دو ہی صورتیں رہ گئی تھیں یا تو وہ حق پر جان دے دیں یا گمراہی پر زندہ رہیں۔

میثم تمار نے سچّی حدیثیں بیان کیں:

علمائے رجال کا دستور ہے کہ وہ اُسی راوی کو ثقہ قرار دیتے ہیں جس کے ثقہ ہونے کی دو عادل گواہی دیں۔ میثم کی شان اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ تھی کہ اس دستور کی پابندی اُن کے لئے بھی ضروری سمجھی جائے۔ وہ حدودِ عدالت و وثاقت سے کہیں آگے تھے۔ وہ امیر المومنینؑ کے علم کے خزینہ داروں میں سے تھے۔ اُوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ باب مدینۃ العلم امیر المومنینؑ اُنھیں اسرار علوم اور غوامض ورُموز کی تعلیم دیا کرتے۔ جس شخص کا سینہ مخفی علوم اور سرّ مکنون اپنے اندر محفوظ رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو اُس کی شان اس سے بلند ہے کہ کمتر درجے کے لوگ جو علم اور عزّت و شرف میں اُس کے برابر کے نہ ہوں اُنھیں ثقہ قرار دیں۔ میثم اُن علمائے حدیث میں سے تھے جن سے علم حاصل کیا جاتا تھا۔ صالح بنِ میثم نے امام محمد باقرؑ سے درخواست کی کہ آپ مجھے حدیث کی تعلیم دیجئے۔ آپ نے پوچھا کیا تم نے اپنے باپ سے حدیثیں نہیں سنیں۔ صالح بنِ میثم نے کہا۔ نہیں میں اُس وقت بہت کمسن تھا۔ امام محمد باقرؑ کا یہ فقرہ حدیث میں میثم کی بلندیِ

منزلت ہی کو صرف ظاہر نہیں کرتا بلکہ بتاتا ہے وہ اتنے احادیث کے حامل تھے کہ اُن سے اخذ حدیث کرنے والے کو پھر کسی سے حدیث حاصل کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

میثم تمار کی کتابیں:

میثم کی کئی کتابیں ایسی تھیں جن کی روایت اُن کے اخلاف کیا کرتے البتہ اربابِ رجال نے ان کتابوں کا نام نہیں ذکر کیا نہ یہ بتایا کہ وہ کس علم میں تھیں۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اُنھوں نے تفسیر قرآن اور علمِ منایا و البلایا امیر المومنینؑ سے حاصل کیا تھا اس لئے بہت ممکن ہے کہ وہ کتابیں انھیں علوم پر مشتمل رہی ہوں۔ میثم اور انھیں جیسے دیگر صاحبانِ علم کی تصانیف کا ضائع و برباد ہو جانا علوم و فنون سے افسوسناک محرومی ہے۔

میثم تمار کی شہادت:

خداوند عالم کی یہی مرضی تھی کہ میثم جیسے منتخب روزگار افراد اپنے بستر پر جان نہ دیں۔ جب تک زمین اُن کے خون سے سیراب نہ ہو یا اُن کے جسموں کو سُولی پر نہ چڑھایا جائے۔ کاش اُن کا مرنا ایک ہی مرتبہ کا ہوتا چاہے سُولی پر چڑھ کر یا تلوار سے ذبح ہو کر تاکہ دنیا کی اس ذلیل دخوار زندگی سے اُن کو فوری نجات مل جاتی مگر اُن لوگوں کی قسمت میں تو گھٹ گھٹ کر مرنا اور سسک سسک کر دم توڑنا لکھا ہوا تھا۔

میثم اُن مصائب و آفات کا برابر تذکرہ کیا کرتے جو اُنھیں ابنِ زیاد کی طرف سے پیش آنے والے تھے۔ اُنھیں ایک ایک اُفتاد کا علم تھا حتیٰ کہ وہ اس دن سے بھی واقف تھے جس دن اُنھیں سُولی پر لٹکایا جانے والا تھا اُس تنے کو بھی پہچانتے

تھے جس پر انھیں سُولی دی جانے والی تھی۔ وہ اُس دن کے برابر منتظر رہے۔ میثم حج کے لئے جاتے ہیں۔ جناب اُمّ سلمہ زوجہ پیغمبرؐ سے ملاقات ہوئی اُمّ سلمہ نے پیغمبر خداؐ سے ان کے بارے میں جو سُن رکھا تھا وہ سب بیان کیا۔ ان باتوں کا امیر المومنینؑ کے ذریعہ میثم کو بھی پہلے ہی سے علم تھا۔ میثم نے اُمّ سلمہ سے امام حسینؑ کے متعلق دریافت کیا۔ اُمّ سلمہ نے بتایا کہ وہ مدینہ کے اطراف میں کہیں گئے ہوئے ہیں۔ جناب اُمّ سلمہ نے بتایا کہ امام حسینؑ تمہیں بڑی اہمیت دیتے ہیں اور برابر یاد کرتے رہتے ہیں۔ میثم نے کہا میں بھی اُنھیں ہر وقت یاد رکھتا ہوں۔ آپ اُن سے میرا سلام کہیے گا۔ میثم نے کہا ہم اور وہ جلد ہی خدا کی بارگاہ میں ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔ میثم کا مطلب یہ تھا کہ ہم دونوں کی زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی اور بیس روز آگے پیچھے دونوں کی شہادتیں ہوئیں۔ جب اُمّ سلمہ نے کنیز کو حکم دیا کہ میثم کی داڑھی میں عطر لگا دے۔ میثم نے کہا عنقریب یہی داڑھی سبیلِ اہلِ بیتؑ میں خون سے رنگین ہو گی۔ اُمّ سلمہ نے پوچھا یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ میثم نے کہا میرے سیّد و آقا مجھے بتا گئے ہیں۔ جناب اُمّ سلمہ رونے لگیں اور فرمایا، بس تمھارے ہی سیّد و آقا نہ تھے بلکہ ہمارے اور تمام مسلمانوں کے بھی سیّد و آقا تھے۔

حج و عمرہ بجالا کر میثم کوفے واپس ہوئے۔ اُن کی قوم کا نمبردار راستہ میں ملا۔ وہ سو سپاہیوں کے ساتھ اُن کی راہ دیکھ رہا تھا۔ ابن زیاد نے اس نمبردار کو تاکید کی تھی کہ جس طرح بھی ہو میثم کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ اگر نہ لاؤ گے تو تمہاری جان کی خیر نہیں۔ میثم ابھی اپنے گھر والوں سے ملنے نہ پائے تھے کہ نمبردار نے اُنھیں گرفتار کر لیا۔ میثم اس نمبردار کو بھی بہت پہلے خبر دے چکے تھے کہ عنقریب تم میرے ساتھ یہ سُلوک کرنے والے ہو۔

ایک اکیلے میثم کی گرفتاری کے لئے ابن زیاد کا اتنا اہتمام کہ سو سپاہی اس کے لئے متعین کئے جائیں۔ انتہائی حیرت کی بات ہے کہ میثم انتہائی سن رسیدہ اور کمزور و ناتواں انسان تھے۔ زہد و عبادت کی وجہ سے جسم کی کھال تک سوکھ چکی تھی۔ کوفے میں اُن کا قبیلہ اور خاندان والے بھی نہ تھے۔ ابن زیاد جابر و قاہر حاکم تھا اُس کے اور میثم کے درمیان حائل بھی ہونے والا کون تھا اسی بات سے اندازہ ہوتا ہے میثم کوفے میں بے یار و مددگار نہ تھے۔ انھیں ایسی اہمیت ضرور حاصل تھی جس کی وجہ سے ابنِ زیاد کو اندیشہ ہوا کہ کہیں کچھ لوگ اُن کی حمایت پر کھڑے نہ ہو جائیں اور حکومت کے ملازمین کے ہاتھوں سے میثم کو چھین نہ لیں۔ پھر اُس وقت کوفے کے باشندوں کو امام حسینؑ کی تشریف آوری کا انتظار بھی تھا۔ اندر ہی اندر لاوا پک رہا تھا۔ اگرچہ جناب مسلمؑ کی شہادت کے بعد ابن زیاد نے شیعوں کو چُن چُن کر قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ معززین شیعہ کی گرفتاریوں کا برابر سلسلہ جاری تھا اس ڈر سے کہ کہیں امام حسینؑ کے آجانے پر یہ لوگ بغاوت نہ کر دیں۔

جب نمبر دار میثم کو لے کر ابن زیاد کے پاس پہنچا تو کہا یہ میثم (امیر المومنینؑ) کے بہت نزدیکی اور محبوب صحابی ہیں۔ ابن زیاد نے کہا۔ ''ارے یہ عجمی شخص''!

روایتوں میں یہ بھی ملتا ہے کہ بازار کے دوکانداروں نے میثم سے کہا۔ ہمارے ساتھ ابن زیاد کے پاس چلو تاکہ ہم بازار کے انسپکٹر کی اُس سے شکایت کریں اور اُس پر زور دیں کہ اس کو بدل کر دوسرا آدمی بھیجا جائے۔ ان دوکانداروں کے ترجمان یہی میثم تھے۔ ابن زیاد نے اُن کی باتیں توجہ سے سُنیں اور اُن کی گفتگو اُسے پسند آئی۔ عمرو بن حریث نے کہا۔ خدا امیر کا بھلا کرے آپ جانتے ہیں یہ کون شخص ہیں۔ ابن زیاد نے کہا کون ہیں؟ کہا میثم کذاب

غلام علیؑ (معاذ اللہ) کذاب ہیں۔ ابن زیاد سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میثم سے کہا یہ عمرو کیا کہہ رہا ہے۔ میثم نے کہا یہ جھوٹا ہے۔ میں بھی سچا اور میرے آقا علی ابن ابی طالبؑ بھی سچّے تھے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ میثم و مختار اور شیعوں کی بہت بڑی تعداد کو جناب مسلمؑ و ہانی کی شہادت کے بعد ابن زیاد نے قید خانے میں ڈال رکھا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ حج عمرہ سے کوفے واپس آنے پر میثم قید کئے گئے ہوں (جیسا کہ اُن کے فرزند صالح کا کہنا ہے کہ میرے باپ کو حج سے واپس ہوئے دو ہی دن ہوئے تھے کہ ابنِ زیاد نے اُنھیں گرفتار کرلیا)۔ میثم نے قید خانے میں مختار سے کہا۔ تم بچ نکلو گے اور طالبِ انتقامِ حسینؑ ہوگے۔ تم اس جابر و ظالم کو قتل کروگے جس نے ہمیں قید کررکھا ہے تم اپنے قدموں سے اُس کی پیشانی روندو گے۔ میثم نے جیسا کہا تھا ویسا ہی ہوا۔ جب ابنِ زیاد نے مختار کو قتل کرنے کے لئے قید خانہ سے طلب کیا ٹھیک اُسی وقت قاصد یزید ابن زیاد کے پاس پہنچا جس میں اُس نے حکم دیا تھا کہ مختار کو رہا کردو۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ مختار کی بہن عبداللہ ابن عمر بن خطاب سے بیاہی ہوئی تھی۔ بہن نے عبداللہ ابن عمر سے کہا۔ اُنھوں نے یزید سے سفارش کی۔ یزید نے اُن کی سفارش قبول کرتے ہوئے مختار کی رہائی کا حکم لکھا اور قاصد ٹھیک اُس وقت خط لے کر پہنچا جب ابنِ زیاد اُنھیں قتل کرنے جارہا تھا۔

میثم کے ساتھ یہ پیش آیا کہ ابن زیاد نے اُنھیں اپنے پاس طلب کیا اور پوچھا:

''تمہارا پروردگار کہاں ہے؟''

میثم: میرا پروردگار ظالموں کی گھات میں ہے اور تم بھی اُنھیں ظالموں میں سے ہو۔

ابنِ زیاد: تم عجمی ہونے کے باوجود بڑی اچھی طرح بول رہے ہو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ علی ابنِ طالب تم سے بڑی خصوصیت برتتے تھے۔

میثم: تمہارا کہنا صحیح ہے۔

ابنِ زیاد: تمہیں علیؑ سے بیزاری کا اظہار کرنا پڑے گا۔ اُن کی برائیاں بیان کرو۔ عثمان سے اپنی محبت ظاہر کرو ان کی خوبیاں بیان کرو ورنہ میں تمہارے ہاتھ پیر کاٹ کر تمہیں سُولی دے دوں گا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابنِ زیاد نے میثم سے کہا:

''کہا جاتا ہے کہ علی ابنِ ابی طالبؑ نے تمہیں تمام مصائب و آفات پر مطلع کر رکھا ہے جو تمہیں پیش آنے والے ہیں''۔

میثم: ہاں۔

ابنِ زیاد: میرے متعلق کیا بتایا ہے میں کون سا سُلوک تمہارے ساتھ کروں گا۔

میثم: میرے آقا نے بتایا ہے کہ نو دوسرے اشخاص کے ساتھ تم مجھے بھی سُولی دو گے۔ جس لکڑی پر مجھے سُولی دی جائے گی وہ سب لکڑیوں سے چھوٹی ہو گی۔

ابنِ زیاد: میں اس کا اُلٹا کر کے رہوں گا۔

میثم: تم کیا اس کا اُلٹا کرو گے۔ علیؑ نے یہ تمام باتیں رسولؐ اللہ سے معلوم کر کے مجھے بتائی تھیں۔ رسولؐ اللہ نے جبریل سے اور جبریل نے اللہ سے معلوم کیا۔ تم ان سب کی مخالفت کیسے کر پاؤ گے۔ میں کوفے کی اُس جگہ کو بھی جانتا ہوں جہاں میں سُولی دیا جاؤں گا۔ میں بندگانِ خدا میں پہلا شخص ہوں جسے اسلام میں سب سے پہلے لجام چڑھائی جائے گی جیسے گھوڑے کو چڑھائی جاتی ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ میثم نے کہا:

''میں نے امیر المومنینؑ سے پوچھا تھا۔ یہ سارے سلوک میرے ساتھ کون کرے گا۔ آپ نے فرمایا تھا تمہیں عُتلِ زنیم زنِ بدکار کا فرزند عبیداللہ بن زیاد گرفتار کرے گا''۔

ابنِ زیاد: خدا کی قسم میں تمہارے ہاتھ پیر ضرور کاٹوں گا البتہ تمہاری زبان چھوڑ دوں گا تاکہ تمہیں اور تمہارے آقا کو جھٹلا سکوں۔ پھر ابنِ زیاد نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اُن کے ہاتھ پیر کاٹ کر اُنھیں سُولی پر لٹکا دیا جائے۔ ابنِ زیاد کے ملازمین میثم کو گرفتار کرنے کے لئے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک شخص میثم کو دیکھ کر کہنے لگا:

''تم ان سب باتوں سے بے نیاز تھے (یعنی ابنِ زیاد کے حکم کی تعمیل کرتے تو اس کی نوبت نہ آتی)''۔

میثم اس کی بات سن کر مسکرائے اور کھجور کے درخت کی طرف اشارہ کر کے کہا:

''میں اس درخت کے لئے پیدا ہوا اور اس درخت نے میرے ہی لئے نشوونما پائی''۔

جب وہ سُولی پر لٹکا دیئے گئے تو بآوازِ بلند پکار کر کہا:

''لوگو جسے علی ابن ابی طالبؑ کے مخفی علوم اور رُموز و اسرار سننا ہوں وہ مجھ سے آ کر سُن لے قبل اس کے کہ میں مارا جاؤں۔ خدا کی قسم میں قیامت تک پیش آنے والے واقعات سے تمہیں آگاہ کر سکتا ہوں۔ یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ کیسے کیسے فتنے رونما ہونے والے ہیں''۔ میثم نے سُولی ہی پر سے فضائل بنی ہاشم اور بنی اُمیہ کی ذلت و خواری اور حیرت انگیز پیش آنے والے واقعات بیان کرنا شروع کیے۔ لوگوں نے ابن زیاد سے جا کر کہا۔ ''اس غلام نے تو تمہیں رسوا کر دیا''۔

ابنِ زیاد نے کہا۔ ''منہ پر ان کے لجام چڑھا دو''۔ چنانچہ میثم بندگانِ خدا میں پہلے وہ شخص ہیں جنھیں اسلام میں لجام چڑھائی گئی!

عمرو بن حریث اپنے گھر جا رہا تھا۔ راستے میں مجمع دیکھ کر لوگوں سے پوچھا۔ ''یہ کیسی بھیڑ ہے؟'' بتایا گیا کہ میثم تمار علی ابن ابی طالبؑ کی حدیثیں بیان کر

رہے ہیں۔

وہ اُلٹے پیروں بھاگتا ہوا ابنِ زیاد کے پاس پہنچا اور کہا۔ ''حضور جلدی کسی کو بھیج کر میثم کی زبان کٹوا ڈالئے ورنہ مجھے پورا اندیشہ ہے کہ لوگوں کے دل آپ سے برگشتہ ہو جائیں گے''۔

ابنِ زیاد نے ایک سپاہی کو حکم دیا کہ ''جاؤ میثم کی زبان کاٹ ڈالو''۔

اُس سپاہی نے میثم کے پاس آ کر کہا۔ ''میثم تمہیں جو کچھ کہنا ہے کہہ ڈالو۔ امیر نے مجھے تمھاری زبان کاٹ ڈالنے کا حکم دیا ہے''۔

میثم نے کہا۔ ''بدکار عورت کا فرزند مجھے اور میرے مولاؑ کو جھٹلانا چاہتا تھا۔ لو یہ میری زبان ہے''۔

سپاہی نے اُن کی زبان کاٹ لی۔

لجام چڑھائے جانے اور زبان کاٹے جانے دونوں باتوں کی امیر المومنینؑ نے میثم کو خبر دے رکھی تھی۔ میثم اپنی گفتگو میں دونوں ہی باتوں کا ذکر کیا کرتے اور میثم کی سرگزشتِ شہادت میں ان دونوں باتوں کا تذکرہ بھی ہے۔ غالباً دونوں ہی باتیں ایک ساتھ پیش آئیں، پہلے اُنھیں لجام چڑھائی گئی۔ جب اندازہ ہوا کہ لجام بھی اُنھیں علیؑ و اہلبیتؑ کے فضائل بیان کرنے سے روک نہیں رہی ہے تو بعد میں اُن کی زبان بھی کاٹ ڈالی گئی۔

دوسرے دن قبلِ غروبِ آفتاب اُن کی ناک اور منہ سے خون بہنا شروع ہوا جس سے اُن کی داڑھی خون سے رنگین ہو گئی۔ تیسرے دن ایک شخص آیا اُس نے پہلے تو یہ کہتے ہوئے خنجر لہرایا کہ میں نے ہمیشہ تمہیں عبادت الٰہی میں مصروف پایا۔ پھر اُس نے اُن کی کوکھ پر خنجر کا وار کیا۔ میثم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اُن کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

ایک اور حدیث میں مذکور ہے کہ خنجر کا وار اُن پر پہلے ہی دن ہوا تھا۔ دو دن تک خون بند رہا۔ تیسرے دن غروب آفتاب سے پہلے خون اُن کی ناک اور منھ سے پھوٹ بہا جس سے اُن کی ڈاڑھی رنگین ہوگئی۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ چوتھے دن اُن کی موت واقع ہوگئی۔

میثم کے فرزند صالح بیان کرتے ہیں۔ چند روز کے بعد سے اُس تنے تک گیا جس پر میثم کو سُولی دی گئی تھی دیکھا تو وہی تنہ تھا جس پر میں نے پہلے سے کیل ٹھونک رکھی تھی۔

میثم نے جو آفتیں سہیں خداوند عالم اُن کا شاہد تھا وہی دشمنانِ میثم سے انتقام بھی لے گا۔ اگر اُس دن بنی اُمیہ اپنے کرتوت اور میثم کی ایذا رسانیوں کی سزا سے بچ رہے تو بروزِ حشر ہرگز نہ بچ پائیں گے۔

بنی اُمیہ نے میثم اور اُنھیں جیسے منتخب روزگار انسانوں پر مظالم کرکے اپنے کو ہمیشہ کے لئے ذلیل و رسوا کرلیا۔ اُن کی ذلت و رسوائی، قیامت تک تاریخ کے صفحات پر محفوظ رہے گی۔ اسی طرح ان نیکوکاروں کی عزت و شرف اور اُن کی سر بلندیاں بھی تاریخ میں ہمیشہ محفوظ رہیں گی۔

میثم تمار کو کہاں سُولی دی گئی:

بعض مصادر جیسے تاریخِ کوفہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ میثم کو میدانِ صیارفہ میں سُولی دی گئی لیکن اکثر کتابوں میں یہی مذکور ہے کہ میثم عمرو بن حریث کے گھر کے قریب سُولی دیئے گئے غالباً عمرو کا گھر میدانِ صیارفہ ہی میں تھا لہٰذا دونوں میں کوئی منافات باقی نہیں رہتی۔ جناب مسلمؑ کے واقعہ شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرو کا گھر مسجد کوفہ کے قریب تھا کیونکہ جب آپ کو گرفتار کرکے دارالامارہ لے جایا جا رہا تھا اور آپ نے پانی مانگا تو عمرو بن حریث نے غلام کو بھیج کر اپنے گھر

سے پانی منگایا۔ اگر عمرو کا گھر مسجد سے قریب نہ ہوتا تو اتنے کم وقت میں اس کے گھر سے پانی کا آنا دشوار تھا

میثم تمار کا روزِ قتل:

تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ میثم امام حسینؑ کے عراق پہنچنے سے دس روز پہلے شہید ہوئے۔ امام حسینؑ ۲، محرم کو وارِدِ کربلا ہوئے تھے اس بنا پر ۲۲، ذی الحج کو وہ قتل کئے گئے۔

لیکن چونکہ سُولی پر چڑھائے جانے کے دو دن بعد میثم کی رُوح نے قفسِ عنصری سے پرواز کی تھی اس لئے ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ ۲۰، ذی الحج کو سُولی پر چڑھائے گئے اور ۲۲، ذی الحج کو ان کا دم نکلا اور چونکہ امامؑ کی شہادت جمعہ کے دن ہوئی اس لئے آپ عراق جمعرات کو پہنچے ہوں گے اور میثم بروزِ اتوار سُولی پر چڑھائے گئے اور بروزِ سہ شنبہ اُن کی رحلت ہوئی۔

میثم تمار کا دفن:

کھجور کے سات تاجروں نے آپس میں طے کیا کہ میثم کو رات میں دفن کر ڈالیں۔ پہرہ دار اس لکڑی کے گرد پہرہ دے رہے تھے جن پر میثم کو سُولی دی گئی تھی ان تاجروں نے آگ روشن کر دی اور اُس کی آڑ میں اس پوری لکڑی کو اُٹھالے گئے۔ لاش اُنھوں نے قبیلۂ مُراد کے چشمہ کے سرے پر دفن کر دی اور لکڑی کو کسی کھنڈر میں ڈال دیا۔ صبح کو ابنِ زیاد نے اپنے سپاہی تلاش کے لئے بھیجے مگر اُن کے کچھ ہاتھ نہیں لگا۔

میثم تمار دس کے دسویں تھے:

روایات میں مذکور ہے کہ جس دن میثم کو سُولی دی گئی۔ اُسی دن نو یا آٹھ

دوسرے آدمی بھی سُولی دیئے گئے اس طرح میثم دس کے دسویں یا نو کے نویں سُولی دیئے جانے والے تھے۔ قرینہ غالب یہ ہے کہ باقی ۹ یا ۸ آدمی بھی اکابر شیعیان اہلِ بیتؑ ہی سے رہے ہوں گے۔ روایات سے پتہ نہیں چلتا کہ کون کون لوگ میثم کے ساتھ مصلوب ہوئے البتہ کشی کی بعض حدیثوں میں ملتا ہے کہ امیر المومنینؑ نے میثم کو بتلایا تھا کہ وہ کھجور کا درخت جس پر اُنھیں سُولی دی جانے والی تھی اُس کے چار ٹکڑے کیے جائیں گے۔ ایک ٹکڑے پر میثم کو سُولی دی جائے گی۔ دوسرے پر حجر بن عدی کو، تیسرے پر محمد بن اکثم کو، چوتھے پر خالد بن مسعود کو۔ لیکن ہمیں پتہ نہ چل سکا کہ یہ کون لوگ تھے اور یہ حجر بن عدی کون تھے اس لئے کہ حجر بن عدی مشہور صحابی امیر المومنینؑ کو تو معاویہ نے مرجِ عذرا میں بزمانہ حکومتِ زیاد قتل کیا تھا۔ ان کے ساتھ دوسرے بعض معززین شیعہ بھی قتل کیے گئے تھے۔ ان لوگوں سے کہا گیا تھا کہ امیر المومنینؑ سے بیزاری کا اظہار کریں۔ ان لوگوں نے انکار کیا جس پر یہ سب قتل کر ڈالے گئے۔

میثم تمار کا درجہ جنّت میں:

امیر المومنینؑ نے ایک دن میثم سے کہا تھا تمھارا کیا حال ہوگا اُس دن جب کہ بنی اُمیہ سے ہونے کا جھوٹا دعویدار (ابن زیاد) تمہیں مجھ سے اظہارِ بیزاری کرنے پر مجبور کرے گا۔ میثم نے کہا امیر المومنینؑ ایسا میں ہرگز نہیں کروں گا۔ آپ نے فرمایا تو وہ تمہیں قتل کر ڈالے گا، تمہیں سُولی پر چڑھائے گا۔ میثم نے کہا۔ میں صبر کروں گا اللہ کی راہ میں یہ بہت تھوڑا ہے۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا اُس صورت میں تم میرے درجے میں ہو گے۔

میثم تمار کا حلیہ:

بنی اسد کی جلسہ گاہ میں حبیب بن مظاہر اور جناب میثم میں جو بات چیت ہوئی تھی اُسی بات چیت میں حبیب نے کہا تھا کہ میں ایک پیشانی پر کم بال والے، پرشکم بوڑھے کو دیکھ رہا ہوں جو دار الرزاق کے پاس خربوزے بیچتا ہے۔ کتابوں سے بس اتنا ہی حلیہ جناب میثم کا معلوم ہو سکا اس سے زیادہ نہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس وقت یہ گفتگو ہوئی تھی میثم بوڑھے تھے اور کسی روایت سے پتہ نہیں چلتا کہ میثم نے کتنی عمر پائی اور کب پیدا ہوئے تھے۔

یہ گفتگو یہ بھی بتاتی ہے کہ میثم خربوزے بیچا کرتے تھے حالانکہ اصل میں وہ کھجور کے تاجر تھے اسی لئے ان کا لقب بھی تمار قرار پا گیا تھا۔ غالباً جس زمانہ میں یہ گفتگو ہوئی تھی اس زمانہ میں میثم خربوزے ہی بیچا کرتے ہوں گے۔

میثم تمار کا روضہ اور ضریح:

میثم کا جہاں آج مقبرہ بنا ہوا ہے بے شمار دلائل و شواہد بتاتے ہیں کہ اُسی میں وہ مدفون ہیں۔ شروع سے لے کر آج تک لوگ اُسی کو اُن کی قبر قرار دیتے ہیں۔ کوفے میں سیکڑوں ہی صحابہ، تابعین اور اولیا و صالحین اور علوی سادات شہید ہوئے اور دفن ہوئے سوائے چند قبروں کے بقیہ قبروں کا آج پتہ بھی نہیں۔

میثم کی قبر پر ایک قبہ بنا ہوا ہے لیکن مسجد کوفہ کے مجاورین جن میں بہت سے اسی برس کی عمر تک پہنچ چکے ہیں وہ بھی یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ یہ قبہ کب بنا۔ قبہ کے نیچے اوپر پوری عمارت میں کوئی تحریر بھی نہیں جس سے اس کا سالِ تعمیر معلوم ہو سکے۔ میثم کی قبر ہمیشہ سے شیعوں کی زیارت گاہ رہی۔ اس قبر پر ایک خادم مقرر ہے۔

میثم تمار کی اولاد:

میثم کو خداوند عالم کی طرف سے کئی ایک صالح و نیکوکار بیٹے اور پوتے عطا ہوئے۔ مورخین نے اُن کے چھ بیٹوں کے نام لکھے ہیں۔ محمد، شعیب، صالح، علی، عمران اور حمزہ۔

محمد کا رجال کی کتابوں میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔

انھیں محمد نے اپنے باپ میثم سے اور محمد کے لڑکے علی نے محمد سے جناب ابوطالبؑ کے اسلام کے متعلق روایت کی۔ نیز میثم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت علیؑ اور اُن کے باپ دادوں نے مرتے دم تک سوا خدا کے کسی کی عبادت نہیں کی۔

علّامہ ابن حجر نے اس روایت کو بسلسلۂ حالات ابی طالب اصابہ میں نقل کیا ہے اور سلسلۂ حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ خالص شیعی سلسلہ ہے۔ دوسرے فرزند شعیب کو شیخ صدوق نے اصحاب امام جعفر صادقؑ میں شمار کیا ہے۔ اُن کے فرزند یعقوب ہوئے جو بہت مشہور بزرگ ہیں۔ تیسرے فرزند صالح تھے جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ شیخ صدوق نے اُنھیں امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔ ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ علامہ مجلسی کے خلاصہ میں ہے کہ امام محمد باقرؑ نے ان صالح سے کہا۔ میں تمہیں بھی اور تمہارے باپ کو بھی انتہائی دوست رکھتا ہوں۔ انھیں نے امام محمد باقرؑ سے درخواست کی تھی کہ مجھے حدیث کی تعلیم دیجیے۔ امام نے فرمایا تھا کیا تمہارے باپ نے تمہیں تعلیم نہیں دی۔ صالح نے کہا۔ نہیں، کیونکہ میں اُن کی زندگی میں بہت چھوٹا تھا۔

چوتھے فرزند علی تھے جن کے متعلق عون بن محمد کندی کا بیان ہے کہ ائمہ کے حالات و اخبار کا اُن سے بڑھ کر کوئی واقف کار نہ تھا۔

پانچویں فرزند عمران کو شیخ صدوق نے امام زین العابدینؑ پھر امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے صحابہ میں شمار کیا ہے۔ چھٹے فرزند حمزہ کا ہمارے علمائے رجال نے ذکر نہیں کیا۔

میثمِ تمّار

خاور نوری حیدر آبادی

سرکردۂ اربابِ وفا مردِ سرِ دار — اے آلِ محمدؐ کی محبت کے گرفتار

کیا شرم سے کٹ کٹ گئے اسلام کے غدار — جب تیری زباں بن گئی کھینچی ہوئی تلوار

کرتا تھا تجارت کی شرافت کو نمایاں — کیوں ہاتھ بٹاتے نہ ترا حیدرِ کرار

بھولے سے نہ کی غیر یداللہ کی بیعت — اوروں کی طرح تو نہ ہوا حق کا گنہ گار

دم بھر کے لئے بھی نہ درِ علم کو چھوڑا — کیا ہوگا خدا جانے ترے علم کا معیار

مقتل کی نگہداشت کا بھی لطف اُٹھایا — تجھ سا نہ ہوا کوئی شہادت کا طلب گار

بنیادِ تشیع میں ترا خون ہے شامل — شیعہ ترے ممنون ہیں اے میثمِ تمار

بے تیغ کیا لشکرِ بدعت کو ہراساں — اے فاتحِ خیبر کے جگر دار رضا کار

کیا ربط مکمل تھا ترے قول و عمل میں — پھر یوں نہ ہوا کوئی رہینِ رسن و دار

خود تیری زباں تیری صداقت کی ہے شاہد — ہر قطرۂ خوں حبِ علیؑ کا ہے نگہدار

یوں حکم ستمگر نے دیا قطع زباں کا — دعویٰ بھی دلیلیں بھی تھیں نا قابلِ انکار

آئی تری تقریر میں اتنی ہی روانی
جتنی ہوئی پُر جوش ترے خوں کی روانی

طرماح بن عدی بن حاتم

اصحابِ حضرت امیر المومنینؑ سے یہ ایک بڑے ڈیل ڈول، طویل قد و قامت کے اعلیٰ درجہ کے ادیب، فصیح، چرب زبان اور حاضر جواب بزرگ تھے۔ تاریخ ابنِ ہلال میں جو شاہ شجاع مبارزی کے نام سے لکھی گئی ہے مذکور ہے کہ جب حضرت امیر المومنینؑ جنگ جمل فتح کر کے واپس آئے تو معاویہ نے حضرتؑ کے پاس ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ بعد حمد و نعت واضح ہو کہ تم نے اُس بات کی پیروی کی جو تم کو نقصان پہنچائے گی اور اُس چیز کو چھوڑ دیا جو تمہیں نفع پہنچاتی۔ تم نے قرآن مجید کی مخالفت کی اور اُس کے رسول کی سنّت سے بھی منہ موڑ لیا۔ حضرت رسولؐ خدا کے دونوں حواری طلحہ و زبیر اور اُمّ المومنین عائشہ کے ساتھ تم نے جو کچھ کیا وہ سب مجھے معلوم ہوا مگر خدا کی قسم میں تمہیں ایسے شعلے سے ماروں گا جس کو نہ پانی بجھا سکے گا اور نہ ہوا ٹال سکے گی۔ جب وہ گرے گا تو گھس جائے گا اور جب گھسے گا تو سوراخ کر دے گا اور جب سوراخ کرے گا تو بھڑک اُٹھے گا اور سب کو جلا دے گا)۔ لہٰذا تم اپنی فوجوں پر نہ اِتراؤ اور نہ سامانِ جنگ پر گھمنڈ کرو والسّلام۔ جب حضرتؑ کے ملاحظے سے یہ خط گزرا تو حضرتؑ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ خط ہے اللہ کے بندے علیؑ ابن ابی طالبؑ برادرِ رسولؐ و وصیِ رسولِ خدا و پدر حسنؑ حسینؑ کی طرف سے (اے

معاویہ) اُس علیؑ کی طرف سے جس نے (رسول خدا صلعم کے ساتھ) تیرے چچا، دادا اور ماموں کو قتل کیا تھا۔ کیوں معاویہ! کیا تو بھول گیا کہ (میرے ہاتھوں) غزوۂ بدر میں تیری قوم کا کیا انجام ہوا۔ حالانکہ جس تلوار سے میں نے اُس روز اُن لوگوں کو قتل کیا وہ اب تک میرے ہی قبضے میں ہے۔ جس طرح حضرت رسولِ خدا نے اُس تلوار کو میرے ہاتھ میں دیا اسی طرح میرا بازو اسے اب تک اٹھائے ہوئے ہے اور میرے سینے کا دم خم اور میرے بدن کی قوت بھی ویسی ہی ہے اور ان سب کے علاوہ جس طرح خدا میری مدد اُس وقت کرتا تھا اسی شان سے اب تک کرتا ہے۔ میں نے نہ خدا کو بدل کر کوئی دوسرا معبود اختیار کیا، نہ دینِ اسلام کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی پیروی کی، نہ حضرت محمد مصطفیٰ کو ترک کر کے کسی اور کو نبی سمجھا اور نہ اُس تلوار (ذوالفقار) کے عوض کوئی دوسری تلوار رکھی۔ پس تو اپنی نفس پرستی میں جس قدر ہو سکے مبالغہ کر اور جہاں تک بنے کوشش کیے جا۔ کسی طرح اس میں کمی نہ کر کیونکہ یقیناً شیطان تجھ پر مسلط ہو گیا اور جہالت نے تجھے بہکا رکھا ہے اور عنقریب ظالموں کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا کیا بُرا انجام ہوا۔ خط کو تمام کر کے حضرت نے طرماح بن عدی کے حوالے کیا اور فرمایا اسے لے جا کر معاویہ کو دو اور اس کا جواب لاؤ۔ طرماح بڑے بہادر اور دلیر مرد تھے۔ ان کی زبان قینچی کی طرح چلتی اور وہ باتیں کرتے تو معلوم ہوتا موتی برس رہے ہیں۔ بڑی ہی تیز اور چلتی ہوئی زبان پائی تھی۔ جب باتیں کرنے لگتے تو کسی طرح بند ہی نہیں ہوتے اور جواب دینے لگتے تو کسی طرح خاموش ہی نہیں ہوتے تھے۔ انھوں نے حضرتؑ کا خط لے کر اپنے سر میں باندھا اور کہا **سمعا وطاعة وحبا و کرامة** غلام بسر و چشم حاضر ہے اور اس کام کو بڑی خوشی سے عزت و شرف سمجھ کر انجام دے گا۔ پھر تیز سواری پر روانہ ہو کر جلد از جلد دمشق پہنچ گئے

اتفاق سے اُس روز معاویہ سیر وتفریح کے لیے شہر سے باہر ایک باغ میں تھا اور اس کے ارکانِ دولت مثلاً عمرو بن العاص و مروان بن الحکم و شرجیل و ابوالاعور سلمی و ابوہریرہ روسی بھی اس کے ساتھ ہی تھے۔ جب وہ سب باغ میں گھومتے تھے تو دیوار کی پشت سے ایک بلند قامت اعرابی دکھائی دیا جو ایک اونٹ پر سوار اس طرف چلا آتا تھا۔ ان لوگوں نے پہچانا نہیں کہ طرماح ہیں۔ آپس میں کہنے لگے ''اس کو بلا کر مذاق کیا جائے''۔ رائے ہوگئی تو عمرو عاص آگے بڑھا اور اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

عمرو عاص:- کیوں میاں تمہارے پاس آسمان کی کوئی خبر بھی ہے؟

طرماح:- ہاں ہاں اللہ آسمان میں، ملک الموت ہوا میں اور حضرت امیر المومنینؑ تمہاری پشت پر ہیں۔ اب اے عداوت وشقاوت والو! جاتے کہاں ہو۔ مصائب وآفات کے لیے تیار ہو جاؤ کہ جلد تم پر نازل ہوا چاہتی ہیں۔

عمرو عاص وغیرہ:- میاں یہ تو بتاؤ کہ تم آتے کہاں سے ہو؟

طرماح:- میں اس بزرگ کے پاس سے آتا ہوں جو نہایت شریف، پرہیزگار، پاکیزہ، صاف ہے جو خدا کے ہر حکم پر راضی رہتا اور جس کے ہر فعل سے خدا ہر وقت خوش رہتا ہے۔

عمرو عاص وغیرہ:- اور کس کے پاس جاتے ہو؟

طرماح:- میں اسی خبیث موذی کے پاس جاتا ہوں جس کو تم لوگوں نے اپنی گمراہی سے اپنا امیر سمجھ رکھا ہے۔

عمرو عاص نے فوراً ایک رقعہ لکھ کر معاویہ کو خبر کی کہ

علیؑ کے پاس سے ایک بدوی اعرابی آیا ہے جس کی زبان بہت فصیح اور جس کا قول نہایت ملیح ہے۔ اس کے پاس ایک خط بھی ہے۔ تو ہوشیار ہو جا اور غفلت نہ

کر۔ جب طرماح کو معلوم ہوا کہ یہ سب معاویہ کے اصحاب و احباب ہیں تو اونٹ کو بٹھا کر اُتر آئے اور اُن سب کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ معاویہ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو جلد از جلد باغ سے روانہ ہو کر اپنے گھر پہنچا اور یزید کو بلا کر حکم دیا کہ دربار میں خوب شاندار پردے وغیرہ ڈال کر اس کو آراستہ کراؤ۔ جب ان انتظامات کی تکمیل ہوگئی تو عمرو عاص اور اس کے سب ساتھی طرماح کو اپنے ہمراہ دربارِ یزید میں لائے۔ جب دور سے طرماح کی نظر اُن لوگوں پر پڑی تو دیکھا کہ سب کے سب سیاہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں کیونکہ بنی اُمیہ نے یہی وضع اختیار کر رکھی تھی۔ آپ نے برجستہ کہا

ان لوگوں کی کیا حالت ہو رہی ہے، ان کی صورتیں ایسی جلی بھنی کیوں نظر آتی ہیں۔ یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کی فوج بھری ہوئی ہے جس کی راہیں تنگ و تاریک ہیں۔

اور جب ان لوگوں کے نزدیک پہنچے اور دیکھا کہ یزید بیٹھا ہے، اس کی ناک پر کسی ضربت کا نشان ہے اور بہت بلند کرخت آواز سے بول رہا ہے تو طرماح نے کہا یہ کون منحوس ابنِ منحوس ہے جس کا حلق اتنا پھیلا ہوا اور جس کی سونڈ (ناک) زخمی ہے۔ معاویہ والوں نے کہا اے شخص گستاخی نہ کر یہ یزید ہے۔ اس پر آپ نے کہا خدا اس کی روزی کو زیادہ نہ کرے اور نہ اس کو اس کی مراد تک پہنچائے۔ جب طرماح نے یزید کو سلام کیا تو اس نے جواب دیا اور کہا ان ''اے طرماح تم کو مسلمانوں کے بادشاہ سلام کہتے ہیں''۔ طرماح نے کہا ''میری غرض یہ ہے کہ مجھے معاویہ کے پاس لے چلو تا کہ وہ خط جو میں حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت سے لایا ہوں اس کو دے دوں''۔ اس پر یزید ان کو خاص معاویہ کے نشست گاہ میں لے گیا اور چونکہ طرماح پاؤں میں جوتے پہنے ہوئے تھے معاویہ کے بعض

ملازموں نے کہا بس اے طرماح یہاں اپنے جوتے اتار دو۔ یہ سننا تھا کہ طرماح نے داہنے بائیں نظر کی اور برجستہ کہا کیا یہی وادیِ مقدس ہے تاکہ میں یہاں اپنے جوتے اتار دوں اس کے بعد آپ نے آگے کی طرف نظر اٹھائی دیکھا کہ معاویہ اپنے تخت پر بیٹھا ہے اور اس کے ارکانِ دولت اس کے چاروں طرف حلقہ کئے ہوئے ہیں۔ طرماح نے اس فرش کے کنارے کھڑے ہو کر کہا، اے گنہگار اور نافرمان بادشاہ تجھ پر اسلامی سلام ہو۔

معاویہ: اے اعرابی تم پر وائے ہو تم مجھے ''اے امیر المومنین'' کہہ کر سلام کیوں نہیں کرتے؟

طرماح:- اے معاویہ تیری ماں تیرے ماتم میں روتی رہے۔ مومنین تو ہم لوگ ہی ہیں (اور ہم نے تجھ کو اپنا امیر بنایا نہیں پھر) تجھ کو ہم لوگوں پر کس نے امیر بنادیا جس کی وجہ سے میں تجھ کو امیر المومنینؑ کہوں)؟

معاویہ:- مامعک یا اعرابی، اچھا اے اعرابی بتاؤ۔ تم کیا لائے ہو؟

طرماح:- کتابِ کریم میں ایک مبارک مقدس اور معزز خط لایا ہوں۔

معاویہ:- وہ خط مجھے دے دو۔

طرماح:- مجھے تو یہ پسند نہیں آتا کہ اپنا پاؤں تیرے نجس فرش پر رکھ کر وہاں آؤں اور یہ خط تجھ کو دوں۔

معاویہ:- (عمرو عاص کی طرف اشارہ کر کے) کہا خیر میرے اس وزیر کو دے دو۔

طرماح:- ہے ہے! جب بادشاہ ہی ظالم ہے تو اس کا وزیر کس درجہ خائن ہوگا!!! (پھر اس پر بھی کیونکر اعتبار کیا جائے کہ میں اس کو خط دے دوں؟)

معاویہ:- (یزید کی طرف اشارہ کر کے) اچھا تو میرے اس لڑکے کو دے دو۔

طرماح:- واہ تو بھی کیا باتیں کرتا ہے جب ہم لوگ ابلیس (شیطان) ہی سے بھاگتے ہیں تو اس کی اولاد کو کیوں کر پسند کر سکتے ہیں؟

معاویہ:- تو میرے غلام کو دے دو۔

طرماح:- غیر مستحق افسوس غلام بھی تو بے ایمان ہی ہے۔ تو نے اس کو اُس مال سے خریدا جس میں تیرا کوئی حق نہیں تھا اور بغیر استحقاق کے اس پر قبضہ کیا۔ غرض وہ بھی تجھے حرام ہی طریقہ سے ملا ہے۔

معاویہ:- پھر کس طرح میں تم سے اس خط کو لوں؟

طرماح:- اس کی آسان صورت یہ ہے کہ تو اپنی جگہ سے خود اُٹھ تا کہ جو شخص تیرے نزدیک ہے وہ مجھ سے اس خط کو لے کر تجھے دے دے۔ یہ سنتے ہی معاویہ نہایت غیظ وغضب میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ طرماح کے پاس آیا۔ ان سے خط لیا اور پھر اپنے تخت پر واپس جا کر وہ خط اپنے زانو کے نیچے دبا لیا اس کے بعد کہا۔

معاویہ:- کیوں اے اعرابی تم نے علی ابنِ ابی طالبؑ کو کس حال میں چھوڑا؟

طرماح:- خدا کے فضل وکرم سے میں نے حضرت کو چودھویں رات کے چمکتے چاند کی طرح چھوڑا ہے۔ حضرتؑ کے گرد آپ کے اصحاب بھی مثل روشن ستاروں کے اس طرح حلقہ کئے رہتے ہیں کہ جب انھیں کسی بات کا حکم دیتے ہیں تو فوراً وہ سب اس طرف جھک پڑتے ہیں اور جب انھیں کسی بات سے منع کر دیتے ہیں تو کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ اس کا خیال تک کرے۔ اے معاویہ حضرت اپنے ان لوگوں کے ساتھ اپنے اسی دبدبے شکوہ، اسی قوت وطاقت اسی شان وشوکت۔ اسی صولت وشجاعت سے شہسوار عرصہ کارزار و یکہ تاز میدان گیرودار وسردارِ دیارروا مصار ہیں۔ اگر کسی لشکر کے مقابلے میں تشریف لائیں گے تو اس کو شکست دے دیں گے بلکہ ہلاک کر دیں گے۔ اگر کسی قلعے کو اپنا سدّ راہ پائیں گے تو اسے منہدم

کر کے زمین کے برابر کردیں گے، اگر کسی بہادر کو اپنے سامنے دیکھیں گے تو اس کو نہتا کر کے فنا کے گھاٹ اتار دیں گے۔ اور اگر کسی دشمن سے ملیں گے تو اس کو قتل کر کے ذلیل وخوار کر دیں گے۔

معاویہ:- تم نے حسنؑ وحسینؑ کو کس حال میں چھوڑا ہے؟

طرماح:- خدا کے فضل وکرم سے میں نے دونوں حضراتؑ کو دو جوان رعنا، دو پرہیز گار، دو پاک وپاکیزہ، دو پارسا، دو صحیح وسالم، دو فصیح، دو ادیب، دو عقل مند، دو ہوشیار، دو خطیب، دو سردار، دو رکن دین، دو طیّب، دو طاہر اور دو عالم باعمل چھوڑ آیا ہوں، دونوں حضراتؑ ہر وقت لوگوں کی دنیا کی اصلاح اور ان کی آخرت کے سامان میں مشغول رہتے ہیں۔

معاویہ:- اے اعرابی تم کو خدا نے کیسی اعلیٰ درجے کی فصاحت عطا کی ہے۔

طرماح:- اے معاویہ (میری فصاحت کی کیا حقیقت ہے) اگر تو حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کے دروازے تک پہنچ جاتا اور دیکھتا کہ وہاں کیسے کیسے فصیحوں، بلیغوں، فقیہوں، ظریفوں، نجیبوں، ادیبوں، سخیوں اور صفیوں کا مجمع ہے تو تعجب اور حیرت کے ایسے گہرے سمندر میں ڈوب جاتا جس کی موجوں سے تو نکل ہی نہیں سکتا۔ طرماح کی اس دلیری اور فصاحت سے مرعوب بلکہ مبہوت ہو کر عمرو عاص نے آہستہ سے معاویہ کے کان میں کہا کہ "یہ مردِ اعرابی بدوی ہے اگر تم اس کو کوئی رقم (بطور رشوت) دے کر خوش کر دو تو ہو سکتا ہے کہ تمہارے حق میں اچھی بات کہے اور تم کو نیکی سے یاد کرے"۔ پھر عمرو عاص اور طرماح میں اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

عمرو عاص:- اے اعرابی اگر معاویہ تم کو کوئی بڑی رقم بطور بخشش دیں تو قبول کر لو گے؟

طرماح:- واہ یہ بھی کچھ پوچھنے کی بات ہے۔ میرا بس چلے تو معاویہ کے جسم سے اس کی جان نکال لوں پھر اس کے ہاتھ سے مال کیوں نہیں لوں گا۔

معاویہ نے فوراً حکم دیا کہ دس ہزار درہم لا کر ان کو دے دیئے جائیں۔ اس کے بعد طرماح سے کہا:-

معاویہ:- کیوں؟ اگر کہو تو اس رقم کو اور زیادہ کر دوں؟

طرماح:- شوق سے زیادہ کر دے۔ زیادہ جود و عطا کو تو خدا پسند کرتا ہی ہے۔

اُس پر معاویہ نے حکم دیا کہ اور دس ہزار درہم دے دیئے جائیں۔ پھر کہا

معاویہ:- اگر چاہو تو اور زیادہ دلوا دوں۔

طرماح:- اچھا اس کے عدد کو طاق کر دے کہ خدا طاق کو پسند کرتا ہے۔

معاویہ نے حکم دیا کہ تیس ہزار درہم طرماح کے لیے لائے جائیں۔ مگر اس رقم کے آنے میں دیر ہوئی تو طرماح کچھ دیر سر جھکائے خاموش رہے اس کے بعد سر اٹھا کر کہا۔

طرماح:- کیوں معاویہ! جو لوگ تیرے فرش پر مہمان ہوتے ہیں ان سے تو مذاق اور مسخرا پن کر کے ان کو ذلیل و خوار کرتا ہے؟

معاویہ:- میں نے ایسی کیا بات کی جس پر تم اس طرح اعتراض کرنے لگے؟

طرماح:- یہ مذاق اور توہین نہیں تو کیا ہے کہ تو نے میرے لیے اُس رقم کا حکم دے دیا جس کو نہ تو ہی دیکھ رہا ہے نہ اس پر میری ہی نظر پڑ رہی ہے۔

معاویہ نے گھبرا کر اپنے ملازموں سے کہا کہ جلد از جلد اس رقم کو وہاں حاضر کریں۔ چنانچہ فوراً پوری رقم آ گئی۔ جب طرماح نے اس مال پر قبضہ کر لیا تو خاموش ہو گئے اور پھر کوئی بات بھی نہ کی۔ نہ معاویہ کا شکریہ ادا کیا نہ اس پر کوئی خوشی ظاہر کی۔ تب عمرو عاص نے ان سے کہا:-

عمرو عاص:- کیوں اعرابی۔ معاویہ کی اتنی بڑی بخشش کے بارے میں تم نے اپنی کوئی رائے نہیں ظاہر کی۔

طرماح:- میں رائے کیا ظاہر کروں۔ معلوم ہے کہ یہ مسلمانوں ہی کا مال ہے جس کو اِس نے ربّ العالمین کے خزانے سے حاصل کیا ہے اور اس کو اس وقت اسی ربّ العالمین کے نیک بندوں سے ایک بندے (طرماح) نے لیا ہے (معاویہ نے کچھ اپنا مال تو دیا نہیں کہ میں اس کا شکریہ ادا کروں) یہ سننا تھا کہ معاویہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ جھنجھلا کر اپنے منشی سے بولا یہ اعرابی جو خط لایا ہے اس کا جواب لکھ کر اس کے حوالہ کر دے کہ اس نے اپنی زہریلی باتوں سے دنیا اس کے اطراف جوانب کے ساتھ میری نظر میں سیاہ کر دی ہے اور اب مجھ میں اس کی گفتگو سننے کی طاقت نہیں رہی غرض منشی نے قلم اور کاغذ اٹھایا اور معاویہ کے بتانے کے مطابق اس طرح لکھنا شروع کیا۔

یہ خط ہے خدا کے بندے اور اس کے بندے کے فرزند معاویہ بن ابوسفیان کی طرف سے علی ابنِ ابی طالب کی طرف میرے لشکروں کی تعداد مثل ستاروں کے بے حساب ہے جن کے لیے نہ زمین کی وسعت کافی ہے نہ اس کی نشانیاں اور علامتیں یا مثل بے انتہا رائی کے دانوں کے ہے کہ ہر دانے کے نیچے ایک بہادر سپاہی مستعد رہتا ہے۔ جب طرماح نے معاویہ کا مطلب سمجھا تو زور سے قہقہہ لگایا۔ لوگوں نے پوچھا یہ ہنسنے کا کیا موقع ہے؟

طرماح-:اے معاویہ اگر تیرا لشکر ستاروں کی طرح بے حساب ہے تو خدا کی قسم حضرت امیر المومنین علیؑ مثل آفتاب کے ہیں کہ جب تیرے لشکر کے سامنے حضرت طلوع کریں گے تو تیرا کل لشکر ستاروں کی طرح غائب ہو جائے گا اور اگر تیری فوج رائی کے دانوں کی طرح ہے تو حضرت علیؑ کے پاس ایک بڑا مرغ ہے

جس کا نام مالک اشتر ہے وہ تیرے ہر دانے کو اپنی چونچ سے چن لے گا اور سب کو اپنے پوٹے میں بھر لے گا۔

اس کلام سے معاویہ پر گویا موت طاری ہوگئی اور اپنے منشی سے کہا جانے دو کچھ نہ لکھو۔ تب عمرو عاص نے طرماح سے کہا اے بدوی تمہاری کیسی فصاحت ہے کہ اپنے خط کا جواب تک نہیں لکھنے دیتے ہو۔ اس کے بعد اس نے طرماح سے شرط کی کہ جب تک معاویہ پورا جواب نہ لکھوائے اُس وقت تک کچھ نہ بولیں۔ غرض جواب تمام ہوا۔ اور طرماح اس کو لے۔ اپنے اونٹ پر سوار ہو وہاں سے روانہ ہو گئے۔

جب دربار معاویہ سے طرماح باہر چلے اور کچھ دور نکل گئے تو معاویہ اپنے درباروالوں پر بگڑا۔ پھر اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

معاویہ:- اگر میں اپنا پورا خزانہ خالی کر دوں اور تم میں سے اکیلے کسی کو دے کر چاہوں کہ اس اعرابی نے جس طرح اپنے آقا کی پیغام رسانی کی ہے اس کا عشر عشیر ہی وہ میری طرف سے انجام دے دے تو کوئی شخص بھی اس قابل نہیں نکلے گا۔

خدا کی قسم اس اعرابی نے تو دنیا مجھ پر تنگ اور زندگی تلخ کر دی۔

عمرو عاص:- اے معاویہ اگر تجھ کو بھی حضرت رسول خدا صلعم سے وہی قُرب و منزلت میسر ہوتی جو علی ابنِ ابی طالبؑ کو حاصل ہے یا تو بھی اُسی طرح سیدھے راستے پر ہوتا جس طرح علی حق پر ہیں تو ہم لوگ اس اعرابی سے بھی زیادہ خوبی سے تیری پیغام رسانی کرتے اور اس سے بہتر تیری خدمت انجام دیتے۔

معاویہ:- خدا تیرا منہ توڑے اور تیری پسلیاں چور کرے۔ خدا کی قسم تیری یہ بات تو میرے لیے اس اعرابی کے کلام سے بھی زیادہ سخت ہے۔

(مجالس المومنین صفحہ ۲۲۲)

جناب کمیل بن زیاد

آپ مشہور تابعی اور حضرت امیرالمومنینؑ کے مخصوص صحابی تھے، نہایت زاہد و عابد تھے۔ کوفہ آپ کا وطن تھا اور وہیں آپ پیدا ہوئے۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں آپ خوب ہوشیار تھے۔ آپ صدوق و ثقہ بزرگ اور اپنے قبیلے نخع کے رئیس و سردار تھے۔ حضرت علیؑ کے جہادوں میں شریک اور جنگِ صفین میں حضرتؑ کی فوج کے نام آور بہادروں میں تھے۔ حضرت علیؑ کو کل صحابہ پر فضیلت دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت امیرالمومنینؑ آپ کا ہاتھ پکڑ کر شہر سے باہر نکل گئے۔ تنہائی میں آپ کو حقائق و معارف کی تلقین فرمائی اور عجیب و غریب نصیحتیں کیں۔ فرمایا "اے کمیل! لوگوں کے تین طبقے ہیں۔ اول علمار ربانین و عارفانِ حق کا طبقہ، دوسرے طالبانِ علم و سالکانِ راہِ حق کا گروہ، تیسرا عوام کالانعام کا جھنڈ جو نور بصیرت اور ضیاعلم حقیقت سے بے بہرہ رہتا بغیر تمیزِ حق و باطل ہر داعی مدعی کے پیچھے ہو جاتا۔ ہوا کے ہر جھونکے سے اِدھر اُدھر جھک جاتا اور حق کی پیروی سے محروم رہتا ہے اور کسی ایک رکن رکین کو اپنا ملجا و ماویٰ نہیں بناتا۔ اے کمیل! مال سے کہیں بہتر علم ہے۔ مال کی تمہیں حفاظت کرنا پڑتی ہے اور علم خود تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہی جاتا ہے اے کمیل! دولت کے جمع کرنے والے مر

گئے اور بہتیرے زندگی ہی میں ہلاک ہو جاتے ہیں لیکن علما قیامِ قیامت تک زندہ ہیں۔ ان کا نام و نشان بقائے عالم تک باقی رہے گا''۔ اسی سلسلۂ گفتگو میں حضرتؑ نے اپنے سینہ مبارک کی طرف (جو درحقیقت گنجینۂ اسرارِ الٰہی تھا) اشارہ کر کے فرمایا"ها ان ههنا لعلما جما۔ لو اصيلت له حملة" آہ!! اس سینے میں علم کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ کاش میں اس علم کا کسی کو حامل پاتا اور اسے سپرد کر دیتا''۔ جنابِ کمیل حضرت امیر المومنینؑ کی طرف سے عراق کے بعض قصبات ہیت وغیرہ کے بھی حاکم رہے ہیں اور حضرتؑ ان کو موقع بموقع مراسلات کے ذریعہ سے فہمائش اور سیاسی امور کے متعلق ہدایتیں فرماتے رہتے تھے۔ بعض خطوط نہج البلاغہ وغیرہ میں موجود ہیں۔ آپ ہی کو حضرت امیر المومنینؑ نے وہ دعا تعلیم کی تھی جو آج تک دعائے کمیل کے نام سے مشہور و معروف ہے اور جس کے پڑھنے کا بہت ثواب ہے۔ جناب کمیل نے عمر بہت پائی۔ ۸۲ھ میں حجاج ثقفی کے ظلم سے شہید ہوئے۔ مختصر واقعہ شہادت یہ ہے کہ ۸۲ ہجری (غالباً ۷۰۴ء) میں جب حجاج نے عراق پر غلبہ پایا اور کوفے میں داخل ہو کر بے گناہوں کو ظلم و جفا کے ساتھ قتل کرنا شروع کیا اور خاص کر مقدس شیعیانِ حضرت امیر المومنینؑ چُن چُن کر شہید کئے جانے لگے تو اس نے جنابِ کمیل کی گرفتاری کا وارنٹ بھی جاری کر دیا۔ اُس وقت ہیثم بن الاسود ایک شخص حجاج کے پاس آیا حجاج نے اُس سے پوچھا ''کمیل کا پتہ ہے کہ کہاں ہیں''؟ ہیثم نے سفارشانہ لہجہ میں جواب دیا کہ ''کمیل تو ایک بڈھے ضعیف شخص ہیں وہ اپنے گھر سے باہر نکلنے کے لائق بھی نہیں ہیں''۔ مگر حجاج نے اس کے جواب پر کوئی توجہ نہیں کی اور کمیل کی تلاش شروع کر دی۔ کہتے ہیں کہ وہ حجاج کے ظلم کے خوف سے چھپ رہے اور ان کی قوم نے حجاج کو ان کا پتہ نہیں لگنے دیا۔ اس پر حجاج نے

غضب ناک ہوکر ان کے پورے کنبے کی آمدنی روک دی اور سب کے وظیفے بند کر دیئے۔ جنابِ کمیل نے جب یہ خبر سنی تو ہمت اور قومی جوش سے کہنے لگے۔ ''میں ایک پیر ضعیف ہوں۔ میرے تو یوں بھی مرنے کے دن آگئے ہیں۔ مجھ سے یہ ممکن نہیں کہ اپنی ایک جان بچا کر اپنی قوم کو سختی اور پریشانی میں مبتلا کروں''۔ یہ کہہ کر وہ اٹھے اور خود حجاج کے پاس آکر حاضر ہوگئے۔ حجاج نے ان کو دیکھ کر سخت کلامی اور درشتی شروع کی، جنابِ کمیل نے بھی ویسا ہی برابر کا جواب دیا اور اس کو ظلم وستم سے باز رہنے اور خدا سے ڈرنے کی نصیحت کی پھر کہا'' حجاج! میری عمر کا اب بہت تھوڑا ہی حصہ باقی رہ گیا ہے لیکن اب تیرے قبضے میں ہوں۔ تیرا جو کچھ جی چاہے میرے ساتھ کر گزر۔ مجھے اس کی کچھ پروا نہیں کیونکہ میرا اور تیرا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ تیرا حساب و کتاب کل قیامت کے دن حاکمِ حقیقی کے روبرو ہوگا۔ حجاج! تو جو کچھ میرے ساتھ ارادہ رکھتا ہے مجھے خوب معلوم ہے۔ مجھے حضرت امیر المومنین علیؑ نے آج سے بہت پہلے اس کی خبر دے رکھی ہے کہ تو مجھے قتل کرے گا''۔ حجاج غضبناک ہوکر بولا ''ہاں میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ تو حضرت عثمان کے مخالفین سے ہے''۔ غرض جلاّد کو حکم دیا گیا کہ کمیل کی گردن مار دے۔ چنانچہ اسی وقت مظلوم کمیل قتل کر دیئے گئے اور جیسا کہ حضرت امیر المومنینؑ نے پیشین گوئی فرما دی تھی لفظ بہ لفظ صحیح واقع ہوئی اور آپ شہادت کے درجے پر فائز ہوگئے۔

کمیل کی ولادت:

جناب کمیل کوفے کے باشندے تھے، وہیں آپ کی پیدائش ہوئی وہیں پروان چڑھے اور وہیں اقامت پذیر رہے البتہ شیخ عباس قمی جیسے جلیل القدر

محدث نے آپ کو یمنی لکھا ہے۔ (منتہی الامال جلد ا، صفحہ ۱۵۳) اور ہوسکتا ہے آپ نسلاً یمنی ہوں لیکن آپ کے والدین کوفے میں آباد ہو گئے ہوں اور وہیں آپ کی پیدائش ہوئی ہو۔

مورخین نے واضح الفاظ میں آپ کا سنہ ولادت تو تحریر نہیں فرمایا البتہ بعض قابل قدر مورخین کی معتبر کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی پیدا ہو چکے تھے اور سن شعور کو بھی پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ شیخ عباس قمی نے تحریر فرمایا ہے کہ:

جناب کمیل کو ۸۳ ہجری میں حجاج بن یوسف ثقفی نے شہید کیا اور اس وقت آپ کا سن ۹۰ سال تھا۔ (ملاحظہ ہو منتہی الامال جلد ا، صفحہ ۱۵۴ مطبوعہ ایران)

شیخ عباس قمی کے علاوہ بھی بعض انتہائی قابل قدر محققین نے اپنی تصنیفات میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ جناب کمیل حضرت رسولؐ خدا کے زمانے میں پوری طرح باشعور اور خوب ہوشیار تھے (تاریخ آئمہ صفحہ ۲۴۲)

اور جناب شیخ عباس قمی کے اس قول سے بھی جس میں انھوں نے فرمایا ہے کہ جناب کمیل ۸۳ ہجری میں شہید ہوئے اور اس وقت اُن کی عمر ۹۰ سال تھی۔ یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کی ولادت ہجرتِ پیغمبر اکرمؐ سے سات سال قبل ہوئی تھی۔ لہٰذا وفاتِ پیغمبر اسلام کے وقت آپ کی عمر ۱۷، ۱۸ سال کے درمیان قرار پاتی ہے۔ اور ۱۷، ۱۸ سال کے انسان کے بارے میں بجا طور پر شعور اور خوب ہوشیار کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔

البتہ کسی تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ آپ خدمتِ پیغمبر میں شرفیاب ہو سکے یا نہیں، اور اگر شرفیاب ہوئے تو کس سنہ میں۔

اور شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ آپ عراق کے رہنے والے تھے جہاں آفتاب

اسلام کی شعاعیں تو ضرور پہنچیں اور جناب کمیل حلقہ بگوش اسلام بھی ہوئے۔ لیکن یہ بھی واضح ہے کہ اس زمانے میں آمد ورفت اتنی آسان نہ تھی اور نہ وسائل سفر اس قدر فراواں تھے جتنے اب ہیں۔ اور اس لئے جناب کمیل جو ابھی کمسنی کی حدود ہی میں تھے مدینہ تشریف نہ لا سکے ہوں۔

اور کیا بعید ہے کہ آپ خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہوئے ہوں لیکن کسی وجہ سے اُن کا تذکرہ تاریخ کے صفحات پر نہ آسکا ہو۔ یا کسی مورخ نے بیان کیا ہو جو حالاتِ زندگی لکھنے والوں کی نگاہ سے نہیں گزرا واللہ اعلم بالصواب۔

نام ونسب

آپ کے نام ونسب کو مورخین نے مختلف لفظوں میں بیان کیا ہے۔ علامہ ذہبی یوں بیان کرتے ہیں کہ: کمیل بن زیاد بن نہیک بن الہیثم النخعی

(ملاحظہ ہو رجال مامقانی جلد ۲، صفحہ: ۶۲ بعد از صفحہ: ۳۶۸ (قدیم)

اور علامہ مجلسی نے ابن ابی الحدید معتزلی کے حوالے سے آپ کے سلسلہ نسب کو یوں تحریر فرمایا ہے کہ:

کمیل بن زیاد بن نہیک بن ہیثم بن مالک بن حرب۔

(علامہ مجلسی کی بحار الانوار جلد ۴۲ صفحہ: ۱۶۳، طبع جدید بحوالہ شرح نہج البلاغہ ۴، صفحہ: ۲۲۷)

لیکن علامہ شیخ عبداللہ مامقانی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''تنقیح المقال'' جس کو ''رجال مامقانی'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور جسے علم رجال میں اس قدر عظمت وجلالت حاصل ہے کہ ابتداء زمانِ غیبت سے اس صدی تک علم رجال میں جتنی بھی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اُن میں ''رجال مامقانی'' ایک درِ شہوار اور گوہر یگانہ کی حیثیت رکھتی ہے اور علما و مجتہدین اپنی فقہی واجتہادی پیچیدگیوں اور احادیث وروایات کی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے اس کتاب سے کبھی بے نیاز

نہیں رہے اور اگر یہ کہا جائے تو ہرگز مبالغہ نہیں ہوگا کہ سابق زمانے میں اس فن میں جو کتابیں تحریر کی گئی ہیں۔ ان میں سے ''رجال مامقانی'' ایک ایسی نادرروزگار کتاب ہے جس کی موجودگی بیشمار دوسری کتابوں سے ہمیں بے نیاز کردیتی ہے، لیکن سابقہ دوسری کسی بھی کتاب کی موجودگی، ایک عالم وفقیہ کو رجال مامقانی سے بے نیاز نہیں کرسکتی۔

کسی شک وشبہ کے بغیر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ علامہ مامقانی نے جس محنت وجاں فشانی اور زحمت وعرق ریزی کے ساتھ اس کتاب کی تدوین فرمائی ہے، اور جس طرح آپ نے علم رجال کی گتھیوں کو سلجھانے، شکوک وشبہات کو زائل کرنے اور ناقدین کی موشگافیوں کو رد کرنے کی کوشش کی ہے، وہ لائق تحسین ہے جیسا کہ ہم آئندہ صفحات پر بھی اس کی طرف اشارہ کریں گے۔

بہرحال علاّمہ مامقانی نے کتاب تنقیح المقال میں علاّمہ ابن ابی الحدید معتزلی کے حوالے سے جناب کمیل کا جو سلسلہ نسب بیان کیا ہے وہ یہ ہے۔

کمیل بن زیاد بن سہل بن ہیثم بن سعد بن مالک بن الحرث بن صہبان بن سعد بن مالک بن النخع بن عمرو بن غلتہ بن خالد بن مالک بن داؤد

(تنقیح المقال جلد ۲، صفحہ: بعد از صفحہ: ۳۶۸ طبع قدیم)

جناب کمیل کا تفصیلی نسب نامہ علامہ مجلسی نے بھی ابن ابی الحدید ہی کے حوالے سے بحار الانوار میں تحریر فرمایا ہے جس کا ہم سابق میں حوالہ دے چکے ہیں اور جناب علامہ عبداللہ مامقانی نے بھی ابن ابی الحدید ہی کے حوالے سے اپنی کتاب تنقیح المقال میں تحریر فرمایا ہے، جیسا کہ ہم نے ابھی ابھی ذکر کیا لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے۔

کمیل بن زیاد بن سہل تحریر فرمایا ہے۔

اسی طرح آگے چل کر علامہ مجلسی نے جناب کمیل کے سلسلہ نسب میں جو نام تحریر فرمائے ہیں اُن میں۔

سعد بن مالک بن حرب تحریر ہے جب کہ علامہ مامقانی نے سعد بن مالک بن الحرث لکھا ہے۔

نیز ایک فرق یہ ہے کہ علامہ مجلسی نے سلسلہ نسب کو مالک بن حرب تک پہنچ کر ختم کر دیا ہے جب کہ علامہ مامقانی نے اس سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے۔

مالک بن الحرث بن صہبان بن سعد بن مالک بن النخع بن عمرو بن غلتہ بن خالد بن مالک بن داؤد پر ختم کیا ہے۔

لیکن یہ بات زیادہ قابل بحث اس لئے نہیں ہے کہ مورخین میں سے بعض اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے سلسلہ نسب کے ۲۔ ۱۴شخاص کا ذکر کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں جیسا علامہ ذہبی نے صرف کمیل بن زیاد بن نہیک بن الہیثم النخعی لکھا ہے اور بعض قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جیسا کہ علامہ مجلسی نے تحریر فرمایا ہے البتہ بعض مورخین اور اہل علم کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ سلسلہ نسب میں جتنے نام ہیں سب کو ذکر کر دیا جائے تاکہ جو جو ارباب فن اس باب میں تحقیق کرنا چاہیں اُن کے لئے سہولت پیدا ہو جائے۔

اور ہو سکتا ہے کہ علامہ مامقانی نے اسی مقصد کے پیش نظر اُن تمام ناموں کو سپرد قلم کر دیا جو اُن کو جناب کمیل کے سلسلہ نسب میں معلوم ہو سکے۔

علامہ مجلسی نے کتاب بحار الانوار میں جناب کمیل کا جو سلسلہ نسب بیان کیا وہ انھوں نے ابن ابی الحدید معتزلی کی کتاب ''شرح نہج البلاغہ'' سے نقل کیا تھا اور علامہ مامقانی نے کتاب تنقیح المقال میں جناب کمیل کا جو سلسلۂ نسب بیان کیا انھوں نے بھی ابن ابی الحدید معتزلی کی کتاب ''شرح نہج البلاغہ'' کے اُسی حصے

سے نقل کیا ہے جس سے علامہ مجلسی نے نقل کیا تھا لیکن اس کے باوجود دونوں کے بیان کردہ سلسلۂ نسب ایک دوسرے سے کافی مختلف ہیں۔

ابن ابی الحدید کی اصل عبارت دیکھی جائے تا کہ یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ علامہ مجلسی نے جو سلسلۂ نسب ذکر کیا ہے وہ مطابق اصل ہے یا علامہ مامقانی نے جو تحریر فرمایا ہے مطابق اصل ہے۔

لیکن جب شرح نہج البلاغہ کا وہ حصہ سامنے آیا جہاں کمیل کا سلسلۂ نسب بیان کیا گیا ہے اور جس کو ہمارے دونوں بزرگوں نے نقل فرمایا ہے تو اصل عبارت دونوں حضرات کی نقل کردہ عبارت سے مختلف نظر آئی۔

ابن ابی الحدید کی کتاب شرح نہج البلاغہ کا وہ ایڈیشن جو ۱۹۶۳ء میں مصر سے داراحیاء الکتب العربیہ نے شائع کیا ہے اس کی جلد ۱۷ کے صفحہ ۱۴۹ پر جناب کمیل کا سلسلہ نسب ان الفاظ میں تحریر ہے۔

کمیل بن زیاد بن سہیل بن ہیثم بن سعد بن مالک بن الحارث بن صہبان بن سعد بن مالک بن النخع بن عمرو بن وعلہ بن خالد بن مالک بن اُدد۔

یہ ہے ابن ابی الحدید معتزلی کی اصل عبارت جسے علامہ مجلسی نے بھی نقل فرمایا۔اور علامہ مامقانی نے بھی لیکن یہ سلسلۂ نسب ان دونوں بزرگوں کے ذکر کردہ سلسلۂ نسب سے کافی مختلف ہے۔اور چونکہ ان دونوں حضرات نے اسی عبارت کا حوالہ دیا ہے لہٰذا یہ اصل عبارت ہی جناب کمیل کے سلسلہ نسب میں زیادہ قابل اعتبار قرار پائے گی۔

قارئین کرام کو حیرت ہوگی کہ ابن ابی الحدید معتزلی کی عبارت کو دو انتہائی جلیل القدر بزرگوں نے اپنی کتاب میں جگہ دی۔لیکن دونوں کی عبارت آپس میں مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ دونوں ہی عبارتیں اصل کتاب سے بھی مختلف نظر

آئیں۔ ایسا کیوں ہے؟

تو اس کی بنیادی وجوہ میں ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک غیر معصوم تھا اور غیر معصوم کسی بھی منزل پر غلطی کر سکتا ہے۔ اور ہم اسی لئے بنیادی طور پر یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ ہمارا قائد، ہادی، رہنما اور پیشوا وہی ہو سکتا ہے جو معصوم ہو، جس سے کسی وقت غلطی کا اندیشہ نہ ہو باقی جتنے غیر معصوم اشخاص ہیں سب غلطی کر سکتے ہیں۔

اور دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ سابقہ زمانے میں طباعت اور پریس کا اعلیٰ انتظام موجود نہیں تھا جو اب دنیا بھر میں نظر آتا ہے۔

اس زمانہ میں کتابیں جانوروں کی کھال، درختوں کی چھال، پتوں کپڑوں اور پتھروں وغیرہ پر لکھی جاتی تھیں۔ جن پر وہ خوبصورت تحریر نقش نہیں ہو سکتی جو آج کل ''آرٹ پیپر'' یا دوسرے نفیس کاغذات پر نظر آتی ہے، حروف خمیدہ اور پُر پیچ ہوتے تھے۔ جس کی وجہ سے انھیں دوسری جگہ نقل کرنے میں غلطی کا بہت زیادہ اندیشہ رہتا تھا، اور ہر نقل کرنے والا جس حرف کو جس طرح پڑھتا تھا، اسی طرح اپنی کتاب میں قلمبند کر لیتا تھا۔

پھر یہ کہ حروف پر نقطے لگانے کا بھی بہت کم رواج تھا، اور یہ چیز تو اس صدی کے آغاز تک نظر آتی ہے، آپ آج سے ۷۰، ۸۰ برس قبل کے بزرگوں کے خطوط اٹھا کر دیکھیں انھیں بہت کم نقطے نظر آئیں گے۔

اس لئے نقطوں کی عدم موجودگی بھی بہت سی غلطیوں اور غلط فہمیوں کا سبب بنتی تھی چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کی شہادت دونوں تاریخوں میں منائی جاتی ہے۔ ۱۳ جمادی الاولی اور ۳ جمادی الثانیہ۔

ظاہری بات ہے کہ جناب سیّدہ کی شہادت یا ۱۳ جمادی الاولی کو واقع ہوئی

ہوگی، یا ۳؍جمادی الثانیہ کو یہ تو ناممکن ہے کہ دونوں ہی تاریخیں صحیح ہوں، یقیناً کوئی ایک ہی صحیح ہے لیکن کونسی تاریخ صحیح ہے؟ یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔

اور یہ فیصلہ کرنا اس لئے مشکل ہے کہ آپ کی وفات کے بارے میں مورخین نے تحریر فرمایا ہے کہ:

آپ نے رسولؐ خدا کی رحلت کے ۷۵ یا ۹۵ دن کے بعد انتقال فرمایا، اور ۷۵ کے لئے عربی زبان میں "خمسة و سبعین، بولتے ہیں جب کہ "۹۵" کے لئے خمسة وتسعین" استعمال کرتے ہیں۔

اب اگر ان دونوں عبارتوں پر سے نقطے ہٹا دیئے جائیں تو "خمسہ وسبعین" اور "خمسہ وتسعین" میں امتیاز دینا بہت مشکل ہو جائے گا، خصوصاً اس لحاظ سے کہ طباعت کا مناسب انتظام نہ ہونے کی وجہ سے اکثر حروف نوک پلک سے محروم رہتے تھے۔

اسی لئے روایات میں جب "خمسہ وسبعیں" نظر آیا تو بعض لوگوں نے اُسے "خمسة وسبعین" (۷۵) پڑھا اور کچھ نے خمسة وتسعین (۹۵) اور اس طرح دو تاریخیں رائج ہوگئیں۔ اگرچہ زیادہ تر اہلِ تاریخ وتحقیق نے ۹۵ دن والے قول کو ترجیح دی ہے جس کے حساب سے جناب سیّدہؑ کی وفات ۳ جمادی الثانیہ قرار پائی ہے۔

کُمیل کی سیرت وکردار

کسی شک وشبہ کے بغیر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اسلام کی نگاہ میں کسی بھی انسان کی عظمت وجلالت اس کی مادی شان وشوکت میں ہرگز مضمر نہیں ہے، بلکہ دین ومذہب کے نقطۂ نظر سے وہی شخص سب سے زیادہ عزت واحترام کا مستحق ہے جس کی سیرت وکردار سب سے بہتر ہو، جس کے دل میں فرائض کا احساس

سب سے زیادہ ہواور جس کا قلب خوفِ خدا سے سب سے زیادہ معمور ہو۔ جیسا سورۂ مبارکہ الحجرات میں خالق کائنات نے بہت واضح لفظوں میں اعلان فرمایا کہ:

(تم لوگوں میں سے، خدا کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے)

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اور مولائے کائنات نے تو کسی انسان کی قیمتِ حیات صرف اس کی نیکیوں کو قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

(ہر انسان کی قیمتِ حیات، اس کی نیکیاں ہیں)

یعنی جس انسان کی نیکیاں زیادہ ہوں اس کی زندگی کی قدر و قیمت بھی زیادہ ہے، لہٰذا جس کی ذات سے کسی قسم کی نیکی وابستہ نہ ہو، اس زندگی کی کوئی قیمت بھی نہیں ہے، اور جس کی زندگی گونا گوں نیکیوں سے آراستہ ہے، اس کی قدر و قیمت اتنی زیادہ ہے کہ اگر ترازو کے ایک پلّے میں اس کو رکھا جائے اور دوسرے پلّے میں ساری دنیا کے موتی و جواہرات رکھ دیئے جائیں تب بھی وہی پلّا بھاری رہے گا جس میں وہ خود موجود ہو۔ اور جو انسان پوری کائنات پر اپنی نیکیاں نچھاور کر رہا ہو وہ تو ایک ایسا انمول ہیرا ہے جس کے مقابلے پر تمام ہیرے و جواہرات سنگریزے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ سیرت و کردار کے اعتبار سے جناب کمیل اس بلند درجے پر فائز ہیں کہ جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السّلام کے انتہائی مقرب خاص صحابی قرار پائے اور مولائے کائنات کو ان کی ذات پر اتنا اعتماد تھا کہ آپ نے جناب کمیل کو اپنے انتہائی باوفا اور قابلِ اعتماد انصار میں سے قرار دیا

ہے، چنانچہ جناب ابن طاؤس کتاب کشف المحجہ کے صفحہ: ۱۷۳ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ:

جناب امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ نے اپنے منشی جناب عبداللہ بن ابی رافع سے کہا کہ:

میرے دس (باوفا) قابل اعتماد ساتھیوں کو بلا لاؤ۔)

تو عبداللہ بن ابی رافع نے عرض کی ''مولا! ان کے نام بھی بتادیں تو مولا نے ارشاد فرمایا کہ:

اصبغ بن نباتہ، ابوطفیل عامر بن واثلہ کنانی، زید بن جیش، جویرہ بن مسہر، خندف بن زہیر، حارث بن مصرف، حارث اعور، علقمہ بن قیس، کمیل بن زیاد اور عمیر بن زرارہ کو بلا لاؤ۔ (الوسائل جلد نمبر ۲ صفحہ: ۸۹ و تنقیح المقال، علامہ عبداللہ مامقانی جلد ۲، صفحہ: ۴۲)

مولائے کائنات کا جناب عبداللہ بن ابی رافع سے کہنا کہ میرے دس قابل اعتماد ساتھیوں کو بلاؤ، اور پھر عبداللہ بن ابی رافع کے سوال پر ان دس قابلِ اعتماد اصحاب کا نام لینا اور ان میں جناب کمیل کو بھی شمار کرنا جناب کمیل کی عظمت و جلالت، اور ان کی قدر و منزلت کا اندازہ لگانے کے لیے بہت کافی ہے، غور کیجیے۔ کہ جس جلیل القدر ہستی کے بارے میں مولائے کائنات یہ فرمادیں کہ:

''یہ میرا قابلِ اعتماد ساتھی ہے''

اس کے مرتبے تک کون پہنچ سکتا ہے......؟ اور یہی وجہ ہے کہ:

اگر کسی مولف نے جنابِ کمیل کی عظمت و جلالت اور حدیث میں ان کی وثاقت (قابل اعتبار ہونے) کے بارے میں تردد و تامل کیا تو دریائے علم رجال کے شناور علامہ عبداللہ مامقانی نے جن کی مشہور زمانہ کتاب ''تنقیح المقال'' کو علم

رجال کی ان تمام کتابوں پر فوقیت و برتری حاصل ہے جو غیبتِ امامؑ سے اس صدی تک لکھی گئی ہیں۔

جناب کمیل کے بارے میں اس تردّد و تامل کو بہت برا سمجھا، اور فرمایا کہ:

(یعنی جناب کمیل کے بارے میں اس قسم کا تردّد تو دنیا کا انتہائی نادر عجوبہ ہے، کیونکہ جناب کمیل کی عدالت تو ایسی مشہور عالم بات ہے کہ خالص گھریلو پردہ نشین خواتین بھی جو عام طور پر بیرونی دنیا کے حالات سے ناواقف ہوتی ہیں لیکن جناب کمیل کی عظمت و جلالت کی جاں نثاری و فاداری اور تقویٰ و پرہیز گاری سے باخبر ہیں اور مخالف و موافق تمام حضرات اس کے معترف ہیں''۔

(تنقیح القال جلد ۲، صفحہ: ۴۲ بعد از صفحہ: ۳۶۸)

اور اس کے بعد علامہ موصوف نے جناب کمیل کے بارے میں ذہبی جیسے انتہائی متعصب مورّخ کا قول نقل کیا ہے جو اہلِ بیتؑ اور اُن کے ماننے والوں کی عداوت و دشمنی میں خصوصی شہرت رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود انھوں نے جناب کمیل کی عدالت اور ان کی عظمت و جلالت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

جناب کمیل نخعی نے حضرت علیؑ سے بھی حدیثیں نقل کی ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے (بزرگانِ دین) سے بھی آپ جنگِ صفین میں بھی حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔

آپ صاحب شرف اور متقی و پرہیز گار عبادت گذار شیعہ تھے، لوگ آپ کے تابع فرمان تھے۔ آپ کی حدیثوں کی تعداد کم ہے۔ آپ کو حجاج (بن یوسف) نے شہید کیا۔

''آپ صدوق و ثقہ و بزرگ اور اپنے قبیلہ نخع کے رئیس و سردار تھے، حضرت علیؑ کے جہادوں میں شریک اور جنگِ صفین میں حضرت کی فوج کے نام آور بہادروں میں تھے، حضرت علیؑ کو کُل صحابہ پر فضیلت دیتے تھے''۔

(تاریخ ائمہ صفحہ: ۲۴۲ حالاتِ جناب کمیل)

پھر جس کی صداقت و عدالت کی غیر بھی گواہی دیں اس کے ثقہ و عادل ہونے

میں کسے کلام ہوسکتا ہے اور صداقت و عدالت تو وہ بنیادی صفات ہیں جن کے تحت نہ جانے کتنی نیکیاں شامل ہیں، کیونکہ علمائے کرام نے عدالت کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ:

انسان شریعتِ مقدسہ کے واضح راستے پر اس طرح ثابت قدمی کے ساتھ چلے کہ کوئی فریضہ چھوٹنے نہ پائے اور کسی نافرمانی کی طرف قدم نہ بڑھے"۔
(منہاج الصالحین جلد ا مطبوعہ نجف)

اور جس مومن میں صداقت و عدالت جیسی اعلیٰ انسانی وایمانی صفات جمع ہوجائیں وہ اگر اپنی ان خوبیوں کی وجہ سے اپنے پورے قبیلے کا سردار مان لیا جائے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے، جب کہ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ تو ان صفات کو پوری کائنات پر حکمرانی کی شرائط میں سے قرار دیتے ہیں۔(چنانچہ ان کا یہ مشہور شعر ہے کہ:)

سبق پھر پڑھ شجاعت کا سخاوت کا صداقت کا عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

منصبِ حکومت

سرِ زمین عراق جو ہمارے چھ اماموں کے مدفن اور امام زمانہ کی جائے غیبت ہونے کے اعتبار سے اہلِ ایمان کے نزدیک ایک خصوصی منزلت رکھتی ہے اور جہاں سال کے تمام دنوں میں زائرین اور عقیدت مندان اہلِ بیتؑ کا تانتا بندھا رہتا ہے، خصوصاً سال کے بعض دنوں میں..... جنھیں وہاں کی اصطلاح میں "مخصوصی" کہا جاتا ہے۔ سارے ملک کے باشندے، ایک سیل رواں کے مانند ائمہ اطہار کے مزارات مقدسہ کی طرف اُمنڈ آتے ہیں، ایک پُر کیف منظر ہوتا ہے جس کا نکھار ہر طرف نظر آتا ہے اور موالیان اہلِ بیتؑ کے دلوں کو مسرت و

شادمانی سے سرشار کرتا رہا ہے۔

مولائے کائنات کے دارالخلافہ ہونے کی حیثیت سے اس سرزمین کو اہلِ ایمان کے ساتھ ایک خصوصی وابستگی حاصل ہے، اس کے موجودہ پایہ تخت ''بغداد'' سے جنوب کی طرف تقریباً ایک سو میل کے فاصلے پر ایک شہر آباد ہے جس کا نام ''کوفہ'' ہے یہیں وہ تاجدار امامت حکمرانی کے فرائض انجام دیتا تھا، جس کا تعارف شاعر مشرق علامہ اقبال نے ان لفظوں میں کرایا ہے:

مُسلم اوّل شہِ مرداں علیؑ
عشق راسرمایۂ ایماں علیؑ

اور جن کی ذاتِ اقدس سے جناب اقبالؔ کو اتنی عقیدت و محبت تھی کہ انھوں نے کسی قسم کا خوف و خطر محسوس کیے بغیر، ببانگ دہل یہ اعلان کر کے سب کو چونکا دیا کہ:

پوچھتے کیا ہو مذہب اقبالؔ
یہ گنہگار بوترابی ہے

کوفے سے کافی فاصلے پر ایک شہر آباد ہے جس کا نام ''انباری'' ہے اس سے تھوڑا آگے چلیں، تو اسی نہر پر فرات کے کنارے...... جس پر کوفہ آباد ہے، ایک شہر نظر آئے گا جس کا نام ''ہیت'' ہے...... جناب کمیل اسی شہر میں مولائے کائنات کی جانب سے گورنر تھے اور مولا کی طرف سے اس عظیم منصب کے لیے آپ کا انتخاب اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے اخلاق و مزاج، سیرت و کردار، علم و معرفت، ایمان و تقویٰ، تقدس و پارسائی اور حق گوئی و حق شناسی پر جناب امیرؑ کو بہت اعتماد تھا، چنانچہ علامہ مامقانی نے جناب کمیل کے بارے میں بعض مولفین کے شکوک و شبہات کا دفاع کرتے ہوئے بجا طور پر فرمایا ہے کہ:

''جیسا کہ ابن ابی الحدید معتزلی کی زبانی آپ سنیں گے۔ اور خود نہج البلاغہ میں

بھی موجود ہے کہ جناب کمیل حضرت علی امیر المومنین علیہ السلام کی جانب سے شہر "ہیت" کے حاکم تھے اور جناب امیر کا ان کو "ہیت" کا حاکم بنانا ہی اس بات کی عظیم الشان دلیل ہے کہ آپ زیور عدالت سے آراستہ و پیراستہ تھے، کیونکہ یہ تو سوچا ہی نہیں جاسکتا کہ حضرت علی علیہ السلام کسی ایسے شخص کو اپنی جانب سے مسلمانوں کا حاکم بنا کر بھیجیں جو ان کے جان و مال اور عزت و ناموس شرعی، فروعی مسائل، باہمی تنازعات اور انتظامی امور کے سلسلہ میں قابل اعتماد، عادل اور دیانتدار نہ ہو۔ (تنقیح المقال جلد ۲، صفحہ: ۴۲ بعد از صفحہ: ۳۶۸)

کیونکہ اس زمانے میں، شہر کوفہ میں تو خود جناب امیرؑ تشریف فرماتے لیکن دوسرے شہروں میں آپ جس کو حاکم بنا کر بھیجتے تھے، وہ امام کا نمائندہ اور نائب خاص ہوتا تھا۔ اور واضح سی بات ہے کہ امام عالی مقام صرف اسی شخص کو اپنا نمائندہ اور نائب بنا کر بھیج سکتے ہیں جو عادل بھی ہو امانت دار بھی قابل اعتماد بھی وفادار بھی، مخلص بھی ہو جاں نثار بھی، سماجی و معاشرتی امور کا منتظم بھی ہو تجربہ کار بھی، خوش مزاج بھی ہو اور با کردار بھی......... اور جب یہ صفات حمیدہ اور خصائص پسندیدہ کسی شخص میں جمع ہو جائیں، تب وہ اس لائق بنتا ہے کہ نگاہِ معصوم اُسے منتخب کر کے، کوئی ذمہ داری اُسے سونپ دے۔

حفاظتی امور کی اہمیت

مولائے کائنات امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کا طرزِ حکومت یہ تھا کہ آپ اپنے نمائندوں، گورنروں، والیوں اور عاملوں پر انتہائی سخت نگرانی رکھتے تھے کہ کہیں اُن سے کوئی ایسی لغزش نہ ہونے پائے جو معاشرے کے لئے مضرت رساں یا مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ہو، اور اُن لوگوں کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر بھی انتہائی شدید مواخذہ کرتے تھے، کیونکہ ان کی یہ غلطیاں اگرچہ

انفرادی سطح پر دیکھی جائیں تو بہت معمولی نظر آتی ہیں، لیکن چونکہ وہ لوگ امام کے نمائندے اور مسلمانوں کے امور کے نگراں تھے، اس لئے ان کی معمولی غلطیاں بھی اجتماعی طور پر بڑے بڑے نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی تھیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کے ایک نمائندے جناب عثمان بن حُنیف انصاری...... جو آپ کے انتہائی مقرّب بارگاہ اصحاب میں شمار ہوتے ہیں...... اور بصرہ میں آپ کی جانب سے ''گورنر'' بنا کر بھیجے گئے تھے۔ جب بصرہ پہنچے اور وہاں بعض ثروت منداشخاص کے بلانے پر ایک دعوت میں شریک ہوگئے جس میں بہت انواع واقسام کے کھانے پیش کئے گئے اور یہ تحقیق کئے بغیر کہ:

جس اشخاص نے انھیں دعوت دی ہے وہ غریبوں کی دادرسی کرتے ہیں یا نہیں اور ان کے حقوق کو ادا کرتے ہیں یا نہیں......

جناب ابن حنیف نے کھانا کھالیا، تو امیر المومنین علی بن ابی طالب نے انھیں انتہائی سخت الفاظ میں تادیبی خط لکھا اور تنبیہ کی کہ آئندہ اس قسم کی دعوت میں شرکت نہ کریں (تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو نہج البلاغہ صفحہ:۵۰۵ باب مکتوب مطبوعہ بیروت)

جناب امیرؑ جب یہ برداشت نہیں فرماتے تھے کہ ان کا کوئی نمائندہ کسی ایسی دعوت میں شرکت کرے جس میں غریبوں کے حقوق کا خیال کئے بغیر، کام ودہن کی لذّت کا اہتمام کیا گیا ہو، تو آپ اسے کب پسند کرسکتے تھے کہ آپ کا کوئی نمائندہ سرحدی علاقوں اور مسلمانوں کی آبادی والے مقامات کی حفاظت میں کسی قسم کی غفلت یا کمزوری کا ثبوت دے۔

جناب کمیل کی جانب سے بھی جب سرحدی علاقوں کی حفاظت میں تھوڑی

کمزوری نظر آتی تو باوجود یہ کہ جناب کمیل آپؑ کے انتہائی باوفا اور جاں نثار اصحاب میں سے تھے، لیکن آپ نے انھیں تنبیہ کرنا ضروری سمجھا۔

چنانچہ ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

جناب کمیل حضرت علی علیہ السلام کی جانب سے ''ہیت'' کے عامل (حاکم) تھے اور چونکہ کمزور تھے اس لئے معاویہ کے لشکر اُن کے سرحدی علاقے میں پہنچ کر لوٹ مار کرتے تھے لیکن جناب کمیل ان کا دفاع نہ کر سکے۔

پھر اپنے نقصان کی تلافی کے لئے انھوں نے حضرت علیؑ سے اجازت طلب کی کہ معاویہ کے سرحدی علاقوں جیسے ''قرقیسیا'' وغیرہ اور فرات کے کنارے آباد دوسرے قریوں پر حملہ کر کے بدلہ لے لیں۔

(شرح نہج البلاغہ جلد ۱۷ صفحہ: ۱۴۹، منہاج البراعہ، جلد ۲۰، صفحہ: ۳۵۳)

لیکن حضرت علی علیہ السلام نے ان کو اس بات کی اجازت نہ دی، کیونکہ جن علاقوں پر معاویہ نے تسلّط حاصل کر رکھا تھا وہاں بھی مسلمان ہی آباد تھے اور اگر حضرت علیؑ کا کوئی سپاہی ان علاقوں پر حملہ آور ہوتا، تو فتح و شکست سے قطع نظر، جو نقصان ہوتا وہ مسلمانوں ہی کا ہوتا، مسلمان ہی مارے جاتے، مسلمان ہی زخمی ہوتے، اور مسلمانوں ہی کا مال لوٹا جاتا...... اور لوٹنے والے بھی مسلمان ہی ہوتے، حضرت علیؑ اس بات کو کسی قیمت پر بھی قبول کرنے کو تیار نہ تھے کہ مسلمان، آپس میں ایک دوسرے کی جان و مال کے درپے ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ جب جناب کمیل نے حضرت علی علیہ السلام کو خط لکھا کہ معاویہ نے میرے بہت سے گاؤں اپنے قبضے میں لے لئے ہیں، آپ مجھے بھی اجازت دیں کہ میں اس کے علاقے پر حملہ کر کے کچھ گاؤں اپنے قبضے میں لے لوں، تو مولائے کائنات نے تحریر فرمایا کہ:

امابعد!

'' آدمی کا اپنے منصب کو ضائع کر دینا اور خود ایسے کام میں پڑ جانا جس سے دوسرے اُسے سبکدوش کر سکتے ہیں واضح کمزوری اور ضعیف رائے ہے قرقیسیا پر حملہ کو نہ روکنا اور وہ فوجی چوکیاں جن کی حفاظت پر ہم نے تمہیں مامور کیا ہے۔ انھیں اس طرح چھوڑ دینا کہ کوئی بھی مداخلت کرنے والا، حملہ آور کو روکنے والا نہ ہو، یقیناً ایک ناکام تدبیر ہے اور اس طرح تم دشمنوں کے حملوں کے لئے پُل بن گئے نہ سختی سے ان کی مدافعت کی، نہ ان پر اپنا رعب و دبدبہ قائم رکھا نہ سرحدوں کی حفاظت کی نہ دشمن کی کسی طاقت کو توڑا اور اس طرح تم نہ تو اپنے علاقے کے لوگوں کو کوئی فائدہ پہنچا سکے اور نہ اپنے حاکم کے فرمان کی تم نے تعمیل کی۔''

(نہج البلاغہ باب الکتب صفحہ:۵۴۶۔۵۴۷۔ط بیروت)

اور جناب علامہ مرزا حبیب اللہ ہاشمی نے مولائے کائنات حضرت علی بن ابی طالب کے اس مکتوب گرامی کے بارے میں بہت اچھی بات کہی ہے کہ:

'' بظاہر مولائے کائنات حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی جانب سے یہ سخت تنبیہی خط جناب کمیل کے نام اس وقت بھیجا گیا ہے جب معاویہ کے ساتھیوں نے '' انبار'' نامی شہر میں لوٹ مار مچا کر حسان بن حسان البکری جیسے جلیل القدر صحابی کو قتل کر دیا اس واقعہ سے مولائے کائنات کو سخت صدمہ پہنچا تھا پھر جب اسی اثنا میں جناب کمیل کی جانب سے یہ درخواست پہنچی کہ میں قرقیسیا پر حملہ کر کے اس لوٹ مار کا بدلہ لوں تو اس آتشِ غم کے شعلوں کی لپیٹ میں جناب کمیل بھی آ گئے۔ (منہاج البراعہ شرح نہج البلاغہ جلد ۲۰، صفحہ: ۳۵۴ مطبوعہ تہران)

البتہ مولا علیؑ نے جناب کمیل کو جو، تادیبی خط لکھا ہے اس کے دو نمایاں پہلو ہیں۔

ا۔ اپنے نمائندوں کی عمومی نصیحت، خصوصاً وہ نمائندے جو ایسی سرحدوں کے

قریب ہیں جہاں مکار دشمن کی ریشہ دوانیاں ہر وقت جاری ہیں۔ ایسی جگہوں پر آپ کے نمائندوں کو بہت چوکس رہنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ دشمن کی نقل و حرکت سے باخبر رہیں حملہ آوروں کی کوششوں کو ناکام بنائیں اور اطراف وجوانب کے اُن علاقوں کی جو مولا کی سلطنت کے تحت واقع ہیں، حفاظت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں۔

۲۔ اور دوسری بات جس کی طرف مولائے کائنات جناب کمیل کو توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ یہ ہے کہ لوٹ مار کا جواب لوٹ مار سے دینا مسلم ممالک اور ایک انصاف پرور اسلامی حکومت کے لئے کسی طرح مناسب نہیں ہے، کیونکہ ہر شہر میں بچے بوڑھے، عورتیں اور ایسے کمزور لوگ بھی ہوتے ہیں جو ظلم وستم کو ناپسند کرنے کے باجود کسی ظلم کے دفاع کی قدرت نہیں رکھتے۔ اور اگر عام لوٹ مار ہوگی تو یہ بچے بوڑھے عورتیں اور معذور اشخاص بھی اس کی زد میں آجائیں گے۔

نیز یہ کہ مولا علیؑ کی کبھی یہ سیرت نہیں رہی کہ اگر ان پر کسی نے ظلم کیا تو وہ بھی انتقام لینے کے لئے ظلم کریں۔ بلکہ آپ کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ ظالم کو اس کے ظلم سے روکیں اور اسے عدل وانصاف کا راستہ قبول کرنے کا پابند بنائیں۔

پھر یہ کہ اہلِ قرقیسیا بھی تو خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر ذمی، اہل انبار ہی کی طرح حضرت علیؑ کی رعایا میں شامل تھے، اگرچہ اُن پر حاکم شام نے اپنے ظلم و ستم سے تسلط حاصل کرلیا تھا۔ (بحوالہ سابقہ جلد ۲۰، صفحہ: ۳۵۴)

پھر آپ اُن پر لشکر کشی کی اجازت کیسے دے سکتے تھے چنانچہ آپ نے واضح الفاظ میں جناب کمیل کو لکھا کہ: دوسرے علاقوں پر حملہ کرنے کے بجائے اپنے علاقوں کی حفاظت پر نظر رکھو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری غفلت کی وجہ سے دشمن کو حملہ آور ہونے کا موقع ملے اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی جان و مال خطرے

میں پڑے۔

دانش وحکمت کے جواہر پارے

جناب کمیل حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے انتہائی وفادار جاں نثار اصحاب میں سے ہیں۔

اور اگر سرحدی علاقوں میں اُن کی کچھ انتظامی کمزوریوں کے باعث حضرت علیؑ نے انھیں تنبیہ وتادیب بھی فرمائی لیکن اس کے باوجود ان کو اپنا انتہائی مخلص و باوفا سمجھتے تھے۔

اسی لئے اکثر فرصت کے اوقات میں جب ساری دنیا خواب غفلت میں پڑی ہوتی تھی۔آپ جناب کمیل کا ہاتھ پکڑ کر کسی ایسے صحرا یا وادی کی طرف تشریف لے جاتے جہاں آپ دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا آدمی موجود نہ ہو۔اور پھر جناب کمیل کو حکمت ونصیحت کی ایسی ایسی باتیں بتاتے، جو قیامت تک پیدا ہوتے رہنے والے انسانوں کے لئے سرمایۂ ہدایت اور توشۂ نجات ہیں، اور جو شخص بھی قلب کے اخلاص اور ضمیر کی سچائی کے ساتھ ان کلمات پند ونصیحت پر غور کرے گا، وہ ان کی عظمت ورفعت اور جامعیت وافادیت نامہ کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہ کلمات اس کی زندگی پر ایک ایسا گہرا نقش قائم کریں گے کہ پھر طوفانِ حرارت کبھی بھی اسے صحیح راستے سے نہ ہٹا سکیں۔

اِن کلمات میں عقائد کی پختگی اور اعمال کی درستگی دونوں ہی باتیں پیش نظر ہیں، امیر المومنینؑ نے پہلے مختصر طریقے سے جناب کمیل کو وہ باتیں بتائی ہیں جو ان کے عقائد ونظریات کی دنیا کے لئے ضروری ہیں اور اس کے بعد وہ باتیں بتائی ہیں جو ان کے سیرت وکردار کی اصلاح کے لئے ناگزیر ہیں۔

چنانچہ علامہ مجلسی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''بحار الانوار'' میں کتاب بشارت

المصطفیٰ کے حوالے سے مکمل سلسلہ سند کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ:

''جناب سعید بن زید کہتے ہیں کہ میں نے جناب کمیل سے ملاقات کی اور اُن سے حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے فضائل و کمالات کے بارے میں سوال کیا، تو جناب کمیل نے فرمایا:''

ا۔ بحار الانوار کے بارے میں تمام اہلِ علم اور صاحبان فکر و نظر اس بات سے باخبر ہیں کہ اس میں رطب دیا بس دونوں ہی قسم کی احادیث ہیں، کیونکہ علامہ مجلسی کا منشا صرف یہ تھا کہ ان تمام احادیث کو جو ائمہ کرام کی جانب منسوب ہیں ایک جگہ جمع کردیں اب یہ صاحبان تحقیق کا فرض ہے کہ ان احادیث کے اسناد و رجال کے بارے میں چھان بین کریں اور جس جگہ علامہ مجلسی نے کسی حدیث کا سلسلہ سند بھی مکمل طور سے بیان کردیا ہے، وہاں تو صاحبان تحقیق کا کام بہت ہی آسان ہوجاتا ہے کہ ان ناموں کو علم رجال کی کتابوں میں دیکھ کر اطمینان حاصل کرلیں......

''(اے سعید) کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ میں تمہیں حضرت علیؑ کی وہ حکمت کی باتیں بتاؤں جو انھوں نے بطورِ نصیحت مجھ سے فرمائی تھیں؟......تاکہ تم بھی ان باتوں سے فائدہ اٹھاؤ اور ان باتوں ہی کے ذریعہ امام کے مرتبے کو بھی سمجھو؟) تو میں نے کہا کہ ہاں ضرور فرمایئے! تو جناب کمیل نے فرمایا کہ: مولائے کائنات نے ایک روز مجھے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا''

''اے کمیل ہر روز خدا کا نام لیا کرو، اسی سے ہر طاقت و قوت کی درخواست کرو، اسی پر بھروسہ رکھو، پھر ہمارا ذکر کرو ہم سب کا نام لے لے کر ہم (آلِ محمد) پر درود سلام بھیجو، اور خداوند عالم کی پناہ اور اسی سے حفاظت کی درخواست کرو......تو دن بھر بلاؤں سے محفوظ رہو گے۔''

''اے کمیل خدا پیغمبرؐ کا مُعلم ہے، پیغمبر میرے معلّم ہیں، اور میں مومنین کا

معلّم ہوں اور میں ہی صاحبان ایمان کو سابقہ بزرگان دین کی تعلیمات سے بھی آشنا کروں گا۔''

''اے کمیل میں ہر علم کی راہوں کو شگافتہ کردوں گا، اور تمام اسرار ورموز قائم آلِ محمدؐ پر ختم ہو جائیں گے۔''

''اے کمیل جب کھانا کھاؤ تو بسم اللہ کہا کرو، کیوں کہ نام خدا میں تمام بیماریوں سے شفا ہے۔''

''اے کمیل اپنے کھانے میں دوسروں کو بھی شریک کرو بخل نہ کرو کیونکہ رازق تم نہیں ہو بلکہ خدا ہے، البتہ اگر اپنے کھانے میں دوسروں کو شریک کرو گے، تو پیش پروردگار اجر وثواب کے مستحق قرار پاؤ گے۔''

''اے کمیل اپنے اخلاق عمدہ رکھو اپنے ہم نشین کے لئے کشادہ دلی کا مظاہرہ کرو، اور اپنے خدمت گار سے بھی سخت لہجے میں بات نہ کرو۔''

''اے کمیل کھانے سے اپنے معدے کو لبالب نہ بھرو بلکہ کچھ پانی کی جگہ اور ہوا کی گنجائش باقی رہنے دو۔''

''اے کمیل، کھانا سامنے آئے تو اُس میں نکتہ چینی نہ کرو کیوں کہ حضرت رسولؐ خدا کبھی کھانے کے بارے میں نکتہ چینی نہیں کرتے تھے (بلکہ اگر پسندیدہ ہوتا تھا تو تناول فرماتے تھے، ورنہ خاموش رہتے تھے)''

''اے کمیل، کم کھانے پینے میں تندرستی کا راز مضمر ہے۔''

''اے کمیل زکوٰۃ ادا کرنے مومنین کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور قرابتداروں کے ساتھ صلۂ رحم کرنے سے مال میں برکت ہوتی ہے۔''

''اے کمیل کسی سائل کو خالی واپس نہ کرو، اگر (کچھ نہ ہو سکے تو کھجور کا ایک ٹکڑا یا انگور کا ایک دانہ ہی دے دو، (یعنی کم سے کم جو دے سکو، ضرور دے دو،

سائل کورد نہ کرو"

"اے کمیل (یادرکھو) صدقہ کے طور پر دیا ہوا مال خداوند عالم کے پاس پروان چڑھتا رہتا ہے۔"

"اے کمیل، مومن کے لئے حُسنِ خُلق، تواضع ہے، عفت و پاکیزگیٔ نفس اس کا حُسن ہے شفقت (ونرمی) اس کا شرف ہے، اور اِس کی عزت اسی میں ہے کہ قیل وقال نہ کرے۔"

"اے کمیل، اگر خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کسی سے مناظرہ چاہتے ہو تو صرف ایسے شخص سے کرنا جس میں عقلمندوں کے عادات واطوار پائے جاتے ہوں۔"

"اے کمیل، ہر حال میں سچی ہی بات کہو، متقی و پرہیزگار لوگوں کی پشت پناہی کرو اور بدعمل لوگوں سے دُور رہو۔

"اے کمیل، منافقین سے بچتے رہو، اور خائن لوگوں کے ساتھ کبھی نہ رہو۔"

"اے کمیل، ہرگز ہرگز ظالموں کے دروازے پر نہ جانا ان سے میل ملاپ نہ رکھنا اُن سے کاروبار نہ کرنا، ان کے مطیع وفرماں بردار نہ بننا، نہ ان کی نشستوں میں شریک ہونا، جس سے خداوند عالم تم پر غضبناک ہو۔"

"اے کمیل۔ (یادرکھو) خدا کے اقرار اور اس کے اولیاء پر ایمان کے بعد خداوند عالم کو جو بات سب سے زیادہ پسندیدہ ہے وہ نظامت وصفائی، عفت و پاکیزگی اور صبر وشکیبائی ہے۔"

"اے کمیل، لوگوں پر اپنی تنگدستی و مجبوری کا اظہار مت کرو۔ بلکہ عزت و خاموشی کے ساتھ، خوشنودیٔ خدا کی نیت سے اس پر صبر کرو۔"

"اے کمیل۔ اپنے بھائی کو اپنا راز داں بنا سکتے ہو۔ لیکن وہ بھائی ایسا ہو جو

سختیوں میں تمہارا ساتھ نہ چھوڑے پریشاں حالی کے موقع پر تم سے غفلت نہ برتے تم اگر اُس سے کسی چیز کا سوال کرو تو تمہیں فریب نہ دے، اور تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ نہ دے بلکہ اگر تمہیں مشکلات میں مبتلا دیکھے تو اُن مشکلات کو دُور کرے۔''

''اے کمیل ایک مومن اپنے دوسرے برادر مومن کے لئے آئینہ کی حیثیت رکھتا ہے، جو اس کی طرف دیکھتا رہتا ہے، اس کی ضروریات پوری کرتا ہے اور اس کی حالت بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔''

''اے کمیل! اگر تمہیں اپنے بھائی سے محبت نہیں تو سمجھو تم اس کے بھائی ہی نہیں ہو، (کیوں کہ بھائی تو وہ ہے جو بھائی سے محبت کرتا ہے، پھر تم کیسے بھائی ہو جو اپنے بھائی سے محبت نہیں کرتے؟''

''اے کمیل! ہم آل محمدؐ کے راز کو افشا نہ کرو، کیونکہ اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو اُس کا یہ گناہ کبھی معاف نہ ہوگا نہ خدا اُس کی کوئی نیکی قبول کرے گا۔''

''اے کمیل رجعت یقینی ہے، اور ہمارا غلبہ قطعی ہے۔''

''اے کمیل ایسے لوگوں کے بارے میں دھوکہ نہ کھانا، جو لمبی لمبی نمازیں پڑھتے ہیں مسلسل روزے رکھتے ہیں، اور صدقہ خیرات کر کے سمجھتے ہیں کہ بس یہی چیزیں اُن کو بچالیں گی (اور ایمان و معرفت کی پروا نہیں کرتے)۔''

''اے کمیل! بعض دلوں میں ایمان مستحکم ہوتا ہے اور بعض کے پاس بطور امانت (جو قبل موت ان سے واپس لے لیا جائے گا، تو ڈرتے رہو کہ کہیں تمہارے پاس بھی بطور امانت ہی نہ ہو (کہ قبل موت واپس لے لیا جائے اور دنیا سے جب اٹھو تو ایمان سے محروم جاؤ۔''

''یاد رکھو...... ایمانِ مستحکم کے حقدار اُس وقت بنو گے، جب ایسے واضح راہ ہدایت

پر ثابت قدمی سے چلتے رہو۔ جو تمھیں کسی کجروی کی طرف نہ لے جائے اور نہ اُس سیدھے راستے سے تمہیں ہٹائے جو ہماری رہنمائی سے تمہیں حاصل ہوا ہے۔"

"اے کمیل یاد رکھو فرائض و واجبات کو ترک کرنے کی کبھی اجازت نہیں ہے اور تسبیحات و نوافل (کی بجا آوری کے لئے) کوئی سختی نہیں کی گئی ہے۔ اور یاد رکھو کہ خداوند عالم ان ہی اعمال کا حساب مانگے گا جن کو تمہارے لئے واجب قرار دیا ہے، نوافل و تسبیحات کو تو ہم اس لئے بجالاتے ہیں کہ قیامت کے دن کی سختیوں اور ہولناکیوں سے نجات حاصل ہو۔"

"اے کمیل، تم کسی وقت بھی خداوند عالم کی عطا کردہ نعمت و عافیت سے خالی نہیں رہتے ہو، لہٰذا خود کو اُس کی حمد و ثنا، تسبیح و تقدیس اور ذکر و شکر سے بھی غافل نہ رکھو (بلکہ ہر حال میں اُس کا ذکر کرتے رہو"

اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جن کے بارے میں خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ:

"اور لوگوں نے ذکر خدا سے غفلت کی، تو خود اپنی انسانیت ہی کو فراموش کر بیٹھے۔ (سورہ حشر آیت ۱۹)

اور ایسے لوگوں کو خداوند عالم نے فاسق کہا ہے۔

"اے کمیل! اہمیت اس بات کی نہیں ہے کہ تم نماز پڑھتے ہو، روزہ رکھتے ہو اور صدقہ دیتے ہو، بلکہ اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ جو عمل کرتے ہو وہ پورے اخلاص کے ساتھ کرتے ہو، مثلاً، نماز پڑھتے ہو، تو قلب کی پاکیزگی کے ساتھ اور تمہارا عمل پیش پروردگار پسندیدہ بھی ہوتا ہے دل میں خوفِ خدا کی گرمی اور پیہم سعی عمل کی حرارتِ شوق بھی کارفرما رہتی ہے۔"

"اس لئے یہ ضرور دیکھو کہ کیسے گھر میں نماز ادا کر رہے ہو اور کس چیز پر عبادت میں مشغول ہو کیونکہ اگر وہ جگہ یا چیز جس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہو

جائز اور حلال طریقے سے حاصل نہیں کی گئی ہے۔ تو عبادت قبول نہیں ہوگی۔"

اے کمیل! زبان تو دل میں پیدا ہونے والے خیالات کا صرف اعلان کرتی ہے (اصل سرچشمۂ افکار تو قلب ہے) اور قلب کی تقویت غذا کے ذریعے ہوتی ہے، لہٰذا غور کرو کہ تم اپنے جسم کو کون سی غذا مہیا کر رہے ہو اور قلب کو کس قسم کی غذا سے تقویت مل رہی ہے۔ (کیونکہ اگر جائز اور اچھی غذا مل رہی ہے تو قلب کے اندر اچھائیاں تقویت پائیں گی، لیکن) اگر حرام اور بری غذا پہنچ رہی ہے تو (قلب کے اندر برائیاں تقویت پائیں گی اور ایسی صورت میں خداوند عالم نہ تمہاری تسبیح و تقدیس کو قبول فرمائیگا نہ ذکر و، شکر کو۔"

اے کمیل! یہ اچھی طرح سمجھ لو اور یاد رکھو کہ ہم دنیا کے کسی انسان کو یہ اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ امانتوں کی ادائیگی میں کوتاہی کرے، لہٰذا اگر کوئی شخص ہماری طرف یہ بات منسوب کرتا ہے کہ ہم نے کسی کو ایسی اجازت دی ہے تو وہ گمراہ ہے جھوٹا ہے، گناہگار ہے اور اپنے اس جھوٹ کی وجہ سے اُسے آتشِ جہنم کا مزہ چکھنا پڑے گا...... قسم بخدا میں نے پیغمبرِ اسلام سے خود سنا ہے، آپ نے اپنے انتقال سے کچھ دیر قبل تین بار یہ بات فرمائی تھی کہ "یا ابا الحسن امانت خواہ کسی بھی شخص کی ہو اسے ادا کرو۔ خواہ وہ شخص نیک ہو یا بد اور اس کی امانت معمولی ہو یا بڑی، حتیٰ کہ اگر سوئی دھاگہ بھی بطور امانت رکھوایا تھا تو اسے واپس کرو۔"

"اے کمیل تمہارا کیا خیال ہے اگر خداوند عالم کسی نبی کو مبعوث نہ کرتا نہ کرتا اور دنیا میں کوئی ایسا مومن ہوتا جو تقویٰ و پرہیز گاری کے لباس سے بھی آراستہ ہوتا اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا تو کیا اس کا یہ عمل صحیح ہوتا یا اس دعوتِ الٰہی میں وہ غلطی پر ہوتا......؟ یاد رکھو قسم بخدا خداوند عالم کی جانب سے جب تک اُسے یہ منصب عطا نہ ہوا ہو، وہ یقیناً غلطی پر ہی ہوتا ہے (کیونکہ خداوند عالم کی طرف

بلانے کا حق بھی صرف اس کو ہے جسے خدا نے اس کی اجازت دی ہو اور شاید یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے جب اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰؐ کو خطاب کیا، تو فرمایا۔

''میرے نبی ہم نے تمہیں گواہی دینے والا خوش خبریاں سنانے والا (عذاب الٰہی سے ڈرانے والا اور خدا کی اجازت سے لوگوں کو اُس کی طرف بلانے والا اور ایک روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے''

چنانچہ مولائے کائنات نے آگے چل کر جناب کمیل کو اس کی وجہ بھی بتا دی ارشاد فرماتے ہیں۔

اے کمیل ''دین'' خداوند عالم کا ہے اور اس نے دین کو نافذ کرنے کی اجازت صرف اپنے رسولوں نبی یا وصی پیغمبر کو دی ہے کسی اور انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ خدا کے منشا اور اُس کی اجازت کے بغیر خود سے اِس ذمہ داری کو اپنے کاندھے پر اٹھالے کیوں کہ ایسا کرنے والا یا تو نادانی کی بنا پر ایسا کر رہا ہوگا تو دین کو برباد کردے گا یا جان بوجھ کر لوگوں کو فریب دینا چاہتا ہوگا تو اہل دین کو ہلاکت وتباہی کے دہانے تک پہنچا دے گا۔

اسی لئے حضرت امیر المومنینؑ جناب کمیل سے فرماتے ہیں کہ: اے کمیل، منصبِ الٰہی صرف نبوت ورسالت وامامت ہے اس سے ہٹ کر جو لوگ (تم پر مسلط ہوں گے) وہ ظالم وجابر، قہر وغلبہ سے مسلط ہو جانے والے، گمراہ اور سرکش لوگ ہوں گے۔

غور کیجیے مولائے کائنات کی یہ پیشین گوئی بھی دوسری بے شمار پیشین گوئیوں کی طرح کس قدر صحیح اور درست ثابت ہوئی۔

اے کمیل یہودیوں اور عیسائیوں نے وجود خدا کو غلط نہیں قرار دیا نہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ (کی نبوت) کا انکار کیا البتہ دین میں کمی وزیادتی کی (کچھ

چیزیں دین و مذہب نے اُن پر فرض قرار دی تھیں انھیں ترک کیا، اور کچھ چیزیں اپنی طرف سے دین و مذہب میں داخل کر دیں۔ جب کہ اُن چیزوں کا دین و مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا، (شریعت مقدسہ میں) تحریف کی اور بے دینی کو اختیار کر لیا۔ تو خداوند عالم نے ان پر لعنت کی۔ ان سے ناراض ہوا پھر نہ تو ان لوگوں نے توبہ کی اور نہ ان کی توبہ قبول ہوگی۔ کیوں کہ قبولیت تو ان کو ملتی ہے جو متقی و پرہیز گار ہوں۔

(جب یہود و نصاریٰ نے تقویٰ و پرہیز گاری ترک کر دی تو اب قبولیت کیسی؟ لہٰذا امت کے بد عمل لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے اور سوچنا چاہیئے کہ جب تک نیکی و تقویٰ کی راہ اختیار کریں گے، خداوند عالم ان کے عمل کو قبول کیسے فرمائے گا......؟)

اے کمیل (ایک مثال اور سامنے رکھو)......!

حضرت آدمؑ کے دونوں بیٹے یہودی یا عیسائی نہ تھے بلکہ سچے مسلمان تھے لیکن قابیل نے، جو عقائد کے اعتبار سے سچا مسلمان تھا جب واجبات الٰہی اور فرائضِ خداوندی کی متابعت نہ کی تو خداوند عالم نے (اس کی بد عملی کی وجہ سے اس کی پیش کی ہوئی قربانی کو قبول نہیں کیا اور جنابِ ہابیل کی قربانی قبول کر لی) جس کی بنا پر قابیل کے دل میں حسد پیدا ہوا اور اس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر کے (دنیا میں قیامِ قیامت تک کے لئے اپنے گلے میں لعنت کا طوق پہنا اور آخرت میں ابد الآباد تک عذاب جہنم کا مستحق بنا)

ثقلین:

اے کمیل: ہم اہل بیتؑ رسولؐ ثقل اصغر ہیں اور قرآن ثقل اکبر اور یہ بات خود پیغمبر اسلام نے اُمت کو بتا دی تھی، چنانچہ آپ نے اپنی حیات طیبہ میں سب

لوگوں کو بلایا، اور سات دن معین اوقات میں اس کی تکرار کی گئی چنانچہ سب لوگ جمع ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے، حمد وثنائے خداوند عالم بجالائے پھر فرمایا۔

لوگو! دیکھو میں جو کچھ بیان کررہا ہوں، وہ اپنی طرف سے نہیں ہے، بلکہ جو کچھ کہہ رہا ہوں سب خدا کی جانب سے ہے، تو اب جو شخص ان باتوں کی تصدیق کرے گا، اس نے گویا خدا کی تصدیق کی اور جو شخص خدا کے کلام کی تصدیق کرے گا اُسے جنت میں اجر وثواب ملے گا لیکن جو شخص میرے اس بیان کو جھوٹ سمجھے گا اس نے گویا خداوند عالم کی تکذیب کی، اسے جھوٹا قرار دیا اور ایسے شخص کو خداوند عالم جہنم میں جھونک دے گا۔

(حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ، اس کے بعد رسولؐ خدا نے مجھے بلایا میں منبر پر گیا تو آپ نے مجھے اپنے قریب اس طرح قریب کیا کہ میرا سر آنحضرتؐ کے سینہ اقدس سے لگا ہوا تھا، اور حسنؑ وحسینؑ آنحضرت کے داہنے بائیں طرف تھے۔

پھر حضور اکرم نے ارشاد فرمایا:

اے لوگو! مجھے جبرئیل نے خداوند عالم کی جانب سے جو ہمارا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے...... بتایا ہے کہ قرآن مجید ثقل اکبر اور میرا یہ وصی وجانشین (علی) اور اُن کے فرزندان (حسنؑ وحسینؑ) اور جو ان کی نسل سے میرے اوصیا (ائمہ معصومینؑ) ہوں گے یہ سب ثقل اصغر ہیں (اور یہی وہ ثقلین ہیں جنھیں میں تمہارے درمیان چھوڑ کر جارہا ہوں) ان میں سے ہر ایک دوسرے کے بارے میں (روز قیامت) گواہی دیں گے اور دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے، کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ روزِ قیامت دونوں بارگاہِ معبود میں حاضر ہوں گے اور خداوند عالم ان کے اور بندوں کے

درمیان فیصلہ کرے گا (کہ کس کس نے قرآن مجید پر ظلم کیا، اور کن کن لوگوں نے عزت رسولؐ اور اہلِ بیت پیغمبر پر جور و ستم کیا، ان پر عرصہ حیات تنگ کیا اُن کے نام لیواؤں کو دار و رسن تک پہنچایا..........؟

اے کمیل۔ جب ہم اہلِ بیتؑ رسولؐ کی اس قدر اہمیت ہے، تو پھر یہ (دنیا والوں کو کیا ہو گیا ہے اور) کس بات پر کچھ لوگ ہم سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور کس وجہ سے کچھ لوگ ہمارے فرمان اور حکم کو بجالانے میں کوتاہی کر رہے ہیں۔

اے کمیل! رسولؐ خدا نے تو پورے اخلاص کے ساتھ پیغام خداوندی کو پہنچا دیا، لیکن افسوس ان لوگوں کو (اس نصیحت ربّانی کا نہ کوئی پاس و لحاظ ہے) نہ اخلاص کے ساتھ نصیحت کرنے والوں کی کوئی محبت ہے (......اس کے بعد حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ نے اپنے بارے میں پیغمبر اسلام کی متعدد احادیث فضائل و مناقب بیان کرنے کے بعد جناب کمیل کو مخاطب کر کے سوال کیا......)

اے کمیل یہ لوگ کس بنیاد پر ہم سے حسد کرتے ہیں جب کہ ان لوگوں کی دانش و معرفت سے بہت قبل خداوند عالم نے ہمیں پیدا کیا ہے، کیا یہ لوگ اپنے حسد کے ذریعے ہمیں ان مراتب و کمالات سے گرا دیں گے جو خداوند عالم کے نزدیک ہمیں حاصل ہے؟

(کیونکہ مرتبہ و عزت تو وہی ہے جو خدا کے نزدیک حاصل ہو یہ لوگ حسد کر کے دنیاوی اقتدار تو چھین سکتے ہیں۔ الٰہی رتبہ و مقام کیسے چھین سکتے ہیں)

اے کمیل جو شخص جنّت کا مستحق نہ بن سکا (یعنی یا ایمان ہی نہیں لایا، یا ایمان تو لایا مگر اس کے تقاضوں کو پورا نہ کیا) اسے بتا دو کہ دردناک عذاب دائمی رسوائی ہتھکڑیاں، بیڑیاں، لمبی زنجیریں اور آگ کے گولے اس کے لئے مہیا ہیں

شیطان اُن کا ساتھی ہوگا پانی کی جگہ زخم سے نکلنے والی پیپ کو پینا ہوگا گرم لوہے کا لباس ہوگا، بہت سخت مزاج وہ فرشتے ہوں گے (جوان کو بار بار جہنم میں ''دھکیلتے رہیں گے) جہنم کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے (جس میں ان کو ڈال کر) دروازوں کو بند کر دیا جائے گا وہ لوگ اس میں چیخیں گے مگر انھیں کوئی جواب نہ دے گا اور وہ فریاد کریں گے مگر اُن پر رحم نہیں کیا جائے گا۔

وہ پکار پکار کر کہیں گے: اے مالک، خدا (سے کہو) ہم لوگوں کا فیصلہ کر دے (جلد اس قید سے ہمیں آزاد کرے) تو جہنم کا داروغہ جواب دے گا کہ:

''اب تم یہیں پڑے رہو، کیونکہ تم سب لوگوں کے پاس حق کا پیغام آیا تھا لیکن تم میں سے اکثریت کو حق کا پیغام پسند ہی نہیں ہے۔''

(بحارالانوار جلد ۷۷، صفحہ: ۲۶۶ تا صفحہ: جدید)

کمیل کی شہادت

عالمِ اسلام کے جلیل القدر محدث جناب شیخ عباس قمی نے اپنی مایہ ناز تصنیف ''منتہی الامال'' میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ ظالم وسفاک اموی گورنر حجاج بن یوسف ثقفی نے جناب کمیل کو ۸۳ ہجری میں صرف اس بنا پر شہید کر دیا کہ آپ جناب امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ سے انتہائی والہانہ محبت وعقیدت رکھتے تھے اور تقریباً پورے اموی دورِ حکومت میں محبت علیؑ، اور الفتِ آلِ محمد ''ایسا سنگین'' جرم تصور کیا جاتا تھا جس کی پاداش میں ہزاروں جاں نثاران اہلِ بیتؑ کو زندگی سے محروم ہونا پڑا ہے۔

قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ جناب قنبر علیہ الرحمہ کو بھی حجاج بن یوسف نے اسی جرم میں شہید کیا تھا کہ وہ حضرت علی سے انتہائی محبت رکھتے تھے۔ اور ایک قنبر ہی پر کیا منحصر ہے، آلِ محمدؐ سے محبت رکھنے والوں کے لئے ہر دور کے حکام جور نے

دارورسن کی تاریخ کو دہراتے رہنا ہی اپنا شعار بنایا۔ اور آج بھی، جب دنیا میں ہر طرف علم و دانش کا چرچہ ہے اور انسان پتھروں کے زمانے سے نکل کر تسخیرِ کائنات کے زرّیں عہد میں داخل ہو چکا ہے، آلِ محمدؐ سے عقیدت و محبت رکھنے والوں کو بے شمار تہمتوں اور ناسزا الزامات سے نوازا جاتا ہے۔ لیکن محبت و عقیدت پر نہ کل پہرے بٹھانا ممکن تھا نہ آج ممکن ہے نہ کل ممکن ہو گا۔ انشاءاللہ۔

کمیل کا مدفن:

ارباب تاریخ وسیرت کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جناب امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ نے جناب کمیل کو اپنے ہمراہ لیا، اور کوفے سے نجف کی وادی کی طرف چلنے لگے چلے چلتے ایک بلند مقام پر آگئے اور کمیل سے فرمانے لگے، کمیل، اس جگہ کو پہنچانتے ہو.........؟

کمیل نے عرض کی: مولا آپ کی زبان مبارک سے معلوم ہو جائے تو زہے نصیب فرمایا: یہیں میں دفن کیا جاؤں گا۔

یہ سُن کر جناب کمیل نے گریہ فرمایا، عجب نہیں کہ فرط عقیدت سے اس زمین کو چوما بھی ہو...... پھر مولا روانہ ہو گئے، جناب کمیل نے حضرت علیؑ سے دریافت کیا:

آقا میرے دفن کی جگہ کہاں ہے؟

فرمایا: سامنے، اس جگہ (یہ کہہ کر دور ایک جگہ اشارہ کیا)

کمیل نے عرض کی: مولا، وہ جگہ تو بہت دور ہے۔

تو امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمایا: کمیل ایک وقت آئے گا جب ہم اور تم ایک ہی شہر کے دو پڑوسیوں کے مانند ہوں گے۔

اور امیر المومنین کی اس پیشین گوئی کی تصدیق جناب کمیل کا وہ مرقد مطہر کر رہا

ہے جو شہر نجف میں ستارے کی طرح جگمگا رہا ہے اور صاحب قبر کی نورانیت اور پاکیزگی قلب کا ثبوت فراہم کر رہا ہے، خدا سب کو اس کی زیارت نصیب کرے۔ آمین

کمیل بن زیاد نخعی

اصحابِ امیر المومنین علیہ السلام میں ایک جلیل القدر شخصیت جناب کمیل بن نخعی کی بھی تھی جناب کمیل اصل میں یمن کے باشندے تھے۔ خدمت امیر المومنین علیہ السلام میں آنے کے بعد ان کے قلب پر جب نور آفتاب امامت کی شعائیں پڑنے لگیں دل کا ہر گوشہ نورانی ہو گیا۔ ظلمت معاصی کافور ہو گئی۔ زہد و ورع و تقویٰ و عبادت کے خوگر ہو گئے۔ اپنے پرائے سب ہی معترف ہیں۔

''کمیل کی قوم کے لوگ ان کے مطیع و فرمانبردار تھے کوفے کے بڑے عبادت گزار افراد میں داخل تھے اور مولا علیؑ کے شیعوں میں شمار ہوتے تھے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۸، صفحہ: ۴۴۸)

کمیل شجاع و بہادر و زاہد و عابد تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ: ۴۷)

جناب امیر المومنین علیہ السلام کے مخصوص اور موثق اصحاب میں شامل تھے امام حسن علیہ السلام کے بھی مخصوص اصحاب میں شمار کیے جاتے تھے۔

روایتِ حدیث میں ایسے موثق و معتبر تھے کہ جس طرح شیعہ ان سے روایت کرتے ہیں محدثین اہلِ سنت بھی ان سے حدیث نقل کرتے ہیں۔

''چنانچہ تابعین کی ایک جماعتِ کثیر نے ان سے حدیث نقل کی ہے انھیں سے حضرت امیرؑ کی وہ مشہور و طولانی حدیث وارد ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ لوگوں کے قلوب ظرف ہیں بہترین قلب وہ ہے جو سب سے زیادہ محفوظ اور یاد رکھے۔ اس حدیث کو بہت سے موثق و معتبر راویوں نے ان سے نقل کیا ہے

جس میں بہت سی نصیحتیں اور اچھے اچھے کلام درج ہیں (البدایہ والنہایہ جلد ۹، صفحہ: ۴۷)

جناب کمیل ہی حضرت کی اس مشہور و معرف دعا کے راوی ہیں جس کی تلاوت شبِ جمعہ مستحب ہے یہ دعا انھیں کے نام ہی سے مشہور ہے۔

جنابِ کمیل سے حسب ذیل راویوں نے روایت نقل کی ہے ابو اسحق سبیعی، عباس بن زرتح، عبداللہ بن یزید صہبانی، عبدالرحمان عباس اعمش اور ان کے علاوہ اور بھی افراد ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ: ۴۴۸)

''جناب کمیل نے سو برس زندگانی بسر کی حجاج بن یوسف نے ان کو بظلم و ستم قتل کیا تھا۔ حجاج کا ان پر سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ ان کو حضرت عثمان نے طمانچہ مار دیا تھا انھوں نے ان سے اس کا قصاص دینے پر راضی ہو گئے تو جناب کمیل نے ان کو معاف کر دیا۔ حجاج نے کہا کہ تم ایسے انسان کو یہ ہمت کہ خلیفہ سے قصاص طلب کرو اس کے بعد حکم دیا کہ ان کی گردن اڑا دی جائے۔ چنانچہ وہ قتل کر دیے گئے۔ لوگ یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ حجاج نے اسی اثناء میں حضرت علیؑ کا تذکرہ کیا اور برا بھلا کہنا شروع کیا جناب کمیل نے حضرت پر درود و سلام پڑھنا شروع کیا اس پر حجاج کو غصہ آ گیا اور کہنے لگا کہ میں تمہارے پاس ایسے آدمی کو بھیجوں گا جو حضرت علیؑ کو جتنا تم دوست رکھتے ہو اس سے زیادہ ان کو دشمن رکھتا ہو چنانچہ مقام حمص کے ابو ادھم یا ابو جھم بن کنانہ کو ان کے پاس بھیجا اس نے ان کی گردن اُڑا دی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ: ۹۴)

مصنف البدایہ والنہایہ کا شمار دشمنانِ حضرت امیر میں ہے اس نے اپنی اس تاریخ میں جا بجا اپنے شامی اور دشمنِ حضرت علیؑ ہونے کا ثبوت پیش کیا ہے اس لیے اس کا جناب کمیل کے لیے یہ تحریر کرنا کہ انھوں نے حضرت عثمان سے قصاص طلب کیا اور وہ قصاص دینے پر تیار بھی ہو گئے۔ حالانکہ یہ وہ بزرگ ہیں

جنھوں نے حضرت ابوذر پر اتنا ظلم کیا کہ عالم غربت میں ربذہ کے بے آب و گیاہ جنگل میں بھیج دیا جناب عمار یاسر کو اتنا پیٹا کہ ان کو آنت اُترنے کا مرض ہو گیا۔ ابنِ مسعود کو صرف جناب ابوذر کو دفن کے جرم میں اتنا مارا کہ پسلیاں ٹوٹ گئیں ایسے آدمی کا قصاص پر آمادہ ہونا بتاتا ہے کہ جناب کمیل بڑے جاہ و حشم و قوم و قبیلے کے مالک تھے بڑے معزز و محترم تھے اسی لیے جناب کمیل کا طمانچہ کھانے پر آمادہ ہو گئے مگر یہ ان کا کرمِ نفس تھا کہ قدرت پا کر پھر معاف کر دیا اور کیوں نہ معاف کرتے اس لیے کہ محبان علیؑ کا وارا ایسا ہی ہوتا ہے۔

البدایہ والنہایہ کی یہ عبارت یہ بھی بتاتی ہے کہ حجاج نے حضرت علیؑ کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا تو اس ظالم کے سامنے جوش محبت میں حضرت پر درود و سلام بھیجنے لگے چنانچہ اسی جرم میں جامِ شہادت نوش کر لیا۔

علامہ مجلسی بحار جلد ۹، صفحہ: ۳۰۰ پر جناب کمیل کی شہادت کی وجہ یہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب حجاج کے ہاتھ میں زمامِ حکومت آئی تو اس نے کمیل بن زیاد کو (دوسرے شیعوں کی طرح طلب کیا) وہ اس کے خوف سے روپوش ہو گئے۔ اس نے بیت المال سے ان کے قبیلے کو جو عطیہ ملتا تھا اسے بند کر دیا۔ جب جناب کمیل ایسے کریم نے یہ دیکھا تو کہنے لگے میں بوڑھا ہوں میری کافی عمر گزر چکی ہے میرے سبب سے میری قوم کیوں اپنے عطایا سے محروم ہو جائے اس لیے اپنے کو حجاج کے سامنے حاضر کر دیا جب حجاج نے ان کو دیکھا تو کہنے لگا کہ میں چاہتا تھا کہ تم پر مجھے قدرت حاصل ہو جائے۔ جناب کمیل نے کہا مجھ پر غیظ و غضب کا اظہار نہ کرو۔ اس لیے کہ اب میری عمر اڑتے ہوئے غبار کی طرح باقی ہے اس لیے ترا جو دل چاہے میرے ساتھ کر گزر اس لیے کہ وعدہ گاہ بارگاہِ ربّ العزت ہے اور بعد قتل حساب دینا ہوگا اور مجھے تو امیر المومنینؑ یہ خبر دے چکے ہیں

کہ تو مجھے قتل کرے گا حجاج نے کہا پھر تو الزام تمہارے اوپر رہتا جناب کمیل نے جواب دیا مجھ پر الزام اس وقت ہوتا جب قضا و قدر کا مالک تو ہی ہوتا حجاج نے کہا ہاں قضا و قدر میرے ہی ہاتھ میں ہے تم بھی عثمان بن عفان کے قاتلوں میں داخل ہو ان کی گردن اڑا دو چنانچہ اسی وقت جناب کمیل کو قتل کر دیا گیا۔

محمد بن ابی بکر

ان کی والدۂ ماجدہ اسماء بنتِ عمیس ہیں جو دراصل جعفر بن ابی طالب کی زوجہ نہیں تھیں بلکہ یہ اسماء انصاریہ جناب فاطمہ زہراؑ کی ایک کنیز تھیں۔ رسولِ خدا سے روایت کی تھی اور جن کے بارے میں رسولؐ اللہ نے اُمت کو نصیحت فرمائی تھی۔ تمہارے اوپر رب السمٰوات کا عذاب نازل ہو جب تک کہ کبوتر آواز دے اور گونجے۔ اے اولادِ زہراؑ تمہیں میرے ذخیرہ ہو اور تمہارے ہی سبب سے روزِ قیامت میرا پلۂ عمل بھاری ہوگا اور جبکہ میری محبت تمہارے ساتھ صحیح ہو تو پھر مجھے کسی کتے کے بھونکنے کی پروا نہیں ہے۔

صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام محمد (محمد بن ابی بکر) کو بہت عزیز رکھتے تھے اور ان کی تعریفیں فرماتے تھے اور ناصران میں ان کو فضیلت دیتے تھے اِس لیے کہ وہ عابد و مجتہد تھے اور ''یہ نام حضرت علیؑ کے صحابی کا تھا یہاں محمد سے مراد پیغمبرِ اسلام محمد سے نہیں ہے'' جنگ جملِ اور صفّین میں حضرت علی علیہ السلام کے ہمراہ تھے اور منجملہ اس گروہ کے تھے کہ جنھوں نے عثمان بن عفان کے گھر کا محاصرہ کیا تھا اور بعض کا خیال ہے کہ ان کے خون میں بھی شرکت تھی مگر علمائے اہلِ سنّت نے شرکتِ خون کی نفی کی ہے لیکن تاریخ احمد بن اعثم کوفی میں جو متقدمینِ اربابِ سیر میں ہے اس قول کی تائید ہوتی ہے اور وضاحت ہے اور ان

کے نام ملتے ہیں جو اس معاملے میں شریک تھے۔ محمد بن ابی بکر جب حضرت امیر المومنینؑ کے عہد میں والیِ مصر تھے تو معاویہ کے لشکر کا مقابلہ کیا اور اسی میں شہادت پائی۔ جب خبرِ شہادت حضرت امیر المومنینؑ کو پہنچی تو آپ نے گریہ فرمایا اور ارشاد کیا کہ وہ اللہ کا بندۂ صالح اور ہمارا فرزندِ صالح تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ محمد بن ابی بکر کو خال المومنین نہیں کہتے حالانکہ وہ حضرت عائشہ کے بھائی تھے۔

محمد بن ابی بکر کہتے ہیں:۔

''اہلِ بیتؑ سے تم نے عداوت رکھی۔ تم فردائے قیامت میں کیا عذر رکھتے ہو۔ تمہارے واسطے ویل ہے، جس وقت حق واضح ہوگا اور محمد مصطفیٰؐ تمہارے قضیے اور تمہاری برائیاں دریافت کریں گے تو کیا جواب دو گے؟ پھر تم نے فاطمہؑ سے غصب کیا جو اس کی وارثہ تھیں'' محمد بن ابی بکر حجۃ الوداع کے سال پیدا ہوئے تھے۔ جب ابوبکر کا انتقال ہوگیا تو حضرت علیؑ ابنِ ابی طالب نے اسماء انصاریہ (کنیزِ حضرت فاطمہ زہراؑ) سے عقد کرلیا اور محمد بن ابی بکر آپ کے اس طرح ربیب اور پروردہ تھے۔

شیخ ابوعمر کشی سے روایت ہے کہ جب حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السلام کی مجلس میں محمد ابن ابی بکر کا ذکر ہوتا تھا تو آپ اُن پر صلوٰۃ اور رحمت بھیجتے تھے اور حضرت فرماتے تھے کہ نجابت محمد ابن ابی بکر کی ان کی ماں اسماء بنتِ عمیس انصاریہ کی طرف سے ہے نہ کہ ان کے باپ کی جانب سے اور دوسری جگہ پر حضرتؑ ہی نے فرمایا ہے کہ ہر محبتِ اہلِ بیت میں ایک شخص ایسا ہوتا ہے جو اپنی ذات سے نجیب ہوتا ہے اور میرے محبّوں میں سے انجب نجباء محمد ابن ابی بکر ہیں نیز حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ محمد ابن ابی بکر نے شیخین سے علیحدہ رہ کر جنابِ امیر المومنینؑ سے بیعت کی تھی اور ان تینوں روایتوں کے موئید محمد بن ابی بکر کا کلام

اور اشعار ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ :-

''اے ہمارے باپ ہم اچھی چیز پا گئے اگر چہ تم جس کے باپ ہو اس کے نا اُمید ہونے اور رسوا ہونے میں کوئی بات باقی نہیں رہتی۔ مجھ کو اسی قادرِ مطلق نے تم سے پیدا کیا کہ جو آبِ شور سے موتی کو پیدا کر دیتا ہے۔ کیا تم اس عہد کو بھول گئے جو روزِ غدیرِ خم نبی مبعوث سے فرمایا تھا اور اس کی شرح بھی کی تھی۔ کیا روزِ غدیر تمہارے بارے میں احمد نے وصیت کی تھی یا اس شخص کے بارے میں جس نے خیبر کو فتح کیا ہے یا وراثت کے سبب سے تم نے خلافت کا کُرتا کھینچ تان کر پہن لیا۔ بعد اس کے کہ ظاہر میں تو تمہارے کافروں نے اقرار کیا اور باطن میں۔

محمد بن ابی بکر بن ابی قحافہ:

جلیل القدر تابعی عابد و زاہد و متقی تھے۔ اور محبوب ترین اصحاب امیر المومنینؑ میں داخل تھے۔ حضرت علیؑ کے حواریوں میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت علیؑ ہی نے ان کی پرورش کی تھی ان کی والدہ جناب اسماء بنت عمیس انصاریہ تھیں۔ (اسماء بنتِ عمیس زوجۂ جعفرِ طیار کے علاوہ دوسری اسماء ہیں) اسماء ہمیشہ محبت اہل بیت طاہرین میں معروف و مشہور تھیں حد یہ ہے کہ زمانہ زوجیت ابوبکر میں بھی انھوں نے اپنے اس مسلک کو ترک نہیں کیا۔

جناب محمد بن ابی بکر کو حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے یہ اخلاص اسماء نے گھٹی میں پلا دیا تھا امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ محمد کو نجابت ماں کی طرف سے ملی ہے باپ سے نہیں ملی۔ پھر اس پر اضافہ ہوا کہ اسماء انتقالِ ابوبکر کے بعد زوجیت امیر المومنین علیہ السلام میں آگئیں اسے لیے جذبہ اخلاص و محبت اتنا بڑھا کہ حضرت علی علیہ السلام ان کو اپنا فرزند کہا کرتے تھے۔ فرماتے تھے محمد میرے فرزند صلب ابوبکر سے ہیں۔ (شرح ابن الحدید جلد ۲، صفحہ: ۲۱)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت علیؑ نے پرورش کیا تھا اس لئے اُن میں نجابت آگئی۔

ان کی ولادت حجۃ الوداع ۱۰ھ میں ہوئی اور ۳۸ھ میں بے دردی سے مصر میں شہید کئے گئے۔ محمد کی کنیت ابوالقاسم اور بعض کہتے ہیں ابوعبدالرحمان تھی۔

فضائل

ان کے فضائل میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔ یہ وہ بزرگوار ہیں جن کے ولادت کی خبر پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی دی تھی اور فرمایا تھا کہ اسماء کے ایک فرزند ہوگا جس کا نام محمد ہوگا وہ کافروں اور منافقوں کے غیظ وغضب کا سبب ہوگا۔

عبداللہ بن سنان امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ قریش کے صرف پانچ آدمی تھے اور معاویہ کے ساتھ قریش کے تیرہ قبیلے تھے۔ وہ پانچ افراد حسب ذیل ہیں پہلے محمد بن ابی بکر جن کی نجابت ان کی ماں اسماء کی طرف سے آئی تھی دوسرے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص مرقال تیسرے حضرت کے بھانجے جعدہ بن ہبیرہ مخزومی ان سے عتبہ بن ابی سفیان نے کہا تھا جنگ میں تمہاری یہ شدت تمہارے ماموں کے سبب سے ہے جناب جعدہ نے جواب دیا کہ اگر تیرا ماموں مرے ماموں کی طرح ہوتا تو تو اپنے باپ کو بھی بھول جاتا چوتھے محمد بن ابی حذیفہ بن عتبہ ابن ربیعہ پانچویں ابوربیع ابن ابی العاص۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عمار یاسر اور محمد بن ابی بکر اس کو پسند نہیں کرتے کہ پروردگار عالم کی معصیت کی جائے امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ محمد بن ابی بکر نے امیر المومنین علیہ السلام سے اپنے باپ سے برائت کی بیعت کی تھی۔ (معرفۃ اخبار الرجال، صفحہ: ۴۳)

والدہ محمد بن ابی بکر جناب اسماء نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دی کہ اسماء حاملہ ہوں گی اس بچہ کا نام محمد رکھا جائے گا جو کافروں اور منافقوں کے غیظ وغضب کا سبب ہوگا۔ (رجال ماقانی باب ۴، جلد ۲ صفحہ: ۵۸)

کیا کہنا اس شرف کا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولادت کی بشارت دے گئے اور فرما گئے کہ وہ کافروں اور منافقوں کے غیظ کا سبب ہوگا۔ اس لیے محمد جس سے غضبناک ہوں اس کے کافر یا منافق ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

محمد کی شخصیت وہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام ان کے بارے میں اپنے ایک مکتوب میں عبداللہ بن عباس کو تحریر فرماتے ہیں۔

''مصر فتح کر لیا گیا اور محمد بن ابی بکر شہید کر دیئے گئے ہم اس کا اجر اللہ سے لیں گے۔ محمد خلوص رکھنے والے فرزند تھے پوری پوری سعی کرنے والے عامل تھے دشمن کے لیے کاٹنے والی تلوار تھے دشمن کو دور کرنے والے ستون تھے۔ میں اس سے ڈرتا تھا کہ لوگ ان سے ملیں گے اس حادثہ سے پہلے میں نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ان کی فریاد کو پہنچیں میں نے خفیہ بھی اس کی دعوت دی تھی علی الاعلان بھی بلایا تھا۔ لوگوں کو بار بار ان کی مدد کے لیے بلایا۔ لیکن بعض تو کراہت سے آئے بعض جھوٹ موٹ ٹال مٹول کرتے رہے اور بعض جھوٹے تھے۔

(نہج البلاغہ جلد ۲، صفحہ: ۶۲)

زہد وتقویٰ:

انسان کی غرض خلقت قرآن مجید نے عبادت بتائی ہے اور بہترین انسان وہ ہے جو عابد وزاہد ومتقی ہو جناب محمد بن ابی بکر باوجودیکہ جوان تھے۔ وقت شہادت صرف اٹھائیس برس کے تھے لیکن دیگر مخلص اصحاب امیر المومنینؑ کی طرح زہد و تقویٰ وعبادت میں شہرت رکھتے تھے شرح نہج البلاغہ جلد ۲، صفحہ: ۲۱ پر تحریر ہے

کہ محمد قریش کے عبادت گزار افراد میں شامل تھے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے مصر کی صوبیداری کے زمانے میں ایک ایسا خط لکھا تھا کہ جس کے متعلق تاریخ یہ کہتی ہے کہ عمرو بن عاص نے بعد شہادت محمد حضرت علیؑ کے کل خطوط معاویہ کے پاس بھیج دیئے تھے معاویہ اس نوشتہ کو دیکھ کر غرق حیرت ہو جاتا تھا۔ ولید بن عقبہ نے جب معاویہ کے حیرت و استعجاب کو دیکھا تو کہنے لگا اسے جلا دیجئے معاویہ نے کہا تیرا برا ہو میں اس طرح کے علم کو نذر آتش کر دوں خدا کی قسم میں نے اس سے زیادہ جامع و مضبوط کوئی علم دیکھا ہی نہیں ہے ولید نے کہا جب آپ علی بن ابی طالب کے علم اور فیصلوں سے اس طرح غرق حیرت ہیں تو پھر ان سے جنگ کیوں کرتے ہیں"۔

محمد بن ابی بکر اس خط کو برابر پڑھتے رہتے تھے اس کے ہدایات کے مطابق اپنے کو محاسن اخلاق سے آراستہ کیا کرتے ایک روایت میں ہے کہ خود محمد بن ابی بکر نے حضرت علیؑ سے درخواست کی تھی کہ مجھے محاسن حسنہ کا علم نہیں ہے آپ مجھے اسے تحریر فرما دیں تو حضرت نے ایک نوشتہ تحریر فرمایا جس کے متعلق حضرت علیؑ خود فرماتے ہیں کہ اس میں علم و ادب سنت موجود تھا۔

ظاہر ہے کہ جب محمد کے نفس کی یہ حالت تھی اور امیر المومنین ایسے زاہد و متقی و پرہیزگار کے زیر تعلیم و تربیت بھی رہ چکے تھے تو پھر زہد و ورع و تقوی و مکارم اخلاق میں ممتاز ہونا ہی چاہیئے۔

حضرت علیؑ محمد بن ابی بکر کی تعریف کیا کرتے تھے اور دوسروں پر فضیلت دیتے تھے اس لیے کہ وہ عبادت گزار تھے یاد خدا میں بڑی محنت کرتے تھے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۹، صفحہ: ۸۱)

محمد بن ابی بکر اور خلیفہ سوئم

محمد ابن ابی بکر خدا کے اطاعت شعار بندے تھے۔ ان کے فضل و شرف میں

ہم ذکر کر چکے ہیں کہ وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ معصیت باری کی جائے اور بقول مصنف الاستغاثہ صفحہ: ۱۷ ان افراد میں تھے جو حق کی نصرت کرتے تھے حق بات کا حکم دیتے تھے حق پر قائم تھے زمانہ ثالث اور ایام حکومت امیر المومنینؑ میں مخالفت امر حق سے لوگوں کو روکتے تھے۔ لیکن حضرت عثمان اور حضرت محمد بن ابی بکر دونوں بزرگوار صدر اول اسلام کی نمایاں شخصیتیں ہیں اس لیے کتب تاریخ میں جو کچھ ان حضرات کے متعلق ملتا ہے ہم اس کو درج کیے دیتے ہیں نتیجہ ناظرین کے صواب دید پر چھوڑتے ہیں۔

حضرت عثمان کا زمانہ حکومت وہ تھا جس میں اقرباء پروری بد دیانتی شریعت کی تباہی حقوق سے محرومی وظلم و جور کی کثرت کی کوئی حد نہیں رہ گئی تھی جس سے با دیانت اصحاب پیغمبر اسلام اور تابعین کی ایک جماعت چیخ اُٹھی اس کا آخری نتیجہ خلیفہ وقت کے قتل کی صورت میں ظاہر ہوا۔

طبری اور شارح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید اور تاریخِ کامل وغیرہ میں صاف صاف تحریر ہے کہ۔

۳۴ ہجری میں اصحاب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دوسرے کو تحریر کیا کہ مدینے آجاؤ اس لیے کہ اگر تم جہاد کرنا چاہتے ہو تو یہاں جہاد کی صورتیں موجود ہیں لوگوں نے کثرت سے اعتراضات شروع کیے اور عثمان کو بدترین عنوان سے برا بھلا کہنا شروع کیا۔ (طبری جلد ۵، صفحہ: ۹۶)

اسی کتاب میں صفحہ ۱۱۵ پر تحریر ہے کہ جب لوگوں نے عثمان کے اعمال کو دیکھا تو مدینے کے اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان اصحاب کو تحریر کیا جو سرحدوں کی حفاظت کے لیے اطراف جوانب میں جا چکے تھے کہ تم لوگ دینِ رسولؐ خدا کی ترقی اور جہاد کے لیے گئے ہو لیکن تمہارے بعد دین رسولؐ خدا برباد

ہو گیا ہے اور ترک کر دیا گیا ہے اس لیے مدینے میں آ کر دین کو درست کرو۔

حضرت عثمان پر سب سے زیادہ تنقید اُمّ المومنین عائشہ طلحہ، زبیر، عمرو بن عاص سعد بن وقاص، عبد الرحمان بن عوف کرتے تھے۔

ابنِ قُتیبہ نے توالامامتہ والسیاست جلد ا، صفحہ: ۳۰ پر یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اصحاب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے کچھ افراد جمع ہوئے اور ایک تحریر لکھی جس میں ان تمام باتوں کو تحریر کیا جن میں عثمان نے سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیرت ابوبکر وعمر کی مخالفت کی تھی اور تحریر کیا تھا کہ انھوں نے افریقہ کا خمس مروان کو ہبہ کر دیا جس میں خدا اور رسولؐ اور ذوالقربیٰ یتیموں اور مسکینوں کا حق تھا اور یہ کہ عثمان نے مدینے میں بڑی بڑی عمارتیں بنوائی ہیں جن میں سے سات گھروں کی تفصیل بھی تحریر کی تھی ان میں نائلہ (بیوی) کا گھر، بیٹی کا گھر اور ان کے علاوہ دیگر لڑکیوں اور ان کے اہل وعیال کے گھر شامل تھے۔ مروان کے کئی قصر جو اس نے مقام ذوخشب میں تیار کرائے تھے اس فہرست میں داخل تھے خدا اور رسولؐ کے مال خمس سے جو جو اموال انھوں نے فراہم کیے تھے۔ ان کو بھی لکھا تھا اور تحریر کیا تھا کہ اپنے اقربا اور چچا کی اولاد کے نوجوانوں اور لڑکوں کو بڑے بڑے عہدے اور حکومتیں سپرد کر دی ہیں حالانکہ نہ وہ صحابی رسول ہیں نہ ان کو امور کا تجربہ ہی حاصل ہے۔ ولید کا یہ واقعہ بھی تحریر کیا تھا کہ اس نے کوفہ کی امارت کے زمانے میں نشے کی حالت میں نماز صبح کی چار رکعتیں پڑھائی تھیں اور کہا تھا کہ اگر تم لوگ چاہو تو ایک رکعت اور پڑھا دوں ولید پر حد شرعی جاری کرنے میں تاخیر سے کام لیا تھا۔ مہاجرین وانصار کے سپرد کہیں کی ولایت وحکومت نہیں کرتے تھے نہ ان سے مشورہ لیتے تھے بس اپنی رائے پر عمل کرتے تھے۔ (یہ بھی تحریر کیا تھا کہ) مدینے کے اطراف میں کچھ چراگاہیں اپنے لیے

مخصوص کر لی تھیں ایسے لوگوں کو مدینے میں جاگیریں عطا کر دی تھیں جو نہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے نہ جہاد کرتے تھے نہ دشمنوں کو دفع کرتے تھے۔ یہ بھی کہا تھا کہ چھڑی اور دُرّے سے سزا دینے کو ترک کر کے کوڑے سے سزا دینا شروع کر دی تھی یہی پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے لوگوں کی پشت پر کوڑے مارے تھے حالانکہ اس سے قبل لوگوں کو دُرّے اور چھڑی سے سزا دی جاتی تھی۔

ان باتوں کے علاوہ زمانۂ حکومت عثمان میں خود حضرت عثمان کے ہاتھوں اصحاب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑی اذیتیں پہنچی ہیں۔ جناب ابوذر کو مارا پیٹا اور ربذہ بھیج دیا ابن مسعود کو اتنا مارا کہ ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں عمار یاسر کو اتنا مارا اتنا مارا کہ ان کو مرض فتق ہو گیا عبد الرحمان بن عوف کو منافق کہا اسی طرح کی بہت ہی باتیں ہیں جو اب تک کتب تاریخ میں مذکور ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان امور کو عمار یاسر، مالک اشتر، صعصعہ میں صوحان، عمرو بن حمق خزاعی، محمد بن ابی بکر خاموش تماشائی کی طرح نہیں دیکھ سکتے تھے خصوصاً محمد بن ابی بکر اس لیے کہ ان کے لیے تو یہ بھی ہوا قتل کا حکم عبد اللہ بن ابی سرح حاکم مصر کو لکھ کر بھیج دیا گیا تھا بس خیریت یہ ہوئی کہ قاصد راستے ہی میں پکڑ لیا گیا واقعہ یہ ہوا کہ مصر سے کچھ لوگ عبد اللہ ابن ابی سرح عامل مصر کی شکایت کے لیے پائے تخت آئے عثمان نے اسے تحدید آمیز خط لکھا اور شکایت دور کرنے کی ہدایت کی ابن سرح نے اس کا الٹا اثر لیا اور ان لوگوں کو مارا پیٹا اور ایک شخص کو قتل بھی کر دیا اس واقعہ کے بعد مصر کے سات سو افراد عبد اللہ بن ابی سرح کی شکایت کے لیے آئے اور مسجد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قیام کیا اس معاملہ میں طلحہ اور اُم المومنین عائشہ نے خاص توجہ کی۔ مصریوں کے سردار نے کہا کہ موجودہ عامل کی جگہ دوسرا عامل معین کر دیا جائے تا کہ وہ تمام امور کو عدل وانصاف سے

طے کر دے حضرت عثمان نے کہا اچھا تم کس کو پسند کرتے ہو ان لوگوں نے محمد بن ابی بکر کو پسند کیا چنانچہ ابن سرح کی معزولی کا خط ان کے حوالہ کیا محمد اور ان کے ساتھی ابھی تین منزلیں طے کر پائے تھے کہ ایک ناقہ سوار نظر آیا اس سے سوالات کئے گئے لوگ اس کے جوابات سے مشکوک ہوئے تلاشی لی تو عبداللہ بن ابی سرح کے نام عثمان کا خط ملا کہ جب یہ لوگ مصر پہنچیں تو ان کو قتل کر دینا۔ قاصد عثمان کا غلام تھا خط پر مہر عثمان کی تھی اونٹ عثمان کا تھا بس اس واقعہ کے بعد یہ قافلہ واپس آیا اور اس نے ان واقعات کو مہاجرین وانصار کے سامنے پیش کیا حضرت عثمان نے خط کے علاوہ سب چیزوں کا اعتراف کیا مطالبہ کیا گیا کہ یہ تحریر مروان کی ہے اسے ہمارے سپرد کر دیا جائے انھوں نے اس سے بھی انکار کر دیا پھر کیا تھا کوفی بصری مصری جو عرصہ سے مدینہ کے باہر خیمہ زن تھے سب نے مل کر عثمان کا محاصرہ کیا اور چالیس دن کے محاصرے کے بعد ان کو قتل کر دیا۔

(دیکھو الامامت والسیاست جلد ا، صفحہ ۴۳ طبری جلد ۵، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید)

عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ نے صفحہ ۴۳ جلد ا پر تو یہ بھی لکھا ہے کہ

محمد بن ابی بکر نے اس خط پر اپنی اور اپنے ساتھیوں کی مہر لگائی اور اُسے لے کر مدینے واپس آئے اور حضرت علیؑ طلحہ، زبیر، سعد اور دیگر اصحاب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جمع کیا سب کی موجودگی میں اس خط کو کھولا اور غلام کا پورا واقعہ بیان کیا وہ خط سب سے پڑھوایا جس سے مدینے کا ہر شخص عثمان پر غضبناک ہو گیا اور اصحاب نبی وہاں سے اٹھ کر چلے گئے اور خانہ نشین ہو گئے۔

شجاعت محمد بن ابی بکر

محمد عابد و زاہد ہونے کے ساتھ ساتھ شجاع و بہادر بھی تھے حضرت علیؑ کے ہمراہ رکاب جنگ جمل و صفین میں بڑے بڑے کارنمایاں انجام دیئے تھے محمد بن ابی بکر

کی شجاعت ہی کے سبب سے صفّین میں پیادوں کی سرداری کی خدمت انھیں کے سپرد تھی۔

محمد کی شجاعت کا اعتراف ان کے مخالفین کو بھی تھا چنانچہ عمرو بن عاص اور محمد بن ابی بکر میں جب مصر کے مقام مناۃ پر شدید جنگ ہوئی تو عمرو کہا کرتا تھا کہ میں نے جنگ مناۃ کی طرح کوئی جنگ ہی نہیں دیکھی ہے۔

(تاریخ ابن واضح جلد ۲، صفحہ:۲۲۶)

زمانۂ خلافت حضرت علیؑ میں محمد بن ابی بکر کی خدمات

جب ذی الحجہ ۳۵ھ میں امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ سریر آرائے سلطنت ہوئے تو محمد بن ابی بکر حضرت کے ہمراہِ رکاب رہے جو خدمتیں ان کے سپرد کی گئیں ان کو نہایت خلوص دتن وہی سے انجام دیتے رہے۔

حضرت کو تخت خلافت پر بیٹھتے ہی بصرے میں جنگ جمل کی مہم محمد کی بہن اُمّ المومنین سے پیش آئی لیکن محمد بن ابی بکر نے اس کی پروانہیں کی مقابلے میں کون ہے تلوار سونت کر حضرت علیؑ کے علم کے نیچے میدانِ جنگ میں آگئے۔

اس جنگ کے سلسلہ میں محمد بن ابی بکر کی سب سے پہلی خدمت یہ تھی کہ امیر المومنینؑ نے انھیں محمد بن جعفر طیّار کے ساتھ مقام ربذہ سے کوفے روانہ کیا تا کہ اہلِ کوفہ کو حضرت کی امداد پر آمادہ کریں لیکن ابوموسیٰ اشعری کی شدید مخالفت کے سبب سے اس میں کامیابی نہیں ہوئی اور حضرت نے عبداللہ بن عباس اور دیگر افراد کو کوفے روانہ کیا بالاخر مالکِ اشتر گئے اور کوفے سے بارہ ہزار کا لشکر لے کر اُمّ المومنین کے مقابلے میں آکر پرے جمادیئے۔ جب جنگِ جمل شروع ہوئی تو مورخین صاف صاف لکھتے ہیں محمد بن ابی بکر اس جنگ کے نبرد آزما سپاہی تھے جنگ جمل میں جب ام المومنین کے اونٹ کے پیر کاٹ دیئے گئے اور وہ مع

ہودج کے زمین پر گرا تو ان کی حفاظت و پردہ داری کے لیے امیر المومنینؑ نے ان کے پدری بھائی محمد بن ابی بکر ہی کو معین کیا تھا۔ محمد نے بحفاظت تمام ان کو میدان جنگ سے شہر میں پہنچایا آپ نے ان کی خبر گیری دیکھ بھال اور مدینے پہنچانے کے تمام انتظامات انھیں کے سپرد کیے تھے۔

جنگِ صفّین میں حضرت علیؑ کے پیادہ فوج کی سرداری انھیں کے سپرد تھی۔

جب صفّین کا معرکہ ختم ہوا تو حضرت نے قیس بن عبادہ کی جگہ ان کو والی مصر معین کیا۔ جہاں مقام مناۃ میں ان کی شہادت واقع ہوئی۔

محمد بن ابی بکر کی شہادت:

جنگِ صفّین کے بعد جب اہلِ شام شام واپس آئے تو حکمین کے نتیجہ کے منتظر رہے جب عمرو عاص اور ابو موسیٰ اشعری متفرق ہو گئے تو اہلِ شام نے معاویہ کے امارت کی بیعت کی اب معاویہ کو اور تقویت حاصل ہو گئی تھی ادھر اہل عراق میں اختلاف پیدا ہو چکا تھا اس واقعے کے بعد معاویہ یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح مصر پر قبضہ ہو جائے اس لیے کہ مصر شام سے قریب تھا اور مصری عثمانیوں کے جانی دشمن تھے۔ اس لیے وہ اہل مصر سے خوف زدہ رہتا تھا۔ (طبری جلد ۲ صفحہ: ۵۶)

چنانچہ اس غرض سے اسی نے مخلد بن مسلمہ انصاری اور معاویہ بن خدیج کندی سے خط و کتابت شروع کی یہ دونوں حضرت علیؑ کے مخالف تھے معاویہ نے ان دونوں سے شیعیان علی ابن ابی طالب سے جنگ اور طلب خون عثمان کی خواہش کی اور ادھر ان لوگوں نے محمد بن ابی بکر سے جنگ بھی چھیڑ رکھی تھی معاویہ بن خدیج نے جواب کی تحریر مخلد کے سپرد کی اس نے جواب میں جلد از جلد امداد بھیجنے کی درخواست کی معاویہ اس زمانے میں فلسطین میں مقیم تھا بعد مشورہ عمرو بن عاص کی سرکردگی میں چھ ہزار کا لشکر روانہ کیا جب عمرو زمین مصر پر پہنچا تو اس کے

گرد سارے کے سارے عثمانی جمع ہو گئے عمرو نے اپنا اور معاویہ بن ابی اسفیان کے خطوط محمد بن ابی بکر کے پاس بھیجے محمد نے ان دونوں خطوط کو امیر المومنینؑ کی خدمت میں روانہ کر دیا اور تحریر کیا کہ عمرو عاص ایک لشکر کثیر لے کر یہاں آ گیا ہے میرے ساتھیوں میں کچھ کمزوری بھی ہے اس لیے مصر کے بچاؤ کے لیے آپ میری فوجی اور مالی امداد کیجئے۔ حضرت نے محمد بن ابی بکر کو فوراً جواب میں تحریر فرمایا کہ تمہارے مخالفین کا تم سے جدا ہونا بہتر ہے تم ثابت قدمی اختیار کرو اپنے ساتھیوں کو یکجا کرو اگر تمہارے ساتھیوں میں کمزوری ہے تو اپنے شہر میں قلعہ بند ہو جاؤ اور ثابت قدمی سے مقابلہ کرو اور کنانہ بن بشر جو مخلص و شجاع و بہادر بھی ہے اسے اپنی امداد کے لیے طلب کرو میں بھی تمہاری نصرت کے لیے لوگوں کو بلاتا ہوں۔ حضرت نے اس خط میں معاویہ و عمرو عاص کو جواب کی ہدایت بھی فرمائی تھی محمد بن ابی بکر نے ان دونوں کو سخت جوابات تحریر کئے اور کنانہ ابن بشر کو امداد کے لیے طلب کیا اپنے ساتھیوں میں جرأت آمیز خطبہ پڑھا اور کنانہ کی سرکردگی میں دو ہزار کا لشکر مقابلے کے لیے بھیجا خود دو ہزار کا لشکر لے کر مقابلے میں آئے۔ لیکن میدانِ جنگ میں کنانہ کی شہادت واقع ہوگئی جس سے محمد بن ابی بکر کے ساتھیوں نے عمرو عاص کے ورغلانے سے ان کا ساتھ چھوڑ دیا محمد بن ابی بکر تنہا میدانِ جنگ میں رہ گئے۔ جب محمد بن ابی بکر نے یہ کیفیت دیکھی تو آپ نے راستے پر چلنا شروع کیا راستے کے کنارے ایک خرابہ تھا وہاں پناہ لی عمرو مقام قسطاط میں داخل ہوا اور معاویہ بن خدیج محمد بن ابی بکر کی تلاش میں روانہ ہوا راستے میں کچھ کافروں سے ملاقات ہوئی ان سے دریافت کیا تم نے کسی غیر معروف آدمی کو تو نہیں دیکھا ایک نے کہا میں اس خرابے میں گیا تھا وہاں ایک شخص چھپا ہوا ہے معاویہ نے کہا یقیناً وہی محمد بن ابی بکر ہیں غرض اس نے محمد بن ابی بکر کو

نکالا وہ شدت تشنگی سے قریب بہ ہلاکت تھے ان کو لے کر فسطاط مصر آیا محمد بن ابی بکر کے بھائی عبدالرحمن معاویہ کے لشکر میں تھے بھائی کی سفارش کی اور کہا کہ ان کو زندہ معاویہ کے پاس بھیج دیا جائے لیکن معاویہ بن خدیج نے ایک نہ سنی اور اسی طرح پیاسا شہید کر کے گدھے کی کھال میں بھر کر جلا دیا۔

(طبری جلد ۲، صفحہ: ۵۷ سے ۶۰ بطور خلاصہ تحریر کیا گیا)

اس موقع پر محمد بن ابی بکر نے معاویہ بن خدیج سے عجب انداز سے گفتگو کی ہے جو ان کے ایمانی جذبات شجاعت و دلیری اور محبت حضرت علیؑ سے لبریز ہے۔

یہ حادثہ شعبان ۳۸ھ میں پیش آیا۔

شہادت محمد بن ابی بکر پر حضرت امیر کا رنج وغم

حضرت امیر المومنین علیؑ محمد بن ابی بکر کو بہت دوست رکھتے تھے محمد بن ابی بکر حضرت علیؑ کے پروردہ بھی تھے اسی سبب سے ان کو اپنا فرزند کہتے تھے تاریخ ابن واضح جلد ۲ صفحہ: پر ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے محمد بن ابی بکر کا ذکر کیا اور بڑی دردمندی سے ان پر رو پڑے اور فرمایا محمد بن ابی بکر میرے بیٹے تھے اور میرے بیٹوں اور بھتیجوں کے بھائی تھے۔

حضرت علیؑ نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ: ۶۲ پر عبداللہ بن عباس کو شہادت محمد بن ابی بکر کی خبر ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

مصر فتح کر لیا گیا محمد بن ابی بکر شہید کر دیئے گئے ہم اس کا اجر خدا سے طلب کریں گے محمد بن ابی بکر کوشش کرنے والے فرزند تھے کاٹنے والی تلوار تھے دشمن کو دور کرنے والے ستون تھے۔

عبداللہ بن عباس محمد بن ابی بکر کی تعزیت کے لیے خود بصرے سے کوفے آئے حضرت کے جاسوسوں میں سے ایک جاسوس شام سے حاضر ہوا اور عرض کیا

کہ جب محمد بن ابی بکر کی شہادت کی خبر معاویہ کو معلوم ہوئی کہ میں نے کسی وقت اہلِ شام کو اس طرح خوش نہیں دیکھا۔ حضرت نے فرمایا کہ شامی جس قدر محمد کی شہادت پر خوش ہوئے ہیں ہم کو اتنا ہی ان کی شہادت کا رنج ہے بلکہ ہمارا رنج ان کی مسرت سے کئی گنا زیادہ ہے۔ (ہدیۃ الاحباب صفحہ: ۳۰۷)

شہادت محمد بن ابی بکر پر اُمّ المومنین کا رنج وغم

جناب محمد بن ابی بکر حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے پروردہ مخلص محب اور دل سے آپ کے مطیع وفرمانبردار تھے۔ اُمّ المومنین جو آپ کی پدری بہن تھیں ان کے مقابلہ میں جنگ جمل میں حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ شریک رہے اور کارہائے نمایاں انجام دیئے لیکن محمد بن ابی بکر کا زہد وورع اور تقویٰ ایسا تھا کہ ان سب باتوں کے باوجود جب ان کے بہ ظلم وستم شہید کیے جانے اور گدھے کی کھال میں بھر کر جلا دیے جانے کی اطلاع ان کو ہوئی تو بڑا رنج وغم کیا۔

بلکہ بعض تاریخوں میں تو ہے کہ اس دن سے یہ عہد کرلیا کہ بھنا ہوا گوشت نہ کھاؤں گی۔ (اصحاب امیر المومنین حصہ سوم صفحہ: ۵۲۳۸)

جناب محمد ابن ابی بکر

شاعرۂ ملّت۔ بانو سید پوری

بیاں کیا شانِ عظمت ہو تری اے صاحبِ ایماں — محمد نام تھا آلِ محمدؐ پر تھا تو قرباں

تھا کتنا پاک و پاکیزہ ترے اسلام کا عنواں — نبی کی عترتِ معصوم اور اللہ کا قرآں

وہ تیری مادرِ ذی مرتبت اسماء خوش طینت — جلیسِ فاطمہ زہراؑ معینِ امرِ حق ذیشان

زنِ فرعون کی خُو بُو تھی جن کی پاک سیرت میں — کہ وہ ماحول میں بدعت کے بھی حق پر رہی قرباں

علیؑ سا مل گیا تجھ کو مربّی یہ تری قسمت — یتیمی تیری، تجھ کو بن گئی اللہ کا احساں

مربّی مرتضیٰؑ سا، شبّر و شبیّر سے ساتھی — ترے ماحول کی معصومیت، تطہیر کا ساماں

خلوصِ فکر اخلاص عمل تیرا نکھر آیا — اُبھر آئی ترے قلب و نظر کی قوتِ پنہاں

حقیقت میں تو اک شہکار تھا کردار سازی کا — تیری سیرت میں جلوہ سیرتِ معصوم کا پنہاں

مسلمانوں کی ہوتی تربیت گر دستِ حیدرؑ سے — کُھلا تجھ سے کہ ہوتے کیا جہاں میں صاحبِ ایماں

محلِّ اعتمادِ اہلِ حق بھی، اہلِ باطل بھی — ترے کردار کی سُرخی، تری گفتار کا عنواں

ترا ظاہر ترے باطن کا آئینہ تھا سرتاسر — طہارت فکر کی تیری، عمل میں تھی ترے رخشاں

تھے قائل دوست دشمن جس کے، تیرا جوہرِ ذاتی — صداقت پر تری، اپنے پرائے متفق ہر آں

چُنا تھا دَورِ ثالث نے بھی تجھ کو مصر کا حاکم — نمایاں مضطرب ماحول میں بھی تھا ترا عرفاں

زباں پر کُلِّ ایماں کے تری مدحت سرائی تھی — ترا ایماں تھا کامل کس قدر اے کاملِ ایماں

لسان اللہ نے فرزندِ صالح تجھ کو فرمایا — تصور تیری رفعت تیری عظمت کا نہیں آساں

قرابت کی وہ بیجا پچ جسے مذموم کہتے ہیں
ترے دامن پہ وہ دھبہ نہیں اے صاحبِ عرفاں
بھلا حق کی حفاظت میں قرابت کے تقاضے کیا
جمل میں دید کے قابل عمل کا تھا ترے عنواں
لکھا تھا جو امیرِ شام کو صفین میں تو نے
ترا خط شاہکارِ حق وہ تھا اے صاحبِ عرفاں
تری تحریر کی ندرت، تری تقریر کی عظمت
تری شمشیر کی قوت، ترے اخلاص کا عنواں
امارت مصر کی سونپی تجھے مولا علیؑ نے بھی
تجھے حاصل تھا کیسا اعتمادِ حجتِ دوراں
نبی کے بعد سے حق ہو گیا تھا مشتبہ یکسر
حقیقت تو یہ ہے عرفانِ امرِ حق نہ تھا آساں
صداقت کیا تھی کس جانب تھی تو نے صاف دکھلا دی
مسلمانوں پہ گرمانیں تو ہے تیرا بڑا احساں
ترے بابت خبر خود مخبرِ صادق نے دے دی تھی
تو باطل سے گریزاں اور دینِ حق پہ ہے قرباں
وجہ اللہ تیرا عشق تھا نفسِ پیمبرؐ سے
کہ حاصل تھا اولی الامرِ حقیقی کا تجھے عرفاں
قیامت سی قیامت تھی خبر تیری شہادت کی
قوی دل تھا علیؑ سا، نوحہ برلب، مضطرب گریاں
وہ ترکے میں جو ہندہ سے ملی تھی کفر سازوں کو
اُسی بے حرمتی کا لاش پر تیری ہوا ساماں
تنِ مُردہ پہ تیرے، وہ مظالم اہلِ بدعت کے
شریعت چیخ اٹھی روحِ صداقت ہو گئی لرزاں
وہ ارضِ مصر پہ روضہ ترا دُنیا سے کہتا ہے
جفا و ظلم کے طوفاں میں بھی مُسلم نہ ہوں لرزاں

شہادت امرِ حق پر استقامت کی دلالت ہے
شہادت موت سے ٹکرا کے بھی جینے کا ہے عنواں

سلمان فارسی

علمائے انساب نے حضرت سلمان فارسی کا نسب حسب ذیل تحریر کیا ہے:

مابہ بن بوذخشان بن مورسلان بن بہبوذان بن فیروز بن سہرک

(اسد الغابہ جلد دوم، صفحہ ۳۲۸)

مجوسی روایت کے مطابق حضرت سلمان کے والد کا نام شخسان بتایا جاتا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی کی ''تہذیب التہذیب'' میں مورسلان کی جگہ مورسلا تحریر ہے اور ان کی کتاب ''اصابہ'' میں بہبوذان کی بجائے ایک مقام پر حافظ ابنِ مندہ کے حوالے سے بوداور دوسرے ایک قول کے مطابق بہبود ملتا ہے، تاہم اس سلسلے میں کتابت کی غلطی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تاریخ طبری میں دادا کا نام دہ دیرہ دیا گیا ہے۔

آپ جب چھوٹے تھے اسی زمانے سے طلب دین کی فکر تھی اور علمائے یہود و نصاریٰ وغیرہ کے پاس جاتے رہتے تھے اور جو اس سلسلے میں مصائب ان پر ہوتے تھے ان پر صبر کیا کرتے تھے یہاں تک کہ دس آدمیوں نے یکے بعد دیگرے ان کو اپنا غلام بنا کر فروخت کر دیا اور بالآخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ حضرت رسولِؐ خدا نے ان کو ایک یہودی سے خرید کرلیا۔ آپ کی محبت اور اخلاص کا یہ اثر ہوا کہ حضرت رسولِؐ خدا نے ''السلمان منا اھل البیت'' ارشاد فرمایا۔

شیخ محی الدین محمد العربی نے اس حدیث کو مسلمان کی عصمت وطہارت کی دلیل قرار دیا ہے اور اپنی کتاب فتوحات کے ایک مقام پر تحریر کیا ہے کہ جب حضرت رسولؐ خدا عبدِ مخلص یعنی خالص تھے تو خداوندِ عالم نے ان کو اور ان کے اہلِ بیتؑ کو طاہر کیا اور ان نجاستوں کو دور کیا اور ہر چیز کو جو انھیں پُرعیب بناتی اس سے ان کو جدا فرمایا اور رِجس سے دور کیا۔ رِجس کے معنی قدرت کے ہیں جیسا فترا نے حکایت کی ہے جیسا کہ قرآن میں ہے، پس جس شخص کی نسبت ان کی طرف ہوگی وہ مطہر ہوگا اس لیے کہ اُسی کی نسبت وہ لے جائے گی جو اُن سے مشابہ ہوا اور جو چیز اُن سے مشابہ ہوگی وہ طاہر اور مقدس ہوگی پس یہ پیغمبرِ خدا کی شہادت ہے سلمانِ فارسی کی طہارت اور حفظِ الٰہی اور عصمت کے بارے میں۔ پس اب خود اہلِ بیت کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جب ان سے مشابہ معصوم اور مطہر قرار پائے تو شبہ کا کیا ذکر ہے سوائے اس کے اور کیا کہا جائے کہ وہ عین طہارت ہے۔ باوجود اس پاکی کے پیش رواں بادشاہت نے خلافت کے معاملے میں جس قدر اذیتیں پہنچائیں اور مارا کہ ان کی گردن کج ہوگئی اور مرتے دم تک وہ گردن اسی حال میں رہی۔ سید التالین حیدر بن علی الآملی نے کتاب کشکول میں تحریر فرمایا ہے اور یہ روایت مشائخِ حدیث میں عبداللہ بن عفیف سے اور پھر ان کے پدرِ بزرگوار سے مروی ہے کہ سلمان قبلِ ظہورِ جنابِ رسولؐ خدا مکے میں آئے تھے اور دینِ حق کی فکر میں رہتے تھے جب جنابِ رسالت مآب مبعوث بہ رسالت ہوئے تو یہ حاضر خدمت ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور جب رسولؐ خدا نے سلمان کی قابلیت علماً وعملاً ملاحظہ فرمائی تو آپ سے مشورہ فرمایا کہ ابتداً اہلِ مکہ میں سے کسی کو دعوتِ اسلام دینی چاہیے مقصد حضرت کا یہ تھا کہ سلمان کا خیال معلوم ہوجائے۔ سلمان نے عرض کی ابتداً ابو فصیل عبدالفریٰ پسر ابوقحافہ کو دعوتِ

اسلام دینی چاہئے اس لیے کہ وہ تعبیرِ خواب بیان کرنے میں عرب میں مشہور ہیں اور عرب تعبیرِ خواب کو ایک قسم کا علمِ غیب سمجھتے ہیں اور علاوہ بریں علم تاریخ اور انساب عرب سے بھی قدرے واقف ہیں نیز بچوں کی تعلیم بھی کرتے ہیں۔ عرب لوگ اپنے معاملات میں اکثر ان سے رجوع کرتے ہیں ان کے دلوں میں ان کا کافی اثر ہے اگر یہ شخص مسلمان ہو جائے تو آپ کی نبوت کا شہرہ عربوں میں پھیل جائے گا اور وہ بھی اسلام کی طرف رجوع ہو جائیں گے اور یہ شخص بھی بعد اسلام لانے کے چونکہ ان کا مزاج واں ہے ان کو دین اسلام کی طرف مائل کر سکے گا اور معلمی اطفال کی وجہ سے محبتِ ریاست و جاہ اس کے دل میں پیدا ہو گئی ہے جو معلمی کا خاصہ ہے۔ آپ کی نبوت کا حال بھی کتب سابقہ سے اس کو معلوم ہو چکا ہے لہٰذا اب وہ طمع اور محبت دنیا کی وجہ سے دینِ اسلام قبول کر لے گا اور عرب ایسے شخص کی اطاعت کو دلیل حقیقتِ اسلام سمجھنے لگیں گے۔ اگر آپ نے بجائے اس کے ابتداً کسی دوسرے کو دعوت دی تو اس کو حسد اور عناد پیدا ہو گا کہ دوسرا مجھ پر سبقت لیے جاتا ہے لہٰذا وہ آپ کی بدگوئی اور مخالفت کرے گا۔ جناب رسالت مآب نے جنابِ علی مرتضیٰؑ اور جنابِ ابی طالب علیہ السلام سے بھی مشورہ فرمایا اُن دونوں حضرات نے سلمان کی رائے پسند کی اس کے بعد حضرتؐ نے ابوبکر سے ملاقات کی اور دینِ اسلام کے لیے متوجہ کیا چنانچہ وہ اسلام لے آئے۔ حضرت رسولؐ خدا نے اس کی کنیت جو ابوالفضل پہلے تھی بدل کر ابوبکر کر دی اور نام جو عبد العزیٰ تھا عبداللہ کر دیا اور آپ ہمیشہ اپنے اصحاب کے مجمعے میں فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکر نے تم پر روزہ و نماز کے سبب سے سبقت نہیں کی اس کی سبقت بسبب ایک شے کے تھی جس کا وقار اس کے دل میں بیٹھا ہوا تھا مراد حضرت کی محبتِ ریاست تھی۔

ابنِ قتیبہ نے جو مشاہیر علمائے مخالفین سے ہیں لکھا ہے کہ اٹھارہ آدمی صحابہ میں رافضی تھے جن میں سلمان کا بھی شمار ہے۔ شیخ اجل ابوجعفر طوسی علیہ الرحمہ نے امالی میں منصور بن رواح سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ اے مولا! میں آپ سے سلمان فارسی کا بہت ذکر سنتا ہوں آپ نے فرمایا سلمان فارسی مت کہہ بلکہ سلمان محمدی کہہ اور وجہ اس تذکرہ کرنے کی ان کی تین فضیلتیں ہیں جن سے وہ مزین و آراستہ تھے۔ اولاً یہ کہ وہ اپنی خواہش پر امیر المومنین علیہ السلام کی خواہش کو مقدم کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ فقراء کو دوست رکھتے تھے اور ان کو دولت مندوں پر ترجیح دیتے تھے تیسرے یہ کہ علماء سے محبت رکھتے تھے۔ بہ تحقیق کہ سلمان ایک عبد صالح مسلمان تھے اور مشرکین سے نہ تھے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک دفعہ صحابہ کے مجمع میں اپنے اپنے نسب کا ذکر کر رہے تھے اور فخر کر رہے تھے، سلمان بھی موجود تھے، عمر نے سلمان سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے سلمان تمہارا حسب و نسب کیا ہے؟ سلمان نے جواب دیا کہ میں مسلمان۔ بندۂ خدا کا بیٹا ہوں، میں گمراہ تھا خدا نے مجھ کو محمدؐ کے سبب سے ہدایت فرمائی، میں محتاج تھا خدا نے محمدؐ کی وجہ سے مجھے غنی کر دیا، میں غلام تھا خدا نے محمدؐ کی وجہ سے مجھے آزادی دی۔ پس یہ میرا حسب و نسب ہے۔

کتاب کامل بہائی میں ہے کہ سلمان نے بسبب متابعتِ آل رسول ابوبکر سے بیعت نہیں کی تو ایک روز عمر نے اُن سے کہا کہ اگر بنی ہاشم نے بیعت سے انکار کیا تو اپنی عزت پر افتخار قرابت کے باعث انکار کیا، وہ اپنے کو رسول کے بعد افضلِ خلق سمجھتے ہیں۔ یہ تم کو کیا ہوا کہ تم بیعت سے انکار کرتے ہو۔ سلمانؓ نے جواب دیا کہ میں دنیا اور آخرت میں ان کا شیعہ ہوں وہ جس سے مخالفت کریں

اس سے میں بھی مخالفت کروں گا اور جس سے وہ بیعت کریں اس سے میں بھی بیعت کرنے پر تیار ہوں۔

کشف الغمہ میں سلمان سے روایت ہے کہ ہم نے رسولؐ اللہ کی بیعت مسلمانوں کی خیر خواہی اور علی ابنِ ابی طالب کو اپنا امام قرار دینے پر کی تھی۔ سیّد عارف میر مخدوم نے سلمان کے متعلق بعض اپنے رسائل میں تحریر فرمایا ہے کہ انھوں نے ظاہر و باطن کسی موقعے پر علی کی مخالفت نہیں کی اور علیؑ نے جو چاہا وہ اس کے ہم خیال رہے۔

شیخ شہید علیہ الرحمہ نے حاشیہ قواعد میں کتاب صفوۃ الصفوۃ سے نقل کیا ہے کہ سلمان نے بنی کندہ کی ایک عورت کے ساتھ شادی کر لی تھی جس سے دو بیٹے پیدا ہوئے تھے اور بکثرت اولاد ہوئی جو فضل و عقل سے آراستہ ہوئی جیسا کہ رجال سے پتہ چلتا ہے۔ حضرت سلمان کے حالات تفصیلی عہد نامہ امیر المومنین میں ملتے ہیں جو سلمان کے بھائی اور اولاد نے بحکم پیغمبرؐ لکھا تھا۔ کتاب دُرج الدرّی اور تاریخِ گزیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمان کی عمر ڈھائی سو برس کی ہوئی اور بعض روایت سے تین سو پچاس سال کی عمر پائی۔ ۳۶ ہجری میں بمقام مدائن انتقال فرمایا اور امیر المومنینؑ کو جب علم ہوا تو رات ہی رات مدائن تشریف لے گئے اور سلمان کو غسل دے کر اسی شب مدینہ واپس ہوئے۔ اس میں کوئی شک نہیں اور کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ سلمان کو حضرت علی علیہ السلام سے نہایت محبت تھی اور اہلِ بیتؑ کا بہت پاس و لحاظ تھا اسی سے مخالفینِ علیؑ نے ان پر ہمیشہ سختیاں کیں۔

حضرت سلمانِ محمدیؓ

شاعر مودّت رزمؔ ردولوی

''روز بہ'' کا واقعہ ہے دیدنی حق کی قسم　　حریت پروردہ مرسل نے اُٹھایا ہے قدم
نقش جس کا اپنے دل میں ہیں لئے اہلِ ہمم　　فیض کا جس کے اثر پہنچا عرب سے تا عجم

راہِ آزادی سے خار وخس کنارا کر گئے
زیست کے وادی گلوں سے نکہتوں سے بھر گئے

''روز بہ'' کا غنچۂ خاطر جو کھلنے والا تھا　　گود میں اس کو بہارِ فکرِ حق نے پالا تھا
برگ و بار گلشن تحقیق دیکھا بھالا تھا　　سروِ آزادی کا نادیدہ جو یہ متوالا تھا

باغِ فارس سے ہوا آوارہ نکہت کی طرح
ہوگئی آوارگی اک حق کی قربت کی طرح

حق کا سودا مول لینے کے لئے خود بِک گیا　　پہنچا مکّے تک غلامی میں یہ ہو کر مبتلا
باغِ خرمہ کی جو خدمت میں لگا صبح و مسا　　پھل ریاضت کا ملا گذرے ادھر جب مصطفؐے

آنکھیں ملتے ہی دل و جاں میں اُجالا ہوگیا
چاہے خود ماہِ عرب جس کو وہ ہالا ہوگیا

چمکا طالع محسنِ احرار خود خواہاں ہوئے　　لیجئے وابستۂ مولائے آزاداں ہوئے
روز بہ ہو کر مسلماں حضرتِ سلماں ہوئے　　صاحبِ ایماں ہی کیا یہ کامل الایماں ہوئے

پاک طینت ہے اگر تو کیوں نہ رحمت ایسی ہو
فخرِ اہلبیتؑ اپنا لے شرافت ایسی ہو

کیا کہے کوئی جو فرمائیں امام الصادقیں   عِلم کے دریا ہیں یہ جس کا کوئی ساحل نہیں
یہ ہیں دانائے رموز اوّلین و آخریں   یہ ہوئے سرحلقۂ انصارِ ایمان و یقیں

فخر اصحاب مسیحِ انس و جاں ایسا تو ہو
مُردے بولیں قبر سے معجز بیاں ایسا تو ہو

مرتبہ ایسا کہ عالم کو نہیں جائے سخن   زندگی ایسی کہ ہو جائے شریکِ پنجتن
موت ایسی جس سے عصمت کا ہو پیدا حُسن ظن   خود نبیؐ کی طرح حیدرؑ ہی کریں دفن و کفن

پڑھنے میّت کی نماز آئے امام ایسا تو ہو
یہ امام ایسا ہی ہے کوئی غلام ایسا تو ہو

حضرت مقداد

آپ اسود کے فرزند تھے۔ مقداد مہاجرین میں بھی پیش پیش نظر آتے ہیں جنھوں نے خلافتِ ابوبکر کو تسلیم نہیں کیا تھا اور ان لوگوں میں آپ کا شمار ہے جن کے متعلق ہے کہ جنّت ان کی مشتاق ہے۔ تاریخِ شیخ ابوالحسن مقدسی میں ہے کہ وہ ایک مردِ بلند قامت و گندم گوں تھے اور ضباعہ بنتِ زبیر بن عبدالمطلب ان کی زوجہ تھیں اور وہ شیعیانِ علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام میں ہیں۔ قدیم الاسلام اور تمام غزوات میں جنابِ رسولؐ خدا کے ہمراہ جہاد فرمایا ہے۔ صحیح ترمذی میں ہے کہ جنابِ رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں ان سے محبت کروں اور یہ بھی خبر دی ہے کہ وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ علیؑ اور مقداد و سلمان اور ابوذر ہیں۔

جامعِ صغیر میں جلال الدین سیوطی شافعی نے لکھا ہے کہ رسولِؐ خدا نے فرمایا کہ بہ تحقیق کہ جنّت چار آدمیوں کی مشتاق ہے یعنی علیؑ، عمار و سلمان و مقداد شیخ ابوعمر کشی نے جو علمائے امامیہ میں سے ہیں اپنی کتاب اسماء والرجال میں امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ سب لوگ مرتد ہو گئے سوائے تین آدمیوں کے سلمان و ابوذر و مقداد۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی عمار؟ حضرت نے فرمایا کہ وہ بھی کچھ حق سے پلٹ گئے تھے لیکن پھر حق کی طرف رجوع ہوئے اور اگر تو اس شخص کو جاننا چاہتا ہے کہ جس نے ذرا شک نہیں کیا اور جس کے دل میں کوئی بات

خلاف آئی ہی نہیں تو وہ مقداد ہیں اور ابان بن تغلب سے منقول ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ "آیا صحابہ میں سے کسی نے ابوبکر کے جانشینِ رسول بننے پر اعتراض کیا"۔ آپ نے فرمایا ہاں! "بارہ آدمیوں نے انکار کیا تھا۔ مہاجرین میں سے :-

مقداد بن اسود، ابوذر غفاری، سلمانِ فارسی، بزیدہ اسلمی، خالد بن سعید، عمار یاسر۔

انصار میں :- ابوالہیثم تیہان، عثمان بن حنیف، سہیل بن حنیف، خزیمہ بن ثابت، اُبیؑ بن کعب، ابوایوب انصاری"۔

لوگوں نے حضرت امیر المومنین علی ابنِ ابی طالب سے پوچھا گیا کہ ابوبکر کو منبر سے اُتار لیں تو آپ نے فرمایا قسم خدا کی ایسا اگر کرو گے تو سب تلواریں میرے پاس کھینچ کر آجائیں گے اور طلبِ بیعت اور قتل کے درپے ہوں گے اور جب یہ صورت ہوگی تو بدرجہ مجبوری مجھ کو بھی دفاع لازم ہوگا درآنحالیکہ پیغمبرِ خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ میرے بعد "اُمت تم سے غدر کرے گی اور میرے عہد کو توڑ دے گی اور تم کو مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی، جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو چھوڑ کر گئو سالہ پرستی اختیار کر لی تھی اسی طرح سے یہ امت تمہیں چھوڑ کر دوسرے کو اختیار کر لے گی"۔

میں نے (یعنی علی مرتضیٰؑ) عرض کی "یا رسولؐ اللہ! میں ان لوگوں کے ساتھ کیا کروں"۔ ارشاد فرمایا کہ "اگر ناصر و مددگار تمہیں ملیں تو ان سے قتال کرو ورنہ اپنے خون کی حفاظت کرو۔ میرے پاس آؤ"۔

علیِ مرتضیٰ کے رسولِ اسلام کی طرح تمام انداز وہی ہیں جو رسول کو کرنا پڑے۔ اگر انھوں نے ابتدا میں صلح جوئی سے کام لیا تو علی کا بھی وہی انداز تھا۔ اگر انھوں نے آخر زمانے میں جنگ کی تو انھوں نے آخر زمانے میں جمل و صفین و

نہروان میں ناکثین وقاسطین اور مارقین سے قتال کیا۔ آنحضرتؐ نے آکر بوقتِ فتحِ مکہ اپنے مکان میں نزولِ اجلال نہیں فرمایا اور اس کو ترک کیا تو علیؑ نے بھی اپنے ایامِ خلافت ظاہری میں باغِ فدک پر قبضہ نہیں کیا۔ اگر وہ سال و ماہ مشرکین کے دلوں میں مثلِ تیر کھٹکتے تھے تو علی بھی اپنے مخالفین کی نظر میں تھے۔

مقداد بن الاسود نے ۳۳ ہجری میں انتقال فرمایا۔

مقداد:

آپ کی ولادت یمن میں ہوئی اور آپ کا اصل وطن یمن ہے۔ مقداد نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ مکہ اور مدینہ میں بسر کیا اور زندگی کے بیشتر واقعات میں مسلمانوں اور رہبرانِ اسلام کے ہمراہ تھے۔

مورخین مقداد کو سابقین اسلام میں شمار کرتے ہیں۔ بنابریں تیرھویں شخصیت بعد از سلمانؓ و قبل از عمارؓ بعنوان مسلمان واقعی اسلام قبول فرمایا وہ جنابِ مقدادؓ ہیں۔ بلکہ مقدادؓ نے سلمانؓ سے پہلے اسلام قبول کیا ہے۔ جن سات لوگوں نے اسلام قبول کرنے کو ظاہر کیا ان میں ایک مقدادؓ بھی ہیں۔

اسلام کے پرچم تلے آ گئے تھے اور وہ تمام سختیاں اور شکنجے جو پیغمبرؐ اسلام اور مسلمانوں پر وارد ہوتی تھیں اس میں آپ بھی شریک تھے۔ یہ لوگوں کو پہچاننے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے کہ سخت ترین ماحول میں اسلام قبول کیا اور تمام سختیوں کے باوجود دامنِ اسلام کو نہ چھوڑا بلکہ ہمیشہ اس سے متمسک رہے۔

مسلمان گروہ در گروہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ مقداد دوسرے گروہ کے ساتھ راہیٔ حبشہ ہوئے۔ چند مدت کے بعد آپ مکے لوٹ آئے اور پیغمبرِ اسلامؐ کے ہمراہ زندگی گزارتے رہے۔ یہاں تک کہ پیغمبرِؐ اسلام کی اور

اسلام اور مسلمانوں کی حمایت کرتے رہیں اور اس راہ میں ذرّہ برابر بھی بیوفائی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ اس وفادارِ اسلام نے ہمیشہ اپنی وفاداری کا ثبوت دیا۔

مقدادؓ نے دو مرتبہ ہجرت کی ہے، لہٰذا آپ کو **مهاجر الهجرتين** کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ پہلی مرتبہ حبشہ ہجرت کی جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ دوسری مرتبہ مدینے۔ لیکن مدینہ کب ہجرت کی تحقیقی طور پر روشن نہیں ہے، بعض نے کہا ہے کہ پیغمبرِ اسلام کے ساتھ ہجرت فرمائی۔

مقدادؓ کہتے ہیں کہ جب ہم مدینے وارد ہوئے تو رسولؐ اسلامؐ نے ہم لوگوں کو گروہ میں تقسیم کر دیا۔ میں ہمیشہ اس گروہ میں شامل تھا، جس میں پیغمبرِ اسلام بھی تھے۔ ہمارے پاس صرف ایک بھیڑ تھی جس کے دودھ سے اہم استفادہ کرتے تھے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ مقدادؓ جب مدینہ آئے تو کلثوم بن ہدم انصاری کے پاس پہنچے۔

مہاجرین کے درمیان بھائی چارگی برقرار ہو رہی تھی، رسول اللہؐ نے مقداد اور جبار بن صخر کے درمیان بھائی چارگی قائم فرمائی، یہ بات واضح ہے کہ عقد اخوت والا واقعہ پہلی ہجری میں نمودار ہوا ہے۔ مقداد ۳۳ ہجری میں مقامِ جرف (جو مدینہ سے ایک فرسخ کی دُوری پر ہے) میں اس دنیا سے گزر گئے، اس وقت آپ کا سنِ شریف تقریباً ستر سال تھا۔

بنا بریں آپ کا سال مولد ۱۶ عام الفیل یعنی چوبیس سال قبل از بعثت قرار پاتا ہے۔ اسی بنیاد پر یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ وقتِ بعثت آپ کا سن شریف تقریباً سینتیس سال تھا اور بہ وقت رحلت پیغمبرِ اسلام آپ تقریبا سینتالیس سال کے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مقداد عمر کے اعتبار سے مولائے کائنات حضرت علیؑ سے بڑے تھے، اس لئے کہ آپ کی تاریخِ پیدائش تیس عام الفیل ہے۔

اول جناب ابوذر ۳۱ یا ۳۲ ہجری میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے، دوم جنابِ مقداد ۳۳ ہجری میں اس دنیا سے گزر گئے۔ سوم جنابِ سلمان ۳۶ ہجری میں راہیٔ ملکِ جاوداں ہوئے، چہارم عمارؓ نے جنگِ صفین میں سینتیس ہجری میں وفات پائی۔ دختر مقدادؓ جنابِ کریمہ کہتی ہیں کہ مقدادؓ بلند قامت، گندمی رنگ مائل بہ سیاہی تھے۔ سر پر بہت بال تھا اور موٹے تازے تھے، داڑھی نہ زیادہ تھی نہ کم اس میں خضاب فرماتے تھے۔

مقدادؓ ایسی ہی شخصیتوں میں سے ایک شخصیت کا نام ہے، جنہوں نے اسلام کے تاریخی حوادثات میں خود کو اس طرح پیش کیا کہ آج بھی تاریخ ان کے جواں مردی کے قصیدے پڑھ رہی ہیں، جب اسلام قبول کیا تو اس وقت بھی سختیاں اور شکنجے برداشت کئے اور ایک وفادار مسلمان ہونے کا ثبوت پیش کیا۔ وہ ہجرتِ حبشہ ہو یا ہجرتِ مدینہ، مقدادؓ نے کسی جگہ بھی اسلام اور مسلمان کی مدد و نصرت میں ذرّہ برابر کوتاہی نہیں کی اور ہمیشہ پیغمبر اسلامؐ کے حوالے کے ساتھ ساتھ رہے۔

رسولؐ اسلامؐ کے زمانے میں جتنی بھی جنگیں ہوئیں حضرت مقدادؓ نے اس میں شرکت فرمائی اور ایک جاں باز سپاہی کی حیثیت سے آئینۂ اسلام کی حفاظت فرماتے ہوئے اس سے دفاع کیا۔

اسلام کی دو بڑی جنگوں بدر و اُحد صفحاتِ تاریخ پر جلوہ نماں ہیں اور مقدادؓ کی جواں مردی کا قصیدہ پڑھ رہی ہیں۔

اسلام میں جس نے سب سے پہلے سوار ہو کر جنگ کی ہے وہ مقدادؓ کی ذات ہے، جب عثمان مسندِ خلافت پر بیٹھے تو مقدادؓ نے عبدالرحمن بن عوف سے کہا خدا کی قسم اگر میرے یار و مددگار ہوتے تو جس طرح جنگ بدر و اُحد میں قریش سے

جنگ کی تھی آج بھی دشمنانِ علیؑ سے اس طرح جنگ کرتا۔ یہ بات اتنی آتشی اور دل کو جھنجھوڑنے والی تھی کہ عبدالرحمن بن عوف ڈر گئے اور اتنے ڈرے کہ مقدادؓ سے کہنے لگے کہ تمہاری ماں تمہارے غم میں بیٹھے۔ (عرب کا محاورہ ہے) ایسی باتیں نہ کرو اس لئے کہ اگر یہ باتیں لوگوں کو معلوم ہو گئیں تو ڈر ہے کہ فتنہ وفساد برپا ہو جائے گا۔ ایک شخص کہتا ہے کہ اس واقعے کے بعد میں مقدادؓ کے پاس گیا اور کہا کہ میں تمہاری مدد کے لئے تیار ہوں۔ مقدادؓ نے جواب دیا ایک دو آدمیوں سے کام بننے والا نہیں ہے۔ راوی کہتا ہے میں مقدادؓ کے پاس سے اُٹھا اور حضرت علیؑ کی خدمت میں آ کر سارا واقعہ ان کے گوش گزار کر دیا۔ حضرت نے مقدادؓ کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

جنگِ بدر میں مسلمانوں کی سپاہ میں فقط دو سوار تھے ایک زبیر دوسرے مقدادؓ، اس جنگ میں مقداد گھوڑے پر سوار تھے اس میں تو کوئی شک اور اختلاف نہیں ہے لیکن زبیر کے بارے میں بعض کہتے ہیں زبیر سوار نہ تھے بلکہ مرشد بن ابی مرشد سوار تھے۔

بعض روایتوں کی بنیاد پر جو حضرت علیؑ سے نقل ہیں وہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جنگ بدر میں ہم میں سے گھوڑے پر صرف مقداد سوار تھے اور اسلام میں گھوڑے پر سوار ہو کر راہِ خدا میں جنگ کرنے والے پہلے شخص مقدادؓ تھے جس گھوڑے پر جنابِ مقدادؓ سوار تھے اس کا نام سجیہ تھا۔

سجیہ شناوری اور تیراکی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس گھوڑے کو اس نام سے موسوم کرنے کی شاید یہ وجہ رہی ہو چونکہ جناب مقداد دشمنوں کے متلاطم سمندر میں بڑی مہارت سے شناوری و تیراکی کرتے ہوئے فوجوں کی موجوں کا قلعہ قمع کر رہے تھے اور گھوڑا بھی بڑی چابک دستی کے ساتھ دشمنوں کی فوج

کو تتر بتر کر رہا تھا۔ اس لئے اس کا نام بجیہ رکھا گیا۔ جنگ بدر سے پہلے رسولِ اسلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ ابوسفیان کے تجارتی قافلے کو روکنے کی غرض سے جو شام ہو کر مکے کی طرف جا رہا تھا، میدانِ بدر میں پہنچے۔ لیکن خبر ملی کہ ابوسفیان چور راستے سے استفادہ کرتے ہوئے، مکے پہنچ گیا اور پھر یہ بھی خبر ملی کہ ایک بہت بڑی فوج اسلحوں سے لیس ہو کر مکے سے مسلمانوں کو نیست نابود کرنے کے لئے چل چکی ہے، مقامِ بدر تک پہنچنے والی ہے۔

اس وقت اسلامی سپاہیوں کی تعداد فقط تین سو چودہ تھی، جبکہ دشمن فوج میں نو سو پچاس جنگجو تھے، سات سو اُونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے، یہ کیسا بحرانی اور خطرناک وقت تھا، اس کا اندازہ ہر انسان کر سکتا ہے۔ اس موقع پر رسولؐ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کرنے لگے، لوگوں نے مختلف جواب دیئے، یہاں تین افراد کی گفتگو پیش کی جا رہی ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ مقداد کس جانباز غازی کا نام ہے۔

ابوبکر نے کہا وہ فوج جو مکّہ سے آ رہی ہے وہ سب کے سب قریش ہیں اور ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، کبھی بھی ہمارے سامنے سر تسلیم خم نہیں کریں گے اور ہم بھی یہاں جنگ کے لئے نہیں آئے ہیں۔ نہ ہی اسلحہ ہے اور نہ ہی جنگجو افراد ہیں۔ (عقب نشینی کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے)

عمر نے بھی ابوبکر صاحب کی گفتگو کی تائید کرتے ہوئے اپنے مطالب پر زور دیتے ہوئے بیان کیا۔

پیغمبرؐ اسلام ان جوابات سے ناراض ہوئے اور آپ اتنے غضبناک ہوئے کہ چہرہ سرخ ہو گیا۔ جب پیغمبرِؐ اسلام کے جانباز سپاہی مقدادؓ مجمع سے اُٹھے اور بڑے جراتمندانہ انداز میں اس طرح عرض کی، اے رسولؐ اللہ یہ قریش جو اپنی

سپاہ پر مغرور ہو کر ہماری طرف آرہے ہیں۔ ہم آپ پر ایمان لاتے ہیں اور آپ کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کی گواہی بھی دیتے ہیں کہ آپ جو کچھ خدا کی طرف سے لائے ہیں سب حق ہے خدا کی قسم اگر آپ آگ میں کودنے یا کانٹوں پر پا برہنہ چلنے کا حکم دیں تو آپ کا حکم دل و جان سے قبول کریں گے۔ جو بات بنی اسرائیل نے حضرتِ موسیٰؑ سے کہی تھی کہ ''آپ اپنے خدا کے ساتھ جایئے اور جنگ کیجئے ہم یہیں بیٹھتے ہیں۔'' (یہ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۲۴ ہے جو بنی اسرائیل اور جنابِ موسیٰؑ کے سلسلے میں ہے۔) کبھی نہیں کہیں گے ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ اپنے پروردگار کی طرف سے جنگ کریں اور ہم بھی آپ کے ہم رکاب جنگ کریں گے۔

بخاری میں آیا ہے کہ جب مقدادؓ نے والہانہ انداز میں اپنی جانبازی کا یقین دلایا تو رسولِؐ اسلام بہت خوش ہوئے اور چہرے کی بدلی ہوئی رنگت پر بشاشت کی لہریں دوڑ گئیں۔ اس وقت رسولِؐ اسلام نے مقدادؓ کے حق میں دعا کی۔ خدا تم کو جزائے خیر عنایت کرے۔

جنگ اُحد اسلام کی تاریخ میں ایسی جنگ ہے جس نے اچھے اچھوں کی بہادری کا پول کھول دیا، لیکن جنگ میں مقدادؓ کی فداکاری جلی حرفوں سے تاریخ میں مرقوم ہے۔

جب سپاہِ اسلام سپاہِ کفر سے روبرو ہوئی اور رسولِ اسلامؐ نے اپنی صفوں کو منظم کر کے جنگ کا اعلان کر دیا تو اس لشکر میں مقدادؓ کو سو جوانوں کا سربراہ قرار دیا تا کہ دشمنوں سے بایاں پرا کاملاً محفوظ رہ سکے۔ بعض تاریخوں میں یہ بھی ملتا ہے کہ مقدادؓ اس بحرانی کیفیت میں بھی تیر اندازی کے فرائض انجام دے رہے تھے اور جب جنگِ اُحد میں وہ منحوس موقع آیا جس میں مسلمان مال کی لالچ میں

اپنا اپنا مقام چھوڑ کر مال کے لئے دوڑ پڑے۔ دشمن نے خوب خوب فائدہ اُٹھایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کا حملہ دیکھ کر مسلمانوں کے بڑے بڑے رہنماؤں نے فرار کو قرار پر ترجیح دیتے ہوئے رسالتؐ مآب کو یکہ و تنہا چھوڑ دیا اور بزِکوہی (پہاڑی بکرے کی طرح) کی طرح پہاڑ پر قلانچیں مارنے لگے۔ رسولؐ کے شفیق چچا حمزہؑ شہید ہو گئے۔ خود حضرت کا دندانِ مبارک شہید ہو گیا، لیکن مسلمانوں کو اس کی کیا فکر، اُنہوں نے کاہنوں کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے اسلام قبول کیا تھا۔ رسولؐ کی محبت کہاں سے آتی۔

لیکن اس پُرحول ماحول میں بھی مقداد اپنے ساتھیوں کے ساتھ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جمے رہے۔ مرحوم شیخ طوسیؒ کے قول کے مطابق بزرگانِ تاریخ نقل کرتے ہیں کہ کوئی پیغمبرِ اسلامؐ کے ساتھ بجز علیؑ، طلحہ زبیر اور ابودجانہؓ موجود نہ تھا۔ پھر ابن عباس نقل کرتے ہیں کہ پانچویں شخص جو اس بحرانی کیفیت میں رسولؐ کے ساتھ تھے وہ عبداللہ ابن مسعود تھے اور چھٹے جس نے استقامت کا ثبوت دیا اور راہِ فرار اختیار نہ کی وہ مقدادؓ تھے۔ کریمہ مقدادؓ فرماتی ہیں کہ رسولؐ اسلامؐ نے خیبر کے بعد ہمارے بابا کو پندرہ اُونٹ جن پر جو بار تھا عنایت فرمایا جسے ہم نے ایک ہزار درہم میں معاویہ کے ہاتھوں بیچ دیا۔ اس کے علاوہ دوسرے غزوات و سریات میں مقداد کی ذات تاریخ میں مدافع حریمِ اسلام کے عنوان سے زرّیں حروف میں جلوہ فگن ہیں۔ ہاں مقدادؓ نے اپنی تمام زندگی کامل خلوص کے ساتھ اسلام کی فداکاری میں بسر کی اور اس راہ میں اپنی جان کی قربانی سے کبھی دریغ نہیں فرمایا۔ مقدادؓ ایسے عاشق دلدادۂ آلِ محمدؐ کا نام ہے جس نے عشقِ آلِ محمدؐ میں اپنی ساری زندگی وقف کر دی، ہاں حضرت علیؑ کی شاگردی میں اس عاشقِ دلدادہ نے اپنی زندگی اُنہیں کے نقشِ قدم پر گزار دی جس کا استاد علیؑ

جیسی ذات ہو اس کے شاگردوں سے ایسی ہی اُمید ہوتی ہے۔

چھٹی ہجری میں جنگِ ذی قرد جس کو غزوۂ غابہ بھی کہتے ہیں واقع ہوئی، قرد مدینہ کے نزدیک پانی کا ایک چشمہ ہے اس کے اطراف میں ابوذرؓ غفاری رسولِ اسلامؐ کی بیس دودھ دینے والی اُونٹنیوں کے نگہبان تھے جو وہیں چرا کرتی تھیں، عینیہ ابن حصن نے چالیس سواروں کے ساتھ ان لوگوں کو برباد کر دیا۔ نیز ابوذرؓ کے بیٹے اور ان کے خاندان کے ایک اور دوسرے شخص کو بھی قتل کر دیا۔ علاوہ ازیں حضرت ابوذرؓ کی بیوی کو اسیر بنالیا لیکن اُنہوں نے چالاکی کے ساتھ ان لوگوں کو غافل کر کے رسولؐ اسلام کے اُونٹوں میں سے ایک اُونٹ پر سوار ہو کر رات میں مدینہ فرار ہو گئیں، اور رسولِؐ اسلام کے پاس پہنچ کر عرض کی میں نے منت مانی تھی کہ جب دشمن کے شر سے نجات پالوں گی تو اس اُونٹ کی قربانی کروں گی۔ پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا جب تم اس پر سوار ہو کر یہاں تک آئی ہو اور اس نے تم کو نجات دی ہے تو اس کو نحر کرنا اچھا نہیں ہے۔ گناہ کی چیزوں میں فقط نذر کرنا یا انسان جس چیز کا مالک نہ ہو اس کی نذر کا کوئی مورد نہیں ہوتا ہے۔ اس کے بعد رسولؐ اسلام نے جنگ کی دعوت دی اور پانچ سو افراد بقولے سات سو، ۷۰۰ افراد جنگ کے لئے آمادہ ہو گئے، حضرت نے علمِ فوج مقداد کے ہاتھوں میں دیا اور ان کو دشمن کی فوج کی طرف روانہ کر دیا، مقدادؓ نے دشمن کی طرف حرکت کی اور جنگ شروع کر دی۔ اپنے دشمن ابوقتادہ مسعود کو ہلاک کر ڈالا دوسری طرف سلمہ ابن اکوع بھی پیدل دشمنوں سے لڑ رہے تھے، آخر کار دشمن ایک درّے کی طرف فرار ہو گیا، جس میں چشمہ ذی قرد واقع تھا۔ وہ سپاہیانِ اسلام سے مقداد کی علمداری میں اس قدر بدحواس ہو گئے کہ اس چشمے سے پانی پینا چاہا تو وہ بھی نہ پی سکے اور آخر کار کفر نے اپنا آخری حربہ الفرار، الفرار اختیار کیا۔ نتیجہ یہ

ہوا کہ مسلمانوں نے مقداد کی سربراہی میں دشمنوں کو پیچھے ڈھکیل دیا اور فتح وظفر کا تاج سر پر رکھے مدینے کی طرف لوٹ گئے۔ یوں تو تاریخِ اسلام میں مال لوٹ کر پیٹ بھرنے والوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ کسی نے بصرہ میں محل تعمیر کرایا۔ تو کسی کی وفات کے وقت ہزار گھوڑے، ہزار اُونٹ اور سو غلام موجود تھے۔ حتیٰ کہ بعض لوگوں کے اموال مرنے کے بعد اس مقدار میں موجود تھے کہ سونے چاندی کی کلہاڑی سے توڑ کر تقسیم کرنا پڑا لیکن اس لوٹ کھسوٹ کے ماحول میں مدینے میں ایک ایسا بھی تھا جو دنیا کے زرق برق سے مبرا اور منزا تھا اور اس دنیائے فانی کے فریب میں نہ آیا حتیٰ کہ نانِ شبینہ کی بھی محتاج تھی۔ لیکن سائل کو کبھی بھی اپنے در سے خالی ہاتھ نہ لوٹایا۔ ہاں امام کو ایسا ہی ہونا چاہئے جیسا کہ ذات، صفات والا حضرت علیؑ کی تھی، ایک شب وہ بھی آئی کہ گھر میں ایک ٹکڑا روٹی بھی نہ تھا تاکہ اسی کے ذریعہ بچوں کی پرورش کی جائے وہ شب آلِ محمدؐ پر کیسی گزری خدا بہتر جانتا ہے۔ صبح ہوئی تو حضرت نے سوال فرمایا اے دخترِ پیمبر گھر میں کھانے کے لئے کچھ موجود ہے۔ وفا شعار بیوی نے آواز دی اُس وحدہٗ لا شریک کی قسم جس نے میرے بابا کو نبوت اور یا علیؑ آپ کو وصایت و جانشینی کے لئے منتخب فرمایا ہے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے دو روز ہو گئے کہ گھر میں کچھ بھی نہیں ہے اس دو روز میں سینے پر پتھر رکھ کر ہم نے حسنینؑ کے ساتھ صبر کیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا میں کھانے کا انتظام کرنے جا رہا ہوں۔ حضرت فاطمہ زہراؑ نے فرمایا اے ابوالحسنؑ آپ خود کو زحمت دے رہے ہیں اس کے لئے میں خدا کے سامنے شرمندہ ہوں۔

حضرت علیؑ اس اُمید کے ساتھ گھر سے باہر تشریف لائے کہ خدا لطف کرے گا اور کوئی مل جائے تاکہ اس سے ایک دینار قرض لے لیا جائے۔ اسی فکر میں تھے

کہ ایک شخص پہنچا، آپ نے اس سے بطور قرض ایک دینار کا تقاضا کیا اس شخص نے بلا تامل ایک دینار دے دیا، حضرت بہت خوش ہوئے اور گھر کا رُخ کیا، اسی فکر میں تھے کہ اہل خانہ کے لئے کیا خریدا جائے کہ دریں اثناء حضرت علیؑ کی نگاہ اسلام کے خودار وفاشعار صحابی پر پڑی جس نے تمام حوادث میں علیؑ ابن ابی طالبؑ کے نقشِ قدم پر چلنا اپنا فرض منصبی شمار کیا، یعنی مولا نے راستے میں مقداد کو دیکھا (وفادار صحابی مشکل میں ہے) حضرت علیؑ نے ملکوتی خدوخال پر غائرانہ نگاہ دوڑائی اور وہیں رُک کر اس وفاشعار صحابی سے احوال پُرسی کرنے لگے۔ حضرت نے مشاہدہ کیا کہ گرمی کی شدت اور دھوپ کی تپش نے مقدادؓ کو پسینے سے شرابور کر دیا ہے۔ گرمی نے اُنہیں اس قدر بدحواس کر دیا تھا کہ قریب تھا کہ وہ گر پڑیں ۔اس موقع پر حضرت علیؑ اور مقداد میں اس طرح باتیں ہوئیں۔

حضرت علیؑ...... اے مقدا! اِس وقت کس لئے گھر سے باہر نکلے ہو؟

مقداد...... میرے مولا مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے میں جدھر جا رہا ہوں ادھر جانے دیجئے، حضرت علیؑ ...... میرے بھائی میرے لئے شاق ہے کہ تم میرے پاس سے گزر جاؤ اور میں تمہارے حال سے آگاہ نہ ہوں۔ مقداد...... اے ابوالحسن میں تہہ دل سے یہی چاہتا ہوں کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے، حضرت علیؑ ...... اے بھائی اپنا حال کیوں چھپاتے ہو؟ حتماً مجھے تمہارے حال سے باخبر ہونا چاہیے۔ مقداد...... اچھا جب آپ اتنے مُصر ہیں کہ آپ میرے احوال سے باخبر ہوں تو سنیئے اس خدا کی قسم جس نے رسولؐ اللہ کو نبوت اور آپ کو تاجِ ولایت سے آراستہ فرمایا ہے میرے گھر میں کئی دن سے فاقے پڑ رہے ہیں بھوک اور فاقے کی شدت سے بچے بلک رہے ہیں جب ان کے بلکنے کی آواز سنی تو میری طاقت جواب دے گئی، غم و غصّے کے عالم میں بے مقصد گھر سے باہر نکل

پڑا تا کہ خدا کوئی راہ پیدا کرے۔ اب میں اس کوشش میں ہوں کہ کوئی غذا مہیا کروں، ابھی مقداد کی گفتگو پوری نہیں ہو پائی تھی کہ حضرت کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرات نمایاں ہو گئے، اور سیلِ اشک جاری ہو گئے، یہاں تک کہ محاسن تر ہو گئی، فرمایا اسی کی قسم جس کو تم نے یاد کیا، جس قصد سے نکلے ہو میں بھی اسی مقصد کے تحت گھر سے باہر نکلا ہوں۔ میں نے ایک شخص سے ایک دینار قرض لیا ہے لو اسے لے جاؤ اور میری فکر چھوڑ دو، مقداد نے بڑی شرمندگی سے اس دینار کو لیا اور پلٹ کر غذا مہیا کی اور گھر والوں کے لئے اس دن اسی دینار سے غذا کا انتظام کیا، (رسالت مہمانِ ولایت) علیؑ تہی دست ہو گئے، لیکن بہت خوش ہیں کہ مسلمان کی مدد کی اور اپنے ہاتھ سے اس کی مشکل کشائی فرمائی، مقداد سے جدا ہو کر سیدھے مسجد کا رُخ کیا نماز ظہر وعصر مسجد میں ادا کی لیکن بعد از نماز گھر تشریف نہیں لے گئے، یہاں تک کہ نمازِ مغرب کا وقت آ گیا، آپؑ نے رسالت مآب کی اقتدا میں نمازِ جماعت ادا کی۔ حضرت علیؑ صفِ اوّل میں تھے۔ نماز کے بعد رسولِ اسلامؐ نے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت علیؑ رسولِ خداؐ کے پیچھے ہو گئے اور مسجد کے دروازے کے پاس ساتھ گئے، سلام کیا، رسولؐ خدا نے جواب دیا۔

رسولِ خداؐ آپ کیا چاہتے ہیں کہ آج کی رات آپ کا مہمان ہو جاؤں اور آپ کے یہاں شب کا کھانا کھاؤں، حضرت علیؑ کو معلوم تھا کہ گھر میں کچھ بھی کھانے کو نہیں ہے اور کوشش کے باوجود سعی کامیاب نہ ہوئی۔ پیغمبرِ اسلام کے اس سوال کے جواب میں سر جھکا دیا اور ساتھ میں چلنے لگے۔ پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا یا علیؑ میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ یا انکار کر دیجئے تا کہ پلٹ جاؤں، یا ہاں کر دو تا کہ چلا آؤ، خاموش کیوں ہو؟ اس درمیان پیغمبرِ اسلامؐ کو وحی

کے ذریعہ معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت علیؑ نے آج کس ایثار کی معراج کا ثبوت دیا ہے اور خدا کی طرف سے معمور تھے کہ اس رات کا کھانا علیؑ کے ساتھ نوش فرمائیں اور حضرت کے مہمان ہوں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا اے رسولِ گرامی جواب نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ شرمندگی نے میرا احصار کرلیا ہے اور آپ کے بلند و بالا مقام نے میرے منہ پر تالا لگا دیا ہے وگرنہ با کمال افتخار حاضر ہوں کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں اور آپ کا پائے مبارک مشگانِ چشم پر ہو۔ اسی وقت رسولِؐ خدا حضرت علیؑ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر باہم بیت الشرف کا رُخ کیا اور داخلِ خانہ ہو گئے فاطمہ الزہراؑ نے اپنی نماز تمام کی اور ابھی سجادے پر تشریف فرما تھیں کہ احساس ہوا کہ بابا واردِ خانہ ہوئے ہیں تو کھڑی ہو گئیں اور استقبال کے لئے آئیں، سلام کیا، جواب سلام سنا، فاطمہؑ، پیغمبرؐ کو بہت عزیز تھیں حضرت نے اپنی بیٹی سے محبت کا اظہار کیا اور دستِ شفقت پھیرتے ہوئے حال و احوال دریافت کیا۔

تعجب خیز نگاہ کے ساتھ پیغمبرؐ نے فرمایا بیٹی خدا تمہیں اپنی عنایتوں سے نوازے، کل رات کیسی گزری؟

فاطمہؑ نے فرمایا...... بخیر و خوبی، نبیؐ نے فرمایا...... کھانا کیا بنایا ہے۔

فاطمہؑ زہرا یہ سن کر اُٹھیں اور ایک بڑا پیالہ لا کر رکھ دیا، جو غذا سے پُر تھا۔ جب نماز پڑھ رہی تھیں اس کو اپنے پیچھے رکھا تھا۔ رسولؐ اللہ علیؑ اور فاطمہؑ دسترخوان پر تشریف فرما تھے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ دسترخوان پر ایسی غذا ہے کہ مزہ اور خوشبو کے اعتبار سے کبھی بھی ایسی غذا نہ کھائی تھی۔ حضرت علیؑ اس فکر میں تھے کہ فاطمہؑ نے کہا تھا دو روز سے گھر میں فاقہ ہے۔ پھر یہ غذا کہاں سے آئی۔ اسی فکر میں ایک تعجب خیز نظر سے بی بی کی طرف دیکھا۔ حضرت فاطمہؑ حضرت علیؑ کے

چہرے کی رنگت اور نگاہ سے سمجھ گئیں۔سوال کیا۔

حضرت فاطمہ نے فرمایا...... سبحان اللہ یا علیؑ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟

حضرت علیؑ نے فرمایا...... یہ میری نگاہ اس لئے ہے کہ صبح آپ نے کہا تھا کہ گھر میں کچھ کھانے کو نہیں ہے اور اس کی تاکید سے قسم بھی کھائی تھی تو یہ غذا کہاں سے آئی؟

اس وقت حضرت فاطمہؑ نے آسمان کی طرف نگاہ کی اور فرمایا! میرا خدا اپنے آسمان وزمین میں جانتا ہے کہ غیر سخن حق کبھی کلام نہیں کیا...... حضرت علیؑ نے پھر پوچھا پس ایسی غذا کہاں سے آئی؟ کہ آج سے قبل اس لذیذ اور خوش مزا غذا میں نے نہیں کھائی تھی۔ اس سوال و جواب کے درمیان رسولؐ نے فرمایا اپنا دستِ مبارک حضرت علیؑ کے بازوئے اطہر پر رکھا اور حرکت دیتے ہوئے فرمایا! علیؑ یہ غذا اس دینار کے انفاق کا صلہ ہے جو خدا نے اپنی طرف سے عنایت فرمایا ہے خداوند جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

اس وقت رسولؐ کی آنکھوں میں آنسو بہنے لگے، فرمایا حمد و ستائش خدا کی جس نے تم کو (یا علیؑ) مانند حضرت زکریاؑ اور فاطمہؑ کو مانند مریم قرار دیا۔اس جہت سے قرآن فرماتا ہے ''جب کسی وقت زکریاؑ ان کے پاس (ان کے) عبادت کے حجرے میں جاتے تو مریمؑ کے پاس کچھ نا کچھ موجود پاتے پوچھتے اے مریم یہ (کھانا) تمہارے پاس کہاں سے آیا، تو مریمؑ یہ کہہ دیتیں تھیں کہ خدا کے یہاں سے آیا ہے، بے شک خدا جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔''

مقدادؓ کو بھی حضرت علیؑ کی طرح دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں تھی نہ یہ کہ جہاں سے چاہو حاصل کرو اور اپنی زندگی گزار لو، یہ اسیران دنیا ہیں جو لوٹ کھسوٹ کر اپنی زندگی طمطراق سے گزارتے ہیں بلکہ مقدادؓ اس ذات کا نام ہے جس نے بڑی سادگی سے اپنے زندگی گزاری، حتیٰ کہ بھوکے رہ کر بھی لیکن دنیا کے سامنے گھٹنے

نہیں ٹیکے، اس بُرے وقت میں بھی جب حضرت علیؑ سے ملاقات کی تو یہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی مرے حال سے واقف ہوحتیٰ کہ مولا کے سامنے بھی اپنی متانت اور سنجیدگی کو بطور کامل محفوظ رکھا۔ یہ ایک عملی درس ہے کہ اپنی مشکلات کو جلد کسی کے سامنے بیان مت کرو۔ جنابِ مقداد نے علیؑ جسے رؤوف امام کے سامنے بھی تین مرتبہ کے اصرار کے بعد بھی اپنا حال بیان کیا۔

حضرت علیؑ نے جب مقداد کو حواس باختہ دیکھا کہ پسینے میں شرابور ہیں تو اپنی ساری تکلیف و پریشانی بھول کر مقدادؓ کے بارے میں فکر کرنے لگے اور جب مقداد کی درد بھری داستان سنی تو آنکھوں سے مسلسل اشک جاری ہو گئے۔ رہبران قوم کے لئے یہ ایک عملی درس ہے کہ قائد و امام کو رعیت و اُمت کے افراد کے لئے ایسا مہربان ہونا چاہیے۔

حضرت علیؑ نے اس بحرانی کیفیت میں جبکہ کتنی مشکل سے ایک دینار ملا تھا لیکن مقداد کی کیفیت دیکھ کر اس کی پروانہیں کی اپنے بچوں کی فکر چھوڑ کر وہ دینار مقدادؓ کے حوالے کر دیا۔

رعایت آداب...... حضرت علیؑ نے تمام گفتگو میں جناب مقداد کو بھائی کہا اور جناب مقداد نے خلیفہ و وصی سے خطاب کیا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسولؐ اسلام کی زندگی ہی میں جناب مقدادؓ حضرت علیؑ کی وصایت و خلافت پر بھرپور یقین رکھتے تھے۔ اس میں شمہ برابر بھی شک نہیں تھا۔

جناب مقدادؓ کے ساتھ نیکی اس خدا کو اتنی بھائی کہ فوراً اپنے رحمت لقب حبیب کو وحی کر دی اور مقداد و علیؑ کے حوالے سے آگاہ کر دیا۔

حضرت علیؑ نے فاطمہؑ جیسی اپنی شریک حیات کو تعجب خیز نگاہوں سے دیکھا۔ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہر مسلمان کو گھر میں آئے ہوئے غذا سے باخبر رہنا

چاہئے۔ علیؑ کے گھر میں حرام کا امکان نہ تھا لیکن یہ ہمارے لئے درس ہے کہ ہم گھر میں دریافت کرتے رہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مشکلات کے وقت میں کوئی مشکل سے فائدہ اُٹھا نہ لے۔

مقداد کے فضائل:-

چند حدیثوں کا ذکر کریں گے، امام صادقؑ فرماتے ہیں مقدادؓ کا درجہ مسلمانوں میں وہی ہے جو قرآن میں الف کا مقام ہے کہ وہ کسی سے ملحق نہیں ہے۔ یعنی جس طرح الف کوئی حرکت قبول نہیں کرتا اور تمام حالتوں میں ایک جیسا ہوتا ہے اسی طرح مقداد بھی تمام حالتوں میں ایک جیسے تھے۔ حالات ان پر اثر انداز نہیں ہوتے تھے۔ علامہ مجلسی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں شاید ان کا مقصد یہ ہوا کہ بعض صفات میں مقداد بے نظیر تھے۔ بنا بریں سلمانؑ کی مقدادؓ سے ایمانی برتری جو حدیثوں میں موجود ہیں اس حدیث سے منافات نہیں رکھتی ہیں۔

بریدہ کہتے ہیں کہ میرے باپ نے مجھ سے کہا کہ رسولؐ اسلام نے فرمایا خداوند عالم نے مجھے چار لوگوں سے دوستی کا حکم دیا ہے آپ نے پوچھا وہ افراد کون ہیں، آپ نے فرمایا تین بار فرمایا علیؑ، اُن میں سے ایک ہیں اور دوسرے تین افراد ابوذرؓ، سلمانؑ اور مقدادؓ ہیں۔

امام صادقؑ نے فرمایا وہ لوگ جو پیغمبرِ اسلامؐ کے بعد راہِ خدا سے منحرف نہ ہوئے، ان سے دوستی واجب ہے۔ اس کے بعد آپ نے چند افراد کے اسمائے گرامی کا ذکر فرمایا ان میں سے سلمانؑ، ابوذرؓ، اور مقدادؓ بھی تھے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا خداوندِ عالم نے سات افراد کی خاطر دنیا خلق کی جن کا رہبر امام میں ہوں۔ لوگ اُنہیں کے طفیل میں رزق پاتے ہیں۔ ان کی کمک و نصرت ہوتی ہے۔ کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں۔ یہ افراد ابوذرؓ، مقداد، عمارؓ، حذیفہؓ

اور عبداللہ ابن مسعود ہیں۔ اُنہیں لوگوں نے جنابِ فاطمہؑ الزہرا کے جنازہ پر نماز پڑھی تھی۔

انس ابن مالک سے روایت کی گئی ہے کہ اُنہوں نے کہا کہ ایک دن رسولؐ اسلام نے فرمایا جنت میری اُمت کے چار افراد کی مشتاق ہے، آپ کی ہیبت و شکوہ نے منہ پر تالے لگا دیئے اور ان میں ان افراد کا نام نہیں پوچھ سکا، ابوبکر کے پاس آیا اور کہا کہ آپ رسولِؐ اسلام سے پوچھئے کہ وہ چار افراد کون ہیں، ابوبکر نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اس میں میرا نام نہ ہو، اور بنو تمیم والے میری برائی کرنے لگیں۔ عمر کے پاس گیا اور کہا تم رسولؐ اللہ سے سوال کرو، اُنہوں نے جواب دیا مجھے ڈر ہے کہ میں اس میں نہ ہوں اور قبیلہ بنی عدی میری ملامت کریں۔ عثمان کے پاس گیا اور کہا کہ تم اس بارے میں رسولؐ خدا سے سوال کرو، کہنے لگے میں ڈرتا ہوں کہ میرا نام اس میں نہ ہو اور بنی امیہ میری سرزنش کریں۔ امیر المومنین حضرت علیؑ کے پاس گیا آپ اپنے باغ میں کنویں سے پانی کھینچ رہے تھے، میں نے عرض کی رسولِ خدا نے فرمایا ہے کہ بہشت میری اُمت کے چار افراد کی مشتاق ہے، آپ سے گزارش ہے کہ آپ پوچھیں کہ وہ چار افراد کون ہیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا خدا کی قسم میں ضرور پوچھوں گا، اگر میں ان چار افراد میں سے ہوا تو خدا کی ستائش کروں گا اور اگر نہ ہوا تو بارگاہِ ایزدی میں دعا کروں گا کہ مجھے بھی ان میں سے قرار دے۔ وہاں سے میں حضرت علیؑ کے ساتھ رسولؐ اسلام کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ آپکا سر دحیہ کلبی کی آغوش میں ہے اور آپ محوِ خواب ہیں، جیسے ہی دحیہ کلبی نے حضرت علیؑ کو دیکھا سلام کیا، عرض کی اپنے چچا زاد بھائی کے سر کو آغوش میں لیجئے کہ آپ مجھ سے زیادہ حقدار ہیں۔ جب رسولؐ اسلام بیدار ہوئے اور خود کو علیؑ کی آغوش میں پایا تو فرمایا اے ابوالحسنؑ

آپ ضرور کسی حاجت کے تحت آئے ہیں۔ حضرت علیؑ نے عرض کیا اے رسولؐ خدا میرے ماں اور باپ آپ پر قربان ہوں، جیسے ہی آپ کے پاس آیا دیکھا کہ دحیہ کلبی آپ کا سر اپنی آغوش میں لئے ہیں اور آپ سو رہے ہیں، جیسے ہی مجھے دیکھا کہنے لگے اپنے چچازاد بھائی کے سر کو اپنی آغوش میں لیجئے اس لئے کہ اے امیر المومنین آپ مجھ سے زیادہ حقدار ہیں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا اے علیؑ تم نے اسے پہچانا وہ جبریل تھے۔ جنہوں نے آپ کو امیر المومنین کے نام سے یاد فرمایا۔ پھر حضرت علیؑ نے پوچھا انس مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جنت چار افراد کی مشتاق ہے، برائے مہربانی آپ بتا دیجئے کہ وہ چار افراد کون ہیں؟ رسولؐ اسلام نے اپنے دستِ مبارک سے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کیا اور تین مرتبہ فرمایا خدا کی قسم ان میں اولین ذات تمہاری ہے۔ حضرت علیؑ نے عرض کی اور وہ دوسرے تین افراد کون ہیں؟ رسولؐ خدا نے فرمایا مقدادؓ، سلمانؓ اور ابوذرؓ۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ رسولِ اسلامؐ نے سلمانؓ سے فرمایا کہ اگر تمہارا علم مقدادؓ کو بتا دیا جائے تو وہ کافر ہو جائیں گے اور مقدادؓ سے فرمایا اگر تمہارا صبر سلمانؓ کو معلوم ہو جائے تو وہ کافر ہو جائیں گے، مقصد یہ ہے کہ مقدادؓ وسعتِ علم سلمانؓ کا اِدراک کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور سلمان وسعتِ صبر مقدادؓ کے اِدراک پر قادر نہیں ہے، دوسری روایتوں میں ملتا ہے کہ پیغمبرِ اسلامؐ نے مقدادؓ کے بارے میں فرمایا کہ اگر وہ اپنا علم سلمانؓ پر ظاہر کر دیں تو وہ کافر ہو جائیں گے۔

حضرت سلمانؓ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں رسولؐ اسلام کی وفات کے بعد جب ایک روز میں گھر سے باہر نکلا تو حضرت علیؑ سے ملاقات ہوئی آپ نے فرمایا! سلمانؓ فاطمہؑ کے پاس جاؤ ان کے پاس کچھ بہشتی تحفہ آیا ہے۔ جو تم کو دینا

چاہتی ہیں۔ میں تیزی سے فاطمہؑ کے بیت الشرف کی طرف بڑھا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، بی بی نے مجھ سے فرمایا، تین حسین وجمیل لڑکیاں میرے پاس آئیں جن کے جیسی حسین وجمیل لڑکیاں میں نے کبھی نہیں دیکھی تھیں، میں نے ان سے سوال کیا آپ لوگ مکے کی رہنے والی ہیں یا مدینے کی، اُنہوں نے عرض کیا دخترِ رسولؐ ہم زمین کی مخلوق نہیں ہیں۔ خداوند عالم نے ہمیں بہشت سے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ آپ کی زیارت کے بے حد مشتاق ہیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ جو بڑی تھی میں نے اس سے پوچھا آپ کا نام کیا ہے، عرض کی! مجھے مقدرہ کہتے ہیں، میں نے پوچھا آپ کے نام کی مناسبت کیا ہے، جواب دیا میں مقدادؓ کے لئے پیدا کی گئی ہوں۔ دوسری سے سوال کیا اور تمہارا کیا نام ہے؟ جواب دیا ذرہ، نام کی مناسبت پوچھی تو جواب دیا کہ میں ابوذرؓ کے لئے خلق کی گئی ہوں، اور تیسری سے جب پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے تو عرض کی میرا نام سلمہ ہے میں نے پوچھا کہ اس نام کا کیا سبب ہے، جواب دیا میں سلمانؑ کے لئے پیدا کی گئی ہوں۔ اس کے بعد مجھے چند کھجوریں اور خرمے دیئے۔ جو برق سے زیادہ سفید اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھے۔ سلمانؓ کہتے ہیں کہ فاطمہ زہراؑ نے ان کھجوروں میں سے ایک کھجور مجھے دی، اور فرمایا آج رات اس کھجور سے افطار کرنا اور کل اس کی بیج لیتے آنا۔ میں نے کھجور لیا اور بیت الشرف سے باہر نکل گیا، جس کے پاس سے گزرتا تھا یہی کہتا تھا سلمانؓ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے پاس مشک ہے میں یہی کہتا تھا ہاں یہاں تک کہ شب ہوگئی اور میں نے اسی کھجور سے افطار کیا لیکن اس میں بیج نہ تھی۔

انس کہتے ہیں کہ مقدادؓ کی قرأت قرآن کی مدح رسولِؐ اسلام نے فرمائی تھی وہ مقدادؓ ہیں۔ امام صادق سے نقل ہے کہ ایمان کے دس درجے ہیں، مقدادؓ آٹھویں

،سلمانؑ نویں اور ابوذرؑ دسویں درجہ پر فائز ہیں۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا یہ وہ برجستہ افراد ہیں۔ مانند سلمانؑ، مقدادؑ، ابوذرؑ، عمارؑ۔جنہوں نے ولایت قبول کی اور محبتِ علیؑ کے دلدادہ ہو گئے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ۔

(سورۂ انفال:۲)

''سچے ایمان دار تو بس وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو اور بھی زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ بس اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔''

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا یہ آیت حضرت علیؑ، مقدادؑ، سلمانؑ، عمارؑ، ابوذرؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے فرمایا لوگوں کے درمیان حذیفہ یمانیؓ حلال وحرام کے مسئلہ میں بینا ترین فرد ہیں، عمارؓ کا شمار سابقین اسلام میں ہوتا ہے، مقدادؓ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو اپنے کام کو بہت کوشش اور لگن کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ ہر چیز کا ایک ھیرد اور قہرمان ہوتا ہے قرمان قرآن عبداللہ بن عباس ہیں۔رسول اسلام نے عبداللہ ابن رواحہ کے ساتھ مقدادؓ کا پیغامِ اخوت باندھا تھا۔سلمانؑ ابوذر، مقداد، عمار حذیفہ ابی ہشیم، ابی سعید خداوند عالم ان سے خوش ہو اور ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اسی طرح ایمان کے شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ان سے بھی دوستی کی جائے جو ان کے پیرو ہیں اور اسی راہِ ہدایت پر چل رہے ہیں۔ جن پر وہ گامزن تھے۔خداوند عالم ان

لوگوں سے خوش ہو۔ ان سے دوستی اور ان کے پیروان سے دوستی بزبان امام ہشتم شرطِ ایمان قرار پائی۔

وہ روایتیں جو مقداد سے نقل ہیں:-

احمد بن حنبل مقدادؓ سے نقل کرتے ہیں کہ مقدادؓ نے فرمایا کہ جب ہم مدینے میں آئے تو پیغمبرؐ نے ہم کو دس آدمیوں کے گروہ میں تقسیم کر دیا میں ان دس افراد میں تھا۔ جن میں خود پیغمبر اسلامؐ تھے اس وقت شیر گوسفند (بھیڑ کے دودھ) کے علاوہ ہمارے پاس کچھ بھی نہ تھا۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ کوفہ کے پیچھے (نجف) سے ستائیس (۲۷) افراد حضرت قائمؑ آلِ محمدؐ کے ساتھ ظہور کریں گے۔ ان میں سے پندرہ افراد اصحابِ موسیٰ میں ہوں گے۔ جو ہدایت یافتہ ہوں گے اور سات افراد اصحابِ کہف میں سے ہوں گے اور بقیہ یوشع بن نون، سلمانؓ، ابودجانہؓ، مقدادؓ، مالکِ اشترؓ یہ افراد حضرت ولی عصر کی خدمت میں بہ عنوان انصار اور کمانڈر رہوں گے۔

امام جعفر صادقؑ سے نقل ہے کہ تمام لوگ بعد از رحلت پیغمبرؐ از نظر عقائد ہلاک ہو گئے، بجز سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، اس کے بعد ابوساسان، عمارؓ، مشتیرہ، ابوعمرہ بھی ان لوگوں سے جا ملے، اسی طرح حق کے طرف دار سات افراد شمار کئے جاتے ہیں۔

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ اُس شخص کو دیکھنا ہو کہ جس کے دل میں کبھی کوئی شک اور خلل واقعہ نہ ہوا تو مقداد کو دیکھو، جبکہ سلمانؓ کے دل میں ایک روز یہ خیال پیدا ہوا کہ حضرت علیؑ کے پاس تو اسم اعظم موجود ہے پھر بھی اس اسم اعظم کے وسیلے سے خدا سے دعا کیوں نہیں کرتے تا کہ زمین منافقوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لے اور حضرت خود کو اس مظلومیت سے نجات دیں۔ ابھی یہ خیال پیدا

ہی ہوا تھا (چرا) اور (کیوں) نے ذہن میں جگہ بنائی تھی کہ دشمن پہنچ گئے اور گلے میں رسی ڈال کر کشاں، کشاں مسجد کی طرف لے گئے، اسی کا نشان سلمانؓ کی گردن پر ظاہر تھا، جب حضرت علیؑ نے سلمان کو اس حال میں دیکھا تو فرمایا اے سلمان یہ اسی خیال کا نتیجہ ہے جو تمہارے دل میں پیدا ہوا تھا جاؤ ظاہراً بیعت کر لو۔ سلمانؓ نے اطاعت کی اور ظاہری طور پر ابوبکر کی بیعت کر لی ادھر ابوذرؓ کو حضرت علیؑ نے تلقینِ صبر فرمائی تھی۔ لیکن ان کے صبر کا بندھ ٹوٹ گیا اور آشکارہ حق بیانی شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عثمان کے ظلم کا نشانہ بنے اور عثمان نے بے دریغ اس صحابیٔ رسولؐ پر ظلم کے پہاڑ توڑے، بالآخر مدینہ اور جوارِ قبر رسولِ خداؐ سے سرزمین، ربذہ شہر بدر کر دیا گیا۔

رسولِ خدا کی وفات کے بعد کوئی انسان ایسا نہ تھا جس کے دل میں خلافت کے مسئلہ پر کچھ خطور پیدا نہ ہوا ہو، بجز مقدادؓ، ان کا دل فولاد کی طرح محکم تھا۔ مقدادؓ ہمیشہ اپنی تلوار اپنے لباس کے اُوپر باندھتے تھے اور حضرت علیؑ کے گھر دروازہ پر آتے اور عرض کرتے! اے علیؑ اگر کوئی بھی آپ کی مدد نہ کرے پھر بھی میں آپکی مدد میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا اور ہمیشہ آپ کے حکم کی اطاعت کے لئے حاضر ہوں۔ مقدادؓ نے وفاتِ رسولؐ کے بعد ایک لحظہ بھی حق سے انحراف نہ کیا اور ایک جانباز سپاہی کی طرح ہمیشہ شمشیر بکف آمادہ رہے۔ ہر وقت اسی کے منتظر تھے کہ علیؑ کا کوئی حکم ہو اور اس پر فوراً عمل کریں۔

حواری اس شخص کو کہتے ہیں جو دوسرے کا گرویدہ ہو، اور ہمیشہ اس سے نزدیک ہو اور ہمیشہ آمادہ رہے تاکہ جب بھی حکم ہو اس پر عمل کرے مثلاً حواریانِ حضرت عیسیٰؑ قرآن میں مذکور ہے جو عدد میں بارہ تھے، ہمیشہ حضرتِ عیسیٰؑ کے ساتھ رہے، عبدِ صالح امام موسیٰؑ کاظم نے فرمایا! قیامت کے دن منادی ندا دے گا

کہ وہ اصحاب جو پیغمبرؐ سے نزدیک تھے کہاں ہیں تو سلمانؑ، مقدادؑ اور ابوذرؑ اُٹھیں گے اور اپنی پہچان کرائیں گے، پھر منادی ندا دے گا کہ حورایان وصی رسولؐ خدا کہاں ہیں۔ عمر ابن حمق خزائی، محمد بن ابی بکر، میثم، اویس قرنی، اُٹھیں گے اور خود کو پہچنوائیں گے۔ پھر منادی ندا دے گا حواریانِ امام حسنؑ کہاں ہیں۔ تو سفیان ابن ابی لیلیٰ اور حذیفہ ابن اُسیدہ اپنے کو پہچنوائیں گے اس کے بعد منادی ندا دے گا کہ حورایانِ امام حسینؑ کہاں ہیں تو شہداء کربلا اپنی پہچان کرائیں گے۔

سلمان، ابوذر، مقداد، عمار، جابر ابن عبداللہ انصاری یہ پانچ ہیں۔ حضرت علیؑ نے بھی ان لوگوں کو جنت کی ضمانت دی تھی، یہی وہ سب سے سے پہلا گروہ ہے جس نے ہر جنگ میں حریمِ ولایتِ علیؑ ابن ابی طالبؑ سے دفاع کیا ہے۔ ان کا لقب ''شرطۃ الخمیس'' (جو نصرت پر پانچ آمادہ رہے) خمیس جو خمس سے ہے۔ پانچ کے معنی میں ہے، یہ کلمہ اس لئے استعمال کیا ہے کہ فوج کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ (۱) گروہ پیش جنگ (۲) گروہ ذخیرہ (۳) مامور قلب لشکر (۴) گروہ میمنہ (داہنی طرف کا لشکر) (۵) گروہ میسرہ (بائیں طرف کا لشکر) ۔ یا تو اس کلمہ خمیس کے استعمال کی یہ وجہ ہے کہ جب دشمن پر یہ لوگ غلبہ حاصل کرتے تھے تو جو مال غنیمت حاصل ہوتا تھا اس میں سے خمس دے دیا کرتے تھے، بہر حال سمجھنے اور سمجھانے کے لئے اس جملہ کا بہترین ترجمہ کامل فدائی جانباز ہوگا۔ بعض نے ان افراد کی تعداد چھ ہزار، بعضوں نے پانچ ہزار مرقوم فرمائی ہے۔ لیکن ان میں چند ہی لوگوں کا نام نمایاں ہے، سلمانؑ، ابوذر، مقداد ؑ، عمارؑ، ابو سنان حساری عمر ضناری، سہل، عثمان بن حنیف، جابن ابن عبداللہ انصاری، اس روایت سے بھی ہمیں مقداد کے مقام کا اندازہ بخوبی ہوسکتا ہے کہ مقداد اس ذات کا نام ہے جو جنگجو، جانباز فدائی اور مدافع حریم امیر المومنین

حضرت علیؑ کے ملقب ہیں۔

مقداد، علیؑ کے شیعہ تھے:-

سنیوں کے بزرگ عالم حافظ ابو حاتم رازی اپنی کتاب ''الزینہ'' میں لکھتے ہیں لفظِ شیعہ رسولِ اسلامؐ ہی کے زمانہ میں معرضِ وجود میں آ گیا تھا اور صحابۂ رسولؐ میں سے چار افراد اس لقب سے ملقب تھے، سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، عمار یاسرؓ، اس کے علاوہ بہت سی روایتیں ہیں جس میں کلمۂ شیعہ موجود ہے۔

ابوالفداء اپنی تاریخ میں یوں بیان فرماتے ہیں کہ سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، عمار یاسرؓ وہ اصحابِ پیمبرؐ ہیں جنہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ کے دن حضرت علیؑ کی ہمراہی میں ابوبکر کی بیعت نہیں کی۔ مسلمانوں سے ایک سوال ہے وہ یہ کہ آپ کی بیان کردہ حدیث اصحاب النجوم کی حیثیت سے صحابیٔ رسولؐ کا یہ عمل جو ابوبکر کی بیعت کے سلسلے میں انجام پایا حجت ہونا چاہئے، اب اگر ان صحابی کی پیروی کرتے ہوئے ہم بھی ابوبکر کی خلافت کو باطل مانتے ہیں تو آپ کو تکلیف کیوں ہوتی ہے۔آپ نے ان کی اقتداء کی انشاء اللہ آپ اُنہیں کے ساتھ محشور ہوں گے، ہم نے ان کی اقتداء کی خدا کرے ہم انہیں کے ساتھ محشور ہوں۔ پھر کفر و شرک کا فتویٰ چہ معنی دارد۔ علاوہ ازیں خود علماء اہل اُمت نے ان چار افراد کی مدح وستائش کی ہے۔ ابنِ اثیر اپنی کتاب اسد الغابہ میں لکھتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے فرمایا خداوندِ عالم نے مجھے چار افراد کی دوستی کا حکم دیا ہے کسی نے پوچھا وہ چار افراد کون ہیں تو آپ نے فرمایا علیؑ، سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ۔

حافظ ابونعیم اصفہانی اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں رقم طراز ہیں کہ رسولِؐ اسلام نے فرمایا خداوندِ عالم نے مجھے علیؑ، سلمانؓ ابوذرؓ اور مقدادؓ کی دوستی کا حکم دیا ہے، بناء بریں اہلِ اُمت حضرات کے لئے مناسب یہی ہے کہ مقدادؓ، ابوذرؓ، کی روش

اور شیوہ کو حجت مانیں اور سردارِ شیعیانِ حیدرِ کرار یہی حضرات ہیں۔ اس سے انکار نہ کریں اور جھوٹا الزام لگانے سے پرہیز کریں، اس لئے کہ افترا اور بہتان بزبانِ قرآن ظلم ہے اور خدا ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔

اجرِ رسالت اور مقداد:-

امام صادقؑ نے فرمایا خدا کی قسم سات افراد کے علاوہ کسی نے بھی اس آیت سے وفاداری کا ثبوت پیش نہیں کیا قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (سورۂ شوریٰ آیت: ۲۳) اور وہ سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، عمارؓ، جابر ابن عبداللہ انصاری، پیغمبر اسلامؐ کا ایک غلام اور زید ابن ارقم ہیں۔

انہیں سات افراد نے اجرِ رسالت بہ خوبی ادا کیا ان سات افراد میں مقداد اہلِ بیتؑ کے سب سے زیادہ وفادار تھے اور حضرت علیؑ کے مقابلے میں بالکل تسلیم محض تھے۔

سقیفہ اور مقداد:-

ابن عیاش کہتے ہیں میں ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کے اردگرد کچھ شیعہ حضرات بھی موجود تھے۔ وہاں مختلف موضوعات پر گفتگو ہو رہی تھی یہاں تک کہ بعد از وفاتِ رسولؐ بحرانِ خلافت پر بات آ کر رُکی، جب یہ موضوع شروع ہوا تو لوگوں نے ابن عباس سے درخواست کی کہ آپ اس بارے میں توضیح دیں۔ ابن عباسؓ نے ہماری درخواست قبول فرمائی اور اپنی گفتگو شروع کر دی۔ فرمایا! میرے بھائیو! جب رسولِ اسلامؐ دنیا سے گزر گئے اور ابھی سپرد لحد بھی نہیں ہوئے تھے لوگوں نے دوسری راہ اختیار کر لی۔ لیکن علیؑ غسل و کفن و دفن جسم اطہر رسولؐ اکرم میں مشغول تھے۔ جب ان اُمور سے فارغ ہوئے اور تمام واقعات

سے مطلع ہوئے تو لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور جمع قرآن کی خاطر بیت الشرف تشریف لے گئے اور عزلت گزینی اختیار کر لی تمام مسلمانوں نے بجز بنی ہاشم، سلمانؑ، مقدادؓ، ابوذرؓ حضرت علیؑ کو چھوڑ دیا اور خلافت کے دامن سے متمسک ہو گئے۔ کچھ حاشیہ نشین افراد ابوبکر و عمر کے پاس بیٹھے تھے، مختلف موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی، اسی اثناء میں عمر نے ابوبکر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تمام افراد نے تمہاری بیعت کر لی لیکن علیؑ اور ان کے خاندان والے اور ان چند لوگوں، سلمانؑ، مقدادؓ، ابوذرؓ، زبیر نے روشِ عمومی کی مخالفت کی ہے اور ابھی تک بیعت نہیں کی ہے۔ کسی کو علیؑ کے پاس بھیجو تا کہ ان کا کردار واضح ہو جائے۔ ابوبکر نے عمر کے چچا زاد بھائی قنفذ کو طلب کیا اور اس سے کہا علیؑ کے پاس جاؤ اور کہو کہ جانشین رسولؐ کی دعوت قبول کرو۔ قنفذ علیؑ کے پاس آیا اور ابوبکر کا پیغام حضرت کو پہنچا دیا۔ اس پیغام کو سنتے ہی حضرت کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اس سے بڑی مصیبت کیا ہو گی کہ اہلِ بیتؑ سے بیعت طلب کر رہے ہیں۔ فرمایا کتنا جلدی تم لوگوں نے رسولِ خداؐ کو جھٹلا دیا اور ان کی وصیت کو فراموش کر دیا۔ خدا کی قسم رسولِ خداؐ نے میرے سوا کسی کو خلیفہ نہیں بنایا۔ اے قنفذ! تم پیام رسا ہو۔ جاؤ جو کچھ جس طرح سے میں نے کہا ابوبکر سے کہہ دو، اور یہ بھی کہہ دینا کہ یہ بات تم بھی بخوبی جانتے ہو قنفذ جلدی سے ابوبکر کے پاس آیا اور حضرت علیؑ کی تمام باتیں نقل کر دیں۔ ابوبکر نے کہا ہاں! علیؑ سچ کہتے ہیں رسولِ خداؐ نے مجھے خلیفہ نہیں بنایا ہے۔ عمر، ابوبکر کی اس گفتگو سے غضبناک ہو گئے۔ فوراً کچھ کرنے کے لئے اُٹھے، ابوبکر نے جب عمر کی چال ڈھال دیکھی تو فوراً بدل گئے اور دوبارہ قنفذ کو حکم دیا کہ جاؤ، علیؑ سے کہو کہ امیر المومنینؑ کی دعوت قبول کریں قنفذ جلدی سے حضرت علیؑ کے پاس آیا اور اپنا پیغام سنا دیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا خدا کی قسم وہ جھوٹ بولتا ہے وہ خلیفہ رسولؐ نہیں

ہے جاؤ اس سے کہہ دو کہ یہ اسم جسے تم نے اپنے اُوپر لگایا ہے وہ تمہارے لئے نہیں ہے تم خود جانتے ہو کہ امیر المومنین تمہارے علاوہ کوئی اور ہے۔ قنفذ ابوبکر کے پاس آیا اور حضرت علیؑ کی باتیں نقل کر دیں۔ آخر کار ابن خطاب، ابنِ ابوقحافہ کی بیعت کے لئے خانہ حضرت میں گھس گیا، حضرت علیؑ کے باوفا سپاہی مقداد، سلمان، ابوذر، عمار، بریدہ بھی اسی وقت مدد و نصرت کے لئے بیت الشرف میں داخل ہو گئے۔ قریب تھا کہ فتنہ و فساد برپا ہو جائے حضرت علیؑ اپنی مصلحتوں کے پیش نظر بیت الشرف سے باہر تشریف لائے، لوگ حضرت کے پیچھے تھے، سلمانؓ، مقدادؓ، ابوذرؓ، عمارؓ، بریدہؓ، بھی دفاع کے لئے کاملاً آمادہ تھے اور یہی وفادار سپاہی تھے جو کہہ رہے تھے کتنا جلدی تم لوگوں نے رسولؐ خدا کی باتوں کو فراموش کر دیا۔ تمہارا کینہ و حسد تمہارے سینے سے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے خلاف ظاہر ہو چکا ہے۔ بریدہ نے عمر سے کہا اے عمر برادر و وصی رسولؐ خدا اور ان کی اکلوتی بیٹی کی تم نے اہانت کی ہے۔ خالد بن ولید نے اپنی تلوار سے بریدہ پر حملہ کرنا چاہا لیکن عمر نے روک دیا حضرت علیؑ بری حالت میں ابوبکر کے پاس مسجد کی طرف لے جائے گئے۔ ابوبکر نے جیسے ہی علیؑ کو دیکھا کہا علیؑ کو آزاد کر دو۔ حضرت علیؑ نے فرمایا اے ابوبکر اہل بیتؑ و خاندانِ پیغمبرؐ پر کتنا جلدی لوگوں نے حملہ کر دیا۔ کس بنیاد پر زبردستی لوگوں نے تم سے بیعت طلب کی۔ کل تم نے بحکم پیغمبرؐ میری بیعت نہیں کی تھی؟ عمر نے بات کے درمیان ٹانگ اڑائی اور کہا اے علیؑ ان باتوں کو چھوڑو، اگر بیعت نہیں کی تو میں تم کو قتل کر دوں گا، حضرت نے جواب دیا اگر تم نے ایسا کیا تو ایک خدا کے بندے اور برادرِ رسولؐ کو قتل کیا۔ عمر نے کہا! آپ نے جو کہا کہ بندۂ خدا ہیں تو اس کو قبول کرتا ہوں لیکن آپ برادرِ رسولؐ خدا نہیں ہیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میرے رسولؐ خدا کا امر و پیمان نہیں ہوتا تو آج معلوم ہو

جاتا کہ ہم میں سے کون قوی ہے اور کون ضعیف۔ اتنی ساری بحث ہوگئی لیکن ابوبکر دم سادھے رہے بریدہ اُٹھے اور فرمایا اے عمر وہ تم نہیں تھے جس کو رسولِ اسلامؐ نے حکم دیا تھا کہ علیؑ کے پاس جاؤ اور کہو! السلام علیک یا امیر المسلمین اے مسلمانوں کے امیر آپ پر سلام ہو، اب ابوبکر کی زبان کا تالا کھل گیا (عمر کی طرف داری کرتے ہوئے بولے) ایسا ہی ہے جیسا تم کہہ رہے ہو لیکن وہ زمانہ گزر گیا، اب تو کوئی اور مسند نشینِ خلافت ہے بریدہ نے کہا خدا کی قسم، اب اس جگہ نہیں رہوں گا جہاں تمہاری حکومت ہوگی۔ جب قلعی کھل گئی تو عمر بے تاب ہو گئے اور حکم دیا کہ اُنہیں مار کر بھگا دو۔ حاشیہ نشینوں نے بریدہ کو مسجد سے مار کر باہر نکال دیا۔ سلمانؓ نے کہا ابوبکر خدا سے ڈرو، جہاں بیٹھے ہو وہاں سے اُٹھ جاؤ، اس مقام کو اس کے حقدار کے حوالے کر دو اور مسلمانوں میں آپس میں لڑائی کی داغ بیل نہ ڈالو۔ ابوبکر نے سلمانؓ کا کوئی جواب نہ دیا۔ سلمان نے اپنی بات دہرائی تو عمر خشمگین ہو گئے اور کہا کہ تم کو ان سب چیزوں سے کیا مطلب (یعنی تم تو عجمی ہو اور یہ عرب کا مسئلہ ہے) سلمانؓ نے فرمایا خاموش! پھر ابوبکر کی طرف رُخ کیا اور فرمایا خدا کی قسم اپنے اس کام سے ایک دن تم دودھ کے بجائے خون دوھو گے۔ تم کو خوشخبری دیتا ہوں مصیبت کا انتظار کرو۔ خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ حق کی دفاع اور باطل کی سرکوبی و نابودی میرے ذریعہ ہونے والی ہے تو کبھی بھی اپنی اس شمشیر سے دریغ نہیں کروں گا۔ اسی وقت ابوذرؓ، مقدادؓ، عمارؓ، کھڑے ہوئے اور آواز دی یا علیؑ آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔ آپ جو بھی حکم فرمائیں ہم اسے بہ سرو چشم قبول کریں گے۔ اس تلوار سے آپ کی حفاظت کریں گے چاہے قتل ہو جائیں۔ یہ وہ موقع تھا جہاں مقدادؓ نے فرمایا یا علیؑ کیا کہتے ہیں، اگر حکم دیں تو گردن اُتار لیں اگر حکم دیں تو رُک جاویں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا خدا

تم پر اپنی رحمت نازل کرے۔تم لوگ رُک جاؤ، وصیت و پیماں، رسولِ خدا کو یاد کرو اور جنگ سے پرہیز کرو۔ابو بکر منبر پر موجود تھے پھر عمر کی زد پر آئے اور تند لہجے میں کہا کس لئے منبر پر بیٹھے ہو یہ علیؑ ہیں کہ معترض بنے بیٹھے ہیں اور بیعت کے لئے اُٹھتے ہی نہیں، حکم دو ان کی گردن اُتار لوں، امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے جیسے ہی یہ جملہ سنا زار و قطار رونے لگے، آواز دی یا جداہ یا رسول اللہ! حضرت علیؑ نے دیکھا تو سینے سے لگا لیا، فرمایا مت روؤ خدا کی قسم یہ لوگ مجھے قتل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔

پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد جب یہ بحرانِ خلافت سامنے آیا اور اچھے اچھوں کی قلعی کھل گئی تو چالیس افراد حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے خدا کی قسم آپ کے علاوہ کسی کی اطاعت نہیں کریں گے اور کسی کو آپ کی اطاعت پر مقدم نہیں کریں گے، آپ نے ان لوگوں سے فرمایا کیوں کیا وجہ ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا چونکہ غدیر کے دن ہم نے رسولِ اسلامؐ سے آپ کی جانشینی اور آپ کے مقام کے بارے میں سنا ہے۔حضرت علیؑ نے پوچھا تم لوگ حتماً اپنے قول پر باقی رہو گے؟ چالیسوں افراد نے بیک زبان ہو کر کہا، ہاں ضرور! حضرت علیؑ نے آزمائش اور ان کے قول کی حقیقت پرکھنے کے لئے فرمایا کل اپنا سر منڈوا کے اسی حال میں میرے پاس آ جانا (واضح ہو کہ سر منڈوانا عرب میں غلامی کی علامت ہے) وہ لوگ حضرت علیؑ کے پاس سے چلے گئے، لیکن دوسرے روز فقط سلمانؓ، ابوذرؓ، اور مقدادؓ سر منڈوا کر آئے اور کوئی نہ آیا، دوپہر کے بعد عمارؓ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے عمارؓ کے سینے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا خوابِ غفلت سے کیسے بیدار ہو گے، چلے جاؤ مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے تم سر منڈوانے میں میری اطاعت نہیں کر سکتے تو کس طرح

آہنی پتھروں سے میری اطاعت کرو گے، چلے جاؤ میں تمہارا نیازمند نہیں ہوں۔ جب تم اپنے بال کی بازی نہیں لگا سکتے تو سر کی بازی کیسے لگاؤ گے۔

تقریباً دو سال چار ماہ بعد ابو بکر راہی ملکِ جاوداں ہوئے، ابو بکر کی موت کے بعد عمر نے جو ابو بکر کی طرف سے کسی مشورہ کے بغیر خلیفہ منتخب ہو گئے تھے۔ تقریباً دس سال چھ ماہ حکومت کی۔ اس پوری مدت میں جنابِ مقدادؓ اپنے دوسرے ساتھیوں، سلمانؓ وابوذرؓ وعمارؓ کے ساتھ ہمیشہ علیؑ کے ہمراہ رہے اور کبھی ان سے جدا نہ ہوئے، بلکہ ان کے نقشِ قدم پر گامزن رہے اور جب مغیرہ ابن شعبہ کے غلام فیروز المعروف بہ ابولولو نے عمر پر حملہ کر دیا اور ان کو بری طرح زخمی کر دیا تو وہ اپنی زندگی کے آخری لمحے گننے لگے، جب ان کو یقین ہو گیا کہ اب موت کے چنگل سے فرار محال ہے تو وہ جو کہتے ہیں (چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے نہیں جاتا) اس کے مصداقِ کامل اُنہوں نے چند اصحابِ پیمبرؐ کو اپنے پاس بلایا اور سب کی لیاقت اور نالائقی ان کے گوش گزار کی۔ حضرت علیؑ اگر آپ ریاستِ اُمت کی باگ ڈور سنبھالتے ہیں تو لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کریں گے۔ مگر آپ میں کمی یہ ہے کہ آپ مزاح بہت کرتے ہیں (حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ میں بعض مقام پر فرمایا کہ عمر نے صاف صاف دروغ گوئی سے کام لیا ہے) الغرض یہ کہ چھ افراد علیؑ، زبیر، عثمان، طلحہ، سعد بن وقاص، عبدالرحمن بن عوف کو معین کیا کہ یہ لوگ عمر کے مرنے کے بعد ایک جگہ جمع ہوں اور مشاورت کر کے کسی ایک کو چن لیں۔ ابوطلحہ انصاری کو حکم دیا کہ میرے مرنے کے بعد ان لوگوں پر دھیان دیتے ہوئے ایک جگہ جمع کرو اور پچاس افراد کے ساتھ تین دن تک ان پر نظر رکھو تا کہ تین دن کے اندر خلیفہ معین کر لیں اور جب اس رائے میں پانچ آدمی ایک طرف اور ایک شخص مخالف ہو تو اس مخالف کی گردن اتار لینا۔ اسی

طرح اگر چار افراد ہم رائے ہوں اور دو مخالف ہوں تو ان دونوں کو قتل کر دینا اور اگر تین آدمی ایک طرف اور دوسرے تین افراد دوسری طرف ہوں تو خلیفہ وہ ہوگا جس کی طرف عبدالرحمن بن ابن عوف ہوں گے۔ یعنی عثمان کے بہنوئی جدھر ہوں گے، اگر کسی نے کوئی رائے نہ دی تو ان تمام افراد کو موت کی نیند سلا دینا، تاکہ مسلمان خود خلیفہ کا انتخاب کرلیں۔ عمر کی موت کے بعد چھ افراد جمع ہوئے اور گفتگو شروع ہوئی طلحہ نے عثمان کو انتخاب کیا، زبیر نے علیؑ کو اور سعد وقاص نے عبدالرحمن بن عوف کو، پھر عبدالرحمن ابن عوف نے حضرت علیؑ کی طرف رُخ کیا، اور کہا آپ کی بیعت بعنوانِ خلیفہ اس شرط پر کریں گے کہ آپ کتاب وسنت اور سیرتِ ابوبکر وعمر کی پیروی کریں گے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا میں کتابِ خدا، سنتِ رسولؐ اور اپنے اجتہاد پر عمل کروں گا۔ پھر عبدالرحمن نے یہی بات عثمان سے کہی، عثمان نے فوراً قبول کرلیا، یہ بات تین مرتبہ تکرار ہوتی رہی اور حضرت علیؑ نے وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا، لیکن عثمان نے تینوں بار قبول کرلیا۔ اس طرح عثمان خلیفہ ہو گئے۔

جب وہ چھ افراد جن کا تعین عمر نے کیا تھا اُن کے بعد ایک جگہ جمع ہوئے تو مقدادؓ نے بھی درخواست کی کہ اُنہیں اس جلسے میں شرکت کا موقع دیا جائے اور فرمایا کہ میں خیر خواہی کے لئے آیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اپنا وظیفہ انجام دیں جو خدا نے نصیحت وخیر خواہی میرے ذمہ کی ہے لیکن اصرار کے باوجود کسی نے مقداد کو اجازت نہ دی، مقداد نے بھی عقب نشینی نہیں کی اور اپنا وظیفہ انجام دے دیا، با آوازِ بلند اعلان کر دیا اس مرد کی بیعت نہ کرنا جس نے جنگِ بدر میں شرکت نہ کی، بیعتِ رضوانِ رسولؐ خدا کے ساتھ نہ کی اور جنگِ اُحد میں بھاگ گیا۔ مقصودِ مقداد عثمان تھے اس لئے کہ جنگِ اُحد میں سب سے پہلے عثمان نے نے راہِ فرار اختیار کی تھی۔

جنابِ مقداد کی آتش بیانی سے عثمان کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور تڑپ کر بول پڑے۔ خدا کی قسم اگر وہ مسندِ خلافت پر بیٹھ گیا تو تم کو تمہارے پہلے آقا کے پاس بھیج دوں گا۔ یعنی جس طرح پہلے غلام تھے اسی طرح پھر غلامی کی زندگی گزارو گے اور شکنجے اور تکلیف میں زندگی بسر کرو گے۔

عثمان نے تقریباً بارہ سال حکومت کی، مقدادؓ کے آخری دس سال ان کی دور حکومت میں بسر ہوئے اور ہمیشہ کی طرح جنابِ مقدادؓ مثلِ سایہ حضرت علیؑ کے ساتھ ساتھ رہے اور کبھی بھی دشمنانِ علیؑ کی طرف رُخ نہ کیا۔ اس زمانے میں مقداد نے یہی کوشش کی کہ عثمان کی تشکیلات سے کافی دُور رہیں، لہٰذا قریہ (جرف) جو مدینہ کے ایک فرسخ کے فاصلہ پر ہے زندگی بسر کرنے لگے۔ وہاں آپ نے بہت اچھا مکان بنایا تھا جو شان وشوکت کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ تھا اور وہیں زندگی کے آخری لمحات گزارے، یہاں تک کہ پیغامِ موت آ گیا اور آپ جنّت کی طرف سدھار گئے۔ اس مدت میں ہمیشہ عثمان سے مباحثہ کرتے رہے اور کبھی بھی ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھی اور کبھی امیر المومنین نہیں کہا۔

حضرت علیؑ کے قتل کی سازش اور مقداد:-

جب حضرت علیؑ نے مہاجرین و انصار کے مجمع میں استدلال کے ساتھ اپنی حقانیت آشکار کردی اور گھر کی طرف چلے گئے تو ابوبکر بھی اپنا سا منہ لے کر گھر کی طرف ہو لئے، لیکن پریشانی وحیرانی ان کے وجود کا احاطہ کئے ہوئے تھی۔ ایسی صورت میں اپنے مونس ومددگار عمر کو طلب کیا اور اس بات کو ان کے سامنے رکھا۔ عمر نے جواب دیا علیؑ کو قتل کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے، ابوبکر نے کہا یہ کام مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ علیؑ کو کس طرح قتل کیا جاسکتا ہے۔ عمر نے کہا خالد بن ولید اس کام میں بہتر ہوگا۔ ابوبکر نے عمر کی تصدیق کی اور اسی وقت خالد کو بلوایا، خالد

حاضر ہوا اور خوشی خوشی اس رائے کو قبول کرلیا۔ ابوبکر نے کہا اے خالد جب لوگ مسجد میں آجائیں اور نمازِ جماعت شروع ہوجائے تو علیؑ کے پاس کھڑے ہوجانا اور جیسے ہی میں سلام تمام کروں علیؑ پر حملہ کردینا اور ان کا سر تن سے جدا کردینا۔ خالد نے اس عظیم فعل کے لئے خود کو آمادہ کرلیا اسماء انصاریہ (کنیزِ حضرت علیؑ) جو کہ ابوبکر کے حبالۂ عقد میں تھیں اُنہوں نے ابوبکر اور خالد کی پوری باتوں کو سن لیا۔ فوراً اپنی ایک کنیز کو حضرت علیؑ کی خدمت میں روانہ کیا اور اس سے کہا کہ جاؤ اور حضرت کے پاس فقط یہ آیت پڑھ دو۔ اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ کنیز حضرت کے پاس آئی اور یہی آیت سنائی۔ حضرت علیؑ نے کنیز سے فرمایا کہ اسماء سے کہہ دو اِنَّ اللہ يحول بينهم بين ما يريد نقل دیگر میں ہے فرمایا فمن يقتل الناكثين والقاسطين والمارقين۔

ابوبکر جو اپنی تصمیم پر اٹل تھے۔ خوف و ہراس کی وجہ سے ان کی نیند اُڑ گئی تھی اور پوری رات جاگ کر کاٹ دی۔ صبح نماز کے وقت سب لوگ مسجد میں وارد ہوئے خالد اپنی شمشیر حمائل کئے حضرت کے نزدیک کھڑا ہوگیا۔ حضرت علیؑ بھی خالد کی ہر رفتار کو بغور ملاحظہ کررہے تھے، ابوبکر نے نماز شروع کردی اور نماز کے درمیان فکر کے سمندر میں غوطہ زن ہوگئے کہ یہ کام بڑا عظیم ہے۔ بہت خوں ریزی ہوگی اور بلوہ مچے گا، اسی فکر میں ابوبکر نے نماز تمام نہ کی اور اِدھر اُدھر کرنے لگے۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ ابوبکر پر سہو و نسیان طاری ہوگیا ہے۔ آخری کتاب جب سورج طلوع ہونے لگا تو ابوبکر نے نماز کے آخر میں کہا۔ يا خالد لا تفعل فان فعلت قتلتك... السلام عليكم و رحمة الله بركاته اور یہ کہہ کر نماز تمام کردی۔ علیؑ نے خالد کی طرف رُخ کیا اور فرمایا

ابوبکر نے تم کو کس چیز کا حکم دیا ہے۔ خالد نے کہا مجھے تمہارے قتل کا حکم دیا ہے۔ حضرت نے پوچھا کہ تمہارا یہی ارادہ ہے کہ مجھے قتل کرو گے، اس نے کہا اگر مجھے منع نہ کیا ہوتا تو میں آپ کو مار ڈالتا۔ یہ سنتے ہی حضرت نے خالد کا گریبان پکڑا اور زوردار جھٹکا دیا اور اُوپر اُٹھا کر اوندھے منہ زمین پر گرادیا۔ وہ اس طرح گرا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اس قوت سے حضرت اس کے سینے پر سوار ہو گئے اور چاہا کہ خالد کو دیارِ عدم کی سیر کرا دیں۔ اس وقت خالد ایسا حواس باختہ ہوا کہ ڈر کے مارے مسجد نجس کر دی۔ لوگوں حضرت علیؑ کے اردگرد جمع ہو گئے تا کہ خالد کو موت کے منہ سے نکالیں۔ لیکن کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ ایسا کرتا، آخر کار عمر نے کہا علیؑ کو قبرِ رسولؐ کی قسم دے دو۔ وہ خالد کو چھوڑ دیں گے، لوگوں نے علیؑ کو قبرِ رسولؐ کی قسم دے دی کہ خالد کو چھوڑ دیں، حضرت نے خالد کو چھوڑ دیا، اسی وقت حضرت علیؑ عمر کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کا گریبان پکڑ کر کہا، اے فرزندِ ضہاک خدا کی قسم اگر رسولؐ اسلام کی وصیت نہ ہوتی اور قضا و قدرِ الٰہی پیشِ نظر نہ ہوتی تو تم کو معلوم ہو جاتا کہ کون قوی ہے اور کون ضعیف اور کس کے پاس زیادہ افراد ہیں۔ حضرت علیؑ نے اس کے بعد بیت الشرف کا رُخ کیا، اسی وقت مقداد، عباس ابن عبدالمطلب، اور زبیر، ابوذر اور دیگر بنی ہاشم کے ساتھ دفاع کے لئے آمادہ ہو گئے اور اپنی تلواروں کو نیام سے نکال کر غیظ و غضب کے ساتھ ابوبکر و عمر کے خلاف آواز بلند کی۔ اور کہا خدا کی قسم جب تک عمر کو نیست و نابود نہ کر ڈالیں باز نہ آئیں گے۔ اس وقت اس باوفا صحابیوں نے فرمایا اے دشمنانِ علیؑ تم لوگ خدا کے دشمن ہو۔ کتنا جلدی تم لوگوں نے اپنی عداوت محمد و آلِ محمدؐ کے خلاف ظاہر کر دی۔ کل تم لوگوں نے

دختر رسولؐ پر اتنا ظلم کیا اور آج برادر و وصی پیغمبرؐ کے قتل کا ارادہ رکھتے ہو، تم لوگوں نے بہت سارے موقعوں پر قصد کیا کہ رسولؐ اسلام کو بھی قتل کر دو، لیکن ایسا نہ کر سکے۔

مقداد، رسولؐ اللہ کی نظر میں :-

رسولؐ اللہ نے مقدادؓ کی فضیلت میں ایسا جملہ ارشاد فرمایا کہ اگر تاریخ میں اس جملہ کے علاوہ مقدادؓ کی دوسری فضیلتیں جلوہ فگن نہ ہوں تو یہی فضیلت دوسروں کی بڑی بڑی فضیلت پر بھاری ہوتی۔ ایک روز جابر ابن عبداللہ انصاری نے سلمانؓ، ابوذرؓ، عمارؓ اور مقدادؓ کے بارے میں رسولِ اسلامؐ سے سوال کیا۔ حضرت نے سب کے بارے میں کچھ نہ کچھ فرمایا اور جب مقدادؓ تک بات پہنچی تو فرمایا، مقدادؓ تو ہم میں سے ہیں۔ خدا اس کو دشمن رکھے جو مقدادؓ کا دشمن ہے اور خدا اس کو دوست رکھے جو مقدادؓ کا دوست ہے۔

مقدادؓ کی زندگی کے آخری لمحے :-

مقدادؓ نے اپنی ساری زندگی سعادت و افتخار کے ساتھ بسر کی، آخری عمر میں وہ (جرف) میں مقیم تھے۔ ۳۳ھ میں ستر سال کی عمر میں انتقال فرمایا، جب انتقال کا وقت قریب آیا تو فرمایا عثمان کو خبر دے دو کہ میں اپنے رب اوّل و آخر کے پاس چلا گیا۔ وہ مسلمانوں کے درمیان ایک نمایاں اور بے مثال محترم شخصیت کے حامل تھے۔ اس عہد کے اہم لوگوں اور مسلمانوں نے ان کے جنازے کو کاندھا دیا اور ان کی لاش مدینے لائے اور جنّت البقیع میں سپردِ خاک کیا۔ آپ کی نمازِ جنازہ کس نے پڑھائی اس میں اختلاف ہے، بعض روایتوں میں ہے کہ زبیر نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

قصیدہ بیادِ حضرت مقداد

علامہ مانیؔ جائسی

بشر کے فتنے ہیں دونوں، ہے فرق نام نہاد | جوابِ دوزخِ نمرود، جنّتِ شدّاد
مگر عیاں ہے نتیجہ کہ طاقتِ حق نے | ہمیشہ فتنۂ باطل کو کر دیا برباد
حدودِ طاقتِ حق سے قدم نہ رکھ باہر | وگرنہ ہوتے ہیں پیدا یزید و ابنِ زیاد
رہیں نظر میں نمونے وہ شانِ باری کے | عمل نے جن کے ہلا دی ہے کفر کی بنیاد
وہ خاصگانِ خدا جن کے فیضِ باطن سے | رہِ ہدایتِ عالم ہے تا ابد آباد
اُنہی کے دامنِ عصمت سے اعتصام رہے | شرف ہیں آیۂ تطہیر کے جو پاک نہاد
یہ جس مقام سے گزرے وہ خُلد بن کے رہا | قدم سے ان کے سرفراز ہو گئے ہیں بلاد
بڑھی کسی کی ولادت سے شان کعبے کی | کسی شہید سے ہے کربلا بہشت سواد
کسی کے ساتھ زہیر و حبیب و مسلم ہیں | کسی کے ساتھ ہیں سلمان و بوذر و مقداد
فقط اطاعتِ مولا سے کام تھا ان کو | نہ ان کو خواہشِ دنیا نہ جنّت ان کی مراد
اب آ گیا ہے جو ذکرِ صحابیؑ حیدرؑ | تو ایک مطلعِ نو بھی ہے تذکرے کا مفاد
نبیؐ کے بعد بھی جب تک جیے تم اے مقداد | رہے علیؑ ولی ہی کے تابع و منقاد
جہاں خلافِ علیؑ ہو گیا، نہ بدلے تم | جو آبِ زر سے لکھی جائے وہ ہے یہ روداد
رہے اندھیرے اُجالے میں تم رفیقِ علیؑ | انہی کے ساتھ، بہر حال تم رہے دل شاد
تمہیں تھا رشتۂ پیغمبرؐ و وصی معلوم | علیؑ کے حکم کو سمجھے رسولؐ کا ارشاد
علیؑ کے نقشِ کفِ پا تھے ہادیٔ مقصود | غبارِ راہِ علیؑ ہی تھا منزلوں کا سواد
تمہیں یہ فیضِ غلامیٔ حیدرِ صفدر | نعیمِ خُلد مبارک ہو حضرتِ مقداد

مجھے بھی ہے شرفِ بندگیِ شاہِ زمن　　مجھے بھی شوقِ حضوری ہے انتہا سے زیاد

حضورِ خسروِ کون و مکاں میں عرض کرو　　کہ بندِ غم سے کریں اس غلام کو آزاد

بہت دہلتا ہے دل نزع کے شدائد سے　　کسے خبر ہے کہ کیا پیش آئے گی روداد

خیالِ مرقد و برزخ بھی اک قیامت ہے　　یہ سخت مرحلے آسان ہوں جو ہو امداد

بروزِ حشر شفاعت ہو اس وسیلے سے

کہ ہے حضور کا مدّاح مانیؔ ناشاد

جناب عدی بن حاتم

صاحبِ استیعاب نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ اکابر مہاجرین میں سے تھے اور ان کے اسلام لانے کے دن جنابِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بہت خوشی فرمائی تھی اور اپنی ردائے مبارک ان کے لیے بچھادی تھی اور زبان معجز بیانِ سے فرمایا تھا کہ جب تمہارے پاس کوئی کریم آئے تو اس کا اکرام کرو۔ عدی ممدوح جنگِ جمل وصفین ونہروان میں ملازم رکاب ولایت مآب حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام رہے اور جنگِ جمل میں ان کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ زمخشری نے کتاب ربیع الابرار میں تحریر کیا ہے کہ معاویہ نے ایک خط عدی بن حاتم کو لکھا اور اپنی بیعت کی خواہش کی تھی۔ عدی نے دو شعروں میں جواب دیا جس کا مفہوم یہ ہے۔

"یعنی جدال کرتا ہے۔ مجھے اور جھگڑتا ہے معاویہ بن صخر باغی یعنی معاویہ کی طرف جانے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ وہ مجھے ابوالحسن علیؑ کے بارے میں نصیحت کرتا ہے درآنحالیکہ میرا حصہ ابوالحسن کے بارے میں یعنی ان کی محبت میں بہت بڑا ہے"۔

مروی ہے کہ جب عدی بن حاتم کو بعد شہادتِ حضرت علی علیہ السلام مجلسِ معاویہ میں جانا پڑا اور اس مجلس میں عبداللہ بن زبیر، جو جنگِ جمل میں قتل ہونے سے بچ گئے تھے حاضر تھے، عبداللہ نے معاویہ سے کہا کہ اگر تم اجازت دو تو میں ایک

گروہِ قریش کے شمول میں عدی بن حاتم سے باتیں کروں اس لیے کہ شیعوں کا گمان ہے کہ خوش بیانی اور سخنوری میں کوئی ان کا مثل نہیں ہے، معاویہ نے کہا کہ عدی حقیقت میں ایسے ہی حاضر جواب اور زبان آور ہیں جیسا شیعہ انھیں کہتے ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ان سے مناظرہ کر کے تم اپنے کو ضائع نہ کرو اور مجھ کو تکلیف ہو۔

عبداللہ بن زبیر اور تمام حاضرینِ قریش نے اصرار کیا پس عبداللہ نے ابتدا کی کہ اے ابا طریف کس روز تمہاری آنکھ لوگوں نے ضائع کی؟

عدی نے جواب دیا کہ جس روز تمہارے باپ میدانِ جنگ سے بھاگ گئے اور بری طرح سے مارے گئے تھے اور اشتر نے تمہارے سر پر نیزہ مارا تھا جس سے تم بھاگے تھے تب معاویہ نے کہا کہ آخر میں کہتا نہ تھا کہ تم اُن سے مقابلہ نہ کرو۔

کتاب غرور الفوائد ودرالقلائد میں جو مولفات سید محمد مرتضیٰ علم الہدیٰ علیہ الرحمہ میں لکھا ہے کہ جب عدی بن حاتم بعد شہادت حضرت علی علیہ السلام معاویہ کے پاس آئے تو اس نے بطور شماتت ان سے پوچھا کہ تمہارے تینوں بیٹے طریف و طراف وطرفہ کیا ہوئے۔

عدی نے جواب دیا کہ ''حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے'' معاویہ نے کہا کہ ''ابنِ ابی طالب نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ اپنے بیٹوں کو صحیح و سالم رکھا اور تمہارے بیٹوں کو قتل ہونے دیا''۔ عدی نے جواب دیا کہ ''میں نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا اس لیے وہ شہید ہو گئے اور میں زندہ ہوں۔ علّامہ حلّی نے خلاصۃ الاقوال میں تحریر فرمایا ہے کہ عدی بن حاتم طائی منجملہ ان اصحاب کے ہیں جنھوں نے حضرت امیر علیہ السلام کی طرف رجوع کیا اور مستبصر ہو گئے۔

سعید بن قیسِ ہمدانی

بزرگان قبیلۂ ہمدان اور فدائیانِ امیر المومنینؑ سے کتاب فتوح عاثم کوفی نے لکھا ہے کہ سعید بن قیس جنگِ جمل میں سوارانِ میسرۂ لشکرِ حضرت امیر المومنینؑ کے سردار تھے اور جنگِ صفّین میں عدیل بن بدیل بن ورقاء الخزاعی کے ہمراہ سوارانِ جناح کے سردار تھے اور جنابِ امیر المومنینؑ نے اپنے دیوانِ حقائق بیان میں فضائلِ قبیلۂ ہمدان اور جنگِ صفّین میں ان کی جانفشانی کا ذکر فرمایا ہے۔ جنگِ جمل میں آپ برابر حملے پر حملہ کر رہے تھے اور دیگر جاں نثاری کے کارنامے پیش کر رہے تھے۔ ابنِ عاثم کوفی نے لکھا ہے کہ عمر بن حصین سکونی جنگِ صفّین میں علی مرتضیٰ علیہ السلام کے پسِ پشت آیا اور حملہ نیزے کا کرنا چاہتا تھا کہ زخمی کر دے چنانچہ سعید بن قیس نے بڑھ کر اس کو قتل کر دیا اور وہ اشعار کہے جن کا ماحصل یہ ہے کہ ''معاویہ بن سحر کو یہ خبر پہنچا دی جائے کہ ہم ہمیشہ تیرے دشمن رہیں گے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہمارے والد ابوالحسن علیؑ ہیں اور ہم ان کے فرزند ہیں اور ہم سوائے ان کے کسی کو نہیں چاہتے اور یہی عینِ ہدایت ہے اور یہی ہماری بڑی خوش قسمتی ہے''۔ معاویہ نے جب یہ سنا تو اُس نے تمام قبائل یحصب وکندہ ولخم وخرام کو ذوالکلاحِ حمیری کے ہمراہ بھیجا۔ حضرت امیر نے خاص کر قبیلہ ہمدان کو پکارا سب لبیک لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھے حضرت نے فرمایا:-

اس لشکر سے مقابلہ کرو جو معاویہ نے خاص تمہارے لیے بھیجا ہے۔ سعید بن قیس نے معہ اپنے قبیلے کے اس لشکر پر حملہ کر دیا اور صفوں کو درہم و برہم اور منتشر کر دیا حتیٰ کہ ان کو بھگاتے ہوئے سراپردۂ معاویہ تک جا پہنچے اور کئی سردارانِ نامی کو ان میں سے قتل کیا۔ جب مغرب کا وقت ہوا تو ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ حضرت امیر نے اس جنگ کو پسند کیا اور سعید بن قیس کو معہ ان کی قوم کے اپنے سامنے بلایا اور ان کی مدح فرمائی اور فرمایا کہ اے آلِ ہمدان تم بجائے میرے جوشن و سپر و تیر و کمان کے ہو۔ میں ہمیشہ تم سے مدد حاصل کرتا رہا ہوں، اے سعید تو میری چشمِ بینا اور بجائے میرے ہاتھ کے ہے، میں ہر وقت اور ہر کام میں تیری شجاعت و مردانگی اور خردمندی پر اعتماد کرتا رہوں گا۔ قسم خدا کی اگر تقسیم بہشت میرے ہاتھ ہوئی تو اے قبیلۂ ہمدان تم کو بہشت کے بہترین مقام میں اُتاروں گا۔

سعید بن قیس نے عرض کی کہ یا امیر المومنین یہ کام ہم محض خداوندِ عالم کے لیے کرتے ہیں آپ پر کوئی احسان نہیں ہے۔ خداوندِ عالم اس کی جزا اور اس کا ثواب پورے طور پر ہمیں عنایت کرے گا۔ جو خدمت سخت سے سخت ہو وہ آپ ہم سے متعلق کر دیجیے اور جہاں جی چاہے بھیج دیجیے ہم دل و جان سے آپ کو دوست رکھتے ہیں اور آپ کے مطیع ہیں۔ حضرت امیر المومنینؑ نے ان کی تعریفیں فرمائیں اور وہ لوگ اپنی کارگزاری پر مسرور و خوش ہوئے۔ جناب سعد کی بجائے سعید بن قیس معلوم ہوتے ہیں جو کتاب کی وجہ ہے۔ قیس ہمدانی کے علیحدہ حالات نظر انداز کیے جاتے ہیں۔ بس قیس بن سعد بن عبادۃ الانصاری کے متعلق یہ ذکر ملتا ہے کہ آپ صحابۂ سیدِ ابرار میں سے تھے اور طریقِ جنگ آزمائی میں ہر جوان و پیر سے سبقت حاصل کی۔ صاحب استیعاب نے مالک بن انس

سے نقل کی ہے کہ وہ رسالت مآبؐ کے ایسے مقرب تھے جیسے بادشاہوں کے داروغہ مقرب ہوتے ہیں اور روزِ فتح مکہ کبھی علم پیغمبران کے پدرِ بزرگوار سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں رہتا تھا اور کبھی ان کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ جنگِ جمل اور صفین میں یہ حضرت امیر علیہ السلام کے ساتھ رہے اور کبھی آپ سے جدائی نہیں اختیار فرمائی۔ تفصیل کے ساتھ حالات قیس اور ان کے خاندان کی بزرگی کے اِستیعاب میں ملیں گے جن کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ (ترجمہ فتوح)

جناب بدیل خزاعی

کتاب خلاصۂ ابنِ داؤد میں اتنا پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ بن بدیل بن ورقاء خزاعی اور ان کے دونوں بھائیوں محمد و عبدالرحمن کو جنابِ رسالت مآبؐ نے ان کے باپ بدیل کے پاس یمن بھیج دیا تھا اور آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت امیر المومنینؑ کے پاس رہے یہاں تک کہ جنگِ صفّین میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ صاحبِ استیعاب نے لکھا ہے کہ عبداللہ معہ اپنے باپ کے قبل فتح مکہ مسلمان ہوئے تھے اور یہ قبیلۂ خزاعہ کے رؤسا میں سے تھے اور خزاعہ جنابِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے راز دار تھے۔

شعبی نے روایت کی ہے کہ عبداللہ جو بدیل کے فرزند تھے جنگِ صفّین میں دو زرہ پہنے تھے اور دو تلواریں لیے تھے اور اہلِ شام کو قتل کرتے جاتے تھے...... اور برابر تلواریں مارتے اور مقابل کو گراتے جاتے تھے یہاں تک کہ معاویہ کے پاس پہنچ گئے اور اس کو اس کی جگہ سے ہٹا دیا، اصحاب جو اس کی حوالی میں تھے ان کو متفرق کر دیا آخر کار اس کے ساتھیوں نے متفق ہو کر پتھر برسانا شروع کیے اور تلواریں اور تیر بھی مارتے تھے یہاں تک کہ بدیل کے فرزند عبداللہ شہید ہو گئے اور باپ بیٹے نصرتِ حق میں سرفراز ہوئے۔

جنابِ اویسِ قرنی

سہیل ملک یمن اور آفتاب قبیلہ قرن سے متعلق تھے اور تابعین کے آٹھ زاہدوں میں ان کا بھی شمار ہے جنہوں نے زہد کی انتہا کر دی۔ جنابِ خاتم المرسلین نے اویس کی شان میں نفس الرحمن اور خیر التابعین فرمایا ہے۔

اویس عہدِ پیغمبر میں موجود تھے اور غائبانہ آپ پر ایمان لائے تھے لیکن اپنی ضعیف والدہ کی خدمت میں مشغول و مصروف رہتے تھے حتیٰ کہ حضرت سرورِ کائنات کی زیارت سے مشرف نہیں ہو سکے تھے۔ دن کو شتر بانی کرتے تھے اور اس کی مزدوری سے اپنا اور اپنی ماں کا خرچ چلاتے تھے۔

سیّد محمد نور بخش نور اللہ مرقدہٗ نے کتاب ''شجرۂ اولیاء'' میں لکھا ہے کہ اویسِ قرنی مجذوب و مقدس ہیں جن کو رسولِ اکرمؐ نے ولی فرمایا ہے کہ یمن کی طرف سے نفس الرحمن کا احساس کرتا ہوں اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ وہ سیّدِ تابعین ہیں پس جس کی تعریف خود رسولؐ خدا نے فرمائی ہو اُس کو اُمت میں کسی کی تعریف کی کچھ حاجت نہیں۔ جناب حیدر بن علی آملی نے اوائلِ کتاب ''منبع الاسرار'' میں لکھا ہے کہ اویس قرنی کی جلالتِ قدر اور رازدارِ اسرارِ الٰہی ہونے کی وجہ سے جنابِ رسالت مآب جب یمن کی طرف سے ان کے انفاسِ شریفہ کی خوشبو سونگھتے تھے تو فرماتے تھے کہ ''میں یمن کی طرف سے روحِ رحمن سونگھ رہا ہوں''۔ حضرت سلمان نے حضور ختمی مرتبت سے سوال کیا کہ ''وہ کون شخص ہے''؟

حضرت نے فرمایا کہ ''یمن میں ایک شخص ہے جسے اویس قرنی کہتے ہیں۔ وہ روزِ قیامت تنہا ایک امت کے مثل محشور ہوگا اور اس کی شفاعت میں مثل قبیلۂ ربیعہ و مضر کے داخل ہوں گے۔ آگاہ ہو کہ جو شخص تم میں سے انھیں دیکھے وہ میرا سلام پہنچا دے اور ان کو حکم دے کہ وہ مجھے (بلائیں یا) میرے لیے دعا کریں''۔

کتاب ''تذکرۃ الاولیا'' میں ہے کہ جب جنابِ امیرؑ اور عمر نے حسبِ وصیت جنابِ رسالت مآبؐ کے آنحضرت کا سلام اویس کو پہنچایا اور عمر نے ان کو دیکھا کہ وہ ایک ستری گلیم اوڑھے برہنہ سر و برہنہ پا ہیں اور دونوں عالم تونگری کو اپنی گلیم میں چھپائے ہوئے ہیں تو اپنی خلافت انہیں حقیر معلوم ہوئی اور کہا ''کون شخص ایسا ہے جو خلافت مجھ سے ایک روٹی کے عوض میں مول لے لے''۔ اویس نے کہا کہ ''اے عمر کون ایسا بے عقل ہے جو روٹی دے کر خرید کرے گا یہ تو کیا بیچ رہا ہے پھینک دے جس کا جی چاہے گا اُٹھا لے گا''۔

منقول ہے کہ وہ سہیل یمن بعض راتوں میں کہتے تھے کہ یہ رکوع کی رات ہے اور پوری رات سجدے میں بسر کر دیتے تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ سجود کی رات ہے۔ کسی نے ان سے کہا کہ ''اے اویس تم کو عبادت کی اتنی طاقت کیسے حاصل ہوئی کہ ایسی طولانی راتیں ایک حالت میں کاٹ دیتے ہو''؟۔ جواب دیا کہ ''رات طولانی کہاں ہوتی ہے؟ کاش کہ ازل سے لے کر ابد تک ایک رات ہوتی اور میں پوری رات ایک سجدہ میں کاٹ دیتا اور اچھی طرح گریہ و زاری کرتا''۔

''حبیب السیر'' میں مذکور ہے کہ ایک دن اویسِ قرنی آبِ دریائے فرات کے کنارے وضو کر رہے تھے کہ ایک طبل کی آواز کان میں آئی۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیسی آواز ہے لوگوں نے جواب دیا کہ حضرت امیرالمومنینؑ کی فوج جنگِ معاویہ کے لیے جا رہی ہے اویس نے کہا کہ کوئی عبادت میرے نزدیک متابعت

علی مرتضیٰؑ سے افضل نہیں ہے۔

چنانچہ یہ کہہ کر اسی طرف دوڑے اور ملازم رکاب فیض انتساب ہوئے یہاں تک کہ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

کتاب ''تحفۃ الاحیا'' میں عبداللہ بن عباس سے نقل ہے کہ جب ہم لوگ حضرت امیرؑ کے ساتھ مقامِ ذیقار میں پہنچے تو کوفے اور اس کے توابع ولواحق کا لشکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ آج ۲۱ فوجیں ہمارے پاس آئیں گی اور ہر فوج میں ہزار آدمی ہوں گے۔ ابنِ عباس کہتے ہیں کہ میرے قیاس میں یہ امر بعید معلوم ہوا مگر ولایت مآب میرے دل کا حال سمجھ گئے۔ حکم دیا کہ اس صحرا میں دو نیزے نصب کر دیے جائیں تا کہ جو لشکر آئے وہ ان دو نیزوں کے درمیان سے میں ہو کر گزرے۔ لوگوں کو یہ بھی حکم دیا کہ بہت تحقیق کے ساتھ ہر فوج کے افراد کو شمار کیا جائے۔ جب غروب کا وقت قریب ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ ایک آدمی کم ہے وہ بھی آنے والا ہے۔ دیکھا کہ ناگاہ ایک مرد پیادہ پا اپنا سامان باندھے ہوئے پشت پر آرہا ہے۔ نہایت ضعیف ونحیف و لاغر چہرہ زرد غبار آلود ہے۔ جب حضرت کی خدمت میں آیا تو سلام کیا حضرت نے جوابِ سلام دینے کے بعد نام وقبیلہ دریافت کیا۔ عرض کی میں اویسِ قرنی ہوں یا امیر المومنینؑ ہاتھ بڑھایئے کہ میں بیعت تو کرلوں۔ فرمایا تم کس چیز پر بیعت کرو گے، عرض کی اس وعدے پر کہ آپ کی نصرت و مددگاری میں اپنے کو چھوڑ دوں اور اپنا سر آپ پر نثار کر دوں۔

ایک دن اپنی ماں سے اجازت مانگی۔ ماں نے کہا کہ جاؤ لیکن رسولِؐ خدا مکان میں نہ ہوں تو ٹھہرنا نہیں اور فوراً واپس آنا۔ مدینے جب پہنچے مکان پر حضرت موجود نہ تھے فوراً یمن کی طرف واپس ہوگئے۔ آں حضرت جب مکان

میں تشریف لائے تو آپ نے گھر میں ایک نور دیکھا جو کبھی نہ دیکھا تھا۔ دریافت فرمایا کہ دروازۂ مکان سے کوئی آیا تھا؟ جواب ملا کہ ہاں یمن سے ایک شتربان اویس نامی آیا تھا اور سلام کہہ کر واپس گیا حضرت نے فرمایا کہ ہاں۔ یہ اویس کا نور ہے جو خود چلے گئے اور نور بطور ہدیہ ہمارے گھر میں چھوڑ گئے۔

اویسِ قرنی (نجم آفندی)

حُسن کے واقفِ اسرار اویسِ قرنی	اے محبت کے فداکار اویسِ قرنی
تیرے جذبے کا تقدّس ترے احساس کا نُور	عشقِ برحق کا ہے آئینِ وفا کا دستور
کس بلندی پہ ستارے ہیں درخشاں تیرے	قیمتی ہوگئے کتنے دُرِ دنداں تیرے
اُسوہ اس شان کا تاریخ کو مطلوب بھی تھا	ماں کی خدمت بھی غمِ فرقتِ محبوب بھی تھا
جس کی خوشبو سے ہے فطرت کی چمن آرائی	اُس کی محفل میں قرن سے تری خوشبو آئی
جس پہ نازاں ہے طریقت وہ شرف تجھ کو ملا	تجھ سے مضبوط ہوا سلسلۂ اہلِ ولا
جستجو تجھ کو نبیؐ کی تھی علیؑ کو پایا	جس کا شیدا تھا بہر شکل اُسی کو پایا
جلوہ افروز امامتؑ میں رسالت دیکھی	تو نے آئینہ میں محبوب کی صورت دیکھی
تو اک اربابِ تصوّف میں سپاہی نکلا	پھر نہ ایسا کوئی میدان کا راہی نکلا
حق کے اظہار کو صفین کا عنوان ملا	اُحد و بدر سے ملتا ہوا میدان ملا
موت اے مردِ مجاہد تری انگڑائی ہے	سایۂ پرچمِ کرّارؑ میں نیند آئی ہے

تشنہ کاموں میں ترا فیض ہے ساقی اب تک
بزمِ عرفاں میں تری یاد ہے ساقی اب تک

جناب جابر ابنِ عبداللہ انصاری

جناب جابر ابنِ عبداللہ انصاری اصحابِ رسولِ خداؐ سے تھے اور جنگِ بدر اور دیگر اٹھارہ لڑائیوں میں رسولؐ کے ساتھ رہے۔

حضرت امام جعفرِ صادقؑ سے روایت ہے کہ وہ اصحابِ رسولؐ سے سب سے آخر میں باقی رہنے والے شخص ہیں اور ان کی بازگشت ہم اہلِ بیتؑ کی طرف تھی۔

کتاب ''خلاصہ'' میں فصل بن شاذاں سے روایت ہے کہ وہ ان سابقین صحابہ میں ہیں جنھوں نے بعدِ رسولؐ حضرت علی مرتضیٰؑ کی طرف رجوع کیا تھا اور ابنِ عقدہ نے جو اکابر محدثین میں سے ہیں ان کی محبت اہلِ بیتؑ اور متابعتِ اہلِ بیتؑ کی تصریح کی ہے کہ وہ آخران صحابہ کے ہیں جنھوں نے مدینے میں وفات پائی۔ جنگِ صفین میں آپ حضرت علیؑ کے ہمراہ تھے استیعاب میں اس کا ذکر ہے۔ ابوعمر کشی نے لکھا ہے کہ جابر سیاہ عمامہ باندھتے تھے اور مسجدِ نبوی میں بیٹھ کر مسائلِ دینی بیان کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ بولے اور کہنے لگے ''یا باقِرَ العلم'' اہلِ مدینہ نے جب یہ کلمے سنے تو کہنے لگے جابر بن عبداللہ بڈھے ہوگئے ہیں، ہذیان بکتے ہیں، جب یہ بات جابر نے سنی تو انھوں نے کہا کہ خدا کی قسم میں ہذیان نہیں بکتا بلکہ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا ہے کہ تم عنقریب میرے اہلِ بیتؑ میں سے ایسے مرد کو دیکھو گے جس کا نام میرا ہوگا اور جس کے شمائل میرے شمائل ہوں گے، وہ علم کو اس طرح شگافتہ

کرے گا جو شگافتہ کرنے کا حق ہے میں نے یہ کلام معجز بیان پیغمبرؐ اکرام سے سنا ہے مجھ کو ان کے دیکھنے کی بہت آرزو ہے جو مجھے بے اختیار کر رہی ہے۔

ایک دن جابر مدینے کی گلیوں سے گزر رہے تھے کہ امام زین العابدینؑ کے دروازے سے ایک لڑکے کو دیکھا کہ جس سے رسولِ خداؐ کے شمائل ظاہر تھے اپنے پاس بلایا، حضرت سامنے آئے جابر نے کہا ذرا پلٹ جایئے پلٹ گئے۔ جابر نے اپنے جی میں کہا کہ یہ شمائل تو پیغمبر کے شمائل ہیں، ان کو قسم دی کہ آپ کا کیا نام ہے انھوں نے فرمایا محمد بن علی بن الحسین بن علی ابنِ ابی طالب یہ سن کر جابر آگے بڑھے اور انھوں نے سر مبارک پر بوسہ دیا اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کے جدِ امجد نے آپ کو سلام کہا ہے۔ حضرت یہ خبر سن کر متاثر ہوئے اور اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہو کر ذکر کیا۔ جناب زین العابدینؑ نے اس خبر کے افشا ہونے سے اندیشہ فرمایا آخر جابر نے سلام و پیام کو ظاہر کیا اُنھوں نے عرض کی کہ ہاں! امام نے فرمایا کہ اے فرزند اب تم گھر میں بیٹھو اور باہر نہ جاؤ اس لیے کہ لوگ تمہاری طرف رجوع کرنے لگیں گے اور دشمنوں کے مظالم ہم پر بڑھ جائیں گے۔ بعد ازاں جابر ہر صبح و شام امام محمد باقرؑ کی خدمت میں تنہا حاضر ہوتے تھے اور علم کی باتیں سیکھتے تھے۔ اہلِ مدینہ اس امر سے تعجب کرتے تھے۔

یہ ذکر ''روضۃ الشہداء'' میں اس طرح ہے:-

آخر عمر میں جابر کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ ایک دن امام محمد باقرؑ اپنے عنفوانِ شباب میں ان کے پاس تشریف لائے اور ان پر سلام کیا جابر نے جوابِ سلام دے کر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ فرمایا محمد بن علی بن حسین ہوں۔ جابر نے عرض کی کہ اے سردار میرے پاس آیئے اور اپنا ہاتھ مجھے دے دیجئے۔ امام نے اپنا ہاتھ جابر کے ہاتھ میں دے دیا، جابر نے ہاتھ پر بوسہ دیا اور چاہا کہ پاؤں پر بھی

بوسہ دیں لیکن امام نے پاؤں نہ دیئے۔ جابر نے عرض کی کہ اے فرزند رسولؑ حضرت رسولؐ خدا نے آپ کو سلام کہا ہے امام نے فرمایا "علیٰ رسول اللہ السلام و رحمتہ اللہ وبرکاتہٗ پھر جابر سے فرمایا کہ" اے جابر اس کا حال بیان کرو"۔ جابر نے عرض کی کہ" ایک روز میں رسولؐ خدا کے ساتھ تھا۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ اے جابر شاید تم اس وقت رہو کہ میرے ایک فرزند سے ملاقات کرو جن کا نام محمدؑ بن علی بن حسین ہو۔ خداوندِ عالم اس کو اپنا نور اور حکمت دے گا، اسے میری طرف سے سلام پہنچا دینا" نیز کتاب کشی میں مذکور ہے کہ جابر عصا ہاتھ میں لیے ہوئے کوچہ ہائے مدینہ اور وہاں کی مجالس میں جاتے تھے اور کہتے تھے "علی خیر البشر میں ابیٰ فقد کفر" یعنی علی خیر البشر ہیں جو شخص اس سے انکار کرے یقیناً کافر ہے" اور اے گروہِ انصار اپنی اولاد کو محبتِ علی ابنِ ابی طالبؑ کے ساتھ ادب سکھاؤ جو شخص انکار کرے اس کی ماں کی حالت پر غور کرو۔

اس مفہوم کا شعر ملاحظہ ہو۔

محبتِ شے مرداں مجوزِ بے پدرے
کہ دستِ غیر گرفتہ است پائے مادرِ اُو

یہ جابر وہی مقدس بزرگ ہیں جو اوّل زائر قبر سید الشہداء علیہ السلام ہوئے اور اسی روز اہلِ بیت کا قافلہ قید سے چھوٹ کر قبرِ سیّد الشہدا پر پہنچا تھا اور جنابِ زینبؑ خاتون ثانیِ زہرا بھائی کی قبر پر فریاد و نالہ وزاری فرما رہی تھیں۔

جابر کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ آپ مقامِ صبر تک پہنچے ہوئے تھے۔ جابر آخر عمر میں مبتلائے ضعفِ پیری ہو گئے تھے۔ امام محمد باقر علیہ السلام آپ کی حالت معلوم کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ (اوصاف الاشراف)

حضرت ابوایوّب انصاری

حضرت ابوایوّب انصاری زید کے فرزند تھے۔ نام ان کا خالد تھا لیکن کنیت نام پر غالب آ گئی تھی انھوں نے جنگِ بدر اور دیگر جنگوں میں مثلاً جنگِ جمل و صفین و نہروان میں حضرت امیر المومنینؑ کی ہمراہی میں جہاد کیا۔ "فتوح ابن عاثم کوفی میں "مذکور ہے کہ ابوایوب نے زمانۂ جنگِ صفین میں ایک روز لشکرِ حضرت علیؑ سے نکل کر لشکر شام سے مبارز طلبی کی، بہت پکارا مگر کوئی مقابلے کے لیے نہ آیا حتیٰ کہ آپ معاویہ کے خیمے تک پہنچ گئے۔ معاویہ خیمے کے در پر کھڑا تھا ابوایوب کو دیکھ کر بھاگا اور دوسرے دروازے سے نکل گیا۔ بہت نامی آدمیوں کو زخمی کر کے بھگا دیا۔

معاویہ کی طرف ایک شخص نے جس کا نام مترفع بن منصور تھا کہا کہ "اے معاویہ اس کی فکر نہ کرو میں اسی طرح علیؑ کے خیمہ کی طرف جاتا ہوں اگر علیؑ کو پالیا تو ان کو زخمی کر کے آؤں گا" یہ کہہ کر گھوڑا بڑھایا اور حضرت امیر کے خیمہ کی جانب بڑھا ناگاہ ابوایوّب انصاری کی نظر پڑ گئی بالآخر ایسا وار کیا کہ وہ قتل ہو گیا اور لوگ نہ سمجھ سکے کہ وہ قتل ہو گیا۔ ابوایوب کی تیز دستی پر سب متعجب ہوئے۔

ابوایوّب معاویہ کے زمانے میں جنگِ روم گئے تھے اثنائے راہ میں بیمار ہو گئے اور وصیت فرمائی کہ جہاں پر لشکرِ کفار سے ملاقات ہو اسی جگہ مجھے دفن کر دینا۔ چنانچہ اس وجہ سے شہر استنبول کے باہر شہر پناہ کے قریب دفن ہوئے۔ روضے پر آپ کے مسلمان و نصاریٰ دونوں طلبِ باراں کے لیے دعا مانگنے آتے

ہیں۔صاحبِ استیعاب نے لکھا ہے کہ جب اہلِ روم لڑائی سے فارغ ہوئے تو انھوں نے ارادہ کیا کہ ابوایوب کی قبر کھود ڈالیں۔ناگاہ اس روز بہت زور کی بارش ہوئی یہ طوفانی کیفیت دیکھ کر لوگ خائف ہوئے اور باز رہے۔

آپ جلیل القدر صحابی امیر المومنینؑ کے تھے۔آپ صاحبِ نخلستان تھے۔ مکان آپ کا دو منزلہ تھا۔آپ کے یہاں پارچہ بافی ہوتی تھی اور کپڑا بُنا جاتا تھا۔ جب بعدِ ہجرت رسولِ کریمؐ مدینے پہنچے تو شہر کے باہر ٹھہرے۔انصار زیارت کو آتے تھے اور ہر شخص کی آرزو تھی کہ آپ ہمارے گھر میں قیام فرمائیں۔اونٹنی تمام جگہ پھری بالآخر حضرت ابوایوب کے دروازے پر بیٹھ گئی اور آپ وہیں اتر پڑے۔سات ماہ ان کے مکان میں قیام پذیر ہوئے۔آپ عبادت گذار، پابندِ شریعت حافظِ قرآن، بہادر جری تھے۔جب رسولِ اکرمؐ نے وفات پائی تو معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جناب ابوایوب اس موقعے پر موجود تھے۔جناب ابوایوب کی ذات تمام مسلمانوں میں غیر اختلافی ہے۔آپ جنگِ جمل اور صفین و نہروان تینوں لڑائیوں میں شریک رہے اور علی کی معیت میں رہے۔جنگِ جمل بصرہ کے قریب ہوئی تھی، پھر جنگِ صفین ہوئی اور اسی کے ساتھ ہی نہروان کی لڑائی ہوئی، آپ کو میزبانی رسول کا شرف حاصل تھا۔سالِ وفات ۵۱ ہجری ہے اور مزارِ ایوبی استنبول قسطنطنیہ میں ہے، بڑی شاندار عمارت ہے جس میں مسجد و خانقاہ، مدرسہ اور مہمان خانہ ہے اور یہ مزار مرکزِ زیارت بنا ہوا ہے۔

قومِ نوربافؔ (یعنی جولاہے) کا خیال ہے کہ ہم لوگ ابوایوب انصاری کی شاخ اور سلسلے سے ہیں اور یہ کپڑا سازی جو ہمارے جد کے یہاں ہوتی تھی اسی میں ہم کو ترقی کرنا چاہیئے اور ہینڈ لوم صنعت میں اضافہ ہمارا فرض ہونا چاہیے۔ جولاہے فی زمانہ تقریباً سب اپنے کو انصاری کہتے ہیں لہٰذا ہمیں بھی ان سے

اختلاف کی کوئی وجہ نہیں کہ حقیقت کا کیا رخ ہے۔ ہمیں تو یہ کہنا ہے کہ اگر وہ اپنے
کو حضرت ابوایوب انصاری کی نسل سے سمجھتے ہیں تو جُوان کے کردار اور خیالات
ہیں یعنی جنگِ جمل وصفین ونہروان کی شرکت تو پھر ان کو سیرتِ معاویہ اور یزید
سے دوری اختیار کرنا فرض ہے ورنہ وہ خلفِ صادق نہیں ہو سکتے۔ یہ ہمیں تسلیم ہے
کہ ایامِ عزا میں جو انصاریان تعزیہ داری میں اپنا جوش نصرت پیش کرتے ہیں وہ
تو اسی خون کا اثر معلوم ہوتا ہے لیکن برخلاف اس کے عقائد میں اختلافی صورتیں
پیدا ہو جائیں یہ ان کی نسل کا اثر نہیں ہو سکتا بلکہ عقائد کی طرف متوجہ ہونا بھی
ضروری ہے۔

سُلیم بن قیس الہلالی

تابعی کبیر الشیخ ابو صادق سُلیم بن قیس الہلالی العادی الکوفی خواص امیر المومنین امام علیؑ ابن ابی طالب، امام حسینؑ، امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقر علیہم السلام میں سے ہیں۔ آپ معصومین علیہ السلام کے درمیان ثقہ تھے آپ کی کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اپنے موضوع کی پہلی کتاب ہے۔

سُلیم کا نام نامی اسلامی تاریخ کے صفحات میں سونے کے حروف سے لکھے جانے کا مستحق ہے۔ سُلیم کی اصل بنی ہلال بن عامر ہے یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے حجاز کو اپنا وطن بنالیا تھا اور جناب اسماعیل بن ابراہیمؑ کی اولاد میں سے تھے۔

سُلیم کی پیدائش ہجرت سے دو سال قبل ہوئی تھی اور آپ کی عمر رسول مقبول صلی علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے وقت تقریباً بارہ ۱۲ سال تھی۔

سُلیم بن قیس رسولؐ اسلام کی وفات کے بعد دورِ خلافت ثانیہ میں عازم مدینہ ہوئے اور اسی عہد میں آپ نے اپنے علمی جہاد کا آغاز کیا اس وقت سُلیم کی عمر تقریباً سولہ ۱۶ سال تھی۔

سُلیم نے مدینہ میں اصحابِ رسول اعظمؐ سے فرداً فرداً ملاقاتیں کیں۔ ان سے احادیث رسولؐ سنیں، سُلیم امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ کے اصحاب کرام سلمان، ابوذر اور مقداد وغیرہ سے ملاقات کرتے تھے،

ان سے استفادہ کیا سیرت مرسل اعظم اور احادیث کی معلومات حاصل کیں۔

واقعہ سقیفہ کی تفصیلات سُلیم نے تین اصحابِ رسولؐ سے حاصل کیں۔ سلمان، عبداللہ ابنِ عباس اور براء ابنِ عازب۔ یہ سب کے سب قضیہ سقیفہ میں حاضر تھے اور اس کے شاہد تھے۔ اس طرح سُلیم نے اپنے زمانے میں تمام واقعات کو بچشم خود دیکھا۔ عہد امیر المومنین واقعہ جمل، ۴۰ ہجری میں واقعہ نہروان اور شہادت امیر المومنین۔ سُلیم کا تعارف امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام سے عہد امیر المومنینؑ میں ہی ہو چکا تھا بعض روایات بھی ان دونوں اماموں سے نقل کی ہیں۔

سُلیم کوفہ بھی پہنچے وہاں کے حالات کا مشاہدہ کیا معاہدہ صلح امام حسنؑ اس کے بعد امام حسن علیہ السلام کا وہ خطبہ بھی سنا جو آپ نے مصالحت کے بعد ارشاد فرمایا تھا۔ شہادت امام حسن علیہ السلام کے بعد ۵۰ ہجری میں سُلیم کوفہ سے پھر مدینہ پہنچے اور وہاں جو کچھ رونما ہوا دیکھا۔ امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد سُلیم کا شمار اصحاب امام حسین علیہ السلام میں ہو گیا۔ ۵۱ ہجری میں حاکمِ شام کی موت سے دو سال پہلے آپ نے امام حسین علیہ السلام کی معیت میں حج کی سعادت حاصل کی اور مجلس امام علیہ السلام میں حاضر ہوئے جو کہ مقام منیٰ میں منعقد ہوئی تھی اس میں تقریباً ۷۰۰ کبار اصحاب اور تابعین موجود تھے اس موقع پر امام نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا سُلیم نے اس کو اپنی کتاب میں وارد کیا ہے۔ تاریخ کے صفحات میں سُلیم کے احوال کے فقدان کی اصل وجہ ۶۱ ہجری میں واقعہ کربلا ہے جس کو سُلیم نے بڑے صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا کیونکہ سُلیم اس وقت عبیداللہ ابن زیاد کی قید میں تھے اس طرح آپ کے لیے امام حسین علیہ السلام کی نصرت کرنا ممکن نہیں تھا۔ سُلیم نے جب امام زین العابدین اور امام محمد باقر علیہ السلام سے ملاقات کی اس وقت امام محمد باقر علیہ السلام کا سن شریف ۷ سال یا اس سے زیادہ تھا۔

سُلیم کی کتاب کے بارے میں امام زین العابدین علیہ السلام کی زرّیں رائے سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سُلیم امام کے نزدیک کتنے ثقہ تھے۔

ابان بن ابی عیاش کہتے ہیں ''جس سال میں نے حج کیا اسی سال امام زین العابدین علی بن الحسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا وہاں ابو طفیل عامر بن واثلہ الکنانی صحابی رسولؐ اللہ موجود تھے اور آپ حضرت علی علیہ السلام کے بہترین اصحاب میں سے تھے اور وہاں تھے علی بن ابی سلمہ جو کہ اُمّ سلمہ زوجہ نبیؐ کے فرزند تھے ان سے بھی ملاقات کی اور میں نے (سُلیم کی) کتاب ابی طفیل عمر بن ابی سلمہ اور امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی۔ امام وہاں تین دن تک شبانہ روز تشریف فرمارہے۔ عامر اور علی وہاں آتے تھے اور کتاب کو امام علیہ السلام کو پڑھ کر سناتے تھے۔ امام نے فرمایا ''سچ کہا سُلیم نے خدا اس پر رحمت نازل فرمائے یہ ساری حدیثیں ہم نے سنی ہیں''۔

سُلیم کے بارے میں جبکہ کبار علماء اسلام کی توثیقات کثرت سے ہیں مگر اس سے بھی بالاتر یہ امر ہے کہ سُلیم کے لیے پانچ آئمہ معصومین علیہ السلام کی تصدیق ہے خصوصاً امام سجاد علیہ السلام جنھوں نے آپ کی تمام کتاب کی تصدیق کی اور دعائے رحمت فرمائی یہ گواہی امام معصوم کی کافی ہے۔ کیسی اچھی گواہی اور کیسا اچھا گواہ ہے۔ امام جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام کتاب سُلیم کے لیے فرماتے ہیں ''وہ ہمارے شیعہ اور محبّین میں سے نہیں ہوسکتا جس کے پاس کتاب سُلیم بن قیس الہلالی نہ ہو۔ وہ ہماری اولاد اور اسباب کے بارے میں نہیں جانتا وہ (کتاب سلیم) ابجد شیعہ ہے اور وہ اسرارِ آلِ محمد علیہ السلام میں ایک مخفی راز ہے''۔

ا۔ ''ابان ابنِ ابی عیاش نے سُلیم کے لیے فرمایا ''میں نے ایسا مرد نہیں دیکھا جو اتنا بلند مرتبہ بزرگ ہو اور شدت کے ساتھ اجتہاد کرتا ہو اور اتنا طویل

حزن کرنے والا، اپنے کو شدت کے ساتھ گمنامی میں بسر کرنے والا اور ایسا شخص نہیں دیکھا جو اپنی شہرت سے اتنا بغض رکھتا ہو"۔

۲۔ ابان نے کہا جس کو ابنِ ندیم نے اور عقیقی نے نقل کیا ہے (سُلیم) ایک بزرگ عبادت گذار تھے اور جس کی پیشانی سے نور ساطع ہوتا تھا۔

۳۔ برقی نے اپنی کتاب رجال میں اولیاء اصحاب امیر المومنین علیہ السلام میں ذکر کیا ہے اور اس کو علامہ نے اپنے خلاصہ میں ذکر کیا ہے۔

۴۔ ان روایات کا ذکر برابر ہے جس کو شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے کتاب الاختصاص میں ذکر کیا ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سُلیم شرطۃ الخمیس میں تھے شان شرطۃ الخمیس کے بارے میں جو وارد ہوا ہے اس کو ملاحظہ کرنے کے بعد جلالت سُلیم معلوم ہو سکتی ہے۔

۵۔ الکشی نے کتاب رجال میں وارد کیا ہے کہ دو روایات سُلیم کے لیے تصدیق آئمہؑ کے بارے میں دلالت کرتی ہیں اور وہ دونوں روایات مفتتح کتاب سُلیم میں موجود ہیں سُلیم کا ذکر شیخ ابوالعباس نے اپنی رجال کشی میں سُلیم کی تصنیف کو زمرہ متقدمین سلف صالح میں کیا ہے۔

۶۔ ابنِ قتیبہ دینوری نے اپنی معارف میں برزقہ میں مسلمین اور مشہورین کے فرق کے ذکر میں شیعہ کے عنوان سے (سُلیم کا ذکر) کیا ہے۔

شیعہ:- حضرت الاعور۔ صعصعہ بن صوحان، اصبغ بن نباتہ، عطیہ العوفی، طاؤس، اعمش، ابواسحاق السبیعی اور ابوصادق۔۔ (پھر کہتے ہیں) میں کہتا ہوں ابوصادق سے مراد سُلیم بن قیس ہلالی ہیں جس طرح اس کا احتمال ہے کہ اس سے مراد ابا صادق بن عاصم الجرمی ہیں جس کا ذکر برابر آیا ہے۔

❀❀❀❀

جناب عبداللہ بن عباس

اصحابِ امیر المومنینؑ میں ان کی شخصیت گوناگوں حیثیتوں سے بہت اہم ہے اور جنابِ امیر المومنینؑ سے آپ کے اخلاص ومحبت کی احادیث کو درایتی حیثیت سے بہت اہمیت حاصل ہے اس لیے کہ جتنے گہرے حجابات کے باوجود حقیقت نمایاں ہو جائے اور اس کے پُرقوت ہونے کی قوی ترین دلیل ہے۔

ایک طرف بنی امیہ اور ان کے ہوا خواہوں کی یہ پالیسی کہ اہلِ بیتِ رسول کے خلاف جو بات بھی لکھنا ہو وہ ان کے کسی عزیز کی طرف نسبت دے کر کہی جائے اسی لیے جنابِ عباس کی زبانی اس قسم کی باتیں تصنیف کی گئیں جو امیر المومنینؑ کی حقانیت کے خلاف بطور سند پیش کی جاسکتیں، اور اس پر جناب عبداللہ ابن عباس کی طرف اس قسم کے حکایات منسوب کیے گئے جو اس بات کا پتہ دیں کہ انھیں جناب امیرؑ کے طرزِ عمل سے اتفاق نہ تھا۔

یہ کام ڈیڑھ دوسو برس تک بنی اُمیہ کے زیرِ سرپرستی ہوتا رہا اور اس کے بعد برسرِ اقتدار، ان ہی جنابِ عبداللہ ابنِ عباس کی طرف نسبی حیثیت سے نسبت رکھنے والے بنی عباس برسرِ اقتدار آئے جنھوں نے اگرچہ سلطنت آلِ محمدؐ کے نام پر اور ان کے ساتھ خلقِ خدا کی ہمدردی کی بدولت حاصل کی تھی مگر بعد میں انھیں بھی اپنے اقتدارِ ملکی کے تحفظ کے لیے ضرورت اس کی محسوس ہوئی کہ آلِ رسولؐ کو نذرِ تغافل کیا جائے، اور وہ اپنے کو زیادہ حقدارِ وراثتِ رسولؐ ثابت کریں اس

لیے ان کا نصب العین حتی الامکان یہ تھا کہ بنی عباس کی فوقیت ثابت ہو اور لوگ علیؑ و اولادِ علیؑ کو بھول جائیں۔ اس عناد کی حد متوکل کے دور میں تو اس منزل تک پہنچی کہ بھرے ہوئے دربار میں حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ کی نقل بنائی جاتی تھی اور بادشاہ وارکانِ سلطنت قہقہے لگاتے تھے۔

اس صورت میں عباسی سلطنت کی پالیسی کا کہاں تقاضا تھا کہ جنابِ عبداللہ ابنِ عباس کے اس اخلاص وارادت کے روایات جو انھیں حضرت امیر المومنین علی ابنِ ابی طالبؑ سے تھا یا آپ سے ان کے کسبِ فیوض کے اعترافات منظرِ عام پر آسکیں مگر اس سب کے بعد یہ حقانیت کی طاقت سمجھنا چاہیئے کہ جناب عبداللہ ابن عباس کی حضرت امیر المومنین علی ابنِ ابی طالب کے ساتھ انتہائی وابستگی اور علمی و عملی طور پر آپ کے زیر سایہ تربیت پانا، تاریخ اور رجال وسیر کی ایسی ناقابلِ انکار حقیقت ہے جس کے شواہد کسی زیادہ جستجو کے محتاج نہیں بلکہ معمولی سے ذوقِ مطالعہ رکھنے والے کو بھی کسی شاذ و نادر کتاب میں نہیں بلکہ متبادل علمی و تاریخی ماخذوں میں نمایاں نظر رہیں گے۔

ولادت:

جنابِ عبداللہ ابنِ عباس ہجرت کے تین سال پہلے پیدا ہوئے اور اس لیے وفاتِ پیغمبرِ خدا کے وقت آپ کی عمر تیرہ برس کی ہوتی ہے۔ ایک روایت میں اس سے کم یعنی دس برس اور ایک میں اس سے زیادہ یعنی پندرہ برس بھی وارد ہے مگر پہلا قول زیادہ ترجیح ہے۔

عرب میں تیرہ برس کی عمر کا بچہ جوانی کی منزل سے قریب ہوتا تھا اس لیے جنابِ رسالت مآبؐ کے اقوال وافعال کے متعلق ان کے جو روایات یا تاثرات ہوں انھیں بے وقعت نہیں سمجھا جا سکتا۔ ''استیعاب'' علّامہ ابن عبدالبر اور ''اصابہ''

حافظ ابنِ حجر وغیرہ میں یہ بھی وارد ہے کہ آپ کی ولادت کے بعد کمسنی ہی میں دو مرتبہ حضرت پیغمبرؐ خدا نے ان کے لیے علم و حکمت کے عطا ہونے کی دعا فرمائی جس کے الفاظ چاہے مختلف ہوں مگر مفہوم تقریباً ایک ہے۔ مثلاً کہیں یہ ہے **اللّٰھم علّمه الحکمة و تاویل القران** (پروردگارا اسے حکمت اور تاویلِ قرآن کا علم عطا فرما) کہیں ہے **اللّٰھم فقھہ فی الدّین و علّمه التّاویل** (پروردگارا اسے فہمِ دین اور علمِ تاویل عنایت فرما) کہیں ہے **اللّٰھم زدہ علماً و فقھاً** (پروردگار اس کے علم و فقاہت میں اضافہ کرنا)۔

پیغمبرِ اسلامؐ کی یہ حدیثیں خود بابِ مدینۃ العلم اور بابِ دارالحکمہ سے ان کے ہمیشہ وابستہ رہنے کی ضمانت تھیں اس لیے کہ اصل علم و حکمت وہی ہے جو اصلی سر چشمہ علم و حکمت سے حاصل ہو۔

ابتدائی تاثرات:-

اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ پیغمبرِ خدا کے بعد جب سیاست کی ہوا نے اکثریت کو دوسرے رخ پر منتشر کر دیا تو جنابِ عبداللہ ابنِ عباس باوجود کم عمری کے پختہ کاری کے ساتھ اُسی حقیقت سے وابستہ رہے جو ان کی صحیح معرفت کا تقاضا ہو سکتی تھی۔

وفاتِ رسالت مآبؐ کے قبل ہی سے جو ناگوار واقعات سامنے آرہے تھے ان پر جنابِ عبداللہ ابنِ عباس ایک ذہین صاحبِ نظر مکمل انسان کی طرح غور کر رہے تھے، اور اس سے شدید طور پر متاثر تھے چنانچہ صحاح ستہ کی سب سے اہم کتاب صحیح بخاری (مطبوعہ کرزن پریس، دہلی نصف دوم صفحہ ۸۴۸) بنی باب یقول المریض قوموا عنی میں ہے کہ حضرت ابنِ عباس نے کہا کہ جب رسالت مآبؐ کے احتضار کا عالم تھا اور اس وقت گھر میں بہت سے لوگ تھے جن میں عمر بن الخطاب بھی تھے تو حضرتؐ نے فرمایا کہ آؤ میں تم کو ایک تحریر لکھ دوں جس کے

بعد تم گمراہ نہ ہوگے، جنابِ عمر نے کہا کہ رسالت مآبؐ پر اس وقت مرض کا غلبہ ہے، قرآن تمہارے پاس موجود ہے اور ہمارے لیے خدا کی کتاب کافی ہے۔ گھر والوں میں اس وقت اختلاف ہوا، کچھ لوگ کہتے تھے کہ قلم و دوات دینا چاہیئے تا کہ رسالتؐ مآب ایسی تحریر لکھ دیں جس کے بعد گمراہی سے محفوظ ہو جاؤ اور کچھ لوگ وہی کہتے تھے جو عمر نے کہا تھا۔ جب شور ہوا اور جھگڑا ہونے لگا تو رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ "میرے پاس سے اٹھ جاؤ" اس کے بعد بخاری میں ہے

ابنِ عباس کہتے ہیں کہ مصیبت سب سے بڑی وہی تھی کہ رسالتؐ مآب کو وہ تحریر لکھنے کا موقع نہ دیا گیا جو آپ لکھنا چاہتے تھے۔

یہ ایک معمولی بچے کی بات نہیں ہے بلکہ ایک پوری سیاست اسلام کا تجزیہ کر لینے والی نظر کا جائزہ ہے جس نے اصل سنگِ بنیاد کو دریافت کر لیا جس پر بعد کی صدیوں کی سیاست کی عمارت قائم ہوئی۔

پیغمبرِؐ خدا کے بعد آپ نے اپنے علمی استفادے کا مرکز حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ کو قرار دیا اور باوجود اپنی کم عمری کے وہ امتیاز حاصل کیا کہ علامہ ابنِ عبداللہ کے الفاظ استیعاب میں یہ ہیں لقد کان عمر یعدہ للمقصدات یعنی عبداللہ ابنِ عباس کو حضرت عمر علمی مشکلات کے حل کرنے کے لیے ذخیرہ رکھتے تھے۔ علامہ ابنِ حجر مکی مصنف "صواعقِ محرقہ" نے بھی منہج مکیہ شرحِ قصیدۂ ہمزیہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر ابنِ عباس کو اکابر شیوخ مہاجرین و انصار پر ترجیح دیتے تھے، اس لیے کہ ان کے پاس دعائے رسولؐ کی برکت سے وہ علم پاتے تھے جو اُن کے پاس نہ پاتے تھے۔ (منہج مکیہ مطبوعہ مصر ۱۳۰۷ھ صفحہ ۲۲۷ و صفحہ ۲۲۸)

تبحر علمی:-

حضرت عمر کے علاوہ دوسرے صحابہ بھی ان کی بلندی علمی کے معترف تھے۔

جناب عبداللہ ابنِ مسعود کا قول ہے (کیا کہنا ترجمان القرآن ابنِ عباس کا اگر ہماری عمر کے ہوتے تو ہم میں سے کوئی ان سے بات نہ کر سکتا۔ طاؤس یمانی کا قول ہے کہ میں نے پانچ سو اصحابِ رسولؐ ایسے دیکھے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کو ابنِ عباس اُس کی غلطی پر متنبہ کرتے تھے اور اسے اقرار کرنا پڑتا تھا۔

مسروق کا قول ہے کہ جب میں عبداللہ ابنِ عباس کو دیکھتا تھا تو کہتا تھا اجمل الناس (سب سے زیادہ خوبصورت) اور جب بات کرتے تھے تو کہنا پڑتا تھا کہ افصح الناس اور جب حدیثیں بیان کرنے پر آتے تھے تو ماننا پڑتا تھا کہ اعلم الناس۔

سید مرتضیٰ زبیدی نے ''شرح احیاء العلوم'' میں لکھا ہے کہ حافظ ابو نعیم نے ''حیلۃ الاولیاء'' میں ابو صالح کی روایت درج کی ہے کہ میں نے ابنِ عباس کی علمی صحبت کا ایسا واقعہ دیکھا ہے کہ جس پر اگر تمام قریش ناز کریں تو بجا ہے۔ میں نے دیکھا کہ دروازے پر اتنے لوگ مختلف مسائل کی تحقیق کرنے والے جمع ہو گئے کہ راستہ بند ہو گیا۔ نہ اِدھر کا کوئی آدمی اُدھر جا سکتا اور نہ اُدھر کا اِدھر آ سکتا۔ میں اندر گیا اور میں نے ابنِ عباس کو اطلاع دی کہ اتنے لوگوں کا مجمع ہے۔ انھوں نے وضو کیا اور اپنی جگہ پر آ کر بیٹھے، کہا کہ باہر جاؤ اور کہو کہ جو لوگ الفاظِ قرآن اور اس کے حروف کے متعلق سوال کرنا چاہتے ہیں، وہ اندر آئیں میں گیا اور میں نے ان لوگوں کو اندر آنے کی اجازت دی۔

وہ لوگ آئے یہاں تک کہ تمام گھر بھر گیا، انھوں نے اپنے اپنے مسئلے دریافت کیے اور ابنِ عباس نے جو کچھ انھوں نے پوچھا وہ بتایا اور کچھ اپنی طرف سے اضافہ کر دیا۔ پھر انھوں نے کہا کہ بس اب اپنے دوسرے بھائیوں کو موقع دو، وہ لوگ اٹھے اور باہر گئے۔ ابنِ عباس نے مجھ سے کہا کہ جاؤ اور کہو کہ جو لوگ تفسیرِ قرآن اور تاویل کے متعلق سوال کرنا چاہتے ہیں وہ اندر آئیں۔ روایت

طولانی ہے جس میں اسی طرح مختلف علوم وفنون کے طلاب کے جمع ہونے اور اپنے سوالات سے کچھ زیادہ ہی معلومات حاصل کرنے کا تذکرہ ہے۔

جناب ابنِ عباس کے اعترافات:-

باوجود اس مقبولیت اور مرجعت کے جناب عبداللہ ابنِ عباس اظہارِ حق اور اعترافِ حقیقت سے کبھی خاموش نہیں ہوئے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا باوجودیکہ خلیفۂ دوم آپ کی بڑی قدر ومنزلت کرتے تھے مگر مسئلہ خلافت پر آپ کی ان سے اکثر تلخ اور سخت گفتگوئیں ہوگئی ہیں جن کی تفصیل طول کے خیال سے ترک کی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ آپ کا امیر المومنینؑ سے تفسیرِ سورۂ حمد دریافت کرنا اور امیر المومنینؑ کا رات بھر بیان فرمانا اور آخر میں یہ ارشاد کہ: ''اگر رات اور گنجائش دیتی تو میں اور بیان کرتا'' اس موقعے پر جناب ابنِ عباس کا قول ہے کہ ''میں اپنے کو آپ کے پہلو میں ایسا پا رہا تھا جیسے فوّارہ ایک بڑے سمندر کے پہلو میں''۔

جناب ابنِ عباس کے مجاہدات:

حضرت امیر المومنینؑ کو اپنے زمانۂ خلافت میں جو جمل وصفین ونہروان میں جہاد کرنا پڑے ان میں بھی جناب عبداللہ ابنِ عباس پیش پیش نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ''استیعاب'' میں ہے۔ (برحاشیہ اصابہ جلد ۲ صفحہ ۳۵۷) کہ شہید عبداللہ ابنِ عباس مع علی الجمل وصفین والنہروان۔

حضرت امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد اقتدارِ بنی اُمیّہ کے زمانے میں وہ حکومتِ وقت کے خلاف جہاد باللِسان میں مشغول رہے چنانچہ کمال الدین دمیری نے حیات الحیوان (مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۱۴۵ میں شفاء الصدور) ابنِ سبع

بستی کے حوالے سے جناب علی ابنِ عبداللہ ابنِ عباس کی روایت لکھی ہے کہ ایک مرتبہ اپنے والد کے ساتھ مکۂ معظمہ میں اس وقت، جب کہ ان کی آنکھوں کی بصارت زائل ہو چکی تھی، ہمارا گزر ہوا۔ ایک جماعت کی طرف، جو زمزم کے کنارے بیٹھی ہوئی علی ابنِ ابی طالبؑ کو بُرا کہہ رہی تھی، جناب عبداللہ ابنِ عباس نے اپنے شاگرد سعید ابن جبیر سے، جو آپ کا ہاتھ پکڑ کر لے جاتے تھے، کہا کہ ذرا مجھے ان کی طرف واپس کرو، سعید انھیں پلٹا کر اس مجمعے کے پاس لائے۔

ابنِ عباس نے کہا **ایکم الساب اللہ ولرسولہ** (تم میں سے کون شخص خدا او رسولؐ کو گالیاں دے رہا تھا) ان لوگوں نے کہا سبحان اللہ ہم میں سے کوئی شخص نہیں جس نے خدا و رسول کو برا کہا ہو۔ ابنِ عباس نے کہا ''تم میں سے حضرت علیؑ کو برا کہنے والا کون ہے'' ان لوگوں نے کہا کہ ہاں یہ تو یہاں ہو رہا تھا۔ ابن عباس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسالت مآبؐ کو فرماتے سنا ہے ''جو شخص علیؑ کو بُرا کہے اس نے مجھے بُرا کہا اور جس نے مجھے بُرا کہا اس نے خدا کو بُرا کہا اور جس نے خدا کو بُرا کہا خدا اس کو اوندھے منہ آگ میں ڈال دے گا''

فقہی مسلک :-

مسلّمہ طور پر جناب عبداللہ ابنِ عباس فقہ کے اختلافی مسائل میں ہمیشہ مسلک اہلِ بیتؑ کے ترجمانی اور استدلالی طور پر اُسی کے حق میں جہاد کرتے رہے۔ چنانچہ مسئلہ متعہ میں جناب خلیفۂ دوم کے وقت سے لے کر عبداللہ ابنِ زبیر کے عہد تک ہر ایک برسرِ اقتدار فرد سے ان کا تصادم ہوتا رہا اور عبداللہ ابنِ زبیر سے تو انھوں نے بھرے ہوئے مجمعے میں بڑی سخت بات کہہ دی کہ اپنی والدہ (اسماء بن حضرت ابوبکر) سے جا کر دریافت کرو کہ خود تمہاری ولادت کس قسم کے نکاح

سے ہوئی ہے۔

اسی طرح متعہ الحج اور میراث کے اختلافی مسائل عول اور تعصیب وغیرہ میں برابر وہ مسلکِ جمہور کے خلاف اعلان کرتے رہے جو خود کتبِ جمہور میں درج ہے۔ اس سب کی تفصیل ایک مستقل اور بسیط تصنیف کی طلب گار ہے۔

بیعتِ یزید سے انحراف:-

امیرِ شام کے مسلک سے اختلاف کے وقتاً فوقتاً مظاہرے کے ساتھ ساتھ جو ابھی صرف اقوال کی صورت سے تھا ان کو عملی منزل میں بھی آنے کا پھر اُس وقت موقع ملا جب یزید کی بحیثیت ولی عہد بیعت لی جارہی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ساتھ جن لوگوں نے شروع ہی میں بیعت سے انکار کیا تھا ان میں جنابِ عبداللہ ابنِ عباس بھی تھے، چنانچہ معاویہ نے اپنے وقتِ آخر جو اظہارِ حسرت کے الفاظ بطور پیغام یزید سے کہلوائے ہیں ان میں پانچ آدمیوں کا نام لیا تھا کہ ان کی بیعت نہ کرنے کا مجھے افسوس ہے۔ ان میں جناب عبداللہ ابنِ عباس کا نام بھی تھا۔ اس کے بعد جب حضرت امام حسینؑ کی شہادت ہوگئی تو سطوتِ یزید سے مرعوب ہوکر عبداللہ ابنِ عمر اگرچہ یزید کے اقتدار کے سامنے اتنے سپر انداختہ ہوگئے کہ وہ وفاداریِ حکومت کے بہت بڑے مبلّغ بن گئے، اس وقت بھی جنابِ عبداللہ ابنِ عباس اپنے مسلک پر قائم رہے اور کبھی یزید کی بیعت نہیں کی۔

جرأتِ اظہار کا آخری کارنامہ:-

یزید کی بیعت سے انحراف کے بعد پھر ایک آسان صورت یہ تھی کہ وہ عبداللہ ابنِ زبیر کے ساتھ ہوجاتے جو اس وقت یزید سے کم، بنی ہاشم سے اختلاف

رکھے تھے اور یزید سے برسرِ پیکار بھی تھے مگر اہلِ بیتِ رسولؐ کا چونکہ مسلک یہ تھا کہ کسی اقتدارِ باطل کی بیعت نہ کی جائے اس لیے جناب عبداللہ ابنِ عباس نے عبداللہ ابنِ زبیر کی بیعت سے بھی انکار کیا۔ اسے مخبروں نے یزید تک پہنچایا تو اسے خواہ غلط فہمی ہوئی ہو یا سیاسی طور پر فائدہ اٹھانا چاہا ہو، اس نے جنابِ عبداللہ ابنِ عباس کو خط لکھا۔ اس کے جواب میں جناب عبداللہ ابنِ عباس نے یہ تاریخی جواب دیا جو جرأت اظہارِ حق کا ایک شاہکار ہے اور جنابِ عبداللہ ابنِ عباس کے قلم کی ایک مستند دستاویز ہوتے ہوئے کسی بھی عباسی کے اس مزجومات کے قلعے کو مسمار کرنے والا ہے جو یزید کی صفائی میں قائم کیا چاہیئے۔

یزید کو یہ معلوم ہوا تو اس نے عبداللہ بن عباس کو لکھا کہ "مجھے اطلاع ملی ہے کہ اُس لامذہب (ابنِ زبیر) نے آپ کو حرمِ الٰہی میں اپنی بیعت حاصل کرنے کے لیے بلایا تھا مگر آپ نے ہماری وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے اُس کی بیعت کرنے سے انکار کردیا ہے۔ بس اپنے ابنائے وطن کو اور ان لوگوں کو جو بیرونجات کے آپ کے پاس آمدورفت رکھتے ہیں، ابنِ زبیر اور میری نسبت اپنے صحیح خیالات سے برابر آپ مطلّع فرماتے رہیں اس لیے کہ ابنِ زبیر آپ کو اپنی بیعت اور اطاعت میں لینے کے بعد آپ سے باطل کی تمنا اور اپنے گناہوں میں آپ کو شریک کرنے کی آرزو رکھتا تھا مگر آپ نے ہماری بیعت و اطاعت میں داخل رہتے ہوئے وفائے عہد کے حق کو پورا کیا ہے لہٰذا خدا اس صلہ رحم کی آپ کو جزائے خیر دے اور بہر طور میں بھی آپ کے اس صلہ رحم اور نیک سلوک کو بھولنے والا نہیں ہوں اور جس صلہ و انعام کے آپ مستحق ہیں وہ بہت جلد آپ کے پاس پہنچاؤں گا۔ مکرّر یہ کہ آپ آنے جانے والوں کو ابنِ زبیر کی برائیوں اور اُس کی چرب زبانی کے متعلق متنبہ کرتے رہیں کیونکہ عام طور پر لوگ اس کے متعلق آپ

کی رائے کو زیادہ وقیع اور معتبر سمجھتے ہیں"۔ عبداللہ ابنِ عباس نے اس خط کا حسبِ ذیل جواب یزید کو روانہ کیا۔ "تمہارا خط پہنچا۔ تم نے جو یہ لکھا ہے کہ میں نے عبداللہ بن زبیر کی بیعت تمہاری وفاداری کے خیال سے نہیں کی۔ یہ غلط ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں کبھی بھی تمہارا مداح اور ہوا خواہ نہیں رہا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اس بات کو بھول جاؤں گا کہ تم نے ہی حسینؑ کو قتل کیا ہے اور کیا نبی مطلب کے ان نوجوانوں کی خاک وخون میں بھری لاشوں کا ہولناک تصوّر میرے دماغ سے محو ہو جائے گا جن کے کپڑے تک لوٹ لیے گئے تھے اور بے گور و کفن گرم ریگ پر یوں ہی چھوڑ دی گئی تھیں۔ صرف ہوا کے جھونکوں نے خاک ڈال کر جن کی پردہ داری کا حق ادا کیا اور جانورانِ صحرائی نے ان کی حفاظت کے فرض کو پورا کیا یہاں تک کہ اللہ نے ایک قوم کے ذریعے سے ان کے دفن وکفن کا کام سرانجام کیا۔

ہاں ہاں اے یزید میں نہیں بھول سکتا اور کبھی نہیں یہ کہ تم نے حسینؑ کو حرمِ خدا اور حرمِ رسولؐ سے نکلنے پر مجبور کیا اور ابنِ مرجانہ کو قتلِ حسینؑ پر مامور کیا۔ میں تو خدا کی ذات سے بہرحال امید رکھتا ہوں کہ وہ منتقمِ حقیقی بہت جلد تمہارے اعمال کے مطابق سزا دے گا اور عذاب میں مبتلا فرمائے گا کیونکہ تم نے اُس کے نبی کی عترت کو قتل کیا ہے اور اُن کے قتل پر راضی ہوئے ہو اور یہ جو تم نے لکھا ہے کہ تم میرے ساتھ صلۂ رحم برتو گے اور انعام و اکرام سے پیش آتے رہو گے تو تم اپنی اس مہربانی اور صلۂ رحم کو بس اپنے ہی لیے اٹھا رکھو۔ ہم کو اس کی مطلق ضرورت نہیں ہے اور یہ جو تم نے لکھا ہے کہ میں لوگوں کو تمہاری طرف مائل اور عبداللہ ابنِ زبیر سے منحرف اور برگشتہ کروں تو اس کے متعلق میں بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ تمہارے لیے کبھی خیر و برکت نہ ہو اس لیے کہ تم مجھ سے اپنی نصرت اور حمایت کی

امید رکھتے ہو درانحالیکہ تم نے میرے ابنِ عم کو قتل اور رسولؐ اللہ کے ان اہلِ بیت کو ذبح کیا ہے کہ جو رشد و ہدایت کے چراغ اور تاریک راتوں میں روشن ستارے تھے۔ افسوس کہ اُن کو تمہاری فوجوں کی گھنگھور گھٹا نے پوشیدہ کردیا۔ کیوں اے یزید۔ کیا تم نے اپنے نمک خواروں کو اس لیے حرمِ الٰہی میں نہیں بھیجا تھا کہ حسینؑ کو اسی حرم مقدس میں قتل کر دیں اور کیا تم حسینؑ کو برابر ڈراتے دھمکاتے نہیں رہے یہاں تک کہ وہ سفرِ عراق اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ تم نے ہی یہ سب کچھ کیا اور اس لیے کیا کہ تمہارے دل میں مخالفت خدا اور رسولؐ اور آل رسولؐ کی، جن کی شان میں خدا نے آیۂ تطہیر نازل فرمائی، جاگزیں ہے۔ اس آیۂ تطہیر کے مصداق آلِ رسولؐ ہی تھے نہ کہ تمہارے باپ دادا جو جفا کار، طاغی و باغی اور دشمن خدا اور رسولؐ تھے۔ اب ان افعال و اعمال کے باوجود بھی کیا تم مجھ سے اپنی ہواخواہی کی امید رکھ سکتے ہو؟ اے یزید، سب سے زیادہ عظیم جسارت تمہاری یہ تھی کہ تم نے رسولؐ کی نواسیوں کو سر برہنہ کیا اور قیدی بنا کر عراق سے شام تک تشہیر کرایا تا کہ لوگوں کے دلوں پر اپنے غلبے تسلط اور قہاری کا یہ سکہ بٹھاؤ کہ بظاہر کس طرح ذرّیتِ رسولؐ کو مغلوب و مقہور کرنے میں تم کامیاب ہوئے ہو اور پھر اس پر تم نازاں ہو کہ اس طرح تم نے آلِ رسولؐ سے اپنے ان فاسق و فاجر اور کافر بزرگوں کے خون کا بدلہ لیا ہے کہ جو جنگِ بدر میں قتل ہوئے تھے اور جس کا کینہ تمہارے دل میں دبی ہوئی جنگاری کی طرح چھپا ہوا تھا''۔

وفات:-

یزید اور عبداللہ ابنِ زبیر کی مخالفت کے بعد حضرت عبداللہ ابنِ عباس چکی کے دو پاٹوں کے بیچ میں آ گئے تھے، مجبوراً آپ کو حرمین شریفین سے ہجرت کرنا

پڑی اور طائف میں جا کر سکونت اختیار کرنا پڑی وہیں حضرت محمد ابن الحنفیہ بھی ابنِ زبیر کے تشدّد سے جنابِ مختار کی فوجی امداد کی بدولت چھٹکارا پا کر تشریف لے گئے، وہیں ۶۸ ھ میں جناب عبداللہ ابنِ عباس کی وفات ہوئی۔ حضرت محمد ابن الحنفیہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور کہا الیوم مات ربانی ھذہ الامۃ آج اس امت کا عالمِ ربانی دنیا سے اُٹھ گیا۔

جناب قیس بن سعد انصاری

جنابؔ مولانا سیّد محمد باقر صاحب مدیرِ رسالہ اصلاح کھجوا (بہار)

قیس بن سعد بن عبادہ بہت ہی مشہور اور جلیل القدر صحابیِ رسول ہیں، انھیں کے والد سعد بن عبادہ رئیسِ خزرج تھے جن میں اور حضرت ابوبکر و عمر میں بروز شقیفہ خلافت کے لیے دھینگا مشتی ہوئی تھی۔

قیس معزز رئیس، زیرک و چالاک، سخی و جواد، فصیح اللسان مقرر اور زاہد و صاحبِ فضیلت افراد میں سے تھے اسی کے ساتھ ان کی ہستی ارکانِ دین میں سے ایک رکن اور مذہب کے ستونوں میں سے ایک ستون بھی تھی۔

قیس کا فضل وشرف

قیس قبیلۂ خزرج کے سردار تھے اور ان کے باپ دادا سینکڑوں برس پہلے سے سردار ہوتے چلے آرہے تھے۔ زمانۂ جاہلیت و اسلام دونوں میں عزت و توقیر کے حامل رہے۔

سُلیم بن قیس ہلالی مشہور تابعی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں ''قیس بن سعد قبیلۂ انصار کے سردار اور سردار کے بیٹے تھے''۔ کامل برد میں ہے ''قیس شجاع و جواد اور سیّد و سردار تھے (جلد ۱ ص ۳۰۹)

علامہ کشی اپنی ''رجال'' صفحہ ۷۳ پر لکھتے ہیں ''قیس جاہلیت و اسلام دونوں

زمانوں میں سردار رہے۔ ان کے باپ دادا پردادا بھی سردار ہوتے آئے، شرف و بزرگی ہمیشہ ان میں رہی۔ قیس اور ان کے باپ جاہلیت و اسلام کے مشہور غریب پروروں میں سے تھے"۔

"استیعاب" جلد ۲ ص ۵۳۸ پر ہے "قیس اپنی قوم کے رئیس تھے اور ان کا کوئی ہم سر نہ تھا، یہی حالت ان کے باپ دادا کی بھی تھی"۔

"اسد الغابہ" جلد ۴ ص ۲۱۵ میں بھی یہی عبارت ہے۔

ابنِ کثیر اپنی تاریخ جلد ۴ صفحہ ۹۹ میں لکھتے ہیں، قیس واجب الاطاعت سردار، کریم، ستودہ صفات اور بہادر تھے۔ ان کے والد سعد بن عبادہ ان بارہ نقیبوں میں سے تھے جنھوں نے پیغمبرِ خدا سے اپنی قوم کے اسلام کی ضمانت کی تھی۔

قیس کی افسری

عہدِ پیغمبرؐ میں قیس بمنزلۂ وزیر پولیس کے تھے (جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۷) اصابہ جلد ۵ ص ۳۵۴ "مصابیح یعقوبی" جلد ۲ ص ۵۱ "استیعاب" جلد ۲ ص ۵۳۸، "اسد الغابہ" جلد ۴ ص ۲۱۵ تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۳۹۴ تاریخ ابنِ عساکر جلد ۱ ص ۸۶۔

بعض غزوات پیغمبر میں قبیلہ انصار کے علم کے بھی حامل رہے پیغمبر نے انھیں صدقات کا عامل بھی مقرر کیا تھا (تاریخ ابن کثیر جلد ۸ ص ۹۹)

امیر المومنینؑ نے اپنے زمانے میں انھیں مصر کا گورنر مقرر کیا تھا اور وہاں بڑی پاکیزہ نفسی اور حکمتِ عملی سے انھوں نے حکومت کی۔ قیس امیر المومنینؑ کے فدائیوں اور خیر خواہوں میں سے تھے۔ امیر المومنینؑ نے ماہ صفر میں انھیں مصر کا گورنر مقرر کیا اور روانہ کرتے وقت بہت سی وصیتیں انھیں کیں اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اپنے ساتھ ایک دستہ بھی فوج کا لے جاؤ مگر قیس کی محبت نے گوارا نہ کیا

کہ امیر المومنینؑ کے ہمراہیوں کی تعداد کم کریں اور جس فوج کی حضرت کو زیادہ ضرورت ہے اسے اپنے ساتھ لے جائیں صرف سات آدمیوں کے ساتھ یکم ربیع الاوّل کو مصر پہنچے۔ منبر پر جا کر تقریر کی جس میں حمد وثنائے الٰہی کے بعد کہا کہ بھائیو! ہم نے اس شخص کی بیعت کی ہے جسے بعد پیغمبر سب سے بہتر جانتے تھے۔ تم بھی اٹھو اور کتابِ خدا و سنتِ نبوی پر ان کی بیعت کرو۔ اگر ہم سے وعدہ خلافی ہو تو پھر یہ بیعت قائم نہ رہے گی۔ سب نے اٹھ کر بیعت کی اور مصر ان کے لیے ہموار ہو گیا۔ ہر ہر حصے پر انھوں نے اپنے حکّام مقرر کر کے بھیج دیئے۔ سوا موضع ''خرتبا'' کے کہ وہاں حضرت عثمان کے ہوا خواہوں کی آبادی تھی اور وہ لوگ قتلِ عثمان پر برگشتہ خاطر تھے۔ وہاں بنی کنانہ کا ایک شخص یزید بن قیس نامی تھا اس نے قیس کو کہلا بھیجا کہ میں خود تو تمہارے پاس آؤں گا نہیں البتہ تم اپنے حاکم کو یہاں بھیج دو یہ زمین تمہاری زمین ہے البتہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو تا کہ ہم سوچ لیں اور دیکھیں واقعات کا انجام کیا ہوتا ہے۔ محمد ابنِ مسلمہ بن مخلد ابنِ صامت انصاری شورش انگیزی پر مستعد ہوا اور اس نے حضرت عثمان کے قتل کا حال بتا کر لوگوں سے تحریک کی کہ انتقام کا مطالبہ کریں۔ قیس نے اس کے پاس کہلا بھیجا کہ تم میرے خلاف محاذ قائم کر رہے ہو خدا کی قسم تمہیں قتل کر کے مجھے شام و مصر دونوں کی حکومت بھی مل جائے تو مجھے پسندیدہ نہیں۔ تم اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالو۔ مسلمہ نے کہلا بھیجا کہ جب تک تم مصر کے گورنر رہو گے میں تم سے کوئی تعرض نہیں کروں گا۔ یہ قیس بڑے دور اندیش اور صاحب تدبیر تھے

(تاریخِ طبری جلد ۵ ص ۲۲۷ ''تاریخ کامل'' جلد ۳ ص ۱۰۶ وغیرہ)

امیر المومنینؑ جب جنگِ جمل کے لیے بصرے کی طرف روانہ ہوئے تو قیس اس وقت مصر میں تھے۔ جب جنگِ جمل سے واپسی ہوئی تب بھی وہیں تھے یہ

۴ مہینے ۵ دن وہاں گورنر رہے۔ پہلی ربیع الاوّل کو مصر پہنچے تھے اور ۵ رجب کو واپس ہوئے جیسا کہ خطط مقریزی میں ہے، ''استیعاب'' وغیرہ میں جو یہ مذکور ہے کہ قیس جنگِ جمل میں موجود تھے جو کہ جمادی آلاخر میں پیش آئی تھی صحیح نہیں ہاں تاریخ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنگِ جمل کی ابتدائی کاروائیوں میں موجود تھے بعد میں امیر المومنینؑ نے انھیں آذربائیجان کا عامل مقرر کیا (تاریخِ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۷۰) عامل مقرر کرتے وقت انھیں خط میں لکھا۔

''امّابعد! مالِ خراج حق وانصاف کے ساتھ وصول کرنا اور اپنی فوج کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرنا اور اپنے پاس کے لوگوں کو جو کچھ تمھیں آتا ہے تعلیم دینا۔ دوسری بات یہ ہے کہ عبداللہ بن سبیل (حمس نے ہم سے درخواست کی ہے کہ اس کے متعلق تم سے بھلائی کی سفارش کروں۔ میرا خیال ہے کہ وہ بہت ہی متواضع اور منکسر المزاج شخص ہے تم اپنا دروازہ اس کے لیے کھول دو اور حق کی طرف مائل ہو۔ جو شخص حق کی مواقفیت کرے گا اس کا بال بیکا نہ ہوگا۔ خواہشِ نفسانی کی پیروی نہ کرنا کہ خدا کی راہ سے بھٹک جاؤ۔ جو لوگ خدا کی راہ سے گمراہ ہوں گے ان پر روزِ قیامت سخت عذاب ہوگا''۔

غیاث کا بیان ہے کہ جب امیر المومنینؑ معاویہ سے جنگ پر کمر بستہ ہوئے تو قیس کو خط لکھا۔

''امّابعد! عبداللہ بن شبیل احمسی کو اپنا نائب مقرر کر کے میرے پاس چلے آؤ۔ مسلمانوں کی جمعیت اکٹھا اور ان کی جماعت ہموار ہو چکی ہے جتنا جلد ہو سکے پہنچو۔ میری روانگی میں جو کچھ تاخیر ہوگی وہ تمہارے ہی لیے ہوگی۔ خداوندِ عالم ہمیں اور تمھیں تمام معاملات میں نیکی کی توفیق دے''۔

قیس کی زیرکی ودانائی:

قیس بڑے زیرک ودانا اور عرب کے مشہور باتدبیر لوگوں میں سے تھے۔ چالاکی وہوشیاری میں بڑے بڑوں کے کان کترتے تھے۔ پانچ آدمی (عمرو عاص، معاویہ، مغیرہ بن شعبہ، قیس بن سعد، عبداللہ بن بدیل) عرب کے زبردست ڈپلومیٹ گنے جاتے ہیں اور یہ سب کے استاد تھے۔

''استیعاب'' وغیرہ میں ان کے متعلق مشہور ہے کہ یہ عرب کے مشہور سیاست داں، باتدبیر اور جنگی چالبازیوں کے ماہر لوگوں میں سے ایک تھے اسی کے ساتھ ان میں دلیری، بہادری اور سخاوت کی خوبیاں بھی تھیں۔ (استیعاب جلد ۲ ص ۵۳۸)

علّامہ حلّی لکھتے ہیں کہ ''معاویہ اور ان کے درمیان جو داؤں پیچ ہوئے انھیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ عقل وخرد سے کتنا بیش از بیش حصہ انھوں نے پایا تھا''۔

علّامہ ابنِ کثیر ''بدایہ'' جلد ۸ ص ۹۹ میں لکھتے ہیں کہ ''علی ابن ابی طالب نے انہیں مصر کا گورنر مقرر کیا تھا اور یہ اپنی ہوشیاری اور چالاکیوں سے معاویہ اور عمرو عاص دونوں کی سیاست کا مقابلہ کرتے تھے''۔

امام حسنؑ (اپنے عہد خلافت میں) سپہ سالارِ لشکر عبیداللہ بن عباس کو جو بارہ ہزار بہادرانِ عرب کے سپہ سالار تھے اور مصر کے قاریوں کو تاکید کیا کرتے تھے کہ قیس سے مشورہ لیتے رہیں اور اہم جنگی معاملات اور معاویہ کے مقابل فوجی تنظیم میں ان کی طرف رجوع کریں۔ معاویہ کو ان کا وجود بہت کھلتا تھا۔ جب مصر سے یہ مدینے چلے آئے تو مروان اور اسود بن ابی البختری نے انہیں بہت ڈرایا دھمکایا۔ قیس امیر المومنینؑ کے پاس کوفے چلے گئے۔ معاویہ نے مروان اور اسود کو بگڑ کر خط لکھا۔

''تم نے قیس، ان کی رائے اور تدبیروں سے علی کے بازو اور قوی کر دیئے خدا کی قسم اگر تم دونوں ایک لاکھ جنگی سورماؤں سے بھی علی کی مدد کرتے تو مجھے اتنا صدمہ نہ ہوتا جتنا اس سے صدمہ پہنچا کہ تم نے قیس کو مجبور کر کے علی کے پاس بھیج دیا''۔ (طبری جلد ۶ ص ۵۳)

قیس مکر و تدبیر میں اپنے کو سب سے اونچا اور ہر ایک سے بہتر سمجھتے تھے اور کہا کرتے کہ ''میں نے رسول اللہ سے یہ نہ سنا ہوتا کہ مکر و فریب جہنم میں ہوں گے تو میں اس امت کا سب سے بڑا مکار ہوتا''

(اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۱۵ تاریخ ابن کثیر جلد ۸ ص ۱۰۶)

اور کہا کرتے کہ اگر اسلام نہ ہوتا تو میں ایک ایسا مکر کرتا جسے عرب والے برداشت نہ کر پاتے''۔

قیس کی اپنی دانائی و ہوشیاری میں مشہور ہونا اسی کے ساتھ دین داری، حفظِ ناموسِ شریعت، مرضی الٰہی کی پابندی اور خوفِ خدا میں ان کی شہرت بتاتی ہے کہ عرب کے تمام شاطروں سے بہتر و افضل تھے اور وہ شاطر جو مشہور ہیں ان میں کوئی ان کے مقابل کا نہ تھا سوا عبداللہ بن بدیل کے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ہی دین دار و متقی، ہوا و ہوس سے پاک اور فتنہ سامانی سے مبرا تھے۔

جب امیر المومنینؑ کی بیعت ہوئی تو آپ کو معلوم ہوا کہ معاویہ بیعت سے گریزاں ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اگر علی ہمیں شام اور ان مقامات کی حکومت پر باقی رکھیں جن پر عثمان نے مقرر کیا تھا تو میں بیعت کر لوں گا، اس پر مغیرہ امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا امیر المومنین! معاویہ کو تو آپ جانتے ہی ہیں کہ آپ سے پہلے جو خلیفہ تھے انھوں نے اسے خلیفہ مقرر کیا لہٰذا آپ بھی اسے برقرار رکھیے تاوقتیکہ آپ کے معاملات استوار ہو جائیں پھر آپ کی مرضی ہو گی تو

بدل دیجیے گا۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا تم اس کی ضمانت لیتے ہو کہ انھیں گورنر مقرر کرنے کے بعد جب تک انھیں معزول نہ کرلوں زندہ رہوں گا؟ مغیرہ نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا تو میں انھیں رات بھر کے لیے بھی کسی ''مسلمان'' پر حاکم مقرر نہیں کرسکتا۔ میں ان کو اپنا دست و بازو ہرگز نہ بناؤں گا۔ تم اپنا کوئی آدمی وہاں بھیجو، انھیں میری بیعت کی دعوت دو اگر انھوں نے قبول کیا تو جیسے دوسرے مسلمان ہوں گے ویسے ہی وہ بھی اگر انھوں نے انکار کیا تو میں اس کا فیصلہ خدا کے حوالے کردوں گا۔ مغیرہ یہ جواب سن کر کہتے ہوئے واپس ہوئے ''تو پھر خدا ہی کے حوالے کیجیے''۔ ''خدا ہی کے حوالے کیجیے''۔ اس پر قیس بن سعد نے کھڑے ہوکر کہا۔ امیر المومنین! مغیرہ نے آپ کو ایسی بات کا مشورہ دیا جو خدا کو پسند نہیں، انھوں نے اپنا ایک پیر آگے بڑھایا اور ایک پیچھے رکھا اس مشورے سے ان کی غرض یہ تھی کہ اگر آپ معاویہ پر غالب ہوئے تو اپنی اس نصیحت کے سبب آپ کے مقرب بننے کی کوشش کریں گے اور اگر معاویہ کو کامیابی ہوئی تو اس مشورے کی وجہ سے اس کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کریں گے''۔

امیر المومنینؑ نے انھیں کی بات کو قبول کیا اور مغیرہ وغیرہ سب کی رائیں رد کردیں۔

قیس کی جوانمردی:

تاریخ و سیَر کے جن جن کتابوں میں قیس کے حالات لکھے گئے ہیں ان میں قیس کی بہادری و شجاعت اور جوانمردی کا تذکرہ اور مدح و ستائش ہے۔ وہ پیغمبر کے مشہور شمشیر زن اور امیر المومنینؑ کے بعد اپنے زمانے کے انتہائی بہادر تھے معاویہ کے لیے اگر کسی کی ذات بوجھ تھی تو انھیں کی ذات تھی۔ جتنا وہ ایک لاکھ سورماؤں کے لشکر سے نہیں ڈرتے اتنا ایک اکیلے قیس سے خوف کھاتے۔ بروزِ صفین معاویہ کہا کرتے، اگر خدا نے نہیں روکا تو کل قیس ہمیں نیست و نابود ہی

کر کے دم لیں گے"۔ (ارشاد القلوب دیلمی جلد ۶ ص ۲۰۱)

قیس کی بے نظیر شجاعت کے مظاہرے عہدِ پیغمبر میں بھی ہوئے اور عہد امیر المومنینؑ میں بھی۔ عہدِ پیغمبر میں جنگ بدر و اُحد و حنین و خیبر و خندق وغیرہ سب ہی میں انھوں نے کارہائے نمایاں کئے۔ صاحب درجات رفیق لکھتے ہیں کہ یہ پیغمبر کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ پیغمبر کے ساتھ انصار کے علم کے یہی علمبردار تھے۔ فتحِ مکہ کے دن پیغمبر نے ان کے باپ سعد سے علَم لے کر انھیں کو دیا۔ خطیب بغدادی اپنی تاریخ جلد ۱ ص ۱۷۷ میں لکھتے ہیں کہ بعض غزوات میں حاملِ لوائے پیغمبر یہی قیس تھے۔ تاریخ طبری و ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۶ میں ہے کہ رسول کے ساتھ انصار کے علَم کے یہی علمبردار ہوتے تھے اور یہ صاحبان تدبیر و شجاعت و ہیبت میں سے تھے۔ "استیعاب" میں ہے کہ بروزِ فتحِ مکہ پیغمبر کے رایۃ کے یہی حامل تھے۔ پیغمبر نے علیؑ کو بھیجا تھا کہ سعد سے علَم لے کر ان کے بیٹے قیس کو دے دو علیؑ نے ایسا ہی کیا۔

عہدِ امیر المومنینؑ میں ان کی جنگی خدمات جنگِ صفین سے ظاہر ہیں۔ معاویہ سے جنگ اور دشمنوں سے لڑنے کی حضرت کو برابر ترغیب دیا کرتے ان کا مقولہ تھا۔

امیر المومنینؑ! روئے زمین پر آپ سے بڑھ کر ہمیں کوئی محبوب نہیں اس لیے کہ آپ ہمارے وہ ستارے ہیں جس سے ہم ہدایت پاتے ہیں اور وہ ٹھکانا ہیں جس کی ہم لوگ پناہ لیتے ہیں۔ اگر ہم آپ کو کھو بیٹھے تو ہمارے زمین و آسمان دونوں تاریک ہو جائیں گے۔ اگر معاویہ کو مکر و فریب کرنے کی اجازت دے دی جائے تو وہ مصر پر چڑھ دوڑے، یمن کو خراب کرے اور عراق کے متعلق بھی اس کو طمع لاحق ہو اس کے ساتھ یمن کے ایسے لوگ ہیں جنھیں قتلِ عثمان پر بہکایا گیا ہے انھوں نے علم چھوڑ کر ظن و تخمین پر اکتفا کی ہے اور یقین کو چھوڑ کر شک کو کافی سمجھا

اور خیر سے قطع نظر کر کے ہوا و ہوس کے ہو رہے۔ آپ اہلِ حجاز کو لے کر اس کی طرف چل کھڑے ہوں اور ایسے امر کا ارادہ کر لیں جس کی وجہ سے اس کا سانس لینا دشوار ہو جائے اور اس کا دم گھٹ کر رہ جائے"۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا۔"بہت ٹھیک کہا تم نے"۔ (امالی شیخ الطائفہ ص ۸۵)

جب امیر المومنینؑ نے شام روانہ ہونے کا قصد کیا تو آپ نے اپنے ساتھ کے مہاجرین و انصار کو طلب فرما کر کہا۔

"آپ لوگ مبارک خیال، بہتر علم، صادق القول اور پسندیدہ افعال کے ہیں، ہم اپنے دشمن کی طرف چلنا چاہتے ہیں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے"؟ قیس نے کھڑے ہو کر کہا:-

"امیر المومنین ہمیں ساتھ لے کر دشمن کی طرف جلد چلیے اور تاخیر سے کام نہ لیجیے، خدا کی قسم ان شام کے دشمنوں سے جہاد کرنا ہمارے نزدیک ترک و روم کے کافروں سے جنگ کرنے سے زیادہ محبوب ہے کیونکہ یہ لوگ دین میں دغا فریب کر رہے ہیں اصحابِ پیغمبر، مہاجرین و انصار اور نیکو کار تابعین کو ذلیل کر رہے ہیں۔ جب یہ لوگ کسی شخص سے ناراض ہوتے ہیں تو اسے قید کر دیتے یا زدو کوب کرتے ہیں۔ ہمارا مال حلال سمجھتے ہیں اور ہم ان کے خیال میں ان کے غلام ہیں"۔ (کتابِ صفین ص ۵۰)

صعصعہ بن صوحان بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت نے جنگِ صفیّن کے لیے علم آراستہ کیے تو آپ نے پیغمبر کا لواء باہر نکالا۔ پیغمبر کے انتقال کے بعد اب تک یہ دیکھا نہیں گیا تھا۔ اسے آراستہ کر کے آپ نے قیس بن سعد بن عبادہ کو بلایا اور ان کے حوالے کیا۔ تمام انصار اور بدر میں شرکت کا شرف رکھنے والے صحابہ سمٹ آئے۔ انھوں نے جب لوائے رسول کو دیکھا تو بے ساختہ رونے

لگے۔قیس نے چند اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ :-

''یہ وہ لواء ہے جس کا ہم پیغمبر کے ساتھ حلقہ کئے ہوتے اور جبرئیل ہمارے مددگار تھے۔انصار جس کی پشت پناہ ہوں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔نہ کسی دوسرے کی موجودگی کی اسے حاجت ہے۔انصار وہ لوگ ہیں کہ جب وہ آمادہ ٔپیکار ہوتے ہیں تو ان کے ہاتھ نیزوں کے ساتھ دراز ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ شہر فتح ہو جائیں''۔(مناقب خوارزمی ص ۱۲۲، استیعاب جلد ۲ ص ۵۳۹، اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۱۶، تاریخ ابن عساکر جلد ۳ ص ۲۴۵)

جب معاویہ کی پریشانیاں بہت بڑھ گئیں تو انھوں نے عمرو بن عاص، بسیر بن ارطارۃ، عبید اللہ بن عمر، عبد الرحمن بن خالد کو بلایا اور ان سے کہا۔

''علی ابن ابی طالب کے چند آدمیوں کی طرف سے مجھے بے حد قلق ہے قبیلہ ٔ ہمدان کے سردار سعید بن قیس، دوسرے مالکِ اشتر، تیسرے ہاشم مرقال، چوتھے عدی بن حاتم، پانچویں قیس بن سعد۔اب تک یمانی قبیلے کے لوگ تمہاری سپر بنے رہے یہاں تک کہ اب مجھے شرم آنے لگی ہے کہ تم لوگ قریش کے سر بر آوردہ افراد ہو۔میں چاہتا ہوں کہ یہ یمانی لوگ سمجھ لیں کہ تم ان کے محتاج نہیں ہو۔میں ان مذکورہ بالا ہر شخص کے مقابلے میں تم میں سے ایک شخص کو مقرر کرنا چاہتا ہوں اس کا فیصلہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔

لوگوں نے کہا۔'' آپ کو اختیار ہے''۔معاویہ نے کہا کہ میں سعید بن قیس اور اس کی قوم کا مقابلہ کروں گا اور تم اے عمرو بنی زہرہ کے یک چشم ہاشم مرقال سے مقابلہ کرو اور تم اسے بسر قیس بن سعد سے اور تم اے عبید اللہ اشتر نخعی سے اور تم اے عبد الرحمن بن خالد قبیلے طے کے یک چشم یعنی عدی بن حاتم سے''۔

اسی پروگرام کے تحت تیسرے دن بسر نے قیس بن سعد کا مقابلہ کیا، گھمسان

کارن پڑا، قیس یوں نکلے جیسے شتر زبسر نے نیزے سے ان پر حملہ کیا اور قیس نے تلوار سے اور اسے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ واپس آئے اور میدان اس دن قیس کے ہاتھ رہا۔ (کتاب صفین ص ۳۲۶)

نصر بن مزاحم نے اپنی کتاب صفین ص ۲۲۷ و ۲۴۰ پر روایت کی ہے کہ معاویہ نے نعمان بن بشیر بن سعد انصاری اور مسلمہ بن مخلد انصاری کو طلب کیا، معاویہ کے پاس قبیلۂ انصار کے بس یہی دو آدمی تھے اور کوئی نہیں تمام انصار امیر المومنینؑ کے علم کے نیچے اور حضرت کے قدموں پر جاں نثار کرنے کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ معاویہ نے نعمان اور مسلمہ سے کہا۔

''قبیلہ اوس وخزرج سے ہمیں بے حد صدمات پہنچ رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنی تلواریں کاندھوں پر رکھ کر مقابلہ کرنے کے لیے نکل پڑے ہیں یہاں تک کہ خدا کی قسم انھوں نے میرے ساتھ کے بڑے بڑے بہادروں کو بزدل بنا دیا ہے اب یہ حالت ہے کہ شام کے جس بہادر کا نام لے کر میں دریافت کرتا ہوں یہی جواب ملتا ہے کہ انصار نے اسے قتل کر ڈالا۔ خدا کی قسم اب میں پورے ساز و سامان سے ان کا مقابلہ کروں گا اور ان کے ہر بہادر کے مقابلے میں اپنا ایک بہادر کھڑا کروں گا جو اُن کا گلا چھید دے اور جتنی ان کی تعداد ہے اتنی ہی تعداد میں قریش کے ایسے مردوں کو کھڑا کروں گا جن کی غذا نہ کھجور ہے نہ طفشیل (ایک قسم کا شوربہ) یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم انصار ہیں، ٹھیک ہے کہ انھوں نے پیغمبر کو پناہ دی تھی اور ان کی نصرت ویاری کی تھی لیکن ان لوگوں نے باطل کی آمیزش کی وجہ سے اپنے حق کو فاسد کر دیا ہے''۔

نعمان بن بشیر یہ تقریر سن کر بگڑ گئے اور کہا۔

''معاویہ تم انصار کی ملامت اس وجہ سے نہ کرو کہ انھوں نے جنگ کی طرف

سبقت کی۔ وہ جاہلیت میں بھی ایسے ہی تھے (آج اگر وہ تم سے برسرِ پیکار ہیں تو کل تمہارے باپ دادا سے لڑ چکے ہیں) رہ گیا لڑائی کے لیے ان کا یہ چیلنج تو تم نے پیغمبر کے ساتھ انھیں دیکھا ہی ہے اور یہ جو تم نے کہا کہ ان کی تعداد کے مقابلے میں قریش کے اتنے ہی آدمی تم کھڑے کرو گے تو قریش والوں کو انصار کے ہاتھوں جتنی شکستیں اور صدمات اٹھانے پڑے ان سے بھی تم بخوبی واقف ہو اگر تم ویسا ہی چاہتے ہو تو کر کے دیکھ لو۔ رہ گیا تمر اور طفشیل تو تمر بے شک ہماری غذا تھی مگر جب تم نے اسے چکھا تو تم بھی کھانے لگے اور طفشیل یہودی کھایا کرتے تھے جب ہم نے کھایا تو ہم یہودیوں سے بڑھ گئے جیسا کہ قریش والے سخینہ کے نام سے بدنام ہیں (سخینہ ایک قسم کی غذا ہے جو گھی اور ستو سے بنائی جاتی ہے، قریش والے بہت کھاتے تھے جس کی وجہ سے ان کا نام پڑ گیا تھا ''قریش السخینہ'' اس گفتگو کی خبر انصار کو بھی لگ گئی، قیس نے تمام انصار کو اکٹھا کیا اور تقریر کرتے ہوئے کہا۔

''معاویہ نے تم لوگوں کے متعلق جو کچھ کہا ہے تمہیں معلوم ہی ہوا ہوگا، تمہاری طرف سے تمہارے قبیلے والوں نے جواب بھی دے دیا ہے۔ اپنی جان کی قسم تم لوگوں نے اگر آج معاویہ کو غم و غصے میں مبتلا کیا ہے تو کل بھی کر چکے ہو۔ اگر اسلام میں تم نے ان کا خون بہایا ہے تو بحالت شرک بھی معاویہ کے نزدیک تمہارا کوئی گناہ اس سے بڑھ کر نہیں کہ تم نے اس دین کی مدد کی جس پر آج تم ہو۔ تم آج کوشش کر کے وہ مزا چکھاؤ کہ پچھلے معاملے گرد ہو جائیں اور کل اس بات کی کوشش کرو کہ وہ آج کے واقعات ہیچ سمجھنے لگیں۔ تم اس لوا کے ساتھ ہو جس کے

دائیں جبرئیل قتال کیا کرتے تھے اور بائیں میکائیل اور وہ لوگ (معاویہ اور ان کے ساتھی ابوجہل اور مشرکین کے ساتھ ہیں۔
معاویہ کا یہ طعنہ کہ ہم لوگ کھجور کھاتے ہیں تو کھجور ہم نے نہیں بویا تھا البتہ ہم لوگ ان لوگوں پر فتح یاب ہوئے تھے جنھوں نے اس کی کاشت کی تھی اور طفشیل تو یہ ضرور ہماری غذا تھی اور ہم لوگ اس کے ساتھ مشہور بھی ہیں جیسے قریش سخینہ کے ساتھ مشہور ہیں''۔

اس کے بعد قیس نے چند اشعار پڑھے جن میں معاویہ کی مذمت کی تھی۔
جب معاویہ کو ان اشعار کی خبر ملی تو عمرو عاص سے رائے لی، کیا حرج ہے ہم لوگ بھی انصار کو گالیاں دیں۔ عمرو عاص نے کہا ہماری رائے یہ ہے کہ تم دھمکی تو ضرور دو مگر گالیاں نہ دو اور گالیاں دو گے بھی تو کیا؟ زیادہ سے زیادہ ان کے جسموں کی مذمت کرو گے مگر ان کے حَسَب پر کچھ حرف نہیں رکھ سکتے تھے معاویہ نے کہا کہ انصار کے خطیب قیس ضرور تقریر کر کے انصار کو ہمارے خلاف برانگیختہ کرتے ہیں۔ خدا کی قسم قیس کا تو ارادہ ہے کہ کل ہمیں ملیامیٹ ہی کر دیں تو تمہاری رائے کیا ہے۔ عمرو عاص نے کہا ''دل مضبوط رکھو اور صبر کرو''۔

پھر معاویہ نے قبیلۂ انصار کے کچھ لوگ جن میں عقبہ بن عمرو ابومسعود، براء بن عازب، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، خزیمہ بن ثابت، زید بن ارقم، عمرو، حجاج بن غزیہ بھی تھے کے پاس پیغام بھیجا اور اپنی ناراضی ظاہر کی۔ معاویہ نے ان لوگوں سے فرمائش کی تم لوگ قیس سے ملو۔ چنانچہ یہ سب لوگ قیس کے پاس آئے اور کہا کہ معاویہ ہم لوگوں کو گالیاں دینے سے پرہیز کر رہے ہیں تم بھی انھیں گالیاں نہ دو۔ قیس نے کہا میرے ایسا آدمی گالی نہیں بکتا البتہ میں ان سے لڑنے سے تو باز نہیں

رہ سکتا، مرتے دم تک ان سے لڑے جاؤں گا۔ دوسرے دن علی الصباح معاویہ کے لشکر نے حرکت کی۔ قیس سمجھے اس میں معاویہ بھی ہیں انھوں نے معاویہ کے خیال میں ایک آدمی پر حملہ کیا اور مار ڈالا، دیکھا تو معاویہ نہ تھے دوسرے آدمی پر اسی دھوکے میں حملہ کیا اور مار کے پلٹ آئے۔

معاویہ نے شام والوں کو تاکید کی کہ جب تمہارا قیس سے سامنا ہو تو خوب گالیاں دو۔ جب دونوں لشکروں کا سامنا ہوا تو معاویہ نے قیس کو بڑی سخت گالیاں دیں ساتھ ہی ساتھ انصار کو بھی، اس پر نعمان اور مسلمہ بن مخلد دونوں بگڑ گئے، ان دونوں نے ارادہ کرلیا کہ جاکر اپنے قبیلے والوں سے مل جائیں مگر معاویہ نے بہلا پھسلا کر راضی کرلیا۔

اس کے بعد معاویہ نے نعمان سے فرمائش کی کہ تم قیس کے پاس جاؤ انھیں سرزنش کرو اور مصالحت پر آمادہ کرو۔ نعمان گیا دونوں صفوں کے درمیان کھڑا ہو کر بولا۔

''اے قیس، کیا انصار نہیں جانتے کہ بروزِ قتلِ عثمان، عثمان کی مدد سے گریز کر کے انھوں نے خطا کی تو جس طرح تم نے عثمان کی مدد نہ کی تھی علی کی بھی مدد نہ کرتے تو حساب برابر ہو جاتا۔ مگر مصیبت تو یہ ہے کہ تم نے حق کی مدد سے گریز کیا اور باطل کی مدد پر کمر بستہ ہوئے پھر یہ بھی تمہیں گوارا نہ ہوا کہ جیسے اور لوگ بے تعلق ہیں تم بھی بے تعلق رہتے یہاں تک کہ تم لڑائی میں گھس پڑے اور مقابلے کے لیے چیلنج کرتے ہو۔ علی پر جب کوئی دشواری پڑتی ہے تم لوگ اسے آسان کر دیتے ہو اور اُن سے کامیابی کا وعدہ کرتے ہو۔ لڑائی نے ہمارا اور تمہارا جتنا نقصان کیا ہے وہ تم دیکھ ہی چکے اب جو بچے کچھے رہ گئے ہیں اُن کے متعلق خدا سے ڈرو''۔

قیس یہ سن کر ہنسے اور کہا:۔ ''نعمان مجھے تم سے اس جسارت بھری گفتگو کا وہم

وگمان بھی نہ تھا۔ جو شخص خود اپنے نفس کو دھوکہ دے وہ اپنے بھائی کو نصیحت نہیں کر سکتا، تم خدا کی قسم دھوکے باز، گمراہ اور گمراہ کن ہو اور تم نے عثمان کا جو ذکر کیا تو ان کے متعلق خبریں تو تمھیں ملی ہوں گی، ایک بات مجھ سے بھی سن لو جس نے عثمان کو قتل کیا وہ بھی تم سے بہتر ہے اور جس نے عثمان کی مدد سے گریز کیا وہ بھی تم سے بہتر ہے۔ اصحابِ جمل سے ہم نے اس لیے لڑائی لڑی کہ انھوں نے بیعت کر کے بیعت توڑ دی تھی رہ گئی یہ معاویہ تو خدا کی قسم تمام عرب بھی اگر معاویہ کے ساتھ ہو جائیں تب بھی انصار آخر وقت تک ان سے لڑتے رہیں گے۔ تمہارا یہ کہنا کہ ہم دوسروں جیسے نہیں ہیں تو ہم اس لڑائی میں ویسے ہی تھے جیسے رسولؐ اللہ کے ساتھ ہوا کرتے تھے جب کہ ہم اپنے چہروں سے تلوار روکتے اپنے سینوں سے نیزوں کو ٹالتے تھے یہاں تک حق غالب ہوا، خدا کا امر ظاہر ہو کر رہا اور مشرکین جلتے ہی رہے لیکن نعمان تم یہ دیکھو کہ معاویہ کے ساتھ سوائے آزاد کردہ لوگوں یا بدو عربوں کے اور بھی کون ہے یا قبیلۂ یمانی کے وہ لوگ جو اپنے غرور میں ڈوبے ہوتے ہیں دیکھو تو مہاجرین وہاں کہاں؟ انصار کہاں؟ تابعین کے نیکوکار کہاں؟ پھر یہ بھی دیکھو کہ معاویہ کے ساتھ سوا تمہارے اور تمہارے ساتھی (مسلمہ بن مخلد) کے اور کون ہے اور تم دونوں نہ جنگِ بدر میں شریک ہوئے نہ احد میں، نہ تمھیں اسلام میں سابقت کا شرف حاصل ہے نہ تمہارے متعلق کلامِ مجید کی کوئی آیت اتری۔ خدا کی قسم اگر آج تم نے ہماری مخالفت کی ہے تو تمہارے باپ بھی ہماری مخالفت کر چکے ہیں'' (کتاب صفین نصر بن مزاحم۔ شرح نہج البلاغہ الامامت والسیاست جلد ۱ ص ۹۴)

امام حسنؑ کے مختصر عہدِ خلافت میں بھی قیس کی مردانگی اور جوانمردی کی یہی کیفیت رہی۔ امام حسنؑ نے تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بارہ ہزار عرب کے بہادروں کا ایک لشکر مرتب کر کے عبید اللہ بن عباس کی زیرِ سرکردگی معاویہ کی

طرف روانہ کیا ساتھ میں قیس بن سعد اور سعید بن قیس ہمدانی بھی تھے۔ امام کی تاکید تھی کہ ہر مسئلے میں ان دونوں کے مشورے پر عمل کیا جائے اور اگر عبیداللہ قتل ہوجائیں تو قیس بن سعد سردار لشکر ہوں اور قیس کی شہادت کے بعد سعید بن قیس، معاویہ بھی لشکر کی آمد کی خبر سن کر مقابلے کے لیے نکل کھڑے ہوئے ایک جگہ دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ جھڑپیں بھی ہوئیں، رات جب آئی تو معاویہ نے عبیداللہ بن عباس کے پاس کہلا بھیجا کہ امام حسنؑ نے مجھے صلح کا پیام بھیجا ہے، وہ یہ حکومت میرے حوالے کرنے والے ہیں اگر تم اس گھڑی خوشی سے میری اطاعت قبول کرو تو عزت بنی رہے گی ورنہ آخر کار تمہیں ذلت کے ساتھ میری اطاعت قبول کرنی پڑے گی اگر اس وقت تم میری بات مان لو تو تمہیں دس لاکھ درہم دوں گا ۵ لاکھ ابھی اور ۵ لاکھ اس وقت جب تم کوفہ پہنچ لو گے۔ عبیداللہ راتوں رات معاویہ کے لشکر میں جا پہنچے۔ معاویہ نے حسبِ وعدہ ۵ لاکھ درہم انھیں دے دیئے جب صبح ہوئی تو لوگ عبیداللہ کی راہ تک رہے تھے، ڈھونڈا گیا تو ندارد قیس نے لشکر کو جماعت سے نماز پڑھائی اور اس کے بعد ولولہ انگیز تقریر کی، سپاہیوں کی ہمت بڑھائی، ساتھ ہی عبیداللہ بن عباس کو بُرا بھلا کہا، سپاہیوں کو صبر کی تلقین اور دشمن سے مقابلہ کرنے کی ترغیب دی سب نے لبیک کہی اور کہا خدا کا نام لے کر ہمارے ساتھ دشمن پر حملہ کیجئے۔ قیس انھیں لے کر مستعد کارزار ہوئے اُدھر سے بسر بن ارطاق نے چیخ کر کہا وائے ہو تم پر تمہارے سردار (عبیداللہ) تو ہمارے پاس ہیں اور تمہارے امام حسنؑ نے مصالحت کر لی ہے اب کس بات پر تم اپنی جانیں دیتے ہو۔ قیس نے اپنے لشکر والوں سے کہا اب دو ہی راستے تمہارے سامنے رہ گئے ہیں یا تو بغیر امام کے جنگ کرو یا گمراہی کی بیعت کرلو۔ فوج نے کہا نہیں بلکہ ہم بغیر امام کے لڑائی کو ترجیح دیتے ہیں، سب

اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے شام والوں کو پسپا کر کے اپنی صف میں جانے پر مجبور کر دیا۔

''معاویہ نے قیس کو خط لکھا جس میں انھیں اپنے پاس آنے کی دعوت دی اور انھیں بہت کچھ داد و دہش کی اُمید دلائی۔ قیس نے جواب دیا خدا کی قسم ہم میں تم میں کبھی ملاقات نہیں ہو سکتی مگر یہ کہ ہمارے تمہارے درمیان نیزہ ہو''۔

(ابن ابی حدید جلد ۴ ص ۱۴)

''استیعاب'' برحاشیہ ''اصابہ'' جلد ۳ ص ۲۲۸ میں عروہ سے منقول ہے کہ قیس امام حسنؑ کے مقدمۃ الجیش میں تھے اور ان کے ساتھ ۵ ہزار آدمی تھے جنھوں نے امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد اپنے سر منڈ وا دیئے تھے اور مرنے مارنے پر بیعت کر لی تھی۔ جب امام حسن سے معاویہ کی مصالحت ہو گئی تو قیس نے معاویہ کی بیعت کرنے سے انکار کیا اور اپنے اصحاب سے کہا تمہاری کیا خواہش ہے اگر تم کہو تو تمہارے ساتھ معاویہ سے لڑوں یہاں تک کہ ہم لوگ شہید ہو جائیں اور کہو تو تمہارے لیے امان لے لوں۔ ان لوگوں نے کہا امان لے لو۔ قیس نے ان کے لیے امان لے لی اور حقوق حاصل کئے اور اپنے کو بھی انھیں کا ایک فرد قرار دیا۔ اپنے لئے کوئی بھی خصوصی مراعات قبول نہ کیں اس کے بعد قیس اپنے اصحاب سمیت مدینے کو روانہ ہو گئے۔

قیس بن سعد کا جُود و سخا:-

گنجائش نہیں کہ ہم تفصیل سے قیس کے بذل وعطا پر روشنی ڈال سکیں صرف چند نمونے نذرِ ناظرین کرتے ہیں۔

قیس نے اپنا کوئی مال معاویہ کے ہاتھ ۹۰ ہزار درہم میں بیچا اس کے بعد

مدینے میں منادی کرادی کہ جسے روپیہ قرض لینا ہو آ کر لے جائے۔ چالیس پچاس ہزار بطور قرض لوگوں کو دیئے اور باقی داد و دہش کے طور پر دے ڈالے، جن لوگوں کو قرض دیا تھا ان سے قرض کی ادائیگی کا اقرار نامہ بھی لکھوایا۔ اس کے کچھ دنوں کے بعد قیس بیمار پڑے تو بہت کم لوگ عیادت کو آئے، انھوں نے اپنی بیوی قریبہ ہمشیرۂ ابی بکر سے کہا قریبہ دیکھتی ہو عیادت کے لیے کتنے کم لوگ آئے، قریبہ نے کہا اس کی وجہ وہ مال ہے جو تم نے لوگوں کو بطور قرض دیا ہے۔

قیس نے جتنی تحریریں لوگوں سے لکھوائی تھیں وہ سب واپس کردیں اور مال جو انھیں دیا تھا وہ انھیں ہبہ کردیا۔ اس کے بعد اتنی کثرت سے لوگ ان کی عیادت کو آئے کہ مکان کا زینہ منہدم ہو گیا اور دوسری روایت کی لفظ ہے کہ چوکھٹ ٹوٹ گئی۔ (تاریخ خطیب بغدادی جلد ۱ ص ۱۷۷ تاریخ ابن کثیر جلد ۸ ص ۹۹، ربیع الابرار زمخشری استیعاب، بدایہ ونہایہ جلد ۸ ص ۱۰۰)

جابر بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک رسالے کے ساتھ دشمن کی طرف روانہ ہوئے اس میں قیس بھی تھے۔ قیس نے رسالے کی ضیافت میں ۹ اونٹ سواری کے ذبح کرائے، جب ہم لوگ رسول اللہ کے پاس واپس آئے تو یہ سارا واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا جُود ہمیشہ اس گھر کی خصلت میں داخل رہا اور جب یہ قیس امام حسنؑ کی صلح کے بعد اپنے اصحاب سمیت مدینے واپس گئے تو ہر دن ان کے لیے ایک ناقہ ذبح کرتے یہاں تک کہ سب ناقے ختم ہو گئے"۔

(استیعاب جلد ۲ ص ۵۲۹، تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۲۹۴)

معاویہ نے مروان کو خط لکھا کہ کثیر بن صلت سے اس کا گھر خرید لو کثیر نے انکار کیا۔ معاویہ نے پھر مروان کو لکھا کہ جو مال کثیر کے ذمّے واجب الادا ہے اس کے بدلے مکان لے لو اگر مال دے دے تو خیر ورنہ اس کا مکان بیچ ڈالو۔

مروان نے کثیر کے پاس معاویہ کا پیغام کہلا بھیجا، اس نے تین دن کی مہلت لی۔ اِدھر اُدھر سے جتنے روپے فراہم ہو سکے جمع کئے ۳۰ ہزار کی کمی رہ گئی، لوگوں نے قیس کا تذکرہ کیا اس نے آ کر قیس سے ۳۰ ہزار لئے اور پوری رقم لے جا کر مروان کو پیش کر دی۔ جب مروان نے دیکھا کہ اس نے روپیہ فراہم کر کے ادا کر دیئے تو اس نے مکان بھی لوٹا دیا اور روپے بھی کثیر نے ۳۰ ہزار درہم لا کر قیس کو واپس کرنا چاہے قیس نے واپس نہیں لیا۔

(استیعاب جلد ۲ ص ۵۳۹ اصابہ جلد ۵ ص ۲۵۴)

ایک بوڑھی عورت نے قیس سے شکایت کی کہ میرے گھر میں چوہے بالکل نہیں رہے۔ قیس نے کہا کیا عمدہ سوال کیا تو نے میں تیرے گھر کو چوہوں سے بھر دوں گا۔ چنانچہ قیس نے اشیائے خورد ونوش سے اس کے گھر کو بھر دیا۔ علّامہ ابنِ عبدالبر لکھتے ہیں کہ یہ قصہ مشہور ہے اور صحیح ہے۔

قیس کے والد سعد جب مدینے سے رخصت ہونے لگے تو انھوں نے اپنا مال ومتاع اپنے لڑکوں میں تقسیم کر دیا مگر ان کی بیوی کو حمل تھا جس کا علم سعد کو نہ ہو سکا۔ سعد کے مرنے کے بعد وہ بچہ پیدا ہوا۔ ابوبکر وعمر نے قیس سے کہا کہ سعد کے مال میں اس بچے کا بھی حصہ ہے لہٰذا تم لوگ اپنے اپنے حصے میں سے کم کر کے اس بچے کو حصہ دے دو۔ قیس نے کہا میں اپنے حصے کا سارا مال اس بچے کو دیتا ہوں مگر میرے باپ جو تقسیم کر گئے ہیں اس میں

پیغمبر نے مشرکین سے لڑنے کے لیے ایک رسالہ روانہ کیا اس میں قیس بھی تھے اور حضرت عمر وابوبکر بھی۔ قیس قرضہ لے کر رسالے کے مسلمانوں کی ضیافت کرتے، ابوبکر وعمر نے کہا اگر اس جوان قیس کو یونہی چھوڑ دیا گیا تو یہ اپنے باپ کو کنگال کر دے گا۔ ان حضرات نے لوگوں کو منع کر دیا کہ کوئی انھیں قرض نہ

دے جب سعد کو خبر ملی تو انھوں نے پیغمبر سے شکایت کی کہ ابوبکر وعمر میرے لڑکے کو بخالت سکھاتے ہیں''۔ (اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۵)

قیس کی خطابت:

قیس بہت بڑے فصیح اللسان اور جادو بیان مقرر تھے ان کی اس خوبی کا اندازہ معاویہ کے اس فقرے سے بآسانی ہوسکتا ہے۔ ''انصار کے خطیب قیس ابنِ سعد ہر دن تقریر کرنے لئے کھڑے ہوتے ہیں خدا کی قسم قیس کا ارادہ ہے کہ وہ ہمیں کل نیست ونابود کر کے رکھ دیں''۔

قیس کی جلالت وعظمت:

قیس کی تحریر وتقریر، اُن کے کلمات ومقالات جو سیرۃ وتاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں وہ روشن ثبوت ہیں کہ قیس کتنے با معرفت اور کتاب وسنّت کے کتنے بڑے عالم تھے۔ پیغمبر کی خدمت میں دس برس رہے (بدایہ ونہایہ جلد ۸ ص ۹۹) بلکہ مدتِ دراز تک رہے۔ ان کے باپ سعد بن عبادہ نے قیس کو پیغمبر کے حوالے کر دیا تھا کہ ہر وقت حضرت کی خدمت میں رہیں (اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۱۵) سفر و حضر ہر حال میں پیغمبر کے ساتھ رہا کئے، پیغمبر کی ہر وقت کی رفاقت اس پر فطری عقل وخرد ودور اندیشی اور اصابتِ رائے سونے پر سہاگے کا کام کر گئی۔ پیغمبر نے ان کی تعلیم وتربیت میں کمالِ شفقت سے کام لیا۔ مکارمِ اخلاق سکھائے اور ہر وہ باتیں تعلیم کیں جو انسان کو انسانِ کامل بناتی ہیں۔ پیغمبر کی خدمت میں ان کا ہر وقت رہنا نوکر چاکر کی حیثیت سے نہ تھا اس لیے کہ قبیلہ خزرج کے سردار تھے بلکہ جیسے شاگرد استاد کی خدمت میں ہر وقت رہتا ہے اور استاد کے کمالات کا اکتساب کرتا رہتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پیغمبر کو جب بھی موقع ملتا قیس کو دین و

مذہب کے علوم تعلیم دیتے قیس بھی موقعے کے متلاشی رہتے اور پورے ذوق و شوق سے کسبِ کمالات کرتے اس کا پتہ علامہ ابنِ اثیر کی اس روایت سے ہوتا ہے کہ قیس بیان کرتے ہیں کہ ''پیغمبرِ خدا کا گزر میری طرف سے ہوا، میں نماز سے فارغ ہو چکا تھا''۔ پیغمبر نے فرمایا قیس تمھیں جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے کا پتہ نہ دوں میں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ ضرور، آپ نے فرمایا "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" جنت کا ایک دروازہ ہے۔

پیغمبر کی وفات کے بعد امیر المومنینؑ سے پیغمبر کے ارشادات حاصل کئے اور آپ سے کتاب وسنت کا استفادہ کیا جیسا معاویہ سے ایک گفتگو میں اس کا تذکرہ بھی ہے۔ معاویہ اور قیس میں بحث ہوئی، قیس نے وہ تمام آیتیں پیش کیں جو امیر المومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہیں، وہ تمام حدیثیں بیان کیں جو پیغمبر علیؑ کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے۔ معاویہ نے جل کر کہا کہ سعد کے فرزند یہ سب کس سے تمھیں معلوم ہوا، کس سے تم نے سنا؟ تمھارے باپ نے یہ سب تمھیں بتایا تھا۔ قیس نے کہا یہ سب میں نے اس سے معلوم کیا جو میرے باپ سے بہتر تھا اور اس کا حق میرے باپ کے حق سے بڑا تھا۔ معاویہ نے پوچھا وہ کون؟ کہا علی ابنِ ابی طالب جو اس امت کے عالم اور صدیق ہیں۔

قیس کے کمالِ علم کے منجملہ دیگر شواہد کے یہ بھی ہے کہ وہ پکے مسلمان، سچے مومن تھے، انھیں پیغمبرِ خدا کے حقیقی جانشینوں کی معرفت حاصل کی تھی، وہ ان کی محبت میں غرق اور ان کے قدموں پر اپنی جان چھڑکتے تھے، دنیا والے لاکھ طعن وتشنیع کرتے مگر انھیں اس کی پروا نہ ہوتی۔ مصر کی حکومت سے جب انھیں امیر المومنینؑ نے واپس بلا لیا تو حسّان بن ثابت نے جو عثمانی تھے قیس پر فقرے کسے اور کہا علی نے تم سے مصر کی حکومت چھین لی، تم عثمان کے قاتل بھی ہو، علی نے

تمہیں کوئی بدلہ بھی نہ دیا اور قتلِ عثمان کا گناہ بھی تمہارے سر رہا۔ قیس نے کہا اے آنکھ اور دل کے اندھے اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ میرے اور تمہارے قبیلے میں جنگ چھڑ جائے گی تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا۔ پھر قیس نے دھکے دے کر پاس سے نکال دیا۔

اگر قیس ویسے ہی خزینہ دارِ علوم و معارف، سرچشمہ معارف دین اور مرکزِ فضل و شرف نہ ہوتے جیسا کہ سیاست و دور اندیشی میں طاق تھے تو امیر المومنینؑ مصر کے دینی و دنیوی معاملات کا ناظم مقرر کر کے انہیں نہ بھیجتے اور یہ فقرہ انھیں نہ تحریر کرتے "وعلم من قبلك مما علمك الله" خدا نے جو تمہیں علم بخشا ہے وہ اپنے پاس کے لوگوں کو تعلیم کرو (تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۷۸)

قیس کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کرنے والا یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ قیس ابن سعد دین کے ستون میں سے ایک ستون، ہدایت کے ارکان میں سے ایک رکن، اکابرِ اُمت کی ایک نمایاں فرد اور حق کے بہت بڑے مبلغ تھے اور کتب سِیَر و تواریخ میں ان کے جتنے بھی مناقب و فضائل مذکور ہیں وہ کچھ ان سے بھی فزوں تر تھے۔

اگر قیس کے ایسا آدمی سعد کی نسل میں نہ ہوتا تو پیغمبر ہاتھ اٹھا کر یہ دعا نہ کرتے، اللّٰھم اجعل صلواتك ورحمتك علیٰ آل سعد بن عبادہ" خداوندا تو اپنی رحمت و برکت نازل کر سعد بن عبادہ کی اولاد پر غزوہ ذی فرد میں نہ فرماتے۔

"اللّٰھم ارحم سعدا وآل سعد نعم المرء سعد بن عبادہ"

خداوندا تو سعد اور ان کی آل پر رحمت نازل کر کیا ہی اچھا آدمی ہے۔ سعد بن عبادہ سعید کے یہاں غذا نوش فرمانے کے بعد پیغمبر فرماتے تمہارے یہاں نیکوکاروں نے غذا نوش کی تمہارے لیے ملائکہ نے دعائے رحمت کی اور روزہ

داروں نے تمہارے یہاں افطار کیا۔ سعد سے پیغمبر فرماتے ''اے ابو ثابت (کنیتِ سعد) خوشخبری ہو تمہیں بلاشبہ تم کامیاب ہوئے۔ اولاد خدا کے ہاتھ میں ہے خدا جسے چاہتا ہے خلف صالح دیتا ہے تمہیں بھی اس نے خلفِ صالح عنایت کیا ہے''۔ یہ تمام حدیثیں مقریزی کی کتاب الامتاع ص ۲۶۳ و ۵۱۵، تاریخ ابنِ عساکر جلد ۶ ص ۸۲ و ۸۸، سیرۃ حلبیہ جلد ۳ ص ۸ پر موجود ہیں۔

قیس بن سعد اور معاویہ جنگِ صفّین سے پہلے:

سوانحِ عمری حضرت امیر المومنینؑ کی چھٹی جلد حضرت امیر المومنینؑ حصہ ثالثہ میں تفصیل سے یہ باب مذکور ہے ہم یہاں اس کا خلاصہ نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

صفّین کی لڑائی جب سر پر آگئی تو معاویہ ڈرے...... کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ علیؑ اپنے لشکر جرّار کو لے کر عراق سے آدھمکیں اور ادھر مصر سے قیس بن سعد حملہ کر دیں اور ہم دونوں فوجوں کے درمیان پس کے رہ جائیں۔ قیس کی حکمتِ عملی ایسی تھی کہ معاویہ کافی عرصے تک پتہ نہ چلا سکے کہ قیس ہمارے موافق ہیں یہ مخالف۔ انھوں نے ایسی تدبیریں کرنے میں دیر نہ کی جن کی وجہ سے قیس کھل کر سامنے آجائیں۔ انھوں نے قیس کو ایک خط لکھا۔

> ''اگر تم لوگ جانب داری اور اعزّہ پروری یا ضرب و تادیب یا کسی شخص کو بُرا بھلا کہنے یا کسی کو جلا وطن کرنے کی وجہ سے عثمان سے ناراض ہوئے یا نوجوانوں کو حکومت دینا جرم قرار دیا تو یہ سب سہی مگر تم یہ اچھی طرح جانتے ہو کہ ان امور کے سبب ان کا خون تمہارے لیے مباح نہیں تھا۔ تم نے سنگین جرم کا ارتکاب کیا۔ امرِ مکروہ و ناپسندیدہ و حرام پر عمل کیا تو اے قیس! اللہ کے دربار میں توبہ کرو تم ان لوگوں میں سے ہو جو حضرت

عثمان پر بلوہ کر کے آئے تھے۔ یاد رکھو کہ یہ خون تمہارا پیچھا نہ چھوڑے گا اور تمہاری قومی شرافت وعزت کا کچھ پاس ولحاظ نہ کرے گا اگر تم کو اپنی جان کی فکر اور اس کی حفاظت مطلوب ہے تو حضرت عثمان کے قصاص طلب کرنے والوں میں مل جاؤ۔ اس امر میں ہمارے تابع ہو کر معین ومددگار رہو۔ بروقتِ فتح ہم تم کو مصر وعراق دونوں کی حکومت دیں گے اور اپنی زندگی تک تمہاری قوم میں سے جس کو تم چاہو گے حجاز کی حکومت دیں گے اور جو تمہاری خواہش ہوگی جلد پوری کریں گے، اپنی رائے سے جلد اطلاع دو''۔

قیس کے پاس جب یہ خط پہنچا وہ خط پڑھ کر یہ سوچے کہ ابھی معاویہ کو باتوں میں ٹالنا چاہیئے اپنے ذاتی خیالات کا اظہار مناسب نہیں۔ فی الحال ان سے ظاہر داری کرنا اور جنگ سے بچنا مناسب ہے انھوں نے کہا۔

''بعد حمد ونعت کے جو تم نے لکھا مجھے معلوم ہوا میں خوب سمجھا۔ حضرت عثمان کے قتل کے بارے میں جو لکھتے ہو یہ محض تمہارا خیال ہے مجھ کو اس واقعے سے دراصل کوئی تعلق نہ تھا نہ میں اس میں کسی طرح شریک تھا بلکہ اس کام کے پاس تک نہ گیا نہ مجھ کو حضرت علی کی شرکت اس ہنگامے میں نظر آئی۔ میں جہاں تک غور کرتا ہوں وہ بھی بالکل اس سے بے تعلق ہیں۔ رہی تمہاری اطاعت یہ معمولی بات نہیں کہ میں اس کا جواب فوری دے دوں۔ اس معاملے میں ابھی غور وتامّل کر رہا ہوں یہ عجلت کا کام نہیں ہے حالانکہ میں ہر طرح تمہارے لیے کافی ہوں

تاہم میری طرف سے کوئی ایسا امر نہ ہوگا جو تم کو ناگوار وشاق گزرے اس کو سمجھ بوجھ کر انشاء اللہ جواب دوں گا''۔

معاویہ نے یہ خط پڑھ کر پھر دوسرا خط اس مضمون کا لکھا

''میں نے تمہارا خط پڑھا اس میں کوئی بات صاف نظر نہیں آتی تم میری خواہش کے قریب نہیں آتے کہ میں تم کو صلح خواہ خیال کروں اور نہ تمہارے اس خط سے دوری اور اختلاف ظاہر ہوتا ہے کہ میں تم کو اپنا دشمن سمجھ لوں۔ تم کو صلح کے لیے بلاتا ہوں تم اس سے نہ بھاگو، میں تمہیں لڑائی سے بچاتا ہوں، میرا کہنا مانو اور جعل وفریب کی باتیں مجھ سے نہ کرو، مجھ سا شخص ہرگز تمہارے دامِ تزویر میں نہیں آسکتا اور نہ تم ایسوں کے فقرے میں آکر کسی حیلے میں گرفتار ہو سکتا ہے''۔

قیس نے یہ خط دیکھ کر سمجھ لیا کہ اب معاویہ حیلہ وحوالے سے نہیں مانیں گے اور نہ ٹالنے سے ٹلیں گے جو کچھ دل میں تھا اس کو صاف الفاظ میں تحریر کر دیا اور نہایت طعن آمیز خط معاویہ کو لکھا۔

''مجھ کو سخت تعجب ہے کہ تم مجھ کو کس قدر فریب دے رہے ہو مجھ سے اطاعت کی طمع رکھتے ہو، تم نے مجھے بالکل حقیر وکمزور سمجھ لیا ہے کی تم مجھ کو مستحقِ امارت وخلافت (علیؑ) کی اطاعت سے نکالنا چاہتے ہو، وہ شخص بہت عالی مرتبہ ہے، سب لوگوں میں امارت کے لائق، سب میں حق بات کہنے والا، راہ حق کا ہادی، آنحضرتؐ سے باعتبارِ تعلقات سب سے قریب ہے۔ تم مجھ سے اپنی اطاعت کے لیے کہتے ہو تو تم اپنی حقیقت بھولے

ہوئے ہو۔ تم ایسے ہو جو اس امارت میں سب لوگوں سے دور، سب مکّاروں سے زیادہ مکار، آنحضرتؐ سے باعتبار تعلق بہت بعید اور گمراہ کرنے والے کی اولاد ایک شریر شیطان ابلیس کی جماعت سے ہو۔ اگر میں تم کو مجبور اور اپنی لڑائی میں مصروف نہ کر دوں کہ تم کو اپنی جان کے لالے پڑ جائیں تو سمجھنا کہ تم بڑے خوش نصیب ہو"۔

جب معاویہ کو قیس کی طرف سے بالکل مایوسی ہوگئی تو انھوں نے لکھا:-

امّا بعد! تم یہودی ہو اور یہودی کے بیٹے ہو اگر دونوں فریق میں تمہارا محبوب فریق کامیاب ہوا تو تمہیں معزول اور تبدیل کر دے گا اور اگر وہ فریق کامیاب ہوا جو انتہائی مبغوض تمہارا ہے تو وہ تمہیں مار ڈالے گا اور انتہائی اذیت پہنچائے گا۔ تمہارے باپ نے اپنی کمان چڑھالی، غلط نشانہ تاکا، خطا ہی خطا کی اس وجہ سے اسے زمانے نے بے یار و مددگار چھوڑ دیا اور اس کی موت نے اسے آدبوچا اور وہ جلاوطنی کے عالم میں بمقام حوراں جاں بحق ہوا"۔

اس کے جواب میں قیس نے لکھا۔

امّا بعد! تم بُت پرست ہو، بُت پرست کے بیٹے ہو، اسلام میں جبراً و قہراً داخل ہوئے اور خوشی خاطر باہر ہو گئے۔ تمہارا ایمان پرانا نہیں اور تمہارا نفاق نیا نہیں۔ میرے باپ نے اپنی ہی کمان چڑھائی اور صحیح نشانہ تاکا، ان پر یورش ان لوگوں نے کی جوان کے ٹخنوں تک بھی نہ پہنچتے تھے۔ ہم خدا کے اس دین کے

انصار ہیں جس سے تم باہر ہو گئے ہو اور اس دین کے دشمن ہیں
جس میں تم داخل ہو گئے ہو''۔

(البیان والتبیین جلد ۲ ص ۴۸، تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۶۸، عیون الانبیاء ابن قتیبہ جلد ۲ ص ۲۱۳، مروج الذہب جلد ۲ ص ۶۲، سیرۃ علویہ حافظ محمد علی حیدر کاکوروی جلد سوم)۔

علامہ جاحظ نے اپنی کتاب التاج کے ص ۱۰۹ پر قیس کے آخری خط کو ان لفظوں میں ذکر کیا ہے۔

''اے بُت پرست، بُت پرست کے بیٹے، تم مجھے خط لکھ کر اس امر کی دعوت دے رہے ہو کہ میں علی سے جدا ہو جاؤں اور تمہاری اطاعت میں داخل ہوں، تم مجھے اس سے ڈراتے ہو کہ علی کے اصحاب ان کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں اور تمہارے پاس ٹوٹ ٹوٹ کر آ رہے ہیں۔

خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم اگر علیؑ کے پاس سے سب لوگ چلے جائیں اور سوائے میرے کوئی باقی نہ رہے تو جب تک تم ان سے برسرِ پیکار رہو گے میں کبھی تم سے مصالحت نہ کروں گا اور ہرگز ہرگز تمہاری اطاعت میں نہ داخل ہوں گا جب تک تم ان کے دشمن رہو گے۔ خدا کے ولی اور دوست کو چھوڑ کر دشمنِ خدا کو اختیار نہیں کر سکتا نہ خدا کی جماعت چھوڑ کر شیطان کی جماعت میں داخل ہوں گا''۔

معاویہ قیس کا یہ خط پڑھ کر قیس کی طرف سے ناامید ہو گئے اور سمجھ لیا کہ قیس دام میں نہ آئیں گے تب دوسرا جال پھیلایا۔ اہلِ شام پر ظاہر کیا کہ قیس ہمارے مطیع ہو گئے انھوں نے اہلِ شام کے سامنے تقریر کی۔

''شام والو، قیس تمہارے ساتھ ہو گئے ہیں۔ ان کے لیے خدا سے دعا کرو اور انھیں بُرا بھلا نہ کہو ان سے لڑنے کی تیاری نہ کرو''۔

اب وہ ہمارے طرف دار ہو گئے ہیں......

(سیرۃ علویہ حافظ محمد علی حیدر کاکوروی)

پھر ایک فرضی خط قیس کی طرف سے اپنے نام تصنیف کیا:-

''امیر معاویہ ابنِ ابی سفیان کے نام قیس بن سعد کی طرف سے اما بعد جب ہم نے اپنے نفس اور اپنے دین کے متعلق غور کیا تو ہمیں مناسب نہ معلوم ہوا کہ ہم ایسے لوگوں کی پشت پناہی کریں جنھوں نے امام (عثمان) کو قتل کر دیا حالانکہ وہ مسلمان تھے ان کا خون بہانا حرام تھا، نیکوکار تھے، پرہیز گار تھے، ہم اپنے گناہوں پر خدا سے استغفار کرتے ہیں اور دست بہ دعا ہیں کہ ہمارے دین کو سلامت رکھے۔ آپ کی اطاعت قبول کر رہے ہیں اور قاتلینِ عثمان سے جنگ کرنے پر تیار ہیں جو ہدایت کے امام اور مظلوم تھے۔ فوج، سپاہ اور مال و متاع کی جس قدر آپ کو ضرورت ہو لکھتے میں فوراً ہی آپ کے پاس روانہ کروں گا''۔

(تاریخِ کامل جلد ۵ ص ۲۲۹، سیرۃ علویہ حافظ محمد علی حیدر کاکوروی وغیرہ)

کذب و افترا، جعل، فریب جس کی فطرت میں داخل ہو اس سے اس قسم کی چھچھوری حرکتیں بعید بھی نہیں۔ معاویہ ہی کے زمانے میں سے اُن خود ساختہ اور خانہ ساز حدیثوں کی شروعات ہوئیں جن میں بنی اُمیہ کے فضائل اور بنی ہاشم خانوادۂ نبوت و رسالت کے نقائص بیان ہوتے تھے۔ سوانحِ عمری حضرت

امیر المومنینؑ شائع کردہ دفتر اصلاح کی جلد اول اعجاز الولی میں بہت تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے کہ معاویہ نے جھوٹی حدیثوں کے اختراع و اشاعت میں کتنا اہتمام کیا اور ان کی خوشنودی کے لیے پیغمبر پر الزام لگانے والے کتنی کثرت سے پیدا ہو گئے اور کس قدر بے حد و حساب ایسی حدیثوں کا انبار لگ گیا۔ تو جو شخص پیغمبر کے متعلق اس حد تک افترا و بہتان کر سکتا تھا علی ابن ابی طالب اور خاندان اہل بیت کی طرف ایسی باتیں منسوب کر سکتا تھا اس کا قیس کے متعلق ایسا خط تصنیف کر لینا کیا مشکل تھا۔

مصر کے مشہور فلسفی مورخ ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں:-

''معاویہ سمجھ گئے کہ قیس ہمارے جال میں پھنسنے کے نہیں، نہ تو نرمی و چاپلوسی کی پالیسی ان پر اثر انداز ہو سکتی ہے نہ سختی و درشتی اور تخوف و تہدید لہٰذا انھوں نے مصر میں داؤں کرنے کے بجائے عراق میں ان پر داؤں کیا۔ قیس کی طرف سے اپنے نام ایک فرضی خط لکھا جس میں ظاہر کیا کہ قیس علی سے برگشتہ ہو چکے ہیں، عثمان کے قتل پر غضبناک اور ان کے انتقام کے درپے ہیں۔ اس خط کو انھوں نے اپنے جاسوسوں کے ذریعے کوفے والوں میں مشتہر کیا۔ علی نے تو اس خط کی تصدیق نہ کی، انھوں نے اپنے اصحاب سے صرف اتنا کہا کہ میں تم لوگوں کی بہ نسبت قیس کو زیادہ جانتا ہوں اور سمجھتا ہوں، یہ معاویہ کی چالوں میں سے ایک چال ہے لیکن آپ کے ساتھیوں نے اس خط پر یقین کر لیا اور بگڑ کھڑے ہوئے اور حضرت سے شدید اصرار کیا کہ قیس کو آپ فوراً معزول کر دیجئے۔ علیؑ نے اس شدید اصرار کے

باوجود توقف سے کام لیا اور قیس کو خط لکھا کہ مصر کے جن لوگوں نے بیعت سے کنارہ کشی کی ہے ان سے بزور بیعت لو اور سوا بیعت کے کوئی چیز قبول نہ کرو۔ قیس کو اس خط سے بڑی حیرت ہوئی، انھوں نے حضرت کو لکھا کہ جلد بازی مناسب نہیں اور نہ ان لوگوں کو ابھی چھیڑنا ٹھیک ہے جو خاموشی اور صلح وسلامتی کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ مصر کا انتظام میرے اوپر چھوڑ دیں اور مجھے اپنی مرضی کے مطابق یہاں کے کام کرنے دیں، آپ یہاں سے دور ہیں، صحیح حالات آپ کے پیشِ نظر نہیں اور میں انھیں لوگوں کے درمیان موجود ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر ان لوگوں کو چھیڑا گیا تو بنی بنائی بات بگڑ جائے گی، یہ لوگ لڑنے بھڑنے پر تل جائیں گے اور بہت سے مددگار بھی ان کے پیدا ہو جائیں گے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لوگ معاویہ سے مدد کے طالب ہوں اور وہ ان کی مدد کرے''۔

قیس کے اس جواب سے کوفے والوں کو یقین ہو گیا کہ قیس کے دل میں کھوٹ ہے اور وہ در پردہ امام کے مخالف ہیں۔ وہ لوگ پیچھے پڑ گئے کہ قیس کو فوراً معزول کر دیجیے۔ اتنا اصرار ان کا بڑھا کہ آخر حضرت نے مجبور ہو کر قیس کو مصر سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ محمد ابنِ ابی بکر کو مصر کا حاکم مقرر کیا''۔

(الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم ص ۱۳۰)

مؤرخین کی عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس موقعے پر بعینہ وہی صورت پیدا ہوگئی تھی جو جنگِ صفین میں تحکیم کے متعلق پیش آئی۔ حضرت امیر المومنینؑ جس

طرح تحکیم پر ہرگز آمادہ نہیں تھے اسی طرح قیس کو مصر کی حکومت سے ہٹانا بھی آپ کو منظور نہ تھا مگر جب ساتھ والے ہی اڑ جائیں تو ایک اکیلے امیر المومنینؑ کیا کر سکتے تھے۔ جنگِ صفین میں فتح یقینی ہو جانے کے بعد ہمراہیوں کی ضد نے تحکیم پر مجبور کیا اسی طرح قیس کی معزولی میں ان کی ضد کے آگے حضرت کی ایک نہ چلی۔

قیس اور معاویہ میں صلح:-

شرطۃ الخمیس (شیعیانِ امیر المومنینؑ کی وہ جماعت جس نے معاویہ کے استیصال کے لیے اپنی جان کی بازی لگائی تھی) نے قیس بن سعد کو اپنا امیر مقرر کیا تھا اور قیس صاحب شرطۃ الخمیس کے نام سے مشہور تھے۔ امیر المومنینؑ کی شہادت اور امام حسنؑ کی صلح کے بعد بھی یہ جماعت معاویہ کے لئے کافی دردِ سری کا باعث تھی آخر کار معاویہ نے ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر کر کے قیس کے پاس بھیجا اور خط میں لکھا کہ جو شرائط مصالحت کے تم چاہو لکھ لو ہمیں منظور ہے۔ عمرو عاص نے مخالفت کی کہ قیس کو اتنی آزادی نہ دو بلکہ ان سے جنگ کرو۔ معاویہ نے کہا قیس اور ان کی جماعت سے جنگ کرنا اتنا آسان نہیں ہم ان کا صفایا اس وقت تک نہیں کر پائیں گے جب تک اتنے ہی شام کے لوگ بھی صاف نہ ہو جائیں اور اس کے بعد پھر جینے کا مزہ ہی کیا، میں قیس سے بس اسی وقت جنگ کروں گا جب کہ جنگ کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہ رہے۔ جب معاویہ کا وہ کاغذ قیس کے پاس پہنچا تو قیس نے اپنے اور شیعیانِ امیر المومنینؑ کے لیے یہ شرط لکھی کہ ان کے ہاتھ سے جتنے بھی خون کئے ہیں یا جنگ میں انھوں نے جتنا مال لوٹا تھا اس کا کوئی مواخذہ ان سے نہ ہوگا۔ اس کاغذ پر قیس نے اپنے لئے کوئی خصوصی مراعات نہیں طلب کیں۔

معاویہ نے قیس کی شرط مان لی اور قیس اپنے ساتھیوں سمیت حلقۂ اطاعت میں داخل ہو گئے۔ (طبری جلد ۶ ص ۹۴، کامل جلد ۳ ص ۱۶۳)

ابوالفرج کا بیان ہے کہ اس کے بعد معاویہ نے انھیں بلایا کہ آ کر ہماری بیعت کرو، قیس نے کہا میں قسم کھا چکا ہوں کہ معاویہ سے جب بھی ملوں گا میرے اس کے درمیان یا نیزہ ہوگا یا تلوار۔ معاویہ نے نیزہ اور تلوار منگائی، دونوں چیزیں سامنے رکھیں گئیں تا کہ قیس کی قسم پوری ہو سکے، جب قیس آئے تو امام حسنؑ بھی تشریف فرما تھے۔ قیس نے امام حسنؑ سے عرض کیا کہ آپ اپنی بیعت بحل فرماتے ہیں، امام نے اثبات میں جواب دیا، قیس کے لیے ایک کرسی ڈال دی گئی، معاویہ اور امام حسنؑ تخت پر بیٹھے۔ معاویہ نے پوچھا ''قیس تم بیعت کرتے ہو''، قیس نے کہا ''ہاں'' اور ہاں کہہ کر انھوں نے اپنا ہاتھ اپنے زانو پر رکھ لیا اور معاویہ کی طرف نہیں بڑھایا۔ معاویہ تخت سے اترے قیس پر جھکے اور اپنا ہاتھ قیس کے ہاتھ سے مس کیا۔ قیس نے اپنا ہاتھ بھی نہ اٹھایا۔ (شرح نہج البلاغہ جلد ۴ ص ۱۷)

علّامہ یعقوبی اپنی تاریخ جلد ۲ ص ۱۹۲ پر لکھتے ہیں کہ کوفے میں جب معاویہ کی بیعت ہونے لگی تو کوئی کہتا ''میں تمہاری بیعت تو کر رہا ہوں مگر دل سے تمھیں ناپسند کرتا ہوں''۔ معاویہ کہتے ''بیعت کرلو، خداوندِ عالم نے ناپسندیدہ باتوں میں بہت سی بھلائیاں مضمر کر رکھی ہیں''۔ کوئی آتا اور کہتا ''تم سے خدا کی پناہ'' یہاں تک کہ قیس بن سعد آئے معاویہ نے کہا ''قیس تم بھی بیعت کرو''، قیس نے کہا ''معاویہ میں ایسے ہی دن سے ڈرتا تھا''، معاویہ نے کہا ''جانے بھی دو، خدا تم پر رحم کرے''۔ قیس نے کہا ''میری انتہائی خواہش تو یہ تھی کہ ایسا دن آنے سے پہلے ہی تمہاری روح و تن میں جدائی ڈال دوں مگر خدا کو منظور نہ ہوا''۔ معاویہ نے کہا ''خدا کا حکم کون ٹال سکتا ہے'' اس کے بعد قیس نے مجمع کو مخاطب کر کے کہا۔

''لوگو! تم نے خیر کو چھوڑ کر اس کے عوض میں شر قبول کر لیا، عزت کے بدلے میں ذلت لے لی، ایمان کو چھوڑ کر کفر اختیار کر لیا۔ امیر المومنین سید المرسلین ابن عم رسول رب العالمین کی حکومت کے بعد اب طلیق بن طلیق کی حکومت میں تم آ گئے جو تمہیں ذلیل و رسوا کرتا اور تشدد سے پیش آتا ہے۔ بھلا تمہارے نفوس اس بات کو کیوں کر بھول گئے یا خدا نے تمہارے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اور تم سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھے ہو''۔

معاویہ نے قیس کا گھٹنا پکڑ لیا اور کہا، ''میں تمہیں قسم دیتا ہوں''، پھر ان کے ہاتھ پر ہاتھ مارا لوگوں نے کہا قیس نے بیعت کر لی، قیس نے کہا ''تم جھوٹے ہو، خدا کی قسم میں نے بیعت نہیں کی''۔

اس موقعے پر معاویہ کی بیعت جس نے بھی کی معاویہ نے اس سے قسمیں بھی لیں اور معاویہ پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے اپنی بیعت پر لوگوں سے حلف لیا۔

حافظ عبد الرزاق بن عینیہ ناقل ہیں کہ قیس بن سعد معاویہ کے یہاں آئے، معاویہ نے کہا ''قیس تم بھی مجھ پر چڑھائی کرنے والوں میں سے تھے۔ خدا کی قسم دلی تمنا تو یہ تھی کہ یہ دن آنے سے پہلے ہی میرا قابو تم پر چل گیا ہوتا اور تمہارا قصہ ہی پاک کر چکا ہوتا''۔ قیس نے کہا ''خدا کی قسم مجھے خود بھی یہ بات انتہائی نا پسند تھی کہ یہ دن آئے اور میں یہاں کھڑے ہو کر تمہیں خلافت والا اسلام کروں'' معاویہ نے کہا۔ ''یہ کیوں؟ کیا تم علماء یہود میں سے ہو'' قیس نے کہا، معاویہ اور تم خود کیا ہو، تم خود جاہلیت کے اصنام میں سے ایک صنم تھے اسلام میں بادلِ ناخواستہ داخل ہوئے اور خوشی خاطر نکل گئے''، معاویہ نے کہا ''خدا معاف

کرے"، اچھا ہاتھ بڑھاؤ۔ قیس نے کہا اگر چاہو تو کچھ اور مزید سناؤں؟

(تاریخ ابن کثیر جلد ۸ ص ۹۹)

قیس اور معاویہ صلح کے بعد:

مصالحت کے بعد قیس انصار کی ایک جماعت کے ساتھ معاویہ کے پاس آئے، معاویہ نے کہا، "اے انصار تم کیوں ہم سے مال وزر کے خواہش مند ہو" حالانکہ اس سے پہلے تمہارے گنتی کے لوگ میرے ساتھ تھے اور تمہاری بہت بڑی اکثریت علی کے ساتھ تھی۔ بروزِ صفّین تم نے ہماری باڑھ کند کر کے رکھ دی تھی کہ تمہارے نیزوں کی انیوں میں مجھے موت شعلہ بداماں نظر آنے لگی اور تم نے میرے آباؤ اجداد کی جتنی شدید ہجو کی وہ نیزوں کے وار سے بھی زیادہ کاری تھی یہاں تک کہ خداوندِ عالم نے اس معاملے کو استوار کر دیا جسے تم بگاڑنے پر ہی تلے ہوئے تھے تو اب تم لوگ کہتے ہو کہ رسولؐ اللہ نے ہم لوگوں کے متعلق جو وصیت کی تھی اس کا پاس ولحاظ کیجئے"۔

قیس نے کہا، "ہم تم سے اسی کے طالب ہیں جو خداوندِ عالم نے اسلام کے سبب ہمیں دیا ہے، تمہارے گھر سے کچھ نہیں مانگتے رہ گیا یہ کہ ہم تم سے عداوت رکھتے ہیں اس کا سبب بھی خود تم ہی ہو تم سے اگر ایسی حرکتیں نہ ہوتیں تو ہم بھی عداوت نہ رکھتے۔ تمہارے آباؤ اجداد کی ہجو، باطل کی بیخ کنی اور حق کی حمایت واشاعت تھی، تمہارے معاملے کی استواری بادلِ ناخواستہ ہوئی ہم اس پر ہرگز راضی نہ تھے ہم نے تمہاری باڑھ بروزِ صفّین جو کند کر دی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم ایک ایسے شخص کی معیت میں تھے جس کی اطاعت کو ہم خدا کی عبادت سمجھتے تھے۔ رہ گئی رسول کی وصیت ہمارے متعلق تو جسے پیغمبر پر ایمان تھا اس نے بعدِ پیغمبر وصیتِ رسول کی رعایت بھی کی...... الخ

(عقدِ فرید جلد ۲ ص ۱۲۱، مروج الذہب جلد ۲ ص ۶۳ا لتاریخ والمونسہ جلد ۳ ص ۱۷۰)

قیس اور معاویہ مدینے میں:

تابعی کبیر سلیم بن قیس ہلالی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:-

''امام حسنؑ کی وفات کے بعد معاویہ نے حج کیا اسی سلسلے میں مدینے بھی آئے مدینے کے باشندوں نے ان کا استقبال کیا، معاویہ نے جب استقبال کرنے والوں پر نظر کی تو وہ سب قریش کے معمولی آدمی تھے، معاویہ نے قیس سے پوچھا ''انصار کو کیا ہوا وہ کیوں نہیں ہمارے استقبال کو آئے''۔ کسی نے جواب دیا ''انصار محتاج ہو رہے ہیں، اُن کے پاس سواریاں نہیں رہیں''، معاویہ نے پوچھا ''ان کے اونٹ کیا ہوئے'' قیس نے کہا ''انھیں تو انصار نے جنگِ بدر و احد اور دیگر غزواتِ رسول میں فنا کر دیا جب کہ وہ تم سے اور تمہارے باپ ابوسفیان سے اسلام کے لئے نبرد آزما تھے یہاں تک کہ خدا کا حکم غالب ہو کر رہا اور تم جلتے ہی رہ گئے''۔ معاویہ نے کہا ''خدا معاف کرے''۔

قیس:- رسولؐ خدا نے فرمایا تھا کہ تم عنقریب میرے بعد جانب داری اور ترجیح بلا مرجح دیکھو گے۔

معاویہ:- تو ایسے وقت میں رسولؐ اللہ نے تمہیں کیا حکم دیا تھا۔

قیس:- یہی کہ ہم صبر کریں۔

معاویہ:- تو پھر صبر ہی کرو۔

پھر قیس نے کہا:- معاویہ تم ہمیں ہمارے اونٹوں کا طعنہ دیتے ہو۔ خدا کی قسم ہم نے انھیں پر بیٹھ کر جنگِ بدر کے دن تم سے ملاقات کی تھی، اس وقت تم خدا کے نور کو بجھانے اور شیطان کے کلمے کو سر بلند کرنے کے لیے کوشاں تھے پھر تم اور تمہارے باپ چار و نا چار اسلام میں داخل ہوئے جس کے لئے ہم نے تمہیں تلوار کا مزہ چکھایا تھا۔

معاویہ! تو گویا تم ہم پر احسان جتا رہے ہو کہ تمہارے ہی دم سے اسلام کو فروغ ہوا حالانکہ احسان جو کچھ ہے وہ خدا کا اور قریش کا ہے پیغمبرِ خدا ہمارے ابنِ عم تھے اور ہم سے تھے لہٰذا احسان ہوا بھی تو ہمارا ہی کہ خداوندِ عالم نے تمہیں ہمارے انصار اور پیرو بنایا اور ہمارے ذریعہ سے تمہاری ہدایت کی۔

قیس نے کہا۔ خداوندِ عالم نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کو تمام خلائق پر نبی بنا کر مبعوث کیا، جن وانس، کالے اور گورے، سرخ وسپید سب پر انھیں اپنی رسالت کے لیے مخصوص کیا چنانچہ سب سے پہلے جو شخص ان پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی وہ آنحضرتؐ کے ابنِ عم علی ابنِ ابی طالب تھے اور ابوطالب پیغمبر کی حفاظت کرتے، دشمنوں کو ان سے دفع کرتے اور پیغمبر اور قریش کی ایذا رسانیوں کے درمیان حائل ہو جاتے اور انھیں تاکید کرتے کہ رسالت کے فرائض انجام دیتے رہیں چنانچہ پیغمبر ہر ظلم واذیت سے محفوظ رہے یہاں تک کہ ان کے چچا ابوطالب نے انتقال کیا اور وہ اپنے بیٹے کو تاکید کر گئے کہ پیغمبر کا بوجھ بٹائیں۔ چنانچہ انھوں نے پیغمبر کی ہر ممکن نصرت ویاوری کی اور ہر سختی وتنگی وخوف میں اپنے کو سپر بنالیا پیغمبر کا۔ خداوندِ عالم نے تمام قریش میں خصوصیت کے ساتھ علی ہی کو اس شرف سے ممتاز کیا اور تمام عرب وعجم میں انھیں کو فوقیت بخشی، رسولؐ اللہ نے تمام فرزندانِ عبدالمطلب کو جمع کیا۔ اس میں ابوطالب بھی تھے، ابولہب بھی غرض کہ چالیس آدمی تھے رسولؐ اللہ نے اور ان کے خدمت گذار علی ابنِ ابی طالب نے انھیں ابوطالب کے مکان میں مدعو کیا۔ رسالتؐ مآب نے فرمایا تم میں کون ہے ایسا جو میرا بھائی اور میرے بعد ہر مومن کا ولی ہو، سب لوگ خاموش رہے یہاں تک کہ پیغمبر نے دوبارہ اور سہ بارہ کہا۔ اس پر علی نے کہا میں حاضر ہوں یا رسولؐ اللہ، رسولؐ اللہ نے علی کا سر اپنے کلیجے سے لگالیا اور اپنا لعابِ دہن ان کے

منہ میں دیا۔ اور دعا کی خداوند اعلیٰ کے باطن کو علم وفہم اور حکمت سے لبریز کر دے پھر آنحضرتؐ نے ابوطالب سے کہا چچا جان اپنے فرزند کی بات سنیے اور اس کا کہا مانیے خداوندِ عالم نے اسے اپنے نبی کے لیے ویسا ہی قرار دیا ہے جیسا موسیٰ کے لیے ہارون تھے اور آنحضرتؐ نے اپنے اور علی کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔

اسی سلسلے میں قیس نے امیر المومنینؑ کے جتنے مناقب تھے ایک ایک کر کے گنا دیئے پھر کہا انھیں علیؑ و رسولؐ کے گھرانے سے جعفرؑ ہیں جو جنّت میں دو پروں سے محو پرواز ہیں، خداوندِ عالم نے انھیں خصوصی شرف عنایت کیا ہے۔ انھیں میں سے حمزہ سید الشہداء ہیں، فاطمہ سیدۂ نساءِ اہلِ جنّت ہیں تو اے معاویہ اگر قریش سے تم رسولؐ اللہ اور ان اہلِ بیت اور عترت طاہرین کو نکال لو تو قسم بخدا ہم قریش والوں سے کہیں زیادہ بہتر اور خدا و رسولؐ اور اہل بیتِ رسول کے کہیں زیادہ محبوب ہیں۔ جب رسول اللہ کا انتقال ہوا تو تمام انصار میرے باپ کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ ہم سعد کی بیعت کریں گے، یہ خبر سن کر قریش والے دوڑ پڑے اور علما اور اہلِ بیتؑ کے نام پر ہم سے جھگڑا کرنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ وہ رسول اللہ کی قرابت کی وجہ سے زیادہ حق دار ہیں مگر آخر کار انھیں قریش نے انصار کا حق بھی غصب کر لیا اور آلِ محمدؑ کا بھی اور اپنی جان کی قسم علی اور ان کی اولاد کے مقابلے میں خلافت کا کوئی حق نہ انصار کو ہے نہ قریش کو نہ عرب وعجم کے کسی شخص کو"۔

اس تقریر سے معاویہ غضب ناک ہو گئے اور کہا "فرزندِ سعد یہ سب باتیں تم نے کس سے سنیں؟ کس سے روایت کی کس سے معلوم کیا؟ کیا تمہارے باپ نے یہ سب باتیں تمھیں بتائی ہیں"۔ قیس نے کہا "میں نے یہ سب باتیں اس شخص سے سنی ہیں جو میرے باپ سے بھی بہتر تھا اور جس کا حق مجھ پر میرے باپ سے بھی زیادہ ہے"۔ معاویہ نے پوچھا "وہ کون"؟ کہا "علی ابنِ ابی طالب جو اس

اُمت کے عالم اور صدیق ہیں جن کے متعلق خداوندِ عالم نے یہ آیت نازل کی اسی سلسلے میں قیس نے وہ تمام آیتیں تلاوت کیں جو امیر المومنینؑ کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔

معاویہ نے کہا۔ ''اسلام کے صدیق ابوبکر ہیں، فاروق عمر ہیں اور "الذی عندہ علم الکتاب" سے مراد عبداللہ بن سلام ہے''، قیس نے کہا، ان سب چیزوں کا زیادہ حق دار و سزاوار وہ ہے جس کے متعلق خداوندِ عالم نے فرمایا ہے، اور وہ ہے جسے رسول اللہ نے بروزِ غدیر بالائے منبر ایستادہ کر کے فرمایا۔ "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ" اور غزوۂ تبوک میں کہا "انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ، قیس نے اس موقعے پر جتنی آیتیں اور حدیثیں پیش کیں انھیں بڑے بڑے علما و حفاظِ حدیث نے اپنی تفاسیر و صحاح و سنن و مسانید میں بیان کیا ہے۔ سوانحِ عمری حضرت امیر المومنین جلد دوم، قرآن ناطق جلد سوم، ثقلِ اکبر میں، ہم نے بھی ان آیات و احادیث کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

قیس کا قد و قامت:

شکل و صورت اور قد و قامت کو بھی انسان کی وجاہت و وقار میں بڑا دخل ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص غیر معمولی ڈیل ڈول اور پُرہیبت منظر کا ہوتا ہے تو عوام پہلی ہی نظر میں مرعوب ہو جاتے ہیں۔ بادشاہوں، رئیسوں اور معزز لوگوں کے لیے یہ بہت ہی ضروری چیز ہے۔

خداوندِ عالم نے قیس بن سعد کو جہاں باطنی خوبیوں سے سنوارا تھا وہاں ظاہری وجاہت و ہیبت سے بھی سرفراز کیا۔ جس طرح انھیں علم و عمل زہد و ورع، عقل و خرد، حزم و احتیاط، چالاکی و ہوشیاری، امارت و حکومت، ریاست و سیاست، شجاعت و مردانگی، جود و سخا و دستد ایسے فضائل و کمالات سے پورا پورا حصہ مرحمت فرمایا وہاں ڈیل ڈول، قد و قامت سے بھی امتیازی درجہ بخشا۔ علامہ دیلمی اپنی ارشاد

جلد ۲ ص ۳۲۵ پر لکھتے ہیں قیس بن سعد ۱۸ بالشت لمبے اور ۵ بالشت چوڑے تھے اور امیر المومنین کے بعد اپنے زمانے میں سب سے زیادہ سخت وشدید تھے۔

ابو الفرج کا قول ہے کہ قیس اتنے لمبے قد کے تھے کہ اونچے سے اونچے گھوڑے پر بیٹھتے مگر پھر بھی ان کے پیر زمین پر کھنچتے ہوئے جاتے۔

علّامہ کشی رجال کشی ص ۷۳ پر لکھتے ہیں کہ یہ قیس پیغمبرِ خدا کے ان دس اوّلین مخصوصین میں سے ہیں جن کا قد خود ان کے بالشت سے دس بالشت تھا، ابراہیم ثقفی کی کتاب الغارات میں مذکور ہے کہ قیس سب سے زیادہ دراز قامت اور چوڑے چکلے تھے، چندیا پر بال نہیں تھے، معزز و محترم، بہادر و آزمودہ کار، علی و اولادِ علی کے انتہائی جان نثار، مرنے کے وقت تک قیصر روم نے روم کا ایک مشہور پہلوان جو انتہائی غیر معمولی ڈیل ڈول کا تھا معاویہ کے پاس بھیجا، معاویہ کی نظروں میں قیس کے علاوہ کوئی ایسا نہ تھا جو اس کے مقابلے پر لایا جاسکے ایک مرتبہ وہی رومی پہلوان معاویہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ قیس بھی آگئے، معاویہ نے کہا گھر پہنچنے کے بعد ذرا تم اپنا پائجامہ بھیج دینا، قیس مطلب سمجھ گئے، انھوں نے اپنا پائجامہ اتار کر اس رومی پہلوان کی طرف پھینک دیا، رومی پہلوان نے وہیں اسے پہنا اور وہ پائجامہ اس کے سینے تک گیا، پہلوان نے شکست کی شرمندگی سے سر جھکا لیا، لوگ قیس پر فقرے کسنے لگے کہ انھوں نے معاویہ کے سامنے پائجامہ اُتار دیا اس پر قیس نے چند اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ "میری اس حرکت کا مدعا یہ ہے کہ سب لوگ یقین کرلیں کہ یہ پائجامہ قیس ہی کا ہے، گھر جاکر پائجامہ بھجواتا تو لوگ یہ کہتے کہ یہ پائجامہ آجکل کے زمانہ کا تھوڑا ہی ہے یہ تو قوم عادِ و ثمود کا پائجامہ ہے"۔ (ثمار القلوب ثعالبی ص ۴۸۰)

ابنِ کثیر نے بھی بدایہ ونہایہ جلد ۸ ص ۱۰۲ پر اس واقعے کو ذرا سے تغیر کے

ساتھ ذکر کیا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے۔

''ایک روایت میں ہے کہ بادشاہِ روم نے اپنے لشکر کے دو آدمی معاویہ کے پاس بھیجے، بادشاہ کا دعویٰ تھا کہ ان میں سے ایک اس کی بادشاہت بھر میں سب سے زیادہ طاقتور ہے اور دوسرا سب سے زیادہ طویل القامہ۔ اس نے معاویہ کو کہلا بھیجا کہ اگر تمہارے لشکر میں کسی نے انھیں مات دے دی تو میں تمہیں اتنے اتنے تحائف دوں گا ورنہ تمہیں یہ سب کچھ دینا پڑے گا۔ جب سب معاویہ کے پاس اکٹھا ہو گئے تو محمد بن حنفیہ نے رومی پہلوان سے کہا، ''میں بیٹھتا ہوں میرا ہاتھ پکڑ کر تم مجھے اٹھا دو یا تم بیٹھو میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر اٹھا دوں''، رومی پہلوان نے کہا، ''آپ بیٹھیے میں اٹھا دوں گا''۔ محمد بن حنفیہ بیٹھ گئے، رومی نے ان کا ہاتھ پکڑ کر پوری طاقت صرف کر دی مگر انھیں کھڑا نہ کر سکا بلکہ محمد ابنِ حنفیہ ہی نے اسے بٹھا لیا۔ پھر محمد ابنِ حنفیہ کھڑے ہوئے، رومی بیٹھا اور محمد بن حنفیہ نے ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیا رومی پہلوان شرمندہ ہو کر بیٹھ رہا۔ اس کے بعد قیس اٹھے ایک گوشے میں گئے اور اپنا پائجامہ اتار کر دوسرے رومی کی طرف پھینکا، اس نے پہنا تو اس کے گلے تک وہ پائجامہ آیا اور پھر بھی پائینچے زمین پر لٹک رہے تھے''۔

اس قسم کے تاریخی حقائق دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ مشکل وقتوں میں اہلِ بیت و پیروانِ اہلِ بیت ہی مرجع ہوا کیے، جس قسم کی بھی پریشانی لاحق ہوئی انھیں کے ذریعے دور ہوئی جیسے امیر المومنینؑ صدرِ اول میں حلّالِ مشکلات تھے۔

قیس کی وفات:۔

۵۹ھ یا ۶۰ھ میں مدینے میں ہوئی آخر زمانہ خلافتِ معاویہ میں''۔

(اسد الغابہ، استیعاب وغیرہ) اقتباس و ترجمہ از الغدیر جلد اول)

حضرت قیس بن سعد انصاری

قیسؔ زنگی پوری

اے کہ تیرے نام سے لرزاں تھے مردانِ وغا — السّلام اے قیس اے شیرِ نیستان وغا
گوہرِ بحرِ شرافت پاک طینت پاک باز — نیّرِ برجِ سعادت سرفروش و سرفراز
عزت و اجلال کے دیہیم کا دُرِ خوش آب — سطوت و رعب و جلالت کے فلک کا آفتاب
بیشۂ جرأت کا وہ بپھرا ہوا ضرغام تھا — مرگ دشمن عرصۂ ہیجا میں جس کا نام تھا
عہدِ ختم المرسلینؐ سے تا بہ سلطانِؑ نجف — ہر مہم میں تابع فرمانِ حق تھے سربکف
یوم فتح مکہ جس دم جنگ تھی گھمسان کی — دید کے قابل تھی اس دم شان اس ذیشان کی
آستیں اُلٹے ہوئے کھینچے ہوئے تیغ دودم — سر پہ لہراتا ہوا فوجِ الٰہی کا علم
جمع کر کے غزوۂ صفّین میں انصار کو — یوں مخاطب کر کے سمجھایا ہر اک جرّار کو
شکر ہے اس فوج میں رہ کر وغا کرتے ہیں ہم — ہمسرِ طوبیٰ ہے فرّ و شان ہے جس کا علم
کل اسی فوج و علم کی وہ نرالی شان تھی — صدقے ہوتے تھے ستارے کہکشاں قربان تھی
میمنے پر اس کے سایہ تھا پر جبریلؑ کا — میسرے کو زور تھا بازوئے میکائیل کا
یہ ابوسفیان کا بیٹا اور اس کے جاں نثار — ان کا کل سردار تھا بوجہل جیسا نابکار
یک زباں ہو کر کہا انصار نے حق پر ہیں آپ — آپ کے ہم تابع فرماں ہیں اور افسر ہیں آپ
سر ہتھیلی پر لیے حاضر ہیں جملہ جاں نثار — حملہ ور ہوں شامیوں پر حکم کا ہے انتظار
ناگہاں فوجِ مخالف رزم گہ میں آ گئی — شام کی کالی گھٹا دشت وغا میں چھا گئی

آپ نے گھوڑا اُڑایا قلبِ لشکر میں دھنسے — اک قیامت آ گئی ہر سمت سر گرنے لگے
جس کو دیکھا اس میں کچھ بھی تمکنت بے شان ہے — آپ نے سمجھا یہی ابنِ ابوسفیان ہے
یوں جھپٹ کر ہاتھ مارا شاہ نے تلوار کا — رنگ رُخ کے ساتھ ہی سر اُڑ گیا غدّار کا
غیظ میں کشتوں سے میدانِ وغا بھرتے ہوئے — بڑھتے ہی جاتے تھے سرداروں کو دو کرتے ہوئے
دی صدا اک بار گھبرا کر امیرِ شام نے — شامیو بھاگو نہ جاؤ اس جری کے سامنے
لاکھوں کے لشکر سے یہ منھ موڑنے والا نہیں — جنگ میں دشمن کو زندہ چھوڑنے والا نہیں
اس کا حملہ کیا رُکے نام آورانِ دہر سے — شیر کو جو مار لیتا ہو نگاہِ قہر سے
سُن کے یہ آواز بولا غیظ میں وہ یکہ تاز — ہے ابوسفیانؔ کے بچّے تری رسّی دراز
اللہ اللہ آپ اس درجہ جلیل القدر تھے — بعد معصومین ہر بزم شرف کے صدر تھے
جس طرح ممتاز دربارِ رسالت میں رہے — یوں ہی سرافراز سرکارِ امامت میں رہے
فیض بزم سیّد لولاک سے پائے ہوئے — بیشۂ شیرِ الٰہی کی ہوا کھائے ہوئے

لشکرِ اسلام کا وہ معتمد جاں باز تھا
جس کی جرأت پر امیر المومنینؑ کو ناز تھا

ابوذر غفاری

آپ کا نام جندب بن جنادہ اور کنیت ابوذر تھی، آپ کا تعلق قبیلۂ غفار سے تھا۔ بعثتِ نبوی سے قبل مسافرانہ حیثیت سے آپ واردِ مکہ معظمہ ہوئے تھے۔ آپ کو جنابِ امیرؑ نے کئی روز اپنے گھر مہمان رکھنے کے بعد آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش فرمایا تھا۔ اس کے بعد یہ اپنے قبیلے کو واپس چلے گئے اور ہجرت نبوی کے بعد ابوذر مدینۂ منورہ پہنچ کر اصحابِ صُفہ کے ساتھ مسجدِ نبوی میں مقیم ہو کر غزوات میں آنحضرتؐ کے ساتھ شریک رہنے لگے۔ جنگِ مصطلق پر تشریف لے جاتے وقت آنحضرتؐ نے ابوذر کو مدینے میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔

ہرقل رومی کے مقابلے کے موقعے پر جب آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب کو طلب فرمایا تو ابوذر بھی اس لشکر میں شریک تھے لیکن اپنے اونٹ کی لاغری کی وجہ سے پیچھے چھوٹ گئے تھے۔ جب لوگوں نے آنحضرتؐ سے کہا کہ ابوذر پیچھے رہ گئے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا ''ان کو چھوڑ دو اگر ان کے لیے بھلائی ہے تو وہ تم تک پہنچ جائیں گے اور اگر ان کا وجود تمہارے لئے نقصان رساں ہے تو خدا نے تم کو آسودہ کیا'' بالآخر ابوذر نے اپنے اونٹ کو جنگل میں چھوڑ کر پیدل چلنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ ایک ایسے ٹیلے پر پہنچے جہاں بارش کا پانی ایک پتھر کے شگاف میں جمع تھا ابوذر نے اپنی مشک کو اس پانی سے بھر لیا۔ جب لشکرِ اسلام تبوک کے قریب پہنچا تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک مسافر بیابان کے آخری

کنارے سے چلا آرہا ہے۔ لشکر اس کے انتظار میں وہیں رُک گیا، جب وہ شخص قریب آیا تو سب نے پہچان لیا کہ وہ ابوذر ہیں۔ آنحضرتؐ نے ابوذر کو گلے سے لگا لیا اور فرمایا کہ "ابوذر کو پانی پلاؤ وہ پیاسے ہیں۔ ابوذر نے اپنی مشک آنحضرتؐ کے سامنے پیش کی تو آپ نے فرمایا ابوذر تم اپنے ساتھ پانی رکھتے ہوئے پیاسے رہے"۔ ابوذر نے عرض کیا "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں ایک پتھر کے قریب پہنچا تو اس کے شگاف میں برسات کا پانی جمع تھا تھوڑا سا پانی پینے کے بعد چونکہ وہ سرد اور لطیف تھا میں نے خیال کیا جب تک آپ نوش نہ فرمالیں نہ پیوں گا"۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "اے ابوذر خدا تم کو بخشے، تنہا زندگی کرو گے۔ تنہا مرو گے اور قیامت میں تنہا اٹھائے جاؤ گے"۔

۹ھ میں جنگ تبوک میں جزیے کی ادائی کی شرط پر مصالحت ہوگئی اور جنگ کے بغیر لشکر اسلام مدینے واپس ہوا۔ ۱۱ھ میں آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ابوذر خلافتِ اوّل و دوم میں خاموش رہے لیکن خلافتِ ثالث کے وقت ابوذر کو نا گوار ہوا کہ جناب امیرؑ خلیفہ نہ ہوئے۔ انھوں نے مدینے کی سکونت ترک کر کے شام کا سفر بقول مسعودی اس لئے اختیار کیا کہ خلیفہ ثالث نے دیہات اور اراضی اپنے قرابت داروں کو بطور جاگیر عطا کر دی تھی اور خیبر کی اراضی کی مال گزاری جو خلافت اوّل و ثانی تک مسلمانوں کے تصرّف میں تھی اسے اور افریقہ کے خراج کا خمس بھی خلیفۂ ثالث نے مروان کو بخش دیا تھا اور شام کی مال گزاری معاویہ کو دے دی گئی تھی۔ ابوذر نے یہ مشاہدہ کر کے کہ بعض مسلمان مفلس اور بعض کافی دولت مند ہو گئے ہیں اس طرزِ عمل کی بالا علان مخالفت شروع کر دی کہ مسلمانوں کا ایک گروہ مفلس اور دوسرا دولت مند کیوں رہے چنانچہ وہ اس آیۃ کی بار بار مجمعٔ عام میں تلاوت کیا کرتے تھے۔

''جولوگ سونا اور چاندی ذخیرہ کر کے راہِ خدا میں نہیں دیتے انھیں دردناک عذاب کی خبر دے دو جبکہ اس سونے چاندی کو تپا کر ان کی پیشانیوں پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغ دیں گے یہی وہ چیز ہے جو تم نے ذخیرہ کی تھی اب اس کا مزہ چکھو''۔

ابوذر نے اس آیت کی تلاوت کی اس قدر تکرار کی کہ جن کے حقوق پامال ہوئے تھے وہ سب ان کے اطراف جمع ہونے لگے اور مال داران سے خائف رہنے لگے۔ اس صورتِ حال پر حبیب بن مسلمہ فہری نے معاویہ سے ایک دن کہا ''بہت بڑا فتنہ رونما ہو گیا ہے۔ ابوذر اہلِ شام کو تمہارے خلاف بھڑکا رہا ہے اگر تم شام کے حکومت کی خیر چاہتے ہو تو اس کی کچھ تدبیر کرو''۔ اس پر معاویہ نے ابوذر کو ارضِ روم اور جزیرہ قبرص کی جنگ پر بھجوا دیا جہاں سے وہ بہت جلد کامیاب ہو کر لوٹ آئے اور بدستور۔ سابق کہنا شروع کیا۔ ''میں دیکھ رہا ہوں کہ حق پامال اور باطل زندہ ہو رہا ہے، سچوں پر ملامت ہو رہی ہے بے پروا آگے بڑھ رہے ہیں اور پرہیز گار دھتکارے جا رہے ہیں''۔ معاویہ نے ابوذر کو راضی رکھنے کے لیے ایک مرتبہ تین سو دینار ان کے پاس بھیجے۔ ابوذر نے لانے والے سے کہا ''اگر یہ میرا ذاتی حق ہے جس سے میں محروم کیا گیا تھا تو لیتا ہوں اور اگر یہ انعام ہے تو مجھے اس کی ضرورت نہیں''۔ یہ کہہ کر دینار واپس کر دیئے۔

ایک مرتبہ معاویہ نے ابوذر کو بُلوا بھیجا اور خواہش کی کہ وہ ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوں۔ ابوذر نے قبول نہ کیا اور یہ کہا کہ ''سرمایہ دار شکایت کرتے ہیں کہ میں فقرا کو ان کے خلاف بھڑکا رہا ہوں حالانکہ میں ان سرمایہ داروں سے کہتا ہوں کہ کیوں مال جمع کرتے ہو اور خدا کے لئے خرچ نہیں کرتے اس لئے کہ اللہ ان سے فرما رہا ہے کہ جو سونا چاندی جمع کرنے والے راہِ خدا میں نہیں دیتے انھیں دردناک عذاب کی بشارت دو، میں ان سے یہ کہہ رہا ہوں کہ جو تمہارے مصرف

سے بچ جائے وہی فقرا کو دے دو۔ فقرا کا یہ حق سرمایہ داروں کی گردن پر ہے اور خدا فرماتا ہے کہ تمہارے مال میں فقرا و مساکین کا حق ہے"۔

اس پر معاویہ نے ابوذر کو اپنے گھر سے نکلوا دیا اور حکم دیا کہ کوئی ان سے نہ ملے مگر اس کی تعمیل نہ ہوئی۔ ابنِ سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ جلام بن جندب جو قنسرین وغیرہ پر معاویہ کی جانب سے مامور تھے ایک دن کسی کام سے معاویہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ ایک شخص معاویہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر باآوازِ بلند کہہ رہا ہے "آگ کے بوجھ تمہارے لئے آئے ہیں۔ جو شخص نہی عن المنکر نہ کرے خدا اس پر لعنت کرے اور جو امر بالمعروف نہ کرے خدا اس پر لعنت کرے"۔ یہ صدا سن کر معاویہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور کہا "اے جلام کیا تم اس شخص کو پہنچانتے ہو"۔ انھوں نے کہا نہیں۔ تو معاویہ نے کہا "کون ہے جو مجھے جندب بن جنادہ سے نجات دلائے گا۔ ہر روز اسی وقت آکر جو کچھ تم نے سنا یہ شخص بلند آواز سے کہتا ہے اس کو میرے سامنے لاؤ"۔ چنانچہ ابوذر کو کشاں کشاں معاویہ کے سامنے لایا گیا۔ معاویہ نے کہا۔ "اے دشمنِ خدا ہر روز ہمارے وقت پر آکر یہی کام کرتا ہے اگر میں محمدؐ کے کسی صحابی کو عثمان کی بغیر اجازت قتل کرتا تو وہ تو ہوتا"۔ ابوذر جو خمیدہ پشت ہو گئے تھے انھوں نے معاویہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ "میں خدا اور پیغمبر کا دشمن نہیں ہوں۔ تو اور تیرا باپ خدا اور پیغمبر کے دشمن تھے جو بظاہر مسلمان ہوئے اور باطن میں کافر ہے"۔

ابوذر کے اس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے عوام کے دماغوں میں انقلاب کا مادّہ فراہم ہو گیا چنانچہ ایک مرتبہ نمازِ جمعہ کے بعد معاویہ جامع اموی کے منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ "مال ہمارا مال اور فئی ہمارا فئی ہے ہم جس کو چاہتے ہیں دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں نہیں دیتے"۔ اس پر مصلیوں میں

سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا ''ایسا نہیں ہے۔ مال ہمارا مال ہے اور فئی ہمارا فئی ہے جو شخص ہم کو ہمارے حق سے محروم کرے اس کو ہم خدا کے پاس بھیج دیں گے جہاں ہمارا اور اس کا فیصلہ ہوگا''۔ معاویہ سمجھ گئے کہ یہ ابوذر کی تبلیغ کے اثرات ہیں۔ مسجد سے گھر آ کر انھوں نے خلیفۂ ثالث کو لکھ بھیجا۔ ''ایک گروہ ابوذر کے چاروں طرف جمع ہو گیا ہے جو شب و روز اسی کے ساتھ رہتا ہے۔ ابوذر مجھے کام کرنے نہیں دیتے۔ مجھے اطمینان نہیں ہے کہ آپ بھی ان سے محفوظ رہ سکیں۔ اگر آپ کو اہلِ شام کی ضرورت ہے تو ابوذر کو بلوا لیجیے اس لیے کہ انھوں نے شامیوں کو آپ سے بدگمان کر کے ان کے دلوں میں آپ کی عداوت پیدا کر دی ہے۔ شامی سوائے ابوذر کے کسی سے مشورہ نہیں کیا کرتے اور سوائے ابوذر کے ان پر کوئی حکومت نہیں کر سکتا ہے''۔ خلیفۂ ثالث کے پاس سے اس کا یہ جواب آیا ''یہ فتنہ بالکل آشکار ہو چکا ہے۔ صرف چھیڑنے کی دیر ہے۔ تم اس بند زخم کا منہ نہ کھولو۔ ابوذر کو ایک نہایت شریر اونٹ پر سوار کرا ایسے شخص کے ساتھ روانہ کرو جو ان پر بہت سختی کرے۔ لوگوں سے کچھ غرض نہ رکھو۔ تم جب تک خاموش ہو وہ بھی خاموش رہیں گے''۔

یہ جواب پا کر معاویہ نے ابوذر کو ایک ایسے اونٹ پر سوار کرا کے، جس کی پشت پر صرف لکڑی کا پالان تھا، پانچ سپاہیوں کے ساتھ روانہ کر دیا۔ روانگی کے وقت لوگوں نے چاہا کہ انھیں جانے نہ دیں مگر ابوذر نے انھیں مخاطب کر کے کہا ''لوگو میں تمہیں ایسی نصیحت کرتا ہوں جس پر عمل کرنے سے تمہارا فائدہ ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ قیامت، بہشت، دوزخ اور جو کچھ پروردگار کی جانب سے آیا ہے وہ سب برحق ہے۔ خدا اور رسول کی خوشنودی کا پیغام اس شخص کو مبارک ہو جو اس عقیدے پر مرے بشرطیکہ وہ گنہگاروں کا طرف دار اور ظالموں کا مددگار نہ

ہو۔ خدا کی ناراضی پر اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کی رضا مندی وخوشنودی کو ترجیح نہ دو، اگر ان سے کوئی برائی دیکھو تو دوری اختیار کرو چاہے اس وجہ سے تمھیں قید و بند میں مبتلا ہونا یا اپنا وطن چھوڑنا پڑے۔ خدا سب سے بلند و بالا اور لائقِ پیروی ہے۔ خدا کی خوشنودی کے لیے خدا کو ناخوش کرنا ہرگز سزاوار نہیں''۔ اس کے بعد ابوذر روانہ ہو گئے۔

گرما کی شدت اور پالانِ شتر کی لکڑی نے ابوذر کی دونوں رانوں کا گوشت چھیل دیا تھا، وہ شبانہ روز چل کر مدینے میں جب خلیفۂ ثالث کے پاس پہنچے تو انھوں نے کہا کہ تم نے ایسا کیا اور ویسا کیا۔ ابوذر نے جواب دیا کہ ''میں نے تم کو اور تمھارے ساتھی (معاویہ) کو نصیحت کی ہے لیکن دونوں سمجھ رہے ہیں کہ میں دھوکا دے رہا ہوں''۔ خلیفہ نے کہا ''لیکن تم فتنہ برپا کرنا چاہتے ہو، تم نے اہلِ شام کو ہماری مخالفت پر آمادہ کیا ہے''۔ ابوذر نے کہا ''اپنے دو رفقائے سابق کی پیروی کرو پھر تم پر کوئی نکتہ چینی نہ کرے گا''۔ خلیفہ نے کہا ''او بے ایمان کے بچے۔ تجھے ان باتوں سے کیا کام''۔ ابوذر نے کہا۔ ''خدا کی قسم میں نے سوائے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کوئی گناہ نہیں کیا ہے''۔ شامیوں کو مجھ سے شکایت نہیں ہے۔ ہاں ایک مختصر سا گروہ دولت اور غلّہ ذخیرہ کر کے مستحقین اور حاجت مندوں کو اس سے محروم کر رہا ہے وہی میرا مخالف ہو گیا ہے''۔ خلیفہ نے کہا ''کیا وہ حرام کا مال کھانا چاہتے ہیں (با آوازِ بلند کہا) لوگو۔ کہو میں اس بڈھے کے ساتھ کیا کروں، اس کو قتل کروں، ماروں یا سلطنتِ اسلامیہ سے باہر کر دوں۔ اس نے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا ہے''۔ اس موقعے پر جناب امیرؑ بھی موجود تھے، انھوں نے فرمایا ''میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو مومنِ آلِ فرعون نے کہی تھی۔ ابوذر کو چھوڑ دو۔ اگر وہ جھوٹ کہتے ہیں تو اس کا خمیازہ بھگتیں گے اگر سچ

کہہ رہے ہیں تو ان میں سے بعض کی ذمّے داری تم پر عاید ہوتی ہے۔ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ میں نے پیغمبرؐ سے سنا ہے کہ درختوں نے سایہ نہیں ڈالا اور زمین نے اپنی پشت پر ابوذر سے زیادہ سچ بولنے والا نہیں اٹھایا،،۔

اس کے بعد بھی خلیفہ نے غضبناک ہو کر سب کو تاکید کر دی کہ ابوذر سے کوئی نہ ملے اور نہ فتویٰ پوچھے۔ اس پر بھی لوگ برابر ابوذر کے پاس جمع ہوتے رہے۔ خلیفہ نے ابوذر کے پاس کہلا بھیجا کہ ان آیات و احادیث کو بیان نہ کیا کرو جو فقراء کو مال داروں کے خلاف اُبھارتی ہیں۔ ابوذر نے جواب دیا کہ ”کیا عثمان مجھے قرآن پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور جو احکام خداوندی پر عامل نہیں ہے اس کو ٹوکنے سے روکتے ہیں“۔

ایک دن خلیفہ نے ابوذر کو بلا بھیجا جب وہ وہاں پہنچے تو کعب الاخبار بیٹھے تھے۔ خلیفہ نے اُن سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دے تو کیا اس کے ذمہ کسی کا حق رہ سکتا ہے۔ کعب نے جواب دیا کہ نہیں۔ اگر اپنے مال کی زکوٰۃ دے کر وہ ایسا محل تعمیر کرے جس کی ایک اینٹ سونے کی اور دوسری چاندی کی ہو تو اس کے ذمہ کچھ واجب الادا نہیں رہتا ہے۔ اس پر ابوذر نے اپنے عصا کو کعب کے سینے پر مار کر کہا کہ ”جھوٹ کہتا ہے“ اور یہ آیہ سورۂ بقر (۱۷۷) کی تلاوت کی

(لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ...الخ

(نیکی یہ نہیں ہے کہ اپنا منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر دے بلکہ نیک کام کرنے والے وہ ہیں جو خدا اور قیامت اور ملائکہ اور قرآن اور پیغمبر پر ایمان لائیں اور محض خدا کی خوشنودی کے لیے اپنا مال اپنے (یا پیغمبر کے) اہلِ قرابت کو دیں اور یتیموں اور بے خانماں لوگ اور وہ مسافر جو عالمِ مسافرت میں نادار ہو گئے ہوں اور فقرا و کنیز و غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے دین اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور جو وعدہ کر کے وفا کرتے ہیں اور جو تنگدستی و بیماری، جنگ کے وقت سختیاں برداشت کرتے ہیں یہی لوگ سچے اور متقی ہیں۔)

اس کے بعد ابوذر لوگوں کے ہاں آنا جانا ترک کر کے مسجدِ نبوی میں مصروف عبادت رہا کرتے تھے۔ ایک دن عبدالرحمن بن عوف کا کثیر متروکہ خلیفۂ ثالث کے پاس لایا گیا تو کعب الاحبار نے کہا کہ "عبدالرحمن نے حلال سے کمایا۔ مالِ حلال لوگوں کو دیا کرتے تھے اور مالِ حلال چھوڑ گئے خدا ان کو دنیا و آخرت کی نیکی عطا کرے"۔ ابوذر نے جب یہ واقعہ سنا تو وہ کعب کی تلاش میں پھرنے لگے یہاں تک کہ وہ خلیفہ کے گھر میں مل گئے تو ابوذر نے کعب سے کہا۔ "تو کہتا ہے کہ خدا دنیا و آخرت کی نیکیاں اسے عطا کرتا ہے جس نے یہ مال چھوڑا ہے مجھے بتا کہ عبدالرحمن نے یہ مال کہاں سے پیدا کیا۔ یہ ان کے لیے خدا نے آسمان سے بھیجا یا یہ مال لوگوں کے حصے کا ہے جسے ان لوگوں نے محنت سے کمایا تھا۔ پیغمبر کا تو یہ قول تھا کہ اگر میں مرجاؤں تو میرے پاس ایک قیراط بھی نہ نکلے اور تو عبدالرحمن کو اس مال کا ذمے دار نہیں سمجھتا"۔ یہ کہہ کر وہ عصا جو ہاتھ میں تھا کعب کے سر پر مارا جس سے ان کا سر پھٹ گیا۔

خلیفہ نے کہا ''مجھے کہاں تک تکلیف دو گے میرے سامنے سے نکل جاؤ۔ ہمارے حدودِ سلطنت اور ہمسایہ سے نکل جاؤ''۔ ابوذر نے کہا ''مجھے بھی تمہارا ہمسایہ بُرا معلوم ہوتا ہے اچھا تم ہی کہو میں کہاں جاؤں مکہ، شام، عراق، مصر'' لیکن خلیفہ نے ان مقامات پر جانے کی اجازت نہ دی۔ ''ابوذر نے کہا خدا کی قسم ان کے سوائے اب کوئی دوسری جگہ منتخب نہ کروں گا میری مرضی پوچھتے ہو تو مدینہ چھوڑنا نہیں چاہتا''۔ خلیفہ نے کہا ''تم کو بیابانِ ربذہ میں جانا ہوگا، آج ہی جاؤ'' اس کے بعد خلیفہ نے مروان اور اہلِ دربار سے مخاطب ہوکر کہا ''ابوذر کو باہر لے جاؤ اور ان کو ایسے اونٹ پر سوار کرو جس کی پشت پر صرف لکڑی کا پالان ہو اور ربذہ پہنچادو''۔ خلیفہ نے یہ بھی ہدایت کی کہ ابوذر کو رخصت کرنے کوئی نہ جائے۔ جنابِ امیرؑ نے ابوذر کے ساتھ اس برتاؤ کا حال سنا تو آبدیدہ ہوکر فرمایا ''افسوس ہے کہ صحابیِ پیغمبرؐ کے ساتھ یہ سلوک ہورہا ہے'' اور اپنے بھائی عقیل و حسنین علیہم السلام کے ساتھ ابوذر کے پاس آئے۔ مروان نے امام حسنؑ سے کہا ''کیا نہیں جانتے امیر المومنین کا حکم ہے کہ اس شخص سے کوئی بات نہ کرے''۔ یہ سن کر جنابِ امیرؑ نے مروان کے گھوڑے کے سر اور کانوں پر ایک تازیانہ مار کر کہا۔ ''ہٹ جا۔ خدا تجھے جہنم میں ڈالے''۔

جنابِ امیرؑ نے فرمایا ''اے ابوذر تم خدا سے ڈر رہے ہو اور یہ لوگ اپنی دنیا سے ڈر رہے ہیں چونکہ تم اپنے دین سے ڈر رہے ہو اس لیے یہ لوگ ایسے مصائب تم پر ڈال رہے ہیں۔ اگر کسی پر زمین و آسمان کے راستے بند کردیئے جائیں اور اس کے دل میں خدا کا خوف ہو تو خدا اس کے لیے نجات کا راستہ پیدا کردیتا ہے۔ اے ابوذر سوائے خدا کے کسی سے محبت نہ کرو اور سوائے باطل کے کسی سے نہ ڈرو''۔

اس کے بعد نہایت رنج کے ساتھ آپ نے ابوذر کو رخصت کیا۔ ابوذر کے

ساتھ ان کی بی بی، لڑکا و لڑکی کے سوائے کوئی اور نہ تھا۔ کچھ مدت کے بعد ربذہ میں ان کی بکریاں مرگئیں اور ان کی لڑکی بھی فاقے کرتے کرتے مرگئی مجبوراً ابوذر مدینے واپس ہوئے اور خلیفہ کے پاس پہنچ کر کہا کہ ''تم نے مجھے ایسی سرزمین میں بھیجا ہے جہاں سوائے چند ایسی بکریوں کے جو اس وقت دودھ دینے کے قابل نہیں ہیں میرے پاس کچھ نہیں رہا ہے۔ وہاں میرے لیے صرف ایک درخت کا سایہ ہے اس لیے مجھے ایک خادم اور چند بکریاں دو تاکہ میں زندگی بسر کرسکوں''۔ اس وقت حبیب بن مسلمہ وہاں موجود تھے انھوں نے چاہا کہ ایک ہزار درہم۔ پانچ سو بھیڑ بکریاں اور ایک خادم ابوذر کو دیں چونکہ ابوذر یہ جانتے تھے کہ حبیب نے مسلمانوں کے بیت المال سے یہ دولت حاصل کی تھی۔ ابوذر کی عِلو ہمتی نے اجازت نہ دی کہ ایسے شخص کا احسان لیں۔ جواب میں ابوذر نے حبیب سے کہا۔ ''تم یہ رقم، بکریاں اور خادم اس کو دو جو اس کا مستحق ہو۔ میں بحیثیت ایک فردِ مسلم کے اپنا حصہ بیت المال سے طلب کر رہا ہوں''۔ اس اثنا میں جنابِ امیرؑ وہاں آگئے تو خلیفہ نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا کہ ''اپنے اس پاگل کو ہمارے سروں سے دور نہیں کرتے''۔ جنابِ امیرؑ نے فرمایا ''وہ پاگل نہیں ہے۔ خدا کی قسم پیغمبرِ خدا فرماتے تھے کہ ابوذر کی حیا، فروتنی اور ان کا زہد مثل عیسیٰؑ مریم کے ہے''۔

اس کے بعد ابوذر بے پروائی کے ساتھ وہاں سے باہر نکل کر زبدۂ بے نیل مرام واپس ہوگئے۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ان کی بیوی اپنے لڑکے کی نعش کے سرہانے بیٹھی رو رہی ہیں، اس کے دفن و کفن سے فراغت کے بعد پھر میاں بیوی کی فاقوں پر بسر ہونے لگی۔ ایک دن بھوک کی شدت سے ابوذر پر جان کندنی کی کیفیت پیدا ہوگئی تو ابوذر نے بیوی سے کہا راستے کی طرف دیکھو ممکن

ہے کہ کوئی مسلمان دکھائی دے۔ زوجۂ ابوذر ایک ٹیلے پر جا کر چاروں طرف دیکھنے لگیں۔ صحرا کے کنارے پر چند سوار آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ انھوں نے کپڑا ہلا کر انھیں اپنے قریب بلا کر کہا ''ایک مسلمان مر گیا ہے اس کو کفن دو اور خدا سے اس کا بدلہ لو''۔ انھوں نے نام پوچھا تو بتایا کہ وہ ابوذر غفاری صحابیِ پیغمبرؐ ہیں چنانچہ ان میں سے ایک جوان انصاری نے اپنے پاس سے کفن دیا اور مابقی سواروں نے مل کر سپردِ خاک کیا۔ یہ واقعہ ۳۲ھ کا ہے۔

ابوذر غفاری کے حق میں پیغمبرِ اکرمؐ کا ارشاد تھا کہ ''آسمان نے کسی ایسے شخص پر سایہ نہیں ڈالا اور زمین نے پرورش نہیں کی جو ابوذر سے بہتر ہو''۔ ابوذر کا قول تھا کہ ''اپنے اور اپنے اہل و عیال کے معمولی اخراجات کے بعد جس قدر بچ جائے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ خدا کی راہ میں دے دے''۔ ابوذر کا یہ ادعا تھا کہ مسلمانوں کے بیت المال سے اپنے معمولی مصارف سے زائد لینا حرام ہے چنانچہ معاویہ نے جب سبز محل بنوایا تھا تو ابوذر نے اُن سے سوال کیا۔ ''تم نے یہ محل اپنے مال سے بنوایا یا مسلمانوں کے مال سے۔ اگر اپنی ذاتی رقم سے تعمیر کیا تو اسراف کیا اور اگر مسلمانوں کے مال سے بنوایا تو خیانت کی''۔ معاویہ نے یہ جواب دیا کہ ''مال خدا کا ہے اور میں خدا کا خلیفہ ہوں''۔

❁❁❁

حضرت ابوذر غفاریؓ

شوقؔ بہرائچی

ہو کس زباں سے ثنا حضرتِ ابوذر کی　　جنھوں نے زندگی بھر خدمتِ پیمبرؐ کی
تھی جن کے دل میں محبت بتولؑ و حیدرؑ کی　　جو قدر کرتے تھے شبیرؑ اور شبرؑ کی

رہے جو پنجتنِ پاکؑ کی تاسّی میں
ہمیشہ جن کی رہیں پانچوں انگلیاں گھی میں

جنھوں نے خامس الاسلام کا شرف پایا　　جنھوں نے مال و زرِ ناروا کو ٹھکرایا
جنھوں نے فقر و قناعت کو خود ہی اپنایا　　بجز اہلِ بیتؑ نہ کوئی جنھیں سمجھ پایا

جو بعدِ حضرتِ سلمان بے مثال ہوئے
جو زہد میں بنِ مریمؑ کے ساجھے وال ہوئے

رہی سدا جنھیں خوشنودیٔ خدا حاصل　　رہے جو خُلق و مُروّت میں فرد اور کامل
نہ کر سکا جنھیں مرعوب دہر میں باطل　　جنھیں نبیؐ نے کیا اہلِ بیتؑ میں داخل

جو ہیں ذکاوت و مہر و وفا کا گنجینہ
جو بالا خانۂ ایماں کا ہیں نواں زینہ

انھوں نے کذب بیانی سے جبکہ نفرت کی　　رسولِ پاکؐ نے دے دی سند صداقت کی
خدا نے بھی وہ بزرگی انھیں عنایت کی　　کہ آدمی کیا درندوں نے بھی اطاعت کی

نماز میں انھیں مشغول و منہمک پاکر
چرایا کرتے تھے شیر ان کی بکریاں آکر

جواب ان کا نہیں کوئی خوش بیانی میں　بہاریں آئی نظر ان کی گلفشانی میں
یہ وہ جری ہیں جنھوں نے جہانِ فانی میں　کیے ہیں کارِ نمایاں یہ زندگانی میں

کلائیاں ستم ناروا کی توڑی ہیں
حکومتوں کی بھی چولیں ہلا کے چھوڑی ہیں

انھوں نے منھ کبھی ایمان سے نہیں موڑا　جو کر چکے تھے وہ عہدِ وفا نہیں توڑا
منافقین سے رشتہ کبھی نہیں جوڑا　نبیؐ کی آل کا دامن کبھی نہیں چھوڑا

ہزار بے بسی و یاس و بیکسی میں رہے
یہ اہلِ بیتؑ نبیؐ کی سوسائٹی میں رہے

زہے فضائل و صدق و عبادتِ بوذر　زہے منازل و درجات و شوکتِ بوذر
زہے مراتب و جاہ و جلالتِ بوذر　زہے مناقب و اوصافِ حضرتِ بوذر

سُنا کیے ہیں پیمبرؐ سے یہ حکایت بھی
کہ ان پہ لٹو ہے مُدت سے باغِ جنت بھی

مراجعت طرفِ ربذہ جبکہ فرمائی　بجز تعب کے نہ راحت کسی گھڑی پائی
نظر نہ آتا تھا کوئی انیسِ تنہائی　مگر جو عالمِ غربت میں ان کو مَوت آئی

تو یہ معاوضہ حُبِ پنجتنؑ پایا
جو واقعی تھا بہت بڑھیا وہ کفن پایا

یہ وہ جری ہیں جو تیغ وسناں سے بھی نہ دبے　یہ وہ ہیں پھول جو دورِ خزاں سے بھی نہ دبے
یہ وہ ہیں عزم جو کوہِ گراں سے بھی نہ دبے　یہ وہ زمین ہیں جو آسماں سے بھی نہ دبے

ہزار غلبہ رہا ضعف و ناتوانی کا
مگر تھا پیری میں بھی حوصلہ جوانی کا

سدا مذمتِ لات ومنات کرکے رہے　　نمایاں دہر میں عزم وثبات کرکے رہے
بیانِ آلِ عباؑ کے صفات کرکے رہے　　جو بات کرنا تھی اُن کو وہ بات کرکے رہے

جہاں میں اہلِ ستم کے چھڑا دیئے چھکّے
یہ دُھن کے پورے تھے اے شوقؔ کام کے پکّے

حضرت ابوالاسود دؤلی

اُڑائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

حضرت ابوالاسود دؤلی تابعین کے طبقۂ اعلیٰ میں ایک روشن چراغ تھے، امیر المومنین علیہ السلام کے شاگردِ رشید، تلمیذ خاص اور صحابیِ باوفا تھے جنگِ صفیّن میں آپ نے دشمنوں سے برسرِ پیکار ہوکر خوب دادِ شجاعت دی۔ آپ عاقل وفرزانہ زیرک ودانا بزرگ تھے۔

آپ نے بابِ مدینۃ العلم کے حسبِ ہدایت علمِ نحو کو ترتیب دیا۔ آپ آسمانِ شاعری کے کوکبِ درخشاں تھے۔ حاضر جوابی میں لاجواب تھے۔ فقیہِ کامل اور محدثِ بے نظیر تھے۔ آپ نے حسبِ ارشادِ مرتضوی قرآنِ کریم پر نقطے اور اعراب لگائے۔ آپ میدانِ تگ وتاز میں ایک چابک دست سوار تھے، عزت و شرافت میں نامور تھے، دولت وثروت سے مالا مال تھے۔ آپ کفایت شعار تھے اس لیے لوگ رشک وحسد سے آپ کو بخیل کہتے تھے۔ بعض دشمنوں نے جھوٹے واقعات بھی اس قسم کے بیان کیے ہیں جن سے آپ کا بخیل ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن یہ سب قصے پایۂ اعتبار سے گرے ہوئے ہیں۔

آپ کی ولادت رسولِ اکرم صلعم کی بعثت سے ۵ سال قبل ہوئی تھی۔ جب

رسولِ خدا صلعم نے وفات پائی اس وقت آپ کی عمر ۷۲ سال کی تھی ۔آپ کی کنیت ابوالاسود تھی سلسلۂ نسب گیارھویں پشت پر حضرت حزیمہ پر رسول صلعم کے نسب سے مل جاتا ہے ۔فہر بن مالک بن نصر بن کنانہ کی نسل میں ہیں اس لیے آپ کا قبیلہ دؤلی کہلاتا ہے۔

رسولِ خدا صلعم کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد آپ مدینے میں تشریف لائے اور امیر المومنین علی علیہ السلام کی صحبتِ بابرکت سے فیوض و برکات حاصل کرنے لگے یہاں تک کہ آپ اپنے معاصرین میں ممتاز ہو گئے اور رفتہ رفتہ دنیوی اور دینی مراتب میں اس قدر بلند درجہ حاصل کیا کہ جب جنابِ عبداللہ بن عباس بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے تو امیر المومنین علیہ السلام نے آپ کو کاتب (جو نائب کے ہم پایہ ایک اعلیٰ منصب تھا) بنا دیا۔

آپ نہایت دیانت دار اور امین تھے، امیر المومنینؑ کے سچے وفادار تھے۔ عہدۂ مذکورہ ملنے کے بعد آپ کو حکومتِ بصرہ کے طرزِ عمل میں جو نقائص نظر آتے تھے وہ آپ امیر المومنین علیہ السلام کی خدمتِ بابرکت میں لکھ بھیجتے، اس کے جواب میں ابوالاسود کو حضرت علیؑ استباز اور مشیرِ مخلص کے القاب سے یاد فرماتے۔

جب عبداللہ بن عباس بصرے کی امارت سے علیحدہ ہو گئے اس وقت امیر المومنین علیہ السلام نے بصرے کی زمامِ انتظام و انصرام آپ کے سپرد فرما دی۔ اُدھر زیاد بصرے کا حاکم ہوا۔(یہ زیاد اس عبیداللہ کا باپ ہے جو یزید پلید کے حکم سے کوفے کا عامل ہوا تھا اور جس کے حکم سے مولانا حسین علیہ السلام معہ اعزّا و احباب شہید کیے گئے)۔ زیاد نے ابوالاسود کی شکایتیں دربارِ علوی میں لکھ بھیجیں مگر ان جھوٹی تہمتوں کی کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ جب ابوالاسود کو معلوم ہوا کہ زیاد نے خدمتِ امیر المومنینؑ میں میری چغلیاں لکھی ہیں تو آپ نے اس کی مذمت میں

چند اشعار کہے جواب تک مشہور ہیں۔

حضرت ابوالاسود نہایت منصف مزاج تھے چنانچہ مذکور ہے کہ آپ کا ایک دوست مالک ابن احرام تمیمی تھا۔ اوس کے اور اس کے چچا زاد بھائی کے درمیان ایک جھگڑا پیدا ہوگیا آپ کی عدالت میں پیش ہوا۔ آپ نے مقدمے کی روداد اور اُس کے ہر ہر پہلو پر کامل غور کر کے حقِ انصاف ادا کیا اور اپنے دوست کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا جس سے مالک نے غصے میں آ کر آپ سے کہا کہ ''واہ آپ نے حقِ دوستی خوب ادا کیا'' اس وقت آپ خاموش ہوگئے مگر پھر اشعار میں اس طنز کا معقول جواب دیا۔ آپ کے والیِ بصرہ ہونے کو ایک سال گزر چکا تھا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے ابنِ ملجم کی زہر آلود تلوار سے شہادت پائی۔ جب آپ کو اس غمناک واقعے کی اطلاع ملی تو آپ نے اعیانِ مملکت اور ارکانِ شہر کو جامع مسجد میں بلایا اور اُن کے سامنے ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے۔

اے عباد اللہ ایک ظالم نے امیر المومنین علیہ السلام کو جب آپ مسجدِ کوفہ میں مصروفِ عبادت تھے تیغِ بے دریغ سے شہید کر دیا۔ آپ کے انتقال سے دنیا تاریک ہوگئی انا للہ وانا الیہ راجعون رحمت و سلام ہو آپ پر کہ روزِ محشر خدا کے حضور کھڑے ہوں گے۔ اتنا کہہ کر آپ زار زار رونے لگے اور پھر فرمایا کہ آپ نے اپنے فرزند سبطِ رسول امام حسین علیہ السلام کو اپنا جانشین بنایا ہے۔ اے لوگو تم مولانا حسن علیہ السلام کے لیے بیعت کرو چنانچہ بجز چند غداروں کے سب لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی مگر ایک سال کے بعد امام حسنؑ نے جب معاویہ سے صلح کر لی تو آپ بھی امارت سے علیحدہ ہوگئے اور معاویہ کی طرف سے عبداللہ بن عامر والی مقرر ہوا۔ زمامِ حکومت ہاتھ سے نکل جانے کے بعد بھی آپ

بصرے ہی میں مقیم رہے کہ بصرہ آپ کا وطنِ عزیز تھا۔

آپ نے حکومتِ بصرہ سے الگ ہونے کے بعد کسی اور جگہ ملازمت کرنے کا خیال تک نہ کیا اگرچہ احباب آپ کو اس طرف متوجہ کرتے رہے لیکن آپ نے محبت اہلِ بیتؑ میں سب کچھ چھوڑ دیا۔ البتہ اب ہر روز صبح کے وقت گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتے۔ شہر کی سیر کر کے پھر اپنے مکان پر واپس آجاتے یہ معمول آپ کی آخر عمر تک باقی رہا۔ اگرچہ بعض لوگوں نے آپ کو اس سے بھی منع کیا کہ پیرانہ سال میں آپ گھر سے باہر نہ نکلا کیجئے۔ آپ نے جواب دیا کہ سواری سے جسمانی ورزش ہو جاتی ہے، تازہ ہوا سے دل کو خوشی ہوتی ہے، دوستوں سے ملنے جلنے کا موقع نکل آتا ہے تم ہی بتاؤ گھر میں بیٹھے رہنے سے کیا فائدہ سوائے اس کے کہ میرے ہاتھ پاؤں ست و بیکار ہو جائیں۔

جب زیاد بصرے کا حاکم ہوا اُس وقت بعض وجوہ سے مجبور ہو کر آپ اُس کے بیٹے کو تعلیم دینے لگے۔ کیا انقلابِ زمانہ ہے کہ حاکمِ بصرہ اپنے ماتحت کے لڑکوں کی معلمی کرے اور ان کا ایک شاگرد (عبداللہ بن زیاد) ایک روز امیر المومنین علیہ السلام کے فرزند حسینؑ پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے۔

علم وادب پر آپ کے احسانات:

جلال الدین سیوطی جیسا متعصب مؤرخ اپنی تصنیف ''تاریخ الخلفا'' میں رقم طراز ہے کہ خود ابوالاسود روایت کرتے ہیں کہ ایک روز میں امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا کہ آپ فرقِ مبارک جھکائے ہوئے خاموش تشریف فرما ہیں، میں نے بصد ادب دریافت کیا کہ یا امیر المومنینؑ! کون سا اہم مسئلہ زیرِ غور ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس شہر کے لوگ عربی زبان بولتے ہوئے اکثر غلطیاں کرتے ہیں اس لیے میرا ارادہ ایک کتاب ترتیب

دینے کا ہے جس میں عربی زبان دانی کے تمام قاعدے محفوظ کر دیے جائیں میں نے عرض کیا کہ اس مبارک کام کی تکمیل سے عربی زبان زندگی جاوید حاصل کر لے گی۔ پھر میں تین روز کے بعد خدمت علویہ میں حاضر ہوا آپ نے مجھے جس تختی پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی عنایت فرمائی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم کلام کی تین قسمیں ہیں۔ اسم، فعل، حرفِ اسم وہ ہے جو اپنے مسمّٰی کی خبر دے۔ حرف وہ ہے کہ ایسے معنی کی خبر دے جو نہ اسم ہو نہ فعل۔ فعل وہ ہے کہ اپنے مسمّٰی کی حرکت کی خبر دے۔

''اے ابوالاسود! تم اس اصول کے ماتحت جو کچھ مناسب سمجھو اس میں بڑھاؤ۔ اے ابوالاسود دنیا کی تمام چیزیں تین قسم کی ہوتی ہیں ایک مضمر، ایک ظاہر اور تیسری جو نہ ظاہر ہو اور نہ مضمر''۔

ابوالاسود بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے مذکورہ بالا ارشاداتِ عالیہ کو علم نحو کا اصول قرار دیا۔ ان کی روشنی میں بہت سے ابواب وفصول قائم کیے اور ان میں حرفِ ناصبہ کا بھی بیان کیا۔ اِنّ، لن، لیست، لعلّ، کأن کا ذکر کیا مگر لکن کو چھوڑ دیا۔ کاغذات کو لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، آپ نے دیکھ کر ارشاد کیا کہ لکن کو بھی حرفِ ناصبہ میں شامل کرو۔

بعض مؤرخین نے اوپر کی روایت سے اختلاف کیا ہے اور یوں بیان کیا ہے کہ ایک روز گرمی کے موسم میں جناب ابوالاسود باہر سے گھر میں تشریف لائے تو آپ کی بیٹی نے کہا یا ابت ما اشد الحر آپ نے کہا کہ فلاں ماہ میں گرمی سخت پڑا کرتی ہے اُس نے کہا کہ ''میں نے تو یہ نہیں دریافت کیا کہ کب گرمی زیادہ ہوتی ہے اور کب کم بلکہ میں تو گرمی کی شدت پر اظہارِ تعجب کر رہی ہوں''۔ لڑکی کا منشاءِ دلی ظاہر کرنے کے لیے دال پر زبر اور۔ رَ۔ کے نیچے زیر ہونا چاہیے

تھا۔ ابوالاسود نے یوں اپنی بیٹی کو غلط بولتے ہوئے سنا تو نہایت فکر مند ہوئے اور دربارِ وصایت میں پہنچ کر عرض کی کہ " آقا! عجمیوں کے میل جول سے عربی زبان خراب ہو رہی ہے اگر کچھ دنوں تک یہی حالت باقی رہی تو عربی زبان کا خاتمہ سمجھیے"۔ مولانا علی مرتضیٰؑ نے دریافت کیا کہ " تمہاری توجہ اس طرف کیونکر منعطف ہوئی"۔ ابوالاسود نے سارا قصہ بیان کیا۔ مشکل کُشائے عالم نے ارشاد فرمایا " بہتر ہے کچھ کاغذ خرید لاؤ" اور آپ نے علم نحو کے اصول اپنے اس شاگرد کو تحریر کرا دیے۔

سعد نامی ایک عجمی بصرہ میں آیا اور حضرت ابوسعید انصاری کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ ایک دن وہ گھوڑے کو لیے جا رہا تھا، راستے میں ابوالاسود سے ملاقات ہوئی آپ نے اُس کی گفتگو سُنی تو محاورہ عرب کے بالکل خلاف تھی، آپ کے دل پر بہت اثر ہوا اور آپ زیاد کے پاس گئے اور کہا " اے امیر! عجمیوں کے میل سے زبان خراب ہو رہی ہے ایک تصنیف کی ضرورت ہے جو ان نقائص کو دور کرے میں اس خدمت کے لیے تیار ہوں" مگر زیاد نے مطلق توجہ نہ کی۔ آپ دل برداشتہ خاموش چلے آئے، چند روز کے بعد زیاد کے سامنے ایک شخص نے اثنائے گفتگو میں کہا توفی اباناو ترک بنوں (ہمارے باپ نے انتقال کیا اور کئی بیٹے چھوڑ گئے) حالانکہ یہ جملہ غلط تھا، صحیح یوں ہونا چاہیے، توفی ابوناو ترک بنیں۔ الغرض زیاد کو خیال پیدا ہوا کہ ابوالاسود کا قول درست تھا یقیناً اس علم کے واضع کرنے کی ضرورت ہے جس سے لوگ اس قسم کے اغلاط سے محفوظ رہیں۔

بعض لوگوں نے اس واقعے سے اختلاف کیا ہے اور علم نحو کے وضع کیے جانے کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک روز ابوالاسود گھر میں تشریف لے گئے تو آپ کی ایک بیٹی نے کہا "یا ابت ما احسن السماء"۔ تو ابوالاسود نے فرمایا (یا

بنیۃ مہا) لڑکی نے کہا ''میرا یہ سوال نہیں ہے کہ آسمان کی خوبصورت ترین چیز کیا ہے میں تو آسمان کی خوبصورتی پر تعجب کر رہی ہوں''۔ آپ کے فرزند ابو حرب کہتے ہیں کہ ''میرے والد نے علمِ نحو میں سب سے پہلے باب التعجب وضع کیا تھا۔ علمِ نحو کا نام علمِ نحو اس لیے رکھا گیا کہ ابوالاسود نے کہا کہ ''میں نے حضرت علی علیہ السلام سے اجازت لی تھی کہ میں نحو کو اسی طریقے پر ترتیب دوں۔ نحو کے معنی طریقے کے ہیں اس لیے اس کا نام نحو رکھا گیا''۔

امیر المومنین علیہ السلام کے عہد تک قرآنِ کریم کے نسخوں میں حروف پر نہ اعراب لگائے جاتے تھے نہ نقاط۔ اہلِ عرب تو قرآن کریم کو دیکھ کر صحت کے ساتھ تلاوت کر لیتے تھے مگر غیر عرب تلاوت کے وقت فاش غلطیاں کرتے تھے بعض وقت تو ایسی سخت غلطیوں کا ارتکاب کرتے تھے کہ توبہ ہی بھلی چنانچہ ایک روز ابوالاسود نے ایک قاری کو یہ آیۂ کریمہ، ان اللہ بری من المشرکین و رسولہ میں بجائے کے رَسُولہِ پڑھتے ہوئے سُنا اصل آیۂ مبارک کا ترجمہ یہ تھا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ مشرکین سے بری ہیں مگر اعراب کی غلطی سے آیت کے معنی یہ ہو گئے معاذ اللہ اللہ مشرکین اور اس کے رسول سے بری ہے۔ ابوالاسود آیۂ مذکورہ کو غلط پڑھتے ہوئے سُن کر نہایت برانگیختہ ہوئے۔ اس سے پہلے زیاد حاکم بصرہ نے آپ سے التجا کی تھی کہ آپ کوئی ایسا علم مدوّن فرمایئے جس سے لوگ کلام اللہ کی صحت کے ساتھ تلاوت کر سکیں اس وقت آپ نے اس خیال سے کہ صحابۂ کرام کے عہد کی چیزوں میں اصلاح کی ضرورت نہیں انکار کر دیا تھا لیکن جب آپ نے قاریِ مذکور کو اپنے کانوں سے غلط پڑھتے ہوئے سنا تو فوراً مصمم ارادے کی تکمیل کے لیے آپ زیاد کے پاس تشریف لے گئے اور کہا کہ ''اب وہ کام کرنے کو تیار ہوں مجھے ایک ہوشیار کاتب دیا جائے''۔ قبیلہ عبدالقیس کا کاتب

حاضر کیا گیا جسے آپ نے ناپسند کیا۔ پھر دوسرا کاتب حاضر ہوا، اُسے گھر لے گئے اور کہا "میں قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا ہوں جب مجھے دیکھو کہ میں نے کسی حرف کی ادائیگی کے وقت منہ کھول دیا ہے تو اُس حرف کے اوپر نقطہ لگادو اور اگر منہ کو بند کردوں تو ایک نقطہ اس حرف کے سامنے لگا دینا اور اگر منہ کو اِدھر اُدھر پھیروں تو ایک نقطہ اُس حرف کے نیچے لگا دینا۔ کاتب نے آپ کے ارشاد کے بموجب تعمیل کی۔ یہ نقطے بجائے زیر زبر پیش کے لگائے گئے۔ رفتہ رفتہ ان اعراب میں ترقی ہوتی گئی اور چوتھی اور پانچویں صدی میں یہ فنِ کتابت معراجِ کمال پر پہنچ گیا۔

علامہ ابن المندیم نے کتاب "الفہرست" میں لکھا ہے کہ محمد بن اسحٰق نے اپنا چشم دید واقعہ مجھ سے بیان کیا کہ بغدادِ جدید میں ایک شخص محمد بن حسین نامی رہتا تھا اُسے کتابوں کے جمع کرنے کا بے حد شوق تھا۔ میں نے اس سے دوستی پیدا کی جب اس کو مجھ پر کامل اعتماد پیدا ہو گیا تو ایک روز مجھے اپنے کتب خانے میں لے گیا اور سب کتابیں دکھلائیں ان میں بہت سی نایاب کتابیں تھیں۔ ازاں جملہ چینی پتروں کے چار ورق تھے جن پر لکھا تھا کہ "بحث فاعل مفعول از ابوالاسود دؤلی" یہ تحریر یحیٰی بن یعمر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔ یحیٰی ابوالاسود کے شاگرد تھے۔ اس تحریر کے نیچے علان نحوی اور نضر بن شمیل کے دستخط تھے اس شخص کے مرنے کے بعد یہ کتب خانہ تلف ہو گیا۔ سوائے قرآنِ مجید کے نسخوں کے اور کوئی کتاب ہاتھ نہ لگی۔ الغرض ابوالاسود نے اسلامی علمِ ادب پر دو بڑے احسان کیے ایک تو یہ کہ آپ نے علمِ نحو کی تدوین فرمائی اور دوسرا احسانِ عظیم یہ فرمایا کہ قرآن کریم پر اعراب اور نقطے لگائے جس سے مخلوقِ خدا نہایت آسانی کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرسکتی ہے۔

ابن خلکان رقمطراز ہیں کہ آپ کا ایک مکان بصرہ میں تھا، آپ کا پڑوسی ہمیشہ

آپ کو ایذائیں پہنچایا کرتا تھا۔ ایک اور روایت کے بموجب رات ہوتے ہی پتھر پھینکا کرتا، ابوالاسود نے قبیلہ والوں سے اپنے شریر پڑوسی کی شکایت کی لوگوں نے اُسے سمجھایا کہ اپنے قبیلے کے بزرگ کو ستانا اچھا نہیں تو اس نے کہا کہ ''میں پتھر نہیں پھینکتا بلکہ خداوند عالم اُن کے گھر پر سنگباری کرتا ہے''۔ جب ابوالاسود کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے وہ مکان فروخت کر ڈالا اور بنی ہذیل کے محلے میں دوسرا مکان خرید لیا۔ اس واقعے کے بعد کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ ''آپ نے اپنا مکان فروخت کر ڈالا''۔ آپ نے فرمایا کہ بل بعث جاری (بلکہ میں نے اپنے پڑوسی کو بیچ ڈالا)۔ آپ کا یہ جواب اس قدر پسند کیا گیا کہ اعرابی میں ضرب المثل بن گیا۔

ایک دن آپ عبداللہ بن ابی بکرہ یفیع بن بحرث بن مکدہ ثقفی کے پاس گئے انھوں نے دیکھا کہ ابوالاسود ایک پھٹا سا جُبہ پہنے ہوئے تو انھوں نے کہا کہ ''اے ابوالاسود کیا تمہاری طبیعت اُس پرانے جُبّے سے نہیں اُکتاتی'' تو فرمایا ''کیا کیا جائے اکثر چیزیں ناگوار تو ہوتی ہیں مگر اُن کا چھوڑنا مشکل ہوتا ہے''۔ پھر آپ اپنے مکان پر چلے آئے تو عبداللہ نے سو جوڑے کپڑے کے آپ کے پاس ارسال کر دیے آپ نے اس وقت یہ اشعار فرمائے۔

کسانی ولم امتسکه محمدته

اخ لك يعطيك الجزيل و ناصر

وان أحق الناس ان كنت شاكرا

يشكرك من أعطاك والعرض وافر

(ترجمہ) مجھے لباس پہنایا حالانکہ میں نے مانگا نہ تھا، میں نے ان کی تعریف کی۔ تیرا بھائی عطایائے کثیر عنایت کرتا ہے اور تیرا حامی و ناصر ہے لوگوں میں

مستحقِ شکریہ، اگر تم شکریہ ادا کرنا چاہتے ہو تو وہ ہے کہ جو تم کو دیے اور تمہاری عزت بھی باقی رہے یعنی بے طلب دینے والا قابلِ شکریہ ہے۔ آپ کے اشعار واقعات اور سچے جذبات سے پُر ہوتے تھے، آپ نے اپنے اشعار میں اپنی زندگی کے اکثر واقعات نظم کیے ہیں، آپ کا کلام دیوان کی صورت میں جمع کیا گیا جواب تک موجود ہے۔

آپ ایک قناعت پسند بزرگ تھے، آپ کے اخلاق کا اثر آپ کے فرزند ابوالحرب پر بھی پڑا جو نہ تجارت کرتے تھے نہ ملازمت۔ آپ نے انھیں نصیحت فرمائی تھی کہ طلبِ معاش میں سعی ضرور کرنی چاہیے اور حسبِ ذیل شعر سے استدلال کیا۔

وما طلب المعیشة بالمتنی

ولکن الق دلوك فی الدّلاء

(ترجمہ) رزق خواہش سے نہیں ملتا مگر تم اپنا ڈول اور لوگوں کے ڈول کے ساتھ کنویں میں ڈال دو۔

تجئی بملئها طور اوطوراً

تجئی بحمأة و قلیل ماء

(ترجمہ) تو وہ ڈول کبھی تو پانی سے بھرا ہوا آئے گا اور کبھی تھوڑا پانی اور باقی کیچڑ ہوگی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابوالاسود خلافتِ دوم کے آخری عہد میں مفلوج ہو گئے تھے اس لیے جب آپ بازار سے پیدل گزرتے تو آپ کا ایک پاؤں گھسٹا ہوا جاتا تھا آپ کے پاس کئی غلام اور لونڈیاں تھیں کسی نے آپ سے کہا کہ ''آپ بازار آنے جانے اور سودا سُلف لانے کی بذاتِ خود کیوں تکلیف کرتے ہیں کسی

غلام کو حکم فرما دیا کیجیے وہ آپ کے حکم کی تعمیل کیا کرے گا" آپ نے جواب دیا کہ "ابھی تو یہ حالت ہے کہ جب میں بازار سے مکان جاتا ہوں تو میرے فرزند اور غلام خوش آمدید کہتے ہیں اور اگر میں خانہ نشین ہو جاؤں تو مجھے کوئی پوچھے گا بھی نہیں"۔

علّامہ ابنِ اثیر نے "اسد الغابہ" میں حرف ظاء کی فصل میں آپ کا حال نہایت اجمال سے لکھا ہے اور ایک حدیث کو بیان کر کے، جو آپ سے مروی ہے، تحریر کیا ہے کیونکہ آپ صحابی نہ تھے بلکہ تابعی تھے اور امیر المومنین علیہ السلام کے شاگرد رشید تھے اور پھر آپ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ آپ شعر خوب کہتے تھے، حاضر جواب تھے، آپ کا کلام حکمت آموز ہوتا اس درجہ کہ ضرب المثل بن جاتا

قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی بے مثل تصنیف "مجالس المومنین" میں بھی آپ کے حالات لکھے ہیں اس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے۔

جب جنگِ صفّین کے ختم ہونے کے بعد شرائطِ صلح طے کرنے کے لیے طرفین سے حَکَم مقرر کرنے کا موقع آیا تو آپ نے امیر المومنین علیہ السّلام کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آپ ابو موسیٰ اشعری کو حَکَم نہ بنایئے میں اُن کو بار بار آزما چکا ہوں البتہ مجھے حَکَم بنایئے میں فریقِ مخالف سے خوب نپٹ لوں گا لیکن اگر وہ حیلہ کریں کہ "یہ غلام صحابیِ رسول نہیں ہے تو مجھے ابو موسیٰ کا معاون بنا دیجیے میں اُن کے اقوال و احوال کی اچھی طرح نگرانی کرتا رہوں گا"۔ مگر فریقِ مخالف نے جس طرح حضرت عبداللہ بن عباس کے حَکَم بنائے جانے سے انکار کر دیا اسی طرح ابوالاسود کا حکم بننا بھی منظور نہ کیا۔

ابوالاسود نے بنی قشیر کے محلے میں سکونت اختیار کی چونکہ آپ امیر المومنینؑ سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے اس لیے یہ لوگ رات کے وقت آپ کے مکان پر سنگ باری کیا کرتے تھے، آپ نے ایک روز صبح کو ان لوگوں سے شکایت کی تو

انھوں نے جواب دیا کہ پتھر ہم نہیں پھینکتے بلکہ خدائے قہار خود آپ کے مکان پر پتھر برساتا ہے آپ نے فرمایا ''تم لوگ خدائے تعالیٰ پر تہمت نہ تراشو اگر وہ میرے گھر پر پتھر پھینکتا تو اس کا نشانہ ہرگز خالی نہ جاتا''، ان لوگوں نے کہا۔ ''اے ابوالاسود تم کب تک امیر المومنین علیہ السلام اور ان کے اہلِ بیتؑ کی مدح سرائی کرتے رہوگے''۔ آپ نے جواب میں چند اشعار ارشاد فرمائے۔

یقولون الارذلون بنو قشیر
طلوال الدهر لا ینسی علیّا

(ترجمہ) بنی قشیر کے ارذال کہتے ہیں تو علیؑ کو کبھی نہیں بھولتا۔

فان یك حبهم رشدا اصبه
ولم یك نحطیا ان کان علیّا

اگر ان کی محبت کوئی ہے تو وہ مجھے حاصل ہوگی، اگر وہ غلطی بھی ہو تو میں خطاوار نہیں ہوسکتا۔ اس آخری شعر کو سُن کر بنی قشیر کے بعض افراد نے اعتراض کیا کہ آپ کے اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو محبتِ اہلِ بیتؑ کی فضیلت میں شک وشبہ ہے۔ آپ نے فی البدیہہ یہ جواب دیا کہ کیا تمھیں قرآنِ مجید یاد نہیں۔ اللہ جلِ شانہٗ ایک مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔ (انا وایاکم لعلی هدی اوفی ضلال مبین۔ ہم اور تم دونوں یا تو ہدایت پر ہیں یا گمراہی پر ہیں)

ایک روز ابوالاسود نے قبیلۂ بنی قشیر کے بعض شخصوں سے فرمایا کہ ملکِ عرب میں تم سے زیادہ طول بقا کسی اور قبیلے کا مجھے پسند نہیں انھوں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ ''اس لیے کہ تم لوگ جو کرتے ہو وہ محض ضلالت ہوتا ہے میں ان افعال سے اجتناب کرتا رہتا ہوں اور جن کاموں سے تم بچتے ہو رشد و ہدایت ہوتا ہے میں اُن پر کاربند ہوتا ہوں''۔ ایک روز دشمنِ اہلِ بیتؑ۔ عبداللہ بن زیاد

نے آپ سے کہا کہ ''اگر آپ بوڑھے اور ضعیف نہ ہو گئے ہوتے تو آپ سے بعض امور میں استعانت طلب کرتا'' آپ نے فرمایا کہ ''اے عبداللہ! تو مجھے کشتی لڑنے کو کہے تو یہ مشکل ہے، ناممکن ہے اور اگر خلق ورائے کا طالب ہوتا تو یہ دونوں چیزیں مجھ میں پیشتر سے زائد موجود ہیں''۔

ایک دفعہ آپ سے کسی نے کہا کہ حقیقتاً آپ کا ظرفِ علم وحلم بہت بڑا ہے مگر آپ میں ایک عیب ضرور ہے کہ آپ بخیل ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ظرف کی خوبی یہی ہے کہ اس میں جو شے ڈالی جائے اُس کو محفوظ رکھے۔ جس برتن سے پانی یا کوئی مائع چیز ٹپکتی ہے وہ عیب دار ہے۔ ایک دفعہ عبداللہ کے باپ زیاد نے پوچھا کہ ''امیر المومنینؑ کی محبت سے آپ کو کیا ملتا ہے'' آپ نے فرمایا کہ ''حضرت کی محبت سے استغنا اور حظِ وافر حاصل ہوتا ہے۔ اے زیاد! میں امیر المومنینؑ کی دوستی سے آخرت کا طالب ہوں اور تو اپنے امیر کی دوستی سے دنیا اور زینتِ دنیا کا خواہاں ہے۔ میری اور تیری مثال عمرو بن معدی کرب کے اشعار سے ظاہر ہے۔

روزانہ سیر وتفریح کی وجہ سے آپ کی صحت اچھی رہتی تھی، آپ نے آخری عمر میں ایران کے سفر کا ارادہ کیا۔ سردی کا موسم تھا، بیٹی نے روکنا چاہا کہ جاڑے کے ایام گزر جائیں پھر تشریف لے جایئے گا مگر آپ نے فرمایا ''بیٹی موت کا ایک دن مقرر ہے۔ انسان کو قضا وقدر پر بھروسہ رکھنا چاہیے'' الغرض آپ نے ایران کی سیاحت کی اور وہاں سے اپنے وطنِ مالوف بصرہ میں تشریف لائے کچھ دنوں کے بعد فالج میں مبتلا ہوئے اس پر بھی آپ روزانہ شہر کی گشت کو ضرور جاتے تھے۔

ایک روایت کے مطابق آپ نے بمقام بصرہ ۶۹ھ میں مرض طاعون میں رحلت فرمائی اس وقت آپ کا سن ۸۵ سال کا تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ نے طاعون پھیلنے سے پہلے مرضِ فالج میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ تیسری

روایت یوں ہے کہ آپ نے عمر بن عبدالعزیز کے ایامِ حکومت میں رجب ۱۰۱ھ میں بمقام دیر سمعان انتقال فرمایا۔ موت کے وقت آپ سے کہا گیا کہ مغفرت کی بشارت آپ کو مبارک ہو، آپ نے فرمایا کہ میں اپنے اعمال سے نادم ہوں جن کی وجہ سے مغفرت کی حاجت ہوئی۔

آپ کے اقوال جو تاریخوں میں درج ہیں ان میں سے بعض حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) اگر مال کے بارے میں فقیروں کی اطاعت کریں تو ہمارا حال ان گداگروں سے بھی بدتر ہو جائے۔

(۲) بخیل کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بخیل رہنا بہتر ہے۔

علاوہ ازیں بہت سے حکیمانہ اقوال آپ کے دیوان سے اخذ کیے جا سکتے ہیں، آپ کو خدا تعالیٰ نے ایک بیٹی اور ایک بیٹا عنایت کیا تھا ممکن ہے کہ اور اولاد ہو مگر اُن کا تاریخوں میں کہیں ذکر نہیں ہے۔

جناب عمّارِ یاسر

جناب عمار کے پدرِ بزرگوار جناب یاسر یمن کے رہنے والے تھے، پریشان حالی کے عالم میں مکّے میں آئے جہاں انھوں نے ابو حذیفہ مخزومی کی کنیز سمیّہ نامی سے عقد فرمالیا۔ بال بچے ہوئے، مکّے ہی میں سکونت اختیار کر لی۔ جناب یاسر کی بی بی سمیّہ اور دو فرزند عمار و عبداللہ مختصر یہ کہ سارا گھر کا گھر تبلیغِ نبوت کے پہلے ہی سال مشرّف بہ اسلام ہوا۔ ''استیعاب جلد دوم'' صفحہ ۴۳۶ پر عمارِ یاسر اور ان کے قبیلے کے مشرف بہ ایمان ہونے کے متعلق عربی عبارت کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

''جب اسلام کو خدا نے ظاہر فرمایا تو یاسرؓ، ان کے صاحبزادے عمار، عمار کی ماں سمیّہ عمار کے بھائی عبداللہ بن یاسر اسلام لائے۔ ان حضرات کا اسلام ابتدائے اسلام میں سے قدیم تھا اور یہ دو بزرگوار تھے جن پر خدا کی راہ میں ظالموں کی طرف سے ظلم و عذاب بے حساب کیا گیا تھا۔ جب ان لوگوں پر ظلم کیا جارہا تھا تو اتفاق سے جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی ادھر سے گزرے ان حضرات کو اس عالم میں دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ اے آلِ یاسر صبر کرو، اے پروردگار تو آلِ یاسر کو ان کے اعمال کے بدلے میں بخش دے اور ابنِ شہاب کی روایت کے مطابق اسمٰعیل بن عبداللہ بن جعفر اپنے باپ کی

زبانی نقل کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلعم کا گزر آلِ یاسر عمار، اُمّ
عمار وغیرہم پر ایسے وقت میں ہوا جب ان لوگوں پر ظلم و ستم کیا
جا رہا تھا یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا اے آلِ یاسر صبر کرو تحقیق کہ
تمہاری وعدہ گاہ جنّت ہے"۔

"استیعاب" جلد اوّل میں ابنِ البر نے صفحہ ۵۸ پر واضح الفاظ میں لکھا ہے
پہلے سات آدمیوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و
ابوبکر، عمار اور ان کی ماں سمیّہ صہیب بلال اور مقداد۔

اسلام قبول کرنے کے بعد آلِ یاسر کو سخت مصائب و شدائد کا سامنا کرنا پڑا۔
مشرّف بہ اسلام ہونے کے بعد آلِ یاسر کے پاس دولتِ ایمان کے سوا کچھ نہ تھا۔
تمام خاندان عسرت و ناداری میں بسر کرتا تھا۔ کفّار قریش بے یار و مددگار سمجھ کر ان
پر ٹوٹ پڑے اور ایک ایک کر کے ان بیچاروں کو اتنا مارا کہ جینے کے لالے
پڑ گئے سر سے پاؤں تک مجروح ہو گئے۔ اتفاقاً اسی عالم میں رسول مقبول اُدھر
آ نکلے۔ مخلص مومنین کی مصیبت دیکھی نہ گئی مگر مجبوری لاحق تھی بجز خاموشی چارہ
کار نہ تھا حضرت نے آلِ یاسر کی مصیبت ناک حالت مشاہدہ فرما کر ارشاد فرمایا
اصبروا آل یاسر فان موعدکم الجنہ اے آلِ یاسر صبر کرو تحقیق کہ
بہشت تمہاری وعدہ گاہ ہے۔

ابوجہل نے یاسر کی اہلیہ جناب سمیّہ کو نیزے کی انی چبھو کر شہید کر ڈالا اور
جنابِ یاسر کا بھی ایسی ہی ضربوں سے خاتمہ بالخیر ہو گیا۔

والدین کی شہادت کے بعد عمارِ یاسر نے مجبور ہو کر بادلِ ناخواستہ کلمہ کفر زبان
سے جاری کر دیا۔ ملاحظہ ہو تفسیرِ کبیر جلد ۵ صفحہ ۳۵۵۔

جبکہ مشرکینِ عرب نے عمار اور ان کے والدین کو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا اور عمار

کے والدین کو کلمہ کفر نہ کہنے کی وجہ سے قتل کر ڈالا تو اس وقت عمار نے اپنی جان بچانے کے لیے اپنی زبان سے وہ بات کہہ دی جس کا مشرکین نے ارادہ کیا تھا اس لیے کہ اس حالت میں مشرکین ان پر جبر و تشدد کر رہے تھے پس کسی نے کہا یا رسول اللہ عمار تو کافر ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہرگز نہیں، عمار تو وہ شخص ہے کہ جو سر سے قدم تک ایمان سے مملو ہے اور اس کے گوشت پوست میں ایمان محفوظ ہے، پس عمار روتے ہوئے خدمتِ رسول میں حاضر ہوئے، رسول اللہ نے اُن کے آنسو پونچھے اور فرمایا کہ "عمار تمہیں کیا اندیشہ ہے؟ اگر وہ لوگ پھر تمہیں مجبور کریں اور یہی بات کہلوائیں جو تم کہہ چکے ہو تو پھر کہہ دینا"۔

امیر الدولہ سعید الملک نے اپنی تالیف IDLE HOURS میں حصہ سوم صفحہ ۱۷، ترجمہ مجالس المومنین مصنفہ قاضی نور اللہ شوستری علیہ الرحمہ میں حسبِ ذیل عبارت تحریر فرمائی ہے۔

AMMAR-BIN YASIR

He was a Musalman by birth, and one of the companion of the prophet, he was muohprosecuted by the enemies of Islam, He was depued to Habash where he was insulted and woun dedafter the death of the prophet, he sided with Hazrat Ali-Ibn-i-Abi Talib and furiouslyat tacked the usurpers. he was present at the b attle of Jmal and was Murdered at Siffin at the age of ninety one.

عمار بن یاسر:- وہ پیدائشی مسلمان اور اصحابِ رسولؐ میں سے ایک فرد تھے، دشمنانِ اسلام نے انھیں سخت صعوبات پہنچائیں وہ حبش مامور کئے گئے جہاں ان کی تذلیل کی گئی اور وہ

زخمی ہوئے۔ وفاتِ رسولِ مقبول کے بعد انھوں نے علی ابنِ ابی
طالب کا ساتھ دیا، وہ ان کے مخالفین پر سخت اعتراضات کرتے
تھے وہ جنگِ جمل میں موجود تھے اور جنگِ صفّین میں ۹۱ سال
کی عمر میں شہید ہوئے۔

قولِ بالا میں دو امر قابلِ غور ہیں۔ پہلا امر یہ کہ وہ پیدائشی مسلمان تھے۔ یہ قول بادی النظر میں مہمل معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ جنابِ عمار جنگِ صفّین میں ۹۱ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ جنابِ عمار کی شہادت ۳۹ھ میں ہوئی اس حساب سے ایمان لانے کے وقت عمار کی عمر تقریباً ۳۹ سال کی ہوتی ہے مگر میرے خیال میں قولِ بالا بایں معنی صحیح ہے کہ بہ نصِ قرآن آدم سے خاتم تک ہر نبی دینِ اسلام کی تبلیغ پر مامور تھا اس لیے ممکن ہے کہ عمار کا قبیلہ دینِ حنیف بمعنی مذہبِ ابراہیمی پر عامل رہا ہو اور غالباً یہی سبب تھا ان کا قبیلہ تبلیغِ رسالت کے پہلے سال ہی ایمان سے مشرف ہوا اور حسبِ تحریر استیعاب جلد اول صفحہ ۵۸ جنابِ عمار تیسرے نمبر پر ایمان لانے والوں کی فہرست میں نظر آتے ہیں مگر یہاں پر یہ خیال بھی پیدا ہوتا ہے کہ جنابِ امیر المومنینؑ کا نام اس فہرست میں نہیں ہے جس کا سبب غالباً یہ ہے کہ صاحب تصنیف نے جس راوی سے یہ روایت کی ہے اس نے اپنے مسلک کے مطابق علی ابنِ ابی طالب کو کمسنی میں ایمان لانے کے باعث اس فہرست میں شامل نہ کیا۔ بہرکیف یہ تو مسلم ہے کہ عمار سابقین مسلمین میں تھے۔

دوسرا امر جو اس روایت میں محلِّ نظر ہے وہ جنابِ عمار کا حبش میں مامور ہونا ہے۔ شہیدِ ثالث علیہ الرحمہ نے مجالس المومنین صفحہ ۲۹۴ پر تحریر فرمایا ہے ''عمار نے ابتدائے اسلام میں کفّار کے ہاتھوں بڑی بڑی اذیتیں اٹھائیں اور ان کی ماں سمیّہ نامی قید کنارہی میں شہید ہوئیں۔ عمار منجملہ مہاجرینِ اوّلین اور اس

جماعت کے ہیں جنھوں نے بحکم حضرتِ رسول صلعم مکّے سے حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی اور عمار نے دو قبیلوں کی طرف نماز ادا کی اور غزوۂ بدر اور علاوہ ان کے دیگر غزوات جو بعد بدر کے ہوئے، ہر ایک میں دادِ مردانگی وشجاعت دی اور جنگِ یمامہ میں کہ جہاں مسلمانوں نے فرار کیا عمار نے بڑے بڑے زخم کھائے اور ایک گوشِ مبارک ان کا کٹ کر دوش پر لٹک رہا تھا۔ باوجود اس کے فرار نہیں کیا اور مشغولِ کارزار تھے اور اہلِ اسلام کو پکار بھی رہے تھے کہ ''اے گروہِ مسلمانان کیا تم بہشت سے بھاگتے ہو، دیکھو میں عمار ہوں اور کھڑا ہوا ہوں میرے پاس تو آؤ''۔ مگر شبلی نعمانی نے اپنی تصنیف میں جن اصحاب کی فہرست پیش فرمائی ہے ان میں عمارِ یاسر کا نام نہیں ہے۔ فوق صاحب بلگرامی نے اُسوۃ الرسول میں محض یہ تحریر فرما کر اکتفا کیا ہے ایک عجیب بات ہے کہ جو لوگ سب سے زیادہ مظلوم تھے اور جن کو انگاروں کے بستر پر سونا پڑتا تھا یعنی حضرت بلال وعمارِ یاسر وغیرہ ان کے نام مہاجرینِ حبش کی فہرست میں نہیں ہیں یا تو ان کی بے سروسامانی اس حد تک پہنچی تھی کہ سفر کرنا دشوار تھا یا یہ کہ درد کے لذت آشنا تھے اور اس لطف کو چھوڑ نہ سکتے تھے۔ میرے خیال میں ممکن ہے کہ شہید علیہ الرحمہ نے جو واقعہ حبش میں عمار کی ماموری کا لکھا ہے اس سے مراد ہجرتِ حبشہ نہیں ہے بلکہ بعد کا قصہ ہے۔ علّامہ مجلسی نے ''حیات القلوب'' جلد دوم صفحہ ۱۰۶ پر جو کچھ لکھا ہے اُس سے ظاہر ہے کہ جب رسولِ مقبول مدینہ ہجرت کر چکے اس کے بعد ضعفائے مسلمانان جو کفار کے شدائد میں مبتلا تھے اور کفار انھیں کلمۂ کفر کہنے پر مجبور کر رہے تھے از انجملہ عمارِ و یاسر و سمیّہ صہیب و بلال نے ہجرت کا ارادہ کیا کفار نے انھیں پکڑ لیا اور کلمۂ کفر کہنے پر مجبور کیا عمار نے تقیتاً وہ کلمات کہہ دیے مگر ان کے والدین شہید ہوئے لوگوں نے مدینے میں حضرت رسولِ مقبول سے کہا عمار کافر ہو گئے۔

آپ نے فرمایا کافر نہیں ہو سکتے وہ سراپا ایمان ہیں۔ جب عمار آئے تو روئے۔ حضرتؐ نے استفسارِ حال کیا عمار نے واقعہ بیان کیا۔ حضرتؐ نے فرمایا اگر پھر کبھی ایسا کہنے پر مجبور کیا جائے پھر کہہ دینا۔ علامہ مجلسیؒ کے قول کے مطابق عمار نے پیغمبر کی ہجرت کے بعد مدینہ ہجرت کی اور غالباً یہی صحیح ہے۔

جب رسولِ مقبول نے مسجدِ نبوی کی تعمیر کے لیے زمین مول لے لی اور حضرت نے مسجد کی بنیاد ڈالی اور خود کام کرنے لگے تو مسلمان مہاجرین و انصار بھی ٹوٹ پڑے ان خدمت گزاروں میں عمارِ یاسر سب سے زیادہ ممتاز ہیں۔ ابنِ ہشام تحریر فرماتے ہیں:-

سفیان بن عتبہ زکریا سے اور زکریا امام شعبی سے نقل کرتے ہیں کہ پہلا شخص جس نے بنائے مسجد میں ہاتھ لگایا وہ عمارِ بن یاسر ہیں۔

امام قسطلانی شارح بخاری اور علامہ زرقانی نے مفصلہ ذیل عبارت لکھی ہے طوالت کے خوف سے محض ترجمے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

> ''تمام مسلمان ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار بن یاسر دو دو اینٹیں ایک اپنے حصے کی اور ایک جناب رسول خدا کے حصے کی آنحضرت صلعم نے ان کی پیٹھ پر دستِ مبارک رکھ کر اور گرد و غبار جھاڑ کر ارشاد فرمایا سب کے لیے ایک ثواب ہے اور تمہارے لیے دو ثواب ہیں اور دنیا میں تیری آخری غذا دودھ ہوگی اور بخاری نے بعض نسخوں میں اور مسلم و ترمذی وغیرہ نے باسناد مرفوع لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے اس موقعے پر یہ ارشاد فرمایا تھا کہ تجھ کو فرقۂ باغیہ قتل کرے گا درآنحالیکہ تو انھیں جنت کی طرف بلاتا ہوتا اور وہ لوگ تجھے دوزخ کی طرف بلاتے

ہوں گے۔ زرقانی ۱۴۴

نیز علامہ زرقانی نے صفحہ ۴۴۴ پر اس بشارتِ نبویہ کے حصول سعادت کی توجیہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے۔

بنائے مسجد میں پہلی اینٹ اُٹھانے کی ابتداء جناب رسالتؐ مآب نے اپنے دستِ مبارک سے اس لیے کی تا کہ اوروں کے لیے باعثِ ترغیب ہو۔ آپ اینٹ اُٹھاتے وقت عبداللہ ابنِ رواحہ کا یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

اللّٰھم لا اجرا اجرالاخرہ

فارحم علی الانصار و المھاجر

پروردگار تُو مہاجر و انصار پر رحم فرما اور اجرِ آخرت جو اصل اجر ہے عنایت فرما۔

حضرت علیؑ نے سن کر حسبِ ذیل شعر نظم کر کے پڑھا۔

لا یستوی من یعمر المساجد یدرب فیما قائما و قاعدہ

ومن یریٰ عن التراب حائدا

اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے جو مسجد بناتا ہے اس ارادے سے کہ اس میں کھڑے بیٹھے عملِ خیر بجالائے اور خاک کی طرف اپنا میلانِ خاطر رکھے۔ جنابِ علی مرتضیٰ نے یہ اشعار بالکل اس غرضِ خاص سے پڑھے تھے جیسا کہ عام دستور ہے کہ کام کرتے وقت دلبستگی کے لیے شعر پڑھے جاتے ہیں اس سے غرض آپ کی کسی پر طعن نہیں تھی۔

بیہقی، حسن بصری کی اسناد سے لکھتے ہیں کہ جب رسالت مآبؐ نے مسجد کی تعمیر شروع کی تو تمام صحابہ نے آپ کی اعانت

کی اور سب اینٹ مٹی وغیرہ ڈھونے لگے اس وجہ سے ان کے سینے خاک سے آلودہ ہو گئے۔ ایک صحابی عثمان بن مظعون نامی نفاست پسند بزرگ تھے، کسی مٹی اٹھانے والے سے مٹی یا گارا گر پڑا اور وہ ان کے کپڑوں میں بھر گیا انھوں نے اپنے کپڑوں کی طرف نظر کی اس خیال سے کہ مٹی سے کپڑے آلودہ تو نہیں ہو گئے جناب علی مرتضیٰؑ نے ان کی طرف نظر فرمائی اور شعرِ مذکور بالا پڑھا۔ حضرت عمار نے اس شعر کو یاد کر لیا اور پڑھنے لگے، عثمان بن مظعون کو بُرا لگا انھوں نے عمار سے کہا میں تمہاری تعریض کو خوب سمجھتا ہوں۔ ان کے ہاتھ میں اس وقت لوہے کا ایک عصا تھا اُسے دکھا کر عمارِ یاسر سے کہنے لگے کہ اگر تم اپنی تعریض نہ چھوڑو گے تو میں اسے تمہارے منہ پر دے ماروں گا۔ جنابِ رسولؐ خدا نے سن لیا سخت برہم ہوئے یہ دیکھ کر لوگ عمار سے کہنے لگے دیکھو آں حضرت تم سے خفا ہو گئے قریب ہے تمہاری شان میں کوئی قرآن کی آیت نازل ہو عمار نے جواب دیا کوئی مضائقہ نہیں میں آپ کے غصے پر بھی راضی ہوں یہ سُن کر عمار نے پکار کر عرض کی یا رسولؐ اللہ آپ کے اصحابِ میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ ارشاد ہوا کیسے؟ عرض کی وہ تُلے ہوئے ہیں کہ مجھے مار ڈالیں آپ تو ایک اینٹ اٹھاتے ہیں اور مجھ پر دو دو اینٹیں لاد دیتے ہیں، یہ سن کر آنحضرتؐ نے عمار کا ہاتھ تھام لیا، بنیادِ مسجد کا طواف کرایا، اپنے ہاتھوں سے ان کی گرد جھاڑی اور ارشاد فرمایا یا ابن سمیہ یہ لوگ تمہیں قتل نہیں کریں گے تم کو ایک

فرقۂ باغی قتل کرے گا۔

تاریخِ ابنِ ہشام میں جز ۱ا صفحہ ۶ ۷ مطبوعہ مصر یہ واقعہ بہ الفاظِ ذیل درج ہے ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

عمار بن یاسر نے ان اشعارِ ابنِ ابی طالب کو یاد کرلیا اور پڑھنے لگے اصحاب رسول صلعم میں سے اکثر لوگوں کو یہ اشعار سن کر خیال ہوا کہ عمار ہم پر تعریض کرتے ہیں، ان میں سے ایک شخص بول اٹھا کہ اے ابنِ سمیہ قسم خدا کی میں تمہاری اس تعریض کو سمجھتا ہوں اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عصا تمہاری ناک پر دے ماروں اس وقت اس کے ہاتھ میں عصا موجود تھا۔ جنابِ رسولؐ خدا یہ سن کر بہت خفا ہوئے اور لوگوں سے کہنے لگے تمہیں کیا ہو گیا ہے پھر عمار سے ارشاد فرمایا کہ تم ان کو جنّت کی طرف بلاؤ گے اور یہ تمہیں دوزخ کی طرف بلائیں گے تحقیق کہ ''عمار جلد ما بین عینی وانفی'' عمار میری آنکھوں اور میری ناک کے درمیان کی جلد ہے جب آپ کا ارشاد لوگوں نے سنا تو پھر کسی نے سبقت نہیں کی اور سب نے اجتناب اختیار کیا۔

محدث شیرازی نے ''روضۃ الاحباب'' میں اس واقعے کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

عمارِ یاسر نے حضرت علی مرتضیٰ کا یہ رجز یاد کرلیا، اینٹ اٹھاتے تھے اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے، صحابہ میں ایک شخص بیٹھا تھا اور کام نہیں کرتا تھا اس نے خیال کیا کہ عمار ہم پر تعریض کرتے ہیں، اس کو غصہ آیا، اس کے ہاتھ میں عصا موجود تھا، عصا دکھا کر عمار سے کہنے لگے ''چپ رہو نہیں تو اسی عصا سے تمہاری

ناک توڑ دوں گا'' اس مرد کے کلام جو اس نے عمار سے کہے تھے سن لیے جناب رسولؐ نے ،عمار کے حق میں کہا عمار میری دونوں آنکھوں کے کے برابر ہے صحیح بخاری میں مروی ہے کہ اس دن ہر صحابی ایک ایک اینٹ اٹھاتا تھا اور عمار دو اینٹیں روایت میں ہے کہ ایک اینٹ اپنے لیے اور ایک اینٹ رسولِ خدا صلعم کے لیے، آنحضرت صلعم خاک ان کے سر سے پاک کرتے تھے اور کہتے تھے ''عمار تجھے فرقہٗ باغیہ قتل کرے گا، تو انھیں جنّت کی طرف اور وہ تجھے دوزخ کی طرف بلائیں گے''۔عمار نے کہا خدا فتنے سے پناہ میں رکھے۔

تاریخِ ابنِ ہشام نے تحریر فرمایا ہے کہ بعد تعمیرِ مسجد عقدِ مواخاہ کا انتظام فرمایا اور انس ابنِ مالک کے مکان میں مہاجرین وانصار کو جمع فرما کر باہمی صیغہٗ اخوت جاری فرمایا۔ ابنِ ہشام اور شبلی نعمانی نے جو فہرست پیش کی ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رسولِ مقبول نے حضرت عمار بن یاسر کو حذیفہٗ یمانی کا بھائی بنایا۔

علّامہ مجلسیؒ ''حیات القلوب'' جلد ۲ باب اکتیس ۳۱ صفحہ ۶۲۹ جنگِ بدر کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

> علی ابنِ ابراہیم نے روایت کی ہے کہ اس شب آں حضرتؐ نے عمار یاسر وعبداللہ ابن مسعود کو کفار کے لشکر کی طرف بھیجا تا کہ اُن کے حالات سے باخبر کریں جب وہ لشکرِ کفار میں داخل ہوئے سب کو خائف وترساں پایا، انھوں نے پیغمبرؐ کو اطلاع دی نیز جنگِ خندق میں حسبِ تحریر ''حیات القلوب'' باب ۳۵ صفحہ ۱۳، میں علی ابنِ ابراہیم سے روایت ہے کہ جب خندق کھودی جارہی تھی ایک صحابی رسول کا ادھر گزر ہوا عمارِ یاسر خندق کھودنے میں مصروف تھے اور غبار بلند تھا، اُس صحابی نے

اپنی آستین سے ناک کو چھپالیا اور چلے گئے جب عمار نے ان کی کراہت کو مشاہدہ فرمایا رجز میں وہی شعر پڑھا جو مسجدِ نبوی کی تعمیر کے وقت پڑھا تھا، اس صحابی نے عمار کو گالی دی اور کہا کہ اے فرزندِ زن سیاہ مجھ کو کہتا ہے اور رسولِ مقبول سے کہا کہ "ہم نے اسلام اس لیے نہیں قبول کیا ہے کہ لوگوں کی دشنام سنیں" حضرت نے اس صحابی سے کہا "اگر تو اسلام نہیں چاہتا تو مجھے کافروں کی پروا نہیں ہے جہاں چاہو جاؤ"۔

غزوۂ تبوک کے سلسلے میں حیات القلوب جلد ۲ باب ۴۵ کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

جنابِ امیر مدینے سے رسالت مآبؐ کے روانہ ہونے کے بعد چلے، منافقین نے راستے میں ایک گڑھا کھود کر گھاس پھوس سے چھپا دیا تھا، علی ابنِ ابی طالب نے علمِ امامت کے زور سے اس تدبیر کو معلوم کرلیا اور اس خندق کو پار کر گئے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ حرکت کس کی ہے سب نے انکار کیا پس آپ نے اپنے گھوڑے سے دریافت کیا اس نے بزبانِ حال تمام اشخاص کے نام بتادیئے بعض نے کہا کہ رسول کو مطلع کرنا چاہیے۔ جنابِ امیر نے ارشاد فرمایا کہ وحیِ الٰہی ہو چکی ہے۔ حضرت رسولِ مقبول جب عقبہ کے قریب پہنچے انھوں نے وحی کی آمد سے مسلمانوں کو مطلع کیا، منافقین نے فوراً خود کو الزام سے بچانے کے لیے مصلحت مبارک باد دی۔ جب پیغمبرؐ واپس ہونے لگے انھوں نے اعلان کرادیا کہ کوئی مسلمان مجھ سے پہلے عقبہ پر نہ جائے اور حذیفۂ یمانی کو اہلِ عقبہ میں پنہاں

کر دیا۔ پس وہ چوبیس اشخاص آئے، جب سب اپنے مقامات پر متمکن ہو چکے حذیفہ نے ان کی گفتگو سے پیغمبر کو آکر مطلع کیا۔ پیغمبر روانہ ہوئے اور سلمان و عمار اور حذیفہ نے مہار ناقہ تھامی۔ سلمان ناقے کو ہنکار رہے تھے اور عمار ناقے کے پہلو میں راہ چل رہے تھے۔ منافقین نے اپنی حرکت کی مگر ناقۂ رسول بقدرتِ خدا بلند ہو گیا اور پیغمبر محفوظ رہ گئے۔ حضرت نے عمار سے کہا کہ ''پہاڑ پر جاؤ اور اپنے عصا سے منافقین کے اونٹوں کے منہ پر مارو اور اونٹوں کو عقبہ سے نیچے گرا دو'' عمار نے ایسا ہی کیا اور منافقین کے اونٹ بھڑکے اور اکثر ان میں سے زخمی ہوئے۔

وفاتِ پیغمبرِ اسلام کے بعد عمار یاسر ہمیشہ حضرت امیر المومنین علی ابنِ ابی طالب کے ہمنوا رہے۔ آبان ابنِ تغلب سے منقول ہے کہ میں نے حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ''علیؑ کو خلافت نہ ملنے پر صحابہ میں سے کسی نے اعتراض کیا یا نہیں''؟ آپ نے فرمایا ہاں بارہ آدمیوں نے احتجاج کیا، مہاجرین میں سے مقداد، ابوذر، سلمان، ابو برزہ اسلمی، خالد بن سعید اور عمارِ یاسر اور انصار میں سے ابوالہیثم تیہان، عثمان بن حنیف، سہیل بن حنیف، خزیمہ بن ثابت، بن کعب، ابوایوب انصاری'' ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ علیؑ کا کوئی مخالف منبرِ رسول پر بیٹھے تو ہم اسے اتار لیں، بعضوں نے کہا ایسا نہ کرنا چاہیے جب تک امیر المومنین سے مشورہ نہ کر لیا جائے سب علی کے پاس آئے اور عرض کیا ''یا امیر المومنین آپ نے اپنے حق کو چھوڑ دیا اور اس پر نصرت کرنے سے باز رہے درانحالیکہ پیغمبر نے فرمایا ہے علی حق کے ساتھ ہے اور حق علی کے ساتھ ہے

حق اسی طرف پھرتا ہے جدھر علی پھریں اب ہم لوگوں کا ارادہ ہے کہ آپ کے مخالف کو منبر سے اتار لیں صرف آپ سے اجازت کے طالب ہیں''۔ حضرت نے فرمایا قسم خدا کی اگر ایسا کرو گے تو سب تلواریں کھینچ کر میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ بیعت کرو نہیں تو قتل کر دیئے جاؤ گے اور جب ایسا ہوگا تو مجھ پر بھی دفاع لازم ہو جائے گا درانحالیکہ رسول نے مجھے خبر دی ہے کہ مرے بعد یہ اُمت تم سے غدر کرے گی اور میرے عہد کو توڑے گی اور تم کو مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ جس طرح سے بنی اسرائیل نے موسیٰ و ہارون کو چھوڑ کر گئو سالہ پرستی اختیار کی تھی اسی طرح یہ اُمت تمہیں چھوڑ کر دوسرے کو اختیار کرے گی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ان لوگوں کے ساتھ کیا کروں۔ ارشاد فرمایا کہ اگر ناصر و مددگار تمہیں ملیں تو قتال کرو اور اگر نہ ملیں تو اپنے خون کی حفاظت کرو یہاں تک کہ میرے پاس آؤ''۔

امام یوسف گنجی کی کتاب تاخیر الظلامہ الی یوم القیٰمہ میں مرقوم ہے کہ سالم ابنِ الجعد ناقل ہیں کہ حاکم وقت نے بنی اُمیہ کا ذکر کیا اور کہا کہ قسم خدا کی اگر میرے ہاتھ میں کُنجیاں بہشت کی ہوتیں تو میں بنی امیہ کو دیتا کہ وہ سب کے سب داخلِ بہشت ہو جاتے اور ہر آئینے میں ان لوگوں کو حاکم اور عامل مقرر کروں گا۔ صرف اس شخص کی ناک رگڑنے کے لیے جو ان سے اختلاف کرتا ہے پھر عمار کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ بات تیری ناک خاک پر رگڑے، عمار نے جواب دیا کہ ''خدا میرے غیر کی ناک زمین پر رگڑے'' یہ سن کر حاکم وقت نے غصے میں کھڑے ہو کر لات سے بڑی مار ماری لوگوں نے چھڑا دیا طلحہ و زبیر بھیجے گئے تا کہ عمار تین باتوں میں سے ایک بات مان لیں۔ اولاً یہ کہ مجھے مار لیں یا دیت لیں یا مجھے معاف کریں عمار نے کسی شرط کو نہ مانا اور فرمایا

"میں رسالت مآبؐ سے ملاقات کروں گا اور شکایت کروں گا"۔

صاحبِ "استیعاب" لکھتے ہیں کہ عمار بن یاسر کے باپ قبیلۂ بنی مخزوم کے دوست اور ہم عہد تھے اسی بنا پر جب عمار کے پہلو کی ہڈیاں حاکمِ وقت کے مارنے سے ٹوٹ گئیں اور فتق کا عارضہ پیدا ہو گیا تو بنی مخزوم نے ضارب پر ہجوم کیا اور قسم کھائی کہ اگر عمار مر گئے تو ان کے خون کے عوض میں حاکم کو قتل کریں گے۔

"تاریخِ فتوح احمد بن عاثم کوفی" میں مرقوم ہے کہ حاکمِ وقت کی ایک سال کی حکومت کے بعد جب ایسی چیزیں رونما ہوئیں جسے مسلمانوں نے پسند نہیں کیا تو اصحاب کے ایک گروہ نے مشورہ کیا کہ حاکم سے چل کر کہنا چاہیے کہ جو کام وہ طریقِ ثواب کے خلاف کر رہا ہے ان کو چھوڑ دے پھر سب کاموں کے لکھنے کی رائے قرار پائی اور ابتدائے دور سے اس وقت تک جو باتیں نا مناسب و بے قاعدہ تھیں وہ سب لکھی گئیں اور لکھا گیا کہ اگر تم نے یہ باتیں ترک نہ کیں تو تمہیں حکومت سے معزول کر دیا جائے گا۔

عمار یہ خط لے کر بھیجے گئے، حاکمِ وقت مکان سے برآمد ہوئے اور عمار کو کاغذ لیے کھڑا دیکھا۔ عمار سے پوچھا "اے ابو یقظان کوئی حاجت ہے"، عمار نے کہا "مجھے کوئی حاجت نہیں لیکن ایک گروہ نے جمع ہو کر کچھ لکھا ہے" حاکم نے وہ کاغذ لے کر چند سطریں پڑھیں مگر پھر غضب ناک ہو کر وہ رقعہ ہاتھ سے پھینک دیا۔ عمار نے کہا "کاغذ اصحابِ رسولؐ نے لکھا ہے اس کو ہاتھ سے نہ پھینکو بلکہ بغور مطالعہ کرو اور دیکھو اس میں کیا لکھا ہے اور یقین کرو کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور یہ باتیں تمہاری نصیحت کی غرض سے کہہ رہا ہوں" حاکم نے کہا "اے پسر سمیّہ تو جھوٹا ہے" عمار نے فرمایا کہ "اس میں شک نہیں کہ میں سمیّہ اور یاسر کا بیٹا ہوں"۔

حاکم نے غلاموں کو حکم دیا، ان سب نے مارنا شروع کیا، عمار زمین پر گر

پڑے اور بالکل بے جان ہو گئے چند لاتیں پیٹ پر پڑیں بے ہوش ہو گئے اور علتِ فتق عارض ہو گئی۔ ہشام ابن ولید مخزومی اپنے قبیلے والوں کے ساتھ آ کر عمار کو اٹھا لے گئے لے جا کر بستر پر لٹا دیا دراں حالیکہ انھیں خبر نہ تھی۔ ان لوگوں نے قسم کھائی تھی کہ اگر عمار نے اس صدمے سے وفات پائی تو مارنے والے کو بھی ہم قتل کریں گے عمار اسی طرح بے ہوش پڑے رہے یہاں تک کہ شب کا بھی کچھ حصہ گزر گیا، نمازِ ظہر و مغرب و عشا ان سے فوت ہو گئی جب درمیانِ شب میں ہوش آیا تو وضو کر کے سب نمازیں پڑھیں۔

"تاریخ اعثم کوفی صفحہ ۹۹ میں مرقوم ہے کہ ابوذر کی طرح عمارِ یاسر کو بھی ربذہ نکالے جانے کا حکم ہوا تھا، حضرت علیؑ نے جب حاکم کو سمجھایا تو ان سے بھی کہا کہ آپ کو بھی شہر بدر کرنا چاہیے۔ علیؑ نے کہا "تیری کیا مجال ہے اگر ہمت ہو تو کر کے دیکھو تمہارا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ فسادات تو تمہاری ذات سے ہیں"۔

کنز العمال، ابطال الباطل، شرح تجرید، تاریخ الظلالہ، نجاتِ المومنین، انسان العیون، استیعاب اور نہایۃ ابنِ اثیر میں ہے کہ ایک دن عمارِ یاسر نے حاکمِ وقت سے کہا کہ "خدا اور رسولؐ سے ڈر اور شریعت کی پیروی کر" حاکم نے اس قدر پیٹا کہ فتق کی بیماری ہو گئی۔

حسبِ تحریر "تاریخ اعثم کوفی"، "کنز العمال" "تاریخ الخلفا" "استیعاب رفع الاسا سل" علامہ سیوطی، شرح ابن الحدید سے پتہ چلتا ہے کہ عمار یاسر بھی محمد ابنِ ابی بکر اور ان کے ہمنواؤں کے ہم آواز تھے۔

جنابِ امیر نے مقام زاویہ میں پہنچ کر اپنے ہمراہیوں کی تعداد پر نظر فرمائی اور طلحہ و زبیر کی فوج کی تعداد سے مقابلہ کیا اور مزید فوج کی ضرورت محسوس کی تو آپ نے ابو موسیٰ الاشعری عاملِ کوفہ کو خط لکھ کر ایک ہزار فوج طلب کی، ابو موسیٰ

نے جواب نہیں دیا۔ امیر المومنین سے پہلے جنابِ امیرؑ کے حریف کا نامہ پہنچ چکا تھا ابوموسیٰ نے لوگوں کو جمع کر کے جنابِ امیرؑ کا حکم نامہ سنایا مگر لوگوں کی رائے حضرت امیر کی مدد کرنے کی نہ ہوئی رسالہ المرتضیٰ صفحہ ۹۱

تاریخِ طبری میں ابوموسیٰ الاشعری کا خطبہ حسبِ ذیل الفاظ میں ملتا ہے۔

جب نامہ ابوموسیٰ کو ملا منبر پر گیا اور کہا اے لوگو وہ قرشی سلطنت چاہتے ہیں علی اور طلحہ، جو شخص اس دنیا کو چاہے جہاں جی چاہے جاوے اور جو آخرت کا طالب ہو اپنے گھر میں بیٹھے یہ جانا خلیفہء وقت کی زندگی میں ہونا چاہیے تھا جو کہ خلیفہء روئے زمین تھا اور اس کی بیعت میں شک نہ تھا لہٰذا مسلمانوں کا فریضہ تھا کہ اس کی نصرت کرتے اور آج مسلمانوں پر اس کے خون کا عوض لینا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ فتنہ ہے اور میں نے پیغمبر سے سنا ہے کہ فرمایا بیٹھا ہوا کھڑے ہونے سے بہتر ہے اور سویا ہوا جاگنے والوں سے، پیادہ سوار سے بہتر ہے۔ ہر شخص کو چاہیے کہ گھر میں بیٹھے اور تلوار نیام میں رکھے۔ میں دیکھتا ہوں کہ جب کام ٹھیک ہوجائے گا اس وقت جس شخص کے لیے یہ کام درست ہوجائے اس کی اطاعت وحمایت کی جائے اور جو کچھ کہا جائے اس پر سرِ تسلیم خم کیا جائے بیعت خلیفہ واجب ہے۔ طبری صفحہ ۵۵۸۔

جب امیر المومنینؑ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے عبداللہ ابنِ عباس کو بھیجا مگر ان کا جانا مفید مطلب نہ ہوا۔ ان کی واپسی کے بعد جنابِ امیرؑ نے عمار ابنِ یاسر اور حضرت امام حسنؑ کو کوفہ بھیجا۔ حسبِ قول مصنف رسالہ المرتضیٰ جو گفتگو ان لوگوں کے مابین ہوئی وہ بہت طویل ہے۔ صاحبِ ''روضۃ الاحباب'' نے تفصیل سے

لکھا ہے یہاں بخاری کی ایک حدیث درج کرتا ہوں۔

جب طلحہ وزبیر بصرے کو روانہ ہوئے علیِ مرتضیٰ نے عمارِ یاسر اور امام حسنؑ کو کوفہ بھیجا۔ یہ دونوں حضرات کوفے پہنچ کر منبر پر چڑھے امام حسن منبر کے بالائی حصے پر اور عمار ان سے نیچے کھڑے ہوئے۔

عمار نے کہا طلحہ وزبیر وغیرہ بصرہ میں آئے ہیں۔ ان کے ہمراہ زوجۂ رسول ہے مگر اللہ تمہاری آزمائش کرتا ہے تا کہ معلوم ہو کہ تم علیِ مرتضیٰ کی اطاعت کرتے ہو یا زوجۂ رسول کی (المرتضیٰ صفحہ ۹۴)

سید المحدثین نے "تحفۃ الاحیا" میں لکھا ہے کہ جب جنابِ امیرؑ جنگِ جمل کی طرف متوجہ ہوئے حضرت امام حسن کو عمار یاسر کے ساتھ بھیجا۔ ابوموسیٰ نے لوگوں کو جانے سے منع کیا امام نے اس پر عتاب کیا۔ ابوموسیٰ نے کہا پیغمبر نے اس کو فتنۂ کبریٰ کہا ہے اس سے دور رہنا بہتر ہے اور گوشے میں بیٹھ رہنا اچھا ہے عمار نے جواب دیا کہ "یہ ایسا فتنہ ہے جس میں مستعدی کرنا بیٹھ رہنے سے بہتر ہے اور حق کو باطل سے ممتاز کرنا اچھا ہے"۔

یہ سب حق کے چھپانے کے لیے ابوموسیٰ نے کہا کہ "جب حق و باطل میں تمیز نہ ہو سکے تو گوشہ نشینی ہی بہتر ہے"۔ عمار نے جواب دیا کہ "حق اس فتنے میں آفتاب سے زیادہ روشن ہے اور باطل بھی ظاہر ہے لیکن امتیاز سے مانع صرف ضعف بصیرت ہے" شیخ اجل جعفر طوسی نور اللہ مرقدہٗ نے کتاب "امالی" میں ابی بختہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ عمار یاسر نے ابوموسیٰ اشعری کو بہت لعنت ملامت کی اور پوچھا کہ "کون سی چیز تجھ کو متابعت امیر المومنین سے مانع ہو رہی ہے؟ قسم خدا کی اگر تجھے ان کی حقیقت میں کچھ شک ہے تو "تو دائرۂ اسلام سے خارج ہے"۔ ابوموسیٰ نے کہا "اس قدر غصہ نہ کرو

میں بھی تمہارا بھائی ہوں"، عمار نے فرمایا "میں تیرا بھائی ہرگز نہیں ہوں گا اس لیے کہ میں نے پیغمبر خدا سے سنا ہے کہ شبِ عقبہ تو بھی منافقین کے ساتھ آں حضرتؐ کے قتل کے ارادے سے شریک تھا اور رسولِ خدا نے تجھ پر لعنت کی ہے"، ابوموسیٰ نے کہا "یہ نہیں سنا کہ حضرت نے میرے لیے استغفار کیا تھا" فرمایا "میں نے لعنت کو سنا تھا" بہر صورت اس گفتگو سے نو ہزار کوفی نصرت پر آمادہ ہو گئے۔

ابنِ جارود نے باسناد نقل کیا ہے کہ راوی کہتا ہے کہ جب امیر المومنینؑ معہ لشکر بصرہ کے قریب پہنچے میں نے دیکھا...... پھر ایک سفید گھوڑے والا آیا اس کے پاس سفید کپڑے اور کالا عمامہ تھا اور اس کو آگے پیچھے خوب مضبوط و پیچ دار باندھ رکھا تھا، نہایت تجمل و وقار کے ساتھ کلام شریف پڑھتا ہوا اسی طرح تلوار گلے میں ڈالے، کمان دوش پر رکھے ہاتھ میں سفید پھریرے والا نیزہ لیے ہزار آدمیوں کے ساتھ جن کی ٹوپیاں مختلف رنگ کی تھیں اور ان کے گرد بوڑھے ادھیڑ اور جوان تھے ان کی درستی اور سکوت ایسا تھا گویا گنتی کے لیے چپ کھڑے ہوئے ہیں، ان کی پیشانیوں پر سجدے کے نشان تھے، میں نے پوچھا تو لوگوں نے کہا یہ عمار ابنِ یاسر اور چند مہاجرین وانصار واصحابِ رسول صلعم کی اولادیں ہیں۔

شیخ ابوجعفر طوسی علیہ الرحمہ نے موسیٰ بن عبداللہ ابدی سے روایت کی ہے کہ جب اہلِ بصرہ شکست کھا چکے اور امیر المومنین نے حکم کیا مادرِ مومنین کو قصر بن حلف میں اتاریں، وہاں پہنچنے کے بعد عمارِ یاسر ان کے پاس گئے اور فرمایا "اے مادر اپنے فرزندوں کی شمشیر زنی آپ نے دیکھی"۔

مادرِ مومنین نے کہا:- "عمار چونکہ اس وقت تم کو غلبہ ہو گیا ہے لہٰذا دین میں صاحبِ بصیرت و بصارت ہو گئے ہو" عمار نے جواب دیا "قسم خدا کی میری

بصیرت دین کے امور میں اس سے زیادہ ہے جو غلبے کے سبب سے بڑھے یا مغلوبیت کے سبب سے گھٹے۔ قسم خدا کی اگر تم لوگ ہم پر اس طرح سے غالب آتے کہ نخلستانِ ہجر تک بھگا دیتے جب بھی ہمیں یقین رہتا کہ ہم حق پر ہیں اور تم باطل پر"۔

مادرِ مومنین نے کہا "تمہارے دل میں لوگوں نے ایسا ہی ڈال دیا ہے"۔

عمار نے فرمایا "قسم خدا کی میں نے جو کچھ اختیار کیا ہے حجت و دلیل سے اختیار کیا ہے نہ کسی کے شبہ ڈالنے اور خوبصورت تخیل پیدا کرنے سے۔ میں از روئے یقین جانتا ہوں کہ حضرت امیر علیہ السلام تمام صحابہ پیغمبر سے زیادہ قاری اور زیادہ تر حافظِ کتابِ خدا اور علمِ تفسیر قرآن کے جاننے والے ہیں اور حرمت و تعظیم قرآن میں سب سے زیادہ شدید ہیں علاوہ بریں جو قربِ خاص ان کو پیغمبر کے ساتھ حاصل ہے اور جس کثرت سے انھوں نے اسلام میں جہاد کیے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں"۔

جنگِ صفین میں امیر المومنینؑ نے ترتیبِ فوج اور غنیم کے مقابلے کا انتظام شروع فرمایا اور بعد خطبہ احکامِ جنگ سنائے۔ ان امور سے فراغت کے بعد آپ نے ترتیب کی طرف توجہ فرمائی، لشکر کا نشان ہاشم ابن عتبہ کو دیا، سواروں کو عمار یاسر کی ماتحتی میں اور پیادوں کو بدیل ابنِ ورقہ کے زیر حکومت دیا میمنہ لشکر پر اشعث کو اور میسرہ لشکر پر حارث ابنِ مرہ کو مقرر فرمایا اس کے علاوہ قبیلے قبیلے کا جدا جدا افسر مقرر کیا۔

صفین کی چوتھی لڑائی کے بعد عمر بن عاص نے ابونواخ کو بلا کر عمارِ یاسر کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ اگر تم کو فرصت ہو اور کوئی امر مانع نہ ہو تو میرے پاس چلے آؤ اور ہم تم باہم مل کر طرفین سے مصالحت کرا دینے کی نسبت کچھ قرار دیں اور

باہمی اتفاق کی کوئی صورت نکالیں۔ ابونواخ عمار کے پاس آیا اور عمرِ عاص کا پیغام سنایا، عمار یاسر نے جواب دیا ''میں ضرور آؤں گا'' عمار یاسر نے اپنے چند رفیقوں کو بلایا اور اپنے ہمراہ لے کر عمر عاص کے پاس پہنچے۔ عمار یاسر جیسے خالص الاسلام اور جلیل القدر صحابی نے جو عمر عاص کی عیاریوں سے واقف تھے بہت کچھ نصیحت فرمائی اور پھر عمر عاص اور اس کے جلیسوں سے مخاطب ہو کر معاملۂ قصاص پر مبسوط روشنی ڈالی اور یہ ثابت کیا کہ امیر المومنینؑ کا واقعہ قتل سے کوئی تعلق نہیں۔ بہت سے دیگر عمائد جو طالبِ قصاص ہیں خود قاتلین کے معاون و مشیر تھے نیز یہ کہ معاویہ کو حقِ قصاص نہیں ہے۔

عمر عاص نے عمار کے قول کی تصدیق کی مگر معاویہ کے متعلق اس نے کہا کہ اُسے طلبِ قصاص کا حق حاصل ہے۔ عمر عاص نے عمار کی تعریف و توصیف کے بعد خوں ریزی سے بچنے کے تلقین کی، عمار نے اس کی عیارانہ گفتگو سن کر فرمایا کہ ''تو کب تک منافقانہ گفتگو کرے گا بیشک ہم اور تم ایک خدا کو مانتے ہیں، ایک قبلے کی طرف نماز پڑھتے ہیں مگر تیرے ہمراہیوں کو میرے رفیقوں سے کیا کام۔ خدا پرستی، قرآن خوانی، ایمانداری، دینداری، راستبازی ہمارا شعار ہے تمہارا نہیں ہے۔ رسول نے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا کہ اے عمار تم ایک جماعت سے لڑو گے جو خدا کے اوپر اپنے عہد و میثاق کو توڑ ڈالنے کو جائز سمجھے گی چنانچہ میں نے تم سے جنگ کی اور تا بمقدور ارشادِ نبوی کے بموجب کام انجام دیا۔ حضرتؐ نے فرمایا تھا تم ظالموں اور ستمگاروں سے لڑو گے، قاسطوں اور بیدادگروں سے جنگ آزمائی کرو گے،'' تم لوگ اس جماعت سے ہو اور تمہاری ہی یہ صفت ہے''۔ عمر عاص نے کہا'' ہم تو تم سے نرمی سے گفتگو کرتے ہیں اور تم ہم کو گالیاں دیتے ہو''۔ (تاریخِ اعثم کوفی)

عمروعاص نے بعد گفتگو کے طویل واقعۂ قتل کا الزام عمارِ یاسر کے سر تھوپنا چاہا۔ بات بڑھی، اہلِ شام اپنی فرودگاہ تک واپس گئے اور حصین ابنِ مالک و حارث ابنِ عوف فوجِ عمروعاص سے علیحدہ ہوکر حمص چلے گئے۔

پانچویں لڑائی سے قبل حسبِ تاریخِ اعثم کوفی جب عمرعاص عمارِ یاسر کی تقریر سے مایوس ہوکر واپس ہوا تو ایک گروہِ اہلِ شام نے پوچھا کہ ہم نے عمار کے متعلق رسولِ مقبول کی یہ حدیث سنی ہے کہ عمارِ یاسر کو حق چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ عمرِعاص نے تصدیق کی اور فوراً یہ تاویل کی کہ ہم عمار سے کب جدا ہیں۔ تم نے دیکھا کہ وہ کس کشادہ دلی سے مجھ سے گفتگو کررہے تھے، ان کا شمار ہم میں اور ہمارا شماران میں ہے۔ ذوالکلاغ حمیری نے کہا ''تو کیوں انھیں دامِ فریب میں لیتا ہے تیرے اور عمار کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ میں نے خود سنی۔ انھوں نے تیغِ زبان سے تجھے گھائل اور رسوا کیا''۔ عمرعاص نے پوچھا ''تو کیوں اس صحبت میں شریک ہوا''۔ ذوالکلاغ نے کہا ''تصدیقِ حدیث یا عمار...... الی النار کے لیے۔

ذوالکلاغ حمیری نے عمرعاص کی ہجو کی اور عمار یاسر کی تعریف۔ عبداللہ ابنِ عمرالتمیمی نے دونوں کی گفتگو سن کر اہلِ شام کے کیمپ کو خیرباد کہا اور لشکر جنابِ امیرؑ میں آگیا پھر اس نے ذوالکلاغ کو بھی مشورہ دیا کہ وہ لشکرِ عمروعاص سے علیحدہ ہوجائے۔ (خلاصۂ تاریخِ اعثم کوفی مطبوعہ لکھنؤ، صفحہ ۱۸۶)

معاویہ اس خبر سے عمروعاص پر برہم ہوا۔ عمروعاص نے جھلاّ کر کہا ''میں نے تو جو کچھ رسول سے حدیث سنی تھی صرف وہی بیان کی، مجھے کیا علم تھا میرے قول سے پست ہمت لشکر کو چھوڑیں گے'' بہرحال دن بھر عمرعاص اور معاویہ میں کشیدگی رہی دوسرے دن سلسلۂ جنگ پھر شروع ہوا۔

صفین کی اٹھارھویں لڑائی شروع ہوئی، جانبین کے لشکر حرکت میں آئے، خوں ریز جنگ ہونے لگی اسی عالم میں عمارِ یاسر قلبِ لشکر سے جدا ہو گئے اور اپنے ساتھیوں کی پُرجگری اور استقلال کے متعلق پُرتاثیر تقریر فرمائی اور فرمایا ''بھائیو تم کو معلوم ہے کہ ہم لوگوں نے تین بار رسولِ مقبول کے ساتھ انھیں لوگوں کے مقابلے میں، جن کو ہم امیرِ شام کے پاس دیکھ رہے ہیں، جنگ کی ہے، میں آج محض مقابلے پر آمادہ نہیں ہوں بلکہ اپنی موت پر بھی مستعد ہوں۔ اگر میں حریف کے ہاتھوں قتل ہو جاؤں تو میرے ہمراہیوں کو چاہیے کہ مجھے دفن کر دیں''۔
بہرحال عمارِ یاسر اہلِ شام سے مقابل ہوئے اور پے در پے مردانہ وار حملے کیے اور دستِ ضعیف و کہنہ مشق کے جوہر دکھائے، صفوں کو توڑتے ہوئے محافظینِ معاویہ کے غول تک پہنچے، اہلِ شام نے عمارِ یاسر کو محاصرے میں لے لیا۔

صاحب ''استیعاب'' لکھتے ہیں کہ روزِ جنگِ صفّین عمار نے ہاشم ابن عتبہ سے کہا کہ ''اے ہاشم آج ہم بہشت میں جائیں گے اور اپنے پیغمبر اور ان کے گروہ سے ملاقات کریں گے۔ قسم خدا کی اگر یہ باغی لوگ ہم کو نخلستانِ ہجرت بھی بھگا لے جائیں جب بھی ہم کو یہی یقین رہے گا کہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر'' یہ فرما کر حسبِ ذیل رجز پڑھنا شروع کیا۔

نحن ضربنا علی تنزیله
فالیوم نضربکم علی تاویله
ضربا یزیل الهام عن مقیله
ویذهل الخلیل عن خلیله
او یرجع الحق الی سبیله

''ہم وہ ہیں جنھوں نے تم کو تنزیلِ قرآن کی بنیاد پر مارا اور آج تاویل وتفسیر

قرآن کی بنیاد پر تم کو ایسی مار ماریں گے کہ سر اپنی جگہ پر قائم نہ رہیں گے اور عاشق اپنے معشوق کی محبت بھول جائے گا جب تک کہ حق اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے'' یہ رجز پڑھنے کے بعد عمارِ یاسر نے فوجِ مخالف پر حملہ کیا۔

بنا بر ناسخ التواریخ'' اور'' تاریخ کامل'' ابن اثیر عمار نے اذن جہاد مانگا، علی ابنِ ابی طالب نے بادلِ ناخواستہ اجازت دی سینے سے لگایا اور رخصت کیا۔ عمار سوار ہو کر نکلے ہاشم ابنِ عتبہ نے علم دار فوج کو پکار کر کہا ''علم آگے لاؤ جنت تلواروں کے سائے میں ہے اور موت برچھیوں کے گرد۔ درِ جنت کھلا ہوا ہے اور حوریں استقبال کے لیے موجود ہیں''۔ چورانوے ۹۴ سال کی عمر، ہاتھوں میں رعشہ، سر ہلتا ہوا، پلکیں لٹکی ہوئی، جوشِ محبت میں سینے تانے ہوئے میدان میں بڑھے، میدان میں آ کر خداوندِ عالم سے خطاب کر کے بآوازِ بلند کہا۔

''خداوندا تو خوب جانتا ہے میں ہر حال میں تیرا فرمانبردار بندہ ہوں اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تیری خواہش اس میں ہے کہ دریا میں غرق ہو جاؤں یا آگ میں جل کر خاک ہو جاؤں تو میں اس میں بھی کمی نہ کروں۔ اے مالک اگر تو دوست رکھے تو نوکِ نیزہ اپنے شکم پر رکھ کر اتنا زور کروں کہ پشت کے پار ہو جائے اور اس وقت تک ہاتھ نہ ہٹے جب تک موت نہ آ جائے''۔

''اے معبود جہاں تک مجھ کو تیرے رسول نے تعلیم دی ہے آج کوئی عمل تیری رضا حاصل کرنے کے لیے اس سے بہتر نہیں ہے کہ ان فاسقوں سے جنگ کروں، اے پالنے والے آج اس حق کو ادا کرنے کے لیے اپنے خون میں نہاتا ہوں جس کا وعدہ تیرے رسول سے کر چکا ہوں، تو گواہ رہنا وہ حق ادا ہو رہا ہے اور اپنے بعد کے لیے اگر کوئی وصیت چھوڑتا ہوں تو علی کی محبت و رفاقت''۔ بہر حال مناجات سے فارغ ہو کر گھوڑے کو ایڑ لگائی، دستِ مرتعش قبضۂ شمشیر تک پہنچا،

گھوڑا بار حق سمیت دشمن کے دل میں پہنچا، سپاہ درہم برہم ہوئی، شجاعت کا سکہ فوجِ شام کے دل پر بیٹھ گیا، کشتوں کے پشتے لاشوں کے انبار لگ گئے۔

ابنِ جزء مقابلے میں آیا، عمار نے ایک تلوار میں ابنِ جزء کے جسم کا جزوِ اعظم جدا کر دیا پھر لشکر سے جنگ میں مشغول ہوئے۔ عمار یاسر نے باوجود ضعفِ پیری اہلِ شام کے متعدد جوانوں کو قتل کیا، ابن جویر السکونی نے عمارِ یاسر کو بہت سخت زخم لگایا اور اسی محاصرے میں کام تمام کرنا چاہا مگر عمارِ یاسر کے استقلال، ثبات اور شجاعت نے محاصرے کے ایسے نازک وقت میں بھی ایسے بیش بہا جوہر دکھلائے جنھوں نے اہلِ شام کی تمام مردانہ اور جوانانہ دلیریوں کو خاک میں ملا دیا اور اہلِ شام کے اس مستحکم محاصرے کو توڑ کر نکل آئے اور اپنی فوج میں واپس آئے۔ زخمِ کاری کی شدت اور پیری کے ضعف و نقاہت نے سنبھلنے نہ دیا اپنے غلام رشید سے پانی مانگا خادم نے دودھ و شہد کا پیالہ حاضر کیا اور گھوڑے سے نیچے اترنے سے قبل عمار کو جامِ اخیر سے سیراب کیا۔ عمار نے غلام کی خدمت کو حسرت کی نظر سے دیکھا اور کاسۂ شیر کو دیکھ کر فرمایا"۔ صدقت یارسول اللہ سچ فرمایا تھا آپ نے یارسول اللہ" لوگوں نے اس کی شرح پوچھی تو آپ نے فرمایا" رسولِ خدا نے فرمایا تھا کہ اے عمار تجھے گروہِ باغی قتل کرے گا۔ تو ان کو جنت کی طرف بلائے گا اور وہ تجھ کو دوزخ کی طرف بلائیں گے اور تیری آخری غذا دودھ ہوگی"۔ خادم سے وہ جام لے کر پیا مگر وہ شربت زخم کی راہ سے باہر نکل آیا، خادم گھوڑے کی باگ تھام کر اپنے آقا کو میدانِ جنگ سے علیحدہ لایا۔ عمار گھوڑے پر نہ سنبھل سکے، رشید نے سہارا دے کر نیچے اتارا زمین پر پہنچتے ہی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ خلاصۂ تاریخِ طبری جلد ۴ صفحہ ۵۸۰، المرتضیٰ باسنادِ صحیحین شریفین صفحہ ۱۰۴ اصاحبِ تہذیب المتین، روضۃ الصفا جلد ثانی صفحہ

۲۳۹ پر تحریر فرماتے ہیں جب امیر المومنین کو خبر ہوئی اصحاب و انصار کے ساتھ فوراً لاشِ عمار پر آئے، سرہانے بیٹھ گئے اور عمار کا سر زانوئے مبارک پر رکھا۔ اپنے رفیق قدیم کو مُردہ دیکھ کر اس کی فرطِ محبت اور محاسنِ خدمات کا خیال فرما کر تحمل نہ کر سکے، بے ساختہ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ذیل کے شعر پڑھے۔

الا یا ایها الموت الذی هو قاصدی
ارحنی فقد افنیت کل خلیلی

اراك بصراً الذین اجبهم
کانك تنحوا نحوهم بدلیلی

ترجمہ:- اے موت تو مجھ کو چھوڑنے والی نہیں ہے مجھ کو بھی آجا اور اب مجھ کو بھی راحت دے جب میرے تمام دوستوں کو فنا کر چکی، میں دیکھتا ہوں کہ تو میرے دوستوں کو اس طرح ایذا پہنچاتی ہے یا دیکھ لیتی ہے کہ گویا کوئی راہ نما ہے جو تجھ کو ان کی جانب راہ دکھاتا ہے۔

جنابِ امیر المومنینؑ دیر تک لاشِ عمار پر افسوس کرتے رہے۔ حضرت کے اصحاب و انصار کا ہجوم تھا، حضرت کے علاوہ بہتیرے ایسے موجود تھے جن کی آنکھوں میں رسول کی محبت گھوم رہی تھی، ہر شخص ان کی باتوں کو یاد کر کے حد سے سوا متاثر تھا۔ حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جو شخص عمار کی وفات سے دل تنگ نہ ہو اس کو اسلام کا کوئی حصہ نہ ملے گا (یعنی اس کا فرض ہو)۔

پھر حضرت نے حسبِ تحریر صحیح بخاری مطبوعہ میرٹھ صفحہ ۲۴۲ ارشاد فرمایا "عمار وہ شخص تھا جس سے میں نے کبھی صحبتِ رسول کو خالی نہ پایا، جب تین آدمی ان کی صحبت میں ہوئے تو چوتھے عمار یاسر تھے اور اسی طرح جب چار آدمیوں کا مجمع ان کی خدمت میں موجود ہوتا تو پانچواں بزرگ یہی ہوتا تھا، یہ وہی مقدس ہے جس کے بہشتی ہونے کی

پاک بشارت مخبرِ صادق نے واضح الفاظ میں فرمائی ہے۔

ان الجنة تشتاق ثلثة علی و عمار و سمه

(ترجمہ) بہشت تین بزرگوں کی مشتاق ہے۔علی، عمار اور سلمان کی۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے فرمایا عمار پر صرف ایک مرتبہ بہشت واجب نہیں ہوئی بلکہ بار ہا انھوں نے اس کا استحقاق پیدا کیا۔ جنتِ عدن ان کے لیے مہیا اور گوارا ہوں اس لیے کہ وہ ایسی حالت میں قتل ہوئے کہ حق ان کے ساتھ تھا اور وہ حق کے مددگار تھے چنانچہ رسولِؐ خدا صلعم نے ان کی شان میں فرمایا۔

''حق عمار کے ساتھ پھرتا رہے گا جس طرف عمار پھریں''۔

بعد اس کے حضرت نے فرمایا عمار کا قتل کرنے والا اور ان کو بُرا کہنے والا اور ان کے ہتھیار لُوٹنے والا آتشِ جہنم میں معذب ہوگا پھر حسبِ تحریر روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۲۴، تہذیب المتین صفحہ ۱۷۰ جنابِ عمارِ یاسر کی لاش اٹھا کر کنارِ دریا غسل دیا، نماز پڑھی اور وہیں دفن کر دیا۔

کتاب ''کامل بہائی'' میں قاضی عبدالجبار معتزلی سے منقول ہے کہ انھوں نے کتاب ''محیط'' میں لکھا ہے کہ علی علیہ السلام نے عمار کے قتل سے قبل کبھی اہلِ بغاوت کے قتال میں ابتدا نہیں کی تھی لیکن جب چھبیسویں روز عمار شہید ہوئے تو حضرت نے اہلِ بغاوت پر کفّار کا حکم لگا دیا اور ان کے قتل میں ابتدا فرمائی اور ایک شب میں پانچ سو تیس ۵۳۰ آدمیوں کو اپنے دستِ مبارک سے قتل کیا اور ہر ایک کو قتل کرنے کے بعد تکبیر اس طرح فرماتے تھے جیسا کہ قتلِ کفّار میں قاعدہ ہے اور فرماتے تھے جس کو میری تلوار قتل کرے گی وہ جہنم میں جائے گا۔

عمارِ یاسر کی شہادت کے بعد عباس صفِ لشکرِ معاویہ کے پاس گئے اور حدیث

شقتلك الفئة الباغيه اس لشکر کو سنائی اور ان کو بغاوت سے خوف دلایا۔

حضرت عمار کے واقعے سے اہلِ عراق میں جو پریشانی وافسوس کا اظہار ہو رہا تھا اس سے زیادہ اس واقعے نے انتشار و شورش برپا کردی۔ ابنِ جویر اسکنی اور ابولعادیہ فرازی دونوں قتلِ عمار میں شریک تھے، دونوں انعام کی لالچ میں باہم جھگڑتے ہوئے عمرو عاص کے پاس پہنچے ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ میں نے عمار کو قتل کیا، عمر عاص نے ان کی تکرار سنی حدیث شقتلك الفئة الباغيه نے اسے سراپا انتشار بنا رکھا تھا، آخر دیر کے سکوت کے بعد عمر عاص نے ان سے کہا ''تم دونوں جہنمی ہو خدا کی قسم میں نے اپنے کانوں سے رسالت مآبؐ کو کہتے سنا ہے کہ عمار کو فرقۂ باغی قتل کرے گا''۔

سوانحِ عمری حضرت علی صفحہ ۵۷۷ باسنادِ خصائص امام نسائی و ابن مسعود روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۲۴۰ دونوں نے معاویہ کے پاس دعویٰ کی اپیل کی۔ انھوں نے عمرو عاص سے کہا ''اگر تم ہر شخص کے واسطے یونہی اظہارِ حق سے کام لیا کرو گے تو ہمارا کام نکل چکا۔ ولایتِ شامی کی امیدیں منقطع ہو جائیں گی تو امارتِ مصر کے موہوم خیال کب قائم رہ سکتے ہیں''۔ معاویہ نے عمار کے قاتلوں کو سمجھایا کہ ''فرض کرو یہ حدیث صحیح بھی ہے تو تمہارے سر اس کا الزام نہیں، عمار کے قتل کا باعث وہ کہلائے گا جو ان کو اپنے ہمراہ لایا ہو''۔ شدہ شدہ اس قول کا چرچا خاص لوگوں میں ہوا عمرو عاص ولید ابنِ عقبہ عبداللہ بن عمر عاص محمد ابن عمر عاص وغیرہ حدیث شقتلك الفة باغيه کے خیال میں متفکر تھے معاویہ نے ان کے سامنے وہی بات کہی، حاضرین نے تعجب سے دیکھا عبداللہ ابن عمرو عاص نے کہا ''تیری دلیل کتنی فضول ہے اگر یہ اصول رفعِ الزام کے لیے قائم کیا گیا تو غزواتِ رسول میں اہلِ اسلام کے خون کا الزام کس کے سر جائے گا، جو رسول کی

رفاقت میں شہید ہوئے اس وقت یہ عذاب معاذ اللہ کس کے سر جائے گا اگر یہ میرا باپ شریک نہ ہوتا اور اس کی اطاعت فرض نہ ہوتی میں تیری متابعت چھوڑ دیتا''۔

علامہ طبری نے یہ مکالمہ عبداللہ ابنِ عمر خطاب کے متعلق لکھا ہے مگر اس کا ثبوت دشوار ہے۔ صفین میں ان کا کسی طرف ہونا ثابت نہیں اگر یہ کہا جائے کہ اس سے عبداللہ ابنِ عمر سے مراد ہے تو وہ قتلِ عمار سے قبل مارے جاچکے تھے یہ البتہ ممکن ہے کہ بعد معاملۂ صفین عبداللہ بن عمر نے واقعات سن کر اس کے جواب میں یہ رائے قائم کی ہو۔ صاحبِ روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۲۴۰ پر طبری کے قول پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض تاریخیں یہ کہہ رہی ہیں کہ جب قتلِ عمار کی نسبت معاویہ کا دعویٰ جنابِ امیرؑ کو معلوم ہوا تو آپ نے اس کے خاموش کرنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا تھا۔

بنی اُمیہ کے موید مورخین بھی جب اس مقام پر پہنچتے ہیں تو ان کے ہاتھوں سے بھی قلم چھوٹ جاتا ہے اور وہ امرِ حق کی تصریح پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ حدیث شقتلك الفئة الباغیه نے معاویہ کا جما جمایا طلسم توڑ دیا، اس حدیث نے زمانے کی نگاہوں میں اہلِ شام کی بغاوت کو ثابت کر دیا، یہ حدیث متواترات میں ہے اور صحیحین میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ امام ابولمعالی کتاب ''ارشاد'' میں لکھتے ہیں۔

حدیث شقتلك الفئة الباغیه هومن اثبت الاخبار

حدیث شقتلك الفئة الباغیه نہایت ثابت شدہ احادیث میں ہے۔

امام عبدالبر ''استیعاب'' میں تحریر فرماتے ہیں

ترجمہ:- متواتر حدیثیں جنابِ رسولؐ خدا سے مروی ہیں کہ حضرت نے فرمایا عمار کو باغیوں کا گروہ قتل کرے گا اور یہ

حضرت کی پیشین گوئیوں میں ایک پیشین گوئی جس کا اعلامِ
نبوت میں شمار ہے اور نہایت صحیح احادیث میں ہے۔

علامہ ابنِ اثیرؒ "اسد الغابہ" میں لکھتے ہیں:-

ترجمہ:- ان کے قاتلوں میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں ابو المعادیہ ملزنی نے قتل کیا تھا اور بعض کا قول ہے کہ جہنمی نے انھیں نیزہ مارا تھا۔ جب وہ مر گئے تو ایک دوسرے شخص نے ان پر چڑھ کر ان کا سر کاٹ لیا پس وہ دونوں لڑتے ہوئے آئے ہر ایک ان میں یہ کہتا تھا کہ میں نے عمار کو قتل کیا، عمر عاص کہنے لگا" واللہ یہ دونوں نہیں جھگڑتے مگر دوزخ میں گرنے کے لیے ہیں واللہ اگر بیس برس پہلے مر گیا ہوتا تو اچھا تھا"۔ اس مضمون کو علامہ ابو الفدا نے تاریخ کامل میں بھی تحریر فرمایا ہے۔

(تاریخ ابو الفدا جلد ۳ صفحہ ۴۲۶)

علامہ شیخ ابنِ حجر عسقلانی نے "اصابہ فی مرتبۃ الصحابہ" میں لکھا ہے **وظھر یقتل عمار ان الصواب کان مع علی**

عمار کے قتل سے ظاہر ہو گیا کہ حق علی کی جانب تھا (المرتضیٰ صفحہ ۱۱۴)

ابنِ طلحۃ الشافعی نے "مطالب السئول" میں اس حدیث کی تصدیق کی نسبت اور قوی رائے تحریر فرمائی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے۔

اکثر یہ بات کہی جاتی ہے کہ معاویہ آنحضرتؐ کے کاتب اور مسلمانوں کے ماموں تھے تم ان پر اور ان کے تابعین پر علی علیہ السلام کے جنگ کرانے میں کس طرح بغاوت کا حکم لگاتے ہو کہ وہ اُس اپنے فعل میں راہِ صواب میں بھٹکے ہوئے اور قصداً بغاوت کے مرتکب اور خدا کی اطاعت سے خارج ہو جانے والوں کے

گروہ میں داخل ہونے والے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ میں نے ان بغاوت کے وصف اوراس کے لوازمات کے حکم، بناوٹ اور جھوٹ اپنی طرف سے گھڑ کر نہیں بلکہ بہ حکم نقل اور اتباع کے کیا ہے جس کو محدثین میں سے مشہور آئمہ نے اپنے صحیح مسندوں میں متعدد حدیثوں کے درمیان روایت کیا ہے اور ہر ایک ان میں سے اپنی حدیث کی سند کو آنحضرتؐ تک پہنچا تا ہے کہ عمار سے فرمایا تھا تجھے باغیوں کا گروہ قتل کرے گا۔ یہ ایسی حدیثیں ہیں کہ جن کے اسناد میں کسی قسم کا خلل واقع نہیں ہے اور ان حدیثوں، متون (جمع متن) میں کسی قسم کا اضطراب نہیں ہے۔ بس ثابت ہوا کہ آنحضرتؐ نے عمار کے قاتلوں کے گروہ کو وصف باغی ہونے کے ساتھ قرار دیا ہے اور بغی کا وصف اس گروہ سے علیحدہ نہیں ہوسکتا۔ اس گروہ کے لیے یہ وصف لازم ہے اور باغی کے معنی ظلم اور کثرتِ فساد کے ہیں۔ پس جو شخص باغی ہوا وہ ظالم و جابر اور عدل سے تجاوز کرنے والا ہے اور خدائی اطاعت سے خارج ہونے والا ہے پس عمار کے قتل کرنے والوں کا گروہ آنحضرتؐ کے فرمانے کے مطابق انہیں صفات کے ساتھ موصوف ٹھہرا۔ (سوانح عمری علی علیہ السلام صفحہ ۷۷۷)

بخاری، مسلم، ترمذی صفحہ ۲۲۱ مسطر ۶۔ جامع صغیر اور حاشیہ تفسیر الباری شرح بخاری نواب وحید الزماں صاحب۔

ترجمہ:۔ اے عمار تجھ کو فرقہ باغی قتل کرے گا جبکہ تو بہشت کی طرف بلاتا ہوگا اور وہ تجھے دوزخ کی طرف۔ ''اسد الغابہ'' میں ہے عمار ایسا ایمان دار ہے کہ اس کا ہر استخوان مغزِ ایمان سے ٹھوس بنایا گیا ہے۔

حیاتِ القلوب ''العمار جلدة بین عینی'' عمار میری آنکھوں کے درمیان کا پردہ ہے نیز یہ بھی حدیثِ رسولؐ ہے۔ یدور الحق مع عمار حیثما دار حق اسی طرح پھرتا ہے جس طرف عمار گردش کرتے ہیں۔

جامع صغیر سیوطی میں ہے بہشت بہت مشتاق ہے علی اور عمار و سلمان و مقداد کی طرف۔

ابنِ بابویہ بسند معتبر گریزہ ابنِ صالح سے روایت کی ہے کہ ابوذر نے کہا شہادت دیتا ہوں میں کہ علی خدا کے ولی ہیں گریزہ نے کہا یہی شہادت آنحضرتؐ کے لیے سلمانِ فارسی مقداد، عمار و جابر ابنِ عبداللہ انصاری و ابوالہیثم بن الہتان و خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین و ابوایوب صاحب خانۂ رسولِ خدا و ہاشم ابنِ عتبہ نے دی ہے۔ ابوذر نے کہا کہ سب افاضل اصحابِ رسولؐ میں تھے۔

نیز ابنِ بابویہ بسندِ معتبر لکھتے ہیں کہ حضرت امیرؑ سے عمار کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ''عمار ایک مومن تھا جس کا مغزِ استخواں ایمان سے بھرا ہوا تھا جو کام بھولا ہوتا تھا جب یاد کرادیا جاتا تھا جلد یاد کر لیتے تھے''۔

حبہ عربی راوی ہیں کہ عبداللہ بن عمر نے دیکھا کہ دو شخص باہم مخاصمہ کر رہے ہیں ہر ایک کہتا تھا کہ میں نے عمار کو قتل کیا، عبداللہ بن عمر نے کہا ''یہ دونوں مخاصمہ کر رہے ہیں اس امر میں کہ کون جلد جہنم میں جائے گا''۔ پھر'' کہا میں نے سنا رسولِؐ خدا نے فرمایا کہ عمار کا قتل کرنے والا اور ان کے لباس و اسلحہ کا لینے والا جہنم میں ہے''۔

نیز روایت ہے کہ جب عمار شہید ہو گئے لوگ حذیفہ کے پاس آئے کہ یہ شخص قتل ہو گیا ہے اور لوگوں میں اختلاف ہے ان کے قتل ہونے میں کہ وہ حق پر قتل ہوئے یا ناحق آپ کا کیا ارشاد ہے۔ حذیفہ نے کہا ''مجھے بٹھادو ایک شخص نے انھیں اٹھایا اور اپنے سینے پر ان کو تکیہ دیا'' حذیفہ نے کہا میں نے رسولِؐ خدا سے سنا ہے کہ آنحضرتؐ نے سو مرتبہ فرمایا ابوالیقظان فطرتِ اسلام پر ہے اور وہ فطرتِ اسلام کو ترک نہ کرے گا یہاں تک کہ مرجائے''۔

جنابِ عائشہ سے مروی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا اختیار نہیں کرتے عمار دو کاموں سے مگر اس کام کو جوان پر دشوار تر ہو۔

''کنز العمال'' میں ہے کہ آیۂ مودّت کی شرط وفا نہ کی مگر سات اشخاص نے سلمانِ ابوذر، مقداد ابنِ اسود، جابر ابنِ عبداللہ انصاری اور آزاد کردۂ رسولِ خدا کہ ان کو بیشت کہتے ہیں اور زید ابنِ ارقم۔

علی ابنِ ابراہیم نے امام جعفرِ صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آیہ ان الذین امنو وعملو الصٰلحٰت کانت لھم جنات الفردوس نزلا ابوذر مقداد سلمان وعمار کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت امام جعفرِ صادقؑ و امام رضاؑ سے روایت ہے کہ اُن مومنوں کی ولایت و محبت واجب ہے جنھوں نے بعدِ وفاتِ پیغمبر مقداد، عمار، جابر، حذیفہ، ابوہیثم، سہیل ابنِ حنیف، ابوایوب انصاری، عبداللہ بن صامت، خزیمہ ذوالشہادتین و ابوسعید خذری اور جس نے ان کا طریقہ اختیار کیا ہے اور ان کے کردار کو نمونۂ عمل بنایا ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ سے روایت ہے کہ زمین سات اشخاص کے لیے پیدا کی گئی ہے، ان کے سبب سے روزی اہلِ زمین کو ملتی ہے اور انھیں کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور انھیں کے سبب سے یاری کی جاتی ہے۔ وہ سلمان، ابوذر، مقداد، عمار، حذیفہ اور عبداللہ ابن مسعود ہیں۔ پس حضرت نے فرمایا۔ ''میں ان کا امام و پیشوا ہوں اور انھیں لوگوں نے نمازِ فاطمہ زہراؑ میں شرکت کی''!

نیز بہ سندِ معتبر امام رضا سے روایت ہے کہ حضرت رسول مقبول نے فرمایا ''عمار حق پر ہوگا جس وقت کہ قتل ہوگا درمیان دو لشکر کے، ان میں سے ایک میرے راستے اور سنّت پر ہوگا اور دوسرا دین سے خارج''۔

کتاب ''احتجاج'' میں امیر المومنینؑ سے روایت ہے کہ جب رسولِ مقبول

نے وفات پائی اور میں نے رسول کو غسل دیا اور دفن کیا، میں قرآن جمع کرنے میں مشغول ہوا۔ جب اس سے فارغ ہوا تو فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کا ہاتھ پکڑا اور تمام اہلِ بدر اور ان لوگوں کے گھروں پر گیا جنھوں نے دین میں سبقت کی تھی اور انھیں اپنے حق کی قسم دی اور ان سے مدد چاہی۔ کسی نے ان میں سے لبیک نہ کہا مگر چار اشخاص، سلمان، ابوذر، مقداد اور عمار نے۔

اصبغ ابنِ نباۃ نے روایت کی ہے کہ عبداللہ ابنِ کوا نے امیر المومنینؑ سے اصحاب کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے ہر ایک کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا، عمار کے بارے میں جب سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ "وہ مرد تھا جس پر خدا نے آتشِ جہنم کو حرام قرار دیا ہے اور جہنم اس کے گوشت و خون کو چھو نہیں سکتی"۔

ایضاً بہ سندِ معتبر مروی ہے کہ ایک گروہ امام رضاؑ کے درِ دولت پر حاضر ہوا اور کہا کہ "ہم شیعیانِ امیر المومنینؑ سے ہیں" حضرت نے عرصے تک ان کو منع کیا داخلے کی اجازت نہ دی۔ جب انھیں اجازت دی انھوں نے شکایت کی، حضرت نے فرمایا "کیونکر تم کو اجازت دیتا کہ تم غلط دعوے کرتے تھے کہ ہم شیعیانِ امیر المومنینؑ سے ہیں اور آنحضرت کا شیعہ نہیں تھا کوئی مگر حسنؑ و حسینؑ، سلمان و ابوذر، مقداد و عمار و محمد ابنِ ابی بکر جنھوں نے مخالفت نہ کی اُن امر سے جن کا انھیں حکم دیا گیا"۔

تفسیرِ امامِ حسن عسکریؑ میں مرقوم ہے کہ ایک روز صبح کے وقت رسولِؐ خدا نے اصحاب سے پوچھا کہ تم میں سے کس نے اپنے عزت و رتبے سے اپنے برادرِ مومن کی مدد کی جنابِ امیرؑ نے فرمایا "میں نے" حضرت سے پوچھا کیونکر، جنابِ امیرؑ نے فرمایا میں عمار یاسر کے پاس سے گزرا ایک یہودی ان سے لپٹا ہوا تھا اور قرض ادا کرنے پر مصر تھا عمار نے مجھے دیکھ کر کہا "اے برادرِ رسولِؐ خدا یہ یہودی آپ کی محبت کی وجہ سے مجھے اذیت پہنچا رہا ہے اور مجھے ذلیل کرنا چاہتا

ہے مجھے اس کے ہاتھ سے نجات دلوایئے اپنے جاہ وعزت کے صدقے میں''
جب میں نے چاہا کہ اس یہودی سے عمار کے بارے میں کلام کروں عمار نے کہا
''اے برادرِ رسولؐ خدا میں تمہیں دیدہ دل سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں اس سے کہ
آپ اس کافر سے شفاعت کریں میری شفاعت اس ذات سے کیجیے جو آپ کی
حاجت رد نہیں کرتا اور اس سے ادائی قرض کے لیے شفاعت کیجیے میں نے دعا
کی۔ خداوندا جو آرزو عمار کی ہے پورا کر'' بعد دعا کے میں نے کہا کہ ''ہاتھ بڑھاؤ
اور جو کچھ از قسم پتھر اور ڈھیلہ وغیرہ مل جائے اپنے سامنے لاتا کہ تمہارے لیے
طلا خالص ہو جائے''۔ پس عمار نے ہاتھ بڑھایا اور ایک پتھر اُٹھایا جس کا وزن
کئی من تھا۔ وہ بقدرتِ حق تعالیٰ طلا خالص بن گیا۔ عمار نے یہودی سے پوچھا
''تیرا کتنا قرضہ ہے''۔ یہودی نے کہا ''تیس درہم''۔ عمار نے پوچھا ''قیمت اس
کی کتنی ہے'' یہودی نے کہا ''دینار'' عمار نے اس وقت دعا کی خداوندا جس شخص
کے طفیل میں تو نے پتھر کو طلا خالص بنا دیا تجھے اسی کی قسم ہے اس طلا کو نرم
کر دے تاکہ میں یہودی کے حق کے برابر توڑ سکوں، قدرتِ خدا سے وہ طلا نرم
ہو گیا۔ عمار نے آسانی سے تین مثقال اس میں سے توڑ لیا اور یہودی کو دے دیا
پس عمار نے باقی سونے کی طرف نظر کی اور کہا خداوندا میں نے سنا ہے کہ تو نے
فرمایا ہے قرآن میں کہ ان الا نسان لیطغیٰ ان راہ استغنیٰ یعنی
بدرستیکہ آدمی طاغی ہو جاتا ہے اس سبب سے کہ وہ خود کو بے نیاز پاتا ہے اور میں
بے نیازی کو نہیں چاہتا جو میرے طغیان کا سبب ہے پس خداوندا اس طلاءِ خالص
کو اس ذات کے صدقے میں جس کے صدقے میں اسے طلا بنایا پتھر بنا دے۔
عمار نے اُسے پھینک دیا اور '' کہا میرے لیے دنیا و آخرت میں یہی کافی ہے کہ
اے برادرِ رسولِ خدا تیرا دوست و شیعہ رہوں''۔ جنابِ رسالت مآبؐ نے فرمایا

ملائکہ ہفت آسمان نے اس کے قول پر تعجب کیا اور درگاہِ خدا میں عمار کی مدح وثنا کی اور صلوات رحمتِ الٰہیِ عرش ان پر نازل کی۔

رسولؐ نے کہا "بشارت ہو اے ابوالیقظان کہ تو علی کے ساتھ دیانت میں ان کا بھائی ہے" ان کے دوست داروں میں سے، نیکوں میں سے ہے، ان لوگوں میں سے جو علی کی محبت میں قتل ہوگا، تجھے گروہِ باغی قتل کرے گا اور آخری غذا تیری ایک صاع دودھ ہوگا اور تو دودھ پینے کے بعد انتقال کر جائے گا اور روحِ تیری ارواح محمدؐ وآل محمدؐ کے ساتھ نیکوترین مخلوق میں ہوگی اور تو ہمارے نیک شیعوں میں سے ہے"۔

نیز اس تفسیر میں منقول ہے کہ جب جنگِ اُحد میں مسلمانوں کو سختیاں اٹھانی پڑیں اور وہ مصائب جھیل کر مدینے واپس آ گئے ایک گروہ یہودیوں کا حذیفہ اور عمار کے پاس آیا اور کہا تم لوگوں نے نہیں دیکھا جو احد میں ہوا، محمدؐ کی جنگ بادشاہوں کی طرح ہے جو کبھی غالب ہوتے اور کبھی مغلوب، اگر پیغمبر ہوتے ہمیشہ غالب ہوتے پس ان کے دین سے پھر جاؤ۔" حذیفہ نے کہا خدا کی تم پر لعنت ہو میں تمہارے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا اور بات نہیں کر سکتا اور تمہاری بات نہیں سن سکتا اور تم سے اپنی جان و دین سے ڈرتا ہوں"، اس لیے بھگا رہا ہوں، وہ سامنے سے اُٹھ کر بھاگ گئے۔ عمار نے جواب دیا "رسولؐ نے اپنے اصحاب سے وعدۂ نصرت وظفر کیا بدر میں اس شرط پر کہ وہ صبر کریں انھوں نے شرطِ صبر وفا کی اور فتح یاب ہوئے، احد میں بھی بشرطِ صبر وعدہ نصرت رسولؐ نے کیا مگر انھوں نے صبر نہیں کیا اس وجہ سے ایسا ہوا جو انھوں نے دیکھا۔ اگر وہ اطاعت کرتے ضرور فتح یاب ہوتے"۔ یہودیوں نے کہا "اے عمار اگر تم اطاعت کرتے اس پتلے پاؤں سے بزرگانِ قریش پر فتح پاتے" عمار نے کہا "بیشک قسم ہے اس خدا کی جس نے رسولؐ کو حق پر مبعوث کیا ہے کہ محمدؐ نے ہمیں فضل وحکمت کی معرفت کرا دی ہے اور

اپنے وصی کی فضیلت سمجھا دی ہے اور اپنے اہلِ بیت کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور ہمیں بتایا ہے کہ اگر اعتقادِ کامل کے ساتھ دعا کرو گے البتہ وہ کام پورا ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر تم ہم سے کہو تو آسمان کو زمین پر اُتار لیں اور زمین کو آسمان پر پہنچا دیں۔ ضرور اللہ ہمیں اس کی قوت دے گا"۔ یہودیوں نے کہا "تمہارا مرتبہ نزد محمدؐ پست تر ہے"۔ اس دعوے سے ان میں چالیس منافق بھی تھے، عمار وہاں سے اُٹھ کر رسالت مآبؐ کے پاس آئے۔ حضرت نے فرمایا حذیفہ حفظِ دین کے لیے بھاگے شیطان سے اور بندگانِ شائستہ سے ہے لیکن تم نے اے عمار مجادلہ کیا اور میری خیر خواہی کی تُو بہترین جہاد کرنے والا ہے، ناگاہ یہودی آئے اور عمار کے دعوے کے متعلق بیان کیا اور کہ "اگر آپ سچے نبی ہیں تو عمار سے کہیے کہ وہ اپنی پتلی ٹانگوں کے ساتھ یہ پتھر زمین سے اُٹھالیں"۔ آنحضرتؐ اس وقت بیرون مدینہ تھے اور ایک پتھر اتنا وزنی تھا جسے ۲۰ آدمی ہلا نہ سکتے تھے۔ حضرتؐ نے عمار کو حکم دیا کہ میری اطاعت کرو اور خدا سے دعا کرو کہ مجھے قوت عطا فرما اور اس مشکل کو آسان کردے جس طرح کالب بن یوحنا پر تو نے مشکل آسان کی تھی۔ عمار نے صدقِ دل سے یہ کلمات کہے اور وہ پتھر اٹھالیا اور بہ قسم کہا کہ یہ پتھر سبک تر ہے پیغمبر نے حکم دیا۔ عمار نے اس پتھر کو ہوا میں پھینکا جو بقدرتِ خدا اس پہاڑ کی چوٹی پر جو ایک فرسخ کے فاصلے پر تھا عمار کے ہاتھ کی قوت سے پہنچ گیا۔

رسالت مآبؐ نے یہودیوں سے کہا دیکھا تم نے عمار کی قوت۔ پھر حضرتؐ نے عمار سے کہا "اس پہاڑ کی چوٹی پر جاؤ اس پر ایک عظیم پتھر ہے جو اس پتھر سے کئی گنا وزنی ہے اسے اٹھا لاؤ"۔ عمار گئے اور وہ پتھر بغل میں دبا کر پیغمبرؐ کے پاس لائے۔ حضرتؐ نے زمین پر اس پتھر کو پھینکنے کا حکم دیا یہودی ڈرے اور بھاگے۔ عمار نے اُسے پٹک دیا، ریزہ ریزہ ہوگیا۔ پس بعض ایمان لائے۔

جب ابوجہل نے عمار پر سختی کی اللہ نے اس کی انگوٹھی کو اتنا تنگ کر دیا کہ وہ زمین پر گر پڑا اور پیراہن کو اس پر اتنا گراں کر دیا جو آہنی زرہ سے زیادہ وزنی ہو گیا۔

ابوجہل نے عمار سے رہا کرنے کو کہا۔

عمار نے انگوٹھی اُتار دی اور پیراہن جدا کر دیا۔

ابوجہل نے کہا مکے سے باہر چلے جاؤ تا کہ محمدؐ پر عیب نہ کرو کہ میں نے انگوٹھی اور پیراہن اتارا۔

عمار مدینہ آئے۔ اصحاب نے کہا ''کیا سبب ہے کہ تو نے بایں معجزہ نجات پائی اور تیرے والدین شہید ہو گئے''۔

عمار نے کہا ''یہ اللہ کی مرضی ہے کہ اِس نے ابراہیم کو آگ سے نجات دی اور یحییٰ وزکریا قتل ہو گئے''۔ رسالت مآبؐ نے کہا عمار تو بزرگ اور دانایوں میں ہے۔

''روضۃ الواعظین'' میں امام موسیٰ جعفرؑ سے مروی ہے کہ بروزِ قیامت ایک منادی ندا کرے گا ''کہاں ہیں حواریان محمدؐ جنھوں نے عہد نہیں توڑا اور اپنے عہد پر باقی رہے۔ پس اُٹھے عمرو بن حمق خزاعی، میثمِ تمار، محمد بن ابی بکر، اویس قرنی''۔

راوی نے امام محمد باقرؑ سے پوچھا عمار کے بارے میں کیا حکم ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا۔ ''خدا رحمت نازل کرے عمار نے قتال کیا خدمت جنابِ امیرؑ میں اور شہید ہوئے''۔

راوی نے پوچھا اس سے عظیم منزلت نہ ہوگی۔

حضرت متوجہ ہوئے اور فرمایا ''تم خیال کرتے ہو وہ مثل تین نفر سلمان، ابوذر و مقداد کے ہو سکتا ہے ہیہات ہیہات''۔

راوی کہتا ہے عمار کیا جانتے تھے کہ اس روز شہید ہوں گے۔ حضرتؑ نے کہا جب اس روز آتشِ حرب مشتعل ہوئی اور کشتہ زیادہ ہوئے عمار صفِ جنگ سے

علیحدہ ہوئے اور خدمتِ جنابِ امیرؑ میں آئے اور کہا ''یا علیؑ میرے مرنے کا وقت آگیا ہے''۔ حضرت نے صف میں واپس ہونے کا حکم دیا اس نے تین بار سوال کیا۔ حضرت نے وہی جواب دیا۔ آخر میں حضرت نے فرمایا ''ہاں''۔ پس مردانہ وار صف میں واپس ہوئے اور یقین کے ساتھ مصروف جنگ ہوئے اور کہا آج محمد اور ان کے دوستوں سے ملاقات کروں گا۔

رسالت مآبؐ نے فرمایا ''بہشت تین آدمیوں کی مشتاق ہے اے علی تیری، سلمان اور عمار کی جو جنگوں میں تمہارے ساتھ رہے گا اور مشہد میں اس سے نیکی ظاہر ہوگی اور اس کا نور عظیم اور اجر بزرگ''۔

''اختصاص'' میں عیسیٰ ابنِ حمزہ سے روایت ہے کہ انھوں نے صادقِ آلِ محمدؑ سے پوچھا کہ ''وہ چار شخص کون ہیں جن کی مشتاق جنت ہے'' حضرت نے کہا۔ ''سلمان، ابوذر، مقداد، عمار''، راوی نے پوچھا ''ان میں سے کون بہتر ہے''۔

حضرتؑ نے کہا۔ سلمان پھر ان کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا۔

جابر بن عبداللہ انصاری نے امام محمد باقرؑ سے پوچھا مختلف اصحاب کے بارے میں، جب عمار کے متعلق پوچھا تو حضرت نے فرمایا۔ ''وہ ہم سے ہے۔ خدا دشمن رکھے جو اُسے دشمن رکھے اور دوست رکھے اُسے جو اُسے دوست رکھے''۔

کتاب ''بشارۃ المصطفیٰ'' میں مرقوم ہے کہ ایک دن جناب رسالت مآبؐ بعد نمازِ عصر محراب میں بیٹھے تھے اصحاب کا ہجوم تھا ناگاہ ایک مردِ عرب بوسیدہ لباس، پریشان صورت حاضر ہوا، شدتِ مرض سے جسم میں رعشہ تھا۔ حضرت نے حال پوچھا اس نے عرض کیا ''یا حضرت بھوکا ہوں کھانا عطا فرمایئے، برہنہ ہوں کپڑا مرحمت فرمایئے، فقیر ہوں غنی کیجیے''۔ آپؐ نے فرمایا۔ ''خیر کا راستہ دکھلانے والا خیر کرنے والے کے مثل ہے تو فاطمہؑ کے گھر جاؤ وہاں مراد برآئے گی''۔ یہ فرما کر

بلال کے ساتھ اسے خانۂ سیدہؑ پر بھیج دیا۔ بابِ فاطمہؑ پر اس نے سلام کیا۔ جواب سلام ملا۔ اعرابی نے اپنا ماجرا کہہ سنایا۔ سیدہ کے گھر میں تیسرا فاقہ تھا۔ پوست گوسفند جس پر ان کا اونٹ کھاتا اور رات کو حسنینؑ سوتے تھے اسے عطا کیا۔ سائل نے ''کہا میں بھوکا ہوں آپ گوسفند عطا فرماتی ہیں''۔ یہ سن کر سیدۂ عالیہ نے گلوئے اقدس سے گلو بند اتار کر سائل کو دے دیا۔ سائل لے کر مسجدِ رسول میں آیا اور کہا ''مخدومۂ عالم نے خادم کو یہ گلو بند بیچنے کو دیا ہے''۔ عمار نے اجازت طلب کی حضرت نے فرمایا ''خرید لو اگر تمام جن وانس بھی اس کی خریداری کریں تو سیدہ کی برکت سے نجات پائیں عذابِ الٰہی سے''۔

عمار نے قیمت پوچھی۔ اعرابی نے کہا ''اس قدر گوشت جس سے میں سیر ہو جاؤں۔ ایک لمبی چادر جس سے بستر کر سکوں اور دینار وطلا جو زادِ راہ میں کام آئے'' عمار یاسر نے کہا اس کے عوض بیس دینارِ طلا دو سو درہم ہجری ایک لمبی چادر اور اس قدر گوشت روٹی کہ تو سیر ہو جائے اور ایک اونٹ دینے پر رضا مند ہوں'' عمار نے گلو بند لے لیا اور قیمت ادا کر دی۔ اعرابی نے دعا دی، پیغمبرؐ نے فاطمہ زہراؑ کی فضیلت اصحاب سے بیان کی اور زیارتِ فاطمہ کا فضل بیان فرمایا۔

الحاصل عمار نے اس گلو بند کو مُشک سے معطّر کیا، لمبی چادر میں لپیٹ کر حصۂ غنیمت میں سے ایک مقدار کے ساتھ اپنے غلام سہم کو دیا اور کہا ''اسے خدمت نبوی میں لے جا، میں نے تجھے بھی حضرت ہی کو دیا''۔ غلام نے خدمتِ رسالت میں آ کر عرض کیا۔ حضرتؐ نے فرمایا ''تو فاطمہؑ کے پاس جا، یہ گلو بند فاطمہؑ کو دے دے میں نے تجھے بھی فاطمہؑ کو بخشا۔ معصومۂ عالم نے گلو بند لے لیا اور سہم کو آزاد کر دیا۔

عمّارِ یاسر

علّامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی

گُلِ گلزارِ رفاقت ہے گلوبندِ حسَین گوہرِ دُرجِ ریاضت ہے گلوبندِ حسَین
نکہتِ خلدِ مودّت ہے گلو بندِ حسَین مخزنِ جود وسخاوت ہے گلوبندِ حسَین
پے امدادِ غلامی ہے گلوبندِ حسَین
عقدِ زہرا کی سلامی ہے گلوبندِ حسَین

ہے یہ منقول ، گلو بندِ بتولؑ عذرا جوسدا مثلِ ہلال آپ کی گردن میں رہا
ایک سائل کو رہِ دینِ خدا میں بخشا ان کا یہ فیض وترحم ، یہ شعار اُمّت کا
حلقہ رسی کا پے زینبِ ناشاد ملے
طوق لوہے کا پے گردنِ سجادؑ ملے

اُس گدا نے وہ عطیہ رکھا سر آنکھوں پر کی دُعا اس سے زیادہ ہو کرم کا جوہر
بولیں زہراؑ کہ نہیں کچھ ہوسِ دولت وزر طوقِ طاعاتِ الٰہی ہے ہمارا زیور
یہ دُعا دے کہ محمدؐ سے دعا لے زہراؑ
نار سے اُمتِ عاصی کو بچا لے زہراؑ

وہ گلو بند لئے پیشِ نبیؐ جب پہنچا بولے احمدؐ کہ اِسے بیچ کے کام اپنا چلا
پوچھا عمار نے سائل سے کہ مول اِس کا ہے کیا عرض کی اُس نے عنایت جو کرے میرا خدا
نقد کچھ بہرِ علاجِ دلِ صد چاک ملے
پیٹ کو رزق ملے جسم کو پوشاک ملے

اپنے گھر لے گئے عمّار اُسے بہرِ کرم　　وہ غذا اُس کو کھلائی کہ ہوا تازہ دم
ایک ناقہ دیا، اک بُردِ یمانی اُس دم　　سُرخ دِینار دیئے یک صَد و پنجاہ درم
بھوکے پیاسوں پہ یہ ہو لُطفِ گلو بندِ بتولؑ
اور اُدھر فاقے پہ فاقے کرے فرزندِ بتولؑ

لے کے پہنچا وہ گدا پیشِ نبیؐ مال و زر　　بولا یہ سب شہِؑ مُرسلؐ کی زباں کا ہے اثر
بولے احمدؐ کہ یہ ہے بخششِ زہراؑ کا ثمر　　فکر اُمت کی اُسے رہتی ہے ماں سے بڑھ کر
یہی اُمت مگر اس درجہ بدل جائے گی
باپ پر رونے نہ دے گی اسے تڑپائے گی

اُس گلو بند کو عمّار نے سائل سے لیا　　پھر اُسے چادرِ پاکیزہ میں ملفوف کیا
سہم تھا ایک غلام اُن کا، اُسے بلوایا　　دے کے چادر اُسے دربارِ نبیؐ میں بھیجا
پھر کہا اُس سے تو اب تک تھا مرے گھر کا غلام
آج سے تو بھی ہوا میرے پیمبرؐ کا غلام

سہم نے جا کے محمدؐ کو دیا یہ پیغام　　بھیجے زہراؑ کو نبیؐ نے وہ گلو بند و غلام
ہدیہ لے کر یہ کیا فاطمہؑ زہرا نے کلام　　جا تجھے کرتے ہیں آزاد ہم اللہ کے نام
سہم اب سہم نہ تُو قلب ترا شاد ہوا
حُر جسے ہم نے کہا نار سے آزاد ہوا

سہم خوش ہو گیا بولا کہ زہے شانِ خدا　　معجزہ ہے یہ گلو بندِ جنابِ زہراؑ
شاد سائل کو کیا جسم کو ملبوس مِلا　　سیر بھوکے کو کیا بندے کو آزاد کیا
کلمہ کیوں نہ پڑھوں شام و سحر بی بی کا
منبعِ نعمتِ کونین ہے گھر بی بی کا

غربت و فقر کا حامی ہے گلو بندِ حسینؑ　　نسبتِ حق سے دوامی ہے گلو بندِ حسینؑ
دیں کی تاریخ میں نامی ہے گلو بندِ حسینؑ　　پیشِ معبود گرامی ہے گلو بندِ حسینؑ
فیضِ زہراؑ سے یہ اعجاز نمائی کی ہے
اِس گلو بند نے بھی عُقدہ کُشائی کی ہے

شہیدِ معرکۂ صفّین حضرتِ عمّارِ یاسر

باقر رضوی امانت خانی

نازک ہے رگِ گل سے بھی پیمانِ محبت　　کانٹوں ہی کے اوپر ہے گُلستانِ محبت
ڈوبا ہوا ہے خون میں دیوانِ محبت　　دل تلتے ہیں جس میں وہ ہے میزانِ محبت
آفات کا معیار ، محبت کی کسوٹی
تلوار کی ہے دھار محبت کی کسوٹی
اِس راہ میں ہر گام پہ کرتا ہے جگر آہ　　خود موت، مسافر کے رہا کرتی ہے ہمراہ
ہیں ایک ہی منزل پہ گدا ہوں کہ شہنشاہ　　ہے خون کے دھارے پہ محبت کی گزرگاہ
پیشانی پہ خود اپنی لہو ملتے ہیں عُشاق
سر لے کے ہتھیلی پہ یہاں چلتے ہیں عُشاق
دل کا ہے لہو انجمن آرائے محبت　　طوفان کی موجوں میں ہے دریائے محبت
گُل کہتے ہیں پُرخار ہے صحرائے محبت　　آئینۂ منزل ہے کفِ پائے محبت
منزل سے ہوا آتی ہے ایک ایک قدم پر
لَو عزم کی تھرّاتی ہے ایک ایک قدم پر

اِس راہ میں چلنے کے لیے دل ہو کُشادہ   ثابت قدمی کی ہے یہاں ساکھ زیادہ
انساں کا یہاں چاہیئے پختہ ہو ارادہ   کہتے ہیں محبت جسے کانٹوں کا ہے جادہ

کرتی ہے مظفر دلِ الفت کی صداقت
منزل کو بتاتی ہے محبت کی صداقت

محبوب سے محبوبِ خدا کے جو ہو الفت   مومن کی نگاہوں میں ہو خود اپنی ہی رفعت
دل بن کے ہو سینے میں اگر اجرِ رسالت   ہر سانس میں تحلیل ہو حیدرؑ کی محبت

آئینۂ اخلاص میں الفت کا ہو جوہر
نبضوں کی روانی میں محبت کا ہو جوہر

حیدرؑ کی محبت میں نہاں جوہرِ جنّت   حیدرؑ کی محبت کا سبق دفترِ جنّت
حیدرؑ کی محبت میں ہے اک منظرِ جنّت   حیدرؑ کی محبت ہے کلیدِ درِ جنّت

اس باغ میں ایمان کا شاداب شجر ہے
گلزارِ جناں الفتِ حیدرؑ کا ثمر ہے

رکھّی دلِ عرفان کی بِنا حُبِ علیؑ نے   ایمان کو ایمان کیا حُبِ علیؑ نے
دل کو شرفِ کعبہ دیا حُبِ علیؑ نے   لکھا سبقِ حُبِ خدا ، حُبِ علیؑ نے

صورت سے منافق کی نقاب اِس نے اُٹھا دی
کی ہیزمِ عصیاں پہ نظر آگ لگا دی

ہر شے میں یہی حُبِ علیؑ جلوہ نما ہے   اس کے ہی سہارے سے تو ایماں کی بقا ہے
یہ ماحصلِ جذبۂ عرفانِ خدا ہے   حیدرؑ کی ولایت کا سبق اس نے پڑھا ہے

معبود کی مرضی ہے ، رضا حق کے ولی کی
اسلام کی تکمیل ، ولایت ہے علیؑ کی

اقرارِ ولایت سے صدف میں بنے گوہر اقرارِ ولایت ہی سے خنداں ہے گلِ تر
اقرارِ ولایت سے بنا سنگ میں جوہر اقرار کا حاصل ہیں اولو العزم پیمبر
موسیٰؑ کو عصا حق نے دیا اِس کے صلے میں
تمغہ یدِ بیضا کا ملا اس کے صلے میں

بستر پہ نبیؐ کے ہوا اظہارِ ولایت سوتا تھا وہاں طالع ، بیدارِ ولایت
ہاتھوں پہ پیمبرؐ کے تھا شہکارِ ولایت میدان میں خُم کے ہوا اقرارِ ولایت
ساغر کو مودّت کے لیا دستِ ولی سے
وہ پی گئے اخلاص جو رکھتے تھے علیؑ سے

میخوار ہیں میخانۂ خُم کے یہ سراسر مقدادِ خوش انجام ، کمیلؒ اور ابوذر
حجرؒ و بنِ یاسرؒ سے جری میثمؒ و قنبرؒ سلمانؒ و رشیدؒ ہجری ، مالکِ اشترؒ
کس اوج پہ ہے خلد کے میخوار کا رتبہ
کیا پوچھتے ہو حضرتِ عمّار کا رتبہ

تاریخ یہ کہتی ہے یمن تھا وطن ان کا لکھا ہے کہ تھا والدہ کا نام سُمیّا
یاسرؒ تھے پدر ان کے جو تھے صاحبِ رُتبا کفّار سے تا عمر پہنچتی رہی ایذا
ایسے ہیں مصائب کہ نہیں تاب بیاں میں
ٹوٹے ہیں پہاڑ اِن پہ مظالم کے جہاں میں

کُفّار نے یاسرؒ کو وہ پہنچائی اذیت جس سے ہوئے اِس عالمِ فانی سے وہ رخصت
بوجہلؔ نے پہنچائی سُمیّہ کو جراحت نیزے سے کیا وار ہوئی ان کی بھی رحلت
اسلام کی تھی روح سُمیّہ کے بدن میں
یہ پہلی ہیں خاتون شہادت کے کفن میں

عمار کو دیتے تھے اذیت ستم آرا کوڑوں سے انھیں جلتی ہوئی ریت پہ مارا
خالق کے سوا کوئی نہ تھا ان کا سہارا وہ ظلم تھا اِن پر کہ نہ تھا ضبط کا یارا
دامن میں اجل کے وہ نظر آتے تھے اکثر
اِس ظلم سے بے ہوش وہ ہو جاتے تھے اکثر

اک دن انھیں کفار نے ریتی پہ لِٹا کر سینہ پہ رکھا آگ سا تپتا ہوا پتھر
اِس حال میں کرتے تھے زدوکوب ستمگر مظلوم پہ وہ ظلم کیا بن گئی جاں پر
اصرار تھا ہو دین کے رہبر کی بُرائی
کہتے تھے کرو منہ سے پیمبرؐ کی بُرائی

آنکھوں میں تھی عمارؔ کے ایمان کی تنویر کی جان بچانے کے لیے آپ نے تدبیر
بدگوئی اسلام تو کی دل میں تھی توقیر یوں قصرِ تقیہ کی ہوئی قلب میں تعمیر
اِس قصر پہ قرآن کے احکام تھے کندہ
دروازوں پہ اللہ کے سب نام تھے کندہ

دریائے وفا خون تھا طوفان تھا دل میں بُت، ہیچ تھے اللہ کا عرفان تھا دل میں
اسلام کے حق ہونے کا ایقان تھا دل میں تھا کُفر زباں پر مگر ایمان تھا دل میں
اسلام کے رُخ پر دلِ بینا کی نظر تھی
تلوار نہ تھی ساتھ تقیہ کی سپر تھی

مطلب جو ستمگاروں کا یوں ہو گیا پُورا عمارؔ کو اب ظلم کے زندان سے چھوڑا
خدمت میں پیمبرؐ کی جو پہنچے یہ قضارا آنکھوں میں تھے اشکوں کے گُہر جسم میں لرزا
فرمایا پیمبرؐ نے کدھر آئے ہو عمارؔ
کچھ تو کہو، کیا آج خبر لائے ہو عمارؔ

عمّارؓ نے کی عرض ، کہوں کیا خبرِ بد　　آقا ہوں خطا کار پشیمان ہوں بے حد
اب کیجے دعا ، رحم کرے خالقِ امجد　　دل کو ہے یقیں میں نہیں ہرگز ہوا مُرتد
جاں بچ گئی میری مرے اندازِ بیاں سے
بدگوئیِ اسلام نہ ہوئی میری زباں سے

فرمایا نبیؐ نے کہ ترے دل میں ہے اب کیا　　عمّار نے کی عرض ہے ایمان کا جلوا
ارشادِ پیمبرؐ ہوا کچھ غم نہ کھا اصلا　　آفت یہ پھر آئے تو عمل پھر یہی کرنا
کی مُہر صداقت کی جو قرآنِ مبیں نے
دی صاف تقیہ کی اجازت شہِ دیں نے

آیت تو یہ کہتی ہے اگر خوف سے جاں کے　　الفاظ کوئی کُفر کے دانستہ ہی کہہ دے
اللہ کی درگاہ میں پُرسش نہیں اس سے　　ہے شرط کہ ہوں قلب میں ایمان کے جلوے
احکامِ تقیہ کی جو حامل ہوئی آیت
خود شان میں عمّارؓ کی نازل ہوئی آیت

رکھتے تھے محبت کا جو طوفان وہ عمّار　　جو ہو گئے ایمان پہ قربان وہ عمّار
جس نے لیا صفین کا میدان وہ عمّار　　جو خلق میں چوتھے ہیں مسلمان وہ عمّار
احمدؐ کی زباں نے انھیں پاکیزہ کہا ہے
پہلے پہل ان سے ہی تو مسجد کی بنا ہے

دل اِن کا دُرِ معرفتِ حق کا تھا مخزن　　بوئے گُلِ ایماں سے مہکتا رہا دامن
ارشادِ پیمبرؐ سے ہوا صاف یہ روشن　　عمّار کا دشمن جو ہے وہ حق کا ہے دشمن
اصلاح کرو دہر میں کردار کی لوگو
فرمایا روش پر چلو عمّار کی لوگو

تھی جس پہ ظفر کُفر کو دشوار وہ عمار میداں میں جو تھے آہنی دیوار وہ عمار
تھے رزمِ اُحد میں جو طرحدار وہ عمار خندق میں جو تھے برسرِ پیکار وہ عمار
اِن کے دلِ مخلص میں تھا ہر رنگ کا جوہر
آئینۂ غزوات میں تھے جنگ کے جوہر

فرماتے تھے اصحاب سے مسجد میں پیمبرؐ مامور ہوں میں چار کی الفت پہ سراسر
سلمانؓ ہیں اک دوسرے مقدادِ خوش اختر اِن ہی میں ہیں عمار بھی اور حیدرِؑ صفدر
پروانے یہ ہیں شمعِ حرمِ حق کے ولی ہیں
یہ مثل ہیں تاروں کے، قمر اِن میں علیؑ ہیں

نقاشِ ازل نے وہ عطا کی انھیں رفعت کھینچی ورقِ قلب پہ تصویرِ محبت
حق بات بیاں کرتے ہیں پیغمبرِ رحمت فرمایا کہ مشتاق ہے عمار کی جنّت
ارشاد ہے باطل سے یہ منھ پھیرے ہوئے ہے
عمار کو ہر سمت سے حق گھیرے ہوئے ہے

جس دن ہوئی اجماعی خلافت پہ چڑھائی اسلام کی بگڑی ہوئی صورت نظر آئی
دی حق نے جو میداں میں پیمبرؐ کی دہائی عمار کی پیری نے بھی شمشیر اُٹھائی
میدان میں اک آہنی دیوار بنے تھے
صفین میں حیدرؑ کی یہ تلوار بنے تھے

وہ گندمی رنگ اور وہ اُن کا قدِ بالا آنکھیں وہ بڑی بینی الف سینہ کُشادا
بالوں کی سفیدی میں سحر کا وہ اُجالا نظروں میں وہ صفین کے میدان کا نقشا
تصویرِ شجاعت کی وہ ابرو کی شکن میں
عکسِ رُخِ یوسفؑ کی ضیا چاہِ ذقن میں

عمار کا صفین کے میداں میں وہ آنا سیسے کی طرح رن میں پرا اپنا جمانا
افواج کی کثرت کو نگاہوں سے گرانا پیری میں جوانی کے وہ انداز دکھانا
شمشیر کے پانی میں روانی نظر آئی
صیقل میں زلیخا کی جوانی نظر آئی

دنیا ہے اُدھر رن میں اِدھر دیں کے ولی ہیں وہ جانِ اُمیہ ہے، نبیؐ کے یہ اَخی ہیں
وہ شام کا حاکم ہے یہ احمدؐ کے وصی ہیں اک سمت معاویہ ہے اک سمت علیؑ ہیں
میدان ہے یا جذبۂ عرفاں کی کسوٹی
صفین کی ہے جنگ کہ ایماں کی کسوٹی

عمار کا لکھتا ہے سراپا مرا خامہ بہزاد نے لکھا مجھے توصیف کا جامہ
اُجلا سا بہت چُست تنِ پاک میں جامہ روشن وہ جبیں، فرق پہ کالا وہ عمامہ
اُڑتا ہوا کپڑے کا پھریرا وہ سناں پر
حیدرؑ کی وِلا قلب میں قرآن زباں پر

گھوڑا وہ سفید اُس کی وہ شوخی وہ چھلاوا میدان ہتھیلی ہے تو یہ اُس پہ ہے پارا
کہتا ہے فلک عید کے دن کا ہے اُجالا انجم کا بیاں یہ تو سحر کا ہے ستارا
راکب کی طرح اس کو شہادت کی لگن ہے
خود اس کی سفیدی سے عیاں رنگ کفن ہے

صفین میں غازی یہ رسالوں کا ہے افسر شمشیر گلے میں تو کماں دوشِ جری پر
گر رات کو تلوار چلائے یہ غضنفر تا صبح تڑپتا ہی رہے شام کا لشکر
رعشہ ہے ضعیفی سے مجاہد کے بدن پر
وہ دیکھیے حملہ کیا عمار نے رن پر

انصار سے کہہ کر یہ بڑھاتے ہیں وہ ہمت یہ وقت ہے ہو جائے اب اظہارِ شجاعت
اے لوگو یہ حیدرؑ کی حمایت میں ہے نصرت تلوار کی ہے باڑھ کے نیچے ہی تو جنّت

سائے میں شہادت کے اماں تم کو ملے گی
سر اپنا کٹاؤ تو جناں تم کو ملے گی

فرماتے تھے اعدا سے یہ میدانِ وغا میں غزوات لڑے تین نبوت کی فضا میں
جنگیں یہ تھیں ہمراہیٔ شاہِ دوسرا میں اب جنگ یہ چوتھی ہے مری راہِ خدا میں

مطلب یہ تھا ہے شافعِ محشر کی لڑائی
حیدرؑ کی لڑائی ہے پیمبرؐ کی لڑائی

دیتے تھے وہاں دادِ شجاعت کی جو حیدرؑ اعدا کو دکھاتے تھے یہ شمشیر کے جوہر
میدان میں حملے وہ کیا کرتے تھے بڑھ کر رہ رہ کے رجز تھے یہی غازی کی زباں پر

تاویل پہ ہم اِس طرح اَب آ کے اڑے ہیں
تنزیل پہ قرآن کی جس طرح لڑے ہیں

حملہ کیا عمّار نے لشکر کو بھگایا ہوتا رہا تلوار سے فوجوں کا صفایا
میدان میں جو سرکسی خود سر نے اُٹھایا سر کٹ کے گرا گود میں پھل جنگ کا پایا

تیروں کو کیا قطع کمانوں کو بھی کاٹا
اس بوڑھے صحابی نے جوانوں کو بھی کاٹا

ساقی وہ لگائی ترے غمخوار نے ضربت بسمل ہیں عدو دے مجھے اک جامِ مسرت
یوں مجھ میں بڑھے کیفِ مئے اجرِ رسالت ساغر میں اُترنے لگے عمّار کی صورت

نشہ میں ترے خاص صحابی کا بیاں ہو
چلتی ہوئی شمشیر مرے منہ میں زباں ہو

پی کر اسے اشعار کہا کرتے تھے حسّاں   پُر کیف جو مالک ہوئے سر کر لیا میداں
مستی میں ابوذر بھی ہوئے نزع میں خنداں   سلمانؓ کا پینے ہی سے کامل ہوا ایماں
تنہا تھے کھڑے خون کی منجدھار پہ میثم
نشہ جو چڑھا، چڑھ ہی گئے دار پہ میثم

ساقی وہ گھرے نرغۂ افواج میں عمار   زخمی ہے بدن چلتی ہے تلوار پہ تلوار
بہتا ہے لہو رُخ پہ نقاہت کے ہیں آثار   ہر قطرۂ خوں کہتا ہے یا حیدرؑ کرار
کس طرح لڑے فوج سے جس کو نہ کل آئے
حملہ کیا افواجِ عدو سے نکل آئے

ٹھہرا نہ گیا ضعف کے عالم میں فرس پر   بھر کر، دیا خادم نے انھیں دودھ کا ساغر
کہنے لگے خادم سے یہ اُس جام کو پی کر   صادق تھے وہ سچ کیوں نہ ہو ارشادِ پیمبرؐ
بولے تھے نبیؐ شیر کو پی کر ہی مرے گا
اک فرقۂ باغی ہی تجھے قتل کرے گا

یہ کہہ کے سُوئے خُلد سدھارا وہ غضنفر   اطراف تھے میت کے سب انصار کھلے سر
مولا سے کہا حال یہ اسوار نے جا کر   پاتے ہی خبر لاش پہ خود آ گئے حیدرؑ
زانو پہ رکھا فرق کو خالق کے ولی نے
عمار کو میدان میں کیا دفن علیؑ نے

باقرؔ دل اصحاب میں عمار کا غم ہے   حیدرؑ کی حمایت میں یہ اعدا کا ستم ہے
صفین کے میدان میں طوفانِ الم ہے   خود حیدرِؑ کرّار کی اب چشم بھی نم ہے
مژگان پہ بھی اب جانِ نبوت کی ہیں آنسو
کیا غم ہے کہ آنکھوں میں امامت کی ہیں آنسو

حذیفہ بنتِ حلیمہ سعدیہ

امیر المومنین حضرت علیؑ کے کمالات کی ایک شیدائی

نسبی وادبی اصول:

حذیفہ کے نام سے بہت کم لوگ آشنا ہوں گے لیکن ان کی ماں کے نام سے شاید ہی کوئی مسلمان نا واقف ہو۔ ان کی والدہ حلیمہ سعدیہ بنتِ ابوذ دیب (عبداللہ بن حارث بن شجنہ بن زرام بن ناضرہ بن سعد بن بکر بن ہوازن) کافی مشہور ہیں۔ عرب کے قدیم دستور کے مطابق شہری بچوں کی ابتدائی تربیت دیہات میں ہوتی تھی۔ جنابِ رسولِؐ خدا نے بھی چھ سال تک حلیمہ کی آغوش کو سرفراز فرمایا۔ یہ نسبت قبیلہ ہوازن کے لیے ایک پروانۂ شرف بن گئی۔ جناب رسولؐ خدا حلیمہ کا ادب کرتے۔ ایک بار وہ حضرت سے ملنے آئیں۔ حضرت اطلاع پاتے ہی اُمّی اُمّی فرماتے ہوئے دوڑے اور ان کے لیے اپنی عبا بچھادی (طبقات بن سعد)

ایک بار حلیمہ کو جنابِ رسولؐ خدا کی تاہلی زندگی کے دیکھنے کا بھی موقع ملا۔ حضرت خدیجہ کاشانۂ رسالت کا چراغ بن چکی تھیں۔ قبیلہ ہوازن قحط کا شکار ہوا، حلیمہ کے جانور بھی مر گئے۔ وہ جناب رسولؐ کے پاس آئیں تو حضرت نے ان کو جنابِ خدیجہ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت خدیجہ نے اس نسبت کی وجہ سے انھیں

عقیدت و اخلاص کی نگاہ سے دیکھا۔ انھیں چالیس (۴۰) بکریاں، چالیس قیمتی اونٹ پورے ساز و سامان کے ساتھ دیئے (طبقات بن سعد)

''مورخ مغلطائی'' کا خیال ہے کہ انھیں اسلام کی دولت نصیب ہوئی۔ حلیمہ پر موصوف نے ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ حذیفہ کی ماں کا نام جس قدر مشہور ہے اتنا ہی ان کے والد حرث عبدالعزی بن رقاعہ مضری'' (۱/۱۹ مناقب ماژندرانی) کا نام گوشۂ گمنامی میں ہے۔ اصابہ ابنِ حجر سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ حُذیفہ کے ایک بھائی اور تین بہنیں تھیں (۱) عبداللہ (۲) انلیہ (۳) حذیفہ (۴) حذافہ (شیما) (طبقات بن سعد ۹/۱۲۳ اصابہ بن حجر عسقلانی)

ابنِ سعد عبداللہ اور شیما کے اسلام کا ذکر کرتے ہیں۔ حُذافہ جن کو شیما بھی کہتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑی تھیں یہ ماں کے ساتھ رسولؐ خدا کی تربیت میں حصہ لیتی تھیں، تاریخ میں ان کی لوریاں ابھی تک محفوظ ہیں، وہ جناب رسولؐ کی دلچسپی کے لیے کہا کرتی تھیں۔

(ترجمہ) یہ میرے رضاعی بھائی ہیں۔ میری ماں کے شکم اور میرے باپ اور چچا کے صلب سے نہیں ہیں۔ (زرقالی مواہب مدینہ ۱۷۶) ایک اور لوری میں یہ شعر ہیں۔ (ترجمہ) پروردگار محمدؐ کو زندہ رکھ، میں ان کو جوان دیکھوں، پھر میں ان کو سردار دیکھوں، پروردگار اس کو لافانی عزت عطا کر''۔ ان لوریوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حذافہ میں اجائیت کا عنصر کافی تھا فتح مکہ کے بعد قبیلہ ثقیف و ہوازن نے متحدہ محاذ بنایا اور مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس معرکے کو جنگ حنین کہتے ہیں۔ یہ قبائل مغلوب ہوگئے۔ اسیروں میں شیما (حُذافہ) کا نام بھی آتا ہے۔ کافی عرصے کے بعد ملاقات ہوئی۔ انھوں نے خود ہی جناب رسولؐ سے اپنا تعارف کرایا۔ حضرت نے عزت سے انھیں اپنی چادر پر بٹھایا۔ قبیلۂ ہوازن کے بعض

افراد نے جنابِ رسولؐ سے کہا۔ اسیروں میں آپ کی خالائیں، پھوپھیاں اور بہنیں ہیں۔ حضرت نے اپنا اور بنی عبد المطلب کا حصہ واپس کر دیا۔ مسلمانوں نے بھی اس نسبت کا احترام کیا اور اپنے حصے واپس کر دیے۔ (۱/ ۷۳ طبقات بن سعد)

جنابِ رسولؐ نے شیما (حُذافہ) کو تین لونڈی غلام، کچھ روپیہ اور چند بکریاں دے کر رخصت کیا ۲/ ۷۶۲ ''استیعاب'' ابنِ عبد البر اس موقعے پر بھی عبد اللہ انلیہ کے نام تاریخ کی زبان پر نہیں آئے۔ غالباً شیما (حُذافہ) میں سب میں بڑی تھیں۔ انھیں سے جنابِ رسولؐ سے گفتگو ہوئی اور تاریخ کو ان کا نام یاد رہ گیا۔

علّامہ ابنِ شہر آشوب نے (۱/ ۸۶) یہ لکھا ہے کہ جنابِ رسولؐ خدا کے رضاعی بھائی بہن حرث کی اولاد سے عبد اللہ وانلیہ اور حُذافہ تھے۔

میرا خیال ہے کہ حلیمہ کی اولاد میں حُذیفہ ذہنی صلاحیتوں کے لحاظ سے سب میں ممتاز تھیں۔ انھوں نے اسلام کا آغاز دیکھا، ان کے سامنے جنابِ رسولؐ خدا کی مکی، مدنی زندگی اور خلفا کا دور اور امیر المومنینؑ اور امام حسنؑ کا زمانۂ خلافت، اموی دور کا اچھا خاصہ حصہ گزرا، انھوں نے عمر بھی کافی پائی۔ تاریخی تبدیلیوں پر ان کی نظر معلوم ہوتی ہے۔ حالات کے مطالعے نے ان میں بصیرت پیدا کر دی تھی۔

حذیفہ کے نام میں تصحیف:

حلیمہ کی ایک صاحبزادی کا نام بحار الانوار مجلسی (۱۱/ ۴۹) میں حرہ بنتِ حلیمہ مذکور ہے اور علّامہ بہبانی نے منہج المقال (۴۰۰) میں حریرہ اور حویرہ لکھا ہے لیکن حلیمہ کی اولاد میں کسی کا نام حرہ یا حویرہ نہیں ملتا۔ غالباً حُذیفہ بگڑ کر حویرہ یا حریرہ اور حرہ ہو گیا ہے یا جس طرح حُذافہ کا ایک نام شیما بھی تھا حُذیفہ ہی کا نام حرہ بھی ہو سکتا ہے۔

حذیفہ اپنی تقریر کے آئینے میں

زندگی کے آخری دور میں حذیفہ نے حجاج بن یوسف ثقفی کے سامنے جنابِ امیر المومنینؑ کے متعلق جو دلیرانہ بیان دیا ہے اس سے حذیفہ کی شخصیت کے خاکے میں رنگ بھرا جاسکتا ہے۔ حذیفہ کا یہ کارنامہ حلیمہ کی نسل کے لیے سرمایۂ شرف ہے۔ اور تاریخ اسے ہمیشہ آنے والی نسلوں کے سامنے رکھے گی۔ حجاج نے اچانک حذیفہ کے سامنے ایک مسئلہ رکھا۔ یہ مسئلہ پیچیدہ تھا۔ اس کا صحیح جواب حجاج کے لیے ایک تلخ حقیقت تھا۔ ناگوار حالات میں حذیفہ نے اپنے عقیدے کو جس طرح استدلال سے مسلح رہ کر پیش کیا ہے دل اس پر بے ساختہ آفرین کہنے لگتا ہے۔

بے شک وہ طلیق اللسان، جری، مخلص، وفادار تھیں۔ بادۂ ولائے آلِ محمدؐ سے سرشار تھیں۔ حجاج بن یوسف ثقفی ۹۵ھ ایک تاریخی ظالم تھا۔ ساداتِ کرام اور آلِ محمدؐ کے شیدائیوں کو جس قدر اس نے تہِ تیغ کیا ہے ایک قصاب اپنی پوری زندگی میں اتنے جانور نہ ذبح کرسکا ہوگا۔

علامہ فرید وجدی مصری نے دائرۃ المعارف القرآن القرین (۳/ ۵۳) میں لکھا ہے حجاج نے قتل و خوں ریزی میں ایسے نئے ڈھنگ نکالے جس کی مثال دوسری جگہ نہیں ملتی۔

عہدِ اموی کے وحشیانہ تشدد نے سرفروشوں کی نظر میں ظلم کی دہشت کم کردی تھی۔ واقعۂ کربلا نے دل و جگر میں ہمت و جرأت کا خون دوڑا دیا تھا۔ ایک قرشی سے جب کہا گیا کہ یزید کی غلامی کا اقرار نہ کرو ورنہ قتل کردیئے جاؤ گے تو اس نے یہ کہتے ہوئے جان دے دی کہ حسین بن علی بن رسول اللہ کے قتل کے بعد میرے قتل کی کیا حیثیت ہے۔ (۱/ ۱۱۰) (روضۂ کافی کلینی بحار الانوار مجلسی ۱۱/ ۴۰)

حذیفہ حجاج کے سامنے آئیں۔ اس نے دیکھتے ہی کہا تم ہو (حذیفہ) حذیفہ

نے کہاں ''ہاں میں وہی ہوں''۔ یہ ایک غیر مومن کی فراست ہے۔ حجاج کے طرزِ خطاب میں استبداد و آمریت کی بو تھی۔ حذیفہ نے محسوس کیا کہ اس کی رگِ نخوت پر نشتر زنی کا صحیح وقت یہی ہے۔

قتل کی دھمکی:

حجاج نے فوراً کہا خدا نے تم کو میرے پاس بھیجا ہے ان لفظوں میں حجاج نے قتل کی دھمکی دی۔ حجاج نے پھر کلام شروع کیا ''مجھے تمہارے متعلق یہ معلوم ہوا ہے کہ تم علی ابنِ ابی طالب کو ابوبکر و عمر و عثمان پر فضیلت دیتی ہو''۔

شوقِ شہادت نے حذیفہ کے عقیدت و عمل کے شعلے کو بھڑکا دیا۔ وہ عہد رسولؐ اور عہدِ خلفا اور خود حضرت علیؑ کے دور میں ان کی زندگی کے مطالعے کا پورا پورا موقع پا چکی تھیں۔ حجاج کے اس سوال کے بعد ان کے سامنے موت مجسم ہو کر آ گئی لیکن ان کا اطمینان اور انجام آخرت پر یقین دیکھنے کے قابل ہے۔

خوف و ہراس کا نام و نشان نہیں۔ نہ جسم میں تھرتھراہٹ نہ زبان میں لکنت، نہ آواز میں ارتعاش، وہ ہمہ تن سکون بنی ہوئی ہیں، وہ غور و فکر کے وقفے بھی نہیں چاہتی۔ ایسے پُر خطر موقع کے لیے جس میں خوف اور حقیقت سامنے آ جائے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ فرض شناسی اور وسیع علم، حذیفہ ان دونوں زیوروں سے مرصع معلوم ہوتی ہیں۔

استدلال و منطق و حاضر جوابی:

حذیفہ نے جواب میں استعجابی پہلو پیدا کرتے ہوئے کہا ''جن لوگوں نے بالخصوص ان لوگوں پر حضرت علی کی تفضیل کو میری طرف منسوب کیا ہے وہ جھوٹے ہیں''۔ حجاج کے گمان میں بھی نہ تھا کہ حذافہ اس سے کچھ آگے کہہ سکیں گیں۔

جب حذافہ نے خود دعوے کو وسیع کیا تو حجاج نے کہا (میرے خیال میں حیرت سے کہا) کیا خلفا کے علاوہ اور بھی کسی پر ان کو فضیلت ہے۔

حذیفہ نے کہا۔ ''میں نہیں کہتی بلکہ خدا نے ان کو فضیلت دی۔ آدمؑ و نوحؑ و ابراہیمؑ داؤدؑ و عیسیٰؑ بن مریم پر''۔ حجاج نے خیال کیا کہ حذیفہ نے طیش میں آکر یہ دعویٰ کیا ہے وہ ثابت نہ کرسکیں گی۔ اس نے غالباً تشدد آمیز لہجے میں کہا اگر تم ثابت نہ کرسکیں تو قتل کردی جاؤ گی۔ حذیفہ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا کہ اگر تم ثابت نہ کرسکیں تو قتل کردی جاؤ گی گویا ظاہر کیا کہ قتل کی دھمی سے وہ متاثر نہیں لیکن دعوے کے اثبات کو وہ بھی اہمیت دیتی ہیں۔ حذیفہ نے استدلال کی تمہید شروع کی۔

''قرآن میں حضرت آدمؑ و ابراہیمؑ و داؤدؑ و سلیمانؑ و عیسیٰ بن مریم کا ذکر آیا ہے اور حضرت علی کا بھی ذکر ہے۔ ان مقامات کے مطالعے سے حضرت علیؑ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ حذیفہ نے استدلال شروع کیا اور کہا''۔

(۱) قرآن میں حضرت آدمؑ کے متعلق ہے آدمؑ نے امرِ الٰہی کی مخالفت کی (ترکِ اولیٰ کیا) (۱۶/۱۶ طہ) اور حضرت علیؑ کے متعلق ہے تمہاری سعی مقبول ہوئی (۳۹/۹۱ دہر)

(۲) حضرت نوحؑ ولوطؑ کی بیویوں نے اپنے شوہروں سے دغا کی

(۱۰/۲۸ تحریم ۶۶)

حضرت علیؑ کی بیوی حضرت فاطمہ زہراؑ کے متعلق جناب رسولؐ خدا کی حدیث ہے۔ فاطمہؑ کی رضا خدا کی رضا ہے۔ فاطمہ کی خفگی خدا کی خفگی ہے۔ (۱۵۸/۸) اصابہ ابنِ حجر عسقلانی)۔

(۳) حذیفہ نے کہا ابوالانبیا حضرت ابراہیمؑ کا قول ہے قرآن میں نے نقل کیا ہے۔ معبود مجھے دکھادے تو کس طرح مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ خدا نے فرمایا کیا تم

ایمان نہیں لائے۔ کہا ہاں لیکن اطمینانِ قلب چاہتا ہوں۔ (۲ / ۳ بقرۃ) اور حضرت علیؑ کا ارشاد ہے اگر پردے میری نگاہ سے ہٹا دیے جائیں تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہوگا۔ یقین کی آخری حد تک پہنچ گیا ہوں۔

(۴) حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے متعلق قرآن میں ہے۔ وہ شہر سے امید و بیم کی حالت میں نکل پڑے (۲۱ / ۲۰ قصص) اور حضرت علیؑ شبِ ہجرت (ہجوم مشرکین) میں بسترِ رسولؐ پر سوئے اور خدا نے ان کی مدح میں فرمایا کچھ لوگ ایسے ہیں جو خدا کی مرضی کے عوض اپنے نفس کو بیچ دیتے ہیں (۶ / ۲ بقرۃ)۔

(۵) حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے متعلق قرآن میں ہے۔ اے داؤدؑ ہم نے تم کو زمین پر خلیفہ بنایا تم لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ کرنا۔ (۱۲ / ۱۷، انبیاء) حضرت داؤدؑ کے پاس ایک مقدمہ آیا ایک کی بھیڑ نے دوسرے کے انگور کے درخت کھائے، حضرت داؤدؑ نے فرمایا بھیڑوں کو فروخت کر کے ان کی قیمت سے انگور کی کاشت کی جائے۔ حضرت سلیمانؑ بھی موجود تھے آپ نے یہ جواب سن کر فرمایا ان بھیڑوں کے دودھ اور صوف سے تاوان ادا کیا جائے۔ خدا نے حضرت سلیمان کے جواب کو القاءِ ربانی کہا۔

حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ مجھ سے عرش کے اوپر کی باتیں پوچھو، عرش کے نیچے کی باتیں پوچھو قبل اس کے کہ میں دنیا سے اُٹھ جاؤں مجھ سے پوچھ لو۔

فتحِ خیبر کے موقعے پر جنابِ رسولِ خدا نے مجمعِ عام میں فرمایا تھا۔ علیؑ تم میں سب سے زیادہ عالم و فاضل اور سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں۔

(۶) حضرت سلیمانؑ کا قول قرآن میں ہے۔ پروردگار مجھے وہ ملک دے کہ میرے بعد کسی کو نہ شایاں ہو۔ (۱۱ / ۲۳ ص)

اور حضرت علیؑ نے فرمایا میں نے دنیا کو تین بار طلاق دی اور ان کی فضیلت

میں یہ آیت ہے آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لئے قرار دیا ہے جو زمین پر استیلا نہیں چاہتے۔ اور نہ فساد برپا کرتے ہیں۔ (۱۱/۲۰ قصص)

(۷) حضرت عیسیٰؑ کے متعلق قرآن میں ارشاد ہے۔ کیا تم نے کہا ہے کہ خدا کے مقابلے میں مجھے اور میری ماں کو خدا کہو۔

حضرت عیسیٰؑ نے کہا سبحان اللہ میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہوں۔ اگر میں کہتا تو تجھے ضرور علم ہوتا۔ (۵/۷ مائدہ)

حضرت عیسیٰؑ کی شان میں جن لوگوں نے مبالغہ کیا آپ نے ان کا فیصلہ حشر پر اٹھا رکھا اور حضرت علیؑ نے نصیری کو سزا دی۔ حجاج یہ استدلال سن کر مبہوت ہو گیا۔

اس کا اظہار اس کے طرزِ عمل سے ہوتا ہے کہ اس کی وہ تلوار جو آلِ محمدؐ کے ہزاروں فدائیوں کا خون پی چکی تھی آج نیام میں منہ چھپائے ہوئے ہے۔ حذیفہ کی قوتِ ایمان اور جرأتِ اظہار حجاج کے ارادۂ قتل پر غالب آ گئی۔

حذیفہ کے استنباط کی بنیاد:

قرآن میں جو آیتیں انبیاءؑ علیہم السّلام کے متعلق ہیں حذیفہ نے ان کو سامنے رکھا اور حضرت علیؑ کے متعلق جو آیات و احادیث تھیں انھیں سامنے رکھا اور ان کو میزانِ فضیلت میں تولا اور اس کے نتائج حجاج کے سامنے رکھ دیے لیکن یہ استنباط قیاس پر مبنی نہ تھا۔ حدیثِ تشبیہ میں جنابِ رسولِؐ خدا نے انبیاء کرام کی اعلیٰ صفات کا حضرت علیؑ میں پتہ دیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ انبیاءِ کرام کی انفرادی صفات حضرت علیؑ کی ذات میں جمع ہو گئی تھیں۔ حدیث صنفِ انبیا میں حضرت علیؑ کو سربلند کرتی ہے۔ علامۂ فخر الدین رازی ۶۰۶ھ نے (اربعین فی اصول الدین میں) اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ علیؑ انبیا کی ان صفات میں مساوی تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ انبیا کُل صحابہ سے افضل

تھے اور افضل کا مساوی افضل ہوتا ہے لہٰذا لازم آیا کہ علیؑ کُل صحابہ سے افضل ہوں۔

امام احمد بن حنبل نے ''کتاب المناقب'' میں لکھا ہے کہ جب جابر بن عبداللہ انصاری کافی بڈھے ہو چکے تو ان سے عقبہ بن سعد عوفی نے حضرت علیؑ کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے یہ کہا یہ خیر البشر ہیں۔

حذیفہ صحابیِ رسول سے روایت ہے کہ جنابِ رسولؐ خدا نے فرمایا۔ علی علیہ السلام خیر البشر من ابی فقد کفر۔ (ابن مردویہ)

حذیفہ صحابیِ رسولؐ نے جنابِ رسولؐ سے جو حدیث نقل کی حذیفہ صحابیہ۔ حلیمہ سعدیہ کی دختر نیک اختر نے اسے قرآن واحادیث سے اور مدلل کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ فضیلت کے اقسام نفس رسول حضرت علیؑ میں اس طرح سمو گئے تھے جس طرح برگِ گل میں خوشبو ہوتی ہے۔ خواہ نفسانی فضیلت ہو یا جسمانی یا خارجی حضرت علیؑ ان تینوں کا مرکز تھے اس لیے کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ جنابِ رسولِؐ خدا کا معجزہ ہیں یعنی حضرت رسولِؐ خدا نے امیر المومنینؑ کی تربیت و تکمیل اس طرح کی کہ وہ تاریخِ بشریت کے منفرد انسان بن گئے۔ حذیفہ بنتِ حلیمہ سعدیہ حضرت علیؑ کے کمالات کو امانتِ الٰہی سمجھتی تھیں۔ انھوں نے حجاج کی خوں آشام تلوار کے سامنے انتہائی جرأت کے ساتھ ان کمالات کو پیش کیا جنھوں نے اس کے ظلم کی تلوار کے لوہے کو پگھلا دیا۔ سچائی کے ساتھ ایسا خلوص بے حد گراں قدر ہے اور اعلیٰ معاشرے کی تعمیر کے لیے ہمیشہ اس کی ضرورت رہے گی۔

حذیفہ نے اس موقعے پر ثباتِ قدم دکھا کر تاریخ میں اپنی جگہ بنالی۔ حریت، آزادیِ ضمیر، وفاداری و اظہارِ حق کی صراحت و شہادت و جرأت کے لیے جب بھی زندہ مثالوں کی ضرورت ہوگی تو حذیفہ کا کردار شمع بن کر اندھیرے میں اجالا پیدا کرے گا۔

صحابیات امیر المومنینؑ

حق و صداقت کی پرستاری، اعلائے کلمۂ حق کے لیے جان کی پروا نہ کرنا اور خون کے پیاسے دشمنوں کے سامنے بھی حق کا اعلان کرنے سے باز نہ رہنا صرف مردوں ہی سے مخصوص نہیں بلکہ عورتوں نے بھی اس میں کافی حصہ لیا۔ پیغمبر کے عہد میں جہاں وہ مخلص اصحاب تھے جنھوں نے مشرکین کی انتہائی ایذا رسانیوں کے باوجود کلمۂ اسلام کی اشاعت میں کمی نہ کی وہاں بہت سی خواتین بھی تھیں جنھوں نے قید و بند، مصائب و آلام، تباہی و بربادی سب کچھ برداشت کیا مگر پیغمبرِ اسلام کی اطاعت سے منہ نہ موڑا۔ یہی کیفیت عہدِ امیر المومنینؑ میں بھی رہی۔ شمعِ امامت کے پروانے اور جانشین رسولؐ کے فدائی جہاں ہزاروں اصحاب تھے وہاں سینکڑوں خواتین بھی اور وہ جو مثل ہے اول با آخر نسبتے دارد جس طرح صحابیان پیغمبر کو مشرکینِ قریش اور سردارانِ بنی اُمیہ کے ہاتھوں مصائب و شدائد اٹھانے پڑے صحابیاتِ امیر المومنین کو بھی ان ہی کی اولاد کے ہاتھوں ہر ممکن ذلت و اہانت اور مصیبت و پریشانی اٹھانی پڑی۔ ہم یہاں صرف آٹھ خواتین کا ذکر کرتے ہیں تاکہ سرفراز کا یہ اصحابِ امیر المومنین نمبر صحابیات کے تذکرے سے خالی نہ رہ جائے۔ موقع ملا تو ہم انشاءاللہ جلد ہی اس موضوع پر تفصیلی حیثیت سے لکھیں گے۔

زرقاء بنتِ عدی:

زرقاء بنتِ عدی بن غالب، امیر المومنینؑ کی مشہور دوست دار اور پُرخلوص

صحابیہ اور فصاحت و بلاغت اور عقل و خرد میں ممتاز ترین خاتون تھیں۔ جنگ صفین میں اپنی آتش فشاں تقریروں سے لوگوں کو امیر المومنینؑ کی حمایت کی ترغیب دلاتیں اور دشمن سے جنگ کرنے پر ابھارا کرتیں۔ جب امیر المومنینؑ کی شہادت ہوگئی اور نیرنگیِ زمانہ کی بدولت معاویہ مملکتِ اسلامیہ کے مالک بن گئے تو انھوں نے حاکم کوفہ کو خط لکھا کہ زرقاء کو فوراً ہمارے پاس روانہ کردو۔ امیر معاویہ کے کانوں میں زرقاء کی آتشیں تقریریں ابھی تک گونج رہی تھیں بلا شرکتِ غیرے اتنی بڑی سلطنت کے مالک ہونے کے بعد بھی زرقاء کے لگائے ہوئے زخم ان کے دل پر تازہ تھے۔ حاکمِ کوفہ نے حکم کی تعمیل کی اور زرقاء، سپاہیوں کی نگرانی میں شام روانہ کردی گئیں۔ جب دربار میں داخل ہوئیں تو معاویہ نے پوچھا۔

''جانتی ہو میں نے تمہیں کس لیے بلایا ہے''؟

زرقاء: ''سبحان اللہ! مجھے غیب کی باتوں کی کیا خبر؟ دل کی باتیں تو اللہ ہی جانتا ہے''

معاویہ: ''میں نے تمھیں یہ پوچھنے کے لیے بلایا ہے کہ کیا تم ہی وہ نہیں ہو جو جنگِ صفین میں صفوفِ لشکر کے درمیان سرخ اونٹ پر سوار ہو کر اپنی شعلہ فشاں تقریروں سے لڑائی کی آگ بھڑکاتیں اور مجھ سے جنگ کرنے کے لیے لوگوں کو آمادہ کرتیں''؟

زرقاء: ''حضور۔ وہ شاخ ہی نہ رہی جس پر آشیانہ تھا۔ یہ دنیا نت نئے رنگ بدلتی رہتی ہے ایک بات کے بعد دوسری بات پیدا ہوتی رہتی ہے''۔

معاویہ: ''سچ کہتی ہو۔ اچھا یہ بتاؤ صفین کے دن کی اپنی وہ تقریر بھی تمھیں یاد ہے''؟

زرقاء: ''نہیں حضور میں نے یاد رکھنے کی کوشش ہی نہ کی''۔

معاویہ: ''لیکن مجھے خدا کی قسم حرف بہ حرف یاد ہے، میں نے تمھیں کہتے سنا تھا''۔

''اے لوگو! تم بہت بڑے فتنے سے دوچار ہو جس نے تم

لوگوں کو ظلم و جور اور تاریکی کی چادریں اُڑھا دی ہیں اور جس نے تم لوگوں پر ضلالت و شیطنت کے پردے ڈال دیئے ہیں اور تم کو سیدھے صاف راستے سے موڑ کر گمراہی کے گڑھے میں گرا دیا ہے۔ ہائے کتنی اندھی اور بہری یہ آزمائش و مصیبت ہے جو نہ اپنے پکارنے والے کی سنتی ہے اور نہ اپنے سوار کے قابو میں آتی ہے۔ چراغ آفتاب کے سامنے نہیں جلتا نہ ستارے چاند کے سامنے روشنی دیتے ہیں، خچر گھوڑے سے آگے نہیں بڑھ سکتا نہ ذرّہ پتھر کے برابر ہوسکتا ہے، لوہے کو لوہا کاٹتا ہے دیکھو جو ہم سے فلاح کا راستہ پوچھے گا ہم اس کی رہبری کرنے کو تیار ہیں، جو ہم سے حقیقتِ حال کا پتہ چلانا چاہے ہم اسے صحیح حالات بتانے کو آمادہ ہیں۔ حق اپنے کھوئے ہوئے مقصد کو ڈھونڈ رہا تھا اب اس نے اپنے مقصد کو پالیا ہے۔ گروہِ مہاجرین و انصار! صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے جانے نہ پائے۔ اب یہ پراگندگی دور ہی ہونے والی ہے، عدل و انصاف کا بول بالا ہونے والا ہے اور حق باطل پر غالب آنے کو ہے۔ دیکھو عورتوں کا خضاب مہندی ہے اور مردوں کا خضاب خون ہے اور صبر بہترین انجامِ کار! بڑھو لڑائی کی طرف بڑھو، پیر پیچھے نہ ہٹیں نہ عزم و ارادے میں کمزوری آنے پائے۔ آج کی مشقتوں کا بڑا اچھا صلہ آگے چل کر تمہیں نصیب ہوگا''۔

معاویہ یہ تقریر نقل کرتے جاتے اور غیظ و غضب سے چہرہ سرخ ہوتا جاتا۔ غصے میں بھر کر بولے۔

''خدا کی قسم علیؑ نے جتنے خون بہائے تم ہر خون میں اُن کی شریک رہیں''۔

زرقاء: ''خدا آپ کا بھلا کرے اور آپ کو صحیح و سالم رکھے۔ آپ ایسے لوگوں کو بھلائی ہی کی خوش خبری ملتی رہے اور ان کے مصاحبوں کو خوشی ہی حاصل ہوتی رہے''۔

معاویہ: ''کیا اس بات سے تمہیں خوشی ہوئی''؟

زرقاء: ''ہاں خدا کی قسم آپ نے میری باتیں سنا کر مجھے نہایت درجہ خوش کیا اے کاش میں اپنے عمل سے بھی اپنی تقریر کی تصدیق کر دیتی (یعنی اس روز آپ کی فوج کے خلاف لوگوں کو ابھارنے کے علاوہ اپنے ہاتھ سے آپ کے لشکر والوں کو قتل بھی کیا ہوتا)''۔

معاویہ: امیر المومنین سے زرقاء کے اس بے پناہ خلوص اور حیرت انگیز وفاداری پر مبہوت ہو کر رہ گئے بولے۔

''خدا کی قسم علی کے مرنے کے بعد بھی ان سے تمہاری اتنی شدید وفاداری مجھے زیادہ پسند آئی بہ نسبت تمہاری اس محبت کے جو اُن کے جیتے جی ہوا کرتی تھی اچھا بتاؤ تمہاری کیا حاجت ہے''؟

زرقاء: میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ کسی ایسے امیر سے جس کی میں مخالف رہ چکی ہوں ہرگز سوال نہ کروں گی آپ کے ایسے آدمی کو تو بے مانگے ہی دینا چاہیے۔

(بلاغات النساء طبع نجف صفحہ ۳۲ المستطرف صبح اعشیٰ وغیرہ)

اُمُّ الخیر بارقیہ:

اُمُّ الخیر بنتِ حریش بارقیہ بھی بڑی معزز و محترم خاتون تھیں اور امیر المومنینؑ کی فدائی تھیں۔ جنگ صفین میں یہ بھی اپنے کمالِ خطابت سے لوگوں کو جوش دلاتیں اور معاویہ سے جنگ پر آمادہ کرتیں۔ معاویہ ان کی سرگرمیِ عداوت سے انتہائی نالاں رہے۔ امیر المومنینؑ کی شہادت اور اپنے اقتدار کے جم جانے کے بعد

انھوں نے اپنے گورنر کو لکھا کہ اُمّ الخیر کو ہمارے پاس روانہ کردو چنانچہ یہ بھی شام لائی گئیں۔ دربار میں پہنچیں تو سطوتِ شاہی سے مرعوب ہوکر امیر المومنین کہہ کے سلام کیا۔ معاویہ نے جواب سلام کے بعد کہا۔

معاویہ: ''امیر المومنین کہہ کر پکارتے ہوئے تو تمھیں بڑا کھلا ہوگا''۔

اُمّ الخیر: ''ایسی باتیں نہ کیجئے بادشاہ کے لیے زیبا نہیں''۔

معاویہ: ''خالہ! ٹھیک کہتی ہو اچھا یہ بتاؤ تمہارا سفر کیسا رہا''۔

اُمّ الخیر: ''بڑے آرام وسلامتی کے ساتھ میں یہاں تک آئی''۔

معاویہ: ''میں اپنی نیت ٹھیک ہونے ہی کی وجہ سے تم لوگوں پر فتح یاب ہوا''۔

اُمّ الخیر: ''آپ غلط سلط باتیں ہی کرنے پر تلے ہوئے ہیں نتیجہ کیا ہوگا اس کی پروا نہیں کرتے''۔

معاویہ: '' میرا یہ مقصد نہ تھا اور نہ اس پر بحث کرنے کے لئے تمھیں بلایا ہے''۔

اُمّ الخیر: ''میں تو آپ ہی کی چال چلتی ہوں جیسا آپ نے کہا ویسا میں نے جواب دیا آپ کو جو پوچھنا ہو پوچھیے''۔

معاویہ: ''جس دن عمار قتل ہوئے اس دن کیا تقریر کی تھی تم نے''۔

اُمّ الخیر: ''حضور! نہ تو تقریر کرنے کے پہلے میں نے وہ تقریر بنائی تھی نہ تقریر کرنے کے بعد اسے یاد رکھنے کی کوشش کی۔ چند فقرے تھے جو صدمہ پہنچنے پر زبان سے نکل گئے اگر آپ چاہیں تو دوسرے موضوع پر بات چیت کروں''۔

معاویہ: ''نہیں میں کچھ اور نہیں چاہتا''۔

اس کے بعد انھوں نے اپنے ساتھیوں سے مُڑ کر پوچھا تم لوگوں میں سے کس کس کو اُمّ الخیر کی اس دن والی تقریر یاد ہے؟

ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا ''حضور مجھے ان کی تقریر اسی طرح یاد ہے

جس طرح سورۂ حمد"۔ معاویہ نے کہا سناؤ اس شخص نے کہا۔

" لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، قیامت کا زلزلہ بڑا ہولناک ہوگا۔ خداوندِ عالم نے حق کو ظاہر، دلیل کو روشن، راستے کو واضح اور ھدایت کے علم کو ایستادہ کردیا ہے۔ اس نے تمھیں ایسے اندھیرے میں نہیں رکھا جس میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے۔ خدا تم پر رحم کرے تم کہاں جانا چاہتے ہو؟ کیا امیر المومنینؑ سے فرار اختیار کرنا چاہتے ہو؟ یا معرکے سے پیٹھ موڑنے کا ارادہ ہے یا اسلام سے روگردانی کرنے پر تلے ہو یا حق سے برگشتہ ہوجانے کا ارادہ ہے۔ کیا تم نے خداوندِ عالم کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ۔

"ہم تمھیں آزمائش میں ڈالیں گے دیکھنے کے لیے کہ جہاد کرنے والے تم میں کتنے ہیں اور تمہارے نیکو کاروں کو آزمائیں گے......"

پھر اُمّ الخیر نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر کہا۔

خداوندا اب تابِ صبر باقی نہ رہی، یقین کمزور ہوگیا، مرعوبیت عام ہوگئی۔ دلوں کی باگ دوڑ تیرے ہاتھوں میں ہے۔ ہمارے شیرازے کو پرہیزگاری پر مجتمع کردے اور ھدایت کے معاملے میں متحد کردے اور حق کو حق دار کے پاس واپس لا۔ آؤ، آؤ خدا تم پر رحم کرے امامِ عادل کی طرف آؤ جو وصی پیغمبر ہیں، مجسمۂ وفا ہیں، صدیقِ اکبر ہیں۔ ارے یہ جنگِ بدر کے کینے، جاہلیت کی عداوتیں اور جنگِ احد کے غم و غصے ہیں

جن کو لے کر معاویہ پھاند پڑے ہیں تا کہ وہ بنی عبد شمس کا انتقام لیں......"۔

پھر اُمّ الخیر نے کہا۔

"لوگو! ان کفر کے اماموں سے جنگ کرو، ان کو ایمان سے کوئی واسطہ نہیں اسی طرح یہ لوگ راہِ راست پر آئیں گے، اپنی زیادتیوں سے باز رہیں گے۔ صبر کرو اے گروہ مہاجرین جنگ پر ثابت قدم رہو کہ تمھیں اپنے پروردگار سے بصیرت حاصل ہے۔ تم نے شام والوں کو یوں دیکھا جیسے وہ وحشی گدھے ہیں کہ شیر سے (دم دبا کر) بھاگتے ہیں۔ جنھیں یہ پتہ نہیں کہ زمین کا نشیب و فراز انھیں کہاں جا پہنچائے گا۔ ان لوگوں نے آخرت کو دنیا کے عوض بیچ دیا ہے، ہدایت کے بدلے میں گمراہی خرید لی ہے، بصیرت کے بدلے اندھا بننا اختیار کیا ہے، عنقریب ہی شرمسار اور نادم ہوں گے اور جب ان پر ندامت طاری ہوگی تو معافی کے خواہاں ہوں گے۔ کوئی شک نہیں اس میں کہ جو شخص حق سے بھٹکے گا وہ باطل ہی میں گرے گا اور جو جنت میں مقیم نہ ہوگا وہ جہنم میں جائے گا۔ اے لوگو! عقل والوں نے دنیا کی زندگی کو مختصر سمجھا اس لئے ٹھکرا دیا آخرت کی مدت کو طولانی سمجھا اس لیے اس کے لیے کوششیں کیں۔ خدا کی قسم اے لوگو اگر اس کا خدشہ نہ ہوتا کہ حقوق ضائع ہو جائیں گے، حدود معطل ہوں گے، ظالموں کو غلبہ ہوگا اور شیطان کی بات پوری ہوگی تو ہم راحت و آرام چھوڑ کر موت کے گھاٹ پر آنے کو اختیار نہ کرتے۔

کہاں کا ارادہ کرتے ہو تم لوگ خدا تم پر اپنی رحمت نازل کرے۔ ارے کیا رسولؐ کے چچا زاد بھائی آپ کی دختر کے شوہر اور آپ کے نواسوں کے باپ سے تم راہِ فرار اختیار کر رہے ہو جن کی خلقت پیغمبر کی طینت سے ہوئی، جن کی اصل وہی ہے جو پیغمبر کی اصل تھی، جنھیں پیغمبر نے اپنے رازوں سے مخصوص کیا، اپنے شہرِ علم کا دروازہ مقرر کیا، جس کی محبت مسلمانوں پر واجب قرار دی ہے، جن سے بغض رکھنے والے کو منافق کہا۔ جو اپنی یاری ونصرت سے ہمیشہ پیغمبر کی مدد کرتے رہے اور پیغمبر کے مقرر کردے جادہ پر برابر گامزن رہے، دنیاوی مزوں کی طرف کبھی رخ بھی نہیں کیا اسی کے ساتھ وہ سروں کو شگافتہ کرنے اور بتوں کو توڑنے والے ہیں انھوں نے اس وقت نماز پڑھی جب سب لوگ مشرک تھے اس وقت پیغمبرؐ کی اطاعت کی جب لوگوں کو آپ کی نبوت ہی میں شک تھا یہی کیفیت ان کی ابتدا سے رہی یہاں تک کہ بدر کے سورماؤں کو قتل کیا احد کے شہسواروں کو خاک میں ملایا، ہوازن کے گروہ پراگندہ کئے۔ ہائے یہی باتیں تھیں جنھوں نے ان لوگوں کے دلوں میں نفاق و ارتداد اور عداوت کی تخم ریزی کی۔ میں نے بہت کچھ کہا اور امکان بھر نصیحت کی۔ اللہ ہی مددگار ہے، تم پر سلام ہو اور خدا کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں''۔

معاویہ کا وہ درباری اُمّ الخیر کی یہ تقریر دہراتا جاتا اور معاویہ کے غیظ وغضب کا پارہ چڑھتا جاتا۔ تقریر کے خاتمے پر آگ بگولا ہو کر بولے۔

''خدا کی قسم ام الخیر تم یہی چاہتی تھیں کہ میں مار ڈالا جاؤں، خدا کی قسم اگر میں تمھیں قتل کر ڈالوں تو کوئی حرج نہ ہوگا''۔

اُمِ الخیر نے بہت بے باکی سے جواب دیا۔

''ہند کے بیٹے خدا کی قسم مجھے ذرا بھی رنج نہ ہوگا، تمہاری شقاوت کے ذریعے مجھے اور سعادت نصیب ہوگی۔

معاویہ: ''ہائے ہائے بکواس عورت اچھا بتاؤ عثمان کے متعلق تم کیا کہتی ہو''۔

اُمِ الخیر: ''عثمان کے متعلق میں کیا کہوں۔ عثمان کو بادل ناخواستہ لوگوں نے خلیفہ بنایا اور خوشی خاطر قتل کر ڈالا''۔

اس کے بعد اور بہت سی باتیں ہوئیں آخر میں معاویہ نے ان کی جان بخشی کی اور انھیں گھر واپس جانے کی اجازت دے دی۔

(اعلام النسا صفحہ ۳۲۲، بلاغات النسا صفحہ ۳۶)

سودہ بنتِ عمارہ:

سودہ بنتِ عمارہ بن اشتر ہمدانی عراق کی بہت معزز و محترم صاحبِ علم و فضل اور فصیح و بلیغ خاتون تھیں۔ محبتِ امیر المومنینؑ ان کی گھٹی میں پڑی تھی اور حضرت کی جان نثاری و فداکاری اپنے باپ دادا سے میراث میں پائی تھی جن کی غیر معمولی عقیدت اور انتہائی اخلاص امیر المومنینؑ سے مشہورِ عالم ہے۔ یہ معاویہ کے کسی عامل کی شکایت لے کر معاویہ کے پاس پہنچیں جب یہ دربار میں داخل ہوئیں تو معاویہ نے کہا۔

''بروز جنگِ صفین کیا تم ہی نے یہ اشعار نہیں کہے تھے۔

شمر کفعل ابیك یا ابن عمارة

یوم الطعان و ملتقی الاقرآن

والضرر علیا والحسین ورهطه
واقصد لهند وابنها بهوان
ان الامام اخا النبی محمد
علم الهدی و منارة الایمان
فقد الجیوش وسر امام لوائه
قد ما بابیض صارم سنان

اپنے باپ کی طرح اے عمارہ تم بھی اپنے دامن گردان لو
جنگ اور بہادروں سے مڈبھیڑ کے دن
علی اور حسنین اور ان کے ساتھیوں کی مدد کرو
اور ہند کے بیٹے کی ہر ذلت وخواری کی کوشش کرو
کوئی شک نہیں کہ امام اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کے بھائی
ہدایت کا پہاڑ اور ایمان کا منارہ ہیں
لہٰذا لشکر کی قیادت کرو اور امیر المومنینؑ کے علم کے آگے آگے چلو۔ صیقل دار تلوار اور چمکتے ہوئے نیزے کے ساتھ

سودہ: ہاں خدا کی قسم یہ اشعار میں نے ہی کہے تھے میرے ایسا آدمی حق سے انکار نہیں کرتا اور نہ جھوٹے بہانے بناتا ہے۔

معاویہ: کس چیز نے تم کو یہ اشعار کہنے پر آمادہ کیا۔

سودہ: علیؑ کی محبت اور حق کی اطاعت نے۔

معاویہ: علیؑ کے احسانات کا تو کوئی اثر میں تم میں نہیں دیکھتا۔

سودہ: حضور آں قدح بشکست آں ساقی نماند۔ جو باتیں گزر چکیں انھیں یاد کر کے یاد ہرا کے کیا کیجیے گا۔

معاویہ: نہیں نہیں تمہارے بھائی کا کردار ایسا نہیں جو بھلایا جا سکے۔ میں نے اتنی مصیبتیں کسی سے نہیں اٹھائیں جتنی تمہاری قوم اور تمہارے بھائی سے اٹھانی پڑیں۔

سودہ: سچ کہا آپ نے میرا بھائی کوئی ایسا ویسا نہیں تھا وہ تو ویسا ہی تھا جیسا خنساء شاعرہ نے اپنے بھائی کے متعلق کہا ہے۔

وان صخرا لتأتم الهداة به

كانه علم فی راسه نار

صخر وہ ہے جس کی رہبرانِ قوم اقتدا کرتے ہیں۔ گویا وہ پہاڑ کی بلند چوٹی ہے جس پر آگ روشن ہو۔

معاویہ: سچ کہتی ہو تمھارا بھائی ایسا تھا۔

سودہ: حضور بات رفت گزشت ہو چکی ہے میں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر سوال کرتی ہوں کہ اب ان باتوں کو نہ چھیڑیے۔

معاویہ: اچھی بات ہے جانے دو بتاؤ تمہاری حاجت کیا ہے کس لیے آئی ہو۔

سودہ: حضور آپ اب لوگوں کے سردار و حاکم ہو چکے ہیں۔ خداوندِ عالم بروز قیامت ہماری راحت و تکلیف اور ہمارے حقوق کے متعلق آپ سے باز پُرس کرے گا۔ ہم پر ہمیشہ ایسا ہی شخص حاکم بن کر آتا ہے جو آپ کی سطوت و شوکت کے سہارے ہم لوگوں پر جور و ظلم کرتا ہے اور یوں کاٹ ڈالتا ہے جس طرح خوشہ گندم کاٹا جاتا ہے ہمیں ذلیل باتوں پر مجبور اور عزت کے کاموں سے محروم کر دیتا ہے۔ یہ پسر ابنِ ارطاۃ آپ کی طرف سے ہمارا حاکم بن کر آیا ہے، اس نے ہمارے مردوں کو قتل کیا، ہمارا مال چھین لیا۔ اگر ہم اطاعت کا عہد و پیمان نہ کر چکے ہوتے تو ہم میں بھی تابِ مقاومت تھی اور ہم بھی اپنی عزت کے بچاؤ کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اگر آپ اسے معزول کر دیں تو ہم شکر گزار ہوں گے نہیں

معزول کریں گے تو آپ جیسے ہیں وہ ہم جانتے ہی ہیں۔

معاویہ: تم ہمیں اپنی قوم والوں کی دھمکی دیتی ہو۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تمھیں اونٹ پر سوار کر کے اسی بسر کے پاس بھیج دوں کہ جو چاہے سلوک تمھارے ساتھ کرے۔

سودہ نے نیچے سر جھکا لیا آنکھوں سے آنسو جاری تھے، صدمے کے مارے دل پھٹا جاتا تھا پھر شعر پڑھنے لگیں۔

صلی الا اله علی جسم تضمنه
قبر فاصبح فیه العدل مدفونا
قد حالف الحق لا یبغی به بدلا
فصار بالحق والایمان مقرونا

خداوندِ عالم اپنی رحمتیں نازل کرے اس جسم پر جو اب سپردِ لحد ہے اور جس کے ساتھ عدل و انصاف بھی دفن ہو کر رہ گیا۔ اس نے حق سے عہد و پیمان کر رکھا تھا حق کے سوا اور کچھ چاہتا نہ تھا، وہ اور حق لازم و ملزم ہو کر رہ گئے تھے۔

معاویہ: وہ کون؟

سودہ: علیؑ ابنِ ابی طالبؑ

معاویہ: علیؑ نے کیا سلوک تمھارے ساتھ کیا تھا کہ وہ اس درجے کے تمہارے نزدیک مستحق ہوئے۔

سودہ: میں اُن کے پاس ان کے ایک افسر کی شکایت لے کر آئی جنھیں آپ نے زکوٰۃ کی وصولی پر مامور کیا تھا، اس نے ہم پر زیادتی کی اور میں اس کے مظالم کی شکایت لے کر امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی، دیکھا کہ آپ نماز میں مشغول ہیں۔ جب مجھے دیکھا تو آپ نے نماز ختم کر دی اور میری طرف مڑ کر بڑی شفقت اور مہربانی کے لہجے میں پوچھا ''کیا تمھیں مجھ سے کوئی کام

ہے''؟ میں نے واقعہ بیان کیا، آپ سن کر رونے لگے اور آسمان کی طرف سر اُٹھا کر کہا۔ ''خداوندا تو میرا بھی گواہ ہے اور ان عاملوں کا بھی، میں نے انھیں ہرگز حکم نہیں دیا کہ وہ تیری مخلوق پر ظلم کریں نہ یہ کہا ہے کہ وہ تیرا حق چھوڑ دیں''۔ پھر آپ نے جیب سے چمڑے کا ایک ٹکڑا نکالا اور اس پر لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''تمہارے پاس اللہ کے پاس سے روشن دلیل آچکی ہے لہٰذا ازروئے انصاف ناپ تول پورا رکھو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔ نہ زمین میں فتنہ و فساد پھیلاؤ بقیہ خدا تمہارے لئے بہتر ہے اگر ایمان والے ہو اور میں تمہارا کوئی پاسبان نہیں۔

دیکھو جب تم میرا یہ خط پڑھنا تو جو کچھ اموال و صدقات تمہاری تحویل میں ہیں انھیں محفوظ رکھنا یہاں تک کہ تمہارے پاس کوئی پہنچ کر چارج لے لے۔

میں نے حضرت سے وہ نوشتہ لے لیا، حضرت نے نہ اسے والسّلام سر بند کیا، نہ مہر لگائی۔ معاویہ اس واقعے کو سن کر مبہوت رہ گئے پھر اپنے کاتب کو حکم دیا کہ حاکم کو لکھ دو کہ اس عورت کے ساتھ انصاف کیا جائے۔

سودہ: یہ حکم خاص میرے لئے ہے یا میری پوری قوم کے لئے۔

معاویہ: تمھیں اوروں سے کیا سروکار۔

سودہ: تب تو یہ بڑی ذلّت و رسوائی ہے عدل و انصاف ہو تو سب کے لئے ورنہ جو سب کا حال وہ میرا حال۔

معاویہ: وائے ہو تم پر علیؑ ابن ابی طالب نے تم لوگوں کو بہت ڈھیٹ اور بادشاہ کے حضور بہت جری بنا دیا ہے اور ان کے اس قول نے تمھیں مغرور کر دیا ہے۔

فلو کنت بوابا علی باب جنة

لقلت لهمدان ادخلو السلام

اگر میں جنت کے دروازے کا نگران ہوتا تو ہمدان والوں سے کہتا کہ سلامتی کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔ (اعلام النسا، جلد ۲ صفحہ ۲۶۳، العقد الفرید ج ا صفحہ ۲۱۱، بلاغات النسا صفحہ ۳۰)

اُمُّ البراء بنتِ صفوان:

یہ معظمہ بھی بڑی معزز و محترم، شستہ زبان، فصیح و بلیغ خاتون تھیں۔

امیر المومنینؑ کی بے حد مخلص و جاں نثار۔ جنگِ صفین میں انھوں نے بھی ایسے کارنامے انجام دیے جو آج تک تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں۔ یہ لشکر کو اپنی جوشیلی تقریروں سے جنگ پر ابھارتیں اور معاویہ سے جنگ کی ترغیب دلاتیں۔ معاویہ کے عہدِ حکومت میں انھیں بھی دربار شام میں آنا پڑا، جب یہ آئیں تو معاویہ نے کہا۔

معاویہ: دخترِ صفوان کہو کیسی ہو۔!

ام البراء: اچھی ہوں حضور۔

معاویہ: تمہارا حال کیا ہے؟

ام البراء: دلیری کے بعد کمزوری آ گئی، چستی و مستعدی کے بعد سستی و کاہلی نے آ گھیرا۔

معاویہ: آج کے دن اور اس دن میں تمھارے بڑا فرق ہو گیا ہے جس دن تم نے کہا تھا۔

یا عمرو دونك صارما ذا رونق
غضب المهزة ليس بالخوار
اسرج جوادك مسرعا و مشهراً
للحرب غير معود لفرار

اجب الامام ودب تحت لوائه
وافر العدو بصارم بتار
یا لیتنی اصبحت لیس بعورة
فاذ ب عنه عساکر الفجار

اے عمرو چمکدار کاٹنے والی تلوار ہاتھ میں اٹھالو جو بڑی برق رفتار ہے سست نہیں۔
جلدی سے اپنے گھوڑے پر زین کسو اور لڑائی کے لیے دامن گردان لو، فرار کا دھیان بھی نہ آنے پائے۔
امام کی آواز پر لبیک کہو اور ان کے رایت کے نیچے نیچے چلو اور دشمن کو کاٹنے والی تیز ترین تلوار کے ذریعے بھگاؤ۔
کاش میں عورت نہ ہوتی اور فاجروں کی فوجوں کو امیر المومنینؑ سے دفع کر سکتی۔
ام البراء: ہاں حضور یہ بات تو صحیح ہے آپ ایسے آدمی کو معاف ہی کر دینا چاہیے خداوندِ عالم کا ارشاد ہے:
عفا الله عما سلف گزری ہوئی باتوں کو خدا نے معاف کر دیا۔
معاویہ: ناممکن ہے ناممکن ہے اگر پھر ویسا ہی موقع پیش آجائے تو تم پھر ویسی ہی ہو جاؤ گی لیکن پھر بھی میں درگزر کرتا ہوں۔
اچھا یہ بتاؤ جب علی شہید ہو گئے تو تم نے کیا کہا تھا۔
ام البراء: میں بھول گئی حضور۔
اس پر معاویہ کے درباریوں میں سے ایک شخص نے اٹھ کر کہا حضور اس نے کہا تھا۔

باللرجال لعظم هول مصيبة
فدحت فليس مصابها بالهازل
الشمس كاسفة لفقد امامنا
خيرالخلائق والامام العادل

یاخیر من رکب المطی ومن مشی
فوق التراب لحتف اونا علی
حاشا النبی لقد هددت قواء نا
فالحق اصبح خاضعا للباطل

اے لوگو! کتنی سخت مصیبت ٹوٹ پڑی یہ مصیبت کوئی ایسی ویسی نہیں۔

ہمارے امام کے آنکھوں سے اوجھل ہو جانے کی وجہ سے آفتاب کو گہن لگ گیا، ایسا امام جو بہترینِ خلائق اور امامِ عادل تھا۔

اے بہترین ان تمام لوگوں سے جو سوار ہوئے اور پیدل چلے، ہماری طاقتیں ختم ہو کر رہ گئیں اور حق باطل کے آگے سرنگوں ہو گیا"۔

ان اشعار سے معاویہ کے دل پر بڑی چوٹ لگی بولے "خدا تمھیں ہلاک کرے دخترِ صفوان تم نے کسی کہنے والے کے لئے کچھ کہنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رکھی۔ بتاؤ تمہاری حاجت کیا ہے؟ کس لئے آنا ہوا۔

اُمِّ البراء اس ذلت و اہانت کے سلوک سے برداشتہ خاطر ہو چکی تھیں، انھوں نے زبان سے عرضِ مدعا کرنا مناسب نہ سمجھا اور بولیں۔

"ان تمام باتوں کے بعد میں آپ سے کسی چیز کا سوال نہیں کرنا چاہتی"۔

جب یہ اُٹھ کر دربار سے جانے لگیں تو ٹھوکر لگی سنبھل کر فرمایا "خدا دشمنِ علیؑ کو برباد کرے"۔ (بلاغات النسا صفحہ ۵۷ وصحیح الاعشی)

بکارہ ہلالیہ:

یہ معظمہ بھی معزز و محترم خاتون اور اُن عورتوں میں سے تھیں جو دلیری و بے خوفی کا مجسمہ اور فصاحت و بلاغت کا نمونہ تھیں جنگِ صفین میں امیر المومنینؑ کے مددگاروں میں سے تھیں انھوں نے بھی بہت سی جوشیلی تقریریں کی تھیں اور اپنی

ان تقریروں میں لشکر والوں کو غیرت دلائی، امیرالمومنینؑ کی نصرت پر ابھارا اور معاویہ سے جنگ کرنے کی ترغیب دی۔ معاویہ کے زمانۂ حکومت میں یہ بھی دربارِ دمشق میں آئیں، بہت بوڑھی اور لاغر ہو چکی تھیں، دو نوکر تھے جن پر سہارا کئے ہوئے تھیں، ہاتھ میں عصا تھا انھوں نے معاویہ کو سلام کیا معاویہ نے کشادہ دلی سے جواب سلام دے کر بیٹھنے کی اجازت دی۔ حاشیہ نشینوں میں مروان بن حکم اور عمرو عاص بھی موجود تھے مروان نے انھیں پہچان لیا اور کہا۔

مروان: حضور آپ انھیں پہچانتے ہیں؟

معاویہ: کون ہیں یہ؟

مروان: یہ وہی ہیں جو جنگِ صفّین میں لوگوں کو ہم لوگوں کے خلاف ابھارتی تھیں۔ انہی نے یہ اشعار کہے تھے۔

یا زید دونك فاستشر من دارنا
سیفا حساما فی التراب دفینا
قد کان مذخورا لکل عظیمة
فالیوم ابرزه الزمان مصونا

اے زید دیکھو گھر کے اندر زمین سے شمشیرِ براں کھود کر نکال لو۔
یہ تلوار بڑی مصیبت کے لیے ذخیرہ کر کے رکھی گئی تھی، آج کے دن زمانے نے اسے ہر طرح محفوظ برآمد کر دیا ہے۔

عمرو عاص نے کہا۔ حضور انھیں نے یہ اشعار بھی کہے تھے۔

اتری ابن هند للخلافة مالکا
هیهات ذاك وما اراد بعید
منتك نفسك فی الخلاء ضلالة
اغراك عمرو للشقاء و سعید

فارجع بانکد طائر بخوسها

لاقت علیا اسعد و سعود

کیا تم سمجھتے ہو کہ معاویہ خلافت پر قابض ہو جائیں گے، ناممکن ہے۔ معاویہ جو چاہتے ہیں وہ کبھی نہ ہوگا۔

معاویہ تمہارے نفس کو گمراہی نے تنہائی میں مبتلائے حرص و آز کیا اور عمرو بن عاص اور سعید بن عاص نے بدبختی پر ابھارا۔

تم اپنے منحوس پرندے کو اس کی نحوست سمیت لے کر پلٹ جاؤ۔

نیک ستارے علیؑ سے مل چکے ہیں۔

سعید نے کہا حضور! انھیں نے یہ اشعار بھی کہے تھے۔

قد کنت امل ان اموت ولا اریٰ

فوق المنابر من امیة خاطبا

فاللہ اخر مدتی فتطاولت

حتیٰ رایت من الزمان عجائبا

فی کل یوم لایزال خطیبھم

وسط الجموع لآل احمد عائبا

میں اس دن کی تمنا کیا کرتی تھی کہ مر جاؤں مگر بنی اُمیّہ میں سے کسی آدمی کو منبر پر خطبہ پڑھتے نہ دیکھوں۔

مگر اللہ نے میری زندگی اتنی بڑھا دی کہ اب میں زمانے کی عجیب عجیب باتیں دیکھ رہی ہوں۔

ہر دن بھرے مجمعے میں ان کا مقرر اپنی تقریر میں آلِ محمدؐ پر عیب لگاتا ہے۔

بکارۂ ہلالیہ نے معاویہ سے کہا:

''آپ کے کتے مجھ پر خوب بھونکے اور پوری یورش کی۔ حیرت کی زیادتی کے سبب بولنے کا یارا کمزور پڑ گیا آنکھوں تلے دھند چھا گئی خدا کی قسم ان لوگوں نے جتنے اشعار پڑھے ہیں وہ سب میں نے ہی کہے ہیں جھٹلانا نہیں چاہتی۔ آپ جو کچھ کرنا چاہیں کریں۔ امیر المومنین علی ابنِ ابی طالب کے بعد اب زندگی میں مزا نہ رہا۔ (بلاغت النسا صفحہ ۳۴ عقد الفرید)

اُرویٰ بنتِ حُریث بن عبدالمطّلب :

یہ معظّمہ جنابِ عبدالمطلبؑ کی پوتی حضرت رسولؐ خدا کی چچا زاد بہن اور آپ کی صحابیہ تھیں۔ اپنے وقت کی خواتین کی سیّد و سردار اور شجاعت و بہادری، فصاحت و بلاغت کے زیوروں سے پوری طرح آراستہ تھیں جنگِ صفّین میں امیر المومنینؑ کے لشکر میں زبانی جہاد کے بڑے معرکے انجام دیئے تھے۔ ان کے بارے میں صاحب کتابِ ''ثمرات الاوراق'' لکھتے ہیں **کانت اغلظ الوافدات علی معاویۃ خطاباً**۔ معاویہ کے دربار میں جو عورتیں لائی گئیں ان میں معاویہ کے لیے سب سے زیادہ سخت وشدید یہی معظّمہ تھیں۔ جب یہ دربار میں پہنچیں تو معاویہ نے فرطِ مسرت سے کہا۔

معاویہ: آپ بھی آخر میرے یہاں تشریف لائیں۔ خالہ جان بتایئے تو کہ ہماری مخالفت کرنے کے بعد آپ کا کیا حال ہوا، کیسی گزرتی ہے اور مزاج کیسا ہے۔

اروی: میں تو خدا کے فضل و کرم سے بالکل اچھی ہوں مگر تمہارے متعلق البتہ افسوس ہوتا ہے کہ تم نے کفرانِ نعمت کیا اور اپنے ابن عم کی صحبت کا تم نے بُرا استعمال کیا اور وہ نام (خلیفہ) اپنے لیے اختیار کیا جو تمہارا نام نہ تھا نہ تم اس کے سزاوار تھے اور اس چیز (خلافت) پر تم نے قبضہ کر لیا جس پر تمہارا کوئی حق نہیں، اسلام میں نہ تو تم ہی نے کوئی سختی جھیلی نہ تمہارے باپ نے بلکہ تم لوگوں نے پہلے

رسولؐ کی رسالت ہی سے انکار کیا مگر خداوندِ عالم نے تمہارے نصیبے خراب کیے اور تمہارے چہروں کو خاک آلود کیا اور حق حقدار کی طرف پلٹ کر رہا اور خدا ہی کی بات اونچی رہی اور ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰؐ ہی اپنے دشمنوں پر مظفر و منصور رہے اگرچہ مشرکین جلتے ہی رہے۔ تو ہم اہلِ بیت پیغمبر دین میں بلحاظِ قدر و منزلت اور نصیبہ اور قسمت کے تمام لوگوں سے بزرگ و برتر رہے یہاں تک کہ خداوندِ عالم نے اپنے پیغمبرؐ کو اپنے پاس اٹھالیا، ان کے درجے کو بلند کر کے اور بہت ہی عزت و احترام کے ساتھ مگر اب ان کے انتقال کے بعد تم لوگوں کے سامنے ہم لوگوں کی وہی حالت ہوگئی جو فرعون والوں میں بنی اسرائیل کی ہوئی تھی۔ فرعون والے ان کے لڑکوں کو ذبح کر دیتے اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے اور پیغمبر کے ابنِ عم حضرت امیر المومنینؑ تم لوگوں میں بعد پیغمبر ایسے ہی ہوگئے جیسے جنابِ ہارون جناب موسیٰؑ کی قوم میں تھے کہ ہارون کی فریاد تھی یا ابن ام ان القوم استضعفونی و کادوا ان یقتلوننی۔ اے بھائی قوم والوں نے مجھے کمزور سمجھ لیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ پیغمبر کے انتقال کے بعد ہمارا شیرازہ پھر مجتمع نہ ہوسکا نہ کوئی دشواری ہمارے لئے آسان ہو سکی ہمارا انجام جنت ہے اور تمہارا جہنم"۔

عمرو عاص اس وقت موجود تھے، اروی کی گفتگو سے ان کے ہوش اُڑ گئے، کہنے لگے۔ "اے گمراہ بوڑھی عورت اپنی باتیں کم کر کہاں تک بکتی جائے گی۔

اروی: تم کون ہو؟

عمرو عاص: میں عمرو عاص ہوں۔

اروی: اے نابغہ کے بچے تمہاری بھی یہ مجال کہ تم مجھ سے ہم کلام ہو، تم چپکے ہی بیٹھے رہو اور اپنے کام سے کام رکھو، خدا کی قسم قریش میں نہ تو تیری ماں کو کوئی

حَسَب حاصل تھا نہ اس کی کوئی منزلت وتوقیر تھی۔ تمھارے باپ ہونے کا دعویٰ چھ شخصوں نے کیا ہر شخص مدعی تھا کہ وہی تمہارا باپ ہے میں نے حج کے زمانے میں مقامِ منیٰ میں تیری ماں کو ہر بدکار غلام کے ساتھ پھرتے دیکھا ہے۔

تو تم انھیں غلاموں کی طرح رہو کہ انھیں سے تم مشابہ ہو۔

مروان بھی وہاں موجود تھا اس نے کہا۔

''ارے گمراہ عورت تیری آنکھوں کی روشنی جاتی رہی۔ اسی کے ساتھ عقل بھی رخصت ہوگئی ہے جس کی وجہ سے کسی معاملے میں تیری گواہی بھی جائز نہیں۔

اروی نے کہا۔

''صاحبزادے تم کیا بول رہے ہو تم حَکَم کی بہ نسبت سفیان بن حارث بن کلدہ سے زیادہ مشابہ ہو، تم آنکھوں کے نیلے پن، بالوں کی سرخی میں اس سے ملتے جلتے ہو اسی کے ساتھ تمہاری قامت بھی کوتاہ ہے اور کریہ المنظر بھی ہو۔ میں نے حَکَم کو بھی دیکھا تھا کہ طویل القامت ضعیف وحقیر اور پراگندہ مو تھا۔ تم میں اور اس میں ایسی ہی مشابہت ہے جیسے گھوڑے اور گدھے میں جی چاہے تو اپنی ماں سے جا کر پوچھ لو۔

پھر اروی نے معاویہ کی طرف مڑ کر کہا۔

''خدا کی قسم ان لوگوں کو تم نے ہی اس قدر شوخ اور گستاخ بنا دیا ہے اور تم ہی نے انھیں جراٴت دلائی ہے کہ مجھ سے بدزبانی کریں۔ تمھیں یاد ہے کہ تمہاری ہی ماں ہند نے بروزِ جنگِ اُحد حمزہ کی شہادت پر یہ اشعار کہے تھے''۔

نحن جزیناکم یوم بدر

والحرب یوم الحرب ذات سعر

ماکان عن عتبة لی من صبر
ابی وامی واخی و صھری
شفیت وحشی غلیل صدری
شفیت نفسی و فضیلت نذری
فشکرو حشی علی عمری
حتی تغیب اعظی فی قبری

ہم نے تم لوگوں سے جنگِ بدر کا پورا پورا بدلہ لے لیا اور ایک لڑائی کے بعد دوسری لڑائی آگ بھڑکانے والی ہوتی ہی ہے۔ عتبہ کی ہلاکت پر مجھے صبر تو ہو ہی نہیں سکتا، نہ اس پر نہ اپنے باپ اپنے چچا اور اپنے داماد پر۔

اے وحشی (قاتلِ حمزہ) تو نے میرے سینے کی آگ بجھادی، میرا جی ٹھنڈا کر دیا اور میری نذر پوری کردی۔

تو اب زندگی بھر وحشی کا شکر ادا کرتے رہنا میرا فریضہ ہوگیا یہاں تک کہ میری ہڈّیاں قبر میں پوشیدہ ہوجائیں۔

تو میں نے تیری ماں کے ان اشعار کا جواب دیا تھا۔

یا بنت رفاع عظیم الکفر
خزیت فی بدر وغیر بدر
صبحك الله قبیل الفجر
بالھا شمیین الطول الذھر
ھتك وحشی حجاب الستر
ما للبغایا بعدھا من فخر

اے ہند اے بڑے کفر والے سرکش کی بیٹی تو ہمیشہ ذلیل وخوار رہے گی جنگِ

بدر میں بھی اور دوسری جنگوں میں بھی

سپیدۂ سحر نمودار ہوتے ہی خدا ہاشمیوں سے تیرا سامنا کرائے گا جو دراز قامت اور تابندہ رخ ہیں۔

وحشی نے پردہ دری کردی اس کی بدکار عورتوں کے لیے کوئی فخر کی گنجائش نہیں"۔

معاویہ بدحواس ہو گئے اور عمرو عاص اور مروان کی طرف مڑ کر بولے۔

"تم ہی لوگوں نے انھیں بولنے کا موقع دیا ایسی باتیں مجھے سنوائیں جن کا سننا مجھے گوارا نہ تھا۔

پھر اروی کی طرف مڑ کر کہا۔

آپ اپنی ضرورت بیان کریں عورتوں کی باتیں جانے دیں۔

اروی نے اپنی ضرورت بیان کی جسے معاویہ نے پورا کردیا۔ پورا کرنے کے بعد کہا۔

معاویہ: خدا کی قسم اگر علیؑ ہوتے تو کبھی نہ دیتے۔

اروی: سچ کہتے ہو علیؑ نے امانت داری کی اور خدا کے حکم پر عمل کیا اور اسی کے حکم کے پابند رہے اور تم نے امانت ضائع کی، خدا کے مال میں خیانت کی اور خدا کا مال ایسے لوگوں کو دیا جو اس کے مستحق نہ تھے۔ خداوندِ عالم نے اپنی کتاب میں صاحبانِ حقوق کے حقوق واضح طور پر بیان کردیے ہیں تم نے اس پر عمل نہ کیا۔ علیؑ نے ہم لوگوں کو دعوت دی کہ ہم اپنے اس حق کو حاصل کریں جو خداوندِ عالم نے ہمارے لیے مقرر کیا ہے مگر تمہاری لڑائی کی وجہ سے وہ ہر چیز کو اس کے مقام پر نہ پہنچا سکے اور میں نے یہ جو کچھ تم سے مانگا ہے یہ تمہارے مال سے نہیں مانگا کہ تم اپنا احسان جتاؤ۔ یہ ہم نے اپنا حق طلب کیا ہے۔ اپنے حق کے ماسوا دوسری چیز کا لینا ہم جائز نہیں سمجھتے۔ کیا تم علیؑ کا ذکر کرتے ہو خدا تمہارے منہ کو توڑے اور تمہاری مصیبت کو سخت کرے۔ پھر رونے لگیں اور امیر المومنینؑ کا یہ دل دوز مرثیہ پڑھا۔

الا یاعین ویحك اسعدینا
الا وابکی امیرالمومنینا
رزینا خیر من رکب المطایا
وفارسها ومن رکب السفینا
ومن لبس النعال او احتذاها
ومن قرع المثانی والمثینا
اذا استقبلت وجه ابی حسین
رایت البدر راع الناظرینا
ولا واللہ لا انسی علیا
وحسن صلاتہ فی الراکعینا
افی الشہر الحرام فجعتمونا
بخیرالناس طرا اجمعینا

اے آنکھ ہمیں نیک بخت بنا امیرالمومنینؑ پر اشک فشاں ہو۔

ہم ایسے شخص کے غم میں مصیبت زدہ ہوئے جوان تمام لوگوں سے بہتر تھا جو سواری پر سوار ہوئے یا کشتی پر بیٹھے۔

اوران تمام لوگوں سے بہتر تھا جنھوں نے نعلین پہنی یا ننگے پیر رہے اور جنھوں نے قرآن کی تلاوت کی۔

اگر تم ابوالحسن کے چہرے کا سامنا کرو تو چودھویں رات کا چاند پاؤ گے جو ناظرین کی آنکھوں کو خیرہ کردے۔

خدا کی قسم میں نہ تو علیؑ کو بھول سکتی ہوں اور نہ ان کی نمازوں کی عمدگی کو۔

ارے شہرِ حرام میں تم نے ہمیں صدمہ پہنچایا ایسے شخص کو ہلاک کر کے جو تمام

لوگوں سے بہتر و افضل تھا۔ (بلاغات النساء، صفحہ ۷۲، عقد الفرید، جلد ۱، صفحہ ۲۱۹)

معاویہ نے اروئ کی تعظیم و تکریم کر کے چاہا تھا کہ ان کے دل کو اپنی طرف مائل اور علی سے برگشتہ کر دیں لیکن ان کی یہ کوشش ذرّہ برابر کامیاب نہ ہوئی اور جس کے خمیر میں علیؑ کی محبت اور ان سے خلوص داخل ہو مال دنیا اس کی محبت کو کیوں کر زائل کر سکتا ہے۔

ایسے ہی جذبات و احساسات ابوالاسود دوئلی کی لڑکی سے ظہور میں آئے۔ معاویہ نے بطور تحفہ ابوالاسود دوئلی کے پاس حلوا بھیجا، ابوالاسود دوئلی کی لڑکی نے اس میں سے تھوڑا سا منہ میں رکھ لیا۔ ابوالاسود نے کہا ''بیٹا اسے تھوک دو یہ زہر ہے معاویہ نے فریب سے بھیجا ہے اور وہ ہمیں محبتِ اہلِ بیتؑ سے باز رکھنا چاہتے ہیں''۔ لڑکی نے جب یہ فقرہ سنا تو بولی۔

''خدا ان کا ناس کرے۔ زعفرانی شہد دے کر پاک و پاکیزہ سیّد و سردار سے ہمیں برگشتہ کرنا چاہتے ہیں''۔

پھر اس نے دو (۲) شعر پڑھے۔

ابا لشهد المزعفر یا ابن هند
نبیع علیك احسابا و دینا
معاذ الله کیف یکون هذا
ومولینا امیر المومنینا

زعفرانی شہد کے عوض اے فرزندِ ہند ہم اپنی خاندانی شرافت اور اپنی دین داری تمہارے ہاتھ بیچ ڈالیں۔

خدا کی پناہ ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے درانحالیکہ ہمارے مولا امیرالمومنینؑ ہیں۔

(الکنیٰ والقاب، ج ۱، صفحہ ۸)

عکرشہ بنت الاطرش:

یہ معظمہ بھی عرب کی خواتین میں بڑی جلیل القدر خاتون، دلیری و بے خوفی اور قوت تقریر میں مشہورِ عالم تھیں۔ جنگِ صفّین میں انھوں نے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے، امیر المومنینؑ کی حمایت اور معاویہ کی مخالفت میں بڑی جوشیلی تقریریں کیں۔ قسمت نے انھیں یہ دن بھی دکھلایا کہ معاویہ پوری مملکتِ اسلامیہ کے مالک بن بیٹھے اور انھیں دربار میں آنا پڑا اور اس طرح سلام کرنا پڑا جس طرح امیر المومنینؑ کو سلام کیا کرتیں تھیں۔ معاویہ کے دل میں صفّین کی یاد تازہ ہوگئی اور بولے۔

معاویہ: اب تو میں امیر المومنین ہو ہی گیا۔

عکرشہ: جی ہاں کیونکہ اب علیؑ زندہ نہیں رہے۔

معاویہ خاموش نہیں رہے انھوں نے صفّین کی باتیں چھیڑ دیں اور بولے۔

''کیا تم وہی نہیں ہو جو جنگِ صفّین میں عمامے کی طرح سر پر کپڑا لپیٹے جس کے دونوں سرے اِدھر اُدھر لٹکے ہوئے تھے، کمر کسے ہوئے اور تلوار کی نیام پر سہارا کیے دونوں صفوں کے درمیان کھڑی تھیں اور یہ تقریر کر رہی تھیں!

''اے لوگو! تم اپنے نفس کی خبر لو۔ اگر تم نے جنت کی راہ پالی تو گمراہ انسان تمھیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا اور جو جنت کا ساکن ہوگا وہ کبھی نہ تو اس سے نکلے گا اور نہ کبھی رنجیدہ و مغموم ہوگا۔ تم اس جنت کو خرید لو اس دارِ دنیا کے عوض جس کی نعمتیں ہمیشہ رہنے والی نہیں، نہ جس کے آلام ختم ہونے والے ہیں۔ تم دوراندیش جماعت بنو۔ دیکھو معاویہ تم پر عرب کے ان اوباشوں کو لے کر چڑھ دوڑے ہیں جو نہ یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان کیا ہے نہ یہ جانتے

ہیں کہ حکمت کیا ہے۔ معاویہ نے انھیں دنیا کی لالچ دی اور وہ دوڑ پڑے، باطل کی طرف بلایا اور وہ چل کھڑے ہوئے۔

بزرگانِ خدا اللہ سے ڈرو اور اس کے دین کا خیال کرو۔ خبردار تم میں سستی نہ آنے پائے کہ اس طرح اسلام کی رسی ٹوٹ جائے گی اور ایمان کا نور بجھ جائے گا، سنت زائل اور باطل غالب آجائے گا۔ یہ جنگ بدرِ صغریٰ ہے، یہ دوسرا واقعہ عقبہ ہے۔

اے گروہِ مہاجرین و انصار پوری دینی بصیرت کے ساتھ ان شامیوں سے جنگ کرو اور اپنے عزم وارادے پر ثابت قدمی سے جے رہو۔ مجھے تو آنے والے کل کا یہ منظر دکھائی دے رہا ہے کہ تم نے عرصۂ جنگِ صفین میں ان شامیوں کو اس طرح پایا جیسے وہ گدھے، خچر اور گائیں ہوں جو چیخیں، چلائیں اور لید کریں......''

معاویہ عکرشہ کی جب یہ تقریر دُہرا چکے تو غصے میں بھر کر بولے۔

''خدا کی قسم اگر قضا و قدرِ الٰہی نہ ہوتی اور اسے یہ پسند نہ ہوتا کہ یہ حکومت ہمارے ہاتھوں میں آئے تو تمہاری تقریر کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ دونوں لشکر مجھ پر ٹوٹ پڑیں۔ کس چیز نے آخر تمھیں اس پر آمادہ کیا۔

عکرشہ نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''عقل مند جب کوئی بات ناپسند کرتا ہے تو پھر اسے دہراتا نہیں۔''

معاویہ: ٹھیک ہے اچھا بتاؤ کس غرض سے تمہارا آنا ہوا۔

(بلاغات النساء، صفحہ ۷۰، عقد الفرید، جلد ۱، صفحہ ۲۱۵، صبح الاعشیٰ)

دارمیہ حجونیہ:

یہ معظمہ بھی وہ نیکوکار خاتون تھیں جن کی فصاحت و بلاغت، دلیری و بے باکی اور محبت امیر المومنینؑ سے عرب کا بچہ بچہ واقف تھا۔ معاویہ اپنے زمانہ حکومت میں حج کے ارادے سے جب مکہ معظمہ آئے تو بنی کنانہ کی اس خاتون دارمیہ حجونیہ کے متعلق پوچھا کہ آج کل کہاں ہیں۔ یہ دارمیہ حجونیہ سیاہ رنگ کی لحیم و شحیم خاتون تھیں، لوگوں نے بتایا کہ وہ زندہ ہیں، معاویہ نے پیادہ بھیج کر طلب کیا جب وہ آئیں تو پوچھا۔

معاویہ: اے حام کی بیٹی کیسے آنا ہوا (جناب نوحؑ پیغمبر کے تین فرزند تھے حام و سام و یافث دنیا انھیں تین کی نسل سے ہے) سیاہ رنگت کی قومیں حام کی نسل سے ہیں معاویہ نے ان کی کالی رنگت پر طنز کرتے ہوئے انھیں دخترِ حام کہا۔)

دارمیہ: اگر از راہِ استہزا تم مجھے حام کی بیٹی کہتے ہو تو میں حام کی نسل سے نہیں ہوں میں تو قبیلہ کنانہ کی ایک عورت ہوں۔

معاویہ: سچ کہتی ہو۔ اچھا یہ جانتی ہو میں نے تمھیں کیوں بلایا ہے؟

دارمیہ: غیب کی باتیں تو بس اللہ ہی جانتا ہے۔

معاویہ: میں نے تمھیں یہ پوچھنے کے لیے بلایا ہے کہ آخر تم علیؑ سے اتنی محبت کیوں کرتی تھیں اور مجھ سے اتنی عداوت تمھیں کیوں تھی؟۔

دارمیہ: اس سوال کے جواب سے مجھے معاف ہی کر دیتے تو اچھا تھا۔

معاویہ: نہیں یہ نہیں ہوسکتا تمھیں بتانا ہی پڑے گا۔

دارمیہ: اچھا جب آپ جواب پر مجبور ہی کرتے ہیں تو سنیے۔ میں علیؑ سے اس لیے محبت کرتی تھی کہ وہ رعیت میں عدل و انصاف برتتے تھے اور سب کو برابر برابر دیتے تھے اور آپ کی دشمن اس لیے تھی کہ آپ اس شخص سے برسرِ پیکار تھے

جو آپ سے زیادہ حکومت کا سزاوار تھا اور آپ ایسی چیز کے خواہاں تھے جس کی اہلیت آپ میں قطعاً نہ تھی۔ میں علیؑ کی اطاعت اس لیے کرتی تھی کہ پیغمبر نے انھیں ہمارا حاکم و امیر مقرر کیا تھا اور علی فقرا و مساکین کو دوست رکھتے تھے، اہل دین کی عزت کرتے اور آپ سے دشمنی و بیزاری کی وجہ یہ تھی کہ آپ مسلمانوں کی خوں ریزی کرتے، فیصلوں میں ناانصافی برتتے اور اپنی خواہشِ نفسانی کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔

معاویہ: اچھا! تو اسی وجہ سے تمہارا پیٹ پھول گیا ہے، سینہ بڑھ گیا اور سرین اتنی پُرگوشت ہوگئی ہے۔

دارمیہ: خدا کی قسم یہ باتیں تو آپ کی اماں جان ہند کی بطور ضرب المثل بولی جاتی تھیں میرے متعلق بالکل نہیں۔

معاویہ: ٹھہرو ٹھہرو ہم نے تو اچھی ہی بات کہی ہے جب عورت کا پیٹ بڑا ہوتا ہے بچہ مکمل ہاتھ پیروں کا پیدا ہوتا ہے، جب سینہ بڑا ہوتا ہے تو بچّے کو دودھ پورا پورا پلاتی ہے اور جب سرین پرگوشت ہوتے ہیں تو اس کی نشست خوشنما معلوم ہوتی ہے۔

معاویہ: اچھا یہ بتاؤ تم نے کبھی علیؑ کی زیارت بھی کی ہے؟

دارمیہ: ہاں ہاں خدا کی قسم میں نے انھیں دیکھا ہے۔

معاویہ: انھیں کیسا دیکھا؟

دارمیہ: میں نے خدا کی قسم انھیں اس طرح دیکھا کہ حکومت نے انھیں سرگشتہ نہیں کیا جیسا کہ آپ حکومت کے نشے میں سرگشتہ ہو رہے ہیں اور منصبِ خلافت نے انھیں ایسا بے خود نہیں بنا دیا تھا جیسا کہ آپ آپے سے باہر ہو رہے ہیں۔

معاویہ: تم نے اُن کی گفتگو بھی کبھی سنی؟

دارمیہ: ہاں خدا کی قسم وہ اپنی باتوں سے دل کی تاریکیوں کو یوں روشن

کر دیتے تھے جیسے قلعی برتن کو چمکا دیتی ہے۔

معاویہ: سچ کہتی ہو اچھا بتاؤ مجھ سے کیا چاہتی ہو؟

دارمیہ نے اپنی حاجت بیان کی، معاویہ نے پوچھا "اگر میں تمہاری حاجت پوری کر دوں تو علیؑ ہی کے اتنا مجھے بھی مانو گی"۔ دارمیہ نے برجستہ کہا "علیؑ کی بات تمھیں کہاں نصیب"۔ معاویہ نے اُن کا کام کر دیا اور کہا "خدا کی قسم اگر علیؑ زندہ ہوتے تو کبھی تمھیں اتنا مال نہ دیتے۔ دارمیہ سچ کہتے ہو علیؑ ہرگز نہ دیتے وہ مسلمانوں کے مال سے ایک درہم بھی کسی کو ناجائز نہیں دیتے تھے"۔

(بلاغات النساء، صفحہ ۷۲، عقدِ فرید، ج ۱ صفحہ ۲۱۶)

کنانہ بن بشر بن عتاب نجیبی

مصر میں جب محمد بن ابی بکر کے خلاف مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاویہ بن خدیج نے بغاوت کی اور نوبت جنگ و جدال تک آ گئی انھوں نے حضرت علیؑ کو اطلاع دی حضرت علیؑ نے محمد ابن ابی بکر کو جواب میں تحریر فرمایا کہ جو لوگ تمہارے ہم خیال ہیں ان کو اپنے ساتھ لے کر جنگ کرو اور اپنی امداد کے لیے کنانہ ابن بشر کو طلب کرو اس لیے کہ وہ خلوص نیت و شجاعت و بہادری میں مشہور و معروف ہیں۔ (طبری جلد ۲، صفحہ: ۵۸)

کنانہ بن بشر کے بارے میں حضرت علیؑ کا یہ ارشاد کنانہ کی عظمت و جلالت پر روشنی ڈالتا ہے۔

محمد بن ابی بکر نے اس کے بعد لوگوں کو جمع کیا ان کے سامنے ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا اور حسب ہدایت حضرت علیؑ دو ہزار کی فوج کنانہ کے ساتھ روانہ کی اور دو ہزار افراد کو لے کر خود مقابلہ میں آ گئے۔

عمرو بن عاص کی پہلے کنانہ ابن بشر کی فوج سے ٹکر ہوئی کنانہ نے ایسی شجاعت و بہادری سے جنگ شروع کی کہ جو فوج مقابل میں آتی تھی اسے عمرو کے پاس مار بھگاتے تھے اور عمرو بن عاص ان کے مقابلے میں فوج کے بعد فوج روانہ کرتا تھا، جب عمرو بن عاص نے یہ کیفیت دیکھی تو معاویہ ابن خدیج پاس کہلا بھیجا معاویہ بن خدیج ایک فوج کثیر لے کر کنانہ بن بشر کے مقابل آ گیا اور اس نے کنانہ کے ساتھیوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ پھر بھاگی ہوئی شامی فوج بھی

اس کی کمک کو آ گئی جب کنانہ نے یہ کیفیت دیکھی تو خود اوران کے ساتھی گھوڑوں سے اُتر پڑے اور جنگ شروع کی کنانہ یہ آیت پڑھتے جاتے تھے۔

''جس کو بھی موت آئے گی خدا کے حکم سے آئے گی یہ خدا کی طرف سے تحریر ہے جو دنیا کا عوض چاہے گا اس کو عوض دنیا دیں گے اور جو ثواب آخرت چاہتا ہے ہم اس کو ثوابِ آخرت دیں گے ہم عنقریب شکر کرنے والوں کو جزا دیں گے''۔

یہ کہتے رہے اور جنگ کرتے رہے اور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے کنانہ کی موت کا اثر یہ ہوا کہ محمد ابنِ ابی بکر کے ساتھی ساتھ چھوڑ کر فرار ہو گئے اور محمد ابنِ ابی بکر کی بھی شہادت ہو گئی (طبری جلد ۲ صفحہ:۵۹)

اعین بن ضبیعہ مجاشعی

جب مصر میں محمد بن ابی بکر کی شہادت ہو گئی تو معاویہ نے عبداللہ بن عمرو بن حضرمی کو بصرہ روانہ کیا تا کہ وہ لوگوں کو اس کی ترغیب دلائے کہ عمرو بن عاص نے جو فیصلہ حکمین کا صادر کیا ہے اس کے پابند ہو جائیں قصہ یہ تھا کہ محمد ابنِ ابی بکر کی شہادت کے بعد عبداللہ بن عباس بصرہ سے کوفے محمد ابنِ ابی بکر کی تعزیت کے لیے آئے اور زیاد کو اپنا قائم مقام معین کر گئے جب عبداللہ بن عمرو بن حضرمی بصرہ آیا اور بنو تمیم میں آ کر قیام کیا زیاد نے ابن حضرمی کے میزبان مالک بن سمع کو جو بنو امیہ کی طرف مائل تھا اپنے امداد کی دعوت دی اس نے تامل کیا زیاد کو اندیشہ ہوا کہ کہیں قبیلہ ربیعہ کے لوگ بھی اس کی طرف مائل نہ ہو جائیں اس لیے وہ نافع کو مشورے سے صبرہ بن شیمان حدانی سے طالب اعانت ہوا زیاد نے اس سے کہلا بھیجا کہ جب تک امیر المومنین علیہ السلام کا حکم نہ آ جائے مجھے اور بیت المال کو

اپنی پناہ میں لے لو اس نے اپنی پناہ میں لے لیا زیاد مع بیت المال و منبر کے صبرہ
کے یہاں آ گیا اور مسجد حدان میں نماز جمعہ پڑھنا شروع کیا اور اس کی اطلاع
امیر المومنین علیہ السلام کو دی اور یہ بھی تحریر کیا کہ اکثر اہل بصرہ اس کی طرف مائل ہیں
اور جنگ پر آمادہ ہیں میرے ساتھ تھوڑے سے لوگ ہیں جس سے میں اپنی بھی
حفاظت نہیں کر سکتا ہوں اس لیے میں نے اپنے اور بیت المال کو صبرہ بن شیمان
کی پناہ میں دے دیا ہے حضرت نے ہدایت دے کر اعین بن ضبیعہ مجاشعی کو
روانہ کیا اس نے بصرہ پہنچ کر زیاد کے ساتھ قیام کیا پھر اپنے قبیلہ یعنی بنو تمیم میں
آ گیا لوگوں کو بلایا ابن حضرمی کے پاس بھی آئے لیکن ان لوگوں نے ان کو برا بھلا
کہا پھر قتل کر دیا زیاد نے اس کی اطلاع حضرت علی علیہ السلام کو دی آپ نے جاریہ بن
قدامہ اور شریک بن اعور کو روانہ کیا بالآخر ابن حضرمی اپنے ساتھیوں کے ساتھ
ایک گھر میں پناہ گزیں ہوا اور وہیں بری طرح قتل کر دیا گیا۔(طبری
جلد ۶، صفحہ: ۶۳ و ۶۴)(مقتول ۵۱ھ)

شریک بن شداد حضرمی

جناب شریک بن شداد حضرمی کی گرفتاری وغیرہ کے حالات کتب تاریخ و
رجال میں مجھے نہیں ملے لیکن مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ بھی جناب حجر کے
رفقاء میں تھے انھیں کے ساتھ گرفتار کر کے شام بھیجے گئے بارہ افراد میں یہ بھی
شامل تھے اور سات آدمی جو مقام مرج عذراء میں شہید کیے گئے ان میں یہ بھی
داخل تھے (طبری جلد ۶ صفحہ: ۴۹)

جناب حجر کے ساتھ محبت حضرت علیؑ میں گرفتار ہونا اور شہید ہونا بہترین شرف
ہے۔(مقتول ۵۱ھ)

محرز بن شہاب سعدی

جناب محرز بھی جناب حجر بن عدی کے رفقاء میں داخل تھے امیر المومنین علیہ السلام کے سچے دوست تھے جناب حجر بن عدی کے ساتھ جو بارہ آدمی گرفتار کر کے شام بھیجے گئے ان میں جناب محرز بھی تھے اور شہید محبتِ علیؑ ہونے والوں میں یہ بھی داخل تھے۔

کتب تاریخ ورجال میں ان کے حالات زندگی مرقوم نہیں ہیں۔

عبدالرحمان بن حسان عشنری

جناب عبدالرحمان جناب حجر بن عدی کے ہم مسلک اور ساتھی تھے اور انھیں کے ساتھ جرم محبت امیر المومنین علیہ السلام میں گرفتار کر کے شام روانہ کئے گئے جب یہ قافلہ شام پہنچا اور مقام عذراء میں جو دمشق سے دو فرسخ دور تھا ٹھہرایا گیا تو معاویہ نے ان لوگوں کے پاس ہدبہ بن فیاض قضاعی حصین بن عبداللہ کلابی اور ابوشریف بدی کو سمجھانے بجھانے کے لیے شام کے وقت روانہ کیا ان میں ایک شخص یک چشم تھا رفقاء حجر میں سے کریم بن عفیف خثعمی نے ایک یک چشم کو بھی آتے دیکھ کر کہا کہ ہم میں سے نصف قتل کیے جائیں گے نصف کو نجات مل جائے گی سعد بن نمران جو جرم محبت کے گرفتاروں میں داخل تھے یہ سنتے ہی کہنے لگے پالنے والے مجھے نجات مل جائے لیکن تو راضی وخوشنود رہے اور عبدالرحمان بن

حسان نے کہا کہ پالنے والے مجھے تو معزز و محترم قرار دے اور ان کو ذلیل و رسوا کر اور تو مجھ سے راضی رہے پالنے والے میں نے بسا اوقات اپنے کو ہلاکت میں ڈالا ہے لیکن ہوا وہی جو تو نے چاہا۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ پیامبر آ گئے اور معاویہ کا یہ حکم ان لوگوں کو سنایا (فلاں فلاں) چھ آدمی رہا کیے جاتے ہیں اور (فلاں فلاں) آٹھ آدمی قتل کیے جائیں گے اس کے بعد دوسرے دن بعد نمازِ صبح قتل ہونے والوں میں سے ایک ایک آدمی کو قتل کرنا شروع کیا یہاں تک کہ چھ آدمی جام شہادت پی کر راہیٔ جنت ہو گئے۔ اور صرف عبدالرحمان بن حسان اور کریم بن عفیف باقی بچے ان لوگوں نے قاصدوں سے کہا کہ ہم لوگ علیؑ بن ابی طالب کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو معاویہ کہتا ہے پیامبروں نے ان کی گفتگو معاویہ کے پاس کہلا بھیجی معاویہ نے حکم دیا کہ ان دونوں کو ہمارے پاس لاؤ چنانچہ یہ دونوں بزرگوار معاویہ کے پاس آئے جب سامنے پہنچے تو کریم بن عفیف خثعمی نے کہا کہ اے معاویہ خوف خدا کر کے تو بھی اس فانی گھر سے آخرت کے باقی گھر جائے گا تجھ سے ہمارے قتل کے بارے میں کیا کہتے ہو کریم نے جواب دیا جو تم کہتے ہو وہی میں کہتا ہوں معاویہ نے کہا علیؑ جس دین پر تھے اس سے برائت کرتے ہو کریم نے یہ سوال سُن کر کچھ جواب نہیں دیا معاویہ نے بھی یہ پسند نہیں کیا کہ وہ جواب دیں الغرض اپنے بعض اعزا کی سفارش سے وہ اس شرط سے رہا کر دیئے گئے کہ کوفہ واپس نہ جائیں۔

معاویہ اس کے بعد جناب عبدالرحمان کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ اے قبیلہ ربیعہ کی فرد تم علیؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو عبدالرحمان نے کہا اس کے بارے میں مجھ سے دریافت کرنا ہی تمہارے لیے بہتر ہے معاویہ نے کہا بتانا پڑے گا کہ علیؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو عبدالرحمان نے کہا جب حضرت علیؑ کے

متعلق اظہارِ خیال ضروری ہے تو سنو میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علیؑ ذکرِ خدا بہت کرتے تھے حق کا حکم دیتے تھے عدل و انصاف کو قائم کرتے تھے لوگوں کی خطائیں معاف کرتے تھے معاویہ نے کہا عثمان کے متعلق کیا کہتے ہو جناب عبدالرحمان نے کہا عثمان پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے ظلم کا دروازہ کھول دیا حق کا دروازہ بند کیا معاویہ نے کہا عبدالرحمان تم نے اپنے کو قتل کر دیا۔ عبدالرحمان بولے نہیں میں نے تجھ کو قتل کیا الغرض معاویہ نے عبدالرحمان کو زیاد کے پاس واپس کر دیا اور اسے تحریر کیا کہ تو نے جتنے افراد کو یہاں بھیجا تھا ان میں سب سے زیادہ برے عبدالرحمان ہیں اس لیے جس سزا کے مستحق ہیں ان کو وہ سزا دے اور ان کو بری طرح قتل کر جب عبدالرحمان زیاد کے پاس لائے گئے تو اس نے ان کو مقام قس ناطف بھیج دیا اور زندہ قبر میں دفن کر دیا۔

جناب عبدالرحمان اور کریم جب معاویہ کے پاس عذراء سے لے جائے جا رہے تھے تو جناب عبدالرحمان نے جناب حجر بن عدی سے کہا کہ خدا آپ کو ہمیشہ اپنے بارگاہ قدسی میں رکھے آپ بہترین اسلامی بھائی تھے۔

(طبری جلد ۶ صفحہ: ۱۵۴ و ۱۵۵)

جناب عبدالرحمان کا یہ عجیب وغریب جہاد ہے ان میں بھی ان کے دیگر رفقاء کی طرح عجب ثبات قدم تھا جوان کے سچے محب امیر المومنین اور مومن کامل ہونے کی دلیل ہے۔

کاش ہمارے زمانے کے شیعوں میں ایسے افراد پیدا ہو جائیں کاش نفسِ خبیث پر بھی ان کے نفس نورانی کی ایک چھوٹ پڑ جائے۔

حیرت ہے علمائے رجال شیعہ سے کہ انھوں نے نہ معلوم کن اسباب سے جناب حجر کے رفقاء کے حالات زندگی کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے اور سوائے بعض

کے کسی کا تذکرہ اپنی کتب میں نہیں کیا ہے حالانکہ ان لوگوں نے امتحان گاہِ محبت امیر المومنین علیہ السلام میں عجیب وغریب قربانی پیش کی ہے۔

جویریہ ابن مسہر عبدی

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے مخصوص فدائی جانباز اصحاب میں جناب جویریہ ابن مسہر بھی شامل تھے اور یہ بھی ان سرفروشان محبت میں داخل تھے جن کے محبِ علیؑ ہونے کے سبب سے ہاتھ پیر کاٹے گئے اور سولی دی گئی۔ حضرت علی علیہ السلام نے اپنی حیات میں ان سے ان کی کیفیتِ شہادت کو بیان کر دیا تھا۔ اور جیسا حضرت نے بتایا تھا حرف بحرف اس کے مطابق ان کی شہادت واقع ہوئی۔

جناب جویریہ اس پائے کہ صحابی و محب امیر المومنینؑ حضرت علیؑ تھے کہ جس طرح یہ حضرت کو دوست رکھتے تھے حضرت بھی ان کو دوست رکھتے تھے۔ اصحابِ پیغمبر اسلام و اصحابِ آئمہ معصومین علیہم السلام میں معدودے چند ایسے حضرات ہیں جن کیلئے بصراحت معصوم نے یہ فرمایا ہو کہ میں تم کو دوست رکھتا ہوں اور جس سے نبی یا امام یہ فرمادے اس کے رفعت مراتب و بلندی درجہ و علومقام کو کوئی کیا بیان کرسکتا ہے۔ جناب جویریہ کے بارے میں کُتب اہلِ سنّت میں بھی وارد ہے کہ حبہ عرنی راوی ہیں کہ جویریہ بن مسہر عبدی مردِ صالح اور حضرت علی علیہ السلام کے دوست تھے۔ حضرت علی علیہ السلام بھی ان کو دوست رکھتے تھے ایک دن یہ حضرت کے ساتھ کہیں جارہے تھے راستے میں حضرت نے آواز دی جویریہ میرے پاس آجاؤ اس لئے کہ میں جب تم کو دیکھتا ہوں تو میرا دل تمہاری طرف مائل ہوتا ہے، دوسری روایت حبہ عرنی ہی سے وارد ہے کہ ایک دن ہم

لوگ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ جا رہے تھے جویریہ پیچھے پیچھے چل رہے تھے حضرت یک بیک جویریہ کی طرف متوجہ ہوئے اور آواز دی جویریہ میرے پاس آجاؤ تم کو معلوم نہیں ہے کہ میں تم کو دوست رکھتا ہوں، جویریہ دوڑ کر حضرت کے پاس پہنچے آپ نے فرمایا جویریہ میں تم کو کچھ باتیں بتاتا ہوں تم ان کو یاد کرلو اس کے بعد حضرت نے ان سے چپکے چپکے باتیں شروع کیں جویریہ نے عرض کیا مولا میں بھولتا بہت ہوں اس لیے ان واقعات کو مجھ سے پھر بیان کر دیجئے حضرت نے فرمایا میں پھر سے بیان کرتا ہوں تا کہ تم اسے یاد کرلو ان باتوں کے آخر میں حضرت نے جویریہ سے فرمایا جویریہ جب تک ہمارا دوست ہم کو دوست رکھے تم بھی دوست رکھو لیکن جب وہ ہمارا دشمن ہو جائے تو تم بھی اس کو دشمن رکھو لیکن جب پھر ہم کو دوست رکھنے لگے تو پھر تم اس کے دوست ہو جاؤ جن لوگوں کے دلوں میں حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں شکوک تھے انھوں نے کہنا شروع کیا دیکھتے ہو حضرت علیؑ نے جویریہ کو اسی طرح اپنا وصی بنا دیا ہے جس طرح وہ خود اپنے لیے وصی رسولؐ ہونے کے مدعی ہیں۔

جناب جویریہ کے لیے لوگ یہ باتیں اس لیے کہا کرتے تھے کو جویریہ کو حضرت سے بہت زیادہ اختصاص حاصل تھا حد یہ ہے کہ ایک دن حضرت علی علیہ السلام سو رہے تھے آپ کے کچھ اصحاب حاضرِ خدمت تھے کہ جویریہ حاضر ہوئے پکار کر کہنے لگے اے سونے والے اُٹھ اس لیے کہ تیرے سر پر ایسی ضربت لگائی جائیگی کہ جس سے تیری ڈاڑھی تیرے خون سے خضاب ہوگی حضرت علی علیہ السلام مسکرائے اور فرمانے لگے جویریہ آؤ میں تم سے تمہارا واقعہ بیان کروں جویریہ تم ایک سرکش حرام زادے کے پاس زبردستی لائے جاؤ گے وہ ضرور تمہارے ہاتھ پیر کاٹے گا اور ایک کافر کے خرمہ کے تنے پر تم کو سولی دے

گا۔ حبہ عرنی بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ زیاد نے جناب جویریہ کو گرفتار کیا اور ہاتھ پیر کاٹے اور ابن بکعبر کے لمبے خرمے تنے کے پہلو میں ایک خرمے کے تنے پر سولی دے دی۔

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ا، صفحہ: ۲۱۰)

اس روایت کو علامہ مجلسی نے بحار الانوار جلد ۹، صفحہ: ۲۰، پر تھوڑے سے تغیر کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اور آخر میں یہ بھی تحریر کیا ہے کہ جب معاویہ کے زمانۂ حکومت میں زیاد حاکمِ کوفہ ہوا تو اس نے ان کے ہاتھ پیر کاٹ کے سولی دی تھی۔

جناب جویریہ کو حضرت امیر صرف دوست ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ حضرت کے موثق و معتبر اصحاب میں بھی یہ داخل تھے چنانچہ کتاب معدن الحکمہ اور رسائل میں علی بن ابراہیم قمی سے ایک حدیث طولانی کے ضمن میں منقول ہے کہ ایک دن حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے منشی ابورافع کو حکم دیا کہ میرے معتبر و موثق افراد سے دس آدمیوں کو میرے پاس لاؤ ابورافع نے عرض کیا ان کے نام بتا دیجئے تو آپ نے فرمایا اصبغ بن نباتہ ابوطفیل عامر بن واثلہ کنانی، زریں بن جیش اسدی، جویریہ بن مسہر عبدی، خندف بن زہیر اسدی، حارث بن مقرفہ ہمدانی حارث بن اعور ہمدانی قبیلہ نخع کے چراغ، علقمہ بن قیس، کمیل بن زیاد، عُمیر بن زرارہ کو میرے پاس لے آؤ۔

رجال، مامقانی جلد ا صفحہ: ۱۵۰ حالات اصبغ بن نباتہ جناب جویریہ حضرت علی علیہ السلام کے موذن بھی تھے جیسا کہ بحار جلد ۹ صفحہ: ۲۹۷ پر درج ہے اور مناقب ابن شہر آشوب ۲ صفحہ: ۱۶۲ پر تحریر ہے۔

جناب جویریہ وہ با کمال محب امیر المومنین علیہ السلام تھے کہ جن کو حضرت علی علیہ السلام نے تین مرتبہ بشارت دی ہے۔ چنانچہ خود جویریہ ناقل ہیں میں نے حضرت کو یہ

ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ محمد کے محب کو دوست رکھو اور جب وہ ان کو دشمن رکھنے لگے تو اس کے دشمن ہو جاؤ۔ اور آل محمدؐ کے دشمن کو دشمن رکھو اور جب وہ آل محمدؐ کا دوست ہو جائے تو اس کے دوست ہو جاؤ۔ اس کے بعد تین مرتبہ ارشاد فرمایا میں تم کو بشارت دیتا ہوں میں تم کو بشارت دیتا ہوں میں تم کو بشارت دیتا ہوں۔

(رجال کشی صفحہ: ۷۰)

چونکہ جناب جویریہ کو حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے یہ اختصاص تھا اور انتہائی قربت و منزلت بارگاہِ علوی میں حاصل تھی اسی لئے بخوشی یہ مصیبت گوارا کر لی ہاتھ پیر کٹوا دیئے اور سولی پر چڑھائے جانے کے بعد بھی ان کی پیشانی پر بل نہیں پڑے۔

کتب رجال و تاریخ میں ان کی تاریخِ شہادت میری نظر سے نہیں گزری لیکن کوفے میں زیاد کی حکومت ۵۱ھ سے ۵۳ھ تک باقی رہی اس لیے اسی عرصے میں ان کی دردناک شہادت واقع ہوئی ہوگی۔

مرزع

امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب میں مرزع نام کے ایک بزرگ تھے جو لوگوں کو آئندہ کی باتیں بتایا کرتے تھے۔ ابو اراکہ طبالسی اپنے اس ابوالغالیہ سے روایت کرتے ہیں کہ یقیناً ایک لشکر آنے والا ہے جب وہ صحراء میں پہنچے گا تو ان کے ساتھ زمین دھنس جائیگی میں نے کہا کہ مرزع تم نے تو غیب کی خبر بیان کرنا شروع کر دی مرزع نے کہا کہ میں جو تم سے بیان کر رہا ہوں اسے یاد رکھو اس لیے یہ مجھ سے سب سے معتبر و موثق بزرگ حضرت علی علیہ السلام نے بیان کیا ہے نیز

مجھ سے ایک چیز اور بھی بیان کی ہے حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ تم ضرور گرفتار کیے جاؤ گے اور قتل کیے جاؤ گے اور مسجد کے دونوں کنگروں کے درمیان تم کو دار پر چڑھایا جائے گا۔ ابو الغالیہ کہتے ہیں کہ اس تذکرہ کو ایک جمعہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ مرزع گرفتار کیے گئے قتل کیے گئے اور مسجد کے دونوں کنگروں کے درمیان ان کو سولی دے دی گئی۔

اس روایت کو علامہ ابی ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ جلد ا، صفحہ:۲۱۱ پر حضرت علیؑ کے غیب دانی کے واقعات میں تحریر کیا ہے۔ اس واقعے میں جناب مرزع نے دو خبریں دی ہیں پہلے اپنے شہادت کی نوعیت اور دوسرے صحرا کی زمین کا دھنسنا، شہادت اور کیفیتِ شہادت کا حال تو اس روایت میں اختصار کے ساتھ موجود ہی ہے لیکن زمین کے دھسنے کے بارے میں موصوف کہتے ہیں کہ صحیح مسلم اور بخاری میں بھی جناب اُمّ المومنین اُمّ سلمہؓ سے زمین کے دھسنے کی روایت موجود ہے۔ نیز یہ کہ ایک روایت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی نقل کی ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے مدینے کے قریب کسی وادی میں ایسا واقعہ رونما ہوگا۔

جنابِ مرزع کی تاریخ شہادت کتبِ رجال و تاریخ میں میری نظر سے نہیں گزری لیکن ان کے لیے بھی یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ ۵۱ھ سے ۵۳ ہجری تک ہی کے کسی سن میں شہادت واقع ہوئی ہوگی۔

خالد بن مسعود

خالد بن مسعود جلیل القدر اصحاب امیر المومنین علیہ السلام میں شامل تھے حضرت پر دل و جان سے فدا تھے میثم تمار کی طرح ان کو بھی عبید اللہ بن زیاد نے جرم محبت

امیر المومنین علیہ السلام میں شہید کیا تھا اور سولی دے دی تھی۔ ان کی شہادت کا پتہ امام علی رضا علیہ السلام کی اس روایت سے چلتا ہے جس میں آپ نے امیر المومنین علیہ السلام سے نقل کیا ہے علامہ کشی معرفتہ اخبار الرجل صفحہ ۵۶ پر امام رضا علیہ السلام ایک روایت جناب میثم کے حالات میں نقل کرتے ہیں۔ جس میں پہلے میثم نے حضرت کے شہادت کی خبر دی ہے پھر حضرت نے فرمایا۔ میثم تم سچ کہتے ہو کہ تمہارے ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹی جائے گی اور کناسہ کا درخت خرمہ بھی ضرور کاٹا جائے گا جس کو پھاڑ کے چار ٹکڑے کئے جائیں گے ایک چوتھائی پر تم کو سولی دی جائے گی ایک چوتھائی پر رشید ہجری کو اور ایک چوتھائی پر محمد بن اکثم کو ایک چوتھائی پر خالد بن مسعود کو۔

علامہ مامقانی نے خالد بن مسعود کے حالات میں مذکرہ بالا روایت کی طرف اشارہ کر کے ان کے بارے میں صرف اس قدر تحریر فرمایا ہے کہ یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ جناب خالد منفرد شیعوں میں داخل تھے اور ان لوگوں میں داخل تھے جنھوں نے اپنی جان امیر المومنین علیہ السلام کی محبت میں دے دی جو مرتبہ عدالت سے بھی بالاتر ہے۔

غالباً ان کی شہادت بھی زمانہ شہادت میثم تمار ہی کے لگ بھگ زمانے میں واقع ہوئی ہوگی اور ان کا قاتل بھی عبداللہ بن زیاد ملعون ہی ہوگا۔

محمد بن اکثم

محمد بن اکثم کے حالات کتب رجال و تاریخ میں نہیں ملتے ہیں صرف امام علی رضا علیہ السلام کی جس روایت کی طرف ہم خالد بن مسعود کے حالات میں اشارہ کر چکے ہیں اس میں کناسہ کے درخت خرمہ کے تنے کے ایک چوتھائی حصے پر ان

کے سولی دیئے جانے کا ذکر ہے۔

جس سے پتہ چلتا ہے کے یہ بھی بڑے پائے کہ شیعہ تھے اور ایسے جانباز و فدائی تھے کہ آپ کی محبت میں سولی پر چڑھا دیئے گئے۔

کشی میں میثم کے حالات میں ان کا تذکرہ بھی ہے میثم کی شہادت کے زمانے سے کچھ قبل یا بعد ان کی شہادت واقع ہوئی ہوگی اور عبید اللہ بن زیاد ہی قاتل رہا ہوگا۔

عبداللہ بن عفیف اِزدی

عبداللہ ابنِ عفیف حضرت علیؑ کے خاص صحابی تھے، جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں مولا علیؑ کے ہم رکاب تھے۔ نصرتِ علیؑ میں خوب شجاعت کے جوہر دکھائے۔

جناب عبداللہ بن عفیف کی شہادت بعدِ واقعہ کربلا اس وقت واقع ہوئی جب کربلا کا لٹا ہوا قافلہ کوفے آیا۔ عبیداللہ ابنِ زیاد نے شہادت امام حسینؑ کے بعد ان کو شہید کیا۔ جناب عبداللہ بن عفیف بڑے عابد و زاہد و متقی تھے۔

اس وقت مسجدِ کوفہ میں موجود تھے اس لیے کہ کثرت زہد و وِرع و عبادت کے سبب سے مسجد میں برابر رہا کرتے تھے۔ ان کی ایک آنکھ جنگِ جمل اور ایک صفین میں حضرت علی علیہ السلام کی نصرت میں شہید ہو چکی تھی ان کا واقعہ شہادت یہ ہے کہ۔

جب ابنِ زیاد نے سر امام حسین علیہ السلام کو کوفے کے گلی کوچوں میں پھرانے کے بعد مسجد کوفہ میں خطبہ شروع کیا اور کہا خدا کا شکر ہے کہ جس نے حق کو غالب اور (معاذ اللہ) کذاب بن کذاب کو ناکامیاب اور قتل کیا یہ سُن کر عبداللہ بن عفیف کو تاب ضبط نہ رہی، کھڑے ہوئے اور کہا تو اور تیرا باپ جھوٹا ہے اور جس نے تجھ

کو حکم دیا ہے وہ اور اس کا باپ جھوٹا ہے ابنِ زیاد نے کہا یہ کون ہے انھوں نے جواب دیا میں عبداللہ بن عفیف ازدی ہوں یہ سنتے ہی انتہائے غیض و غضب میں ابنِ زیاد کے گلے کی رگیں پھول گئیں اور اس نے پولیس کو حکم دیا کہ ان کو گرفتار کرے لوگ عبداللہ کی گرفتاری کے لیے بڑھے اُدھر ان کے قبیلہ والے ان کی حمایت کے لیے کھڑے ہو گئے اور سپاہیوں کے نیچے سے چھڑا کر ان کے گھر پہنچا دیا ابنِ زیاد نے حکم دیا عبداللہ بن عفیف کو گرفتار کر کے لایا جائے جب فوج گرفتاری کے لیے گئی تو قبیلہ ازد کے لوگ ان کی حمایت کے لیے میدان میں آ گئے ابنِ زیاد نے کچھ اور قبائل کی امداد حاصل کر کے روانہ کیا بالآخر قبیلہ ازد اور ابنِ زیاد کی فوج سے جنگ ہوئی اور اس سلسلہ میں قبیلہ ازد کے بہت سے افراد قتل ہوئے فوج دروازہ توڑ کر عبداللہ بن عفیف کے گھر میں داخل ہو گئی عبداللہ کی بیٹی نے باپ سے کہا بابا فوج گھر میں آ گئی ہے فرمانے لگے بیٹی پریشان نہ ہو مجھے میری تلوار دے دے اور بتاتی جا کہ فوجی کس طرف سے حملہ آور ہیں غرض بیٹی بتاتی جاتی تھی عبداللہ رجز پڑھ پڑھ کر حملہ کرتے تھے لیکن ایک نابینا تنہا کہاں تک لڑتا گرفتار کر لیے گئے اور بیٹی فریاد ہی کرتی رہی۔ گرفتاری کے بعد عبداللہ نے کہا آج اگر میری آنکھ میں بینائی ہوتی تو تمہاری کیا مجال تھی کہ مجھے گرفتار کرتے۔

الغرض ابنِ زیاد کے سامنے لائے گئے اس نے کہا تم عثمان بن عفان کے بارے میں کیا کہتے ہو جناب عبداللہ نے جواب دیا تجھے ان سے کیا مطلب انھوں نے جو کچھ کیا ہے اس کے بارے میں خدائے عادل عدل و انصاف سے فیصلہ کرے گا لیکن اے مرجانہ وسمیّہ کے بیٹے تو مجھ سے اپنے اور اپنے باپ اور یزید اور اس کے باپ کے بارے میں دریافت کر لو میں بیان کروں ابنِ زیاد نے کہا میں ان چیزوں کے بارے میں تم سے کچھ نہ پوچھوں گا لیکن تم کو بری

طرح قتل کروں گا، یہ سُن کر عبداللہ ابنِ عفیف خوش ہوگئے، فرمانے لگے ابنِ زیاد میں تیری نجس پیدائش سے پہلے سے دعا کیا کرتا تھا کہ میری شہادت بدترین خلق کے ہاتھوں واقع ہو لیکن جمل و صفین میں آنکھوں کی شہادت کے سبب سے میں مایوس ہوگیا تھا لیکن خدا کا شکر کہ میری دعا قبول ہوگئی بالآخر عبیداللہ ابنِ زیاد نے عبداللہ ابنِ عفیف کو قتل کرا کے ان کی لاش مقام سخہ میں سولی پر لٹکا دی۔

(خلاصہ لہوف، سے لیا گیا۔)

جناب عبداللہ کی شہادت ابتداء ۶۱ھ میں واقع ہوئی۔ کتب رجال میں ان کے حالات مذکور نہیں ہیں۔

عبداللہ ابنِ عفیف نے مولا علیؑ سے فرمایا تھا کہ میری دونوں آنکھیں مجھے عطا کر دیجئے، مولا علیؑ نے فرمایا کہ عبداللہ میں تمہیں آنکھیں عطا تو کر سکتا ہوں لیکن میرے بعد جو ہونے والا ہے وہ تم جب دیکھو گے تو خدا سے دعا کرو گے کہ پروردگار میری آنکھیں واپس لے لے کیا میں اس منظر کو دیکھنے کے لئے زندہ ہوں۔

۶۱ ہجری میں جب آلِ محمدؐ کا لٹا ہوا قافلہ کوفے میں داخل ہوا عبداللہ ابنِ عفیف ابنِ زیاد کے دربار میں موجود تھے، ابنِ زیاد پر لعنت کرنے کے بعد دربار سے نکلے اور جب بازارِ کوفہ آئے تو کان میں ایک آواز آئی کوئی خطبہ دے رہا تھا۔ عبداللہ ابنِ عفیف نے گھبرا کر کہا یہ تو میرے مولا علیؑ کی آواز آرہی ہے کہ قیامت برپا ہوگئی۔

عبداللہ ابنِ عفیف ۲۰ رمضان ۴۰ ہجری کو مولا علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اس وقت مولا علیؑ نے عبداللہ ابنِ عفیف کو یہ کہہ کر رخصت کیا تھا کہ عبداللہ اب آج کے بعد تم میری آواز نہ سُن سکو گے، اب میری آواز قیامت کے دن محشر کے میدان میں سُنو گے۔

کوفے کے بازار میں عبداللہ ابنِ عفیف نے جو آواز سُنی وہ مولا علیؑ کی آواز سے مشابہ تھی اس لئے انھوں نے یہ کہا کہ کیا قیامت برپا ہوگئی، یہ تو علیؑ بول رہے ہیں۔

عبداللہ ابنِ عفیف کو بتایا گیا کہ یہ علیؑ کی بیٹی زینبِ کبریٰ ناقے پر خطبہ دے رہی ہیں۔ رسولؐ اللہ کے گھر کی عورتوں کو بے پردہ قیدی بنا کر کربلا سے کوفے لایا گیا ہے۔

اُس وقت عبداللہ نے کہا اب میری سمجھ میں یہ بات آگئی کہ جب میں نے مولا علیؑ سے اپنی اندھی آنکھوں کے لئے دعا کرنے کو کہا تو آپ نے فرمایا تھا عبداللہ تم وہ سب دیکھ نہ سکو گے۔

عبداللہ ابنِ عفیف نے اُسی وقت تلوار نکال کر حملہ کر دیا۔ اُن کے قبیلے کے لوگ انھیں بچا کر گھر لے آئے۔ اُن کے گھر پر حملہ ہوا اور انھوں نے جہاد کیا۔ بے انتہا بہادر تھے کہ آنکھوں سے محروم مجاہد نے بھی خوب جہاد کیا۔ بیٹی سے کہا مجھے پکار کر بتاتی جا کہ دشمن کدھر سے آرہا ہے میں حملہ کرتا جاؤں گا۔

ہمدان غلام حضرت امیر المومنینؑ

جناب ہمدان حضرت علیؑ کے زرخرید غلام تھے اور جناب جویریہ بن مسہرد ابن النباح کی طرح یہ بھی حضرت کے موذن تھے۔

(مناقبِ ابنِ شہر آشوب جلد ۲ صفحہ: ۱۶۲)

جناب ہمدان کے حالات کتب رجال و تاریخ میں نہیں ملتے ہیں نہ یہ ملتا ہے کہ حجاج نے کب اور کہاں گرفتار کیا اور کس طرح شہید کیا مناقبِ ابنِ شہر آشوب جلد ۳، میں صفحہ: ۱۶۲ پر صرف اتنا مرقوم ہے کہ ان کو حجاج بن یوسف ثقفی نے شہید کیا ہے۔

فہرست مصادر و ماخذ

ذیل میں ان کتابوں کی مختصر فہرست دی جاتی ہے جو اصحاب امیر المومنینؑ کے تذکروں کی ترتیب میں میرے مطالعہ میں رہی ہیں تا کہ ضرورت کے وقت ان کی طرف رجوع کیا جا سکے۔

۱۔ الاخبار الطوال، دینوری، لیدن ۱۸۸۸ م
۲۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، حیدر آباد، ۱۳۳۶ ھ
۳۔ اسد الغابہ ابن اثیر جزری، مصر، ۱۲۸۵ ھ
۴۔ اصابہ ابن حجر عسقلانی، کلکتہ ۱۲۳۵ ھ
۵۔ اغانی ابو الفرج اصفہانی، مصر ۱۳۲۲ ھ
۶۔ امالی شیخ صدوق، ایران، ۱۲۸۶ ھ
۷۔ امالی شیخ الطائفہ، ایران، ۱۳۱۳ ھ
۸۔ امالی ابو اسمٰعیل قالی، مصر، ۱۳۲۴ ھ
۹۔ الامامت والسیاست، ابنِ قتیبہ، مصر ۱۳۲۷ ھ
۱۰۔ بحار الانوار مجلسی، ایران، ۱۰۳۴ ھ
۱۱۔ البدایہ والنہایہ ابنِ کثیر، مصر ۱۹۳۲ ھ
۱۲۔ تاریخ ابنِ خلدون، مصر، ۱۲۸۴ ھ
۱۳۔ تاریخِ ابن عساکر، دمشق، ۱۳۲۹ ھ
۱۴۔ تاریخ الطبری، مصر، ۱۳۲۶ ھ

۱۵۔ تاریخ کامل، ابنِ اثیر، مصر ۱۳۰۸ھ
۱۶۔ التوحید شیخ صدوق، ایران، ۱۳۳۱ھ
۱۷۔ تہذیب التہذیب، حیدر آباد، ۱۳۲۶ھ
۱۸۔ حلیۃ الاولیا، ابونعیم، مصر، ۱۳۵۱ھ
۱۹۔ خصائص الائمہ قلمی کتاب خانہ رام پور
۲۰۔ خلاصۃ الاقوال حلّی، طہران، ۱۳۱۱ھ
۲۱۔ ذیل المذیل الطبری، مصر، ۱۳۲۶ھ
۲۲۔ رجال کشی، بمبئی، ۱۳۱۷ھ
۲۳۔ رجال نجاشی، بمبئی ۱۳۱۷ھ
۲۴۔ سیر الصحابہ، اعظیم گڑھ
۲۵۔ شذرات الذھب، مصر، ۱۳۵۰ھ
۲۶۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ایران
۲۷۔ صبح الاعشٰی، مصر، ۱۳۳۱ھ
۲۸۔ صفۃ الصفوۃ، حیدر آباد، ۱۳۵۵ھ
۲۹۔ طبقات ابن سعد، لیدن، ۱۹۲۱ھ
۳۰۔ العقد الفرید قاہرہ، ۱۹۴۰ھ
۳۱۔ عیون الاخبار، مصر، ۱۳۴۳ھ
۳۲۔ فتوح البلدان بلاذری، لیدن ۱۸۶۶ھ
۳۳۔ مجالس المومنین، طہران
۳۴۔ المجالس والمساوی بیہقی، مصر، ۱۳۲۵ھ
۳۵۔ محاضرات الابرار وسامرۃ الاخبار، مصر ۱۲۸۲ھ

۳۶۔ مرآۃ الجنان، یافعی، حیدرآباد، ۱۳۳۷ھ

۳۷۔ مروج الذہب مسعودی، مصر، ۱۲۸۳ھ

۳۸۔ منتہی المقال۔

۳۹۔ منہج المقال، مخطوطہ رام پور

۴۰۔ میزان الاعتدال، لکھنو، ۱۳۰۱ھ

۴۱۔ نہج البلاغہ، بیروت۔

علامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی کی کتابیں

نمبر	کتاب کا نام	صفحات	قیمت
	......﴿سوانح حیات﴾......		
۱۔	سوانح حضرت فاطمہؑ (انڈونیشیا پیپر)	1040	700/=
۲۔	ایران کی شہزادی جنابِ شہر بانوؑ	472	400/=
۳۔	شہزادہ قاسمؑ ابنِ حسنؑ (جلد اوّل)	640	500/=
۴۔	شہزادہ قاسمؑ ابنِ حسنؑ (جلد دوم)	400	500/=
۵۔	سوانح حیات شہزادہ علی اصغرؑ	960	800/=
۶۔	اُمّ البنینؑ	400	300/=
۷۔	سوانح حیات حضرت اُمِّ کلثومؑ	544	600/=
	......﴿تاریخ﴾......		
۸۔	شہزادۂ قاسمؑ کی مہندی	400	500/=
۹۔	شہزادی زینبؑ اور تاریخ ملکِ شام	224	200/=
۱۰۔	امام حسنؑ کی فتح اور دشمنِ خدا کی شکست	144	200/=

۱۱۔	غم حسینؑ اور عزاداروں کی شفاعت	224	200/=
۱۲۔	ذوالجناح	720	600/=
۱۳۔	شہید علمائے حق	144	200/=
	......《ادبیات》......		
۱۴۔	معصوموں کا ستارہ شہزادہ علی اصغر (فرنچ سے ترجمہ)	288	300/=
۱۵۔	اردو غزل اور کربلا	240	200/=
۱۶۔	احساس (علمی، ادبی مضامین)	384	300/=
۱۷۔	نوادراتِ مرثیہ نگاری (جلد اوّل)	338	300/=
۱۸۔	نوادراتِ مرثیہ نگاری (جلد دوم)	368	300/=
۱۹۔	کلامِ ضمیر (مرثیے، نوحے، سلام)	304	200/=
۲۰۔	شعرائے اُردو اور عشقِ علیؑ	912	500/=
۲۱۔	شاعرِ اعظم (میر انیسؔ)	720	500/=
۲۲۔	میر انیسؔ کی شاعری میں رنگوں کا استعمال	416	300/=
۲۳۔	میر انیس بحیثیت ماہرِ حیوانات	408	400/=
۲۴۔	میر انیسؔ (انگلش)	366	500/=
۲۵۔	اُردو مرثیہ پاکستان میں	544	500/=
۲۶۔	خاندانِ میر انیسؔ کے نامور شعرا	992	500/=
۲۷۔	ضمیرِ حیات	1232	1000/=

۲۸۔	دبستانِ ناسخ	968	700/=
	.... ﴿عشرۂ مجالس﴾		
۲۹۔	عظمتِ حضرتِ زینبؑ (۱۵ مجالس)	368	300/=
۳۰۔	حضرت علیؑ میدانِ جنگ میں	224	200/=
۳۱۔	معراجِ خطابت (۵ جلدیں)	(مکمل سیٹ)	1400/=
۳۲۔	حضرت علیؑ کی آسمانی تلوار ذوالفقار	368	300/=
۳۳۔	امام اور امت (اُردو)	272	200/=
۳۴۔	امام اور اُمت (انگریزی ترجمہ)	307	200/=
۳۵۔	احسان اور ایمان	336	200/=
۳۶۔	ولایتِ علیؑ	336	200/=
۳۷۔	مجالس محسنہ (جلد اوّل)	400	200/=
۳۸۔	مجالس محسنہ (جلد دوم)	368	200/=
۳۹۔	معجزہ اور قرآن	320	200/=
۴۰۔	ظہورِ امام مہدیؑ	272	200/=
۴۱۔	عظمتِ صحابہ	288	200/=
۴۲۔	تاریخِ شیعیت	304	200/=
۴۳۔	قاتلانِ حسینؑ کا انجام	352	250/=
۴۴۔	علم زندگی ہے	352	300/=

۴۵۔	عظمت حضرت ابو طالبؑ	296	250/=
۴۶۔	اسلام پر حضرت علیؑ کے احسانات	257	250/=
۴۷۔	قرآن کی قسمیں	344	250/=
۴۸۔	معرفتِ الٰہی اور سیرتِ معصومینؑ	256	300/=
۴۹۔	بُت شکن اور بُت تراش	304	300/=
۵۰۔	انسان اور حیوان	272	300/=
۵۱۔	اقوامِ عالم اور عزاداریٔ حسینؑ	304	300/=
۵۲۔	علیؑ وارثِ انبیاءؑ	328	300/=
۵۳۔	محسنینِ اسلام	312	300/=
۵۴۔	عورت اور اسلام	256	300/=
۵۵۔	حیاتِ حضرتِ عباس علمدارؑ	312	300/=
۵۶۔	علیؑ وسیلۂ نجات	288	300/=
۵۷۔	حُسینی معاشرہ اور تاریخ انبیاء	320	300/=
۵۸۔	سیرتِ معصومینؑ	384	300/=
۵۹۔	حیاتِ امام حسینؑ	256	300/=
۶۰۔	معصومین کا علمِ لسانیات	320	300/=
۶۱۔	سیرتِ معصومینؑ	384	300/=
۶۲۔	اصحابِ امیر المومنینؑ	840	300/=
۶۳۔	دو ہزار سال کی کہانی نئی صدی کی زبانی	320	300/=